فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

مدیر
ڈاکٹر سراج احمد قادری

ریسرچ سینٹر

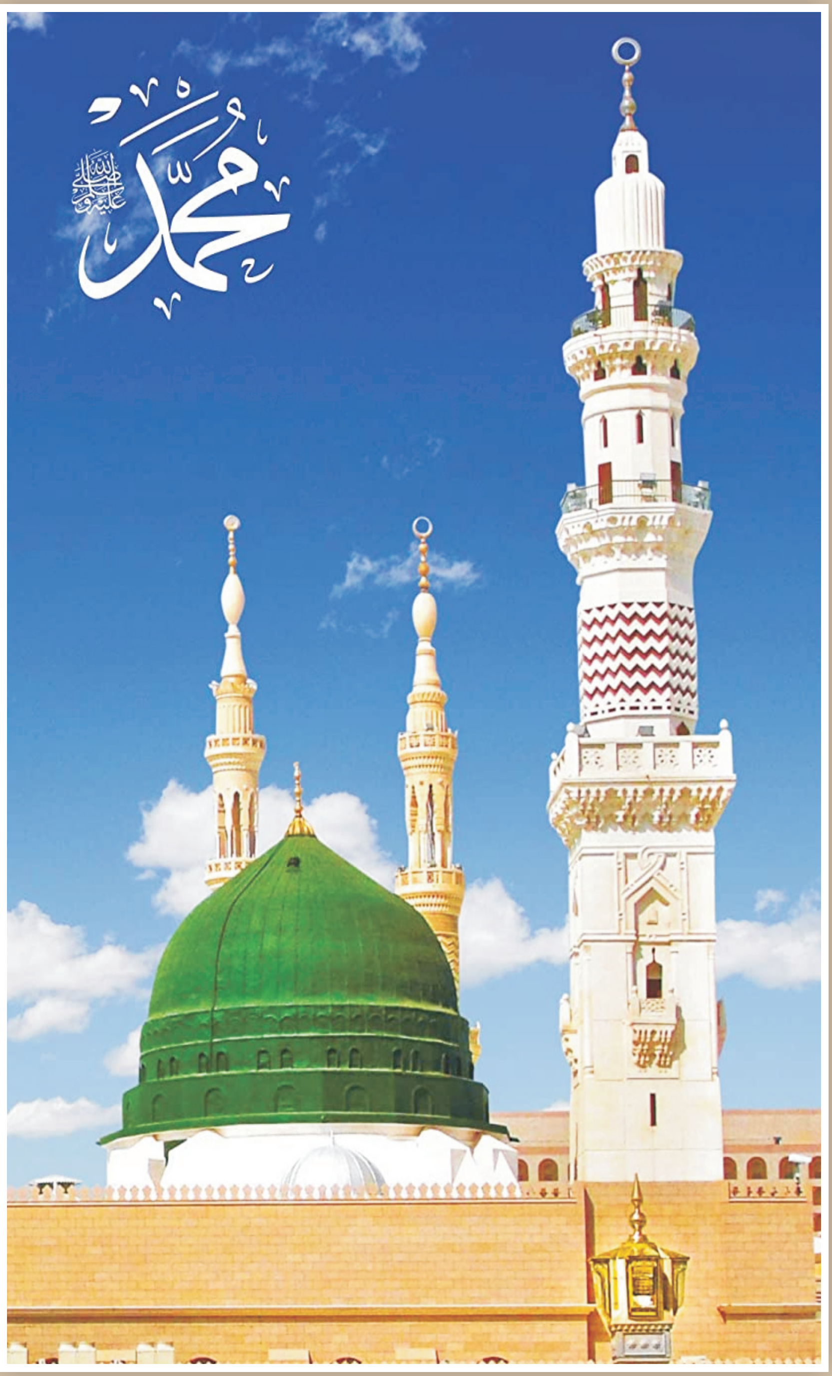
محمد

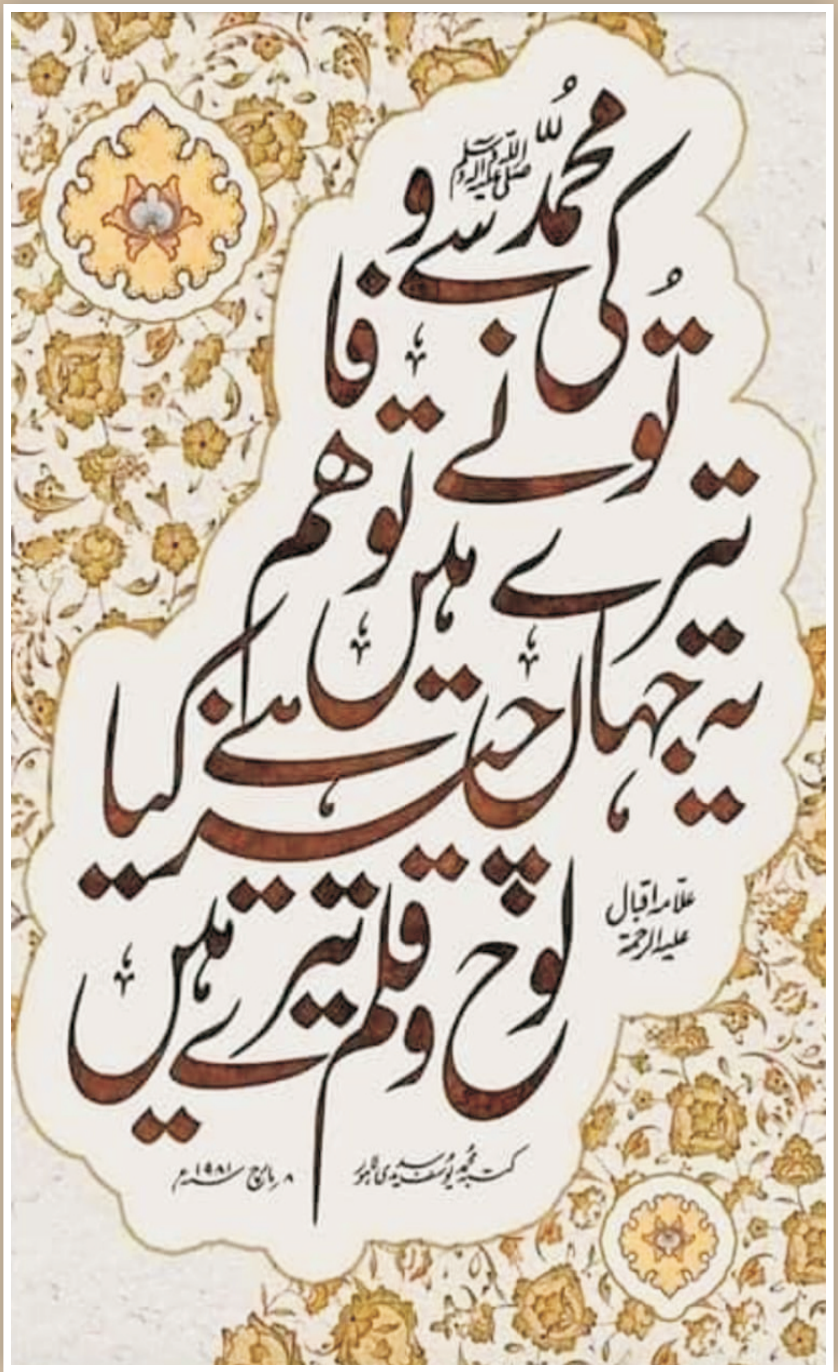

کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
علامہ اقبال علیہ الرحمۃ
کتبہ محمد یوسف سدیدی لاہور
۸ مارچ سنہ ۱۹۸۱ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

شمارہ نمبر ۵

جنوری ۔ دسمبر ۲۰۲۰ء

گوشۂ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

زیرِ نگرانی

فیروز احمد سیفی ۔ نیویارک

مدیر

ڈاکٹر سراج احمد قادری

مجلس مشاورت

پروفیسر عبد الحق ۔ دہلی
ڈاکٹر آصف آدر ۔ گلاسگو
ڈاکٹر احمد القاضی ۔ جامعہ ازہر، مصر
ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری
ڈاکٹر راہی فدائی ۔ بنگلور
ڈاکٹر شعائر اللہ خان ۔ رام پور
پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد ۔ بڑودہ
فاروق احمد جائسی ۔ کانپور
ڈاکٹر جعفر جری ۔ حیدر آباد
رشید اختر خاں ۔ دھنباد
ڈاکٹر رضوان انصاری ۔ سیتا پور
قاضی اسد ثنائی ۔ حیدر آباد

مجلہ دبستانِ نعت میں شامل نگارشات کی آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ جملہ تخلیقات ماہرین کی آراء کے اتفاق سے شامل کی گئی ہیں۔

NAAT RESEARCH CENTER-INDIA

Mohalla Banjaria West,
Khalilabad -272175
Distt. Sant Kabir Nagar, UP
INDIA

Mob: +91-9415875761
7985754611
+ 1-347-561-2447

drsiraj123@gmail.com
anees11435@gmail.com
www.naatresearchcentreindia.com

پاکستان میں رابطہ:
غلام علی- 92-302-461-2214

ہدیہ Rs.500/-

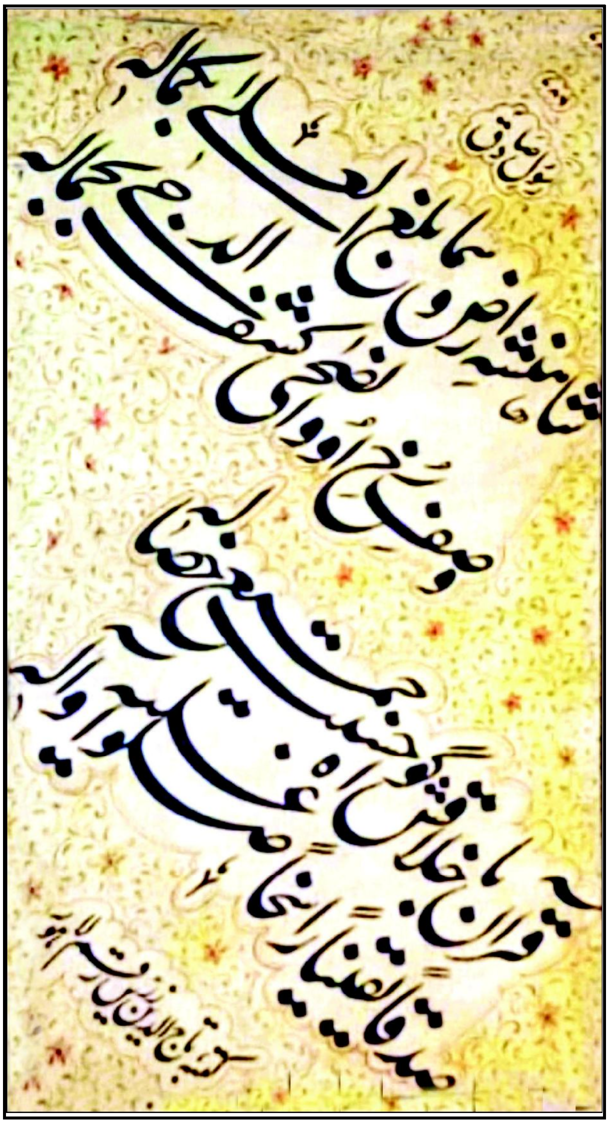

مدینہ منورہ کے ان جاں نثاروں کے نام

جنہوں نے تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق ووارفتگی کا
ایسا نمونہ پیش کیا جو عشاؔقان جہاں کے لئے ایک بہترین اُسوہ ہے۔
نیز اُس خاک مدینہ کے نام جو عرش اعظم سے افضل اور
رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ ہے۔

ہم خاک اُڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضؔا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

حضرت رضؔا بریلوی

نور ونکہت

ادار یہ 8

تحمید وتقدیس

فکر اسفل ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا	علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی	19
یہ ادنیٰ حمدِ خالق میں ہے آدابِ رقم میرا	احسنؔ مارہروی	21
اے شہنشاہ کل، مالکِ دوسرا	سیدہ پروین زینبؔ سروری	22

گوشۂ مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

’’طیبہ‘‘ مسلمانوں کا محبوب ترین شہر	ڈاکٹر احمد القاضی	24
مدحت مدینہ منورہ	ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی	27
تاریخ، تاسیس وعظمت مدینہ شریف	قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری	80
غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام میں لفظ ’’مدینہ‘‘ کا استعمال	ڈاکٹر محمد احمد نعیمی	91
شعرائے ودربھ کی نعتوں میں ذکرِ مدینہ	ڈاکٹر محمد آصف	113
کانپور کے چند نعت گوشعراء کا تذکرہ	فاروق احمد جائسی	146
آزادی کے بعد ضلع سیتاپور کے نعت گوشعراء......	ڈاکٹر رضوان انصاری	171
مدینہ منورہ کے مقدس مقامات پر ایک طائرانہ نظر	الحاج سید محمد مفیض الدین قادری	196
سرزمینِ مدینہ اور نعت گوشعراء	ڈاکٹر شاہد احمد شاہدؔ جمالی	208
اردو نعت گوئی میں ذکرِ مدینہ	ڈاکٹر معین الدین شاہین	214

تابش فکر ونظر/ افکار روشن

حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شعر اقبال	پروفیسر عبدالحق	220
اردو کی اوّلین تخلیق ''مثنوی چنداین'' کا لسانیاتی مطالعہ	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری	233
امام بوصیری کی نعتیہ شاعری	پروفیسر ابوسفیان اصلاحی	269
نعت سرورِ کونین بزبانِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم	ڈاکٹر راہی فدائی	309
نعت محمدی ﷺ کا معنوی آغاز اور لفظی ارتقاء	ڈاکٹر بشیر الحق لطیفی	315
نعت اور اکیسویں صدی کا تہذیبی آشوب	کاشف عرفان	341
خاندیش کی نعتیہ شاعری اور اہم نعت گو شعراء	ڈاکٹر ایس۔ ایم شکیل	348
حفیظؔ جالندھری اور شاہنامۂ اسلام	علامہ اقبال اعظمی	387
نعت گوئی اور مدافعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری	399
جاورہ میں اُردو ادب اور نعت گوئی کا ارتقاء	ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری	411
حجرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بلبل ہندی	قمر الزماں صدیقی	443
نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا اور اس میں فراہم حمدیہ ونعتیہ کتب	ڈاکٹر سراج احمد قادری، مدیر مجلّہ	457

زاویۂ نگاہ

دبستان نعت۔ ۴ پر ایک عمیق نظر	علامہ اقبال اعظمی	533
حاصل مطالعہ ''دبستانِ نعت'' شمارہ۔ ۴	قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری	559
''دبستان نعت'' کے شمارہ نمبر ۴ پر بے لاگ تبصرہ	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	577
کتابی سلسلہ ''دبستان نعت'' کا چوتھا ضخیم شمارہ	پروفیسر مجید بیدار	585
''دبستان نعت'' جلد نمبر ۴۔ ایک کامیاب کوشش	شہیر رضوی	589
''دبستان نعت'' شمارہ نمبر ۴ نقد ونظر کے آئینے میں	ڈاکٹر چاند نظامی	603
دبستان نعت........چند معروضات	مولانا عابد چشتی	610
''دبستان نعت''۔ (۴) ایک تاثراتی جائزہ	ایم۔ نصر اللہ نصر	617
فروغ حمد ونعت کا کتابی سلسلہ 'دبستان نعت'	حلیم صابر	621

گل ہائے عقیدت

عجب رنگ پر ہے بہارِ مدینہ	علامہ حسن رضا خاں حسؔن بریلوی	627
ہے مرنے پہ بھی آرزوئے مدینہ	اکبؔر وارثی میرٹھی	628
رضواں اگر دیکھے تجلّائے مدینہ	بتوؔل فاطمہ شاہ جہاں پوری	629
لے لیگی مری جان تمنّائے مدینہ	سالک رام سالکؔ	630
مدت سے ہے دل میں مرے ارمانِ مدینہ	نور جہاں بدایونی	631
کیونکر کہوں جنّت ہے گلستان مدینہ	پنڈت بہاری لال صابؔر	632
الٰہی دکھادے بہار مدینہ	وحیدہ نسیؔم	633
للّہ بُلا لیجیے سرکار مدینہ	بابو روشن لال نعیؔم	634
ثنا عرش کی ہے ثنائے مدینہ	محمد حسین علی ملکاں قریشی نسیؔم میسوری	635
وہ صبحِ مدینہ وہ شامِ مدینہ معطر معطر ہوائے مدینہ	خورشیؔد آرا بیگم صدیق علی خاں	636
قربان مدینہ ہوں میں قربان مدینہ	اقباؔل اعظمی	637
ہوں میں جان و دل سے نثار مدینہ	تنویر پھوؔل	638
جو ہوں مہرباں تاجدارِ مدینہ	پروفیسر عبدالمنان طرزؔی	639
رسول ﷺ خدا، افتخارِ مدینہ	ڈاکٹر ایس ایم عقیؔل	640
حسّان کے شعروں کا دبستاں ہے مدینہ	سلیمان خماؔر	641
کھول رہا ہے مجھ پر بھی اک باب مدینہ	یاوؔر وارثی	642
حرم ہے جسم تو روحِ سخن مدینہ ہے	محمد قاسؔم حبیبی	643
بٹتی ہے محمد کی خیرات مدینے میں	فاروؔق احمد جائسی	644
اک تختۂ فردوس ہے گلزار مدینہ	ولی اللہ ولؔی عظیم آبادی	645
بسا ہے میری سانسوں میں مدینہ	سیدہ منور جہاں منوؔر	646
ہے دنیا سفر اور سرائے مدینہ	کاشف عرفان	547
یہ کہہ کر چلا نور سینہ بہ سینہ	ربابؔ رشیدی	648
مضطر ہے بہت قلب میں ارمانِ مدینہ	طاہؔر سلطانی	649

محمد کے دل کا ہے درپن مدینہ	الحاج سید محمد استخار الدین یعقوبؔ بدایونی	650
ہو گنبد خضریٰ کہ ہو مینار مدینہ	ڈاکٹر صوفی غازی امان غازیؔ	651
خدا کی خدائی کا محور مدینہ	محمد مظہر حسن مظہرؔ اویسی	652
اے خواہش دل محو سفر آئے مدینہ	ظہیر آتشؔ	653
خیالوں میں ہے اک سوار مدینہ	ساجد حمید	654
مرا دل ہے اور میرا سینہ مدینہ	سراج زیبائی	655
ہر پل ہوئی جاتی ہے فزوں شانِ مدینہ	یاسین مسعود سراج مسعود ادیبی	656
بیادِ رسالت مآبِ مدینہ	فاضلؔ میسوری	657
خوابوں میں سہی مجھ کو نظر آئے مدینہ	ایم۔نصر اللہ نصر	658
رحمت کا سرمایہ مدینہ	تلک راج پارس	659
سب سے بڑی سرکار ہے سرکارِ مدینہ	جمیل افغانی	660
ہند میں میرا مشکل ہے جینا	عبدالقادر قادرؔ	661
کیسے ہو بیاں عظمتِ سلطان مدینہ	ڈاکٹر عقیلؔ ہاشمی	663
کیا جانے کوئی عظمتِ سلطانِ مدینہ	ڈاکٹر التفات امجدی	665
سلام	ڈاکٹر عقیلؔ ہاشمی	667

ستائش نامے

محمد غوث الدین محمود فاروقی، ڈاکٹر وحید انجم، شاہ رشاد عثمانی، سراج وجیہہ تیر انداز، انعام الرحمٰن خاں، ڈاکٹر شعائر اللہ خاں وجیہی، الحاج سید محمد مفیض الدین قادری، پروفیسر خالد حسین خاں، ڈاکٹر غوثیہ سلطانہ نوری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ

''دبستان نعت'' کا پانچواں شمارہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔اب تک اس کے چار شمارے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ان چاروں شماروں کے متعلق ارباب علم وفضل کے جو تأثرات اور ستائش نامے موصول ہوئے ہیں ان سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ فروغ حمد ونعت کے حوالے سے ہم نے اب تک جو کچھ بھی کیا ہے وہ خوب تر ہے۔مگر میرے دل کی اگر پوچھیں تو لوگوں کے لاکھ اطمینان دلانے کے باوجود حمد ونعت کے ارتقائی فروغ کے حوالے سے میرے تجسس کا عالم کچھ اس طرح ہے۔ ؎

یہ جستجو ہے مری فکر کے تلاطم میں
حسین عکس ہے پھیلا ہوا کہاں سے کہاں

(طاہرؔ لاہوری)

یہ تجسس میری روح اور میرے دل کو ہمیشہ مضطرب رکھتا ہے اور اس بات پر مجھے برانگیختہ کرتا رہتا ہے کہ حمد ونعت کے ارتقائی فروغ کے لئے مجھے کچھ ایسا کرنا چاہیے جس سے کہ نفس الامر میں اس کے ارتقائی فروغ کا کچھ حق ادا ہو سکے۔

اگر ہم حمد ونعت کی تحقیق وتنقید کے حوالے سے اب تک ہوئے کاموں کے بارے میں غور وخوض کریں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اب تک اس کی تحقیق وتنقید کے جو بھی اقدام کئے ہیں انہیں اس کے ارتقائی فروغ کا پہلا زینہ بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔بلکہ یوں کہیں کہ ہم نے اس کے ارتقائی فروغ کے زینے پہ پہلا قدم رکھنے کے لئے اُٹھایا ہوا ہے جو ابھی ہوا میں معلق ہے۔پھر خوشی کس بات کی؟

تحقیق وتنقید کے حوالے سے میرے مطالعے ومشاہدے میں جو باتیں آئی ہیں وہ یہ کہ دنیا کی حساس اور بیدار مغز قومیں جب کسی فن کے عروج وارتقاء کے کے لئے کام کرتی ہیں تو وہ اسے آگے بڑھانے کے لئے شب وروز فکر مند رہتی ہیں اور مستعدی سے اس کے ارتقائی فروغ کے لئے تگ ودو کرتی ہیں، تبھی وہ اسے عروج وارتقاء سے ہم کنار کر پاتی ہیں۔چند لمحوں کی فکر مندی یا کچھ ماہ وسال کی جہد وکوشش یا حساسیت کسی بھی فن کو عروج وارتقا نہیں عطا کر سکتی۔

حساس قوموں کا اپنے فن کو عروج وارتقاء کے حوالے سے کام کرنے کا منہج ہی الگ ہے۔ وہ جس بھی موضوع پر کام کرتی ہیں پہلے وہ اس کے بنیادی عناصر کا بغائر مطالعہ کرتی ہیں اس کے بعد وہ اُن ابعاد وعناصر کو تلاشتی ہیں جو اس کے ارتقائی فروغ میں کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مزید اس بات کا جائزہ لیتی ہیں کہ اس موضوع پر کام کی نوعیت کیا ہے؟ کہاں تک کام ہو چکا ہے؟ اور جو کام ہوا ہے کیا وہ عالمی معیارِ تحقیق وتنقید پر کھرا اُترتا بھی ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ جب وہ یقین کی اس منزل پہنچ پہ جاتی ہیں کہ اس موضوع پر اس حد تک معیاری ومعقول کام ہو چکا ہے۔ اس کے بعد وہ اس سے آگے کے راستے کا تعین کرتی ہیں، اور ہم ابھی تک اس بات کا ہی تعین نہیں کر سکے ہیں کہ نعت کی تحقیق وتنقید پر جو کام ہو چکا ہے وہ کس منزل پر ہے اس کا معیار کیا ہے؟ اور جو کام ہوا ہے کیا وہ واقعی عالمی تحقیق وتنقید کے معیار پر کھرا اُترتا بھی ہے یا نہیں اور آگے ہمیں کن امور وجہات پر کام کو آگے بڑھانا ہے وغیرہ وغیرہ۔

نعت کی تحقیق وتنقید اور اس کے ارتقائی فروغ کے تناظر میں ہی ہم نے ''دبستان نعت'' کے پانچویں شمارے کا ایک خاص گوشہ ''مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' شائع کرنے کا عزم کیا اور اس میں قائم کالم ''گلہائے عقیدت'' کے تحت شائع ہونے والے منظوم نعتیہ کلام کو ''مدینہ ردیف'' پر لکھی گئی نعتوں کی صورت میں شامل کیا ہے۔ آپ کے ذہن ودماغ میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم نے نعت کے دیگر موضوعات سے قطع نظر مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر ہی خاص گوشے اور مدینہ ردیف پر ہی نعتوں کو شائع کرنے کا اہتمام کیوں کیا؟ تو اس کے جواب میں عرض ہے، کہ اس سے ہمارا مقصد نعت کو تحقیق وتنقید کی نئی جہات سے ہم کنار کرتے ہوئے اس عظیم موضوع پر نعت گوئی کے مزید امکانات کو تلاش کرنا ہے۔ نیز اسے توارد اور سرقہ سے بھی بچانا ہے۔

نعت جہاں اپنے دامن میں بے پناہ موضوعاتی وسعت وتنوع رکھتی ہے وہیں اس کی آفاقیت کا موضوعاتی شاعری ہونا بھی ہے۔ نعت کے دیگر محبوب ترین موضوعات میں مدینہ طیبہ ہی وہ پیارا ضوع ہے جو نعت گو شعراء کو سب سے زیادہ عزیز ہے اور میرا تو ماننا ہے کہ اگر مدینہ طیبہ کے موضوع پر نعت گو شعرا کے کلام اور دانشوروں کے افکار وخیالات کو یک جا کیا جائے تو ایک انسائیکلو پیڈیا تیار ہو سکتا ہے۔

مدینہ طیبہ درحقیقت نعت گو شعراء کے لئے وہ مرکز عقیدت اور دل گیر موضوع ہے جو جان ایمان کا درجہ رکھتا ہے اور صرف انہی کے لئے نہیں بلکہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر شیدائی کے لئے جان ایمان ہے۔ نعتیہ ادب کی تاریخ اس کے ذکر کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔ جس وقت قندیل مدینہ عاشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل میں روشن ہوتی ہے اس وقت اس عاشق شیفتہ کی

وارفتگی کا جو عالم ہوتا ہے اسکو احساس کے دائرے میں لاکر لفظوں کے سہارے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس وقت سارے الفاظ و معانی بے معنی ہوکر رہ جاتے ہیں بس چند الفاظ ہی کچھ سہارا دیتے ہیں، جو صحابۂ کرام تاج دار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی جاہ میں رُخ زیبا کی زیارت کے وقت عشق و مستی میں ڈوب کر عرض کیا کرتے تھے۔ **فِداکَ اَبِي وَ اُمّي يَا رَسُولُ اللّٰهِ** اور **اَللّٰهُ وَ رَسُولُهٗ اَعلَمُ**۔

الغرض ایک عاشق رسول کے دل میں مدینہ طیبہ کی جو عظمت و رفعت ہے اس کا بیان لفظوں میں قطعاً نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی عظمت شان ہمارے احساس سے ماورا ہے۔ مدینہ طیبہ کا ایک ایک ذرہ عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس درجہ عزیز ہے اس کے لئے ان کے دلوں میں کتنی تڑپ ہے اس کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

کونین میں وہ کون سی عظمت و رفعت ہے جو مدینہ طیبہ میں نہیں۔ اس سے بڑی عظمت اور کیا ہوسکتی ہے کہ مدینہ طیبہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ ہے۔ آپ کا جسد اقدس خاک مدینہ سے مس ہے۔ خاک مدینہ کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ جسم اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دامن اقدس میں پھولوں کے گجرے کی مانند سجا کر ناز برداری کر رہی ہے۔ مدینہ طیبہ کے وہ ذرات جو میرے آقا کے جسم اقدس سے مس ہیں عرش اعظم سے بھی افضل ہیں۔ امام عاشقاں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ طیبہ کی عظمت و فضیلت کے بارے میں کیا ہی خوب فرماتے ہیں۔

> ''خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شہر کی جتنی زیادہ محبت ہے اتنی کسی شہر کی نہیں۔ اسی میں آپ نے اقامت فرمائی اور یہیں آپ نے فتوحات عظیمہ حاصل کیں اور یہیں کمالات شریفہ موعودہ کو پہنچے اور یہی جگہ اسلام کی قوت، دین کے رواج، تمام اوّل و آخر خیر و برکات کا سرچشمہ اور جملہ کمالات ظاہر و باطن کا معدن اور سعادت عظمیٰ اور نعمتِ کبریٰ کا مبداء ہے۔ انہیں وجوہ سے یہ تمام قطعات ارضی و سماوی سے ممتاز ہے، اور ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ مرقد شریف اور قبر پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہیں ہے۔ کوئی نعمتِ منجملہ نعمت ہائے دنیوی اور اُخروی اس کا مقابلہ اور برابری نہیں کرسکتی، اور کوئی عمل بعد فرائض و واجبات کے اس کی زیارت کی برابری نہیں کرسکتا۔ اگر آپ اس بات کا لحاظ کریں جو متعدد طریقے سے

احادیثِ صحیحہ میں آئے ہیں تو ظاہر ہو جائے گا کہ ہر نفس کی پیدائش اس مٹی سے ہے جہاں وہ دفن ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیدائش نفس پاک حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ کی مٹی سے ہے اور اس طرح سے اکثر وہ نفوس آل واصحاب اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جو اس شہر میں آرام فرما ہیں یہیں کی مٹی سے تھے اور مدینہ منورہ کے لئے یہ فضیلت وشرافت کافی ہے۔'' (جذب القلوب الی دیار المحبوب (اردو ترجمہ) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، رضوی کتاب گھر، بھیونڈی صفحہ ۱۵/۱۴)

مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا کے شہروں کے تناظر میں صرف حجاز مقدس کے شہر کی حیثیت سے نہیں دیکھنا اور سمجھا جانا چاہئے بلکہ مدینہ نام ہے عشق وعقیدت کے اس مرکز کا جس نے سسکتی اور بلکتی ہوئی دنیائے انسانیت کی مسیحائی کی ہے۔ مدینہ طیبہ تہذیب وثقافت کے اس عروج و ارتقاء کا نام ہے، جو عروج آدم خاکی کی آخری منزل ہے۔ وہاں پہنچ کر مواجہ اقدس میں حاضر ہو کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی تخلیق کے سارے مقاصد پا لیے ہیں۔ جس وقت ہم مواجہ اقدس پہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوتے ہیں اس وقت ان کی خصوصی نگاہِ کرم ہم پر ہوتی ہے۔ ان لمحوں کی عظمت اور خود پر گزرنے والی کیفیات کو کوئی بیان کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں! یہاں تک کہ جب ایک عاشق رسول مدینہ سے اپنے وطن واپسی کا عزم کرتا ہے اور در رسول پر اذن واپسی کے لئے حاضر ہوتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر کیا بیتتی ہے وہ تو وہی جان سکتا ہے، جس پہ یہ حالات و کیفیات گذری ہوں، مُڑ مُڑ کر آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب دیکھنا، ان سے دوبارہ بُلانے کی التجائیں کرنا اور پھر قلب حزیں کے ساتھ در اقدس کو سلام کر کے رخصت ہونا۔

مر ہی جاؤں میں اگر اس در سے جاؤں دو قدم
کیا بچے بیمار غم قرب مسیحا چھوڑ کر
سرگزشت غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کس کے در پر جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر
مر کے جیتے ہیں جو ان کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

علامہ حسنؔ بریلوی

''دبستان نعت'' کے اس خصوصی گوشے سے قبل بھی جرایدورسائل نے مدینہ طیبہ پر خصوصی شمارے اور گوشے شائع کیے ہیں۔ میرے کرم گستر محترم جناب الحاج سید مفیض الدین قادری شاہجہاں پوری صاحب نے ایک باردوران گفتگوفرمایا کہ ۱۹۵۸ء میں ماہنامہ ''ذکریا'' ملتان بھی ایک خصوصوشمارہ ''مدینہ طیبہ'' پرشائع کر چکا ہے جس کی ایک کاپی میرے بڑے ابّو محترم جناب الحاج سید استخارالدین قادری یعقوبؔ بدایونی کی ذاتی لائبریر میں محفوظ ہے اور انہوں نے مجھ سے اس کو نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کی لائبریری کوعطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔اللہ کریم جلّ مجدہٗ ان کی نوازشات بے کراں سے ہم کو یوں ہی شادکام کرتا رہے اوران کواس کارخیر کے لئے اجرعظیم عطا فرمائے۔

ماہنامہ ''نعت'' لاہور کے بھی دوشمارے ''مدینہ طیبہ'' پراشاعت پذیر ہوچکے ہیں مگر میری دسترس ان تک نہ ہوسکی۔اس کے علاوہ بھی عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موضوع پرلازمی طور سے خصوصی شماروں اور گوشوں کا اہتمام کیا ہوگا مگر وہ میرے علم میں نہیں۔ جہاں تک ہندوستان میں ''مدینہ طیبہ'' پرخصوصی شمارے یا گوشے کی اشاعت کی بات ہے تو مجھے لگتا ہے کہ ''دبستان نعت'' کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔

''دبستان نعت'' کے چوتھے شمارے کے اداریے میں میں نے نعت کے حوالے سے دونظریے پیش کئے تھے (۱) نعت میں مبالغہ آرائی (۲) نعت بہت مشکل فن ہے۔ان دونوں نظریوں کو پیش کرنے سے قبل ''دبستان نعت'' کے تیسرشمارے کے اداریے میں حمد ونعت کی تنقید کی اقسام بندی کر کے اس کی چارقسمیں بیان کی تھیں۔ان سے میرا مقصد حمد ونعت کی تحقیق وتنقید کوآگے بڑھانا ہے نہ کہ اپنی علمی برتری ثابت کرنا۔ مجھے اس بات پر مسرت ہورہی ہے کہ میرے پیش کردہ نکات ارباب علم و دانش کی فکر کا موضوع بن رہے ہیں۔چنانچہ ڈاکٹر عزیزاللہ شیرانی ''دبستان نعت'' کے تیسرے شمارے پرتبصرہ کرتے ہوئے اُن نکات پراپنی رائے کا اظہار کر بایں طور کرتے ہیں۔

> ''دبستانِ نعت'' عالمی سطح پر تنقید، تحقیق اور تخلیق کی سمت متعین کرتا ہے۔''دبستانِ نعت'' کے اراکین مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے علماء فضلاء وادبا اور ناقدین کی توجہ اس جانب بڑی صدق دلی اورعقیدت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے مبذول فرمائی۔اور اردو شاعری میں صنفِ نعت کوتخلیق وتنقید کی راہ دکھائی۔جس کی نشاندہی ڈاکٹر سراج احمد قادری مدیر دبستان نعت نے واضح طور پرنعت شناسی کے تنقیدی نکات

پیش کئے ہیں۔'' (ابعاد بصیرت۔ ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی۔ پروفیسر شعبۂ اردو مولانا آزاد یونیورسٹی، جودھ پور، راجستھان صفحہ ۱۷۹)

مگر چوتھے شمارے میں پیش کئے گئے دونوں نظریوں کے بارے میں دانشوروں کی جو آراء موصول ہوئی ہیں ان میں دو طرح کی ہیں اولاً زیادہ تر لوگوں نے لب کشائی سے چشم پوشی کی ہے، دوسرے کچھ لوگوں نے پہلے نظریے کو دبی زبان سے تسلیم کرتے ہوئے دوسرے نظرئے ''نعت گوئی بہت مشکل فن ہے'' سے اختلاف کیا ہے اور میرے اسے ''فرسودہ نظریہ'' لکھنے پر چیں بہ جبیں بھی ہوئے ہیں۔ انہیں ہونا بھی چاہئے۔ وہ کیوں چیں بہ جبیں ہوئے ہیں میں وہ بھی جانتا ہوں مگر میں ان کی بارگاہوں میں نہایت ہی احترام کے ساتھ عرض کرنا چاہونگا کہ تحقیق وتنقید کی دنیا میں نظرئے تو پیش ہوتے رہتے ہیں۔ تحقیق وتنقید کی دنیا میں کسی بھی نظریہ کو آخری نظریہ نہیں قرار دیا جا سکتا ورنہ تحقیق و تنقید وہیں پر ٹھہر جائے گی۔ نظریات کے اُبھر کر آنے سے فن کا ارتقائی فروغ ضرور ہوتا ہے۔ اس موضوع پر میں ان شاءاللہ تعالیٰ کسی اور موقعے پر مزید مدلل گفتگو کروں گا۔

حمد ونعت کا فن اس کے افکار ور جحانات دیگر اصناف کے تناظر میں جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ حمد ونعت وہ اصناف ادب ہیں جو دیگر اصناف سے مختلف وجداگانہ ہیں۔ جداگانہ بایں طور کہ دیگر اصناف میں اعلیٰ اور معیاری شعر کہنے کے لئے اعلیٰ تخیل کی ضرورت ہوتی ہے اگر کوئی ناخواندہ انسان اعلیٰ تخیل کا شعور رکھتا ہے تو وہ اچھے شعر کہہ سکتا ہے۔ مگر نعت کے لئے اعلیٰ تخیل کے ساتھ تبحر علمی بھی ضروری ہے صرف تخیلات کی سر بلندی سے معیاری، اچھے نعتیہ اشعار نہیں کہے جا سکتے ہیں۔ میں نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے مقدمے میں بہت پہلے لکھا تھا:

''نعت گوئی ہمارے عہد میں پیمانۂ سخن بھی ہے اور پیمانۂ لیاقت علمی بھی۔''

جس کو تمثیلاً بایں طور سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شاعر رُخ زیبا کو اپنی فکر کا موضوع بنانا چاہتا ہے تو اسے کسی مطالعے یا لیاقت علمی کی ضرورت نہیں وہ اپنے اعلیٰ تخیل کے سہارے چہرے کی خوبصورتی اس کی جمالیات اور خط وخال پر اچھے اشعار کہہ سکتا ہے لیکن اگر وہی شاعر رُخ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عکاسی اپنی کسی نعت میں کرنا چاہتا ہے تو اسے قرآن وحدیث کا علم ہونا ضروی ہے، کہ قرآن و حدیث میں رُخ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔ جبھی وہ رُخ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عکاسی یا ترجمانی اپنے نعتیہ کلام میں کر سکے گا، اور اگر اعلیٰ تخیل کے زور پر رُخ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترجمانی کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ بارگاہ انس وجاں صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم میں دروغ گوئی ہوگی اور شعر حقیقت سے ماورا ہوکر رہ جائے گا جسے فن کے لحاظ سے شعر تو کہا جائے گا مگر حقیقتاً وہ نعت کا سچا شعر کبھی نہیں قرار پا سکتا۔ میری فہم وفراست میں یہ حکم صرف نعت گوئی پر ہی نہیں نافذ ہوتا ہے بلکہ دیگر اصناف پر بھی نافذ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کبھی کبھی بہت سے اشعار پڑھتے یا سنتے ہیں مگر وہ بے کیف سے محسوس ہوتے ہیں، وہ ہمیں کسی طرح کی طمانیت نہیں عطا کرتے اگر چہ وہ بحور و اوزان یا اوصاف شعری سے مزیّن ہوتے ہیں مگر فکری لحاظ سے ان کی حیثیت کلام موزوں سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔

ابھی حال ہی میں ڈاکٹر شمع افروز اسسٹنٹ پروفیسر کراچی یونیورسٹی، کراچی کی کتاب ''صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری، فکری وتنقیدی تناظر'' ہندوستان اور پاکستان سے بہ یک وقت طبع ہوکر منظر عام پر آئی ہے، جسے نعت ریسرچ سینٹر انڈیا اور نعت ریسرچ سینٹر، کراچی نے طبع کیا ہے، اس کتاب میں سید صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری کے محاسن و مدارج کے ساتھ نعت کی تحقیقی وتنقیدی ابعاد و جہات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ یہ کتاب ہندوستان اور پاکستان کے معتبر اہل قلم کی تخلیقات وتنقیدات کا ایک بہترین کلیکشن ہے۔

ہندوستان کے مشہور ادیب و ناقد محترم جناب شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے اپنے مضمون ''صبیح رحمانی کی نعت گوئی'' میں نعت کی لفظیات اور اس کی روایت و درایت کے بارے میں جو لکھا ہے اگر بغور دیکھا جائے تو اس سے نعت پر ان کے مطالعے کی بخوبی عقدہ کشائی ہوتی ہے کہ اس موضوع پر ان کی گرفت کتنی مضبوط ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> ''کچھ لوگ روایت کی صحت پر اصرار کرتے ہیں۔ لیکن یہ استدلال سب سے زیادہ کمزور ہے۔ روایت غلط ہوجائے یا صحیح ترین آخذ پر مبنی ہو، شعر کی خوبی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں حفظ مراتب ایسی چیز ضرور ہے جس کا پاس نہ ہو تو نعت ہو یا حمد دونوں بطور نعت یا حمد ناکامی کے خطرے میں پڑ سکتی ہیں۔ کچھ لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ بات ایسی ہو جو شریعت کے معیاروں پر پوری اترے۔ ایک صاحب جو روایت کی صحت کے بڑے پاسدار ہیں، انہوں نے مجھے ایک نعت بھیجی اور فرمایا کہ یہ حرم نبوی میں مواجہ شریف میں کئی بار پڑھی گئی ہے۔ نعت میں سرورِ کائنات کی خدمت میں سلام پیش کئے گئے تھے، اور انداز یہ تھا، 'لیجئے گنہگاروں کا سلام' لیجئے رشوت خوروں کا سلام، وغیرہ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے لیجئے اور لے لیجئے رقبول کر لیجئے رقبول فرما لیجئے کا فرق نہیں

سمجھا۔ بلاتشبیہ عرض کرتا ہوں کہ آپ تو ’لیجئے‘ ’لیجئے‘ کہہ کر گویا پتھر کھینچ مار رہے ہیں، نعوذ باللہ من ذالک۔ اس پر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔‘‘

صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری (فکری وتنقیدی تناظر۔ ڈاکٹر شمع افروز، اسسٹنٹ پروفیسر، کراچی یونیورسٹی، کراچی صفحہ ۲۶)

میں محترم جناب شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کی اس دلیل سے متفق نہیں ہوں کہ ’’روایت غلط ہوجائے یا صحیح ترین ماخذ پر مبنی ہو، شعر کی خوبی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں حفظ مراتب ایسی چیز ضرور ہے جس کا پاس نہ ہو تو نعت ہو یا حمد دونوں بطور نعت یا حمد ناکامی کے خطرے میں پڑ سکتی ہیں۔ کچھ لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ بات ایسی ہو جو شریعت کے معیاروں پر پوری اترے۔‘‘

میری دانست میں حمد ونعت کے لئے روایت ودرایت اور اس کے ماخذ کا مستند ہونا لازمی ہے، اس لئے کہ شاعر جس عنوان کو اپنی فکر کا موضوع بنا رہا ہے اگر وہ غیر معتبر روایت پر مشتمل ہوگا تو اس سے سامع کی طبیعت مکدر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی اور شعر بدمزہ ہو کر رہ جائے گا۔ دوسرے یہ کہ غیر معتبر روایت سے معاشرے میں ایک غلط چیز کے فروغ کا امکان بڑھ جائے گا۔ اس لئے حمد ونعت میں حفظ مراتب کی پاسداری کے ساتھ روایت کی پاسداری بھی لازمی ہے۔ دیگر اصناف شعری روایت کی صحت وعدم صحت سے مبرا ہیں۔ ان سے شعر کی شعریت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی سامع کی طبیعت ہی مکدر ہوتی ہے۔ نیز معاشرے پر بھی اس کا کوئی غلط اثر نہیں پڑتا ہے اور حمد ونعت میں شریعت کی پاسداری ناگزیر ہے۔ حمد ونعت کے ناقدین کے نزدیک خلاف شرع کوئی بھی کلام مقبول نہیں، چاہے اس میں کتنی ہی شعریت کیوں نہ ہو۔

جہاں تک حمد ونعت کی لفظیات کی بات ہے تو میں ’’دبستان نعت‘‘ کے تیسرے شمارے کے اداریے میں اس کی نشان دہی کر چکا ہوں اور واضح طور پر لکھ چکا ہوں کہ حمد ونعت کی انفرادیت، اس کے مزاج کی نازکی کا یہ عالم ہے کہ یہاں ’’ذومعنی الفاظ‘‘ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

محترم شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے حمد ونعت میں حفظ مراتب کی پاسداری کے حوالے سے ’’لے لیجئے/ قبول کر لیجئے/ قبول فرمالیجئے‘‘ کی جو مثال پیش کی ہے یہ اصناف ادب اس سے کہیں زیادہ حفظ مراتب کی پاسداری کی متقاضی ہیں۔ اس فن کو جن لوگوں نے اپنا خون جگر پلایا ہے وہ اس کے مزاج سے کما حقہ واقف تھے۔ اس فن پر ان کی گرفت کتنی مضبوط تھی کہ ایک ایک لفظ کے استعمال پر وہ قرآن وحدیث اور مستند شعراء کے کلام سے ایک دو نہیں سیکڑوں دلائل وشواہد رکھتے

تھے۔ سرخیل نعت گو حضرت مولانا احمد رضا خاں رضؔا بریلوی سے ہم میں کون واقف نہیں اور ان کی کی مشہور زمانہ نعت۔ ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

کس نے نہیں سُنی ہوگی اس کے مصرع اولیٰ ''حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو'' پر کان پور کے سید محمد آصف صاحب نے اعتراض کیا تھا اور ان سے التماس کیا کہ ''شہنشاہ'' کی جگہ لفظ ''شاہ'' ہونا چاہیئے۔ ان کے اس اعتراض کے جواب میں مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ ''شہنشاہ'' کے استعمال پر ایک دو دلیل نہیں بلکہ قرآن و حدیث، اقوال صحابہ اور مستند شعراء کے کلام سے سیکڑوں دلائل و نظائر پیش کئے اور ثابت کیا کہ اس لفظ کا استعمال کسی بھی اعتبار سے غیر مناسب نہیں۔

دبستان نعت کا یہ شمارہ بھی ماسابق شماروں کے مشمولات پر ہی مشتمل ہے۔ بس اس میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی ہے۔ چونکہ یہ شمارہ مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصی گوشے پر مشتمل ہے اسی لئے ''گوشہ مدینہ طیبہ'' کو ''تابش فکر و نظر'' کی جگہ اور ''تابش فکر و نظر نیز افکار روشن'' کو ایک ساتھ کر دیا گیا ہے۔ اس شمارے میں ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کا مضمون ''اردو کی اوّلین تخلیق ''مثنوی چنداین'' کا لسانیاتی مطالعہ'' اگرچہ حمد و نعت کے موضوع سے ہٹ کر ہے مگر اس کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ چوتھے شمارے میں ہم نے اسی موضوع پر ان کا مضمون ''چنداین، مولانا داؤد ڈلمئی اور نعت شریف، ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' شائع کیا تھا نیز مجلّے کا انتساب بھی مولانا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام تھا۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے اپنی تحقیق انیق سے ثابت کر دیا ہے کہ ''مثنوی چنداین'' اردو زبان کی اوّلین تخلیق ہے جسے اردو کے آغاز میں ''ہندکی'' کہا جاتا تھا۔ نیز انہوں نے اس کا لسانی مطالعہ پیش کر کے اس کے پوربی، اودھی اور ہندی وغیرہ دیگر زبانوں میں ہونے کے تمام تر امکانات کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔

''دبستان نعت'' کے اس دورانیہ یعنی سالِ رواں میں پوری دنیائے انسانیت جس کرب انگیزیوں سے گزری اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس دوران ہمارے بہت سے عزیز بھی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے جن کے بہت سارے احسانات ہم پر ہیں۔ خاص کر ''دبستان نعت'' کے شیدائی اور قلمی معاون محترم جناب قاری محمد رفیق فائزؔ فتح پوری کا اس دنیا سے چلا جانا ہمارے لئے بہت دکھ اور

خسارے کی بات ہے۔انہوں نے جس طرح ''دبستان نعت'' کی پذیرائی کی اور قلمی تعاون فرمایا اس کے لئے ہم ان کا کس زبان سے شکریہ ادا کریں ہمارے پاس الفاظ نہیں، ہم صرف اتنا کہ سکتے ہیں کہ انہوں نے آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی خوشنودی کے لئے نعتیہ ادب پر جو علمی وادبی مضامین اور صالح تبصرے قلم بند کئے ہیں ان کو مولیٰ کریم رحمت کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل قبول فرما کر ان کی نجات کا ذریعہ بنائے۔آمین۔

''دبستان نعت'' کے اس شمارے کو بھی ہم نے اپنے طور پر بہ سے بہتر بنانے کی انتھک کوشش کی ہے مگر اس کا فیصلہ ہمارے قائین کرام ہی فرمائیں گے کہ ہم کس حد تک اس کو سجانے، سنوارنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ہم نے یہ بھی کوشش کی کہ ہماری یہ کاوش تمام تر اغلاط سے پاک ہو لیکن اس کے باوجود اگر آپ کو کہیں کوئی خامی نظر آتی ہے تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں ہم آپ کے مرہون منت ہوں گے۔

اگر قلمی تعاون فرمانے والے حضرات کا شکریہ نہ ادا کیا جائے تو روح خود کو ملامت کرنے لگتی ہے۔ایسی صورت میں ہم اپنے تمامی قلمی معاونین کے تہہِ دل سے ممنون ومشکور ہیں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہمارا قلمی تعاون فرمایا۔ہمیں امید ہے کہ یہ شمارہ بھی گذشتہ شماروں کی مانند عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرشاریوں سے آپ کو فرحاں وشاداں ضرور کرے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

غمِ عشق میں نبی ﷺ کے تر وتازہ ہے ہمیشہ
دلِ داغدار میرا گلِ نیلوفر نہیں ہے

پروفیسر سید طلحہ رضوی برؔق۔(پٹنہ)

ڈاکٹر سراج احمد قادری

تحمید و تقدیس

اے خالقِ کُل حاصلِ مقصد تُو ہے
نبیوں کا خدا ربِّ محمد ﷺ تو ہے
جُز تیرے ہر اک ذات کی حد ہے
حد کوئی نہیں جس کی وہ بے حد تُو ہے

پُرنم الہ آبادی

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

فکر اسفل ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا ۔۔۔ وصف کیا خاک لکھے خاک کا پتلا تیرا

طور پر ہی نہیں موقوف اُجالا تیرا ۔۔۔ کون سے گھر میں نہیں جلوۂ زیبا تیرا

ہر جگہ ذکر ہے اے واحد و یکتا تیرا ۔۔۔ کون سی بزم میں روشن نہیں اِکّا تیرا

پھر نمایاں جو سرِ طُور ہو جلوہ تیرا ۔۔۔ آگ لینے کو چلے عاشقِ شیدا تیرا

خیرہ کرتا ہے نگاہوں کو اُجالا تیرا ۔۔۔ کیجیے کون سی آنکھوں سے نظارہ تیرا

جلوۂ یار نرالا ہے یہ پردہ تیرا ۔۔۔ کہ گلے مل کے بھی کھلتا نہیں ملنا تیرا

کیا خبر ہے کہ علی العرش کے معنی کیا ہیں ۔۔۔ کہ ہے عاشق کی طرح عرش بھی جویا تیرا

اَرِنی گوئے سرِ طور سے پوچھے کوئی ۔۔۔ کس طرح عشق میں گراتا ہے تجلاّ تیرا

پار اُترتا ہے کوئی، غرق کوئی ہوتا ہے ۔۔۔ کہیں پایاب کہیں جوش میں دریا تیرا

باغ میں پھول ہوا، شمع بنا محفل میں ۔۔۔ جوشِ نیرنگ در آغوش ہے جلوہ تیرا

نئے انداز کی خلوت ہے یہ اے پردہ نشیں ۔۔۔ آنکھیں مشتاق رہیں دل میں ہو جلوہ تیرا

شہ نشیں ٹوٹے ہوئے دل کو بنایا اس نے ۔۔۔ آہ! اے دیدۂ مشتاق یہ لکھا تیرا

سات پردوں میں نظر اور نظر میں عالم ۔۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ معمّا تیرا

طور کا ڈھیر ہوا غش میں پڑے ہیں موسیٰ ۔۔۔ کیوں نہ ہو یار کہ جلوہ ہے یہ جلوہ تیرا

چار اضداد کی کس طرح گرہ باندھی ہے ۔۔۔ ناخنِ عقل سے کھلتا نہیں عقدہ تیرا

دشت ایمن میں مجھے خاک نظر آئے گا ۔۔۔ مجھ میں ہو کر نظر آتا نہیں جلوہ تیرا

ہر سحر نغمۂ مرغانِ نوا سنج کا شور ۔۔۔ گونجتا ہے ترے اوصاف سے صحرا تیرا

وحشیِ عشق سے کھلتا ہے تو اے پردۂ یار　　کچھ نہ کچھ چاک گریباں سے ہے رشتہ تیرا

سچ ہے انسان کو کچھ کھو کے ملا کرتا ہے　　آپ کو کھو کے تجھے پائے گا جویا تیرا

ہیں ترے نام سے آبادی وصحرا آباد　　شہر میں ذکر ترا، دشت میں چرچا تیرا

برقِ دیدار ہی نے تو یہ قیامت توڑی　　سب سے ہے اور کسی سے نہیں پردہ تیرا

آمدِ حشر سے اک عید ہے مشتاقوں کی　　اسی پردے میں تو ہے جلوۂ زیبا تیرا

سارے عالم کو تو مشتاقِ تجلی پایا　　پوچھنے جایئے اب کس سے ٹھکانا تیرا

طور پر جلوہ دکھایا ہے تمنائی کو　　کون کہتا ہے کہ اپنوں سے ہے پردہ تیرا

کام دیتی ہیں یہاں دیکھئے کس کی آنکھیں　　دیکھنے کو تو ہے مشتاق زمانہ تیرا

مے کدہ میں ہے ترانہ تو اذاں مسجد میں　　وصف ہوتا ہے نئے رنگ سے ہر جا تیرا

چاک ہوجائیں گے دل جیب وگریباں کس کے　　دے نہ چھپنے کی جگہ راز کو پردہ تیرا

بے نوا مفلس ومحتاج وگدا کون کہ میں　　صاحبِ جود وکرم، وصف ہے کس کا تیرا

آفریں اہل محبت کے دلوں کو اے دوست　　ایک کوزے میں لیے بیٹھے ہیں دریا تیرا

اتنی نسبت بھی مجھے دونوں جہاں میں بس ہے　　تو مرا مالک ومولیٰ ہے میں بندہ تیرا

انگلیاں کانوں میں دے دے کے سنا کرتے ہیں　　خلوتِ دل میں عجب شور ہے برپا تیرا

اب جماتا ہے حسنؔ اس کی گلی میں بستر
خوب رویوں کا جو محبوب ہے پیارا تیرا

علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

یہ ادنیٰ حمدِ خالق میں ہے آدابِ رقم میرا
کہ چلتا ہے تو سر کے بل ہی چلتا ہے قلم میرا
زباں پر ذکر ہو تیرا، تو دل میں فکر ہو تیری
نہ گزرے اس سے خالی یا الٰہی کوئی دم میرا
تری راہ طلب میں جان جائے آبرو جائے
یہ سب کچھ ہو مگر یارب نہ شوقِ دل ہو کم میرا
اذیت پاؤں، تکلیفیں اُٹھاؤں، سختیاں جھیلوں
مگر ٹھوکر نہ کھائے راہ میں تیری قدم میرا
تری جاں بخشیوں پر بھی ہوں اپنی جان کا دشمن
عجب ہے وہ کرم تیرا، غضب ہے یہ ستم میرا
وہ بے کس تھا، وہ بے بس ہوں کہ دنیا میں ہوا احسنؔ
نہ کوئی جیتے جی میرا، نہ کوئی مرتے دم میرا

احسنؔ مارہروی

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

اے شہنشاہ کُل، مالکِ دوسرا
ہر دو عالم کا تو ہی ہے فرماں رَوا

تو ہی ہے وارثِ بحر وبر اے خدا
تو اکیلا ہی رازق ہے مخلوق کا

تیرا ذکر خفی روح کی روشنی
وجہِ تسکینِ دل اسم اقدس ترا

مرہمِ زخمِ قلب و جگر تیری یاد
ہر مرض کے لیے تیرا قرآں شفا

قلب مضطر کی تسکیں، سرورِ جگر
تیرا اسمِ جلی ہر مرض کی دوا

چار سو تیرے ہونے کا احساس ہے
ہر نظارے نے دی یہ گواہی سدا

غنچہ و گل، عنادل ترے واسطے
شاخ پر ہر شجر کے ہیں نغمہ سرا

موڑ لیں مشکلوں میں اگر منہ سبھی
بن گیا تو ہمیشہ مرا آسرا

کس میں جرآت ہے تیری کرے ہمسری
دہر میں کوئی تجھ سا نہیں اے خدا!

ہے نگاہِ کرم تیری ہر ایک پر
اپنے بندوں سے الفت کی ہے انتہا

اہل گلشن نے جب ذکر تیرا کیا
پھر پڑھا ہم زباں ہو کے صلِّ علیٰ

ملتزم پہ ہوں محو تمنا ابھی
سُن رہا ہے تو میری ہر اک التجا

تو نے زینبؔ کو تنہا نہ چھوڑا کبھی
ہر قدم پر دیا اک نیا حوصلہ

سیدہ پروین زینبؔ سروری (پاکستان)

گوشۂ مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شعور زیست مدینے کی سرزمیں سے ملا
چراغ آ گہی جس کو ملا یہیں سے ملا

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی (لاہور)

ڈاکٹر احمد القاضی (قاہرہ، مصر)

''طیبہ'' مسلمانوں کا محبوب ترین شہر

طیبہ جو کہ آج کل مدینہ منورہ کے نام سے معروف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہے یہاں آپ نے کفارِ مکہ سے ظلم وستم کی شدت اختیار کر جانے کے بعد ہجرت فرمائی، اس کے مکینوں نے آپ کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا اور آپ نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی جو مسجد نبوی سے مشہور ہے، اس میں ایک نماز کا ثواب مسجدِ حرام کے علاوہ دوسری مساجد میں کئی نمازوں کے ثواب کے برابر ہوتا ہے، ہجرت کے بعد آپ نے اپنی باقی زندگی مدینہ میں بسر کی اور وہیں آپ کا وصال ہوا اور اسی سرزمینِ مقدس میں آپ آرام فرما ہیں۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں اس کی بڑی قدر ومنزلت اور اس سے شدید محبت کی وجہ سے آپ نے اپنے رب سے دعا کی کہ مدینہ منورہ کو بھی آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے اسی طرح محبوب بنادے جس طرح انہیں مکہ محبوب ہے یا اس سے بھی زیادہ محبوب۔ اسی طرح اس کے مکین انصار صحابہ کی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں زیادہ محبت تھی جنہوں نے ہجرت کے وقت آپ کا پرتپاک استقبال کیا، آپ کو پناہ دی، آپ کی مدد کی اور اس دن کی نصرت کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق ہر چیز پیش کر دی، ان کا اس قدر مقام ومرتبہ تھا کہ ان کی محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض نفاق کی علامت بن گیا، اور آپ نے انہیں کسی قسم کی اذیت پہنچانے سے متنبہ فرمایا۔

آپ نے مدینہ میں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب دی تاکہ اس میں سکونت اختیار کرنے والا اس کی خیر وبرکت سے مستفید ہو، آپ نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص مدینہ میں مر سکتا ہے اسے مرنا چاہیے، بیشک میں اس میں مرنے والے کے حق میں گواہی دوں گا۔''

ایک شاعر نے مدینہ والوں کے بارے میں کیا خوب کہا ہے کہ۔؎

ومــن عــجـــب ان احــنّ اليهــم — وأسـأل عـنهـم من لقيت وهم معى
وتـطـلـبهـم عيـنـى وهم فى سوادها — ويشتـاقهـم قلبى وهم بين أضلعى

کیا عجیب کیفیت ہے کہ میں ان کا مشتاق ہوں اور میں ہر ملنے والے شخص سے ان کے بارے میں پوچھتا ہوں۔

حالاں کہ وہ میرے پاس ہیں اور میری آنکھیں انہیں تلاش کرتی ہیں جبکہ وہ ان کی پتلی میں ہیں اور میرا دل ان کا مشتاق ہے جبکہ وہ میری پسلیوں کے درمیان میں ہیں۔

جہاں تک اسلامی تاریخ میں ''طلع البدر علینا'' کے نام سے مشہور ترین قصیدے کی بات ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ ہجرت کی مناسبت سے پڑھا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: ''ثنیات الوداع'' نامی جگہ جن کا ذکر اس قصیدے میں آیا ہے، اس سے مراد موت کی کھانی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موت کے راستے سے جس کے متعلق یہودیوں نے بہت سی باتیں گڑھ رکھی تھیں، تو آپ کی آمد پر مدینہ نعروں سے گونج اٹھا اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ جو اس راستے سے گزرے گا اس پر لازم ہے کہ یا تو وہ گدھے کی آواز نکالے، یا پھر موت کے منہ میں چلا جائے۔

''ثنیہ الوداع'' تاریخ اسلامی میں اہم تاریخی جگہوں میں شمار ہوتی ہے، یہ اس مدینہ منورہ یعنی رسالت محمدی سے پہلے یثرب نامی شہر کے داخلی راستے پر واقع تھی جہاں سے چودہ سو چالیس سال پہلے تاریخی ہجرت کا آغاز ہوا۔

اسلامی اذہان میں یہ جگہ کچھ اشعار کے ساتھ مربوط ہے جو مدینہ والوں نے رسول اللہ کو دیکھتے وقت پڑھے تھے اور یہ اشعار آج تک مسلسل پڑھے جارہے ہیں۔

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع وجب الشكر علينا ما دعا لله داع

أيها المبعوث فينا جئت بالأمر المطاع جئت شرفت المدينة مرحباً يا خير داع

ثنیات الوداع سے ہمارے سامنے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔

جب تک اللہ کی طرف بلانے والا بلاتا رہے گا ہم پر شکر واجب ہے۔

اے اللہ کے رسول! آپ ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کی جائے گی۔

آپ نے تشریف لا کر مدینہ کو شرف بخشا ہے اے اللہ کی طرف سب سے بہتر بلانے والے! آپ کو خوش آمدید۔

شمالی ثنیہ ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پاس واقع ہے اس کے قریب ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی لیکن بعد میں اسے ختم کر دیا گیا اور اس علاقے میں سڑکوں کے نئے پروجیکٹ کے بعد اس ٹیلے کو بھی ختم کر دیا۔

جنوبی ثنیہ کے بارے میں قبل از اسلام دورِ جاہلیت میں عرب کے ہاں بہت سی من گھڑت باتیں

مشہور تھیں ان میں سے ایک بات بُت پرستوں اور یہودیوں دونوں کے یہاں مشترک تھیں کہ جو شخص اس ثنیہ سے مدینہ میں داخل ہوگا اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے پاس کھڑا ہوکر گدھے کی آواز نکالے اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اسے بیماری آ پکڑے گی اور ہوسکتا ہے وہ اس کی زندگی کا خاتمہ کردے۔

دورِ جاہلیت میں ''عروہ بن ورد'' نامی ایک عربی شاعر نے اس من گھڑت بات کو باطل قرار دیا کیونکہ گدھے کی آواز نکالے بغیر وہ یہاں سے مدینہ میں داخل ہوا لیکن اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔اس واقعہ کی وجہ سے اس من گھڑت بات کا تو خاتمہ ہوگیا لیکن اس ثنیہ کے بارے میں اور بہت سی فرضی کہانیاں باقی رہیں۔دورِ جاہلیت میں اس جگہ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ یہ یہودیوں کے فتنہ وفساد برپا کرنے اور سازشیں رچنے کا ٹھکانہ اور شراب نوشی کا گڑھ تھا، چوروں اور راہ زنوں کی کمین گاہ تھی اور یہ بات بھی مشہور تھی کہ جو شخص یہاں سے گزرتا ہے وہ اپنی عقل کھو بیٹھتا ہے۔قبیلہ ''اوس اور خزرج'' اس کے قریب جانے سے ڈرتے تھے کیونکہ یہود نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ جو شخص بھی اس راستے کے قریب جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا۔

صحابہ کرام یثرب یعنی مدینہ منورہ کے مرکزی راستوں پر رسول اللہ کا انتظار کر رہے تھے،ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ رسول اللہ: ''ثنیہ الوداع'' کا راستہ اختیار کریں گے لیکن درحقیقت اللہ تعالی نے قصواء اونٹنی کو ''ثنیہ الوداع'' کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کے اردگرد لوگوں سے کہا: ''اسے چھوڑ دو یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔'' یہ سب اس لئے تھا تاکہ مشرکین کی خرافات اور یہود کا جھوٹ ثابت ہوجائے اور اوس وخزرج کا خوف ختم ہوجائے اور یہ بات بھی ثابت ہوجائے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام ایسا دین حق لے کر آئے ہیں جو خرافات اور من گھڑت باتوں کا خاتمہ کرتا ہے۔

جب نبی کریم ''ثنیہ الوداع'' سے نمودار ہوئے تو مدینے والے حیران رہ گئے اور انہوں نے وہ مشہور قصیدہ پڑھ کر آپ کا استقبال کیا جسے مسلمان ہجرت نبوی کی مناسبت سے اپنی محفلوں میں پڑھتے ہیں۔

ثنیات الوداع سے ہمارے سامنے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔

جب تک اللہ کی طرف بلانے والا بلاتا رہے گا ہم پر شکر واجب ہے۔

اے اللہ کے رسول! آپ ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کی جائے گی۔

آپ نے تشریف لاکر مدینہ کو شرف بخشا ہے اے اللہ کی طرف سب سے بہتر بلانے والے! آپ کو خوش آمدید۔

☆☆☆

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (علی گڑھ)

مدحت مدینہ منورہ

جغرافیہ، تاریخی جھلکیاں اور موجودہ حالات:

۱- مدینہ منورہ (قدیم نام یثرب۔ مصری لفظ تھریس کی تعریب) ایک زرخیز اور سرسبز و شاداب نخلستان میں واقع ہے اس کے شمال مغرب میں جبل سلع، جنوب میں جبل عیر اور وادیٔ عقیق، شمال میں جبل احد، جبل ثور اور وادیٔ قناۃ واقع ہیں۔ وسط شہر میں وادیٔ رانونا اور وادیٔ بطحان واقع ہیں۔ مشرق میں یہ ایک نشیبی پہاڑی علاقے۔۔۔ الحرۃ الشرقیہ اور مغرب کی جانب الحرۃ الغربیہ سے محدود ہے۔

۲- یہ شہر سطح سمندر سے ۵۹۷ میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ ۳۹ درجہ ۵۵ دقیقہ طول البلد اور ۲۴ درجہ ۱۵ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔

۳- اس شہر کی آب و ہوا کی خصوصیت یہ ہے کہ گرمیوں میں شدید گرمی ہوتی ہے' خزاں اور موسم بہار میں ہوا معتدل رہتی ہے۔ سردیوں میں خاصی سخت سردی ہوتی ہے۔ دن میں (گرمیوں میں) ۴۸ ڈگری تک ٹمپریچر پہنچ جاتا ہے جبکہ سردیوں میں عموماً دس ڈگری تک رہتا ہے۔ راتیں ہر موسم میں سرد اور خنک ہوتی ہیں۔ بارش بھی خاصی مقدار میں ہوتی ہے۔

۴- جبل ثور اور جبل عیر مسجد نبوی سے تقریباً ۸ کلومیٹر دور واقع ہیں۔ شہر کی حدود کا رقبہ ۱۶ کلومیٹر مانا جاتا ہے۔ دونوں حرّوں کو حدود حرم میں تسلیم کیا جاتا ہے۔

۵- بحر احمر پر واقع شہر ینبوع ۲۷۵ کلومیٹر دور ہے جبکہ حدود اردن ۸۴۴ کلومیٹر دور ہیں۔ جدہ ۴۲۵ کلومیٹر، مکہ مکرمہ ۴۹۷ کلومیٹر، دمشق ۱۳۰۳ کلومیٹر اور ملک کا دار الخلافہ۔۔ ریاض ۸۶۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہ سبھی شہروں اور اہم مقامات سے بہترین سڑکوں اور ہوائی راستوں سے منسلک ہے۔

۶- یہ شہر دنیا کے قدیم آباد شہروں میں سے ایک ہے۔ ایک روایت کے مطابق طوفان نوح کے بعد سب سے پہلا شخص جس نے یہاں رہائش اختیار کی وہ فائنہ بن مہلا بیل ابن عبیل تھا جو حضرت نوح

کی اولاد میں سے تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اس شہر کو عمالیق نے آباد کیا جو ۳۲۰۰ ق م میں مصر کے حکمراں تھے۔ جب ان کا وہاں زوال ہوا تو یہ وہاں سے فرار پر مجبور ہوئے اور رفتہ رفتہ یہاں آ بسے۔

۷- ایک اور روایت کے مطابق جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ حج کے لئے تشریف لائے تو واپسی میں اس طرف سے گزر رہوا۔ توریت میں بیان کردہ نبی آخرالزمان کے مقام ہجرت سے اس مقام کی بڑی مشابہت پائی گئی تو ان کے ساتھ کا ایک گروہ یہیں آباد ہو گیا۔

۸- حضرت موسیٰ کے بعد بھی یہود و بنی اسرائیل کے بہت سے گروہ یہاں آ کر آباد ہوتے رہے۔ جب بخت نصر کے ہاتھوں بنی اسرائیل کو سخت ہزیمت اور بربادی کا سامنا کرنا پڑا تو اس کے بعد ان کے بہت سے قبایل یہاں آباد ہو گئے۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ یہی مقام نبی آخرالزماں کا مقام ہجرت ہوگا اس لئے ان میں نسلاً بعد نسلاً یہ عہد دہرایا جاتا رہا کہ وہ اگر ان کی حیات میں ظاہر ہو گئے تو ان پر ایمان لایا جائے گا، ان کی بیعت کی جائے گی اور ان کی مدد کی جائے گی۔ رفتہ رفتہ یہ خیال بھی مستحکم ہو گیا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوں گے۔ پس جب بنی اسمٰعیل اور قریش کے ایک فرد نے نبی آخرالزماں ہونے کا دعویٰ کیا تو نہ صرف بنی اسرایل نے اس دعوے کو ماننے سے انکار کیا بلکہ ان کے درپہ آزار ہو گئے۔ اس دور میں یہود کے مختلف قبائل کو نہ صرف یثرب میں بلکہ خیبر سے ہوتے ہوئے شام کی سرحد تک کے علاقے میں زبردست اثر واقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ یثرب کی معیشت و سیاست پر یہود کا ہی غلبہ تھا بلکہ وہ دیگر اہل یثرب کو یہ کہہ کر ڈراتے بھی رہتے تھے کہ دیکھتے رہو، نبی آخرالزماں کے ظاہر ہونے کے بعد ہم تم لوگوں کے ساتھ کیسے پیش آئیں گے۔

۹- بنی اسرایل یا یہود کے علاوہ یثرب میں اوس وخزرج نام کے دو بڑے قبیلے بھی آباد تھے جو سیل العرم (طوفان) کے بعد یمن سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ اسلامی دور میں انھیں ہی انصار کہا گیا جنھوں نے نبی آخرالزماں کا بھرپور اور ہمیشہ ساتھ دیا لیکن یہ یہود کے مقابلے میں سیاست و معیشت اور علم وفن میں کمزور تھے۔

۱۰- اوس وخزرج کے افراد یہود سے نبی آخرالزماں کے متعلق سنتے رہتے تھے۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کا چرچا عام ہوا تو نبوت کے دسویں سال حج کے لئے آئے خزرج کے چھ افراد نے سبقت کر کے آپ کے دست حق پرست پہ بیعت کر لی اور یہ خبر یثرب میں عام کر دی۔ اس طرح آپ کا چرچا وہاں کے گھر گھر میں ہونے لگا۔ اگلے سال بارہ افراد کا ایک قافلہ آیا اور اس نے بھی اسلام قبول کر لیا ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی کہ تبلیغ اسلام کے لئے

ہمارے ساتھ کسی شخص کو بھیجئے۔آپ نے ایک سابق الاسلام صحابی۔۔حضرت مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ روانہ کیا جنھوں نے انتھک محنت کر کے اوس وخزرج کے گھر گھر میں اسلام پہنچا دیا۔اس بیعت کو بیعت عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے۔

حضرت مصعب بن عمیر کی سرکردگی میں سنہ۱۲ نبوی میں ۷۳ افراد کا قافلہ حج کے موقع پر آیا۔ان سے آپنے ملاقات اور گفتگو اہل مکہ سے پوشیدہ رہ کر نصف شب میں کی۔اس ملاقات میں دونوں گروہوں کے درمیان عہد و پیمان ہوئے اور امداد باہمی ودفاع باہمی کے معاہدے ہوے۔اس وقت مکہ میں اہل اسلام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اس لئے اہل یثرب نے دعوت دی کہ مسلمان ہجرت کر کے ہمارے یہاں آ جائیں انھوں نے آپ سے بھی ہجرت کرنے اور اپنے یہاں آنے کی درخواست کی۔

۱۱-۶۲۲ عیسوی۔سنہ ۱ ہجری کے ماہ ربیع الاول میں آپ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے ہمراہ ہجرت فرمائی۔آپ سے قبل بہت سے مسلمان یثرب پہنچ چکے تھے۔آپ نے یثرب کے قریب قبا کی بستی میں چندروز قیام کر کے اور وہاں مسجد قبا کی بنیاد ڈال کر یثرب کا رخ کیا۔

اہل یثرب میں سے ہر شخص یہ چاہتا تھا وہ آپ کو اپنا مہمان بنائے۔آپ نے اپنے ناقہ کو آزاد چھوڑ دینے کا حکم دیا بالآخر وہ گھوم پھر کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی اور آپ انھیں کے دومنزلہ مکان میں مقیم ہوئے۔روایت کے مطابق یہ مکان اسی مقام پر تھا جہاں سات سو سال قبل والی یمن شاہ تبع نے نبی آخرالزمان کے لئے ایک محل بنوایا تھا اور ایک تحریر لکھ کر یہاں رکھ دی تھی کہ جب کبھی وہ یہاں تشریف لائیں تو یہیں قیام فرمائیں وہ تحریر نسلاً بعد نسلٍ چلی آ رہی تھی جو آپ کے حضور پیش کی گئی۔

۱۲-سات ماہ حضرت ابوایوب کے گھر میں قیام فرمانے کے بعد آپ نے ازواج مطہرات کے لئے حجرے اور مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی۔تعمیر کے بعد آپ اپنے حجروں میں منتقل ہو گئے۔

۱۳-آپ کی تشریف آوری کے بعد یثرب مدینۃ الرسول ہو گیا اور آپ کی قیادت وامارت میں عالم اسلام کا مرکز اور دارالخلافہ بن گیا۔آپ نے یہود کے ساتھ معاہدے کئے لیکن یہود نے کبھی ان کی پاسداری نہ کی بلکہ ہمیشہ مخالفت اور دشمنی کا ہی مظاہرہ کیا اس لئے آپ کو ان کے خلاف اقدام کرنے پڑے اور بالآخر سبھی یہودیوں کا مدینہ منورہ سے اخراج عمل میں آیا۔

۱۴-کفار ومشرکین مکہ مدینے میں بھی مسلمانوں کو چین سے رہنے دینا نہیں چاہتے تھے اس

لئے ۲ہجری میں بدر کے میدان میں ان سے معرکہ ہوا جس میں اہل مدینہ کو شان دار کامیابی اور فتح نصیب ہوئی انھوں نے دشمنوں کے ستر افراد کو مقتول اور ستر افراد کو ہی گرفتار کیا۔

۱۵-بدر کا بدلہ لینے کے لئے اہل مکہ نے شوال تین ہجری میں پھر حملہ کیا جسے روکنے کے لئے اہل اسلام مدینے سے باہر نکلے۔تقریباً چار کلو میٹر دور جبل احد کے دامن میں معرکۂ کارزار گرم ہوا اس لئے اسے غزوۂ احد کہا جاتا ہے۔اس غزوہ کی ابتدا میں اہل اسلام کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔اہل مکہ فرار ہونے پر مجبور ہوئے لیکن اہل مدینہ کے تیر اندازوں کی غلطی کی وجہ سے ایک راستہ کھلا رہ گیا اور خالد بن ولید کی قیادت میں فرار ہونے والوں نے واپس آ کر اس راستے سے اچانک اہل اسلام پر دھاوا بول دیا۔ مجاہدین اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے انھیں زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ستر مجاہدین شہید ہوئے جن میں سے ۶۴ انصار مدینہ اور ۶ مہاجرین تھے۔خود آپ بھی شدید طور پر زخمی ہوئے اور آپ کی شہادت کی افواہ بھی پھیل گئی۔غزوۂ احد، مدینہ اور اہل مدینہ کے لئے سخت آزمائش ثابت ہوا۔

۱۶-احد سے بھی بڑی آزمائش اہل مدینہ کے لئے غزوۂ احزاب کے موقع پر آئی جب قریش و یہود اور دیگر قبایل عرب کے تقریباً دس ہزار افراد کی متحدہ افواج نے مدینے کا محاصرہ کر لیا۔اس وقت اہل مدینہ نے اپنے اور محاصرین کے درمیان ایک گہری خندق کھود کر اپنا دفاع کیا۔اس کے بعد مدینے کو کوئی بڑا خطرہ نہیں ہوا بلکہ افواج مدینہ ہی چاروں طرف فتح وکامرانی کے جھنڈے گاڑتی پھریں۔خیبر کے تمام علاقے پہلے ہی فتح ہو چکے تھے۔۸ہجری میں مکہ بھی فتح ہو گیا اور پھر شام کی سرحد تک افواج مدینہ کی دھاک بیٹھ گئی۔

۱۷-۶۳۲ عیسوی۔۱۲ربیع الاول ۱۱ہجری میں آپکا وصال ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین بنائے گئے۔آپ کے دوسوا دو سال کے عرصۂ خلافت میں جدید نبوت کے دعوے داروں، مرتدین و مانعین زکاۃ کی طرف سے مدینۃ الرسول کو خطرہ پیدا ہوا لیکن صدیقی مساعی جمیلہ نے مختصر عرصے میں ہی تمام مشکلات پر قابو پا لیا اور حکومت مدینہ کو اس قدر مستحکم بنیادوں پر کھڑا کر دیا کہ آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان پر فتوحات اور ترقیوں کا ایک شان دار محل کھڑا کر دیا۔

۱۸-حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا جانشین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا ان کے ساڑھے دس سالہ دور میں فتوحات، کامیابیوں اور ترقیوں کا ایک سیل رواں جاری رہا۔مدینہ عالم اسلام کا مرکز اور دنیا کی دو بڑی طاقتوں۔قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو زیر و زبر کرنے کی قوت حاصل کر گیا۔

۱۹-حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفۂ ثالث مقرر

ہوئے۔ان کے ابتدائی چھ سالوں میں عروج وترقی کا دور برقرار رہا لیکن آخری چھ سالوں میں داخلی انتشار، بغاوتیں اور ہنگامہ آرائیاں جاری رہیں جو بالآخر آپ کی شہادت پر منتج ہوئیں۔

۲۰۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی مرتضٰی خلیفۂ رابع (چوتھے) بنے۔انھوں نے انتظامی وعسکری مصلحتوں کے تحت دارالخلافہ مدینہ منورہ کے بجائے کوفہ کو بنایا تبھی سے مدینۃ الرسول کی سیاسی، عسکری اور مرکزی حیثیت ختم ہوگئی لیکن اسکا تقدس واحترام اور مذہبی حیثیت برقرار ہےاور رہے گی۔

۲۱۔حضرت علی کے ساڑھے پانچ سالہ دور میں دمشق میں امیر معاویہ کی متوازی حکومت چلتی رہی اور حضرت علی سے برسرِ پیکار بھی رہی۔حضرت علی کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے ان کے بڑے بیٹے حضرت امام حسن کو خلیفہ منتخب کیا لیکن انھوں نے چھ ماہ بعد ہی اپنے حریف اور امیر شام معاویہ بن سفیان سے معاہدہ کرکے پورے عالم اسلام کی قیادت وحکومت انھی کے سپرد کردی۔مدینہ منورہ بھی دمشق کے ماتحت ہوگیا اور وہاں سے یہاں کے حاکم مقرر کئے جانے لگے۔

۲۲۔تقریباً بیس سال کی حکمرانی کے بعد امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا اس کے تین سالہ دورِ حکومت میں ۶۱ھ میں کربلا کا اندوہناک حادثہ ظہور میں آیا جس کے بعد حجاز میں اور خصوصاً مدینہ منورہ میں اس کی حکومت کے خلاف بغاوت ہوگئی۔اس بغاوت کو فروکرنے کے لئے یزید نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی۔۶۳ھ میں اہل مدینہ نے اس فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن عوامی بغاوت مضبوط فوج کا سامنا نہ کرسکی اس فوج نے زبردست قتل عام کیا یہاں تک کہ مسجد نبوی کی بھی بے حرمتی کی، یہ واقعہ تاریخ میں ''واقعۂ حرّہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

۲۳۔یزید کی موت کے بعد عالم اسلام پھر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا شام اور اس کے ملحقات پر مروان کی حکمرانی رہی اور حجاز وغیرہ پر عبداللہ بن زبیر کی۔جب دمشق کی اموی حکومت نے عبداللہ بن زبیر کو شکست دے کر شہید کردیا تو پھر پورا عالم اسلام اموی تسلط میں آگیا۔مدینہ منورہ پر بھی دمشق کے مقرر کردہ حاکم حکومت کرتے رہے۔

۲۴۔امویوں کے زوال اور عباسی حکومت قایم ہونے [۱۳۲ھ۔۔۷۵۱عیسوی] کے بعد مدینہ منورہ بھی عباسیوں کے زیرِ تسلط آگیا اور اگلی کئی صدیوں تک بغداد کے حکمرانوں کے زیرِ قبضہ ہی رہا اس عرصے میں نفس زکیہ کی بغاوت اور بنو فاطمہ کا استحصال وسرکوبی کی کوششیں اہم واقعات ہیں۔

۲۵۔عباسیوں کے کمزور پڑ جانے کے بعد مصر کے سلاطین کا حجاز پر بھی کنٹرول رہا لیکن اس دور

میں عالم اسلام انتشار و افتراق کا شکار رہا چھوٹی چھوٹی حکومتیں بن گئیں تھیں جو ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتی تھیں۔ان حالات میں شام و فلسطین کے بیشتر علاقوں پر عیسایوں کا بھی قبضہ ہو گیا یہاں تک کہ قبلہ اول بھی ان کے قبضے میں چلا گیا۔ان کی ہمت و جرأت اسقدر بڑھ گئی کہ انھوں نے مدینہ منورہ میں سرنگ کے ذریعہ روضۂ مقدسہ تک پہنچنے اور وہاں مدفون اجساد مبارک کو نکال لے جانے کی سعی نامشکور بھی کی جسے سلطان نورالدین زنگی نے ناکام بنایا(۵۵۷ھ)۔

ایک اور روایت کے مطابق حلب کے کچھ شیعوں نے بھی یہ کوشش کی تھی کہ روضۂ مقدسہ میں سے شیخین کرام کے اجساد مبارک کو نکال دیا جائے مگر یہ کوشش بھی ناکامی پر ہی منتج ہوئی اسی طرح کہا جاتا ہے کہ مصر کی عبیدی حکومت کے چھٹے حکمراں الحاکم کے دور میں کچھ لوگوں نے اس کے دماغ میں یہ بات بٹھائی کہ اگر اجساد مبارک کو مصر کی ایک شاندار عمارت میں منتقل کر دیا جائے تو لوگ زیارت کے لئے یہاں آنے لگیں گے۔اس سے آپ کی حیثیت اور مقام تو بلند ہو ہی جائے گا، مصر کو بھی چار چاند لگ جائیں گے۔یہ ناپاک منصوبہ بھی ناکامی کے انجام کو پہنچا۔

۲۶- جب ترکی کے عثمانی سلاطین کو عروج حاصل ہوا تو پورا عالم اسلام ان کے زیر تسلط آ گیا (۹۲۲ھ-۱۵۱۹ء) میں انکی فتح مصر کے بعد امیر مدینہ شریف برکات نے حرمین شریفین کی چابیاں اور بہت سے تبرکات سلطان سلیم عثمانی کی خدمت میں بھیجے، تب سے حجاز مقدس ان کے زیر اقتدار تسلیم کیا جانے لگا اور وہاں سے مکہ و مدینہ کے حاکم مقرر ہونے لگے یہ کیفیت پہلی جنگ عظیم کے زمانے (۱۹۱۵ء) تک رہی۔

۲۷-۱۳۳۴ھ-۱۹۱۵ءمیں انگریزوں کے زیر اثر حسین بن علی شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی۔حجاز میں شریف مکہ کی حکومت قائم ہوگئی۔مدینہ منورہ بھی اسی کے ماتحت تھا۔جلد ہی نجد میں قائم اور ابھرتی ہوی طاقت۔۔آل سعود اور سعودی حکومت سے ان کا ٹکراؤ شروع ہو گیا۔سعودی افواج نے آگے بڑھ کر (۱۳۴۴ھ-۱۹۲۵ء) تمام جزیرہ نمائے عرب پر بمعہ حجاز قبضہ کر لیا۔تب سے آج تک حجاز اور حرمین شریفین سعودی حکومت کے زیر تسلط ہی ہیں۔اب یہ شہر سعودی حکومت کے انتظامی یونٹ یا صوبے 'المدینۃ' کا صدر مقام ہے۔

مدینہ منورہ کے مرکزی مقامات۔مسجد نبوی اور اس میں شامل گنبد خضراء و روضہ مقدسہ ہیں۔

۱-مسجد نبوی کی پہلی تعمیر آپ نے ۱ھ-۶۲۲ع میں ایک افتادہ زمین پر کی تھی مسجد کی تعمیر انتہای سادہ انداز میں ہوئی تھی۔ستونوں کی جگہ کھجوروں کے تنے کھڑے کئے گئے تھے۔دیواریں کچی اینٹوں کی بنائی گئیں تھیں۔چھت پر کھجور کی چھال، ٹہنیاں اور پتے بچھا کر ہلکی سی مٹی ڈالی گئی تھی جو برسات

میں ٹپکتی تھی۔ اس میں تین دروازے تھے۔اس کے متصل ہی آپ کی ازواج مطہرات کے لئے کچے اور معمولی حجرے بھی بنائے گئے تھے۔جن میں آپ نے تقریباً دس سال تک قیام کیا۔مسجد کے ایک طرف ایک صفہ (چبوترہ) بنایا گیا تھا جس پر وہ بے گھر و بے یار و مددگار صحابہ قیام کرتے تھے جنھیں 'اصحاب صفہ' کہا جاتا ہے۔ان کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔ہجرت کے بعد ابتدائی سترہ مہینوں میں قبلہ بیت المقدس تھا اس لئے شمال کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی۔تحویل قبلہ کے بعد نماز جنوب کی جانب یعنی خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جانے لگی۔

خیبر کی فتح اور تعمیر اول کے سات سال بعد نمازیوں کی کثرت اور جگہ کی تنگی کے پیش نظر آپ نے مسجد کی توسیع اور تعمیر جدید فرمائی لیکن اس کی سادگی کو برقرار رکھا۔اس میں آٹھ اساطین ۔۔۔استوانہ حنانہ یا مخلقہ' استوانہ عائشہ صدیقہ جسے استوانہ القرع یا استوانہ مہاجرین بھی کہا جاتا تھا' استوانۂ توبہ یا استوانۂ ابی لبابہ' استوانہ' سریر استوانہ' محرس' استوانۂ وفود' استوانۂ تہجد اور استوانۂ جبریل تھے۔تین دروازے باب النبی (اسی سے آپ کی آمد ورفت ہوتی تھی)۔اسے بعد میں باب آل عثمان اور باب جبریل کہا جانے لگا۔دوسرا غربی سمت تھا جسے پہلے باب عاتکہ کہا جاتا تھا اور اب باب رحمت کے نام سے مشہور ہے۔ایک دروازہ جنوب کی سمت تھا جسے قبلہ جنوب رخ ہو جانے کے بعد بند کر دیا گیا۔

دوسری بار کی تعمیر میں قدرے بہتری آئی۔چھت پر اس طرح ڈھال بنایا گیا کہ بارش کا پانی بہہ جائے اور چھت کے ٹپکنے سے نجات ملے البتہ سادگی برقرار رہی۔

۲-حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہکے دور میں ۱۷ھ-۶۳۹ء) میں اس کی توسیع وتجدید ہوئی لیکن اس کی سادگی کو برقرار رکھا گیا کیوں کہ امیر المومنین خود سادگی کے دلدادہ اور شان وشوکت سے دور ونفور تھے۔انہوں نے صفہ کے نزدیک ایک مقام 'بطیحا' کے نام سے بنوایا جہاں شعر گوئی اور دوسری دنیاوی باتیں کی جا سکتی تھیں۔

۳-خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں (۲۸ تا ۳۰ھ-۶۵۰ء-۶۵۲ء) اس کی توسیع وتجدید کا کام ہوا۔اس بار اسے مضبوط اور خوبصورت بنانے کی بھی کوشش کی گئی۔

۴- ولید بن عبدالملک اموی کے دور میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں (۸۸ھ تا ۹۱ھ-۷۰۸ء تا ۷۱۱ء) اس کی تعمیر جدید وتوسیع ہوئی۔ازواج مطہرات کے حجروں کو بھی مسجد میں شامل کر لیا گیا۔منقش پتھروں اور عمدہ لکڑی کا استعمال کر کے مسجد کے استحکام اور خوبصورتی کا اہتمام کیا گیا۔چار منار اور پہلی بار محراب بھی بنائی گئی۔

۵-خلیفہ مہدی عباسی کے دور میں (۱۶۱ھ تا ۱۶۵ھ-۷۷۹ء تا ۷۸۳ء) پھر مسجد کی تعمیر و توسیع و مرمت کا کام ہوا۔ آرائش و زیبائش پر زور دیا گیا۔

۶-(۵۷۶ھ-۱۱۸۰ء) میں ملک ناصرالدین اللہ کے حکم سے آثار و تبرکات کی حفاظت کے لئے صحن مسجد میں ایک قبہ بنوایا گیا جہاں تبرکات کو محفوظ رکھنے کا اہتمام و انتظام کیا گیا۔

۷-مسجد نبوی میں دو بار آگ لگی۔(۶۵۴ھ-۱۲۵۸ء) اور (۸۸۶ھ-۱۴۴۸ء) دونوں بار عمارت کو نقصان پہنچا لیکن آثار و تبرکات محفوظ رہے۔ دونوں مواقع پر متعدد بادشاہوں، سلاطین و ملوک نے تعمیر و مرمت کے کاموں میں حصہ لیا۔

۸-مصر کے متعدد ملوک و سلاطین نے اس کی تعمیر و تجدید اور توسیع و مرمت کے کاموں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان میں الملک الناصر محمد بن قلاوون، الملک اشرف بارسبائی، الملک الظاہر ابوسعید جقمق، الملک الظاہر بیبرس، الملک اشرف قایت بائی کے نام نمایاں ہیں۔

۹-ترکی کے عثمانی سلاطین کے ادوار میں متعدد بار تعمیر و توسیع اور آرائش و زیبائش کے کام ہوتے رہے۔ سلطان سلیم ثانی، سلطان محمود، سلطان عبدالمجید، سلطان عبدالحمید وہ عظیم الشان سلاطین عثمانی ہیں جنھوں نے حرم نبوی کی تعمیر و توسیع اور آرائش و زیبائش کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں۔

۱۰-سعودی دور میں شاہ عبدالعزیز اور شاہ فہد کے ادوار میں مسجد نبوی میں تعمیر و توسیع کے کام برابر اور بڑے پیمانے پر جاری رہے۔ یہ سلسلہ منصوبہ بند طریقے سے برابر جاری ہے اور جاری رہے گا۔

۱۱-حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین کرام رضی اللہ عنہم کی تدفین ہوئی تھی۔ یہ ابتدائی دور میں خام حالت میں تھا۔ جب ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد کی تعمیر نو ہوئی تو اس روضۂ مقدسہ کو بھی مضبوط و مستحکم بنانے کی کوشش کی گئی۔ سلطان نورالدین زنگی نے اس کے چاروں طرف بنیادوں کو انتہائی گہرائی تک سیسہ وغیرہ دھاتوں سے بھروا دیا تھا تاکہ کوئی بدباطن سرنگ کے ذریعہ بھی وہاں تک پہنچنے کی کوشش نہ کرے۔

۱۲-ملک اشرف قایت بائی نے روضۂ اقدس پر گنبد بنوایا۔ سلطان سلیم عثمانی نے ۹۸۰ھ مسجد کی تعمیر کے ساتھ حجرۂ شریف پر بھی خوبصورت گنبد بنوایا۔ ۱۲۳۳ھ میں سلطان محمود نے گنبد کو ازسرنو تعمیر کرایا۔ ۱۲۵۵ھ میں اسی نے گنبد پر سبز رنگ کرایا تب سے اس کا نام 'گنبد خضرا' ہو گیا ورنہ اس سے قبل گنبد پر سفید رنگ تھا اور یہ قبۃ البیضاء، قبۃ الفیحا یا قبۃ الزرقا کہا جاتا تھا۔

۱۳-مسجد نبوی اور روضۂ مقدسہ کے مرکزی مقامات کے علاوہ مدینہ منورہ میں قابل دید و قابل

زیارت مقامات مسجد قبا، مسجد جمعہ، مسجد قبلتین، مسجد علی، مسجد عمر، مسجد غمامہ، غزوۂ خندق کی مساجد، غزوۂ احد کا علاقہ اور جنت البقیع (قبرستان) ہے جہاں ہزار ہا صحابۂ کرام، تابعین عظام اور بزرگان دین وعلمائے اسلام دفن ہیں۔اس کے متعلق بجا طور پر کہا جاسکتا ہے۔

"دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز"

فہرست مداحین مدینۂ منورہ اوران کے اشعار

نمبر	تخلص مداح	تعداد اشعار	نمبر	تخلص مداح	تعداد اشعار
۱	میر افق کاظمی	۶۵	۲	جمیل عظیم آبادی	۶۵
۳	حمید لکھنوی	۶۵	۴	تابش مہدی	۵۰
۵	حسن بریلوی	۴۵	۶	گل اشرفی	۴۵
۷	رؤف امروہوی	۳۵	۸	ماہر القادری	۳۵
۹	قاسم حبیبی	۳۰	۱۰	ساجد امروہوی	۳۰
۱۱	ہمسر قادری لکھنوی	۳۰	۱۲	فریدی الفاروقی	۳۰
۱۳	بہزاد لکھنوی	۳۰	۱۴	نوری بریلوی	۱۵
۱۵	حامد مرزا	۱۵	۱۶	خالد عرفان	۱۰
۱۷	رضا بریلوی	۱۰	۱۸	حسرت موہانی	۱۰
۱۹	خاکی امروہوی	۱۰	۲۰	بیکل اتساہی	۱۰
۲۱	رباب رشیدی	۱۰	۲۲	معظم رامپوری	۱۰
۲۳	ابوالبیان حماد	۶	۲۴	بدر القادری	۶
۲۵	حق کانپوری	۶	۲۶	ابرار کرت پوری	۶
۲۷	راجہ رشید محمود	۴	۲۸	راز الہ آبادی	۴
۲۹	اصغر ویلوری	۴	۳۰	کرم شاہ جہان پوری	۴

مداحین مدینۂ منورہ کا مختصر تعارف

یقیں ہے کہ جنت میں جائیں گے اک دن
ہیں جتنے بھی مدحت گزار مدینہ

۱-افق کاظمی: (متوفی ۱۹۷۶ء) سید حبیب احمد کاظمی امروہہ کے مشہور بزرگ شاہ ضیف اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد اور سادات کاظمی میں سے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے تھے ملتان میں مقیم رہے اور وہیں انتقال ہوا۔ بڑے عالم وفاضل اور استاد شاعر تھے۔ افق تخلص تھا۔ کئی شعری مجموعے شائع ہوئے۔ ان میں ''فروغ محامد'' اہم ہے جو صرف نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔

۲-جمیل عظیم آبادی پٹنہ: بہار کے رہنے والے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ معالج کے ساتھ بڑے اچھے شاعر اور نعت گو بھی تھے۔ دل کی کتاب' (غزلوں کا مجموعہ)۔ گیان درپن (دوہوں کا مجموعہ) اور ''وحدت ومدحت'' (حمد ونعت کا مجموعہ) ان کی یادگار ہیں۔

۳-حمید لکھنوی: (متوفی ۱۹۶۵ء) اپنے پرجوش وپراثر نعتیہ کلام کے لئے مشہور ومعروف تھے۔ سفر حج اور وہاں کی واردات قلبی کا بیان بڑے جوش وعقیدت سے کیا ہے اسی لئے زائر حرم کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ''گلبانگ حرم'' مجموعۂ کلام ہے۔

۴-تابش مہدی: (ولادت ۱۹۵۱ء) مسمی مہدی حسن پرتاپ گڑھ (یو۔ پی) کے رہنے والے ہیں۔ ایم۔اے۔ پی ایچ ڈی، کثیر المطالعہ اور کثیر التصانیف مصنف اور بہترین ومعروف شاعر ہیں۔ شعری وادبی سرگرمیوں اور مشاعروں میں شرکت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ ''سلسبیل۔ صبح صادق' اور طوبیٰ'' حمد ونعت اور مناقب کے مجموعے ہیں۔ غزلوں کے مجموعے ان کے علاوہ ہیں۔ ابوالفضل انکلیو۔ جامعہ نگر نئی دہلی میں رہتے ہیں۔ ''تابش مہدی۔۔ ایک سفر مسلسل'' کے نام سے راقم الحروف نے آپ کی سوانح وادبی کارناموں کو یکجا کیا ہے۔

۵-حسن بریلوی: (۱۲۷۶ھ۔۱۳۲۶ھ) مولانا حسن بریلوی' شاگرد داغ دہلوی اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضاں خاں فاضل بریلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ عالم وفاضل اور نعت گو تھے۔ مجموعۂ کلام ''ذوق نعت'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

۶-گل اشرفی سید اختر اشرف ابن مولانا سید امیر اشرف نام اور گل تخلص ہے سادات کچھوچھہ کے عالم وفاضل اور بہترین شاعر ہوئے ہیں۔ ''متاع نجات'' مجموعۂ نعت ہے۔

۷-رؤف امروہوی: (۱۸۹۴۔۱۹۸۶ء) الحاج مرزا عبدالرؤف۔ رؤف امروہوی امام المدارس انٹر کالج امروہہ سے بحیثیت استاد رٹائر ہوئے تھے۔ مشہور نعت گو تھے۔ ''نخلۂ محامد' اور کوثر رحمت'' نعت ومناقب کے مجموعے ہیں۔ ''گل رنگ تخیل'' غزلوں کا مجموعہ ہے۔

۸-ماہر القادری: (۱۹۰۶۔۱۹۷۸ء) منظور حسین نام تھا اصلاً کسیر کلاں ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے۔

تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے تھے۔ادیب،شاعروصحافی کی حیثیت سے معروف تھے۔کراچی سے ایک وقیع رسالہ ''فاران'' کے نام سے نکالتے تھے۔حمدونعت کا مجموعہ ''ذکر جمیل'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

۹- قاسم حبیبی: (ولادت ۱۹۶۳ء) محمد قاسم حبیبی عالم دین ہیں۔جامع مسجد شفیع آباد کانپور کے امام وخطیب ہیں۔برکاتی سلسلے سے منسلک ہیں۔نعت ومناقب کے بہترین شاعر ہیں۔الہ آباد کے ساکن ہیں۔

۱۰- ساجد امروہوی: (ولادت ۱۹۴۳ء) الحاج مرزا ساجد حسین روف امروہوی کے صاحبزادے ہیں۔خوش فکر،خوش گلو اور بہترین نعت گو ہیں۔امام المدارس انٹر کالج امروہہ سے بحیثیت لکچرر رٹائر ہو چکے ہیں۔''راز بخشش، گہر بخشش، اور آرزوے بخشش'' نعت ومناقب کے مجموعے اور ''دسترس'' غزلوں کا مجموعہ شائع ہو چکے ہیں۔

۱۱- ہمسر قادری لکھنوی: (متوفی ۲۰۰۱ء) نام عبدالغنی خاں تھا ہمسر تخلص۔بہترین نعت گو تھے۔ مجموعۂ نعت ''فردوس عقیدت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۲- فریدی الفاروقی: (۱۳۲۹ھ-۱۴۰۹ھ) (۱۹۱۱-۱۹۸۸ء) امروہہ کے باشندے اور عالم وفاضل تھے۔مفتی صاحب کے لقب سے ملقب اور پہچانے جاتے تھے۔تمام زندگی مجرد رہے اور علمی وادبی کاموں میں منہمک۔نعت ومناقب خوب کہتے تھے۔ان کے کلام کا مجموعہ ''نسیم سحر'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۳- بہزاد لکھنوی: (متوفی ۱۹۷۴ء) ریڈیو نشریات سے وابستہ رہے۔اپنے دور کے مشہور شاعر ونعت گو تھے۔''موج طور۔نغمۂ نور۔کیف وسرور۔بیان حضور اور چراغ طور'' شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

۱۴- نوری بریلوی: (۱۳۱۰ھ-۱۴۰۲ھ) (۱۸۹۳-۱۹۸۱ء) محمد مصطفیٰ رضا خاں ابن امام احمد رضا خاں بریلی کے باشندے اور عالم وفاضل وفقیہ تھے۔مفتی اعظم ہند کے لقب سے معروف تھے۔ شعر بھی خوب کہتے تھے۔نوری تخلص تھا۔کلام کا مجموعہ ''سامان بخشش'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۵- حامد مرزا: (ولادت ۱۹۳۶ء) مشہور نعت گو رؤف امروہوی کے صاحبزادے ہیں۔ایک عرصے تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے غیر تدریسی عملے میں خدمات انجام دینے کے بعد یو۔ایس اے (امریکہ) چلے گئے اور اب وہاں کے شہری ہیں۔وہاں بھی ''نعت کدے'' میں رہتے ہوئے نعت ومناقب کے چراغ جلا رہے ہیں۔''مدحت کے پھول۔خیابان ارم۔جو بیار بخشش، وسیلۂ بخشش اور اس پار سے اس پار تک'' نعتیہ کلام کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔نثری مجموعہ نعت خوانی سے نعت گوئی تک شائع ہو چکے ہیں۔

۱۶- خالد عرفان: پاکستان کے خوش فکر نعت گو ہیں۔مزاحیہ شاعری کے بعد عقیدت ومحبت کے ساتھ میدان نعت میں داخل ہوئے ''الہام'' نعتیہ مجموعہ ہے۔

۱۷- رضاؔ بریلوی: (۱۲۷۲ھ۔۱۳۴۰ھ) (۱۸۵۶۔۱۹۲۱ء) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نام سے معروف زبردست عالم دین، فقیہ اور شاعر بھی تھے۔ احمد رضا خاں ابن مولانا نقی علی خاں بریلی کے باشندے تھے۔ صدہا نثری تصانیف کے ساتھ نعت و مناقب بھی خوب کہے ہیں۔ ''حدایقِ بخشش'' کے نام سے کلام مطبوعہ ہے۔

۱۸- حسرتؔ موہانی: (۱۸۷۸ء۔۱۹۵۳ء) فضل الحسن نام تھا۔ موہان (اودھ) کے رہنے والے تھے۔ مشہور غزل گو، شاعر اور ادیب وصحافی بھی تھے۔ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اور مشہور مجاہد آزادی بھی تھے۔ ''اردوے معلیٰ'' کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالتے تھے۔ ان کی دلچسپیاں اور میدان عمل بڑے مختلف اور متنوع قسم کے تھے۔ سیاست، صحافت، ادب و شاعری کے ساتھ وہ بڑے مذہبی قسم کے انسان تھے۔ لکھنؤ میں انتقال اور تدفین ہوئی۔

۱۹- خاکیؔ امروہی: (۱۳۱۳ھ۔۱۳۹۰ھ۔۱۹۷۰ء) مولانا خلیل احمد ابن مولانا مختار احمد سادات کاظمی اور امروہہ کے مشہور بزرگ شاہ ضیف اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے عالم وفاضل، حاجی و حافظ ہونے کے علاوہ بہترین شاعر بھی تھے۔ خاکی تخلص تھا۔ تمام زندگی درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ مجموعۂ کلام ''نور و نکہت'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

۲۰- بیکلؔ اتساہی: (ولادت یکم جون ۱۹۲۸ء۔ وفات ۳ دسمبر ۲۰۱۶) محمد شفیع خان لودھی معروف بہ بیکل اتساہی بلرام پور ضلع گونڈہ کے ساکن تھے۔ اب بلرام پور خود ضلع بن گیا ہے۔ پہلے بیکل بلرام پوری تھے، پھر بیکل وارثی ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے انھیں اتساہی شاعر کہا تو بیکل اتساہی ہوگئے۔ جگر مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ گیت اور غزلیں بھی بہت کہی ہیں لیکن نعت گوئی ان کی شناخت بن گئی تھی انہوں نے نعتیں گیت، رباعی، نظم اور غزل جیسی کئی ہیئتوں میں کہیں۔ ''نغمۂ بیکل۔ نشاط زندگی۔ بزم رحمت۔ آفتاب نور۔ تحفۂ بطحا۔ نور کی برکھا۔ موج تسنیم۔ سرود جاوداں۔ والضحیٰ، والفجر وغیرہ متعدد مجموعہ ہاے کلام شائع ہو چکے ہیں۔ حکومت ہند سے پدم شری کا خطاب حاصل ہوا۔ راجیہ سبھا کے ممبر رہ چکے ہیں۔

۲۱- ربابؔ رشیدی: (ولادت ۱۹۴۰ء) سلمان احمد نام ہے شاہ جہان پور کے رہنے والے ہیں لیکن لکھنؤ میں مقیم ہیں تخلص رباب ہے رشید رامپوری کے شاگرد ہونے کی نسبت سے خود کو رباب رشیدی کہتے اور لکھتے ہیں۔ ''الف۔ میم اور آنسو بولتے ہیں'' حمد و نعت کے مجموعے ہیں۔ ''ابر سفید'' غزلوں کا مطبوعہ مجموعہ ہے۔

۲۲-معظّم رامپوری: (ولادت ۱۹۴۳ء) ڈاکٹر معظم علی خان رامپور کے باشندے لیکن علی گڑھ میں مقیم ہیں۔ یہیں تعلیم حاصل کی اور درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے۔ اب رٹائر ہو چکے ہیں۔ ایم ایس سی (ریاضی) کرنے کے بعد ایم ٹی ایچ اور دینیات میں پی ایچ ڈی کی۔ شاعری کا شوق بچپن سے ہی ہے، اچھے شعر کہتے ہیں۔ غزل، نظم اور نعت ومناقب کے میدان میں خوب طبع آزمائی کی ہے۔ کلام کا مجموعہ ''حرف آئندہ'' شائع ہو چکا ہے۔ دیگر زیر ترتیب وزیر اشاعت ہیں۔

۲۳-ابوالبیان حماد: (ولادت ۲۵ جولائی ۱۹۲۳ء) مولانا ابوالبیان حماد عمری کا نام عبدالرحمان خان ہے۔ مالور ضلع کولار (کرناٹک) میں ولادت ہوئی۔ جامعہ دارالاسلام عمر آباد ضلع نارتھ آرکاٹ (موجودہ ویلور) تامل ناڈو کے فاضل اور وہیں استاد رہے۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کے ماہر اور شاعر ہیں۔ حمد، نعت اور غزل بھی خوب کہتے ہیں۔ متعدد مجموعے تینوں زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ''نغمات حمد ونعت۔ بانگ حرا۔ تازیانے اور فردوس تغزل'' معروف مجموعے ہیں۔

۲۴-بدؔر القادری: عالم وفاضل اور مبلغ ہیں۔ ہالینڈ میں رہ کر تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ انہی سرگرمیوں کے درمیان شعر بھی خوب کہتے ہیں۔ ''بادۂ حجاز'' کلام کا مجموعہ پہلی بار ۱۴۰۹ھ۔۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا۔

۲۵-حقؔ کانپوری: (ولادت ۱۹۴۰ء) شمس الحق نام ہے۔ انورؔ پرتاپ گڑھی کے صاحب زادے ہیں۔ نعت ومناقب کے مشہور شاعر ہیں۔ حسن کلام اور حسن ترنم دونوں خوب اور خداداد ہیں۔ بیگم پورہ کان پور میں رہتے ہیں۔ ''تطہیر کی خوشبو۔ نورانی شعاعیں۔ شہر تمنا۔ جنبش لب وغیرہ مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے ہیں۔

۲۶-ابرار کرت پوری: (ولادت ۱۴ جنوری ۱۹۳۹ء) قاضی ابرار حسین کرت پور ضلع بجنور کے مشہور قاضی خاندان کے فرد ہیں۔ قدسیہ منزل ذاکر نگر نئی دہلی میں مقیم ہیں۔ حمد ونعت کے بہترین شاعر ہیں۔ متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ '' ورفعنا لک ذکرک''۔ مدحت۔ خالق ذوالجلال۔ قسام ازل۔ حرف حرف درپن۔ حرف حرف ثنا۔ حمد کہوں تو اجیارہ ہو جائے'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۲۷-راجہ رشید محمود: پاکستان کے مشہور ومعروف نعت گو ہیں۔ ایوان نعت (رجسٹرڈ) کے صدر ہیں۔ ماہنامہ 'نعت' لاہور کے مدیر بھی ہیں۔

۲۸-رازؔ الہ آبادی: (۱۲ فروری ۱۹۳۰ء۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۹۶ء) جابر علی رازؔ الہ آبادی نوح ناروی کے شاگرد تھے۔ غزل اور نعت دونوں کے مشہور شاعر تھے۔ کلام اور ترنم دونوں کے زور پر مشاعروں میں

چھا جاتے تھے۔ سادگی اور روانی کلام کی خصوصیات ہیں۔ ''دھڑکنیں۔ منزلیں۔ رنگ ونور۔ اشک ندامت'' کلام کے مجموعے ہیں۔

۲۹- اصغر ویلوری: (ولادت ۲۹ جولائی ۱۹۳۱ء) اسماعیل بیگ معروف بہ اصغر ویلوری۔ ویلور (تامل ناڈو) کے باشندے ہیں۔ وکالت کرتے ہیں۔ شعروشاعری سے گہری دلچسپی ہے۔ غزل، نظم، حمد ونعت اور رباعیات خوب کہی ہیں۔ فی الوقت کمارن نگر۔ چنئی میں مقیم ہیں۔ ''حروف۔ نقوش اصغر۔ رباعیات حق نما۔ رخش قلم۔ طرز بیان۔ عکس زار۔ سنگ ریزے۔ آہنگ شعور'' کلام کے مجموعے ہیں۔

۳۰- کرم شاہجہانپوری: متوفی ۹ رمضان ۱۴۰۷ھ۔ ۷ مئی ۱۹۸۷ء) کرم شاہجہانپوری ابن صوفی امیرالدین خان اصلاً شاہ جہان پور کے رہنے والے تھے لیکن کراچی۔ پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ وہیں عالم جوانی میں ہی ایک حادثے میں انتقال ہوا۔ نعت گوئی کی طرف خاص رجحان تھا۔ ان کے کلام کو بعد میں 'مرگ جواں' کے عنوان سے یکجا کر کے شائع کیا گیا۔

نظر آ جائے یارب حسن جاں پرور مدینے کا — نگاہوں میں سما جائے ہر ایک منظر مدینے کا
مدینہ کیوں نہ پیارا ہو مجھے سارے زمانے سے — مہ دیں سے ضیا اندوز ہے ہر گھر مدینے کا
طراوت بخش چشم اہل ایماں اس کی سبزی ہے — عجب فرحت فزا ہے گنبد اخضر مدینے کا
یہ سرکار دوعالم کا بنا جس روز سے مرکز — سر عرش معلیٰ ہے بلند اختر مدینے کا
وہ خوش قسمت ہوا دم بھر میں سرشارِ مئے وحدت — پیا بزم جہاں میں جس نے اک ساغر مدینے کا
نگاہیں جس طرف جاتی ہیں پھر واپس نہیں آتیں — کہ ہر گوشہ ہے دل افروز وخوش منظر مدینے کا
نظیر اس کی نظر آتی نہیں اقصائے عالم میں — نہیں ہے کوئی خطہ دہر میں ہمسر مدینے کا
شہ دیں شہر مکہ چھوڑ کر اس شہر میں آئے — جہاں میں فخر سے اونچا نہ ہو کیوں سر مدینے کا
مری آنکھیں منور کیوں نہ ہوں اس کی زیارت سے — افق میرے لئے ہر ذرہ ہے گوہر مدینے کا

☆

زہے منظر جلوہ بار مدینہ — بہار جناں ہے بہار مدینہ
سرور دل و جاں بہار مدینہ — فدائے مدینہ نثار مدینہ
یہ شام وسحر دل کش و روح پرور — یہ پر کیف لیل و نہار مدینہ
مہ ومہر ونجم وگہر سے فزوں تر — ہراک ذرۂ تاب دار مدینہ
مجھے باغ فردوس وقصر جناں ہے — یہ صحرائے طیبہ دیار مدینہ

مدینے کی گلیوں کے قربان جاؤں
یہ ہیں محور تاج دار مدینہ

مزا مجھ کو حاصل ہے سیر جناں کا
سمائی نظر میں بہار مدینہ

ہے نقش نگیں خاتم دوجہاں کا
ترا نام پاک اے نگار مدینہ

مرا سر ہو قربان اس راستے پہ
چلے جس پہ وہ شہسوار مدینہ

☆

مری جان کیا ہے کہ جان جہاں ہے
فدائے مدینہ نثار مدینہ

پہنچ جاؤں میں اپنے مرکز میں یارب
وطن پھر مرا ہو دیار مدینہ

بلا لیجئے جلد اپنے گدا کو
مدینے میں اے شہر یار مدینہ

حوادث سے محفوظ یہ سر زمیں ہو
رہے آسماں سازگار مدینہ

عطا کیجیے ساقی حوض کوثر
مجھے بادۂ خوش گوار مدینہ

افقؔ رشک اکسیر ہے خاک طیبہ
مر ا سرمۂ دل غبار مدینہ

☆

اللہ رے ضیائے رخ جانان مدینہ
خورشید ہے ہر ذرۂ تابان مدینہ

روح عربستاں، نہ فقط جانان مدینہ
جان و دل کونین ہیں سلطان مدینہ

کیا شان ہے اللہ غنی شان مدینہ
شاہنشہ کونین ہیں سلطان مدینہ

جنت ہے بہار چمنستان مدینہ
رضواں جسے کہتے ہیں وہ دربان مدینہ

کیا حسن ہے، کیا آن ہے، کیا شان مدینہ
قربان مدینہ ہوں میں قربان مدینہ

لے چل مجھے لے چل مجھے للّٰہ اڑا کر
اے باد صبا سوئے گلستان مدینہ

میرے دل تاریک کی ظلمت بھی ہو کافور
اے روشنی شمع شبستان مدینہ

خواہش نہ رہے کچھ مجھے گلگشت جناں کی
ہوجائے جو سیر چمنستان مدینہ

شاہ مدنی سے مدنیت ہے جہاں میں
عالم کے تمدن پہ ہے احسان مدینہ

سینے میں ہے کعبہ کی زیارت کی تمنا
دل میں ہے افقؔ حسرت و ارمان مدینہ

☆

کیا مرکز انوار مدینے کی زمیں ہے
یہ عرش معلیٰ ہے کہ فردوس بریں ہے

قربان گلستان دوعالم کی بہاریں
طیبہ کا چمن غیرت فردوس بریں ہے

ذیشاں ہیں مقامات مدینے کے سوا بھی
جو شان یہاں ہے وہ کہیں اور نہیں ہے
لینا ہے جسے آ کے مدینے میں وہ لے لے
جو کچھ بھی ہے کونین کی دولت وہ یہیں ہے
کیا ہو صفت خاک درخشان مدینہ
جو ذرہ یہاں کا ہے وہ اک درس میں ہے
چل سر کے بل اے زائر مشتاق ادب سے
بستان محمد ہے یہ طیبہ کی زمیں ہے
باب شہ طیبہ سے کہاں جائیں ہم اٹھ کر
اس در کے سوا کوئی ٹھکانہ بھی کہیں ہے؟

☆

ہر سو رحمت حق گل فشاں معلوم ہوتی ہے
مدینے کی زمیں صحن جناں معلو ہوتی ہے
گلی اک اک یہاں کی کہکشاں معلوم ہوتی ہے
زمیں طیبہ کی رشک آسماں معلوم ہوتی ہے

☆

طیبہ کا ہر اک ذرہ انوار کی منزل ہے
روضے کا ہر اک گوشہ فردوس کی منزل ہے
خاک دراقدس کے ذرے نہیں انجم ہیں
قبہ شہ طیبہ کا برج مہ کامل ہے

☆

بیاں کیا ہو گلزار طیبہ کی نزہت
وہاں کا تو صحرا بھی رشک ارم ہے

☆

رحمت کے طلب گار و آؤ طیبہ کو چلو طیبہ کو چلو
طیبہ میں بہر ساعت نازل اللہ کی رحمت ہوتی ہے

☆

جو پاک زمیں جلوہ گہ سرور دیں ہے
فردوس بریں ہے وہی فردوس بریں ہے

☆

منظر گلزار طیبہ آ گیا مجھ کو نظر
لطف سیر گلشن فردوس حاصل ہو گیا

☆

خدا کی رحمتوں کا مینھ برستا ہے مدینے میں
یہ فیض عام ہے شاہنشہ طیبہ کے مرقد کا
ہر اک ذرہ ہے انجم ہدایت خاک طیبہ کا
نگاہیں وجد کرتی ہیں یہاں ہر ایک منظر پر

☆

آرزو یہ ہے مدینے میں پہنچ کر کیجیے
گوشے گوشے چپے چپے ذرے ذرے کا طواف

☆

جوفرطِ شوق میں اٹھے سوے طیبہ قدم میرا تو دل ہو جاے روشن صورت شمع حرم میرا
کچھ ایسی بے خودی ہو اشتیاق سیر طیبہ میں کہیں رکھوں، پڑے لیکن کہیں جا کے قدم میرا

☆

سما جاے جو آنکھوں میں بہار گلشن طیبہ نہ جاے پھر تصور بھی سوئے باغ ارم میرا
مری مٹی نہ ہو برباد خاک ہند میں یارب! تمنا ہے کہ نکلے گلشن طیبہ میں دم میرا

☆

دل ہے روشن روضۂ شاہ رسولاں دیکھ کر نور ہے آنکھوں میں طیبہ کا گلستاں دیکھ کر

☆

وہ ہوئی فرحت مدینے کا گلستاں دیکھ کر جیسے آتا ہوں بہار باغ رضواں دیکھ کر

☆

یہاں جلوہ نما ہے ذات سرکار مدینہ کی جہاں میں دھوم ہے حسن ضیابار مدینہ کی
حریم دل منور ہے تماشاے مناظر سے مری آنکھوں میں ہے تصویر دربار مدینہ کی
یہاں ہر چیز پاکیزہ ہر اک ساماں پسندیدہ عجب رونق، عجب زینت ہے دربار مدینہ کی
نگاہ شوق کو دیدار سے سیری نہیں ہوتی سراپا حسن ہے تعمیر ہر دار مدینہ کی
فصاحت میں بلاغت میں لطافت میں حلاوت میں نظیر آئی نظر مجھ کو نہ گفتار مدینہ کی
دل اہل نظر شیداے انداز تکلم ہے زبان اہل دل مداح کردار مدینہ کی
جہاں میں اے افقؔ جس کو ہواے سیر جنت ہو کرے آکر ادب سے سیر گلزار مدینہ کی

میر افقؔ کاظمی

آنکھ اٹھتے ہی جو طیبہ کا نظارہ کر لے اللہ اللہ وہ کیا گہری نظر ہوتی ہے
جادۂ شہر مدینہ کے مسافر کو سدا آگہی دہر کی، عقبیٰ کی خبر ہوتی ہے
مانگئے شہر مدینہ میں دعائیں پیہم بارش لطف وہاں آٹھ پہر ہوتی ہے

☆

یاد جب طیبہ کی آتی ہے، مچل جاتا ہے دل پھر بہ فیض نعت گوئی، خود بہل جاتا ہے دل
جب کبھی طیبہ کے منظر آنکھ سے اوجھل ہوئے چٹکیوں سے دفعتاً کوئی مسل جاتا ہے دل
زائران مکہ وطیبہ کو اکثر دیکھ کر جادۂ منزل کی جانب خود نکل جاتا ہے دل

☆

طیبہ کی لگن حد سے ہوئی جاتی ہے افزوں
یارب تو دکھا دے درودیوار مدینہ
وہ چاند ستاروں کا طلب گار نہ ہوگا
جو ایک جھلک دیکھ لے انوار مدینہ
تھے قیصر و کسریٰ کے بھی انداز نرالے
بے مثل بہر رنگ ہے دربار مدینہ
سوراز تھے پوشیدہ پس ہجرت طیبہ
سرکار ہی تھے واقف اسرار مدینہ
دن رات جمیلؔ اب ہے یہی دل کی تمنا
اک بار ذرا دیکھ لے بازار مدینہ

☆

حسرت یہی رہتی ہے مرے قلب وجگر میں
مٹی میں ملوں جا کے میں طیبہ کے نگر میں
کیوں فرطِ عقیدت سے نہ ہم جائیں مدینہ
کونین کی دولت ہے اسی رہ گزر میں
اعجاز نظر ہے کہ تصور کا کرشمہ
ہے عکس مدینہ کا مرے دیدۂ تر میں
جو دیکھ لے اک بار کبھی شہر مدینہ
جنت ہے بھلا چیز کوئی اس کی نظر میں

☆

گلزار ارم ہے کہ مدینہ کا چمن ہے
یہ سید کونین محمد کا وطن ہے
یہ سید کونین محمد کا وطن ہے
طیبہ کی فضاؤں میں بسا مشک ختن ہے
کس درجہ درخشاں ہے مدینے کے خزف بھی
کیا اتنا درخشاں کوئی لعل یمن ہے

☆

کیا رنگ بہاراں ہے کیا حسن گلستاں ہے
گلزار مدینہ تو فردوس بداماں ہے
اے زائر یثرب تم تنویر حرم لے لو
ہر دکھ کا مداوا ہے، ہر درد کا درماں ہے
رحمت کی گھٹاؤں میں، طیبہ کی فضاؤں میں
سرکار کا روضہ ہے، تسکین کا ساماں ہے

☆

حسرت بھی ہے، دن رات خدا سے دعا بھی
طیبہ کی زیارت ہو، ملے دل کو ضیا بھی
ہر ذرہ مدینہ کا ہے خورشید درخشاں
کافی ہے بصیرت کے لئے خاک شفا بھی

☆

کیا ٹوٹ کے برسا ابر کرم، سیراب ہوا طیبہ کا چمن
شاداب ہوئے کہسار و دمن، پھولوں سے بھرا صحرا کا چمن
تنویر خدا کے جلوؤں سے، محبوب خدا کے قدموں سے
مہتاب ہوئے نسرین و سمن، زرتاب ہوا بطحا کا چمن

رحمت کے فرشتے آتے ہیں، تسبیح صداقت پڑھتے ہیں
ہر گل سے تقدس جلوہ فگن، طیبہ کی زمیں خضرا کا چمن

☆

طیبہ کا تصور کیا کہئے، روضے کی تجلی کیا کہے
ہر ظلمت شب مہ تاب ہوئی ہر رنگ سحر پر نور ہوا
دیدار کی حسرت حد سے بڑھی تو اذن حضوری مل ہی گیا
کعبے کی زیارت راس آئی، طیبہ کا سفر مقدور ہوا

اٹھو، مدینے ساتھ مرے ہم سفرو چلو　　بجنے کو تھوڑی دیر میں بانگ رحیل ہے
پوچھے امیر شہرِ اقامہ تو میں کہوں　　خادم نبی کا ہوں، وہی میرا کفیل ہے
کیا پوچھنا ہے دونوں کے جاہ و جمال کا　　کعبہ جمیل ہے تو مدینہ شکیل ہے

☆

نگاہوں میں ہیں یثرب کے نظارے　　عجب عالم ہے میری بے خودی کا
ہر اک شب جگمگاتا ہے مدینہ　　نہیں محتاج ہے وہ چاندنی کا
نہ جانے آپ گزرے ہوں کہاں سے　　ادب کرتا ہوں طیبہ کی گلی کا

☆

باغ ارم سے کم نہیں طیبہ کی رونقیں　　پر کیف وپر بہار ہے گلزار مصطفٰی
نیکی خریدنی ہو تو یثرب کو جائیے　　مرکز ہے خیر و فیض کا بازار مصطفٰی

☆

مدینے کی صبح و مسا اللہ اللہ　　وہ رحمت کی ہر سو گھٹا اللہ اللہ
مدینے کی خوشبو نہ جانے کہاں سے　　اڑا لائی، باد صبا اللہ اللہ

☆

اللہ رے عظمت طیبہ کی، ہر سمت ہیں جلوے قدرت کے
وہ روضہ اقدس کیا کہیے، وہ رونق عالم کیا کہئے
کعبے کی زیارت لازم ہے، دیدار مدینہ واجب ہے
یہ ربط مقدس کیا کہئے، یہ رشتہ باہم کیا کہئے

فردوس بداماں طیبہ ہے، کوثر کا بدل ہے مکے میں
وہ جنت عالم کیا کہئے، وہ چشمۂ زمزم کیا کہئے

آرزوے زیارت ہے مقصود دل جذب میں طیبہ طیبہ پکارا کریں
لے کے طیبہ کی باد بہاری جمیلؔ غنچۂ دل کو اپنے نکھارا کریں

☆

خدا کی تجلی سے معمور نکلا مدینے کا ہرذرہ پر نور نکلا

☆

زائر ہوں مجھے جادۂ منزل کی طلب ہے دیدار کی حسرت ہے، مدینے کا سفر ہے

☆

ہوا محترم ہے، فضا محترم ہے مدینے کی صبح و مسا محترم ہے

☆

مدینے کی زینت، مدینے کی عظمت دم مصطفیٰ سے بہ حد اتم ہے

☆

کوئی زائر ہی کہہ سکتا ہے اب حرمان وحسرت سے
سکون حاصل ہوا کتنا مدینے کی زیارت سے

☆

نگاہوں میں رقصاں ہے خضرا کا منظر مدینے کی شام وسحر ڈھونڈتا ہوں

☆

محبوب کبریا شہ والا کی انجمن لاریب سب سے اچھی ہے طیبہ کی انجمن

☆

دید طیبہ تو ہے مقصد بندگی زندگی کا میں رکھ نے بھرم جاؤں گا

☆

زمانہ کہہ اٹھا، کیا پھول ہیں گلزار طیبہ کے بکھر کر بھی فضا میں مشک وعنبر ہوتے جاتے ہیں

☆

نہ کیوں رشک جنت ہو باغ مدینہ تو ہی اس کا والی، تو ہی اس کا مالی

☆

ہر صبح منور ہے تو ہر شام حسیں ہے
طیبہ کی زمیں ہے کہ یہ فردوس بریں ہے

☆

معطر، معنبر مدینے کی گلیاں
ہوا مشک بو ہے، فضا عنبریں ہے

☆

کعبے کی فضیلت کا کوئی گھر نہیں ملتا
منظر کوئی طیبہ سے منور نہیں ملتا

☆

کھلے ہیں پھول عقیدت کے جا بجا دیکھو
گلی گلی میں مدینے کی رنگ ونکہت ہے

☆

ارض طیبہ ہو کہ ہو باغ جناں کی محفل
جلوہ گر آپ سے ہے کون ومکاں کی محفل

☆

پھر جاؤں مدینے کو جو تقدیر ہو یاور
یہ حوصلہ تو دل میں ہمیشہ سے جواں ہے
ہو نصیب دید طیبہ، در پاک کی زیارت
ملے اس غریب کو بھی ترے شہر کا ٹھکانا

☆

یہی ہے آرزو اپنی جمیلؔ بے نوا ہر دم
مدینہ میرا ملجا ہو، مدینہ میرا ماوا ہو

☆

یہی کہتی ہے دنیا دیکھ کر طیبہ کی وادی کو
تری رحمت سے صحرا بھی گل وگلزار ہوتا ہے

☆

آسودہ بہت ہوں میں، طیبہ تری گلیوں میں
مسرور دل وجاں ہیں روضے کی زیارت سے

☆

میری نظر میں کیا ہے مدینہ، نہ پوچھئے
جنت اگر نہیں ہے تو جنت سے کم نہیں

☆

کہتے ہیں جسے مرکز انوار الٰہی
وہ شہر مدینہ ہے جو صد رشک ارم ہے

جمیلؔ عظیم آبادی

مرا مدعا ہیں مدینے کی گلیاں
مری رہنما ہیں مدینے کی گلیاں
کہاں ایسی ہوتی ہیں پھولوں کی کلیاں
بہت خوشنما ہیں مدینے کی گلیاں

وہ عالم کہ بس چلتے پھرتے ہی رہیے
عجب دل ربا ہیں مدینے کی گلیاں

سکون اور راحت ہے ہر ہر قدم پر
دلوں کی دوا ہیں مدینے کی گلیاں

بہار گلستان جنت یہیں ہے
بڑی پر فضا ہیں مدینے کی گلیاں

ہدایت کے چشمے جہاں سے ہیں جاری
وہ بحر عطا ہیں مدینے کی گلیاں

سمجھتے ہیں یہ راز اہل معانی
دل با صفا ہیں مدینے کی گلیاں

جو درکار صحت ہو، حاضر یہاں ہو
مریضو! دوا ہیں مدینے کی گلیاں

نظر آتی ہے شکل اعمال سب کو
مگر آئینہ ہیں مدینے کی گلیاں

یہاں جو ہیں ساکن وہ بیمار کیوں ہوں
کہ دار الشفا ہیں مدینے کی گلیاں

پہنچ جائے گی کشتی دل سلامت
مری نا خدا ہیں مد ینے کی گلیاں

خدا اور خدا کا نبی جانتا ہے
کہ در اصل کیا ہیں مدینے کی گلیاں

کرو دیدۂ و دل کو روشن حمیدؔ اب
اگر دیکھنا ہیں مدینے کی گلیاں

☆

دیار ہند کو نسبت ہے کیا مدینے سے
یہ رنج ہے کہ میں کیوں آ گیا مدینے سے

نثار کیجیے اس دل پہ قیمت کونین
کہ جس کو عشق ہو کعبے سے یا مدینے سے

کہیں یہ لطف نہ مرنے میں ہے نہ جینے میں
کہاں میں جاؤں حبیب خدا مدینے سے

یوں ہی تو کہتے ہیں مرکز اسے دو عالم کا
کہ ہر مقام کا ہے راستہ مدینے سے

نگاہ بن نہیں سکتی زباں، تو کیا کہیے
یہ کیا بتاؤں کہ لایا ہوں کیا مدینے سے

خدا گواہ کہ اس رنج وغم کے مارے نے
ہر ایک درد کی پائی دوا مدینے سے

مریض ہجر اسی آرزو میں جیتا ہے
کہ لوگ لائیں گے خاک شفا مدینے سے

ادب سے کہہ نہیں سکتا، مگر حقیقت ہے
کہ میرے دل کو بھی ہے رابطہ مدینے سے

نزول رحمت باری کا وقت آیا ہے
اٹھی وہ جھوم کے کالی گھٹا مدینے سے

در حبیب نے عالم سے بے نیاز کیا
حمیدؔ مجھ کو تو سب کچھ ملا مدینے سے

☆

ایسا تو ہو دل محو تماشائے مدینہ
جس سمت نظر جائے نظر آئے مدینہ

سودا ہو اگر سر میں تو سودائے مدینہ
دل میں ہو تمنا، تو تمنائے مدینہ

دل میں رہے سلطان مدینہ کا تصور
اور آنکھ رہے محو تماشائے مدینہ

اللہ رے نسیم سحری کی وہ لطافت
وہ روح فزا منظر صحرائے مدینہ

تابانیٔ انوار کا اللہ رے عالم
ہے مہر بھی ایک ذرۂ صحرائے مدینہ

کیا چیز ہے اللہ یہ اعجاز تصور
جیسے تھے ابھی محو تماشائے مدینہ

صدقے میں شہیدان احد کے مرے مولی
دکھلا دے مجھے پھر وہی صحرائے مدینہ

☆

کرو ہم صفیرو مدینے کی باتیں
یہی ہیں حقیقت میں جینے کی باتیں

تقاضا غلامی کا یہ کہہ رہا ہے
کہ دن رات ہوں بس مدینے کی باتیں

فضائے مدینہ ہے یا بزم جنت
نہ قصے حسد کے، نہ کینے کی باتیں

جو چاہو کہ تازہ رہے دین و ایماں
تو کرتے رہو تم مدینے کی باتیں

حمیدؔ اپنے دل کا یہی مدعا ہے
کہ ہوتی رہیں کچھ مدینے کی باتیں

☆

پھر مدینے کے لئے شوق فراواں کی قسم
دل ہے بیتاب زیارت غم پنہاں کی قسم

ہے ضیا بار بہت گنبد خضرا کا کلس
ماہ طیبہ کی قسم، مہر درخشاں کی قسم

چمن طیبہ کا ہر پھول ہے پر کیف غزل
حضرت حافظ سرشار وغزل خواں کی قسم

یاد آتا ہے مدینے کی وہ بارش کا سماں
موسم گل کی قسم، ابر بہاراں کی قسم

چاند سی صورتیں وہ اہل مدینہ کی، جنہیں
دیکھتے رہیے کسی صاحب ایماں کی قسم

کوچۂ طیبہ میں مرکر مجھے جینا ہو نصیب
اک تمنا ہے یہی، حسرت پنہاں کی قسم

☆

جہاں ڈھونڈتی ہے، جدھر ڈھونڈتی ہے
مدینے کو میری نظر ڈھونڈتی ہے

مری چشم پر شوق کو کیا ہوا ہے
مدینے کی شام وسحر ڈھونڈ تی ہے

☆

طیبہ کا ہر اک کوچہ کیوں کر نہ معطر ہو
پھیلی ہوئی نکہت ہے سرکار دو عالم کی

☆

خاک طیبہ کے ذرے ذرے میں
ہائے کیا شان دل ربائی ہے

☆

اہل مدینہ کی کیا بات!
اہل مدینہ کیا کہنا

☆

بھینی بھینی پھر شمیم جاں فضا آنے لگی
ٹھنڈی ٹھنڈی پھر مدینے کی ہوا آنے لگی

پھر گیا نظروں میں میدان احد کا لالہ زار
بن کے نکہت یاد گلزار قبا آنے لگی

حبّذا اہل مدینہ، میں سراپا گوش ہوں
مرحبا اھلاً و سھلاً کی صدا آنے لگی

کیوں نہ ہو اپنا مشام جاں معطر اے حمیدؔ
باغ طیبہ سے نسیم دل کشا آنے لگی

☆

اہل نظر کے لئے، صاحب دل کے لے
ہے وہی دار الاماں، آؤ مدینے چلیں

کہنے کی حاجت نہیں، کوئی ضرورت نہیں
ان پہ ہے سب کچھ عیاں، آؤ مدینے چلیں

عمر کا حاصل ہے بس خاک درِ مصطفیٰ
عمر نہ ہو رائیگاں، آؤ مدینے چلیں

مرکز صد جستجو، حاصل ہر آرزو
یعنی ہے سب کچھ وہاں، آؤ مدینے چلیں

☆

دکھا دے الٰہی دیار مدینہ
بہت دن سے ہوں بے قرار مدینہ

بنائے دوعالم، دیار مدینہ
حبیب خدا، تاجدار مدینہ

یہاں آ کے دل کس کا جانے کو چاہے
کہ جنت ہے ہر رہ گزار مدینہ

حیات آفریں، روح پرور فضائیں
خوش آیند ہے کیا جوار مدینہ

خیاباں خیاباں نہ کیوں ہو بہاراں
بہار آفریں ہے، بہار مدینہ

شہیدان بدر واحد کا لہو ہے
زہے جلوۂ لالہ زار مدینہ

مہ و مہر ہیں جس کے صدقے میں روشن
وہ اک قبہ نور بار مدینہ

نظیر مدینہ ہوئی ہے، نہ ہوگی
بسوگند پروردگار مدینہ

سبھی کچھ سہی باغ جنت میں لیکن
بہار مدینہ ' بہار مدینہ

خدا مجھ سے پوچھے گا ''کیا چاہتا ہے''
تو کہہ دوں گا ''خاک دیار مدینہ''

حمیدؔ لکھنوی

روشنی ہے مدینے کے بازار میں
زندگی ہے، مدینے کے بازار میں
آ گہی کے لئے در بدر مت پھرو
آ گہی ہے مدینے کے بازار میں
سارے عالم کے قلب ونظر کے لے
تازگی ہے مدینے کے بازار میں
زندگی کی خوشی، بندگی کا مزہ
واقعی ہے مدینے کے بازار میں
دشمنی سے مدینے کا کیا واسطہ
دوستی ہے، مدینے کے بازار میں
ایک تابشؔ ہی کیا ہر بشر کے لے
دل کشی ہے، مدینے کے بازار میں

☆

مدینے کی زمیں کتنی حسیں ہے
کہ ہر ذرہ یہاں ضو آفریں ہے
تجلی طور کی بر حق ہے لیکن
تجلی جس کو کہتے ہیں یہیں ہے
مدینے جا کے پھر واپس نہ آؤں
سوا اس کے تمنا کچھ نہیں ہے
ہزاروں شہر وقریہ دیکھ ڈالے
مگر ان کی زمیں، ان کی زمیں ہے
نہ چھوٹے دامن تعظیم تابشؔ
یہ شہر رحمت للعالمیں ہے

☆

مدینے کے لئے ہوگا سفر آہستہ آہستہ
نصیب اپنا بھی ہوگا اوج پر آہستہ آہستہ
مدینے کے درودیوار دیکھوں گا عقیدت سے
مدینے میں ہی ہوگا مستقر آہستہ آہستہ
عجب منظر وہ ہوگا جب میں جاؤں گا مدینے کو
ندامت سے جھکا جائے گا سر آہستہ آہستہ

☆

وہ سر جس میں طیبہ کا سودا نہیں ہے
وہ دین ہدیٰ کا شناسا نہیں ہے
منقش ہیں دل میں مدینے کے جلوے
یہ مانا نگاہوں نے دیکھا نہیں ہے

☆

خاروں سے تعلق نہ محبت گل تر سے
الفت ہے مدینے کی حسیں رہ گزر سے
آ جا تجھے میں اپنی نگاہوں میں سمو لوں
اے باد صبا آئی ہے تو طیبہ نگر سے

☆

مدینہ جب کسی کو جاتے دیکھا
یہ جی چاہا اسی کے ساتھ ہو لوں

مدینے کے خس و خاشاک کو بھی
اگر پاؤں تو آنکھوں میں سمو لوں

☆

ایک عمر ہوئی میں نے مدینہ نہیں دیکھا
صد رشک جناں دامن صحرا نہیں دیکھا

ہوتی ہے جہاں آٹھوں پہر بارش رحمت
واللہ وہ رحمت کا خزینہ نہیں دیکھا

☆

نبی کا ہو چرچا، مدینے کی باتیں
حقیقت میں ہیں یہ قرینے کی باتیں

مدینے میں مرنا بھی خوش قسمتی ہے
مگر اس سے بڑھ کر ہیں جینے کی باتیں

بڑا کیف محسوس ہوتا ہے تابشؔ
کئے جا کئے جا مدینے کی باتیں

☆

مدینے کی فضا کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے
زمیں سے آسماں تک روشنی معلوم ہوتی

بحمد اللہ دیکھا ہے مدینے جا کے میں نے بھی
ہر اک شے میں عجب تابندگی معلوم ہوتی ہے

عقیدت جن کو ہوتی ہے در و دیوار طیبہ سے
انھیں کانٹوں میں بھی اک تازگی معلوم ہوتی ہے

مدینے میں بہ صد چشم عقیدت جانے والوں کو
تجلی ہر طرف بکھری ہوئی معلوم ہوتی ہے

☆

خوشا موسم خوشگوار مدینہ
زہے شوکت مرغزار مدینہ

سلام اے فضائے جوار مدینہ
درود اے نسیم بہار مدینہ

سلام اے گل لالہ زار مدینہ
درود اے تبسم فشار مدینہ

دیار مدینہ کی عظمت نہ پوچھو
نثار از دل وجاں دیار مدینہ

وہاں میرے آقا ہیں آرام فرما
یہ کچھ کم نہیں افتخار مدینہ

مدینہ ہے اہل محبت کی منزل
ہر اک شخص ہے بے قرار مدینہ

☆

زمین طیبہ کتنی دل نشیں ہے
ہر اک ذرہ یہاں ضو آفریں ہے

مدینہ چشمۂ فیضان رحمت
مدینہ مخزن علم ویقیں ہے

مدینہ مرکز رشد و ہدایت
مدینہ مہبط روح الامیں ہے

یہاں انوار کی ہوتی ہے بارش
گزر ظلمات کا ہرگز نہیں ہے

مدینے کی گلی بھی کیا گلی ہے یہاں تو روشنی ہی روشنی ہے
مدینہ چشمۂ انوار یکسر مدینہ منبعِ فیضِ نبی ہے
سکوں تو بس مدینے میں ملے گا مریضِ دل شفا خانہ وہی ہے

☆

فضا طیبہ کی نورانی بہت ہے ہر اک ذرے میں تابانی بہت ہے
مدینہ ہے یہاں سب کچھ ملے گا یہاں رحمت کی ارزانی بہت ہے
مرے آقا کا مسکن ہے مدینہ یہاں انوار بارانی بہت ہے

☆

مدینے کا چرچا مدینے کی باتیں کرو آؤ مل کر قرینے کی باتیں

☆

پھول تو پھول کانٹوں میں بھی تازگی سچ تو یہ ہے کہ جنت مدینے میں ہے

☆

میں نے جس روز سے طیبہ ترا منظر دیکھا ایسا لگتا ہے کہ جنت کو زمیں پر دیکھا

☆

پھول تو پھول کانٹوں میں بھی حسن ہے ہے مدینے کی کتنی فضا معتبر

☆

ملکوں ملکوں شہروں شہروں دیکھ چکے ہیں ہم لیکن ایسا رنگ و نور کہاں، جو کوئے شہ ابرار میں ہے

تابشؔ مہدی

دشت مدینہ کی ہے عجب پر بہار صبح ہر ذرہ کی چمک سے عیاں ہیں ہزار صبح
رکھتی ہے شام طیبہ کچھ ایسی تجلیاں سو جان سے ہو جس کی ادا پر نثار صبح
اے ذرۂ مدینہ خدارا نگاہ مہر تڑکے سے دیکھتی ہے ترا انتظار صبح
بس چل سکے تو شام سے پہلے سفر کرے طیبہ کی حاضری کے لئے بے قرار صبح

☆

عجب رنگ پر ہے بہارِ مدینہ کہ سب جنتیں ہیں نثارِ مدینہ
مبارک رہے عندلیبوں تمھیں گل ہمیں گل سے بہتر ہے خارِ مدینہ

بنا شہ نشیں خسرو دوجہاں کا | بیاں کیا ہو عزو وقار مدینہ
مری خاک یارب نہ برباد جائے | پس مرگ کر دے غبار مدینہ
رگ گل کی نازکی دیکھتا ہوں | مجھے یاد آتے ہیں خار مدینہ
ملائک لگاتے ہیں آنکھوں میں اپنی | شب و روز خاک مزار مدینہ
جدھر دیکھئے باغ جنت کھلا ہے | نظر میں ہیں نقش ونگار مدینہ
رہیں ان کے جلوے بسیں ان کے جلوے | مرا دل بنے یاد گار مدینہ
حرم ہے اسے ساحت ہر دو عالم | جو دل ہوچکا ہے شکار مدینہ
دو عالم میں بٹتا ہے صدقہ یہاں کا | ہمیں اک نہیں ریزہ خوار مدینہ
مراد دل بلبل بے نوا دے | خدایا دکھا دے بہار مدینہ

☆

چمن کی سیر سے جلتا ہے جی طیبہ کی فرقت میں | مجھے گلزار کا سبزہ رلاتا ہے دھواں ہو کر
دکھادے یا خدا گلزار طیبہ کا سماں مجھ کو | پھروں کب تک پریشاں بلبل بے آستاں ہو کر

☆

خوشبوئے دشت طیبہ سے بس جائے گر دماغ | مہکائے بوئے خلد مرا سر بسر دماغ
ہر خار طیبہ زینت گلشن ہے عندلیب | ناداں ایک پھول پر اتنا نہ کر دماغ

☆

مٹیں سب ظاہر وباطن کے امراض | مدینے کی ہے یہ آب وہوا خوش
مدینے کی اگر سرحد نظر آئے | دل ناشاد ہو بے انتہا خوش

☆

خاک مدینہ پر مجھے اللہ موت دے | وہ مردہ دل ہے جس کو نہ ہو زندگی عزیز
طیبہ کی خاک ہو کہ حیات ابد ملے | اے جاں بلب تجھے ہے اگر زندگی عزیز
طیبہ کے ہوتے خلد بریں کیا کروں حسنؔ | مجھ کو یہی پسند ہے، مجھ کو یہی عزیز

☆

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد | اب کہاں طیبہ، وہی ہم وہی زندان قفس
پائیں صحرائے مدینہ تو گلستاں مل جائے | ہند ہے ہم کو قفس ہم ہیں اسیران قفس

☆

دشت طیبہ کی جو دیکھ آئیں بہار
ہو عنادل کو نہ گلزار سے ربط
خاک، طیبہ کی اگر مل جائے
آپ صحت کرے بیمار سے ربط

☆

رنگ چمن پسند نہ پھولوں کی بو پسند
صحرائے طیبہ، ہے دل بلبل کو تو پسند
طیبہ میں سر جھکاتے ہیں خاک نیاز پر
کونین کے بڑے سے بڑے آبرو پسند

☆

باغ جنت میں نرالی چمن آرائی ہے
کیا مدینے پہ فدا ہوکے بہار آئی ہے
فضل رب سے پھر کمی کس بات کی
مل گیا سب کچھ، جو طیبہ مل گیا

☆

ذرہ طیبہ کی طلعت کے مقابل اے قمر
گھٹتی بڑھتی چار دن کی چاندنی اچھی نہیں
خارہائے دشت طیبہ چبھ گئے دل میں مرے
عارض گل کی بہار عارضی اچھی نہیں

☆

سیر گلشن کون دیکھے دشت طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

☆

اے مدینے کی ہوا، دل مرا افسردہ ہے
سوکھی کلیوں کو کھلا جاتا ہے جھوں کا تیرا

☆

خلد کیسا، کیا چمن، کس کا وطن
مجھ کو صحرائے مدینہ مل گیا

☆

کہوں کیا حال زاہد، گلشن طیبہ کی نزہت کا
کہ ہے خلد بریں چھوٹا سا ٹکڑا مری جنت کا

☆

اللہ اللہ صرصر طیبہ کی رنگ آمیزیاں
ہر بگولا نزہت سرو گلستاں لے چلا

☆

دیکھ رضواں دشت طیبہ کی بہار
میری جنت کا نہ پائے گا جواب

☆

خاک طیبہ کی اگر دل میں ہو وقعت محفوظ
عیب کوری سے رہے چشم بصیرت محفوظ

☆

جان جناں، دشت مدینہ تری بہار
بلبل نہ جائے گی کبھی گلزار کی طرف

☆

جن کی نظروں میں ہے صحرائے مدینہ بلبل
آنکھ اٹھا کر ترے گلزار کو کیوں کر دیکھیں

☆

اس سے فردوس کی صورت پوچھو
جس نے طیبہ کی زیارت کر لی

☆

جو لگائے آنکھ میں، محبوب ہو
خاک طیبہ سرمۂ تسخیر ہے

حسؔن بریلوی

بھلا میرے دل سے پوچھے کوئی عظمت مدینہ
جو کہیں نہ لٹ سکے وہ ہے دولت مدینہ

ہے ضیائے عرش و کعبہ لئے ندرت مدینہ
نہ فدا ہو کیوں زمانہ ہے یہ عظمت مدینہ

وہ دھنی ہے وہ غنی ہے بعروج عظمت حق
جو سخی ہے اس جہاں میں بسخاوت مدینہ

گل خلد کر رہا ہے مری رہ گزر میں سجدے
میں جہاں بھی جا رہا ہوں لئے شوکت مدینہ

یہی آرزو ہے دل کی، ہو نگاہ شاہ طیبہ
کہ تڑپ رہا ہوں میں بھی لئے حسرت مدینہ

میرے منھ کو چومتی، ہیں مرے نطق کی ضیائیں
جو میں لب کو کھولتا ہوں پئے مدحت مدینہ

کاش طیبہ کی حضوری کا شرف ہو حاصل
دید ہی دید کی حسرت ہے ہمارے دل میں

بعد مرنے کے مری خاک مدینے جاوے
یہ تمنا دم رخصت ہے ہمارے دل میں

☆

زمانے میں ہے اہتمام مدینہ
دو عالم میں اونچا ہے نام مدینہ

مرا دل بھی ہے تشنہ کام مدینہ
مجھے بھی عنایت ہو جام مدینہ

یہاں سر جھکاتے ہیں جبریل اعظم
مقام ادب ہے مقام مدینہ

دو عالم کو روشن کئے جارہا ہے
چمکتا ہے ماہ تمام مدینہ

مدینے کے چرچے مدینے کی باتیں
مری شاعری ہے پیام مدینہ

☆

دیار نبی ہے دیار مدینہ
اسی سے سمجھ لو وقار مدینہ

جسے دیکھئے ہے نثار مدینہ
زمانہ پہ ہے اختیار مدینہ

گلوں سے بھی اچھے ہیں خار مدینہ
سلامت رہے سبزہ زار مدینہ
نظر میں ہے نقش و نگار مدینہ
بہت خوشنما ہے بہار مدینہ
الٰہی دکھا دے دیار مدینہ
مرا دل بھی ہے بے قرار مدینہ
زمیں پہ جو خلد بریں دیکھنی ہو
چلو دیکھ آئیں دیار مدینہ
کسی کی محبت میں ایسا مٹے دل
کہ مٹ کر بنوں میں غبار مدینہ
بس اتنی سی پہچان ہو میری اے گُل
کہیں سب مجھے خاکسار مدینہ

☆

عشق لے چل تو ہی مدینہ کو
جی وہیں چاہتا ہے جینے کو
حسن اتنا ہی اس کا بڑھتا ہے
جتنا اچھا کہو مدینے کو

☆

مدینہ بساؤں گا نگاہوں میں جس دم
نکل جائے دم تاجدار مدینہ

☆

خاک درِ آقا سے ملتا ہے سکوں سب کو
طیبہ کی زمیں بے شک رحمت کا خزینہ ہے

☆

آئے ہیں سانس روکے جنید اور بایزید
فرش مدینہ عرش معلّٰی سے کم نہیں

☆

مجھے بھی اپنے مقدر کو جگمگانے دو
جو آ گیا ہوں مدینہ تو اب نہ جانے دو
مہک اٹھیں گے گلستان دل کے سارے پھول
ذرا بہار مدینہ کو مسکرانے دو
چلوں گا میں بھی مدینے کو بالیقیں اے گل
ابھی حضور کو چشم کرم اٹھانے دو

☆

دل کو مرے دیدار مدینہ کی طلب ہے
چمکا دو مرے عرش مقدر کا ستارا
جنت بھی نچھاور ہے مدینے کی زمیں پر
دنیا سے نرالا ہے ترے در کا نظارا

☆

گلشن ہے نہ صحرا نہ کوئی گُل ہے مدینہ
کہتے ہیں جسے نور کی محفل ہے مدینہ
سرکار کے قدموں کی ضیاء اس کو ملی ہے
کہیے اسے کونین کا حاصل ہے مدینہ

☆

ہو کے مست سبوئے مدینہ دل کو ہے آرزوئے مدینہ
اے صبا تجھ پہ قربان جاؤں لے کے آئی ہے بوئے مدینہ

☆

میری بھی خاک جائے مرنے کے بعد طیبہ اتنی سی آرزو ہے سرکار کی گلی سے

☆

ہر طرف مدینے میں نور ہے اجالا ہے میرے شاہ بطحیٰ کا شہر ہی نرالا ہے

☆

جنت کے لبادے میں گلزار مدینہ ہے کھلتے ہیں یہ طیبہ کے اسرار مرے دل میں

☆

اک راستہ کھلا ہے مدینے سے خلد کا انعام مصطفیٰ ہے یہ جنت کی زندگی

☆

اے یاد مدینہ تری یادوں کے میں صدقے بخشی ہے ترے حسن نے ایمان کو زینت

گلؔ اشرفی

☆

ذرا اے ماہ تابان مدینہ دکھا دے جلوۂ شان مدینہ
تری الفت کو بس وہ جانتا ہے لگا ہو جس کے پیکان مدینہ
گھٹائیں کفر کی پھر چھا رہی ہیں چمک اے ماہ تابان مدینہ
مقدس ہے یہاں کا ذرہ ذرہ زہے یہ رفعت شان مدینہ
گلوں سے بھی زمانے کے ہے بہتر مجھے خار بیابان مدینہ
یہ حسرت ہے کبھی تو زندگی میں کروں سیر گلستان مدینہ
کبھی حاصل مجھے بھی یہ شرف ہو کبھی میں بھی ہوں مہمان مدینہ
جہاں شاہان عالم بھی ہیں منگتا وہ ہے سرکار سلطان مدینہ

☆

لکھتا نہیں جز مدحت سرکار مدینہ بلبل ہوں چمن ہے مرا گلزار مدینہ
رہتا ہے تصور گل عارض کا نبی کے پھرتے ہیں نظر میں در و دیوار مدینہ

اس دن سے کوئی پھول نظر میں نہیں آتا — ہے جب سے جگر میں خلش خار مدینہ
للہ چمک میری بھی تاریکیٔ دل میں — اے ماہ عرب مطلع انوار مدینہ
ہے قابل صد رشک رؤف اس کا مقدر — حاصل ہے جسے لذت آزار مدینہ

☆

یہ شادابی کا عالم ہے گلستان مدینہ کی — کہ خاروں میں گلوں کی تازگی معلوم ہوتی ہے
مدینہ مسکن محبوب رب العالمیں ٹھرا — یہاں ہر شے میں شان دلبری معلوم ہوتی ہے
مدینہ جاکے مرنے کی تمنا ہے زمانے کو — تمہاری ٹھوکروں میں زندگی معلوم ہوتی ہے

☆

دل ہو تو ہو اے کاش تمنائے مدینہ — سر ہو تو ہمیشہ رہے سودائے مدینہ
ہر وقت رہے مجھ کو مدینے کا تصور — اترے نہ کبھی نشۂ صہبائے مدینہ
اللہ جو دل دے تو مدینے کی ہو الفت — آنکھیں ہوں تو ہو جلوۂ زیبائے مدینہ
ہے سارے زمانے میں ترے دم کا اجالا — صدقے ترے اے شمع تجلائے مدینہ
معموری و خاموشی دل کا ہو یہ نقشہ — وہ شہر مدینہ ہو یہ صحرائے مدینہ
جس وقت کھلیں لب تو ہو ذکر شہ بطحیٰ — جس سمت اٹھے آنکھ نظر آئے مدینہ
افسوس ان آنکھوں نے ترا جلوۂ عارض — دیکھا نہ کبھی اے گل رعنائے مدینہ

☆

کچھ ایسی آرہی ہے یاد طیبہ — کہ دل پہلو سے نکلا جا رہا ہے
مدینہ جانے والوں کے سروں پر — نبی کا ابر رحمت چھا رہا ہے

☆

حیراں ہوں کہ تو کون سے قدموں سے چلے گا — اے رہرو الفت یہ مدینے کی زمیں ہے

☆

آنکھوں میں ہو مدینے کا نقشہ کھنچا ہوا — اور دل میں یاد سرور پیغمبراں رہے

☆

ہزاروں پھول ان پر جان کو قربان کرتے ہیں — نزاکت ہے کچھ ایسی گلشن طیبہ کے خاروں میں

☆

هوائے گلشن طیبہ کی تازگی کے نثار　　گلوں سے بڑھ کے مہک ہے جہاں کے خاروں میں

☆

مکہ سے سیر ہو تو مدینے چلو رؔوف　　یہ آستاں رہے کبھی وہ آستاں رہے

☆

گلستان ارم ہے دشت طیبہ　　مدینے کی گلی جنت ہے دل کی

☆

آنکھوں کو آج ہجر کے غم سے چھڑاؤں گا　　صحرائے دل میں شہر مدینہ بساؤں گا
اک روز اے رؔوف اگر زندگی رہی　　تجھ کو بہار گلشن طیبہ دکھاؤں گا

☆

کھچ کھچ کے حاجیوں کا مدینے سے لوٹنا　　پھر پھر کے دیکھنا درو دیوار کی طرف
جائے گی روح سیدھی مدینے کو بعد مرگ　　رخ ہوگا عندلیب کا گلزار کی طرف

رؔوف امروہوی

لب پہ صل علیٰ اور آنسوں رواں　　یاد طیبہ نے پھر دل میں لیں چٹکیاں
جیسے روح القدس خود ہے نغمہ سرا　　یہ مدینے کی مسجد، سحر کی اذاں
اے مسافر مدینے کے تجھ پر سلام　　تیرے قدموں کے نیچے ہیں کون ومکاں

☆

یہ کوئے محبت ہے مدینے کی گلی ہے　　دنیا بھی یہی ہے مری عقبیٰ بھی یہی ہے
مژدہ تجھے بخشش کا مدینے کے مسافر　　یہ راہ گزر گلشن جنت سے ملی ہے

☆

سراپا حسن ہے شام مدینہ　　یہی تو صبح فردوس بریں ہے
طفیل ماہ طیبہ، چشم بدور　　فروزاں آج تک شمع یقیں ہے
مدینے کی یہ راتیں اللہ اللہ　　اندھیرا ہے مگر نور آفریں ہے

☆

اتنا ہو فزوں شوق و تمنائے مدینہ　　جس سمت نظر جائے، نظر آئے مدینہ
زاہد تجھے جنت کی تمنا ہو مبارک　　میرے لئے فردوس ہے صحرائے مدینہ

ماؔہر تجھے مژدہ ہو کہ بخشش کی سند ہے
یہ شوق، یہ حسرت، یہ تولائے مدینہ

☆

وہ منظر وہ نقش و نگار مدینہ
بہاریں ہیں منت گزار مدینہ
محبت کی نازک خلش اللہ اللہ
خوشا لذت نوک خار مدینہ
ہے شاہان عالم سے رتبے ہیں بڑھ کر
گدائے حرم، خاکسار مدینہ
یہاں کی زمیں بوسہ گاہ ملک ہے
زہے عزت و افتخار مدینہ

☆

زائر شہر مدینہ تجھے لینے کے لئے
عالم قدس کے انوار تک آ پہنچے ہیں

☆

اے صل علیٰ شوق وتولاے مدینہ
لایا ہوں مدینہ سے تمنائے مدینہ
جیسے کہ ابھی عرش سے اترے ہیں فرشتے
اللہ رے وہ صبح تجلائے مدینہ
اے داور محشر ترے انصاف کے صدقے
میرے لئے جنت نہیں صحرائے مدینہ
اس شمع سے روشن ہیں زمیں ہو کہ فلک ہو
وہ شمع جو ہے انجمن آرائے مدینہ
یارب مری! آنکھوں کو یہ توفیق عطا کر
جس سمت نظر جائے، نظر آئے مدینہ
یہ کنج چمن، یہ روش گل، یہ لب جو
ہیں اپنی جگہ خوب مگر ہائے مدینہ
تو خاک نشینوں کے لئے عرش معلیٰ
قربان ترے گنبد خضرائے مدینہ

☆

جوار حرم ہے جوار مدینہ
زہے رحمت بے شمار مدینہ
ادھر دونوں عالم بہ ایں شان و شوکت
ادھر ایک مشت غبار مدینہ
وہ جنت کے پھولوں سے کیا شاد ہوگا
کھٹکتا ہے جس دل میں خار مدینہ
ادھر لاؤ جنت کی رعنائیوں کو
میں ان کو بھی کردوں نثار مدینہ

☆

اے صل علیٰ! یہ مری دنیاے تصور
طیبہ کی طرف قافلہ شوق رواں ہے
ماؔہر وہ ہر اک گام پہ جنت کے نظارے
اب تک میری آنکھوں میں مدینہ کا سماں ہے

☆

جب تصور میں مدینے کی طرف اٹھے قدم　عرش کا جلوہ دلیل راہ بن کر آ گیا
اللہ اللہ راہ طیبہ میں ببولوں کی قطار　سامنے آنکھوں کے اک جنت کا منظر آ گیا

☆

کس بیم ورجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اک سمت شریعت ہوتی ہے اک سمت محبت ہوتی ہے
طیبہ کے ببولوں کے کانٹے پھولوں سے بھی نازک تر نکلے
تلووں کو بھی لذت ملتی ہے آسودہ طبیعت ہوتی ہے

☆

یہ رہ گزر ہے مدینے کی اس کا کیا کہنا　تجلیوں کا مسلسل ظہور ملتا ہے
جہاں میں اور کہیں بھی سکوں ملے نہ ملے　مگر مدینے پہنچ کر ضرور ملتا ہے

ماہرالقادری

عشاق راہ طیبہ میں چلتے ہیں سر کے بل　میرے سرنیاز دکھا دے تو بن کے پاؤں

☆

دو چار لمحے کاش مدینے میں بیت جایں　میرے خدا دکھادے فضا اس دیار کی
آتا ہے رشک اس پہ گل باغ خلد کو　یہ عظمتیں ہیں گلشن طیبہ کے خار کی

☆

خود اپنا ہوش نہ ہو گلشن مدینہ میں　غرور عقل کا جامہ اتار کر جانا
خزاں رسیدہ چمن زار قلب کوا ے دوست　ہوائے طیبہ سے رشک بہار کر جانا

☆

شرف ملا ہے مدینے میں جس کو رہنے کا　نہ رشک آئے بھلا کیسے اس کبوتر پر

☆

اللہ اللہ باغ طیبہ کے تصور کا کرم　چشم وا کو گنبد خضرا کا منظر دے گیا

☆

اللہ رے دیار مدینہ کی دل کشی　خلد بریں کا ہم کو وہیں سے پتہ ملا

☆

صدقہ ہے ذرہ ہائے دیار رسول کا
نوری فضا جو حلقۂ شمس وقمر میں ہے

☆

جادۂ منزل طیبہ کا مسافر ہوں میں
کس سے ممکن ہے مری گردِ سفر کا سودا

☆

وہ نور جو پھیلا ہے مدینے سے حرم تک
آجائے خدایا مرے کاشانۂ غم تک
دامان کرم میں لئے پیغام حضوری
اے گلشن طیبہ کی ہوا آ بھی جا ہم تک
قاسم کرم رحمت کونین کی بارش
گلزار مدینہ سے ہے صحرائے عجم تک

☆

قاسم جو ہے فدائے حبیب خدا اسے
طیبہ کی شام وصبح درخشاں پسند ہے

☆

مبتلائے غم عشق سرکار کو
باغ طیبہ کی ٹھنڈی ہوا چاہیے

☆

نہ جاؤں طیبہ کبھی بد دعا نہ دے مجھ کو
کچھ اس کے بعد نہ دے یا زمانہ دے مجھ کو
مدینہ جا کے پھر آؤں دعا نہ دے مجھ کو
مرے عزیز تو ایسی سزا نہ دے مجھ کو
اڑا کے لائی ہے خوشبو جو کوئے طیبہ سے
میں اور کہہ دوں کہ بادِ صبا نہ دے مجھ کو

☆

ہوائے گرم میں بھی ہے جو خوئے دل نوازنہ
وہ کیا طیبہ سے باہر بھی کہیں معلوم ہوتی ہے

☆

وہ ہو طیبہ کا گلستاں کہ فضائے خلد رضواں
شہ دوجہاں کی خوشبو کہاں اے صبا نہیں ہے
تری روشنی کا عالم تو کچھ اور ہوتا لیکن
ترے رخ پہ گردِ طیبہ مہ پر ضیا نہیں ہے
یہ کرم ہے کوے طیبہ کی بہار جاں فضا کا
ہے شگفتہ پھول قاسم دل غم زدہ نہیں ہے

☆

مدینے کی زمیں منسوب ہے آقا کے قدموں سے
تو پھر کیسے کہوں جنت نہیں معلوم ہوتی ہے
بوقت نعت قوالی طیبہ سے آتی ہوئی مجھ کو
صدائے آفریں صد آفریں معلوم ہوتی ہے

☆

پہلے طیبہ میں رواں نوری سمندر دیکھنا
پھر نگاہ شوق سے اس در کا پتھر دیکھنا

عکس دربار نبی آنکھوں میں ہوگا بل یقیں
زائرین طیبہ آئینہ اٹھا کر دیکھنا

☆

درماں طلبو! آؤ چلیں سوئے مدینہ
دربارشہ دیں میں شفا سب کے لئے ہے

☆

نہ تھا کوئی رہ طیبہ میں ہم سفر میرا
خیال ذات شہ دوسرا نے ساتھ دیا

میں گامزن جو ہوا رہ گزر طیبہ میں
نسیم صبح نے باد صبا نے ساتھ دیا

☆

مدینہ مرکز شفقت ہے زائران نبی
تمہارے دل میں عبث رنج بے دیاری ہے

قاسم حبیبی

حاصل ہر نظارہ مدینہ
منزل ہر تمنا مدینہ

سارے نبیوں سے اعلیٰ محمد
سارے شہروں سے اچھا مدینہ

وصل حق کا وسیلہ محمد
منزل حق کا جادہ مدینہ

عافیت گاہ حرماں نصیباں
بیکسوں کا ٹھکانا مدینہ

غیر ممکن ہے جنت کا ملنا
راہ میں گر نہ آیا مدینہ

خلد کیا ان کی نظروں میں آئے
جن کی آنکھوں نے دیکھا مدینہ

مصطفیٰ عرش سے لوٹ آئے
بن گیا عرش اعلیٰ مدینہ

طے سفر عمر کا ہونہ جائے
دور ہے اور کتنا مدینہ؟

آخری سانس جس وقت آئے
سامنے ہو خدارا مدینہ

مرنے والے کی حسرت جو پوچھی
منھ سے نکلا مدینہ مدینہ

اہل ایماں کی نظروں میں ساجدؔ
خلد و فردوس مکہ مدینہ

☆

آئی باد صبا مدینے سے
لائی بوئے وفا مدینہ سے

اشک حسرت چلے ان آنکھوں سے
ابر رحمت چلا مدینے سے

سب سے کہدو کہ ہوکے جاتا ہے
خلد کا راستہ مدینے سے

ساری دنیا میں باٹی جاتی ہے | رحمت کبریا مدینے سے
ہم غریبوں کو بھی کوئی لا دے | درد دل کی دوا مدینے سے
واسطہ حق سے ہو نہیں سکتا | گر نہ ہو رابطہ مدینے سے
اب رہے گا جو حشر تک رائج | ایسا سکہ چلا مدینے سے
سب غریبوں کو سب امیروں کو | جو ملا وہ ملا مدینے سے
اس کے دونوں جہان ہیں آباد | جس کو ہے واسطہ مدینے سے
عشق کی انتہا مدینے پر | عشق کی ابتدا مدینے سے
روزمحشر اٹھے گی اے ساجد | مغفرت کی گھٹا مدینے سے

☆

چلے ہیں جو اک گام طیبہ کی جانب | وہ طے خلد کا راستا کر چکے ہیں

☆

طیبہ میں ہے آرام گہہ سرور عالم | جنت سے حسیں کیوں نہ مدینے کی گلی ہو

☆

صبا مدینے سے آئی ہے لوٹ کر شاید | فضاؤں میں یہ تعطر عجیب کیسا ہے

☆

کون سا گوشہ یہاں نور سے معمور نہیں | کون سا ذرۂ طیبہ شرر طور نہیں

☆

اس در پہ پہنچنا تو ہے قسمت سے عبارت | دیدار مدینہ کی تمنا بھی حسیں ہیں

☆

ہر ایک خار ہے جس کا حریف غنچہ و گل | بس اک ایسا مدینہ کا گلستاں دیکھا

☆

سوکھی پڑی ہیں جذبہ ایماں کی کھیتیاں | طیبہ سے چل کے آئیں گھٹائیں تو بات ہے

☆

گلشن طیبہ سے جاتی ہی نہیں آ کر بہار | ہے خزاں نا آشنا میرے نبی کا گلستاں

ساجد امروہوی

کس درجہ مقدس ہیں انسان مدینے کے — رہتے ہیں جو حلقے میں ہر آن مدینے کے
سرکار دو عالم کی گلیوں میں تو پھرتے ہیں — ہم سے بہت اچھے ہیں حیوان مدینے کے
اس ارض مقدس کا ہر ایک فدائی ہے — ہر دل میں مچلتے ہیں ارمان مدینے کے
اس راز کو خلاق عالم ہی سمجھتا ہے — کس کس پہ ہیں کیا کیا ہیں احسان مدینے کے
گیسوئے پیمبر کی ہر پھول میں خوشبو ہے — نکہت میں نمایاں ہیں بستان مدینے کے
کس طرح تصور میں جنت کے محل آئیں — رقصاں ہیں خیالوں میں ایوان مدینے کے
جس شہر پہ صدقے ہے کونین کی رعنائی — اس شہر میں رہتے ہیں سلطان مدینے کے
ہیں قافلے ایماں کے راہوں میں عقیدت کی — ممکن نہیں رستے ہوں سنسان مدینے کے
از راہ کرم آقا ہم کو بھی بلا لیجئے — حسرت ہے بنیں ہم بھی مہمان مدینے کے
سر چشمہ رحمت سے محروم نہیں کوئی — اے صل علیٰ ہمسر فیضان مدینے کے

☆

نہ جنت نہ باغ ارم چاہتے ہیں — مگر ہاں مدینے کو ہم چاہتے ہیں
فقیر ان طیبہ سے نسبت ہے اپنی — جو وہ چاہتے ہیں وہ ہم چاہتے ہیں
سگ کوئے طیبہ کہیں لوگ ہمسر — ہم اپنا یہ جاہ و حشم چاہتے ہیں

☆

خیال شوق مدینے کی شاہ راہ میں ہے — جمال گنبد خضرا مری نگاہ میں ہے
خدا ہی جانے وہ جنت کے پاس ہو کہ نہ ہو — مزا جو دورئ طیبہ کی اشک و آہ میں ہے
وہ آہوان حرم ہوں کہ ساکنان ارم — بہار خلد مدینہ ہر اک نگاہ میں ہے

☆

صحرائے مدینہ کی بہار آپ نہ پوچھیں — یوں جانیے گلزار ارم دیکھ لیا ہے

☆

کیا بگاڑے گی مرا کفر کی یہ تیرہ شبی — جلوۂ صبح مدینہ ہے مری آنکھوں میں

☆

تصور عرش کا ہے اور میں ہوں — مدینے کی فضا ہے اور میں ہوں

☆

شبستان مدینہ کی مہک ہے دونوں عالم میں
کہاں بکھرے ہیں گیسوئے نبی خوشبو کہاں تک ہے

☆

رات ہو یا کہ دن مدینے کے
دونوں انداز خوب ہوتے ہیں
چوم کر جلوہ گاہ شاہ امم
چاند سورج غروب ہوتے ہیں

☆

ہم گلشن طیبہ کا سماں دیکھ رہے ہیں
یا آئینہ باغ جناں دیکھ رہے ہیں
اے صل علیٰ نکہت فردوس مدینہ
مہکی ہوئی یہ بزم جہاں دیکھ رہے ہیں
حسرت بھری آنکھوں سے مدینے کے مسافر
کب قافلہ ہوتا ہے رواں دیکھ رہے ہیں
دن رات نگاہوں میں ہیں طیبہ کے نظارے
رہتے ہیں کہاں اور کہاں دیکھ رہے ہیں

☆

ساری دنیا میں نہ پائی جب اماں
کوچہ طیبہ میں جینے آگئے
منزل طیبہ پہ جب پہنچے قدم
سامنے جنت کے زینے آگئے
دیکھ آؤ کبھی جاکے ذرا شہر مدینہ
اس جیسا کسی شہر کا نقشا نہیں ہوگا

☆

نگاہ سوئے مدینہ اٹھے ہے جب ہمسرؔ
عجیب نور کا عالم دکھائی دیتا ہے

ہمسرؔ قادری لکھنوی

سراپا چمن ہے دیار مدینہ
دوام آشنا ہے بہار مدینہ
مدینے کے پھولوں کو کیا پوچھتے ہو
رگ گل ہے ہر نوک خار مدینہ
دلوں پر ہے جس کی حکومت کا سکہ
زہے شوکت تاجدار مدینہ
کسی چیز کی اس کو حسرت نہیں ہے
میسر ہو جس کو غبار مدینہ
یہ مسجد، یہ منبر، یہ روضہ، یہ گنبد
ہے فردوس ہر یادگار مدینہ
وہاں کی زمیں عرش سے بھی ہے اعلیٰ
جہاں دفن ہیں تاجدار مدینہ
تہجد، تلاوت، تضرع، دعائیں
خوشا سعی شب زندہ دار مدینہ
حنین و تبوک اور بدر و احد میں
صف آرا ہوئے شہسوار مدینہ
کبار مدینہ تو یوں بھی بڑے ہیں
بڑوں سے بڑے ہیں صغار مدینہ

تمنا ہے عمر رواں اپنی گزارے
بہ ہمراز لیل و نہار مدینہ
فریدؔی چلو چل کے روضے پہ کہنا
سلام آپ پر تاجدار مدینہ

☆

تو چھپ نہیں سکتا کبھی شیدائے مدینہ
آنکھوں سے عیاں ہے تری صہبائے مدینہ
اتنا مری نظروں سما جائے مدینہ
جس سمت بھی دیکھوں نظر آئے مدینہ
اے قیس ذرا نجد کے جنگل سے نکل کر
چل ساتھ مرے جانب صحرائے مدینہ
رشک گل وگلزار ہیں کانٹے بھی یہاں کے
گلہائے مدینہ تو ہیں گلہائے مدینہ

☆

نہیں جچتا نظر میں پیش طیبہ گلشن جنت
ذرا دونوں کو دیکھیں تو ملا کر دیکھنے والے

☆

نقش ہے مرے دل پر ہر ادا مدینہ کی
شام جس کی نورانی، صبح، صبح جنت ہے

☆

مدینے کا تصور آرہا ہے
مرا دل روکش جنت بنا ہے
مدینے سے اٹھا وہ ابر رحمت
جلو میں بارش جو دو سخا ہے

☆

جو رونق ونزہت ہے مدینہ کی زمیں میں
اس محفل عالم میں کہیں اور نہیں ہے
آتے ہیں مجھے یاد مدینے کے مناظر
ہر منظر جاں بخش مرے دل میں مکیں ہے

☆

مرا دل تڑپتا ہے دیکھوں مدینہ
صبا جاکے کہنا شہ دوسرا سے
ہے کحل البصر خاک کوئے مدینہ
سوا آب زمزم ہے آب بقا سے

☆

نگاہ محبت دم طوف کعبہ
مدینے کی دیوار و در ڈھونڈتی ہے
دیار مدینے کے پرُکیف جلوے
مری آرزو سر بسر ڈھونڈتی ہے

☆

نسیم خلد کہتی ہے یہ مشتاق طیبہ سے
تصور میں فضائے لا مکانی دیکھتے جاؤ

☆

مدینہ جو دیار مصطفیٰ ہے مریض ہجر کا دارالشفا ہے

☆

مدینے کے جلوے مدینے کے منظر میں صبح و مسا دم بہ دم دیکھتا ہوں

☆

بہار آگیں مرے دل کی کلی معلوم ہوتی ہے نسیم فیض طیبہ سے چلی معلوم ہوتی ہے

☆

زہے خاک پاک طیبہ، زہے اسکی ضوفشانی وہ نزول رحمت حق وہ نشاط و کامرانی

فریدؔی الفاروقی

تمنا مری مرا ارماں مدینہ مرا دین اور مرا ایماں مدینہ
بہاریں وہاں ہر قدم لوٹتی ہیں زمانہ بیاباں گلستاں مدینہ
ان آئینہ سامانیوں کو بھلا دے اگر دیکھ لے قلب حیراں مدینہ
وہیں کا تصدق ہے ہر خیر و برکت ہر اک خیر و برکت کا عنواں مدینہ
وہیں داد ملتی ہے ہر داد رس کو ہے پشت و پناہ غریباں مدینہ
مدینے کے صدقے مدینے کے قرباں ہے کون و مکاں کا نگہباں مدینہ
مدینے کی تعریف بہزاؔد کیا ہو غرض ہے مرادین و ایماں مدینہ

☆

مری چشم آرزو کی جو ہے آرزو مدینہ مرا حال کچھ نہ پوچھو کہ ہے چہار سو مدینہ
مری ہر صدا کا مطلب مری بے خودئی الفت پس گفتگو مدینہ، سر گفتگو مدینہ
مرے رہبروں سے کہ دو کہ مجھے نہ آکے چھیڑیں کہ ہے میری جستجو کیا، مری جستجو مدینہ
ہوا جب سے عشق احمد، مرے دل میں جلوہ افگن مرے دل کا حال یہ ہے کہ مو بمو مدینہ
یہ کمال جستجو ہے کہ کمال آرزو ہے جہاں بند آنکھ کرلی وہاں روبرو مدینہ

☆

مرے درد کا چارہ گر ہے مدینہ خوشا میرے پیش نظر ہے مدینہ
تصور نے بخشی ہے معراج مجھ کو جدھر دیکھتا ہوں ادھر ہے مدینہ
وہیں جا کے کھلتی ہے چشم حقیقت دعاؤں کی آہ بسر ہے مدینہ

خوشا جذب الفت خوشا جذب پیہم
خیالوں میں شام و سحر ہے مدینہ

ضیاؤں کی کثرت سے کھو یا ہوا ہوں
مرے قلب میں جلوہ گر ہے مدینہ

مری روح پر کیف طاری ہے جب سے
تمنائے قلب و جگر ہے مدینہ

جبھی اس تمنا میں بہزادؔ گم ہوں
کہ معراج ذوق نظر ہے مدینہ

☆

جس کی جاں کو تمنا ہے دل کو طلب
وہ سکوں بخش محفل مدینے میں ہے

فکر دنیا وہاں دور پاؤگے تم
قلب میں ہر طرف نور پاؤگے تم

روح کو اپنی مسرور پاؤ گے تم
اک عجب کیف کامل مدینے میں ہے

ہر تمنا وہاں جاکے بر آئے گی
اک رحمت کی دنیا نظر آئے گی

نا امیدوں!تم اتنے پریشاں نہ ہو
آرزوؤں کا حاصل مدینے میں ہے

کیا مہ و مہرو نجم اور کیا انس و جاں
ہے اسی سمت مائل دل دو جہاں

کوئی سمجھے نہ سمجھے حقیقت یہ ہے
ذرّہ ذرّہ کی منزل مدینہ میں ہے

☆

بسالوں گا میں آنکھوں میں مدینہ
نگاہوں کو بقا کی آرزو ہے

☆

مجھ کوتو مدینہ کا ہر اک ذرہ ہے فردوس
زاہد کے لیے ہوگی کہیں خلد بریں اور

☆

گدائی وہاں کی ہے شاہی سے بہتر
الٰہی بنادے گدائے مدینہ

بظاہر نہ جانے کس عالم میں ہوں میں
مگر جان و دل ہیں فدائے مدینہ

بہزادؔ لکھنوی

پیام لے کہ جو آئی صبا مدینے سے
مریض عشق کی لائی دوا مدینے سے

سنو تو غور سے آئی صدا مدینے سے
قریں ہے رحمت فضل خدا مدینے سے

ملے ہمارے بھی دل کو جلا مدینے سے
کہ مہر وماہ نے پائی ضیا مدینے سے

بتادے کوئی کسی اور سے بھی کچھ پایا
جسے ملا جو ملا، وہ ملا مدینے سے

وہ آیا خلد میں جو آگیا مدینے میں
گیا وہ خلد سے جو چل دیا مدینے سے

نہ چین پائے گا یہ غم زدہ کسی صورت
مریض غم کو ملے گی شفا مدینے سے

چمن کے پھول کھلے مردہ دل بھی جی اٹھے
نسیم خلد سے آئی ہے یا مدینے سے

کرے گی مردوں کو زندہ، یہ تشنوں کو سیراب
وہ دیکھو اٹھی کرم کی گھٹا مدینے سے

مدینہ چشمۂ آب حیات ہے یارو
چلو ہمیشہ کی لے لو بقا مدینے سے

فضائے خلد کے قرباں مگر وہ بات کہاں
مل آئیں حضرت رضواں ذرا مدینے سے

چلے جو طیبہ سے مسلم تو خلد میں پہنچے
کہ سیدھا خلد کا ہے راستہ مدینے سے

☆

چمن طیبہ میں تو دل کی کلی کھلتی ہے
کیا مدینے سے سوا روضۂ رضواں ہو گا

☆

طیبہ کی ٹھنڈی ہوا آئے تو پاؤں راحت
قلب بے چین کو چین آئے تو جاں کو راحت

فضائے طیبہ کے قربان جاؤں
نسیم خلد سی جس کی ہوا ہے

ہمیں تو طیبہ ہے جنت سے بڑھ کر
جہاں محبوب خدا جلوہ نما ہے

نوریؔ بریلوی

بات جنت کی جب کسی نے کی
ہم کو یاد آگئی مدینے کی

آرزو اور ہوگی جینے کی
گفتگو کیجئے مدینے کی

زندگی کا فقط سوال نہیں
موت بھی چاہیے مدینے کی

☆

جس کے سننے سے دل نہیں بھرتا
وہ مدینے کی بات ہوتی ہے

بے قراری کو کیوں قرار آیا
کیا مدینے کی بات ہوتی ہے

☆

کشش ایسی ہے کچھ ذرات طیبہ میں کہ اے حامدؔ
یہ کہتے ہیں کہ پھر دیکھیں مکرر دیکھنے والے

☆

محبوب بھی پیارا ہے محبوب کی نگری بھی
اللہ نے قرآں میں دونوں کی قسم کھائی

پوچھا جو کسی نے کیا جنت کا تصور ہے
آنکھوں میں مدینے کی تصویر ابھر آئی

☆

دن اگر ہیں تو دن مدینے کے اور راتیں وہیں کی راتیں ہیں

☆

حسرت دید مدینہ تجھے اللہ رکھے اب مدینہ ہی مدینہ نظر اتا ہے مجھے

☆

مناظر مدینے کے جو دیکھ آئے یہ آنکھ ان کی آنکھوں کے قربان جائے

☆

حاصل ہو عمر نوح تو طیبہ میں کاٹ دوں پھر بھی یہی کہونگا کہ دن مختصر ملے

☆

مدینے سے بہاریں نام جانے کا نہیں لیتیں یہاں جو پھول کھلتے ہیں وہ مرجھایا نہیں کرتے

☆

دیکھنے والے کی آنکھوں میں بسی ہیں جنتیں جس نے دیکھا ہے مدینہ، اسے دیکھا کرو

☆

کیوں صبا پھر رہی ہے اتراتی کیا مدینے سے ہو کے آئی ہے

حامد مرزا

سنگ ریزوں کا کہیں نام نہیں مٹی میں خاک طیبہ کو جو چھانا تو ستارے نکلے

☆

میرے خدا !وہ قوت بینائی دے مجھے جس وقت بھی میں چاہوں مدینہ دکھائی دے
سارے جہاں میں ارض مدینہ ہے تابناک باقی زمیں پہ جیسے اندھیرا دکھائی دے

☆

تکتی رہتی ہیں رہ طیبہ مسلسل آنکھیں شوق دیدار میں ہو جائیں نہ پاگل آنکھیں
مجھ سے بڑھ کر مری آنکھوں کو مدینے کی طلب میں نہ جاؤں تو چلی جائیں گی پیدل آنکھیں
سفر شہر نبی کرنا چراغوں کے بغیر رات ہو جائے تو بن جائیں گی مشعل آنکھیں
منظر شہر نبی آنکھ میں آئے اور پھر ایسی نیند آئے کہ ہو جائیں مقفل آنکھیں

☆

اگرچہ آدمی ہوں میں جہان جہل کا لیکن پہنچ جاؤں اگر اس شہر میں انسان ہو جاؤں

☆

تمنا ہے کہ میں خاک دیارِ مصطفیٰ بن کر
ہمیشہ کے لئے اس شہر کا مہمان ہو جاؤں

☆

شہر مدینہ کے پتھر اور کانٹے بھی ہم کو
اپنے آقا کی نسبت سے اچھے لگتے ہیں
سوچ رہا ہوں شوق سفر میں آنکھیں بند کئے
شام طیبہ کے وہ منظر کیسے لگتے ہیں

☆

رکھے ہیں پاؤں سرحد شہر رسول میں
محسوس ہو رہا ہے کہ جنت میں آ گئے

☆

یہ عمر شہر نبی میں گزار دے خالدؔ
کہ ایک پل ہے یہاں کا صدی سے بالاتر

☆

ان کو دنیا میں بھی جنت کا مزا ملتا ہے
وہ جو سانسوں میں مدینے کی ہوا رکھتے ہیں

☆

بغیر جلوۂ شہر مدینہ
ہماری آنکھوں میں ٹھنڈک نہیں ہے

خالد عرفان

نہ آسماں کو یوں سر کشیدہ ہونا تھا
حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا
اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا
کنار خاک مدینہ دمیدہ ہونا تھا
نظارا خاک مدینہ کا اور تیری آنکھ
نہ اس قدر بھی قمر شوق دیدہ ہونا تھا
نسیم کیوں نہ شمیم ان کی طیبہ سے لاتی
کہ صبح گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا

☆

طیبہ کے سوا سب باغ پامال فنا ہوں گے
دیکھو گے چمن والوں جب عہد خزاں آیا

☆

راہ طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغ سدرہ
برسوں چہکے ہیں جہاں بلبل شیدا ہو کر

☆

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزش غم کو، ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں

☆

کیا مدینے سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی، پیاری پیاری، واہ واہ

☆

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

☆

صبا ہے مجھے صر صر دشت طیبہ اسی سے کلی میرے دل کی کھلی ہے

رضا بریلوی

سلام علیک اے جوار مدینہ جوار سراپا بہار مدینہ

☆

قابو میں نہیں ہے دل شیدائے مدینہ کب دیکھئے بر آئے تمنائے مدینہ
خوشبوئے رسالت سے ہے از بسکہ معطر ہر ذرۂ آبادی و صحرائے مدینہ
بے خودی عشق حقیقی کا شناسا ہر دل کہ ہے مخمور تولائے مدینہ
آتی ہے جو ہر شے سے یہاں انس کی خوشبو دنیائے محبت ہے کہ دنیائے مدینہ
ہے شام اگر گیسوئے احمد کی سیاہی تو نور خدا صبح دل آرائے مدینہ
اے وہ کہ سرور ابدی کا ہے طلب گار پی ساغر دل سے مئے مینائے مدینہ

☆

پسند شوق ہے آب و ہوا مدینے کی عجب بہار ہے صل علیٰ مدینے کی

☆

علاج علت عصیاں کی فکر کیا ہو اسے جسے نصیب ہو خاک شفا مدینے کی

☆

عجب انداز ہے فضل خدا کا مدینہ کی ہوائے جاں فزا کا

حسرت موہانی

کیوں رشکِ ارم ہو نہ گلستان مدینہ پُر ہے گل مقصود سے دامان مدینہ
ہے گلشن فردوس کی بلبل کا ترانہ اللہ! دکھادے چمنستان مدینہ
نعلین کے تاجوں سے ہے ہر ذرہ سرافراز پھر شمس وقمر کیوں نہ ہوں قربان مدینہ
اللہ دے اس درد محبت میں ترقی ہے جس کی دوا جلوۂ دامان مدینہ
کس شاہ زمن جان جہاں کا یہ حرم ہے ہیں حضرت جبریل بھی دربان مدینہ
ہر خوف سے امت کے لئے حصن حصین ہے ہے لطف خدا حافظ سکان مدینہ

دل عرش کی قندیل ہوئے تیری چمک سے
قربان ترے اے شمع شبستان مدینہ

جیسے دل موسیٰ کو دیا طور کا ارمان
ایسے ہی مجھے بخش دے ارمان مدینہ

☆

اللہ اللہ شہ لولاک مدینہ تیرا
ہے یہ دجال کے طوفاں میں سفینہ تیرا

خاک طیبہ جسے آغوش میں لے، کیا کہنا
خطّۂ خلد ہے واللہ مدینہ تیرا

خاکی امروہوی

کوئی کیا بتائے گا حال مدینہ
نہیں ہے کہیں بھی مثال مدینہ

مہ و مہر و انجم بھکاری ہیں در کے
سبھی کا ہے داتا جمال مدینہ

کسی آنکھ میں اتنی جرأت کہاں ہے
جو دیکھے برابر جلال مدینہ

خدایا قیامت تلک میرے دل میں
سلامت رہے بس خیال مدینہ

نگاہوں میں کعبے کے جلوے ہیں لیکن
مرے دل میں ہے خد و خال مدینہ

☆

بڑی دل نشیں ہے بہار مدینہ
ہے فردوس بھی جاں نثار مدینہ

مرا دین و ایماں نچھاور ہے بیکلؔ
مرا سر ہے اور رہ گزار مدینہ

☆

بیکلؔ جسے بھی راہ مدینے کی مل گئی
رفعت اسے تو عرش کے زینے کی مل گئی

آئی ہے آج کوئے مدینے سے بھی ہوا
لذت نفس نفس کو تو جینے کی مل گئی

☆

اتر آئیں اہل جنت ذرا دیکھ جائیں طیبہ
جہاں ذرہ ذرہ دل کش جہاں ہر گلی نرالی

بیکلؔ اتساہی

جو کیف مجھ کو میسر ہوا مدینے میں
اگر ملا بھی کہیں تو ملا مدینے میں

قبولیت کا ہے کیا سلسلا مدینے میں
سنی گئی مری ہر اک دعا مدینے میں

ہزار بار کہا اور ہزار بار کہیں
کہ رہنماؤں کا ہے رہنما مدینے میں

قبا، بقیع، احد، اور گنبد خضرا
طلب سے بڑھ کے بھی پایا سوا مدینے میں

مدینے والوں کو دونوں جہاں ملے ہیں رباؔب
بہت ہیں ان کے لئے مصطفیٰ مدینے میں

یہ کہئے نگاہوں میں ہے طیبہ کا اجالا ورنہ بجھے جاتے ہیں چراغ اب تو سرِ شام

☆

دیکھتے ہیں ہم اداسی میں مدینے کی طرف جس کے ہر منظر میں ہے کیف دوامِ زندگی

☆

دعا کرتے رہو کہ دیدۂ بینا بھی مل جائے یہ ارضِ پاک طیبہ ہے، یہاں ذرے ستارے ہیں

☆

مدینے کی فضا تو کیمیا ہے ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ یہیں سے

☆

عروجِ خاکِ طیبہ کیا بتائیں ستارے ہی ستارے بر جبیں ہیں

رباب رشیدی

مت پوچھئے کہاں ہے مدینہ منورہ فردوس ہے جہاں ہے مدینہ منورہ
جنت کا کچھ علاقہ بھی شامل اسی میں ہے ہم ذات آسماں ہے مدینہ منورہ
ہے روضۂ رسول کی دولت اسی کے پاس تقدیرِ دو جہاں ہے مدینہ منورہ
جو آسمان پر ہیں ستارے وہ عکس ہیں در اصل کہکشاں ہے مدینہ منورہ
ہے سیرتِ رسول کی مظہر یہی زمیں تہذیب کا نشاں ہے مدینہ منورہ
ترویج لا الہ کا مرکز یہی تو ہے مقصودِ لا مکاں ہے مدینہ منورہ
پاکیزگیٔ جنت الفردوس کا امیں قصرِ نشاطِ جاں ہے مدینہ منورہ
گردِ سفر بھی اس کی ستاروں کی ہم رکاب اک ایسا کارواں ہے مدینہ منورہ
جو دھوپ کو بھی شانِ تحفظ عطا کرے وہ خوب سائے باں ہے مدینہ منورہ
اسلام دوستی کا معظم یہ شہر ہے عالم کا پاسباں ہے مدینہ منورہ

معظم رام پوری

بہارِ گلشنِ طیبہ کا عالم پوچھتے کیا ہو خزاں خود بھی بہارِ جاں فزا معلوم ہوتی ہے
نگاہِ شوق اٹھتی ہے جدھر بھی ارضِ طیبہ میں فضا خلدِ بریں ہی کی فضا معلوم ہوتی ہے

☆

جبریل بھی آتے ہیں فرشتوں کے جلو میں اللہ رے یہ رونقِ بازارِ مدینہ

☆

پلکوں سے چنوں میں انھیں آنکھوں سے لگالوں　گلہائے چمن سے ہیں سوا خار مدینہ

☆

ہر سمت سے پروانے چلے آتے ہیں کھنچ کر　رخشندہ جو ہے شمع ضیا بار مدینہ

☆

ہر سمت تجلی ہی تجلی نظر آئی　کیا پوچھتے ہو عالم انوار مدینہ

ابوالبیان حماد

رحمت کی بارشیں ہیں مدینے میں روز وشب　برسات ہوتی رہتی ہے ہر وقت نور کی

☆

لائی ہے خلد مدینہ سے صبا آج نوید　مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمر جاوید

☆

وہ اور کسی باد بہاری میں کہاں ہے　جو کیف ہے گلزار مدینہ کی ہوا میں

☆

بھینی بھینی چمنستان مدینہ کی مہک　غیرت نکہت گلزار جہاں آج بھی ہے

☆

وہ مدینے کے کانٹے ہیں جن پر　ہیں فدا سارے عالم کے گلشن

☆

آنکھوں میں بسالے جو طیبہ کے نظاروں کو　خاطر میں وہ کیا لائے ان چاند ستاروں کو

بدر القادری

ہو مبارک تجھے زاہد تری جنت کی طلب　دل ہمارا تو مدینے کی ضیا مانگے ہے
وہ مدینے کی ہیں گلیاں کہ نہ پوچھوائے حق　آنے والا یہیں مرنے کی دعا مانگے ہے

☆

طیبہ کے ہر ایک منظر وآثار کے صدقے　محراب ودر وگنبد ومینار کے صدقے
گلیوں میں مچلتی ہوئی تطہیر کی خوشبو　طیبہ کے حسیں کوچہ وبازار کے صدقے

☆

فضیلت ارض طیبہ کی بتائیں کیا کہاں تک ہے　مدینہ ہے زمیں پر، ضوفشانی آسماں تک ہے

☆

دیکھ نگاہ عشق سے شان مدینت النبی
کتنی حسین صبح ہے، کتنی حسین شام ہے
حقؔ کانپوری

نصیب جن کو ہوئی حاضری مدینہ میں
وہ اپنا سر تو کبھی ان کے در کو دیکھتے ہیں
مدینہ طیبہ انوار کا خزانہ ہے
سب اہل دید اسی مستقر کو دیکھتے ہیں

☆

تقدیس شہر علم کا نقشہ کہیں جسے
اک شہر ہے جہاں میں مدینہ کہیں جسے
خالق کا لطف خاص جہاں پر ہے صبح شام
عالم میں ایک شہر، مدینہ کہیں جسے

☆

مدینہ کا منظر جو ہم دیکھتے ہیں
بہ ہر سو نقوش ارم دیکھتے ہیں

☆

لے چل مجھے مدینہ کی جانب فراق دوست
تسکین کے لئے وہی بہتر دیار ہے
ابرارؔ کرتپوری

مدینہ منبع رشد وہدیٰ ہے
یہ سارا فیض ہے اس کے مکیں کا

☆

ضو پاش و ضیا ریز ہے خورشید کی مانند
چہرہ جو غبار رہ طیبہ سے اٹا ہے

☆

ذکر آقا سے پھلا فکر و تخیل کا چمن
یاد طیبہ سے ہوا آباد شہر آرزو

☆

طیبہ کی سمت کو ہیں رواں شب گزیدگاں
یہ قافلہ ہے نور سحر کی تلاش میں
راجہ رشیدؔ محمود

چھاؤں مہکی مہکی ہے، دھوپ ٹھنڈی ٹھنڈی ہے
شہر مصطفیٰ تیری بات ہی نرالی ہے
سر زمین کعبہ بھی سرزمیں طیبہ بھی
یہ بھی نور والی ہے، وہ بھی نور والی ہے

☆

یاد مصطفیٰ ایسی بس گئی ہے سینے میں
جسم ہو کہیں اپنا دل تو ہے مدینے میں

☆

غموں کی دھوپ میں جلتی ہے کب سے زندگی اپنی — کب آئیں گی مدینے سے گھٹائیں یارسول اللہ

رازالہ آبادی

رات پر کیف دن منور ہے — یہ مدینہ ہے جائے سرور ہے
عرش سے فرش تک مدینے میں — موجزن نور کا سمندر ہے
کوچہ کوچہ ہوائیں جنت کی — ہر گلی کی فضا معطر ہے
جس نے دیکھا ہے بس وہی جانے — ہر سماں کتنا روح پرور ہے

اصغرویلوری

کیا بتاؤں کہ مرے دل کی تمنا کیا ہے — چشم مشتاق کی جنت ہے مدینہ کیا ہے

☆

گل تر سے بڑھ کر ہیں خار مدینہ — ہے صد رشک جنت بہار مدینہ

☆

طیبہ کا ماہتاب رسالت نظر میں ہے — یہ روشنی اسی کی ہے جو بحر وبر میں ہے
باغ ارم کی کوئی خواہش نہیں مجھے — صد مرحبا بہار مدینہ نظر میں ہے

کرم شاہ جہان پوری

☆☆☆

قاری محمد رفیق قاضی فائز فتح پوری (فتح پور، راجستھان)

تاریخ،تاسیس وعظمت مدینہ شریف

یا الٰہی دکھا دے وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولا تیری رحمت برستی ہے

ایک بادشاہ کا اپنی فوج کے ساتھ ایک بستی سے گزر ہوا۔اس دور میں فوج کی فطرت عموماً یہ ہوتی تھی کہ جہاں سے گزرتی لوٹ کھسوٹ کرتی۔ مال واسباب اور عزتیں تباہ کرتی گزرتی۔ اس ہری بھری اور شاداب بستی میں بھی فوج نے جب اپنا یہ عمل دہرایا تو اہل بستی احتجاج و مدافعت میں صف بستہ ہوگئے۔اہل بستی کا یہ عمل دیکھ کر بادشاہ نے بستی کو نیست و نابود کرنے کا عہد کیا۔مگر بادشاہ اور اس بستی کی سعادت مندی کہ بادشاہ کے ساتھ اس عہد کے بڑے عالم بھی تھے جنہوں نے کتب سماویہ کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ انہوں نے کتب سماویہ میں آخری نبی کی ہجرت گاہ کے متعلق جو پڑھا تھا وہ تمام علامات و نشانیاں اس بستی میں پائی جارہی تھیں چنانچہ ان علمانے اس بستی کے صفحۂ ہستی سے مٹانے کے بادشاہ کے ارادے کی موافقت نہ کی اور بادشاہ کو اپنے ارادے سے رجوع کرنے کی تلقین کرنے لگے اور اس بستی کی مدافعت میں بادشاہ کے مخالف ہوگئے کہ نہ تو ہم اس بستی کی تباہی میں تیرا ساتھ دیں گے اور نہ ہی تجھے یہ بستی تباہ کرنے دیں گے۔

بادشاہ نے ان علما سے اپنی مخالفت اور بستی کی مدافعت کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے تورات میں نبی آخرالزماں کی ہجرت گاہ کی جو نشانیاں پڑھی ہیں وہ سب اس بستی میں دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ نبی آخرالزماں کی ہجرت گاہ یہی بستی ہوگی۔اب ہم ایسی بستی میں اقامت اختیار کریں گے۔ممکن ہے ہماری زندگی میں ہی وہ نبی آخرالزماں اس بستی کو اپنے میمنت لزوم قدموں سے مشرف فرمائیں ورنہ ہماری قبروں پر تو کبھی نہ کبھی ان کے جوڑوں کا غبار پڑ جائے گا جو ہمارے لئے عین سعادت ہوگی۔

یہ بادشاہ تبع حمیری اوّل تھا اور بستی ''یثرب''، تھی جسے آج مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بادشاہ ذہین تھا اس نے ان علماء کی بات مان لی اور جنگ سے رگ گیا۔

اور نہ کہ فقط جنگ سے رک گیا بلکہ اس نے اس بستی میں ان علماء کی رہائش کے لئے گھر بنوا دیئے اور نبی آخرالزماں کو اپنی طرف سے ایک خط لکھا اسے سب سے بڑے عالم کے حوالے کیا کہ میرے اس خط کی نسلاً بعد نسل حفاظت کی جائے اور جب نبی آخرالزماں اس بستی کو اپنے ورود کی سعادت بخشیں تو میرا یہ خط ان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ اس واقعے کے ایک ہزار سال بعد جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بستی میں قدم رنجہ ہوئے تو اس بڑے عالم کی نسل سے سیدنا ابوایوب انصاری اس خط کی حفاظت فرما رہے تھے انہوں نے وہ خط ''ابویعلی'' کو دیا کہ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کریں۔ چنانچہ وہ خط لے کر ابویعلی آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا۔

ابویعلی......تو ہے۔

عرض کی......جی ہاں!

فرمایا......تبع حمیری اوّل کا جو خط میرے نام ہے وہ مجھے دے دو!

ابویعلی یہ سن کر حیران رہ گئے۔ کیونکہ اب سے پہلے آپ نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا لہٰذا ابویعلی نے عرض کی آپ کی صورت مبارک کا ہنوں جیسی تو نہیں۔ پھر آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا؟

فرمایا......میں......''محمد رسول اللہ'' ہوں لاؤ وہ خط مجھے دے دو۔[1]

یہ بستی جس کا نام ''یثرب'' تھا اس کی تاسیس کے متعلق کئی اقوال ملتے ہیں۔ مگر ان تمام اقوال کا حصر ان دو قولوں میں ہی ہوتا ہے۔

(1) حضرت نوح علیہ وعلیٰ نبینا الصلاۃ والسلام کے بیٹے سام کے پڑپوتے کا نام ''یثرب'' تھا۔ انہوں نے اپنے نام پر اس بستی کو بسایا تھا۔ اور سمہودی کے مطابق طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے یہی بستی بسی تھی۔[2]

(2) ایک قول یہ ہے کہ کشتی نوح سے 80 افراد جہاں آباد ہوئے تھے اس جگہ کا نام ''سوق الثمانین'' رکھا گیا اور جب ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو ان میں سے ایک جماعت جہاں جا کر آباد ہوئی اسے ''یثرب'' کہا گیا۔ ان لوگوں نے وہاں نخل لگائے اور زراعت شروع کر دی لہٰذا اس بستی ''یثرب'' کی نخلستان کے نام سے پہچان ہونے لگی اور اسے بسانے والے عمالقہ کہے جانے لگے۔[3]

یثرب کی مدینۃ النبی میں تبدیلی

یہ عالمین کی ترتیب ہی پلٹ جائے نکالا جائے مدینہ اگر مدینوں سے

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بستی میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے اس بستی کا نام ''یثرب'' سے مدینہ میں تبدیل فرمادیا۔ کیونکہ ''یثرب'' کے معنیٰ ۔ملامت ۔فساد، خرابی ہے۔

قبل از ہجرتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بستی واقعتاً اسمِ بامسمیٰ تھی۔ یہاں وباء امراض اور فساد اڈہ جمائے رہتے تھے۔ ساکنانِ یثرب بنواوس و بنوخزرج میں سو سال سے زیادہ عرصے تک جنگ جاری رہی تھی جس کا خاتمہ ہجرت کے بعد رحمۃ للعالمین نے فرمایا اور وباء وامراض سے حفاظت کی دعا فرمائی۔ اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یثرب کا نام مدینہ رکھا۔ مدینہ شریف کے کئی نام ہیں۔ مدینہ۔ بمعنیٰ ''شہر'' طیبہ، طابہ، طیب، بمعنی ۔ پاک ۔ مدینہ منورہ۔ بمعنی ۔ روشنی والا شہر۔ المدینۃ المنورہ۔ بمعنی ۔ نورانی شہر۔ مدینہ ان ناموں سے مشہور ہے۔ قرآن میں اسے ''دارِ ایمان'' کہا گیا ہے۔ تورات میں اس کے 10 نام ذکر کئے ہیں۔ طیبہ، طابہ، مرحومہ، مسکینہ، عذراء، جابرہ، مجبورہ، قاصمہ، محبوبہ اور علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں مدینہ شریفہ کے 29 نام ذکر کئے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ مجھے ایک ایسی بستی کی طرف ہجرت کا حکم ہوا جو تمام بستیوں پر غالب آجائے گی۔ لوگ اسے یثرب کہتے ہیں اور وہ بستی مدینہ ہے۔[۴]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کا نام ''طابہ'' رکھا ہے۔[۵]

اگرچہ قرآن شریف میں ''مدینہ شریف'' کو ''یثرب'' کہا گیا ہے۔ "**یٰأهل یثرب لا مقام لکم**" مگر ہمیں مدینہ شریف کو ''یثرب'' کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "**من قال یثرب مرة فلیقل المدینة عشرا**" جس نے ایک بار یثرب کہا تو اسے چاہئے کہ کفارے کے طور پر دس بار مدینہ شریف کہے۔[۶]

مدینہ شریف کا قرآن میں ذکر

زمین کی پیٹھ پر جتنے قریات، قصبات، شہر و مدن آباد ہیں ان سب میں مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کا ذکر قرآن مقدس میں ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے اور دنیا کے کروڑوں اربوں مسلمان حصول ثواب کی غرض سے اس ذکر کو بغرضِ عبادت تلاوت کرتے ہیں۔ گرچہ دیگر شہر و بلدان کا نام بھی قرآن مقدس میں وارد ہوا ہے مگر چونکہ مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مہبطِ وحی ہے لہٰذا اس کا احترام الگ ہی شان رکھتا ہے۔ **یقولون لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل**...... (منافق) کہتے ہیں کہ ہم مدینہ واپس آئے تو عزت والے (منافق) ذلت والوں (مہاجروں) کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

مـن الاعـراب مـنـافـقـون و من اهل المدينة مردوا على النفاق...... ان دیہاتی عربوں میں سے بھی منافق ہیں اوراہل مدینہ میں سے بھی لوگ نفاق میں مبتلاء ہیں......

واذ قـالـت طائفة منهم يأهل يثرب لا مقام لكم فارجعوا...... اور جب لوگوں میں سے ایک (منافقین کے) گروہ نے کہا اے یثرب والوتمہارے لئے اب رکنے کی وجہ نہیں ہے لہٰذا واپس لوٹ چلو......

والـذين تبوّؤا لداروا الايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم...... (اور مال غنیمت میں ان کا بھی حصہ ہے) جودارِ ایمان مدینہ شریف میں پہلے سے رہ رہے ہیں وہ لوگ مہاجرین صحابہ سے محبت بھی کرتے ہیں...... مدینہ شریف کودیگر شہر و مدن پر یہ فضیلت و برتری بھی حاصل ہے کہ قرآنِ مقدس میں واردہ دیگر شہروں کی نسبت مدینہ شریف کا اسم مبارک نہایت ہی محبت وعقیدت سے تلاوت کیا جاتا ہے جب کہ مکہ شریف کے علاوہ دیگر شہروں کا نام بس ایک شہر کے طور پر تلاوت کیا جاتا ہے۔

اعزازِ مدینہ شریف

مدینہ شریف کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہاں مسجد نبوی شریف، ریاض الجنۃ، بقیع الغرقد، صحابہ کرام کے آثارونشانیاں ان کے دور کی مساجد اور خود آقا کریم کی آخری آرام گاہ واقع ہے جس کا گنبد خضرا مومنین کے قلوب میں منعکس رہتا ہے اور مدینہ شریف کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ دجال اپنے تمام تر اختیارات وقوت کے باوجود کبھی مدینہ شریف میں داخل نہیں ہوسکے گا۔ مدینہ شریف کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مدینہ شریف میں کبھی شیطان لعین کی عبادت نہیں ہوگی۔ مدینہ شریف کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آخری زمانے میں وہ منافقوں کو نکال پھینکے گا، مدینہ شریف کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مدینہ شریف میں شرک نہ ہوگا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو شرک کی نجاست سے پاک فرمایا ہے۔ ؎

خاک طیبہ کا دے دو کفن مجھ کو　　مجھ کو کر دو دفن مدینے میں

مدینہ کی خاک میں شفا ہے...... آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ شریف کو بے حد محبوب رکھتے تھے جب سفر سے واپس آتے تو مدینہ منورہ کے آثار دیکھ کر خوش ہوجاتے اور اپنی چادر کو بازو سے ہٹادیتے اور چہرۂ مبارک کو صاف نہیں فرماتے بلکہ فرماتے کہ مدینہ کی خاک میں شفا ہے۔ مدینہ شہر میں شیطان کی پوجا نہیں ہوگی۔

جب عرب کے چمن میں وہ نور خدا ہر طرف جلوہ اپنا دکھانے لگا
کفر غارت ہوا بت گرے ٹوٹ کر منھ پہاڑوں میں شیطاں چھپانے لگا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان اپنی پرستش اور پوجا مدینے میں ہونے سے نا امید ہو گیا۔ ۹

مدینہ شریف آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدفن ہے۔

مدینے میں آئے قضا چاہتے ہیں　دوا اور نہ اب ہم دعا چاہتے ہیں　فائزؔ فتح پوری

آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری قبر کے لئے پوری زمین پر مدینہ کے علاوہ مجھے کوئی جگہ پسند نہیں۔ ۱۰

مدینہ شریف کے فضائل

ارے سر کی جا ہے او جانے والے　حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا

مدینہ شریف خیر و برکت کی جگہ ہے۔ **"والمدینة خیر لھم لو کانوا یعلمون"** ۱۱

مدینہ شریف امن والا شہر ہے۔ **انھا حرم و آمن**۔ ۱۲

چنانچہ وہاں فساد کرنا، لڑنا جھگڑنا، وہاں کے باشندوں کو ڈرانا ان سے بدسلوکی کرنا، وہاں کے جانوروں کا شکار کرنا یا انہیں ڈرانا، وہاں درختوں کو کاٹنا یا نقصان پہنچانا یہاں تک کہ ان کی شاخیں یا پتے توڑنا بھی منع ہے۔ اسی لئے مدینہ شریف کو حرم اور امن کی جگہ کہا جاتا ہے۔

مدینہ شریف میں دجال اور طاعون نہیں آسکتے۔ **"علی انقاب المدینة ملائکة لا یدخلھا الطاعون ولا الدجال"** ''فرشتے مدینہ کی پہریداری کرتے ہیں وہاں طاعون اور دجال نہیں آسکتے۔'' ۱۳

ایمان مدینہ شریف میں سمٹ آئے گا۔ **اِن الایمان لیأرز الی المدینة کما تأرزالحیة الی حجرھا**۔ ۱۴

مدینہ شریف میں مرنے کی فضیلت

مدینے میں آئے قضا چاہتے ہیں　دوا اور نہ اب ہم دعا چاہتے ہیں　فائزؔ فتح پوری

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **"من استطاع ان یموت بالمدینة فلیفعل فانی اشفع لمن مات فیھا"** جس کسی سے ہو سکے تو وہ مدینہ میں ہی مرے، کیونکہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ ۱۵

امام مالک بن انس جو امام الفقہ والسنہ اور امام دار الہجرہ ہیں وہ مدینہ میں مرنا اتنا محبوب سمجھتے ہیں کہ ایک حج جو ان پر فرض تھا اس کے علاوہ کبھی حج کے لئے بھی مدینہ شریف سے باہر نہیں گئے مبادا کہیں مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باہر ان کا انتقال نہ ہو جائے اور مدینہ شریف کی حرمت و تقدیس کا اتنا لحاظ فرماتے کہ پوری زندگی مدینہ شریف میں گزارنے کے باوجود کبھی بھی حدودِ حرم مدینہ میں پیشا پاخانہ نہ کیا۔ پیشاب پاخانے کی غرض سے حدود مدینہ شریف سے باہر جاتے تو بڑی سرعت کے ساتھ، اور بڑی سرعت کے ساتھ واپس لوٹتے کہ کہیں حدود حرم سے باہر موت واقع نہ ہو جائے۔ مدینہ شریف کی حدود میں اگر کہیں آنے جانے کی ضرورت پیش آتی تو نہ سوار ہو کر جاتے اور نہ پاؤں میں جوتی پہنتے۔ وہ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہر میں سواری پر سوار ہونے کو اور جوتی پہننے کو خلافِ ادب سمجھتے تھی۔ امام مالک رحمت اللہ علیہ کے علاوہ بھی کتنے ہی غلامان مصطفیٰ ایسے ہوئے ہیں جو حرم نبوی مدینہ شریف کا اتنا ہی احترام فرماتے تھے۔

سنت و بدعت پر بحثیں کرنے والے اور ہر عمل پر دلیل طلب کرنے والے ذرا غور فرمائیں کہ امام مالک بن انس علیہ الرحمۃ والرضوان سے ان کے ان معمولات کی دلیلیں پوچھیں تو کیا وہ اپنے ان معمولات پر کوئی دلیل پیش کر سکیں گے؟ مگر دلائل و براہین طلب کرنے والے اور دلائل و براہین پر عمل کرنے والے تعجب نہ کریں کہ امام مالک کے ان بلا دلائل اعمال و افعال کی انہیں اتنی خوبصورت جزاء دنیا میں ہی ملتی کہ فرائض و واجبات کا اہتمام کرنے والے کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے چنانچہ "**تنویر العوامك شرح موطا مالك**" عربی نسخہ میں اس کے شارح امام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی نقل فرماتے ہیں کہ ''محدث ابونعیم نے اپنی کتاب "**حلية الاولياء و طبقات الاصفياء**" میں مثنیٰ بن سعید النضیر ی سے روایت کی انہوں نے امام مالک سے سنا کہ "**مابت ليلة الا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم**" میری ایسی کوئی رات نہیں گزرتی جس میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف نہ ہوتا ہوں۔

دلائل و براہین اور فرائض و واجبات کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے مگر ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔''

مدینہ شریف میں مکہ شریف سے دگنی برکتیں

مکاں کو ہے زینت مکیں کے قدم سے ہے مکہ سے افضل مدینہ تمہارا

مکہ شریف اور مدینہ شریف میں سے کون سا افضل ہے اس میں گرچہ اختلاف ہے مگر جمہور ائمہ و

علماء مدینہ شریف کی افضلیت کے قائل ہیں اور خیر و برکت کے لحاظ سے تو مدینہ شریف کی افضلیت میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ چنانچہ مدینہ شریف کے لوگ مدینہ شریف کی فصل کا پہلا پھل دیکھتے تو اسے لے کر بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ پھل قبول فرما کر دعا فرماتے۔ "**اللهم بارك لنا فى ثمرنا و بارك لنا فى مدينتنا و بارك لنا فى صاعنا و بارك لنا فى مدنا۔ اللهم ان ابراهيم عبدك و خليلك نبيك و انى عبدك و نبيك و انه دعاك لمكة و انا ادعوك للمدينة بمثل ما دعاك لمكة و مثله معه۔**" [۱۶]

''یااللہ۔ ہمارے پھل میں ہمارے لئے برکت فرما، اور ہمارے مدینہ میں ہمارے لئے برکت فرما، اور ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت فرما، اور ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت فرما۔ (صاع اور مدناپنے کے پیمانے) یااللہ۔ بے شک ابراہیم (**علیہ و علیٰ نبینا الصلاۃ و السلام**) تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور بے شک میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں انہوں نے تجھ سے مکہ شریف کے لئے دعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینہ شریف کے لئے دعا کرتا ہوں جیسی انہوں نے مکہ شریف کے لئے دعا کی تھی، مدینہ میں بھی مکہ شریف جیسی بلکہ اس سے دگنی برکت فرما۔''

مدینہ شریف سے محبت اور وہاں سے وباء و امراض دور ہونے کی دعا

جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مدینہ شریف میں تشریف فرما ہوئے تو وہاں کی آب و ہوا ان پر اثر پذیر ہوئی اور سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما بخار میں مبتلا ہو گئے۔ یہ ایک سخت قسم کا بخار ہوتا تھا جو وباء کی شکل میں اہل مدینہ کو آتا تھا اور یہ بخار جس کو بھی ہوتا تھا اس کو بالکل کمزور کر کے رکھ دیتا تھا۔ اس اندیشے کے پیش نظر کہ مہاجر صحابہ مدینہ شریف سے بد دل نہ ہو جائیں لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ "**اللهم حبب الينا المدينة كحببنا مكة أو أشد و صححها وبارك لنا فى صاعها و مدها و انقل حماها فاجعلها الجحفة۔**" [۱۷]

یااللہ۔ ہمیں مدینہ شریف سے ایسی محبت عطا فرما دے جیسی ہم مکہ شریف سے کرتے ہیں۔ یا اس سے بھی زیادہ اور اس کی آب و ہوا کو صحت مند فرما دے اور اس کے صاع و مد میں برکت فرما دے اور اس کے بخار کو جحفہ میں منتقل فرما دے۔'' اس دعا کی مقبولیت کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث اس طرح مروی ہے کہ آقا کریم نے خواب میں پراگندہ بالوں والی ایک کالی عورت کو مدینہ شریف سے نکل کر ''مہیعہ'' میں اترتے دیکھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے

خواب کی تعبیر یہ بیان فرمائی کہ بخار کی وباء ''مہیعہ'' کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔'' (واضح ہو کہ مہیعہ کو ہی جحفہ کہتے ہیں) جیسا کہ ماسبق بیان ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل مدینہ شریف ''یثرب'' میں وباء وامراض اپنے خیمے گاڑے رہتے تھے۔ یہاں کے باشندے اکثر بیمار رہتے تھے۔ جب مہاجر صحابہ مدینہ شریف میں تشریف لائے تو اہل مکہ شریف اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ مدینہ شریف جا کر یہ بھی بیمار اور کمزور ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے عمرہ کے لئے مکہ شریف تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کی خوش فہمی دور کرنے اور ان پر رعب ڈالنے کے لئے صحابہ کرام کو طواف کعبہ کے پہلے تین طواف میں سعی کا حکم دیا۔ ''سعی'' کے معنی جہد اور کوشش ہے اور اصطلاحاً یہ ایک قسم کی پریڈ ہے، اس میں بھاگا تو نہیں جاتا مگر بھاگنے کی کوشش کے ساتھ کندھے اکڑا کر اور پاؤں اونچے اونچے اٹھا کر دھمک کے ساتھ زمین پر مارتے ہوئے تیز چلنے کی کوشش کو ''سعی'' کہتے ہیں۔ طواف کعبہ کے پہلے تین چکروں اور صفا و مرویٰ کے چکروں میں دوڑنے کی کوشش کو سعی کہا جاتا ہے۔ یہ عمل گرچہ مشرکین مکہ کی خوش فہمی دور کرنے اور ان پر رعب ڈالنے کے لئے کیا گیا تھا مگر کسی کو ایذا دیئے بغیر آج بھی ایسا کرنا ممکن ہو تو حج وعمرہ کے طواف کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان چکر اسی طرح لگانا مسنون ہے۔''

مدینہ شریف کی خاک میں شفا ہے

سرمے کی طرح آنکھ میں سالک میں لگالوں ‌ ‌ ‌ مل جائے اگر مجھ کو کہیں خاک مدینہ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ شریف کو بہت محبوب رکھتے تھے جب کسی سفر سے مراجعت فرماتے اور مدینہ شریف کے آثار نظر آتے تو بہت خوش ہوتے، اپنی چادر کو کندھے سے ہٹا دیتے وجہ اقدس پر جو غبار پڑتا اسے نہیں پونچھتے بلکہ فرماتے کہ مدینہ شریف کی خاک میں شفا ہے۔ ۱۸

سرمۂ خاک مدینہ جو لگا آنکھوں میں ‌ ‌ ‌ مثل آئینے کے آنکھوں کے نگینے چمکے

یہ حدیثیں تو مشہور ہیں ہی کہ مدینہ شریف کے آثار نظر آتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی سواری کو تیز فرما دیتے تھے۔ ۱۹

مدینہ شریف کا سب سے بڑا فضل و کمال تو یہ ہے کہ حبیب خدا نے اسے اپنی آخری اقامت گاہ کے لئے پسند فرمایا۔ پھر یہاں بقیع الغرقد ہے جہاں ہزاروں صحابہ وصحابیات کے مزارات ہیں۔ شہیدان احد کے مزارات ہیں، جبل احد ہے، اور کئی ایسی مساجد ہیں جہاں آپ نے نماز پڑھی ہے، اور کسی وجہ سے آپ سے منسوب ہیں ان کا تذکرہ بھی عنوان مضمون سے تجاوز نہ ہوگا۔

مسجد قبا...... مسجد قبا تاریخ اسلام کی پہلی مسجد ہے۔ ہجرت مدینہ کے وقت دخول مدینہ سے قبل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس محلے میں کچھ عرصہ اقامت اختیار فرمائی اور ایک مسجد کی تعمیر فرمائی جسے آج ہم مسجد قبا کہتے ہیں اس مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی تعمیر میں آقا کریم نے خود اینٹ غارہ اٹھایا اور مسجد کی تعمیر فرمائی اور بعد ازاں اقامتِ مدینہ کے دوران ہفتہ کے دن کبھی پیدل کبھی سوار ہوکر اس مسجد میں تشریف لا کر دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔۲۰

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اپنے گھر میں وضوء کی اور مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھی اسے عمرہ کا ثواب ملے گا۔۲۱

مسجد جمعہ...... یہ مسجد محلّہ قبا اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے یہ مسجد بھی قبا سے روانہ ہوکر مدینہ پہنچنے سے قبل ایک محلّہ بنوسالم میں اقامت کے دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں نماز جمعہ ادا فرمائی تھی وہاں یہ مسجد بنائی گئی۔ بعد ازاں عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گورنری کے دوران بھی اس مسجد کی تعمیر کرائی تھی۔

مسجد قبلتین...... یہ مسجد محلّہ بنوسلمہ میں واقع ہے۔ آپ اس مسجد میں محونماز تھے کہ تحویل قبلہ کی آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آقا کریم نے دوران نماز اپنا وجہ اقدس قبلہ اوّل سے کعبۃ اللہ کی طرف پھرالیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقلید میں صحابہ کرام نے بھی ایسا ہی کیا انہوں نے بھی دوران صلاۃ اپنا رخ کعبۃ اللہ کی طرف کرلیا۔ یہ 2 ہجری کا واقعہ ہے اور چونکہ اس مسجد میں قبلہ اولیٰ اور قبلہ ثانیہ دونوں کے محراب باقی رکھے گئے تھے اس لئے اس مسجد کو ''مسجد قبلتین'' کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد بئر رومہ کے قریب واقع ہے۔

مسجد الغزالہ...... یہ مسجد مدینہ شریف کے قریب وادیٔ روحاء کے آخر میں واقع ہے اس مسجد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں آپ نے ہرنی کی فریاد سنی تھی چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وادی میں تھے کہ غیب سے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تین مرتبہ آواز سنی آپ نے اس طرف توجہ فرمائی تو دیکھا کہ ایک ہرنی رسّی میں جکڑی ہوئی تھی اور پاس ہی ایک اعرابی چادر اوڑھے سورہا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہرنی سے فرمایا۔ تمہاری کیا حاجت ہے؟ ہرنی نے عرض کی۔ مجھے اس اعرابی نے پکڑلیا ہے میرے دو چھوٹے بچے اس پہاڑ پر بھوکے ہیں آپ مجھے آزاد فرمادیں میں ان بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے آزاد فرمادیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہرنی اپنے

بچوں کو دودھ پلا کر واپس آئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ باندھ دیا۔ اتنے میں وہ اعرابی بیدار ہو گیا اس نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو مجھ سے کوئی حاجت ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری حاجت یہ ہے کہ اس ہرنی کو آزاد کردو۔ اس اعرابی نے ہرنی کو آزاد کیا تو ہرنی یہ کہتے ہوئے صحرا میں دوڑ گئی۔ "**اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد انک محمد رسول اللّٰہ**" یہ حدیث امام طبرانی نے معجم الاوسط میں۔ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور ابن کثیر نے شمائل الرسول میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ للبیہقی میں مختلف اسناد اور مختلف متن کے ساتھ روایت کی ہے۔ گرچہ اس کے ایک آدھ راوی پر مجہول ہونے کا قول کہا گیا ہے مگر غور و تدبیر کیا جائے تو جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا وہاں مسجد تعمیر ہونا اور اس مسجد کا نام بھی ''مسجد غزالہ'' ہرنی والی مسجد رکھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ راویوں نے واقعے کا متن اپنی اپنی یادداشتوں کے لحاظ سے مختلف ذکر کیا ہو۔ گو راوی مجہول الحال ہوں۔ مگر روایت کے ساتھ درایت اور یہ قرائن بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ اور ضعیف الاعتقاد حضرات کی تصلی کے لئے عرض ہے کہ اس واقعے میں ایسی کوئی بات نہیں جسے قرآن و حدیث کے طلباء تسلیم نہ کریں۔ بارہا حیوانات نے آپ سے بات کی ہے اشجار و احجار نے آپ کا کلمہ پڑھا ہے۔ آپ سے ایفائے عہد کیا ہے اور آپ کی فرمانبرداری کی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی تکالیف کی شکایت بھی کی ہے اور آپ نے ان کی تکالیف کا ازالہ بھی فرمایا ہے اور یہ مثال مشہور ہے کہ ''جوؤں کے کاٹنے سے کوئی اپنا گھا گرا نکال کے تھوڑی پھینک دیتا ہے'' لہٰذا کچھ اوہام پرستوں کے نہ ماننے سے حدیث تھوڑی ترک کردیں گے؟

فلک کو ضد ہے جہاں بجلیاں گرانے کی ہمیں بھی ضد ہے وہیں آشیاں بنانے کی

بہرحال شہر مدینہ جہاں روزانہ ہزاروں فرشتے حاضری دیتے ہیں، جس کے راستوں کی فرشتے پہریداری کرتے ہیں۔ جو غریبوں فقیروں کا ٹھکانا ہے۔ ''مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے۔ غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے'' اس شہر مدینہ کی عظمت و تقدیس کوئی زبان و قلم سے کیا بیان کرسکتا ہے جس کی زیارت کے لئے مومنین کا وظیفہ ہے۔

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے جہاں پر رات دن مولا تیری رحمت برستی ہے

حوالہ جات :

۱؎ وفاء الوفاء، خلاصة الوفاء، جذب القلوب۔

۲؎ خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى، للسمهودي۔

۳؎ وفاء الوفاء، خلاصة الوفاء، جذب القلوب۔

۴؎ بخاری، مسلم۔

۵؎ مسلم، احمد۔

۶؎ تاریخ کبیر للبخاری۔

۷؎ جذب القلوب الی دیار المحبوب، الشاہ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی۔

۸؎ بخاری وجذب القلوب ومسلم۔

۹؎ بخاری، مسلم، جذب القلوب۔

۱۰؎ بخاری، مسلم جذب القلوب۔

۱۱؎ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری۔

۱۲؎ مسلم، ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم القشیر ی۔

۱۳؎ بخاری۔

۱۴؎ بخاری۔

۱۵؎ السلسلة الصحيحة، ناصرالدين البانی و ابن ماجه۔

۱۶؎ مسلم، و موطأ امام مالك بن انس الاصبحی۔

۱۷؎ بخاری وموطأ امام مالک۔

۱۸؎ جذب القلوب۔

۱۹؎ بخاری۔

۲۰؎ بخاری۔

۲۱؎ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ۔

۲۲؎ ارشادالساری شرح بخاری للشهاب الدين ابوالعباس احمد بن محمد الخطيب القسطانی و تاريخ مدينه۔ للشيخ عبدالحق محدث دهلوی۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد احمد نعیمی (نئی دہلی)

غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام میں لفظ "مدینہ" کا استعمال

صاحبِ مدینہ منورہ:

مکین اور مکان دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ مکین کا ذکر ہو اور مکان کا ذکر نہ ہو، ساکن کا تذکرہ ہو اور مسکن کا تذکرہ نہ ہو۔ نیز مکین اور ساکن کی عظمت و رفعت کے سبب مکان اور مسکن کی بھی عظمت و رفعت بلند و بالا ہو جاتی ہے۔ مکین اور ساکن بے مثال و بے نظیر ہو تو مکان اور مسکن بھی بے مثال و بے نظیر ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت اور عقیدت سے معمور تصور کو ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے ہم گنبدِ خضریٰ کے مکیں، رحمۃ للعالمیں، شفیع المذنبیں، راحت العاشقیں اور محبوبِ ربُّ العالمیں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجمالی ذکر سے سعادتِ دارین حاصل کریں گے اور بعدہٗ آپ کے بابرکت و باعظمت مکان و مسکن اور اعلیٰ و بے مثال مرکز و جلوہ گاہ مدینہ منورہ کے مبارک و مسعود بیان سے خود کو شرف یاب کرنے کی جسارت کریں گے۔

مکینِ گنبدِ خضریٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سیکڑوں اسماء گرامی قرآن و احادیث اور تفاسیر و سیر میں مرقوم ہیں۔ جن میں محمد اور احمد سب سے مشہور و معروف ہیں۔ جو قرآن میں بھی چمکتے دمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ نامِ محمد چار بار استعمال ہوا ہے اور نامِ احمد کا صرف ایک بار ذکر ہوا ہے۔

(سورۂ آل عمران آیت ۱۴۴، سورۂ احزاب آیت ۴۰، سورۂ محمد آیت ۲، سورۂ فتح آیت ۲۹، سورۂ صف آیت ٦)۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"قرآنِ مجید میں میرے سات نام مذکور ہیں (۱) محمد (۲) احمد (۳) یٰسین (۴) طٰہٰ (۵) مدثر (٦) مزمل اور (۷) عبداللہ۔" (قاضی عیاض،

کتاب الشفاء، لاہور، مکتبہ نبویہ، ۱۹۹۷ء (اردو) جلد ا، ص ۳۵۴)

مذکورہ بالا اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ بہت سے القاب اور صفاتی اسماء کے ساتھ بھی قرآن مجید میں آپ کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔ مثلاً:

۱-نور	۲-سراج منیر	۳-منذر	۴-نذیر
۵-مبشر	۶-بشیر	۷-شاہد	۸-شہید
۹-الحق المبین	۱۰-خاتم النّبیین	۱۱-الروف الرحیم	۱۲-الامین
۱۳-قدم الصدق	۱۴-رحمۃ اللعالمین	۱۵-نعمۃ اللہ	۱۶-العروۃ الوثقیٰ
۱۷-الصراط المستقیم	۱۸-النجم الثاقب	۱۹-الکریم	۲۰-النبی الامی
۲۱-داعی الی اللہ	۲۲-ہادی	۲۳-مذکر	۲۴-رسول وغیرہ

(محمد یوسف بن اسماعیل نبہانی، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، لاہور، ضیاء القرآن، ۲۰۱۳ء (اردو)، ص ۲۲)

اسی طرح نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ذاتی، صفاتی اور امتیازی اسماء کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> ''میرے دس نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، میں حاشر ہوں، میں عاقب ہوں اور باقی پانچ اس طرح ہیں: رسول الرحمۃ، رسول الراحۃ، رسول الملاحم، مقفّی اور قیم۔'' (کتاب الشفاء، جلد ا، ص ۳۵۳)
>
> ''زمین پر میرا نام ''محمد'' اور آسمان پر ''احمد'' ہے۔ محمد توریت میں ہے اور احمد نام انجیل میں ہے۔'' (ماہنامہ کنزالایمان، دہلی، مارچ ۲۰۰۰ء، ص ۳۲)
>
> ''قرآن میں میرا نام ''محمد''، انجیل میں ''احمد'' اور توریت میں ''احید'' ہے۔ اس لیے کہ میں اپنی امت کو دوزخ کی آگ سے دور رکھوں گا۔'' (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، جلد ا، ص ۲۲)

نام پاک محمد اور احمد کا مادہ حمد ہے اور حمد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے اخلاقِ حسنہ، اوصافِ حمیدہ، کمالاتِ جمیلہ اور فضائل ومحاسن کو محبت وعقیدت اور عظمت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اور اسمِ پاک محمد بابِ تفعیل کے مصدر تحمید کا اسمِ مفعول ہے جس کا مطلب ہے تمام صفاتِ خیر اور اوصافِ حمیدہ کا جامع یا وہ ذات بابرکات جس کے حقیقی کمالات، ذاتی صفات، اور اصل محامد کو

عقیدت و محبت کے ساتھ بکثرت اور بار بار بیان کیا جائے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء، جلد ۱۹، ص ۱۴)

امام راغب اصفہانی اسم ''محمد'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محمد اسے کہتے ہیں جس کی قابلِ تعریف عادات حد اور شمار سے زیادہ ہوں۔'' (راغب اصفہانی، المفردات، بیروت، لبنان، الدارالشامیہ ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۱)

امام زرقانی کہتے ہیں:

''اس سے مراد وہ ذات ہے جس کی تعریف کیے جانے کی کوئی حد نہ ہو۔'' (زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء، جلد ۴، ص ۲۳۱)

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں:

''آپ کا اسمِ گرامی احمد یہ افعل کے وزن پر اسمِ تفضیل ہے جو حمد کا مبالغہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ یا سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ اور محمد یہ مُفَعَّل کے وزن پر (بحالتِ مفعول) مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس کا مفہوم ہے بہت ہی زیادہ تعریف کیا گیا یا سب سے زیادہ تعریف کیا گیا۔'' (کتاب الشفاء، جلد ۱، ص ۳۴۹)

مشہور عربی لغت لسان العرب کے مصنف ابن منظور لکھتے ہیں کہ:

''محمد اس کو کہتے ہیں کہ جس کی لائق تحسین عادات وصفات حد اور شمار سے زیادہ ہوں۔'' (ابن منظور، لسان العرب، بیروت لبنان، دار صادر)

عالم اسلام کے مستند و معتمد جلیل القدر علما و محققین کے علاوہ غیر مسلم اہلِ علم و دانش کی تحریروں سے بھی نامِ محمد کے اسی مفہوم و معنیٰ کی ترجمانی و تصدیق ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ سوریئے کانت دِویدی لکھتے ہیں:

''محمد کا معنی ہوتا ہے ہر طرح اور ہر طریقے سے قابلِ تعریف، وہ انسان جس کو ہر کوئی اچھا کہے۔'' (امر اُجالا، آگرہ، ۵؍جون ۲۰۰۱ء، اداریتی صفحہ)

پروفیسر کے. ایس. راما کرشنا راؤ رقم طراز ہیں:

''محمد کا معنیٰ ہوتا ہے جس کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہو۔'' (راما کرشنا راؤ، پروفیسر، اسلام کے پیغمبر، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، ص ۳)

ڈاکٹر ایم.اے.شری واستو کہتے ہیں:

''محمد لفظ ''حمد'' مصدر سے بنا ہے جس کا معنی ہے تعریف کیا ہوا۔''(ایم.اے.شری واستو، ڈاکٹر، حضرت محمد اور بھارتیہ دھرم گرنتھ، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، ص۹)

سوامی لکشمن پرساد تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کا نام غیبی آواز کی نشاندہی کی بناپر احمد رکھا تھا۔ اس طرح محمد اور احمد آپ کے دونوں ذاتی نام ہیں۔''(سوامی لکشمن پرساد، عرب کا چاند، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، ص۶۶)

اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو ذاتی نام ہیں ایک محمد اور دوسرا احمد۔ اور دونوں ہی نام حد درجہ تعریف وتوصیف سے متصف ہیں۔ چنانچہ سیرۃ حلبیہ میں مرقوم ہے کہ:
''جب حضرت آمنہ کے شکمِ مبارک میں نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حمل کی صورت میں تھے تو ان کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ آپ کا نامِ نامی احمد رکھیں (یعنی اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) لیکن ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ کا نام محمد رکھیں۔(یعنی وہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے)۔

اس لفظ یعنی محمد کے معنی میں کثرت اور زیادتی ہے یعنی محمد صرف اسی کو کہا جاسکتا ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے اور یہ تعریف ان خوبیوں اور بلند اوصاف کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس ذات میں پائی جاتی ہیں۔''(علی ابن برہان الدین حلبی، سیرۃ حلبیہ، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۹ء، جلد۱ (اردو) ص۲۵۵-۲۵۶)

اس طرح سیرت کی کتابوں میں یہ روایت بھی منقول ہے کہ:

''قریش نے دریافت کیا کہ اے عبدالمطلب آپ نے اپنے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آسمان میں اللہ اور زمین میں اس کی مخلوق اس کی تعریف کرے۔''(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء، جلد۱۹، ص۱۴)

قرآن وحدیث اور کتبِ تفسیر وسیرت کے مطابق نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سیکڑوں ذاتی وصفاتی اسماء گرامی ہیں۔ اور یہ جملہ اسماء گرامی ان اعلیٰ صفات اور بے مثال خوبیوں سے مزیّن و

مرتب ہیں جو آپ کی ذاتِ اقدس میں پائی جاتی تھیں اور جن صفات کی وجہ سے آپ کی تعریف و توصیف کرنا لازمی ہوتا ہے اور آپ کا کامل ترین انسان ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی ہر وصف اور ہر خوبی سے آپ کا ایک نام وجود پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے معروف و مستند علماء وائمہ نے آپ کے سیکڑوں اسماء کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً:

☆ امام قسطلانی نے ۳۳۷/اسماء بیان کیے ہیں۔ (قسطلانی، المواہب اللدنیہ، المکتب الاسلامی، قاہرہ، ۲۰۰۴ء، جلد۲، ص ۱۱ تا ۲۱)

☆ امام جلال الدین سیوطی نے ۳۴۰/نام کا تذکرہ کیا ہے۔ (جلال الدین سیوطی، الریاض الانیقہ فی شرح اسماء خیر الخلیفہ، ص ۳۵۹)

☆ امام صالحی نے ۵۴۷/اسماء کا ذکر کیا ہے۔ (امام صالحی، سبل الہدی والرشاد، قاہرہ، احیاء التراث الاسلامی، ۱۹۹۷ء، جلد۱، ص ۴۰۷ تا ۵۳۷)

☆ ابنِ فارس نے ۲۰۰/ا نام بیان کیے ہیں۔ (ابنِ فارس، نسیم الریاض، بیروت، لبنان، دارالکتاب العلمیہ، جلد۳، ص ۲۴۱)

☆ قاضی ابوبکر بن عربی نے جامع الترمذی کی شرح میں بعض صوفیا سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی ایک ہزار اسماء ہیں۔ (ڈاکٹر طاہر القادری، اسماء مصطفیٰ، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشن، ۲۰۰۲ء، ص ۱۷)

مدینہ منورہ

مکینِ گنبدِ خضراء حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اب ہم ان کے دیار یعنی شہر مصطفیٰ کی بات کریں گے، ساکنِ طیبہ وطابہ کے بعد مسکنِ جلوہ گاہِ حبیبِ خدا کا تذکرہ کریں گے۔ وہ ساکن و مکین کہ جس کی عظمت و رفعت کو اگر قرآن میں ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' جیسے ازلی وابدی کلمات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تو اس کے مکان و مسکن کی شان و فضیلت کو "لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَد" جیسے غیر فانی الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

مدینہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں شہر اور منورہ کا لفظی معنی ہے روشن اور پُرنور۔ اس طرح مدینہ منورہ کا معنیٰ ہوا روشن اور پُرنور شہر۔ مدینہ منورہ حجاز کا مقدس اور مشہور شہر ہے جس کا قدیم نام یثرب تھا۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر یثرب تشریف لائے تو یہ مدینہ منورہ کے نام سے معروف و مشہور ہوا اور آپ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ تجویز فرمایا۔ قرآن مجید میں مدینہ اور

یثرب دونوں اسماء وارد ہوئے ہیں۔

اسماء مدینہ منورہ

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی شئ کے ناموں کی کثرت اس کی عظمت و رفعت کا نشاں ہوتی ہے۔ جس کے جتنے زیادہ نام ہوتے ہیں اس کے اتنے ہی زیادہ مرتبے اور درجے بلند ہوتے ہیں۔ مثلاً رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسماء وصفات کی کثرت ان کی بلند و بالا عز و شان کی ترجمانی کرتی ہے تو مدینہ منورہ کے ناموں کا کثیر ہونا اس کے فضل و شرف کا پتہ دیتا ہے۔ روئے زمین کا کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جس کے نام اعداد و شمار میں مدینہ منورہ کا مقابلہ کرسکیں۔ بعض علماء نے اس شہرِ مقدس کے ایک سو اور بعض نے اس سے کم یا زیادہ اسماء کا تذکرہ کیا ہے۔

(دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد ۲۰، ص ۲۴۵)

علامہ یاقوت حموی نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''معجم البلدان'' میں مدینہ منورہ کے انتیس ناموں کا ذکر کیا ہے۔ جیسے:

المدینہ، طیبہ، طابہ، المسکینہ، العذرآء، الجابرة، المحبّة، المحببة، المحبورة، یثرب، الناجیة، الموفیة، اکالة البلدان، المبارکة، المحفوفة، المسلمة، المِجَنّة، القدسیہ، العاصمة، المرزوقة، الشافیة، الحیرة، المحبوبة، المرحومة، المختارة، المحرّمة القاصمة، طبابا اور رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق، (سورۂ اسراء ۸۰) ''اے رب مجھے اچھی جگہ داخل فرما اور اچھی طرح یہاں سے نکال''۔

(یاقوت حموی، معجم البلدان، لائپزگ، ۱۸۶۹ء، جلد ۴، ص ۴۶۰)

علاوہ ازیں مدینہ منورہ کے ممتاز مؤرخ السمہودی نے مدینہ منورہ کے ۹۴؍ اسماء بیان کیے ہیں۔ (السمہودی، وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ، قاہرہ، بار اول، ۱۳۲۶ھ، ص ۷ تا ۱۹)

محبت مدینہ منورہ

قرآن و حدیث میں تمام امتِ مسلمہ کے لیے صرف محبتِ رسول کو ہی واجب قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ مدینۃ الرسول سے بھی محبت کرنا ضروری بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ کائناتِ انسانی میں ایسا کوئی بھی مومن صادق یا مسلمان نہیں ہوگا کہ جس کے دل میں ہمہ وقت روضۃ الرسول اور

مدینۃ الرسول کی دید کا شوق و جذبہ موجزن نہ ہو اور اس کا دل محبت رسول اور مدینۃ الرسول کی محبت سے ہر وقت سرشار نہ رہتا ہو۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی محبت کے لیے دعا فرمائی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

اللهم حبب الينا المدينة كحبنا مكة او اشد۔

''اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ منورہ کی محبت اس طرح جاگزیں فرما جیسے مکہ کی محبت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (صحیح بخاری، حدیث ۱۸۸۹ء، صحیح مسلم، حدیث ۱۳۶۸)

اسی طرح مندرجہ ذیل حدیث بھی مدینہ منورہ کی محبت پر دلالت کرتی ہے:

''مدینہ منورہ میری ہجرت گاہ ہے، اس میں مستقل میرا گھر ہے، اسی سے میں اٹھایا جاؤں گا، اس کے باشندے میرے پڑوسی ہیں اور میری امت پر فرض ہے کہ وہ میرے پڑوسیوں کا لحاظ رکھیں۔ بلکہ یہاں تک منقول ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ منورہ کے در و دیوار پر نظر پڑتی تو آپ مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے اپنی اونٹنی کو تیز چلاتے۔'' (صحیح بخاری، ۱۸۸۶ء، الفردوس للدیلمی، ۶۶۸۱)

عظمت مدینہ منورہ

جملہ کائنات ارضی و سماوی میں بعد از خدا بزرگ و برتر ہونے کی وجہ سے رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مسکن و مکان کو بھی امتیازی عظمت و فضیلت حاصل ہے۔ نہ ساکن کا کوئی جواب ہے نہ مسکن کی کوئی مثال ہے۔

مختصر یہ کہ مدینہ منورہ کا بہت بلند و بالا مقام ہے۔ اس کے فضائل و مناقب بے حد و بے حساب ہیں اور یہ دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا جامع ہے۔ چنانچہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

☆ یا اللہ مدینہ منورہ میں اس سے دوگنی برکت عطا فرما جتنی تو نے مکہ مکرمہ میں رکھی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل المدینۃ، حدیث ۱۷۸۶)

☆ حضرت ابراہیم نے مکہ مکرمہ کو حرم مقرر کیا تھا اور میں دونوں کالے پتھروں والے میدانوں کے درمیان مدینہ منورہ کو حرم مقرر کرتا ہوں۔ نہ وہاں کوئی درخت اور جھاڑی کاٹی جائے اور نہ وہاں کوئی جانور شکار کیا جائے۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، حدیث ۱۳۶۲)

☆ اے اللہ مدینہ منورہ کے غلہ و پیداوار میں برکت فرما، اس کی آب و ہوا ہمارے موافق بنادے اور اس کا موسمی بخار جحفہ میں منتقل فرمادے۔ (صحیح بخاری، حدیث ۱۸۸۹)

زیارت مدینہ منورہ

مدینہ منورہ میں واقع مسجدِ نبوی شریف اور اسی کے ایک حصے میں واقع نبیِٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت اسلامی نقطۂ نظر سے افضل ترین عبادتوں و عظیم نیکیوں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اسلامی محققین نے روضۂ رسول کی حاضری کی زیارت کو باعثِ خیر و برکت، شفاعت و نجات کا موجب اور اس سے روگردانی و انحراف کو ہلاکت و لعنت کا سبب قرار دیا ہے۔ نبیِٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں:

☆ جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (الطبرانی فی المعجم الکبیر،۱۲/ ۴۰۶، حدیث ۱۳۴۹۶)

☆ روضۂ انور کی زیارت کا قصد کرنا اور مسجد نبوی کی زیارت سے مشرف ہونا حج مقبول کے مساوی بلکہ قبولیتِ حج کا ذریعہ ہے۔

☆ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت لازم ہوگی۔

☆ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی، راحت القلوب (اردو)، دہلی، رضوی کتاب گھر، ۲۰۰۹ء، ص ۲۰۴-۲۰۶)

امتیازات مدینہ منورہ

قرآن و حدیث، سیرتِ رسول اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ بہت سے امتیازات اور خصوصی صفات کا حامل ہے۔ جو اس کائناتِ انسانی میں کسی مقام یا کسی شہر کو حاصل نہیں۔ مثلاً رسولِ اکرم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کے لیے منتخب فرمایا۔ اپنی قیام گاہ اور آرام گاہ مقرر فرمایا، اسلامی سلطنت اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا۔ یہیں سے آپ نے دینِ اسلام کو عام و تام فرمایا، اس کو مکہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دیا، اس کے لیے برکت کی دعا مانگی، حیاتِ طیبہ کے آخری دس سال یہیں گزارے، اسی مبارک سرزمین میں آپ کا روضۂ انور ہے، اسی مبارک سرزمین نے آپ کے جسدِ اطہر کو اپنے اندر سمو رکھا ہے، اسی میں آپ کی عظیم مسجد نبوی ہے جس کی عظمت و فضیلت اور برکت کی کوئی حد نہیں، اسی میں روضۃ من ریاض الجنۃ جیسی بے مثال مقدس

جگہ ہے، جہاں پڑھی ہوئی ایک نماز ہزاروں نمازوں سے افضل ہے۔ جہاں نماز پڑھنا یا قیام کرنا جنت میں نماز پڑھنے یا قیام کرنے کے مترادف ہے۔ یہ پاکیزگی کا مرکز اور اس کی ہر چیز پاکیزہ ہے اسی لیے اس کا نام طابہ اور طیبہ ہے، تمام امتِ مسلمہ کو روئے زمین کے تمام مقامات سے محبوب ترین ہونے کے باعث اس کا نام محبۃ اور محبوبۃ ہے، اسی مبارک شہر میں مسجد قبا، مسجد جمعہ اور وہ تمام مساجد ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازیں ادا کیں، یہی وہ مقدس شہر ہے کہ جہاں وفات پانے والے کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شفاعت کی خوشخبری دی، قرب قیامتِ ایمان سمٹ کر یہیں آئے گا، دجال یہاں داخل نہ ہو سکے گا، طاعون کی وبا یہاں نہ پھیلے گی، اسلامی نقطۂ نظر سے مدینہ منورہ میں خیر ہی خیر ہے، یہ وہ شہر ہے جو آنکھوں کا نور ہے، دلوں کا سرور ہے، جہاں ہر قدم باعث برکت اور جائے عبرت ہے، یہاں کی خاک بیماری سے شفا کا سبب ہے اور یہاں کی کھجور نہار منھ زہر اور جادو کے لیے نسخۂ کیمیا ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

☆ مدینہ بھٹی کی طرح میل کچیل کو دور کرتا رہتا ہے اور پاکیزہ چیز کو ہی باقی رکھتا ہے۔

☆ والمدینۃ خیر لھم لو کانو یعلمون۔ مدینہ سب کے لیے بہتر ہے کاش لوگ اس کی بہتری کو جان لیتے۔ (یوسف بن اسماعیل نبہانی، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار، لاہور، ضیاء القرآن، پبلی کیشن، ۲۰۱۳ء، اردو ترجمہ: فضائل النبی، جلد ا، ص ۱۶۵)

غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام میں لفظ ''مدینہ''

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات، ستودہ صفات کل عالم کے لیے سراپا رحم و کرم کا مجسمہ بن کر آئی تھی۔ آپ نے جن وانس، چرند و پرند غرض ہر ایک مخلوق کے لیے رحمت کا مظاہرہ کیا اور سب کے لیے رحم و کرم کا درس دیا۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ آپ کی بارگاہِ رسالت مآب میں دنیا کے تمام ادیان و مذاہب اور اقوام کے اہل علم و دانش حضرات اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بالخصوص وطنِ عزیز ہندوستان میں جہاں مختلف مذاہب و مسالک اور اقوام کے افراد ہزاروں سال سے گنگا جمنی تہذیب کی صورت میں ایک ساتھ شیر و شکر کی مانند رہتے چلے آئے ہیں۔ شیر و شکر کی مانند باہم بود و باش اختیار کرنے اور ایک دوسرے کی تاریخ و تہذیب کا مطالعہ کرنے کے باعث ہندوستانی غیر مسلم اقوام میں کچھ نہ کچھ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شیدائی ضرور پائے جاتے ہیں۔ اسی ہندو مسلم دیرینہ تعلق کی وجہ سے غیر مسلم شعراء اسلام اور اس کے شعائر و تعلیمات کو کافی قریب سے دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں نہ صرف

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں سے متعلق اظہارِ عقیدت و محبت کے نمونے ملتے ہیں بلکہ آپ سے متعلق اشیا و افراد اور آپ کے محبوب شہر مدینہ منورہ کی بھی عکاسی نظر آتی ہے۔ بابو شنبھو دیال دانش کی مشہور نظم ''اخلاقِ محمدی''، جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمت و بہادری کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، ایک یہودی کے جنازے سے متعلق تلوک چند محروم کا شاہکار کلام، پربھو دیال مشر کا منظوم کلام ''نعتِ عاشق''، منشی شنکر لال ساقی کا ''معراج نامہ''، لالہ لال چند فلک اور پیغمبرِ اسلام کے ذریعے اونچ نیچ کا خاتمہ، لکشمی نارائن شفیق اورنگ آبادی کا منظوم معراج نامہ، پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا مشہور کلام ''سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمین بن کر''، رانا بھگوان داس بھگوان کا سلام ''السلام اے خسرِ ونورانساں''، ہمت رائے شرما کی نظم ''عید میلادِ بانیٔ اسلام''، گوپی ناتھ امن لکھنوی کا ''برتو ہزاراں سلام''، رام داس مشرا کا نعتیہ قصیدہ جس میں پیغمبرِ اسلام کی حیاتِ طیبہ کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور ودیانند پرشاد کا بزبان ہندی جنم گیت وغیرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

مختصر یہ کہ جو لوگ ہندوستان میں رہتے ہیں یا ہندوستانی شعر و ادب سے واقف ہیں وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ غیر منقسم ہندوستان کے غیر مسلم شعرا نے صرف پیغمبرِ اسلام کی مدح سرائی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ آپ کے شہرِ مقدس مدینہ منورہ کی بھی بڑے حسین اور دلکش پیرائے میں تعریف و توصیف بیان کی ہے اور انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ سے متعلق اپنی محبتوں کا اظہار کیا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔ ایسے غیر مسلم نعت گو شعرا کی ایک طویل فہرست ہے کہ جنھوں نے رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات، ستودہ صفات اور آپ سے متعلق و منسلک اشیا و امور اور تعلیمات بالخصوص مدینہ منورہ کو اپنی نعتیہ شاعری کا موضوع بنایا ہے اور انتہائی حسین اسلوب میں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔ اس مختصر سے مقالے میں ایسے تمام شعرا کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس لیے خوفِ طوالت اور موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر ذیل میں ہم چند غیر مسلم نعت گو شعرا کا لفظ مدینہ کے استعمال کی مناسبت سے تحقیقی خاکہ پیش کریں گے۔

منشی سالک رام سالک

منشی سالک رام سالک (۱۸۶۱-۱۹۳۴ء) شاگردِ رشید شمشاد لکھنوی ساکن قصبہ گروار ضلع بلیا شعر و ادب کے تلازمات، مناسبات اور اصطلاحات سے بخوبی واقف اور غزل گو شاعر تھے لیکن ان کے کلام میں رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے محبوب شہر مدینہ منورہ سے محبت کا اظہار بھی

نظر آتا ہے۔مثلاً موصوف کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

مدت سے ہے اب وردِ زباں ہائے مدینہ　لے لے گی مری جاں تمنائے مدینہ
اک بار جو قسمت مجھے دکھلائے مدینہ　جنت کی ہوس، خلد کی خواہش نہ رہے پھر
ہاتھ آئے جو خاکِ درِ مولائے مدینہ　سرمہ کی طرح آنکھوں میں سالک میں لگالوں

(ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد، سوغات صنم خانہ، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء، ص ۱۳۸)

مہاراجہ سرکشن پرشاد، شادؔ حیدرآبادی

مہاراجہ سرکشن پرشاد، شاد حیدرآبادی کو عربی، فارسی، اردو، تلنگی اور مراٹھی زبانوں میں اچھی دسترس حاصل تھی۔ بقول حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی تقریباً ۲۷ کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کلام لکھا ہے۔ حالانکہ تصوف آپ کی شاعری کا خاص موضوع تھا لیکن غزل، قصیدہ اور نعت ہر ایک صنف میں بہترین طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''خمکدۂ رحمت'' ہدیۂ شاد کے نام سے موسوم ہے۔ علاوہ ازیں جلیل القدر صحابۂ کرام، شہداء عظام اور بزرگ اولیاء اسلام کی شان میں بھی مدحیہ قصائد اور عقیدت مندانہ اشعار لکھے ہیں۔ بالخصوص نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ سے وابستہ مبارک و پاکیزہ اشیا کے ذکرِ جمیل سے تو آپ کا پورا نعتیہ دیوان سرشار نظر آتا ہے۔ چنانچہ مدینۃ الرسول سے اپنے قلبی جذبات کی یوں عکاسی کرتے ہیں۔ ؎

جاتے ہی میں ہوجاؤں گا قربانِ مدینہ　بلوائیں مجھے شاد جو سلطانِ مدینہ
کعبہ سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شانِ مدینہ　وہ گھر ہے خدا کا تو یہ محبوبِ خدا ہیں
پر بندہ ہوں ان کا جو ہیں سلطانِ مدینہ　کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں
تحفہ ہے مرے پاس یہ شایانِ مدینہ　لے جاؤں گا میں ساتھ فقط عشقِ محمد

(مولانا محمد احمد، غیر مسلم شعرا کا نعتیہ کلام، دہلی الاشرف اکیڈمی، ۲۰۰۸ء، ص ۵۲/۵۱، مہاراجہ سرکشن پرشاد، ہدیۂ شاد، حیدرآباد، ۱۳۳۶ھ)

بابو روشن لال نعیمؔ

بابو روشن لال نعیم ایک خوش فکر، بلند خیال اور قادر الکلام غزل گو اور نعت گو شاعر تھے۔ ڈیرہ غازی خاں آپ کا آبائی وطن تھا۔ موصوف نے اپنے نعتیہ اشعار میں جہاں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور اوصافِ حمیدہ کو شعری جامہ پہنایا ہے وہاں مدینہ منورہ کے معطر بیان سے بھی اپنے کلام کو عطر بیز کیا ہے۔ ان کے یہ اشعار دیکھیں۔ ؎

للہ بلا لیجیے سرکارِ مدینہ مرجائے نہ یہ ہند میں بیمارِ مدینہ
اے شیخ تجھی کو رہے فردوس مبارک کافی ہے مجھے گوشۂ گلزارِ مدینہ
چھا جائے مری قبر پہ رحمت کی بدریا دربار شب و روز ہوں انوارِ مدینہ

(ڈاکٹر سید عبدالحمید ضیائی، مدینۂ سخن، نئی دہلی، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ص ۱۰۴)

رمیشن نارائن سکسینہ، گلشن بریلوی

رمیشن نارائن سکسینہ، گلشن بریلوی بیسویں صدی کے غیر مسلم نعت گو شعرا میں انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ کرشن بہاری نور سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ان کے کئی شعری مجموعے شائع ہو کر شائقینِ شعر و ادب سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ موصوف نے یوں تو آسان اور مشکل ردیف و قافیہ میں بہت سی نعتیں کہی ہیں لیکن مدینہ منورہ سے متعلق اپنے خیالات اور ارادوں کی ترجمانی اس طرح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مجھے کاش توفیق اتنی خدا دے کروں سر کے بل طے مدینہ کے جادے
بہت خاک چھانی ہے دنیا کی گلشن مدینہ کی گلیوں کے اب ہیں ارادے

☆

آنے کو تو سنسار میں آئے ہیں نبی اور آیا ہے نہ آئے گا محمد سا کوئی اور
ہے یوں بھی سکوں بخش مدینے کا تصور پہنچیں جو مدینے میں تو ہوتی ہے خوشی اور
یاد آتی ہے جب دوریٔ سرکارِ مدینہ بڑھ جاتی ہے گلشن مری آنکھوں میں نمی اور

☆

محسوس یہ ہوا ہے مدینے میں دوستو آنکھیں ملی ہیں گنبد و مینار کے لیے
نکلے جو دم تو نکلے مدینے کی خاک پر اتنا بہت ہے مجھ سے گنہ گار کے لیے

(مولانا محمد احمد، گلہائے عقیدت، نئی دہلی، الاشرف اکیڈمی، ۲۰۰۸ء، ص ۸۳، ۹۸، ۱۰۱)

وشنو کمار، شوق لکھنوی

لکھنؤ کے ممتاز غزل گو شعرا میں وشنو کمار، شوق لکھنوی بہت سی شعری و ادبی خصوصیات کے مالک تھے۔ شعری تلازمات و مناسبات سے مرصع و مرقع اشعار کہتے تھے۔ موصوف نے جہاں دیگر صنفِ سخن میں خامہ فرسائی کی ہے، وہاں رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق و منسلک امور و

اشیا کو بھی اپنے اشعار کا موضوع بنایا ہے۔ مدینہ منورہ سے متعلق اپنے قلبی احساسات کو نظم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ رحمت کے دم قدم سے مدینہ کے ذرے ذرے کی چمک دمک کا یہ عالم ہے کہ وہ سورج سے آنکھ لڑاتا ہے۔ اور اگر میں بات کروں اس کی عظمت و تقدس کی تو اتنا سمجھ لیجیے کہ اگر رہِ مدینہ میں دم بھی نکل جائے تو یہ بہت بہتر سودا ہے۔ اور جہاں تک اس کی محبت کا معاملہ ہے تو یہ کیفیت ہے کہ ہر وقت دل و دماغ پر اس کے جلوے سایہ فگن رہتے ہیں اور زیست کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی ارمان محسوس ہوتا ہے کہ کاش کسی طرح اس شہر مقدس کی زیارت ہو جائے۔ آپ خود ہی دیکھیں کہ ان کے اشعار میں کیسا سوز دروں اور خوبرو اسلوب ہے۔

لڑاتا ہے نظر سورج سے ہر ذرہ مدینے کا ۔۔۔ رسول اللہ سے اتنا بڑا رتبہ مدینے کا
اگر جاں بھی نکل جائے مری طیبہ کی راہوں میں ۔۔۔ تو سمجھوں گا بہت سستا ہوا سودا مدینے کا
ابھی تو خواب ہی دیکھا ہے اب تعبیر دیکھوں گا ۔۔۔ نگاہوں میں لیے پھرتا ہوں میں نقشہ مدینے کا
بس اب تو شوق دل میں اک یہی ارمان باقی ہے ۔۔۔ کسی صورت پہنچ کر دیکھ لوں روضہ مدینے کا

(ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، ہمارے رسول، نئی دہلی، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۲۰۱۱ء، ص ۴۵۳)

کرشن بہاری، نور لکھنوی

کرشن بہاری، نور لکھنوی کا ہندو پاک کے مشہور شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے بہت سے عالمی مشاعروں کو رونق بخشی ہے اور شعر و ادب کا ذوق رکھنے والے اہلِ علم و دانش سے خوب خوب داد و تحسین حاصل کی ہے۔ دکھ سکھ کے نام سے آپ کا شعری مجموعہ بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ شعر و ادب کی دیگر اصناف کی طرح آپ نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نعتیہ گلہائے عقیدت بھی پیش فرمائے ہیں اور اس کے ضمن میں مدینہ منورہ کے پرنور ذکر سے اپنے کلام کو مزین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

گلزارِ محمد کیا کہنا، بازارِ مدینہ کیا کہنا ۔۔۔ ایمان کے سکے چلتے ہیں، فردوس کا سودا ہوتا ہے
یہ ربط نبوت اور وحدت ہر حال میں یکساں رہتا ہے ۔۔۔ جھکتی ہے جبیں کعبے کی طرف اور دل میں مدینہ ہوتا ہے
وہ نور کی نظریں ہوتی ہیں گنبد سے جو ٹکرا جاتی ہیں ۔۔۔ مل جاتا ہے جو چوکھٹ سے تری وہ نور کا سجدہ ہوتا ہے

(ہفت روزہ اردو مورچہ، دہلی، رحمۃ للعالمین نمبر، ۱۴ تا ۱۸/ اکتوبر، ۱۹۸۹ء)

وشنو کمار ماتھر، وشنو اکبر آبادی

وشنو اکبر آبادی (۱۸۸۶-۱۹۶۲ء) ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ اردو شاعری کی اکثر اصناف میں

آپ نے شعر گوئی کے جلوے دکھائے ہیں۔ نعتیہ کلام بھی حسین اسلوب میں پیش کیا ہے۔ جس میں نہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کے نمونے ملتے ہیں بلکہ آپ کے دیار مدینہ منورہ سے بھی والہانہ عقیدت کے ثبوت ملتے ہیں۔ موصوف کا ماننا ہے کہ روزِ جزا غلامانِ مدینہ ہی کو بلند وبالا مقام کے حامل ہوں گے اور جن کی نظروں میں گلشن مدینہ کے جلوے سمائے ہوں وہ کبھی باغِ جنت کے نظاروں کا احساس نہیں کرتے۔ مثلاً ان کے یہ اشعار دیکھیں۔

کہتی ہے جنہیں خلق غلامانِ مدینہ — پائیں گے وہی روزِ جزا رتبۂ عالی
مرغوب ہے دل سے جنھیں بستانِ مدینہ — وہ گلشنِ فردوس کی حسرت نہیں کرتے

(ہمارے رسول، ص۱۸۶)

سادھورام، آرزو سہارنپوری

آرزو سہانپوری (۱۹۰۶ء-۱۹۸۳ء) کی پیدائش سہارنپور میں ہوئی لیکن زندگی کا زیادہ تر حصہ کلکتہ میں گزرا۔ آپ کو عصری جامعات میں شعر وادب اور علم عروض کے ماہرین کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی کئی یونیورسٹیوں میں آپ کا کلام شاملِ نصاب رہا ہے۔ شعری وادبی اصول وضوابط اور اسلوب کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے نعت، غزل، قطعہ، رباعی، سلام اور مرثیہ جیسی صنف میں بہت معیاری کلام کہا ہے۔ اردو ادب کے مشہور شاعر فانی بدایونی سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ غیر مسلم ہونے کے باوجود مذہبِ اسلام پر آپ کا بہت گہرا مطالعہ تھا۔ اسلامی تعلیمات سے گہری واقفیت اور وابستگی کا اثر آپ کی نعتوں میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ غالباً یہی وہ اثر تھا کہ جس کے پیش نظر آپ نے محبت رسول میں سرشار ہو کر نعتیں کہی ہیں اور جس کی وجہ سے آپ ہندوپاک میں کافی مشہور رہے ہیں۔ آپ کے کئی مجموعے جیسے الہام سحر، حدیث آرزو، ظہور قدسی اور بہارستان اولیا وغیرہ شائع ہو چکے ہیں جن میں رنگ تصوف جھلکتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعت ومنقبت گوئی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ مدینہ منورہ سے متعلق کہے گئے حسب ذیل اشعار سے جس کا آپ بحسن وخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جب شاہ دو عالم ہوئے سلطانِ مدینہ — خود بڑھ کے مشیت ہوئی قربانِ مدینہ
اے اہلِ حقیقت مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ — آیا ہوں میں طے کر کے بیابانِ مدینہ

(جوہر دیوبندی، نغمۂ ناقوس: تذکرہ ہندو شعرائے سہارن پور، محبوب پریس، ۱۹۸۵ء، ص۴۶)

لکشمی نارائن، سخا جے پوری

سخا صاحب جے پور کے ضلع مجسٹریٹ تھے لیکن شعر وادب کا بھی کافی ذوق رکھتے تھے۔ عربی

زبان سے واقفیت کے علاوہ اردو اور فارسی میں مہارت حاصل تھی۔ موصوف نے تمام اصنافِ سخن میں شاعری کے جوہر دکھائے ہیں اور عطاء اللہ عطا سے شعری اصلاح کا فیض اخذ کیا ہے۔ آپ کا ایک مجموعہ ''معراج محبت'' کے عنوان سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکا ہے جس میں فارسی کلام کے علاوہ پچاس نعتیں و منقبتیں اور سلام وقصائد وغیرہ بھی شامل ہیں۔ نعتیہ کلام میں دیارِ محبوب خدا مدینہ منورہ سے متعلق بھی حد درجہ عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ جیسے۔ ؎

جنت کے عوض دے نہ دیں صحرائے مدینہ ہشیار رہیں بادیہ پیمائے مدینہ
عرشی سے سنو رتبۂ والائے مدینہ قدسی سے سنو روضۂ اطہر کی بزرگی
ہونے کو تو لاکھوں ہی ہیں شیدائے مدینہ دو چار سخا سے بھی ہیں وہ واں پہ ملیں گے

(عرفان عباسی، تذکرہ شعراء اتر پردیش، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۸۲ء، جلد ۱۱، ص ۱۴۱)

بہاری لال شانت

مشاق اور بلند تخیل شعرا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ غزل کے علاوہ بہترین نعتیں بھی کہی ہیں۔ آپ کی نعتوں میں دیارِ محمد مصطفیٰ یعنی مدینہ منورہ، گنبدِ خضریٰ اور رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ نہایت حسین اور دلکش پیرائے میں ملتا ہے، جن کے جلوؤں کا اظہار آپ نے کچھ اس طرح کیا ہے۔ ؎

جنت کے فرشتے ہیں ثنا خوانِ مدینہ کیوں کر کہوں جنت ہے گلستانِ مدینہ
سو پھول اور اک خارِ مغیلانِ مدینہ سو جنتیں اور ایک بیابانِ مدینہ
آدم بھی فرشتے بھی ہیں قربانِ مدینہ برکت ہے ترے قدموں کی اے جانِ مدینہ

(فانی مرادآبادی، ہندو شعرا کا نعتیہ کلام، لائلپور، عارف پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۳ء، ص ۴۱)

طوطا رام، احقر

احقر صاحب درس وتدریس کے مشغلے سے وابستہ تھے اور سردار پور چھاؤنی کے ایک اسکول میں بحیثیت معلم فرائض انجام دیا کرتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ شعر وسخن سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف اصنافِ سخن میں منظوم کلام کہنے کی جسارت کی ہے جو رسالہ ''گلزارِ خلد'' مطبوعہ ستمبر ۱۸۸۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ موصوف نے نعتیہ کلام میں فضائل وخصائص اور خصائل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہت خوب نقشہ کھینچا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کے دیارِ محبت مدینہ منورہ کی تعریف و توصیف ہی بیان نہیں کی ہے بلکہ اپنے وہاں جانے کی تمنا کا اس طرح اظہار کیا ہے:

کب مجھ کو خدا دیکھئے دکھلائے مدینہ مدت سے یہ دل اپنا ہے شیدائے مدینہ

مجنوں ہوں میں ہندی وہ ہے لیلائے مدینہ لازم ہے مرا نجد ہو صحرائے مدینہ
اے بادِ صبا چشمِ کرم کچھ تو ادھر بھی لاہبرِ خدا بو، گُلِ رعنائے مدینہ

(محمد محفوظ الرحمٰن، ہندو شعرا دربارِ رسول میں، لکھنؤ، ابراہیمی پریس، ص ۲۰)

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ لکھنؤ کے ایک انتہائی معزز اور تعلیم یافتہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد عالی جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی معتبر صحافی، نامور شاعر، مشہور نثر نگار اور کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ چچا محترم جناب گرسرن لال ادیب لکھنوی اور دادا جناب مہادیو پرساد عاصی لکھنوی بھی اردو ادب اور دیگر علوم کے ممتاز و معروف دانشور کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ اپنے خاندان کی علمی و تہذیبی وراثت کے امین و وارث ڈاکٹر آزاد بھی کئی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ اردو، ہندی اور انگلش میں تقریباً ۱۶؍ کتابوں کے مصنف تھے جن میں صحیفۂ نور اور انوارِ عقیدت آپ کے دینی کلام کے مجموعے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ملکی اور غیر ملکی، قومی اور عالمی کانفرنسوں، ادبی محفلوں، سیمیناروں، اخباروں اور رسالوں کا اپنے مقالات اور تقاریر سے حسن دوبالا کر چکے ہیں۔ انہیں علمی خدمات کی بدولت بارہا مختلف تنظیموں اور انجمنوں کی طرف سے اعزازات سے نوازے گئے ہیں۔

ہندوستان میں نعت گوئی کی روایت کی توسیع، تنوع اور ارتقا میں یوں تو سیکڑوں غیر مسلم شعرا نے حصہ لیا ہے لیکن اس سلسلے میں ڈاکٹر آزاد نے جو تحقیقی، تاریخی اور نعتیہ ادبی خدمات انجام دی ہیں وہ امتیازی اہمیت کی حامل ہیں۔ موصوف نے نعتِ رسول یا نعتیہ ادب سے متعلق جو مقالات یا کتب تحریر فرمائی ہیں بالخصوص ''ہمارے رسول'' کے عنوان سے غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کی جو تاریخ رقم کی ہے پوری دنیا کے کسی ملک یا کسی زبان کے غیر مسلم کو یہ انفرادی مقام حاصل نہیں۔

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد کے خاندان میں کئی پشتوں سے محمد اور آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت میں منظوم کلام لکھنے کی ایک قدیم تاریخ رہی ہے۔ اِسی خاندانی روایت کو ڈاکٹر آزاد نے بھی بحسن وخوبی قائم رکھا اور حمد، نعت، مناقب، قصائد، سلام اور مراثی کے ذریعے اللہ، رسول اور اہلِ بیت اطہار کی بارگاہ میں نذرانے پیش کیے۔ ڈاکٹر موصوف نے نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ وابستگی اور پرخلوص محبت کو اس طرح نثر اور نظم میں منسلک کیا ہے کہ اس کو دیکھ کرامتِ اجابت سے وابستہ لوگ بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی اور دیارِ نبی سے متعلق اپنے دلی

جذبات کو شعری جامہ پہناتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

ہے چشم تصور میں بسا کوئے مدینہ — رہ رہ کے کھنچا جاتا ہے دل سوئے مدینہ
مکہ میں ہے اللہ کا گھر خوب ہے لیکن — کاشانۂ محبوبِ خدا کوئے مدینہ
اب ذہن ہے مسرور مری روح معطر — جب سے بسی احساس میں خوشبوئے مدینہ

☆

مدینہ منورہ کی خاک میں ہے وہ کشش — اِدھر اُدھر جدھر گئی نظر ٹھہر ٹھہر گئی
مدینہ پر بہار ہے نبی کا یہ دیار ہے — چلی کسی بھی سمت سے یہیں ڈگر ڈگر گئی

(ہمارے رسول،ص ۴۰، ۴۱، ۲۳۸، ۲۵۵)

ہری داس اختر

اختر ہری داس سکھ قوم میں اردو ادب کے ایک ممتاز عالم و ادیب کی حیثیت سے مشہور تھے۔ گوجرانوالہ پاکستان آبائی وطن تھا۔ شعر گوئی سے قدرتی طور پر ذوق و شوق رکھتے تھے اور قیس جالندھری سے اپنے منظوم کلام کی اصلاح لیا کرتے تھے۔ اختر صاحب نے غزل، قطعہ اور نظم جیسی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن نعت گوئی کو باعثِ فخر وانبساط سمجھتے تھے اور اس کو اپنی شناخت بنائے ہوئے تھے۔ حسب ذیل اشعار کے آئینے میں جس کو بخوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

جس وقت نظر آئے کچھ آثارِ مدینہ — حاجی نظر آئے سبھی سرشارِ مدینہ
ہر ذرہ مدینے کا ہے رشکِ مہِ انوار — رشکِ گل فردوس ہے پُرخارِ مدینہ
حاصل ہوئی کونین کی دولت اُسے اختر — حاصل ہوا جس شخص کو دیدارِ مدینہ

(بہر زماں بہر زباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم،ص ۱۰۶)

شیام سندر، باصر کشمیری

اکثر شعراء نے اس پاکیزہ سوچ کے ساتھ نعت گوئی کا سہارا لیا ہے کہ اس بابرکت صنف نعت کی بدولت ہمارے لفظوں کو بھی شعروادب میں ایک معتبر مقام اور ادبی عروج حاصل ہوجائے۔ بقول ڈاکٹر واحد نظیر۔

یہ صنفِ نعت نہ ہوتی تو سوچتے ہیں ہم — کہ اپنے لفظوں کو کس طرح معتبر کرتے

غالباً اسی تصور کو ملحوظ رکھتے ہوئے باصر کشمیری صاحب نے نعت گوئی کو اپنا خاص محور بنایا ہے۔ اور اپنی نعت بہارِ مدینہ میں مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے بہتر ثابت کیا ہے۔ ایک مخمس نما نظم میں نبی رحمت

کے قدمہائے مبارکہ کی بدولت مدینہ کو باغِ ارم اور رشکِ صد طور بیان کیا ہے اور نعت بعنوان چراغِ انجمن میں رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے افضل اور ارضِ وفا تسلیم کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

محمد نے فرمائی مکہ سے ہجرت نمایاں ہے یہ افتخارِ مدینہ
چلوں سر کے بل میں زہِ فخر و عزت بلائے اگر تاجدارِ مدینہ
چلو چل کے بیٹھیں وہیں شیام سندر کہ ارضِ وفا ہے دیارِ مدینہ

(بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعرا: تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، آنسہ نگار سلطانہ، ۱۹۹۲ء، ص ۲۷۰، بہر زماں بہر زباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص ۱۶۲)

راجیند رنرائن سکسینہ، بسملؔ شمس آبادی

بسملؔ شمس آبادی (فرخ آباد، یو پی) ایک دولت مند اور علم دوست کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور وکالت کے پیشے سے وابستہ تھے لیکن شعر و سخن سے بھی آپ کو گہرا شغف تھا۔ حمد، نعت، منقبت، غزل، قصیدہ، سلام اور مرثیہ پر مشتمل آپ کے چار مجموعے، گلِ صحرا، زخمِ نہاں، رِستے چھالے، اور خشتِ حرم زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر کافی شہرت اور اتر پردیش اردو اکیڈمی سے انعامات حاصل کر چکے ہیں۔ بالخصوص شعری مجموعہ خشتِ حرم آپ کی نعتوں، منقبتوں، مرثیوں اور مسلم تیوہاروں پر مشتمل نظموں کا بہترین شعری شاہکار ہے۔ جس کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف نے قرآن و حدیث اور سیرت کی کتابوں میں نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناقب اور آپ سے منسلک اشیا و امور کو بحسن و خوبی پڑھا اور سمجھا ہے۔ بطورِ ثبوت ان کے ان اشعار میں غور فرمائیں۔

ایسی ہے کشش والی اک ذات مدینے میں جی میں ہے گزاریں ہم دن رات مدینے میں
یہ فیض نبی کا ہے یہ ان کی کرامت ہے بگڑی ہوئی بنتی ہے ہر بات مدینے میں
بخشش کی تمنا ہے بسملؔ تو مدینے چل ملتی ہے یہ بے مانگے خیرات مدینے میں

(ہمارے رسول، ص ۲۸۷-۲۸۹)

بسنت لال، بسنتؔ گڑھ مہاراجوی

رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اتنی بلند و ہمہ گیر ہے کہ اس کو کسی ایک مذہب، ایک قوم یا کسی ایک زبان تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بنا امتیاز مذہب و ملت ہر قوم کے اہلِ علم و دانش نے نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا

ہے۔اس سلسلے کی ایک اہم کڑی بسنت لال بسنت ہیں، جنھوں نے محبوبِ خدا اور دیارِ مصطفیٰ دونوں کا بہت ہی شائستہ، شستہ اور شگفتہ انداز میں ذکرِ جمیل کیا ہے۔جیسے۔ ؎

کیوں رشک ارم ہو نہ وہ گلزار مدینہ جس باغ کے مختار ہوں سرکارِ مدینہ
ہر صبح ہے رنگین تو ہر شام ہے دلکش ہے خلدِ بریں، کوچۂ و بازارِ مدینہ
غربت پہ نثار اس کی بسنت اہلِ زمانہ حاصل ہو جسے دولتِ دیدارِ مدینہ

(بہرِ زماں بہرِ زباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص۱۷۴)

رادھارمن، جوشؔ بدایونی

جوش بدایونی نے غزل، قطعہ، نظم اور رباعی جیسی مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ جوہر بدایونی اور جویا آنولوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں سیماب اکبرآبادی، تولا بدایونی، فانی بدایونی، فوق سبزواری، انجم فوقی بدایونی اور آفتاب احمد جوہر جیسے شعروادب کے ماہرین سے بھی اکتسابِ فیض کیا ہے۔ ''آتشِ خاموش'' کے نام سے ان کی غزلوں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اگر ہم بات کریں ان کے نعتیہ کلام کی تو اردو ادب کے غیر مسلم شعرا میں ہر دور میں کچھ نہ کچھ نعت گو شعرا کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ جن میں سے کچھ نے تو رسمِ شاعری کے طور پر اور کچھ نے والہانہ عقیدت و محبت کے ساتھ نعتیہ کلام کہا ہے۔ بیسویں صدی کے جوش بدایونی کے مجموعۂ نعت و منقبت ''کیفِ سرمدی'' کے مطالعے سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے رسماً نہیں بلکہ عقیدتاً اپنے جذبات کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ نبیِ رحمت اور آپ کے مقدس دیار مدینہ منورہ سے وابستہ قلبی واردات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

وہ جامِ بادۂ وحدت پیا مدینے میں اتر گیا نشۂ ماسوا مدینے میں
مئے طہور، سرورِ حیات، غم سے نجات خدا کا شکر کہ سب کچھ ملا مدینے میں
کبھی طوافِ حرم خواب میں کیا اے جوش کبھی خیال نے پہنچا دیا مدینے میں

(ہمارے رسول، ص۳۲۰، ۳۲۱)

چندر پرکاش پاریکھ، چندؔر جے پوری

سیرت نبوی جملہ انسانی کائنات کے لیے باعثِ رحمت اور شمعِ ہدایت ہے۔ جس سے غیر مسلم اہلِ علم و دانش بھی بہت متاثر ہوئے ہیں بالخصوص غیر مسلم شعرا نے سیرتِ رسول کے مختلف پہلوؤں کو موضوعِ سخن بنا کر بہت عمدہ اشعار کہے ہیں۔ چندؔر جے پوری بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔

حکومتِ راجستھان میں ملازمت کے ساتھ تقریباً ۲۵ سال اردو، ہندی اور برج بھاشا میں نہ صرف معیاری اشعار کہتے رہے ہیں بلکہ ہندوستانی سطح کی ادبی وشعری محافل، ریڈیو اور دوردرشن میں بھی اپنی شرکت درج کراتے رہے ہیں۔ لیکن شعرگوئی کی تمام اصناف میں نعت آپ کا محبوب موضوع تھا جس کو نہ صرف احترام سے پڑھتے تھے بلکہ انتہائی محبت سے لکھتے بھی تھے۔ آپ خود ہی دیکھئے۔ ؎

نہیں ہے لعل و گہر کی مجھے کوئی خواہش — نصیب ہو مجھے مٹی خدا مدینے کی
نبی ہے کون؟ یہ پوچھا تو کہہ دیا احمد — کسی نے آرزو پوچھی کہا مدینے کی
دماغ کیوں نہ مہکنے لگے مرا چندؔر — مرے قریب سے گزری ہوا مدینے کی

(ہمارے رسول، ص ۳۲۹-۳۳۰)

نرائن داس ٹنڈن، دیاؔ بریلوی

دیا بریلوی اردو اور فارسی کے ایک اچھے دانشور تھے۔ مذاقِ سخن فطری طور پر طبیعت میں موجود تھا۔ شعر وسخن کی مختلف اصناف میں شعر کہنے کی جدوجہد کی۔ بطورِ اصلاح بریلی کے ممتاز شاعر بلدیو پرشاد سوزن کا شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ کے کلام کا ایک مجموعہ ''شامِ بہاراں'' کے نام سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے غزل اور نظم وغیرہ اصناف سخن میں کلام کہنے کی کوشش کی ہے لیکن رسول اور مدینۂ رسول کے بارے میں جو مدح سرائی کی ہے وہ انتہائی قابلِ تحسین ہے۔ جیسے۔ ؎

کوئی مجھ سے پوچھے وقارِ مدینہ — ہے اکسیرِ ہر غم غبارِ مدینہ
مرے غم کا حامی، مرے غم کا درماں — بنا اور رہا غم گسارِ مدینہ
دیاؔ راہِ حق میں ہوں ہم گامزن سب — یہی ہے یہی افتخارِ مدینہ

(تذکرہ شعراءِ اتر پردیش، جلد ا، ص ۱۱۷)

رام ناتھ شرما، رمنؔ امروہوی

رام ناتھ امروہوی، رام کسان انٹر کالج بادشاہ پور میں بطور آرٹ لکچرار اپنی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ کتب بینی اور ادبی وسماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ان کا بہترین شوق تھا۔ عنفوانِ شباب ہی سے شعر گوئی کی مشق کرنا اور امروہہ میں نعت ومنقبت کی محافل میں شرکت کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے غزل، نظم، نعت، منقبت، سلام اور رباعی وغیرہ کی صورت میں اپنے تخیّل و تصور کو شعری جامہ پہنانے کی سعیٔ جمیل کی ہے لیکن صنف نعت میں جو جولانیٔ فکر کے جوہر دکھائے ہیں ان کو ہم ان اشعار میں محسوس کر سکتے ہیں۔ ؎

پرمیش نے کی مدحت سلطانِ مدینہ دیکھو تو مقامِ شہِ ذیشان مدینہ
میری بھی تمنا ہے کہ درشن کروں جا کر فردوسِ بریں ہے تہہِ دامانِ مدینہ
حیراں ہے رمن کیوں ابھی محرومِ عطا ہے ہے دل میں بسا اس کے بھی ارمانِ مدینہ

(رمن امروہوی، صدائے دل (مجموعۂ کلام) علی گڑھ، ندھی کمپیوٹرس، ۲۰۰۷ء، ص ۶)

تیجونت رائے، ساحر سنامی

اکثر غیر مسلم شعرا کی نعتوں میں جذبات واحساسات کی حدت، اظہارِ بیان کی شگفتگی اور ندرتِ خیال کی شیرینی پائی جاتی ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے مصلحتاً نعتیہ کلام نہیں کہا ہے بلکہ محبتِ رسول میں اس نعمت سے خود کو شرف یاب کیا ہے۔ ایسا ہی ایک نام ساحر سنامی کا ہے۔ شاعری کا ذوق و شوق جن کی طبیعت سے نمایاں ہوتا تھا۔ اچھے اشعار کہتے تھے اور جوش ملسیانی سے اصلاح لیتے تھے۔ اچھے شاعر ہونے کے علاوہ آپ ایک بہترین نثر نگار، انشا پرداز اور نثر و نظم میں تیر و نشتر، پیامِ وطن، بہارستان، گلِ صد رنگ اور کلیات برہمن جیسی ادبی کتب کے تخلیق کار تھے۔ آپ نے مختلف اصنافِ سخن میں شعری تخلیقات کے نمونے پیش کیے ہیں لیکن صنفِ نعت میں آپ کا اندازِ بیان نہایت سادہ، عام فہم اور حقیقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ نبی اور دیارِ نبی سے متعلق اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

اے باعثِ صد فخر جہاں، شانِ مدینہ اے نغمہ سرا بلبلِ بستانِ مدینہ
اے موجب صد شانِ وطن جانِ مدینہ اے رنگِ وفا زینتِ ایوانِ مدینہ
کہتے ہیں تجھے اہلِ نظر جانِ مدینہ ہو روح مری بلبل بستانِ مدینہ

(نغمۂ ناقوس: تذکرہ ہندو شعرا، ص ۱۵۴)

گوبند سرن نگم، نفیس لکھنوی

غیر مسلم شعرا نے سیرتِ رسول کے علاوہ اسلامی افکار و تصورات اور اسلامی تہذیب و تاریخ کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اور پھر اس کو نعتیہ اشعار میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس میں زبان و بیان اور لہجے کی نزاکت و پاکیزگی کا بھرپور خیال رکھا ہے۔ بیسویں صدی کے ممتاز شاعر نفیس لکھنوی بھی اسی فہرست میں شامل ہیں کہ جنھوں نے سید ظفر عباس فضل نقوی کے زیرِ تربیت و اصلاح غزل، نظم، قطعہ اور رباعی کے علاوہ بہترین نعتیہ کلام بھی کہا ہے۔ موصوف کے حسب ذیل اشعار جس کی بخوبی غمازی کرتے ہیں۔ ؎

ممتاز ہے کونین میں ایمانِ مدینہ بھولے گا زمانہ نہ کبھی شانِ مدینہ
کس شخص کو ہوسکتی ہے انکار کی جرأت ہر گوشۂ عالم پہ ہے احسانِ مدینہ

میں دل میں نفیس اپنے گناہوں پہ ہوں نادم | اب میری طرف دیکھیں گے سلطانِ مدینہ

(عرفان عباسی، آپ ہیں، لکھنؤ، سرفراز پریس، ۱۹۸۶ء، حصہ سوم، ص ۱۹۹)

لالہ جگدیش لال زتشی، شوقؔ مرادآبادی

شوقؔ مرادآبادی کے نعتیہ کلام میں شعر گوئی کے تلازمات اور مناسبات کا اہتمام، الفاظ کا حسنِ بیان، جذبات کی بلندی، تصورات کی صداقت اور احساسات کی طہارت نظر آتی ہے۔ جو قاری اور سامع کے دل پر بہت گہرا اثر کرتی ہے۔ آپ خود ہی محسوس کیجیے۔

سرچشمۂ انوار ہے مینارِ مدینہ | صد زینتِ کونین ہے دربارِ مدینہ
تہذیب و تمدن کو نیا رنگ ملا ہے | دنیا میں ضیا بار ہے انوارِ مدینہ
ہے تکملۂ عشق مرا جذبۂ ایماں | میں چڑھ کے کہوں دار پہ سرکارِ مدینہ
ہو سر پہ مرے دستِ مبارک دمِ آخر | ہے شوقؔ بھی دنیا میں طلبگارِ مدینہ

(ہمارے رسول، ص ۶۲۲)

مہندر ناتھ اشکؔ، نجیب آبادی

اشکؔ نجیب آبادی عصرِ حاضر کے ایسے غیر مسلم شاعر ہیں کہ جن کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کو غیر مسلم کہنے کے لیے دل مضمحل ہوتا ہے۔ آپ خود ہی غور فرمائیے۔

ذکر سرکار دو عالم کا سنا تھا اِک دن | عمر بھر میرے خیالات سے خوشبو آئی
سوگیا تھا میں مدینے کا تصور کر کے | رات بھر اشکؔ مری ذات سے خوشبو آئی
اللہ مری فکر کو اتنی رسائی دے | میں سوچنے لگوں تو مدینہ دکھائی دے

(ہمارے رسول، ص ۴۷۲)

خیال رہے کہ لفظ مدینہ کے استعمال کے تعلق سے ہم نے غیر مسلم شعرا کے اسی کلام کو ترجیح دی ہے جس میں لفظ مدینہ ردیف کے طور پر استعمال ہوا ہے، باقی وسطِ کلام میں مدینہ منورہ کا ذکر جس کثرت سے ہوا ہے اس کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔

زبان و لفظ کا دعویٰ فقط حدِّ بیاں تک ہے
تصورِ موجِ معنیٰ کا خدا جانے کہاں تک ہے

☆☆☆

ڈاکٹر محمد آصف (امراوتی)

شعرائے ودربھ کی نعتوں میں ذکرِ مدینہ

(نوٹ: اس مقالے میں نعت گوئی کے حوالے سے جن شعراء کا ذکر کیا گیا ہے ان میں (۱) وہ شعراء جو کسی اور علاقے سے ہجرت کر آئے اور ودربھ میں سکونت اختیار کر لی (۲) وہ شعراء جن کی پیدائش ودربھ میں ہوئی اور وہ بعد میں کسی اور علاقے میں جا کر آباد ہو گئے اور (۳) جو ودربھ میں پیدا ہوئے اور یہیں رہے، شامل ہیں۔)

ہندوستان کی ریاست مہاراشٹر کا علاقہ ودربھ دراصل دو قدیم علاقوں پر مشتمل ہے۔ ودربھ کا مغربی حصہ برار کہلاتا ہے جو پانچ اضلاع پر مشتمل ہے جبکہ مشرقی حصہ جس میں ناگپور اور دیگر چار اضلاع شامل ہیں گونڈوانہ کہلاتا ہے۔ ودربھ کے ان دونوں علاقوں میں لسانی ادبی اور علمی نشوونما مختلف ادوار میں واقع ہوئیں حتیٰ کہ دونوں میں سیکڑوں برس کا فرق نظر آتا ہے۔ پس اسی طرح دونوں علاقوں میں اردو زبان کی نشوونما بھی مختلف ادوار میں ہوئی۔ گونڈوانہ سے قبل اردو کی جڑیں برار میں مستحکم ہوتی چلی گئیں۔ برار عہد وسطیٰ میں تقریباً ساڑے پانچ سو سال دکن سے منسلک رہا اور دکنی کے زیر اثر ہی اردو برار میں پھلتی پھولتی رہی۔ دوسری طرف گونڈوانہ میں سترہویں صدی کی چوتھی دہائی میں بھوسلہ راجاؤں کی فوج میں مسلمان سپاہیوں کی وجہ سے اردو اور فارسی کا رواج عام ہونے لگا۔ ۱۷۹۹ء میں سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد ہزاروں مسلمان میسور سے ہجرت کر کے ناگپور آ گئے، نتیجتاً اردو اور فارسی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ یہاں تک کے چند دنوں تک اردو دفتری زبان بھی بنی۔ بعد ازاں بول چال کی زبان اردو ہی رہی۔ اس کے علاوہ ۱۸۶۰ء سے ۱۹۲۰ء کے دوران مشرقی یو پی سے مسلمان تلاش معاش میں ناگپور آئے، جس کی وجہ سے اردو کا عمل دخل اور بڑھ گیا۔

برار عرصۂ دراز تک دکن کا حصہ رہا بلکہ برار کو انتظامی نکتۂ نظر سے ایک مستقل صوبہ کی حیثیت حاصل تھی۔ برار کی زندگی کے جہاں ہر شعبہ پر دکن کا اثر رہا وہیں زبان وادب پر بھی اس کا گہرا اثر ہوا۔

لہٰذا دکن ہی کے زیر اثر اردو کی نشونما ہوتی رہی۔ یہاں ماہرین فن اپنے انداز میں فنکاری کے عمدہ نمونے پیش کرنے لگے۔ شاعری کی دیگر اصناف سخن کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کو بھی عہد قدیم ہی سے فروغ حاصل ہوا۔ ویسے تو ہر شاعر ایک نہ ایک نعت ضرور لکھتا ہے لیکن بعض وہ ہوتے ہیں جو نعت کو اپنی شناخت بنا لیتے ہیں۔ عمر بھر نعت گوئی ہی کرتے ہیں۔ برار کی سرزمین پر بھی ایسے نعت گو شعراء پیدا ہوئے جنھوں نے نعت گوئی میں کمال حاصل کر لیا تھا اور آج تک یہ روایت جاری ہے۔

برار میں نعت گوئی کے حوالے سے سب سے پہلا نام سید بلاقی کا ملتا ہے جو دکنی کے شاعر تھے۔ ان کا انتقال ایلچپور میں ہوا۔ معراج نامہ ان کی مشہور و معروف تصنیف ہے، جس میں انھوں نے واقعہ معراج کو نہایت دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے۔

بکرد جیو دل سوں رکھا او جتن — کہ سید بلاقی نے پایا رتن
قصیدہ میں کہا یوں لطف سوں تمام — کہ سید بلاقی نبی کا غلام

برار کے متقدمین شعراء میں دوسرے بڑے نعت گو شاعر شاہ غلام حسین ایلچپوری ہے۔ شاہ صاحب نے دیگر اصناف شاعری کے ساتھ ساتھ نعت گوئی بھی کی۔ نواب نامدار خاں پنی جرنیل بھی نعت گوئی میں ملکہ رکھتے تھے۔ عبدالوہاب جانی بھی مسلسل نعتیں کہا کرتے تھے۔ وہ زبان و بیان پر فوقیت حاصل کرنے کے لیے نعت گوئی ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

تحریر نعت میں ہے عجیب لطف و ذائقہ — جس کے سبب ہوئی ہے زبان قلم لذیذ

ابوالفتح ضیاءالدین عرف خطیب امجد حسین امجد بحیثیت نعت گو شاعر ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ کے دیوان میں ۱۴۸ نعتیں ملتی ہیں۔ امجد کے علاوہ سہیل نے بھی نعتیہ اشعار لکھے ہیں جن میں مدحت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور معراج کا ذکر ملتا ہے۔ متقدمین میں امجد کے بعد عبدالجلیل باسموی مسرور کا نام ملتا ہے جنھوں نے نعت گوئی میں نام پیدا کیا تھا۔

۱۹۰۰ء کے بعد اردو شاعری کے جدید دور کا آغاز ہوتا ہے جس کا اثر شعراء برار پر بھی ہوا۔ جس سے نعت گوئی بھی متاثر ہوئی۔ اس دور میں نعت کے حوالے سے شیخ محمد معصوم بالاپوری، سید عبدالرازق ایلچپوری ذاکر کے نام ملتے ہیں۔ صوفی غوث علی شاہ بیابانی بھی نعت گو شاعر گذرے ہیں۔ منشی شیخ منیر بھی ایک نعت گو شاعر تھے جن کا تعلق پوسد سے تھا۔ حاذق کا تعلق بھی پوسد ہی سے تھا وہ نعت گوئی کرتے تھے۔ اکبر میاں ایلچپوری اکبر بھی بنیادی طور پر نعت کے شاعر تھے اور دم آخر تک نعت کہتے رہے۔ آج بھی نعت گوئی کا یہ سلسلہ بڑے ہی تزک و شان کے ساتھ جاری ہے۔ عبدالروف آکولوی

شاہد، منشاء الرحمٰن منشاء، صابر براری جیسے شعراء نے بھی نعت گوئی میں نام پیدا کیا۔

عصر حاضر میں اقبال خلش، ڈاکٹر محبوب راہی، متین اچلپوری، خلش تسکینی، حیدر بیابانی اور خان حسنین عاقب جیسے نعت گو شعراء ہیں جو نعت کے میدان میں کمال فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اقبال خلش کا مجموعہ نعت سراج منیر شائع ہو چکا جبکہ رحمت العالمین زیر طبع ہے۔ متین اچلپوری کا قصیدہ رحمت العالمین شائع ہو چکا ہے۔ خلش تسکینی کا مجموعہ نعت معراج سخن کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ اسی طرح حیدر بیابانی کی نعتوں کا مجموعہ میرے نبی بھی شائع ہو چکا ہے جو بچوں کے لیے لکھیں گئی نعتوں پر مشتمل ہے۔ خان حسنین عاقب کا بھی مجموعہ نعت سجدۂ خامہ ریز بھی شائع ہو چکا۔

برار کی طرح گونڈوانہ میں بھی شعراء نے نعت گوئی کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ گونڈوانہ میں اردو زبان وادب کی ترقی کے لحاظ سے ناگپور ضلع اہمیت کا حامل ہے۔ ضلع ناگپور کے علاوہ اردو کے اعتبار سے گونڈوانہ کا کوئی دوسرا ضلع اہم نہیں ہے۔ گونڈوانہ میں نعت گوئی کے حوالے سے سب سے پہلا نقش لالہ پیم چند کی مثنوی ترجمہ شاہنامہ فردوسی اور عاصی کی مثنوی صفات الانبیاء ہے۔ ان دونوں شعراء نے اپنی اپنی مثنوی میں نعتیں لکھی ہیں۔ عہد بھوسلہ کے شعراء میں مولانا غلام رسول غمگین، فیض محمد فیض، سید عباس علی شہرت، محمد عبدالعلی عادل، غلام عبدالقادر خان زلفی اور غلام دستگیر شرق کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس دور میں عادل کی نعتیہ شاعری عروج پر نظر آتی ہے۔ عادل کے آخری دور فتح یاب خان عاصی بھی ایک اچھے نعت گو شاعر تھے۔ اس کے علاوہ چند شعراء ایسے بھی گذرے جنھوں نے سنجیدگی سے نعت گوئی کی جن میں طرفہ قریشی، مولانا اکبر علی اکبر، صابر کوثر، محمد حسن ندیم، ڈاکٹر منشاء الرحمٰن منشاء، رحمت اللہ راشد، ظفر راہی جونپوری شامل ہیں۔ ان تمام شعراء کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جبکہ مانی ناگپوری اور یعقوب ساقی بھی اہم نعت گو شاعر ہیں اگر چہ ان کے مجموعے شائع نہیں ہوئے۔ اس کے علاوہ آذر سیمابی، پیر غلام سالم، شارق جمال، فرید تنویر یٰسین نیر، جلیل ساز، یونس میکش، آصف الہٰ آبادی، یونس انیس، عرفان قنوجی، خضر ناگپوری، لطیف یاور اور شہزاد اسد نعت گو شاعر ہیں۔ ڈاکٹر شرف الدین ساحل شہر ناگپور کے اہم نعت گو شاعر ہیں۔ ان کے مجموعے حرا کی روشنی، مقدس نعتیں، آئینہ حسن یقیں، آئینہ برگ گل، آئینہ تمثال شائع ہو چکے ہیں۔ کامٹی میں بھی نعت کی روایت بہت مستحکم ہے۔ یہاں محمد اسحاق اور محمد فیض اللہ جیسے نعت گو شعراء گذرے ہیں۔ سعید کامٹوی کا مجموعہ نعت فروغ جاوید شائع ہو چکا ہے۔ شاطر حکیمی جیسے صوفی شاعر نے نعت گوئی میں نام پیدا کیا اور ان کا مجموعہ کلام تسکین روح کے نام سے شائع ہوا۔ اس طرح ودربھ میں اردو نعت گوئی

ابتداء سے آج تک مختلف مراحل سے گذرتی ہوئی اپنی تابناکی کے جلوے بکھیر رہی ہے۔

نعت گوئی میں جہاں شعراء حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق دیگر باتوں کا شاعرانہ پیرائے میں اظہار کرتے ہیں وہیں مدینہ سے متعلق والہانہ و عاشقانہ انداز اختیار کرتے ہوئے مختلف مضامین شعر کے قالب میں ڈھالتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو طیبہ میں روضہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقع ہے، اس کے علاوہ احادیث میں مناقب مدینہ کا ورود بھی اس کا باعث بنتا ہے۔ وہ احادیث جن میں فضائل مدینہ بیان ہوئے ہیں ہر مسلمان کو مدینہ کا دیوانہ بنا دیتے ہیں اور پھر جب دیوانہ شاعر ہوتا ہے تو وہ اپنے تخیل کے ذریعے شاعری میں مدینہ سے متعلق مضامین کا ایک گلشن تیار کرتا ہے۔ لیکن عاشق کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ مدینہ میں اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار پرانوار واقع ہے۔ دنیا بھر کے شعرائے نعت نے اپنی شاعری کو ذکر مدینہ سے آراستہ و پیراستہ کیا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ودربھ کے شعرائے نعت اس میں پیچھے رہتے۔ ودربھ کے شعرائے نعت نے بھی نعتیہ شاعری میں ذکر مدینہ کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ یہاں ودربھ کے شعرائے نعت کی نعتیہ شاعری میں مدینہ کا تذکرہ مقصود ہے۔

عبدالوہاب جانی عرف جانؔیا

جانی کا شمار خطیب امجد حسین امجد کے معاصرین میں ہوتا ہے۔ ان کے اشعار میں مدینہ اور یاد مدینہ کا تذکرہ و فراق مدینہ کا اظہار ایک نئے انداز میں ہوا ہے۔ جیسے۔ ؎

مرغ جاں اپنی مدینے میں گذر ہوتی نہیں — کاش اتنی قوت بازو و پر ہوتی نہیں
ہوں مشرف کس قدر رویا میں ان کے نور سے — ایک نظر بھی بند چشم منتظر ہوتی نہیں
چلیے بس سوئے عرب ملک دکن سے جانؔیا — اب گوارا فرقت خیر البشر ہوتی نہیں

☆

کاش مجھ کو نہ مدینہ میں خدا نے رکھا — مضطرب ہجر میں محبوب خدا نے رکھا
نہ زیارت سے مشرف ہوا بے داری میں — نہ تو رویا میں مفخّر کفِ پا نے رکھا
چرخ نے ملک عرب میں نہ لجا کر ناحق — ہند میں آتش ہجراں سے جلانے رکھا (۱)

مدینہ کی جدائی شاعر پر کس قدر گراں گذر رہی ہے۔

حکیم عبدالوہاب اسعدؔ پاتوری

علاقہ برار کے ضلع آکولہ کے ایک دور دراز کی تاریخی بستی پاتور شاہ بابو میں بھی قدیم زمانے سے شعر و شاعری کا چرچا رہا ہے۔ وہیں پر گذشتہ صدی کے اواخر میں ایک شخصیت حکیم عبدالوہاب اسعدؔ

پاتوری رہتے تھے۔ان کی پیدائش ۱۸۴۵ء میں غازی آباد میں ہوئی جبکہ انتقال ۱۹۱۱ء میں ہوا۔ان کی نشونما شاعری کا دور ایسا تھا کہ برار پر سے دکنی کے اثرات پوری طرح زائل نہیں ہوئے تھے اور برار کی شاعری پر بھی دکنی روایات کا رنگ غالب تھا۔ مذہبی وصوفیانہ خیالات و جذبات مقبول تھے اور نئے رجحانات واثرات پوری طرح برار کی اردو شاعری میں داخل نہیں ہوئے تھے۔اسعد کی شاعری پر بھی یہی رنگ غالب ہے۔اسعدؔ کا نعتیہ دیوان دیوان اسعدؔ کے نام سے ۱۳۱۶ھ بمطابق ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا تھا۔اس میں منقبت،نظمیں،نعتیں وغیرہ ہیں۔زبان صاف وشستہ ہے۔روزمرہ سے قریب ہے۔سلاست وروانی بھی پائی جاتی ہے۔براری محاورات بھی جا بجا استعمال ہوئے ہیں۔ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ دیوان امجدی کے اثرات اس پر رہے ہوں (۲)۔اسعد پاتوری نے بڑے ہی والہانہ انداز میں فرقت طیبہ کے احساس کو شعری قالب میں پیش کیا ہے۔

ہوتے نہیں ہم سرمہ تسخیر کے قائل　　خاک رو طیبہ کی ہیں تاثیر کے قائل

دل ہے فراق طیبہ میں مضطر تما م روز　　جاں ہے فراق کعبہ میں مضطر تمام رات

کٹتا ہے دن فراق میں طیبہ کے کس طرح　　اسعدؔ تری گذرتی ہے کیونکر تمام رات (۲)

اکبر میاں اکبرؔ (۱۸۸۵ء۔۱۹۵۳ء)

نعت یہ غزل تیرے موتیوں کی مالا　　نعت کا تری اکبرؔ لفظ موتی ہے

مشہور نعت گو شاعر مولوی اکبر میاں اکبرؔ ایلچپوری ۱۸۸۵ء میں ایلچپور میں پیدا ہوئے۔ان کے دادا قاری مچھو میاں شہر کے نائب قاضی اور نانا حافظ خاں عالم وحافظ تھے۔والد عظیم میاں تاجر تھے۔لیکن انھوں نے اپنے پانچ بیٹوں میں سب سے بڑے اکبرؔ میاں کو تجارت سے دور رکھا۔اکبرؔ کا رجحان ابتداء سے ہی مذہب اور علم وادب کی طرف رہا۔نعت میں برتے جانے والے روایتی مضامین کے علاوہ اکبر نے مدینہ کا بڑا ہی دلنشیں تذکرہ چھیڑا ہے کہ وہ مدینہ کے سوا کچھ نہیں چاہتے اور مدینہ کی جدائی میں غمگین ورنجیدہ بھی رہتے ہیں۔

جنت سے غرض مجھ کو نہ حوروں کی ہوس ہے　　مطلوب ہے اکبرؔ مجھے بستانِ مدینہ

اکبرؔ کو مدینہ میں بلا لو شہ مکی　　رنجیدہ ہے وہ ہند میں دل اسکا خراب ہے (۳)

فتحیاب خاں عاصی

نام فتحیاب خاں اور تخلص عاصی تھا۔ عاصی کی چند نعتیں دہلی سے شائع ہونے والے رسالے

''سفینۂ نجات'' میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔اس رسالے سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ عاصیؔ حافظ قرآن تھے اور غلام دستگیر شرق سے شرف تلمذ تھے۔عاصی کی نعت کے چند اشعار درج ذیل ہیں (۴)۔ان کی نعتوں میں مدینے کی حاضری کی تمنا کا ٹھاٹ مارتا سمندر موجزن ہے۔

بلا لیجیے اب مدینے میں مجھ کو   کہ دل ہند میں اب لگتا نہیں ہے

یہی نہیں بلکہ عاشقان مدینہ کی طرح مدینہ میں موت کے بھی متمنی ہیں۔

غم و رنج و فرقت میں سہتا ہوں بے حد   مرا حال کچھ تم سے اخفا نہیں ہے
خدایا مدینے میں جا کر مروں میں   سوا اس کے کوئی تمنا نہیں ہے (۵)

مولانا ناطق گلاؤٹھوی گو کہ نعت گو نہیں تھے لیکن آپ کے دیوان میں موجود نعت بڑی ہی اہم اور ادبی خوبیوں کی مظہر ہے۔اس کے علاوہ نعتیہ ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔نعت میں ایک شعر یادِ دیار مصطفیٰ اور کیفیتِ دلِ عاشق سے متعلق پیش کی ہے۔

دیار مصطفیٰ کی یاد، دل کی وجہ بیتابی   یہاں ذوق سکوں ہے مادہ شوق مجرد کا

محمد حسن ندیم ناگپوری

محمد حسن ندیم کا تعلق ٹانڈہ ضلع فیض آباد (یوپی) سے ہے۔حسن ندیم ۱۹۱۹ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے جبکہ ۱۹۸۸ء میں ناگپور میں انتقال فرمایا۔ندیم نے شاعری کی شروعات ۱۹۴۳ء سے کی اور ڈاکٹر آذر سیمابی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

محمد حسن ندیم کا مجموعہ کلام ''قوس سخن'' سب سے پہلے ۱۹۹۷ء شائع ہوا تھا، دوسری مرتبہ الحاج محمد کامل انصاری نے ۲۰۱۵ء میں شائع کروایا۔قوس سخن میں حمدِ باری تعالیٰ کے بعد ندیم کی گیارہ نعتیں شامل ہیں، جبکہ ایک سلام بحضور سرور کونین تحریر کیا ہے۔ بعد ازاں مناقبِ عمر و علی و حسین ہیں۔پھر غزلیات کی ابتدا ہوتی ہے۔نعتوں میں مدینہ و ذکر مدینہ بھی بیان کیا ہے۔ندیم کی نعتوں میں کیفیتِ حضوری کو بڑے ہی احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

نظر تو گنبد خضریٰ کے گرداگرد پھرتی تھی   مگر دل کو سلامِ شاہِ والا میں جھکا دیکھا
پروں کو توڑ دے اے طائرِ دل باغ طیبہ میں   بہ منزل گاہِ رحمت تو نے پروازِ رسا دیکھا
مرا دل میری آنکھوں کے مقدر کو ترستا تھا   جب اس کو روضہ اطہر کی جالی سے لگا دیکھا
زمینِ دل لرزتی تھی، فضائے روح نالہ تھی   حرم گاہِ نبی سے خود کو جب ہوتے جدا دیکھا

☆

مدینہ اس لیے صدر شکِ طور آج بھی ہے — کہ اس میں نورِ خدا کا ظہور آج بھی ہے

☆

سوادِ گلشنِ طیبہ جو پار کر جاؤں — ندیم خلد بداماں ہو ہر نگاہ مری (۶)

نہال چند پرتاپ شاہ آبادی

نہال چند پرتاپ شاہ آبادی کا نام نہال چند پرتاپ تھا اور شاہ آباد وطن۔ نہال چند کی پیدائش یکم مئی ۱۹۲۵ء کو راولپنڈی (پاکستان) میں ہوئی۔ ان کی تعلیم دسویں جماعت تک اردو میڈیم سے ڈینس ہائی اسکول راول پنڈی میں ہوئی تھی۔ ہندوستان کے بٹوارے کے دوران انھیں راول پنڈی سے الہ آباد اور کانپور تبادلہ کروا کر آنا پڑا۔ پھر وہاں سے وہ ناگپور آگئے اور ناگپور ہی میں ۳۰ اگست ۱۹۹۹ء کو انتقال ہوا۔ (نوائے دل، پیش لفظ از ڈاکٹر سروشہ نسرین قاضی) نہال چند کے گھر کا ماحول شعر و شاعری کا تھا اس لیے بچپن ہی سے شعر و شاعری سے رغبت پیدا ہوگئی تھی۔ تیرہ برس کی عمر میں جب وہ آٹھویں جماعت میں تھے انھوں نے مختصر افسانے بھی لکھے اور تقریباً اسی عمر میں غزل گوئی کی بھی ابتدا کی۔ اسکول میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ نوائے دل میں رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نعتیں بھی ملتی ہیں۔ ان میں مدینہ طیبہ کا ذکر دلکش پیرائے میں کیا ہے۔ حاضری کی تمنا اور بارگاہِ رسالت میں اپنے روضہ اقدس پر بلوانے کی آرزو کو شعری انداز میں قلمبند کیا ہے۔ ؎

مجھ کو بھی بلوایئے گلزارِ طیبہ میں حضور — ہند میں گھبرا رہا ہوں ہوکے پامالِ جفا

تخت کی حسرت نہ دل میں آرزو ہے تاج کی — بس مجھے سرکار اپنے در کا درباں کیجیے

☆

اسے ہے میرے دل میں تمنا کوئے احمد کی — مگر حسرت نہ یہ دل سے الہ العالمین نکلی

نہ کیونکر خاک چھانیں اہل دل کوئے پیمبر کی — اسی کوچے سے تو ہے راہ فردوس بریں نکلی (۷)

آصف الہ آبادی

آصف الہٰ آبادی کی ولادت ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔ آپ الہٰ آباد کے رہنے والے تھے۔ ناگپور کے امپریس مل میں مستقل ملازم تھے۔ انھوں نے ۵ فروری ۲۰۰۱ء کو تقریباً ۷۱ برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔ مسلم قبرستان مومن پورہ ناگپور میں سپرد خاک ہوئے۔ ان کی شاعری کا آغاز ۱۹۵۵ء کے آس پاس ہوا۔ (شرف الدین ساحل، ص ۱۰، صدف دل) آصف الہٰ آبادی کا شعری مجموعہ ''صدف دل''

۲۰۱۳ء میں شکیل احمد صاحب نے مرتب کر کے شائع کروایا ہے۔ مجموعہ کی ابتدا ہی میں چار (۴) بہترین نعتیں شامل ہیں۔ آغاز ہی میں ایک نعتیہ شعر لکھا ہے۔

نامِ سرکار وردِ زباں ہے آصف اپنا مقدر بنالے

آصف کی نعتیہ شاعری میں احساس ، وجدان، عرفان اور مشاہدہ کی جلوہ باریاں جابجا نظر آتی ہے۔ آپ کی شاعری میں سہل ممتنع کی مثالیں ملتی ہیں۔ مدینہ زمین و مدینہ کی صبح و شام کا بیان نہایت ہی خوبصورت اسلوب میں بیان کیا ہے، ملاحظہ کیجیے۔

یہاں کی زمیں رحمتوں کی امیں ہے مدینہ نہیں بہشت بریں ہے
مدینہ کی ہر شام ابر بہاراں ہر اک صبح جامِ طہور آفریں ہے
ہمیں بھی جگہ دے زمینِ مدینہ ہماری محبت کا حاصل یہیں ہے

(صدف دل، آصف الہٰ آبادی، ص ۱۷)

آذر سیمابی

مری نظر نے لی بال و پر مدینے سے حریم عرش کو چھو آئی دل کے زینے سے
جو اپنے دوش پہ آذر مدینہ لے جائے وہ موج درد اٹھے آج میرے سینے سے (۹)

نظر کا مدینے سے بال و پر لینا اور حریم عرش کو چھو آنا ایک اچھوتا خیال شاعر نے پیش کیا ہے۔ مزید سینے سے اٹھنے والی موج درد کا شاعر کو اپنے دوش پر مدینے لے جانا کیسا بہترین اندازِ تخیل ہے، جس سے مدینہ سے متعلق شاعر کی سوچ و فکر کی خوشبو پھیل رہی ہے اور قاری بھی مدینہ کی یادوں میں کھو سا جاتا ہے۔

سالم ناگپوری

ذکر نبی میں ہے تو زباں بے مثال ہے طیبہ کی سوچتا ہے تو اچھا خیال ہے
صد رشک آفتاب ہے وہ ذرہ جہاں ان کے خرام ناز سے جو پائمال ہے (۱۰)

یٰسین نیر

ہم جو قسمت سے دیار شہہ طیبہ دیکھیں پھر پلٹ کر نہ کبھی جانب دنیا دیکھیں (۱۱)

کلیم الدین شاد

اگر ہو یاد سے خالی تو خار لگتی ہے جو دل میں عشق نبی ہو تو پھول ہے دنیا

در رسول پہ جانے سے روکتی ہے ہمیں		ہماری راہ میں خار ببول ہے دنیا (۱۲)

اظہر حسین اظہر

سبز گنبد سے گذرنے کی ادا جانتی ہے		ان کی تعظیم کے درجات ہوا جانتی ہے

☆

اے خدا مجھ کو بھی دکھلا دے مدینے کی بہار		اس سے پہلے کہ مری آنکھ میں جالے پڑ جائے (۱۳)

محمد اسحاق اسحاق

جب بہار روضۂ اقدس نظر آئی مجھے		بارور میرا نہال یاس و ارماں ہوگیا

☆

بلا لو مدینے میں یا بادشاہ مجھ کو		مرا ہند میں دل بہلتا نہیں ہے (۱۴)

محمد فیض اللہ فیاض

یاد جب آئی مجھے دشت مدینہ کی بہار		پھر گیا آنکھوں میں نقشہ خلد کے گلزار کا (۱۵)

حافظ انور

نہیں جو کوئے نبی کی بہار جنت میں		نہ آئے گا دل وحشی قرار جنت میں

☆

پڑتے نہیں خوشی سے زمیں پر مرے قدم		درپیش ہے سفر جو مدینے کی راہ کا
یہ مہر جس کے حسن کی عالم میں ہے دھوم		اک ذرہ ہے فلک پہ تری جلوہ گاہ کا (۱۶)

روایتی مضامین عموماً شعرائے نعت مدینہ سے متعلق تحریر کرتے ہیں وہیں مذکورہ بالا شعراء کے یہاں بھی بیان ہوئے ہیں۔

اسرار الحق فیاضی

عصر حاضر میں ایک اہم نام اسرار الحق فیاضیؔ کا ہے۔آپ کا نام اسرار الحق فیاضیؔ اور قلمی نام حق فیاضی ہے۔آپ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو کامٹی میں پیدا ہوئے۔مختلف جرائد اور اخباروں میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔فیاضی نے غزل کے ساتھ حمد و نعت کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ان کی غزلوں میں بھی اسلامی شناخت و تلمیحات کی عمدہ مثالیں مل جاتی ہیں۔اسرار الحق فیاضی کا مجموعہ کلام ''احساس برتری'' ۲۰۱۵ء میں آئیڈیل پبلی کیشن ہاؤس، کامٹی سے شائع ہوا۔جس میں غزلیات کے علاوہ حمد و

نعت اور مناقب بھی شامل ہیں۔ اس مجموعہ میں ۱۳؍ تیرہ نعتیں موجود ہیں۔ نعتوں میں مدینہ کے دیدار کی تمنا اور اس سے ایمان کے جلا پانے کا بیان ملتا ہے۔

یارب دکھا دے بابِ شہنشاہِ دوجہاں — ابتر ہے میرا حال وہ بہتر بنائیں گے
دیکھیں گے ہم بھی گلشن سرور انبیاء — ایمان کو مثالِ گلِ تر بنائیں گے

☆

محبت تو محبت ہے محبت ورغلاتی ہے — تصور کی نظر منظر مدینے کا دکھاتی ہے

☆

طبیعت پھر نہیں لگتی کہیں اس کی اے فیاضی — نظر جس کی نبی کے آستاں پر بیٹھ جاتی ہے(۱۷)

خلیل انجم

جاگزیں مرے دل میں الفت مدینہ ہے — مغفرت کی منزل کا ایک یہی تو زینہ ہے(۱۸)

خلش قادری

اتنا تو دعاؤں میں الٰہی اثر آئے — جب موندلوں آنکھیں تو مدینہ نظر آئے(۱۹)

روش جعفری

ان آنکھوں پر نچھاور باغ جنت — ہے جن کو شوق دیدار مدینہ (۲۰)

مذکورہ شعراء کے یہاں مدینہ اور یادِ مدینہ اپنی آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ ان میں اکثر شعراء نے تبرکاً نعت لکھی ہے اور کچھ شعراء کے یہاں ایک سے زیادہ نعتیں ملتی ہیں۔ ان میں بھی مدینہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ لیکن ودربھ میں کچھ شعراء ایسے ہیں جنھیں نعت نے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اور ان شعراء کے مجموعہ نعت بھی شائع ہوئے ہیں۔ ذکر مدینہ اور مدینہ سے متعلق جتنے مضامین نعت گو شعراء کے یہاں پائے جاتے ہیں ان تمام کا التزام ودربھ کے نعت گو شعراء کرام نے بھی کیا ہے۔ آیئے ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔

امجد حسین خطیب (۱۲۴۸ھ۔۱۳۲۳ھ)

برار کی مشہور شخصیت۔ شاعر اور مصنف تاریخ امجدی۔ ابوالفتح ضیاء الدین محمد عرف سید امجد حسین خطیب وقاضی خاں ایلچپوری کے اجداد بروایت قدیم شاہ دولہ رحمٰن غازی کے لشکر کے ہمراہ غزنی سے آئے تھے۔ اپنے زمانے کے فضلاء میں شمار ہوتے تھے۔ تاریخ امجدی فارسی جو برار کی تاریخ ہے ان کا

زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ انہیں علم وشاعری سے قلبی لگاؤ تھا۔ ان کا دیوان حیدرآباد سے ۱۳۱۳ھ میں شائع ہو چکا ہے اور تاریخ امجدی ۱۸۷۶ھ میں شائع ہوا۔

خطیب نے اپنے دیوان کا نام۔ ''دیوان امجد'' رکھا ہے اس میں حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی۔ اہل بیت کے حالات۔ سعدیؔ۔ غوث الاعظم۔ مولانا قدسی۔ مولانا کافی وغیرہ کے کلام پر تضمین وغیرہ لکھی ہیں۔

لکھا کرتا ہوں مدحت قمر بشر اس سوچ میں رہتا ہوں شام و سحر

امجد کی نعتوں میں ذکرِ مدینہ جابجا اپنی آب و تاب کے ساتھ جلوگر ہے۔ امجد کے یہاں طیبہ سے دوری باعث غم ہے اور وہ تمنا کرتے ہیں کہ کسی طرح طیبہ پہنچ جائے اور وہاں سے دوبارہ لوٹ کر اپنے وطن واپس نہ آئے بلکہ وہیں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

بادِ صبا دکن سے جاتی ہے سوئے طیبہ امجد کے شوقِ دل کا لے کر پیام گویا

☆

کہہ رہا ہوں اللہ والوں کا سنا ہے جب سے حال کیا انھیں شہرِ طیبہ میں قضا تھی میں نہ تھا
میری کمبختی تو دیکھو اس مبارک سال میں روضۂ احمد پہ اک خلق خدا تھی میں نہ تھا

☆

روضہ نظر آجائے رسولِ مدنی کا حاصل ہو مجھے لطف غریب الوطنی کا

☆

روضۂ سلطانِ عالم کی زیارت کرکے پھر مسجد نبوی کا وہ محراب و منبر دیکھنا

☆

جو محمد مصطفٰے کے شہرِ ذیشاں میں رہا جیتے جی گویا کہ وہ فردوسِ رضواں میں رہا

☆

کیا خوب ہوتا امجد دلخستہ تو اگر طیبہ میں جاکے عمرِ دو روزہ گذارتا

☆

اے صبا مجھ کو دیارِ مصطفٰے تک تو لے چل ہوں تو مفلس پر تجھے دیتا ہوں جاں نذرانہ آج

☆

دوری میں مدینے کے دل زار یہ امجدؔ تڑپے ہے صدا مرغِ گرفتار کی مانند

☆

فاقہ مجھے قبول مدینے کی مفلسی　فردوس کی نہیں مجھے ناز و نعیم خوش

☆

الٰہی ایسی بھی ساعت ہوگی کہ سر سے طیبہ کو جائیں گے ہم
غبارِ نعلین مصطفیٰ کو بجائے سرمہ لگائیں گے ہم

کاش پہنچاویں مدینہ کو سفینہ میرا　جوشِ گریہ سے مرے دیدے ہیں طغیانی میں(۲۱)

تمام اشعار یادِ مدینہ اور حسرت دیدارِ مدینہ کا پتہ دیتے ہیں۔حقیقت میں شاعر اپنے عشق مدینہ کو مختلف انداز میں پیش کررہا ہے۔

سعید کامٹوی

نام محمد سعید اور تخلص بھی سعید ہی لکھتے تھے۔سعید کے آباو اجداد اتر پردیش کے شہر مئو کے رہنے والے تھے۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دو سال بعد سعید کے والد تلاش معاش میں ہجرت کرکر کامٹی چلے آئے(۲۲)۔سعید نے اردو،عربی اور فارسی کی تعلیم حافظ محمد شکراللہ سے حاصل کی۔انھوں نے تینوں زبانوں میں دسترس حاصل کرلی تھی۔ان پر ابتدا ہی سے مذہبی رنگ غالب تھا۔سعید سلسلہ طریقت میں شاہ عشرت بدخشانی کے مرید تھے۔سعید نے ۱۱،اپریل ۱۹۳۰ءکو اس جہانِ فانی کو خیر باد کہا (۲۳)ان کے نعتیہ اشعار کا پہلا مجموعہ ’’فروغ جاوید‘‘ عرف نعتِ سعید کے نام سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوا۔(انتخاب کلام سعید،ص۱۵) سعید کامٹوی،کامٹی کے پہلے نعت گو شاعر ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ کامٹی میں نعت گوئی کے بنیاد گذار شاعر ہیں۔سعید نے کامٹی میں نعت گوئی کی روایت قائم کی ان کے بعد ان کے شاگردوں نے بھی اسے مزید ترقی دی۔ان کے نعتیہ مجموعہ ’’فروغ جاوید‘‘ میں جہاں مختلف نعتیہ مضامین پائے جاتے ہیں،وہیں مدینہ سے متعلق مضامین بھی ملتے ہیں۔ایک مکمل نعت جس میں ردیف ’خواہش‘ استعمال کی گئی ہے میں مدینہ اور یاد مدینہ و حسرت دیدار مدینہ کو مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا ہے،ملاحظہ کیجیے۔ے

جنت کی تمنا ہے نہ انہار کی خواہش　رہتی ہے مگر شاہ کے دیدار کی خواہش
دیکھوں نہ بجز صورت اطہر کوئی صورت　ہر دم ہے ترے طالب دیدار کی خواہش
رضواں ہوں فدائے چمنِ کوئے محمد　کس کو ہے ترے خلد کے گل زار کی خواہش
خواہاں نہیں یا شاہ ہوں میں ظل ہما کا　رہتی ہے ترے سایہ دیوار کی خواہش

کاہیدگی ایسی ہو کہ اڑ جائے مدینہ یارب یہ ہماری ہے تنِ زار کی خواہش
محشر میں کہے گا یہ خداوند دوعالم میں راضی جو جو ہے مرے دل دار کی خواہش
کب پھر کے مدینے سے سعیدآتے ہیں دیکھیں ہے دل میں قدم بوسی زوار کی خواہش
(فروغ نعت

نعت میں سادگی، سلاست، روانی بلا کی ہے۔ عشق مدینہ کی شیرینی و چاشنی ہر شعر سے ظاہر ہو رہی ہے۔

شاطر حکیمی

غلام محی الدین نام اور تخلص شاطر حکیمی تھا۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام عارف باللہ الحاج صوفی شاہ عبدالحکیم تھا۔ آپ کے آبا و اجداد سلطان محمود غزنوی کے عہد سلطنت میں ملکِ عرب سے ہندوستان کے شہر لکھنو تشریف لائے۔ آپ کی پیدائش یکم مئی ۱۹۱۲ء کو کامٹی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے جامعہ عربیہ اسلامیہ سے مولوی کی سند حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر اور ۱۹۷۷ء میں سبکدوش ہوئے (ص ۱) ۱۹۳۱ء میں شاعری کا آغاز کیا۔ ابتدا میں حافظ انور کامٹوی سے اصلاح سخن لیا کرتے تھے۔ بعدازاں حضرت نواب وحیدالدین غازی سے اصلاح لینے لگے۔ ۱۹۷۶ء میں ادارۂ تاج کامٹی کی جانب سے آپ کو 'مسیح غزل' ایوارڈ دیا گیا۔ ۱۹۸۰ء میں بزمِ غالب کی جانب سے نقد پانچ ہزار روپیے اور شال سے نوازا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں ناگپور کی گوشٹی سنستھا کی جانب سے ''شیوڑے ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔ ۷/دسمبر ۱۹۸۸ء صبح گیارہ بجے بمقام آستانہ صوفی کامٹی میں آپ کا انتقال ہوا۔ (شاطر حکیمی فن و شخصیت)

شاطر کے نعتیہ کلام میں عشق مدینہ، شوقِ مدینہ و تمنائے دیدار مدینہ و دردِ مدینہ کی کیفیت جابجا نمایاں ہے۔

کعبہ معراج نظر ہے کہ مدینہ دیکھیں شاد ہوتا ہے کہاں ذوقِ نظارہ دیکھیں
ہم نشیں بارشِ انوار توجہ مت پوچھ جی میں آتا ہے کہ بس جانب طیبہ دیکھیں
عقل ہے مانع دیدار تمنا بے تاب شوق کہتا ہے کہ چل کوئے مدینہ دیکھیں
کیسی فردوس بریں کیسی تمنائے نجات آؤ شاطر شہ کونین کا روضہ دیکھیں

☆

گلزار معانی ہے نہ فردوس بریں ہے　　تسکین دل زار مدینے کی زمیں ہے
مایوس نہ کر حسرتِ دیدار مدینہ　　قدموں کی زیارت کا مجھے پورا یقیں ہے
آوارگی عشق نہ در در کی اڑا خاک　　کونین کا حاصل تو مدینے کی زمیں ہے

☆

آ رہی ہے ابھی آتی ہے مدینہ سے نوید　　دلِ بیتاب کو باتوں میں لگائے رکھیے
شدت درد کا احساس نہ بڑھ جائے کہیں　　ان کی چوکھٹ پہ نظر اپنی جمائے رکھیے

☆

جرات شوق دیا ہے تو نظر بھی دیدے　　تیرے کوچہ میں ترا فیض قدم تک دیکھوں
دل شاؔطر کوئی تدبیر مدینہ کرلے　　اور کب تک میں تجھے سرحدِ گم تک دیکھوں

☆

دامن جو لگے ہاتھ مدینہ کی زمیں کا　　دیوانے کبھی نام نہ لیں خلد بریں کا
وہ سجدہ گہہ شوق سکونِ دلِ شاؔطر　　چلیے وہیں پلیے یہ تقاضا ہے جبیں کا

☆

کاکل ورخ کے شیفتہ پاتے جو بارائے صبا　　سب مدینہ دیکھتے شام حرم سے دور دور
نظارۂ حقیقت کبریٰ کریں گے ہم　　پردہ اٹھاکے سیر مدینہ کریں گے ہم
اے کوئے مصطفیٰ کی تمنا جدا نہ ہو　　تیرے بغیر جی کے بھلا کیا کریں گے ہم

☆

زہے شوق بے اختیارِ مدینہ　　فروغِ نظر ہے دیار مدینہ

☆

کوچے میں سمٹ آئی کونین کی رعنائی　　سلطانِ دوعالم کے دربار کا کیا کہنا

☆

جوشِ طلب کا جذبہ محدود ہو نہ جائے　　دامن دراز کردے اے رحمت مدینہ (۲۴)

عشق و تخیل کا حسین امتزاج یہاں ان اشعار میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ کیف و سرور، مسرت و انبساط، حسن وفطرت مدینہ کے بیان نے اشعار میں شائستگی و شگفتگی پیدا کردی ہے۔ عاشق جب انھیں پڑھتا ہے تو عش عش کراٹھتا ہے۔ تمام اشعار پر حسن و جمال سایہ افگن ہے۔

طرفہ قریشی

طرفہ قریشی کا نام عبدالواحد اور تخلص طرفہؔ قریشی تھا۔ طرفہ قریشی کی پیدائش ۳، مارچ ۱۹۱۳ء کو بھنڈارہ میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم بھندارہ ہی میں ہوئی جبکہ اس کی تکمیل ناگپور میں ہوئی۔ طرفہ فکرِ معاش میں یکم اگست ۱۹۵۲ء کو ناگپور آئے اور بوئز اردو اسکول، مدرسہ اسلامیہ مومن پورہ اور انجمن اردو پرائمری اسکول میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ طرفہ نے ۷ جولائی ۱۹۸۱ء کو اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔ طرفہ قریشی کے چار شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ پہلی کرن ۱۹۵۲ء، شہیدِ اکبر ۱۹۶۹ء، نصف النہار ۱۹۷۷ء اور فانوس حرم ۱۹۸۰ء۔ طرفہ قریشی نے سی پی اینڈ برار کے اہم شعراء کا کلام مع تصویر ترتیب دیا تھا جو ۱۹۴۷ء میں طور درخشاں کے نام سے شائع ہوا تھا (۲۵)

مدینہ طیبہ کا تذکرہ طرفہ کے یہاں ایک الگ ڈھنگ سے ہوا ہے۔ مدینہ کی جمالیات کو شاعر نے ہر سو بکھیر دیا ہے۔ شوق و تڑپ اور حسرت و تمنا لفظوں کے پیکر میں ڈھالا گیا ہے۔ ؎

پیشِ نگہِ شوق مدینہ کی زمیں ہے — اب میرے خیال میں نہ دنیا ہے، نہ دیں ہے

☆

مدینے کی آب و ہوا اللہ اللہ — ہر اک موج، موجِ شفا اللہ اللہ

یہی تو اک مقام اے دل ہے عرفان و بصیرت کا
نہ دیکھا جس نے دنیا میں مدینہ اس نے کیا دیکھا

جنت کی فضا حجرہ نشینوں کو مبارک — طرفہ مری جنت تو مدینے کی گلی ہے

☆

ترے در کی خاک اطہر مرا سرمہ بصیرت — مرا دیدہ عقیدت مرا انتظار تو ہے

☆

درِ سلطانِ دیں ہو اور بستر ہم فقیروں کا — ہماری زندگی میں اے خدا ایسی بھی شام آئے

☆

فضائے باغِ طیبہ خلد سی معلوم ہوتی ہے — جدھر اٹھتی ہیں نظریں زندگی معلوم ہوتی ہے

☆

الٰہی سیر مدینہ سے سیر ہوجاؤں — بر آئے دل کی تمنا مرے برائے رسول

☆

ایک ایک ذرہ کوئے نبی کا ہے رشکِ طور
جائے تو کوئی دیدۂ بینا لیے ہوئے

☆

بے خانماں اس دہر میں طرفہؔ رہے کب تک
دیدو اسے تھوڑی سی مدینے میں زمیں تم

☆

سیر فضائے عرش کی ہو جن کو آرزو
دیکھیں وہ جاکے روضہ اطہر کبھی کبھی

☆

شکر کے سجدے ہیں ادراک کی پہنائی
عین معراج تیرے در کی جبیں سائی ہے

☆

حیات، جاوداں سے جن کو سرفراز ہونا ہو
وہ سر رکھ کر محمد مصطفٰے کے در پہ مرجائیں

☆

مجھے خواجگی سے مطلب، مجھے قیصری سے نسبت
مجھے ہو نصیب طرفہؔ درِ پاک کی گدائی

☆

ارماں ہے کہ اللہ بنادے مجھے طرفہؔ
جاروب کشِ روضہ سلطانِ مدینہ

☆

نگاہوں کی ہے ٹھنڈک وجہ تسکین دل وجاں ہے
مدینہ کا ہر ایک ذرہ جواب ماہِ تاباں ہے
عطائے خالق کونین ہے یہ، فضل یزداں ہے
سوادِ شامِ بطحیٰ میں سرورِ صبح خنداں ہے

☆

چلو چل کے طیبہ میں بستر لگائیں
کہ کب موت آجائے کس کو خبر ہے

☆

مبارک تجھے قصر فردوس واعظ
ملے مجھ کو دارالقرار مدینہ

☆

تمنا ہمہ وقت طرفہؔ یہی ہے
مری قبر ہو اور جوارِ مدینہ (۲۶)

قاضی خورشید ایلچ پوری

قاضی سید خورشید الدین خورشیدؔ یکم مارچ ۱۹۱۸ء کو ایلچ پورا (اچل پور) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام قاضی سید فخر الدین تھا۔ اکولہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریلوے میں ملازمت اختیار

کر لی۔ تقسیم ہند کے بعد حیدر آباد سندھ (پاکستان) منتقل ہوگئے۔ ان کی شاعری اپنے دادا قاضی سید حنیف الدین مسعودؔ اور تایا سید کرم محی الدین کی شاگردی میں حمد، نعت ومنقبت سے شروع ہوئی۔ آپ کا انتقال ۱۹۹۴ء میں کراچی میں ہوا۔ پاکستان میں انوار الحق نہال اجمیری کا شرف تلمذ حاصل رہا۔ آپ کے آٹھ مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے ہیں پہلا مجموعہ ۱۹۶۲ء میں ''مدوجزر'' کے نام سے شائع ہوا۔ (۲۷)

خورشید ایلچ پوری کا مجموعہ 'نعت' خورشید نبوت ۱۹۹۳ء کراچی سے شائع ہوا۔

حرم جاؤں تو سجدۂ شوق کرتا ہوا جاؤں — مدینہ جاؤں تو حمد و ثناء کرتا ہوا جاؤں

اجاگر دل میں عشق مصطفےٰ کرتا ہوا جاؤں — نبی کا ذکر اور یادِ خدا کرتا ہوا جاؤں

ملے جس وقت اذنِ باریابی مجھ کو طیبہ میں — نچھاور جان و دل بیساختہ کرتا ہوا جاؤں (۲۸)

ایک عاشق کے احساس کو شعری سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ ایک حقیقی احساس و تجربہ پیش کیا گیا ہے۔

تیرے ہجر میں زندگی کٹ رہی ہے امیدوں کی دنیا لُٹ رہی ہے

بلا لیجیے در پہ یا شاہِ بطحا تمنائے دیدار تڑپا رہی ہے

تمنائے دیدار و ہجر و فرقت کا اظہار بھی والہانہ انداز میں کیا ہے۔

صابرؔ براری

صابرؔ براری کی ولادت ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ایلچ پور ضلع امراوتی میں ہوئی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہی حاصل کی۔ دینی تعلیم اپنے جدِّ امجد مرزا محمد مولوی بھوپالی ثم ایلچپوری کے قائم کردہ ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ'' سرمست پورہ، ایلچ پور میں والدِ ماجد مولوی حمید مرزا صاحب کی نگرانی میں حاصل کی۔ ان کے والد ۱۹۴۲ء میں کھامگاؤں ضلع بلڈانہ (برار) منتقل ہوگئے۔ صابرؔ براری نے جل گاؤں، کھامگاؤں اور امراوتی کی درسگاہوں سے فیض حاصل کیا۔ چند سال حیدر آباد دکن میں ملازمت اختیار کی۔ بعدازاں پاکستان ہجرت کر لی اور وہاں درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے۔ کراچی یونیورسٹی سے بی۔اے۔ اور جامعہ ملیہ کراچی سے بی۔ایڈ کیا۔ برار کے مختلف شہروں میں ادبی انجمنوں کے زیرِ اہتمام شعری وادبی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں جس میں صابرؔ براری کو شرکت کا موقع ملتا اور یہیں سے آپ میں شعر و ادب سے رغبت پیدا ہوئی۔ ''مجھے نعت گوئی سے فطرتاً دل چسپی تھی کراچی میں لسان الحسان الحاج ضیاء القادری (المتوفی ۱۴، اگست، ۱۹۷۰ء) سے شرفِ نیاز حاصل ہوگیا۔ مولانا ضیاء القادری کا حلقہ تلمذہ وسیع تھا۔ نعت ومناقب کے طرحی وغیر طرحی مشاعرے ومحفلیں ہوتی رہتی تھیں۔ میں بھی مولانا کے تلامذہ میں شامل ہوگیا اور یہیں سے میری شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ میرے اس شعری سفر میں

حضرت عارف اکبر آبادی مرحوم اور پروفیسر قمر ساحری نے بھی میری رہنمائی فرمائی۔‘‘(۲۹)

نعتیہ کلام کا پہلا مجموعہ ’’فردوسِ عقیدت‘‘ ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۶۳ء میں اولیائے کرام کے مناقب کا مجموعہ ’’بہشت مناقب‘‘ ۱۹۷۱ء میں سلاموں کا مجموعہ ’’انوارِ پنجتن‘‘ اور ۱۹۷۸ء میں نعتیہ دیوان ’’جامِ طہور‘‘ زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں مشاہیر کی مختصر سوانح حیات اور قطعاتِ تاریخ کا مجموعہ ’’تاریخِ رفتگاں‘‘ کے نام سے شائع ہوا۔ غزل کا مجموعہ ’’چشمِ شوق‘‘ شائع ہوا۔

پہلے تو مدینہ میں تھی آنے کی تمنا پہنچا تو نہیں لوٹ کے جانے کی تمنا

☆

دیدارِ حرم ذوقِ طیبہ یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا خم کرتا جبیں جاں کرتا فدا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

☆

اے کاش مدینہ میں جاتا تا عمر وہیں پر رہ جاتا ارمان یہ دل کا دل میں رہا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ، ہوا

☆

زیارت ہو مدینے کی تو پھر بھی آئے گی صدا دل سے چل اک بار ادھر اور
واللہ مدینے بھی پہنچ جاؤ گے اک دن ہو عشقِ محمد کی تڑپ دل میں اگر اور

☆

جا کر دیارِ شاہ سے پھر واپسی نہ مدفن بنے مدینے میں یارب قضا کے بعد

☆

دل تپ غم میں جلانا ہے مدینے جا کر ایک نیا طور بنانا ہے مدینے جا کر
جذبہ شوق اسی طرح وہاں تک لے چل پھر کسے ہوش میں آنا ہے مدینے جا کر(۳۰)

لطف و کیف، سوز و گداز، عشق و محبت، تمنائے دیدار دیارِ حبیب اور ارمان مدینہ کا بیان اشعار کو دلفریب بنا دیتا ہے۔

صابر کوثر

نام محمد صابر انصاری اور تخلص کوثر کیا کرتے تھے۔ صابر کوثر ۱۹۲۱ء میں ضلع ناگپور کے علاقے کامٹی میں پیدا ہوئے آپ کے والد عبدالکریم انصاری پارچہ سازی کا کام کیا کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کے لیے تعلیم کا حصول ناممکن تھا۔ لیکن پھر بھی آپ نے مڈل اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے مولانا عبدالرحمٰن راہی صاحب سے عربی فارسی سیکھی۔ ابتدا میں دوسروں کے اشعار سنتے اور پڑھتے۔ اپنی

شاعری کے ابتدا کے متعلق خود لکھتے ہیں '' شعر گوئی کے سلسلے میں یہ نہیں کہوں گا کہ یہ میرا بچپن کا شوق تھا۔ جو پروان چڑھتا رہا یا پھر یکا یک مجھ پر کوئی ایسی کیفیت طاری ہوگئی ہو کہ مجھ پر اشعار کا نزول ہونے لگا۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شاعری کے جراثیم یقیناً مجھ میں رہے ہوں گے۔ جنھیں دوسروں کے شعر پڑھنے اور سننے سے تقویت ملتی رہی ہوگی۔ بہر حال میں جب دوسروں کے شعر پڑھتا یا سنتا تھا تو نہ صرف ذہن انھیں قبول کرتا تھا۔ بلکہ مجھے یوں محسوس ہوتا کہ میں بھی شعر کہہ سکتا ہوں۔ اسی احساس نے مجھے شعر گوئی کی طرف راغب کیا اور میں نے اپنی پہلی غزل کہی جس کا مطلع یہ تھا۔ ؎

آنکھ ملتے ہی ستم خیز ادا نے گھیرا مجھ کو ناحق تیری شمشیرِ بلا نے گھیرا

استاذ محترم شاطر حکیمی کی اجازت سے حضرت مولانا حافظ یار محمد انور کامٹوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور حضرت سے ۱۹۵۴ء تک فیضِ اصلاح لیا کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد صابر کوثر کے کئی رشتے دار اور عزیز پاکستان ہجرت کر چکے تھے۔ صابر کوثر نے بھی ۱۹۵۵ء میں پاکستان ہجرت کی اور کراچی میں سکونت اختیار کر لی۔ (حرا کا چاند)

صابر کوثر کا پہلا شعری مجموعہ '' لفظوں کا مصور'' کے نام سے شائع ہوا جبکہ دوسرا شعری مجموعہ نعتیہ ہے جس کا نام '' حرا کا چاند'' ہے۔ دونوں شعری مجموعوں کے مرتب حسن اللہ ہما ہیں۔ حرا کا چاند پر مضمون حسن اللہ ہما نے جبکہ فلیپ راغبؔ مرادآبادی نے تحریر کیا ہے۔ آپ کا سالِ وفات ۱۹۹۸ء ہے (کراچی کا دبستانِ نعت، ص ۴۵۹)

خیالِ گنبدِ خضرا جو ساز گار آئے چمنِ دل کا کھلانے کو مدینہ سے بہار سے آئے

☆

سنہری جالیاں کیا ہیں حصارِ پرتوِ یزداں سراپا نور ہے روضہ تمہارا یارسول اللہ

☆

ابھی تو ذکر ہی سے جگمگاتا ہے دلِ کوثر اگر دیدار ہو جائے تمھارا یارسول اللہ

☆

راہِ سفر کا لمحہ لمحہ صدیوں میں تبدیل ہوا مت پوچھو کیا دل پر گذری گنبدِ خضرا آنے تک

☆

مری دونوں آنکھیں گزرگاہِ طیبہ مرا شہر دل ہے مدینے کی صورت
تصور میں ہے ماہتابِ رسالت چمکنے لگا دل نگینے کی صورت (۳۱)

خیالِ گنبد خضریٰ اور سنہری جالیوں کا بیان من بھا جاتا ہے۔ صابر کوثر کے یہاں بھی تمنائے دیدار مدینہ اور مدینے کے سفر کی خواہش جابجا پائی جاتی ہے۔

مولانا سعید اعجاز کامٹوی

مولانا محمد سعید اعجاز کامٹوی (شخصیت کے چند پہلو اور نعتیہ کلام)۔مرتب محمد حفظ الرحمٰن، الفاظ پبلیکیشن، ۲۰۱۹

محمد سعید اعجاز کی پیدائش ۱۹۳۲ء میں کامٹی میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام محمد عبداللہ تھا۔ اعجاز کامٹوی نے حافظ محمد، حافظ مطیع الرحمٰن اور حاجی محمد عثمان (پیش امام) سے ناظرہ اور حفظِ قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ مزید تعلیم آپ نے ناگپور کی مشہور درسگاہ جامعہ کے سربراہ مفتی عبدالرشید خان فتح پوری سے حاصل کی۔ مفتی عبدالرشید خاں ایک بڑے عالم دین کی حیثیت سے پورے ہندوستان میں مشہور و معروف تھے۔ یہاں مولانا اعجاز نے فنِ قرآت، اور درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ آپ نے مولوی عالم کی سند ناگپور یونیورسٹی ۱۹۴۸ء، میں حاصل کی۔

آپ نے حضرت سید امام علی شاہ مجددی نقشبندی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ غالباً ۸۲۔۱۹۸۱ کو پہلی مرتبہ آپ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد آپ روضۂ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پہنچے تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ شعر نکلا جوان کے عشق مدینہ کا انتہائی خوبصورت اظہار ہے۔

ان سے مل کر مجھے ہوا محسوس　　ان سے ملنا بہت ضروری تھا

عربی، فارسی، اور اردو شاعری سے انھیں خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ شعری کاوشیں بھی جاری رہیں۔ ابتدا میں حافظ یار محمد انور سے مشورۂ سخن لیا کرتے تھے بعد میں کچھ عرصہ شاطرؔ حکیمی سے مشورۂ سخن لیا۔ اعجاز تخلص اختیار کیا۔ موزونیٔ طبع کی وجہ سے جلد ہی بہترین شاعری کرنے لگے۔ آپ نے نعت، سلام اور غزلیں لکھیں۔ ۱۹۹۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ حفظ الرحمٰن صاحب نے آپ کا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام حاصل کر کے یکجا کیا ہے، جو نعتیہ ادب کی ایک عظیم خدمت ہے۔

ہر مراد زندگی پانے چلے　　جانبِ محبوب دیوانے چلے
دیکھنے کو شمعِ طیبہ کا فروغ　　ہند سے جانباز پروانے چلے
جلوہ گاہِ مصطفیٰ کی جوت سے　　شیشۂ ہستی کو چمکانے چلے
جن کی خوشبو سے معطر ہے جہاں　　ان کے دامن کی ہوا کھانے چلے

مصطفیٰ کے آستانِ ناز پر　لے کے جان و دل کے نذرانے چلے
دیکھنے کو گنبدِ خضرا کی چھاؤں　گنبدِ خضرا کے دیوانے چلے
ہائے ان کی حسرتِ طیبہ رسی　جانے والوں کو جو پہنچانے چلے
جانے والوں کی خوشی اعجاز دیکھ　ہو کے ہر اک غم سے بے گانے چلے

درج ذیل شعر میں طیبہ کی جانب سفر کرنے والوں کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

خرام باغِ طیبہ کا کس قدر ہے کیف زا　جب صبا ادھر گئی جھوم جھوم کر گئی

شاعر کا تخیل دیکھیے کہ شاعر خرام باغِ طیبہ کے کیف کو صبا کے جھومنے کا سبب بتا رہا ہے۔

منزلِ مدینہ کے فیض کا ذکر کیا　راستوں کی گرد سے زندگی نکھر گئی

ہر عمل بے نیازِ صلہ ہے ، دل میں کوئی تمنا نہیں ہے
جب سے دیکھا ہے باغِ مدینہ ، سر میں جنت کا سودا نہیں ہے
ہر ذرے کو مرکز سے ہوا کرتی ہے نسبت　آقائے مدینہ ہیں جہاں دل بھی وہیں ہے

☆

ہمارا جذبہ دل اب نہیں بقیدِ مکاں　کوئی مقام ہو طیبہ کی بات کرتے ہیں (۳۲)

طیبہ نگر سے تعلق کا بیان کتنے دلکش پیرائے میں کیا گیا ہے۔

مولانا رحمت اللہ راشد

مولانا راشد یکم جولائی ۱۹۳۹ء کو جگجیون داس کی چال ، احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شکر اللہ تھا جو مقادم کے نام سے جانے جاتے تھے۔ راشد کے والد کے ہمراہ ناگپور تشریف لے آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ والد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا، لہٰذا والدہ اور بھائیوں کی کفالت کی ذمہ داری راشد پر آن پڑی۔ علومِ شرقیہ کی طرف رخ کیا تو ۱۹۵۴ء میں فارسی میں ناگپور یونیورسٹی سے ''منشی'' اور اسی سال علی گڑھ سے ادیب (اردو) کی سندیں حاصل کیں۔ ۱۹۶۱ء میں مولوی فاضل کی سند بھی ناگپور یونیورسٹی سے حاصل کی۔ علومِ مغربیہ کی طرف رجوع ہوئے تو ایس ایس سی اور ڈی۔ ایڈ کی سند بھی حاصل کی۔ اسلامیہ ہائی اور تاج بابا نائٹ اسکول سے منسلک رہے۔ ابتداء میں فکر معاش دامن گیر ہوئی تو الیکٹریشین ڈپلومہ بھی حاصل کر لیا۔ علوم شرقیہ میں فخر القراء حضرت الحاج محمد مصطفیٰ صاحب شائق ناگپوری اور جناب مولانا الحاج قاضی محمد عبد الوکیل صاحب ظفر سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ ناس زمانے میں یہ دونوں حضرات مدرسہ اسلامیہ مومن پورہ کے مدرسہ

شبینہ میں مدرس کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔اس طرح مولانا راشد صاحب کو مدرسہ اسلامیہ کے قدیم طلباء میں سے ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔شارق کے میدان آپ نے جناب شائق جمال سے اکتساب فیض کیا۔(۳۳)۱۹۶۱ء سے شاعری کا آغاز کیا۔

مولانا رحمت اللہ راشد کا انتقال ۱۶ جنوری ۲۰۱۵ء کو ناگپور میں ہوا۔مولانا راشد کے یہاں بھی آرزوئے مدینہ، دیدار مدینہ کی تڑپ اور مدینہ سے عشق کا اظہار ملتا ہے۔

مدت سے یہی ارماں راشدؔ کے بھی دل میں ہے　　سرکار کے قدموں میں یہ عمر گزر جائے

☆

آنکھوں سے چوموں دیکھوں باچشمِ تر مدینہ　　مجھ کو بھی اب بلالو خیر البشر مدینہ
پہنچوں اگر مدینہ پاؤں نجات غم سے　　اس روگ کا یقیناً ہے چارہ گر مدینہ
ہوجاؤں میں وہیں کا پھر لوٹ کر نہ آؤں　　لے جائے مجھ کو قسمت اک بار گر مدینہ

☆

تمنائے دلی ہے یہ ازل سے یا خدا میری　　زیارتِ گنبدِ خضرا کی بس اک بار ہوجائے
نظر میں گنبدِ خضرا ہو دل میں یادِ احمد ہو　　بس اتنی آرزو راشدؔ کی تجھ سے رب اکرم ہے

☆

برسوں سے جی رہا ہوں اسی اک امید میں　　قسمت سے میں دیکھوں مدینہ رسول کا

☆

جی رہا ہوں بس اسی امید پر راشدؔ　　کبھی میں لپٹ جاؤں گا اک دن روضہ انور سے

☆

نظروں نے مری شہرِ مدینہ نہیں دیکھا　　یاراب ابھی سرکار کا روضہ نہیں دیکھا
درِ رسول سے میں اتنی دور ہوں راشدؔ　　کہ اشک آتے ہیں آنکھوں میں اس جدائی پر(۳۴)

ہجر وفرقت کا بیان بڑا ہی رقت انگیز ہے۔

آپ کے قدموں میں رہنا چاہتا ہوں عمر بھر　　آرزو ہے گوشہء ارضِ مدینہ چاہیے

☆

طیبہ کو جاؤں دیکھوں دیارِ نبی کو میں　　اپنی جبیں کو رکھ دوں مدینے کی دھول پر

☆

مدینہ نام ہے شہرِ نبی کا یہ مجھ عاشق کی جنت اے عدو ہے(۳۵)

مدینے میں زندگی گذارنے کی حسرت بھی شاعر کے احساس کو جوش دے رہی ہے۔

منشاء الرحمٰن منشا

آپ کا نام منشاء الرحمٰن خاں اور تخلص منشا کیا کرتے تھے۔ منشاء کی پیدائش یکم مئی ۱۹۲۴ء کو پیپل گاؤں راجہ میں ہوئی۔ منشاء نے ابتدائی تعلیم سے لے کر پی۔ ایچ۔ ڈی تک کی تعلیم سے حاصل کی۔ آپ کو شاعری کا شوق طالبِ علمی کے زمانے سے تھا۔ آپ نے شاعری پر کسی سے اصلاح نہیں لی بلکہ خود ہی اپنے کلام کو سنوارتے رہے۔ منشا کا انتقال ۲۷ مئی ۲۰۱۰ء کو ناگپور میں ۸۶ برس کی عمر میں ہوا۔ (وسطِ ہند میں اردو، ج ۱، ۶۷) آپ کے والد جناب محمد علیم اللہ خاں قصبے کے معزز لوگوں میں سے تھے۔ منشاء نے میٹرک کرنے کے بعد انجمن ہائی اسکول میں مدرس کی ملازمت اختیار کر لی اور دورانِ ملازمت اردو اور فارسی میں ایم۔ اے کی ڈگریاں امتیازی نمبرات سے حاصل کیں۔ بی۔ ٹی کی ڈگری کرنے کے بعد آپ نے ''میر ممنون دہلوی'' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ گورنمنٹ ملٹی پرپزہائی سیکنڈری اسکول، ایوت محل میں بحیثیت لیکچرار اردو اور فارسی خدمات انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں ناگپور میں موجود گورنمنٹ مارس کالج (وسنت راؤ نائک گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشیل سائنس) میں تقرر ہوا۔ آپ یہیں سے سبکدوش ہوئے۔ چراغ حرم نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے۔

ہوائے مدینہ، فضائے مدینہ و رونق مدینہ عاشق کے لیے سکون و اطمینان کا باعث ہے۔ منشاء نے اپنی شاعری میں ان باتوں کا بیان بڑی ہی چابکدستی سے کیا ہے۔

بڑی جانفزا ہے ہوائے مدینہ بہت دلکشا ہے فضائے مدینہ
وہ جنت جسے دیکھنی ہو زمیں پر بہر طور ایک بار آئے مدینہ
بہت شہر ہم نے بھی دیکھے ہیں لیکن نہیں بھایا کوئی سوائے مدینہ
وہ خوش بختی پہ اپنی ہو کیوں نہ نازاں جسے رب العزت دکھائے مدینہ
یہاں شاہِ کونین ہیں جلوہ فرما ہر اک دل کو پھر کیوں نہ بھائے مدینہ
یہ مسجد یہ روضہ یہ جالی یہ گنبد یہی سب ہیں رونق فضائے مدینہ
عجب سی کشش رکھتا ہے اپنے اندر ہر اک کوچہء دل ربائے مدینہ

تقدس ، سکوں ، سادگی ، امن و راحت انہی سے بڑھی ہے بہائے مدینہ
محمد نے بخشی اسے وہ بلندی فلک تک کو نیچا دکھائے مدینہ
مدینہ کو پھر کھینچ لائے گی منشا تجھے بے تحاشہ ہوائے مدینہ (۳۶)

حسن و جمال، کیف وسروران اشعار میں رس گھول رہا ہے جو قاری کو بے چین کیے دیتا ہے۔ مدینہ و متعلقات مدینہ کا بیان نہایت سادہ اسلوب میں کیا ہے۔ اشعار میں سادگی، سلاست، روانی بلا کی ہے۔ قاری مدینہ کی یادوں میں کھوسا جاتا ہے۔ مدینہ کا حسن و جمال ان اشعار میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ظفر راہی جونپوری

ظفر علی راہی جونپوری کی نعتوں کا مجموعہ ''نورِ غارِ حرا'' ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا ہے۔ ظفر راہی جونپوری ۱۶؍ مارچ ۱۹۴۲ء کو موضع لدرھی ضلع جون پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے گاؤں میں تعلیم کا مناسب انتظام نہ ہونے کے سبب ابتدائی تعلیم پر ہی اکتفا کیا۔ ذریعہ معاش کی تلاش میں وطن عزیز کو الوداع کہنا پڑا۔ لہٰذا ناگپور میں آکر سکونت اختیار کرلی۔ ناگپور آنے کے بعد یہاں کے شاعرانہ ماحول سے آپ کی طبیعت متاثر ہوئی۔ رواںؔ جونپوری سے اصلاح لینے لگے۔ بعد میں حضرت شارق جمال سے وابستہ ہو گئے۔ آپ کی شاعری میں روایتی اندازِ خاص کر نمایاں نظر آتا ہے۔ نعت سے متعلق آپ کا نظریہ یہ ہے کہ ''محسنِ انسانیت، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعتِ شریف روایتی انداز سے کہہ لینا ایک الگ بات ہے لیکن خوش عقیدگی اور محبت کے جذبے کے ساتھ حقائق کی روشنی میں کہنا دوسری بات ہے۔ روایتی انداز سے نعت شریف کہنے سے میں نے خود کو بچانے کی بہت کوشش کی ہے۔ (نورِ غارِ حرا،ص ۸)

راہیؔ جون پوری جلسوں اور مذہبی تقریبات میں جب اپنی مترنم آواز میں نعت پڑھتے تو محفل میں جذب وکیف کی صورت طاری ہو جاتی۔ راہی جون پوری کی نعتیں سادہ اور عام فہم ہوتی ہیں۔ کوچہ یار بھی عاشق صادق کی نگاہ میں قابلِ احترام ہوتا ہے اور یہی ایمان و ایقان کی علامت ہے۔ جس کا اظہار راہیؔ صاحب یوں فرماتے ہیں۔

عرفان و بصیرت کا نور آیا بصارت میں جب خاک مدینے کی آنکھوں سے لگالی ہے

مدینہ کی حاضری کی تمنا کا ذکر بارگاہ رسالت میں بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا ہے۔

پاؤں قسمت سے اگر در آپ کا یا مصطفےٰ رکھ دوں میں اپنی جبیں یا رحمت اللعالمین

مجھ کو بھی بلوایئے شہرِ مدینہ میں حضور
اے مرے سلطانِ دیں یا رحمت اللعالمین
چاہتا ہے آپ کا راہی مدینے کا سفر
رہبرِ دنیا و دیں یا رحمت اللعالمین

☆

چمک جائے جو قسمت کا ستارا یا رسول اللہ
کروں طیبہ کا میں اک دن نظارہ یا رسول اللہ
پہنچ جائے کسی صورت سے یہ طیبہ کے ساحل پر
ملے طوفاں میں راہی کو کنارا یا رسول اللہ (۳۷)

شرف الدین ساحل

نام محمد شرف الدین اور ساحلؔ تخلص ہے۔ ساحل کی پیدائش ۱۲/اگست ۱۹۴۹ء کو مومن پورہ، ناگپور میں ہوئی۔ ساحل نے ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک ناگپور میں حاصل کی۔ انھوں نے ۱۹۷۴ء میں اردو، ۱۹۷۶ء میں فارسی اور ۱۹۷۸ء میں عربی سے ایم اے کیا۔ ساتھ ہی ۱۹۷۷ء میں اردو اور پھر ۱۹۸۶ء میں عربی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ شرف الدین ساحل کے تخلیقی سفر کا آغاز ۱۹۸۰ء سے ہوا اور ابھی بھی جاری ہے۔ ساحلؔ کی پہلی کتاب ملت اسلامیہ کا سفر ۱۹۸۰ء میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی تھی۔ (وسط ہند میں اردو، ص ۹۷)

ساحل کے یہاں طیبہ کی حاضری کی تمنا اور تڑپ اپنی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

ساحلؔ کو بھی مدینہ بلالیجیے حضور
وہ کر رہا ہے ذکر لگاتار آپ کا
ساحلؔ اس آرزو میں تڑپتا ہے بار بار
آنکھوں سے اپنی دیکھ لے تربت رسول کی

ڈاکٹر محبوب راہی

ڈاکٹر محبوب راہی کی پیدائش ۲۰ جون ۱۹۳۹ء کو ماٹر گاؤں خورد ضلع بلڈانہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے ننھیال پیپل گاؤں راجہ ضلع بلڈانہ میں حاصل کی بعد ازاں ڈی۔ ایڈ کیا اور بلڈانہ ضلع پریشد میں گوندھنا پور اردو پرائمری اسکول میں تقرر ہو گیا۔ یہاں سے لاکھنواڑہ تبادلہ ہو گیا۔ ۱۹۷۵ء میں بارسی ٹاکلی منتقل ہو گئے۔ یہاں پرائمری مدرس کے بعد غلام نبی آزاد آرٹس کامرس کالج میں شعبہ اردو میں ملازمت اختیار کر لی اور کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ ۱۹۹۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔

راہیؔ کی نعتوں کا مجموعہ ''متاعِ نجات'' مارچ ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا جس میں راہی کی تمام حمدیں اور نعتیں یکجا کر دی گئی ہیں جو پہلے مختلف مجموعوں میں شائع ہوئی ہیں۔ راہیؔ کی نعتوں میں نعت کے دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ ذکر مدینہ پر مشتمل اشعار بھی وافر مقدار میں موجود ہیں۔ ان کے اشعار میں

مدینہ اور دیدار مدینہ کی تمنا جابجا نظر آتی ہے۔

وہ خاک ہے ہمارے لیے سرمہ نگاہ
اللہ کے حبیب کا جس پر قیام ہے
یہاں چل اے راہی بے عمل تو ادب سے سر جھکا کے چل
ہے دیارِ نبی کا معاملہ یہ درِ رسول کی بات ہے

☆

دلِ راہی میں بس اک حسرتِ دیرینہ ہے یارب
سعادت ہو اسے حاصل مدینے کی زیارت کی

موجِ خیال سوئے مدینہ سے اک اٹھی
اور میرے کشتِ ذہن کو سیراب کر گئی
آئی ہے جب بھی یادِ دیارِ رسول کی
میرے تخیلات میں خوشبو سی بھر گئی

☆

خدایا آرزو رکھوں نہ میں جاہ وحکومت کی
مجھے مل جائے دربانی جو دربارِ رسالت کی

☆

سفر ہے طیبہ کا راہیؔ قدم جما کے چلیں
کہ سر کے ساتھ ہی قلب ونظر جھکا کے چلیں

☆

درِ احمد پہ جس دم، حاضری ہو دم نکل جائے
یہی ہو جائے میری زیست کا انجام کافی ہے
عطا ہو جائے مجھ کو بس درِ احمد کی دربانی
یہی اعزاز اک مجھ کو یہی انعام کافی ہے(۳۸)

قاضی سید صولت حسین

قاضی سید صولت حسین کا تعلق انجن گاؤں سور جی سے ہے۔ قاضی سید صولت حسین ۲۸ نومبر ۱۹۲۸ء کو انجن گاؤں سور جی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام قاضی سید شفقت حسین ہے۔ پیدائش کے وقت آپ کا نام سید مسعود حسین رکھا گیا تھا لیکن اسکول میں داخلہ کے وقت سید صولت حسین رکھا گیا۔ جو ان کے دادا، والد، تایا اور بڑے بھائی کے ناموں کے اوزان پر ہے۔(اوراق مقدس، ص ۵)
قاضی صاحب کی ابتدائی تعلیم انجن گاؤں سور جی کے میونسپل اردو پرائمری اسکول میں ہوئی اور میونسپل اردو مڈل اسکول سے ساتویں تک تعلیم حاصل کی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول آکولہ سے گیارہویں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعدازاں ایس۔ بی آرٹس کالج میں انگریزی میڈیم سے بی، اے تک تعلیم حاصل کی۔

(۶ اور ۷) ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد منتقل ہوگئے۔ حیدرآباد میں پولس ایکشن کے بعد ناگپور آ گئے اور اپنے خالہ زاد بھائی پروفیسر سید رفیع الدین کے مکان پر رہنے لگے۔ وہاں پی ایم جی آفس میں ملازمت اختیار کرلی اور ساتھ ہی ایل ایل بی بھی مکمل کرلی۔ بعد ازاں پرائیویٹ امتحان کے ذریعے پولیٹکل سائنس میں ایم۔اے کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔ اضافی طور پر عربی میں بی۔اے بھی کیا تھا۔ قاضی صاحب ناگپور میں ایم۔اے، ایل۔ ایل۔ بی کرنے کے بعد ۱۹۵۲ء میں منتقل ہوگئے جہاں ان کے ماموں قاضی سید کریم الدین ایڈوکیٹ کے جونیئر کی حیثیت سے وکالت کرنے لگے۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۶ء تک داروہ میں آزادانہ وکالت کی۔ بعد میں امراوتی منتقل ہوگئے اور یہاں وکالت کرنے لگے۔ (اظہارِ حقیقت، قاضی سید صولت حسین، اوراق مقدس، ص ۵)

ناگپور میں قیام کے دوران ہی شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔ انگریزی میں بھی شاعری کیا کرتے تھے۔ ابتدا میں غزلیں اور نظمیں کہا کرتے تھے۔ بعد میں صرف حمدیہ اور نعتیہ شاعری کرنے لگے۔ (اوراق مقدس، ص ۸) نعتیہ شاعری میں مدینہ سے متعلق تاثرات کا ذخیرہ ملتا ہے۔ جس میں عشق رسول اور مدینہ دونوں کا تذکرہ ساتھ ساتھ چلتا ہے جیسے درج ذیل اشعار دیکھئے۔

مرا وہ جانِ جگر جانِ محفل ہے مدینے میں	کہیں بھی رہوں لیکن مرا دل ہے مدینے میں

☆

کیا اللہ نے مخاطب جس کو پیارے ناموں سے	وہ طٰہٰ وہ مدثر وہ مزمل ہے مدینے میں

☆

نظر کے سامنے آتا ہے جس دم روضہ اقدس	نظر میری عقیدت سے وہیں خم ہوتی جاتی ہے

مزید قربِ احمد مرسل کے لیے مدینہ سے تعلق کو ضروری سمجھتے ہیں۔

خدا کے قرب کو لازم ہے قربِ احمد مرسل	کہیں بھی جو نہیں حاصل وہ حاصل ہے مدینے میں

مدینہ کو باغ جنت کہتے ہیں۔

نہ بوستاں نہ فقط گلستاں لگے ہے مجھے	مدینہ اصل میں باغِ جناں لگے ہے مجھے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست بھی کرتے ہیں کہ مدینہ و خاک مدینہ کا قرب نصیب فرمائے۔ عشق مدینہ کی جھلک جگہ بہ جگہ نمایاں ہے۔

اپنے دامن میں لیے ہے وہ لمسِ کفِ پا	خاکِ در کا ہوں، طلبگار مدینے والے

☆

مری دونوں آنکھوں کو کردے الٰہی عطا سرمہ خاکِ پائے مدینہ

☆

ایک مدت سے مچلتی ہے تمنا دل میں خواب میں ہو کبھی دیدار مدینے والے
قافلہ جب بھی گذرتے سوئے طیبہ دیکھا آنکھ میری ہوئی خونبار مدینے والے
سر کے بل چل کے مدینے کو چلا آؤں گا حکم تو دیجیے اک بار مدینے والے (۳۹)

اقبال خلش

اقبال خلش کا تعلق آکوٹ ضلع آکولہ برار کے ایک قدیم بااثر خطیب خاندان سے ہے وہ ۱۹۵۱ء میں آکوٹ میں تولد ہوئے۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ وہ ایک فطری شاعر ہیں۔ ۱۹۶۵ء سے شعرو ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ انہوں نے جلد ہی برار بھر میں شاعری میں اپنا مقام بنالیا ہے۔ ملک بھر کے مشاعروں میں شرکت کی۔ کلام مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ ان کا خوبصورت مجموعہ کلام ''اثاثہ'' ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جس پر ڈاکٹر عبدالرحیم نشتر۔ اور فصیح اللہ نقیب نے مقدمے لکھے ہیں۔ ڈاکٹر نشتر کی رائے میں اقبال خلش عصری حسیت کے آئینہ دار ہیں۔ وہ غزل کے رنگ میں سماج و معاشرہ کے حالات و کوائف کی عکاسی و تصویر کشی کرتے ہیں اور زندگی کے سیاسی مذہبی معاشرتی نفسیاتی ہر پہلو پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ ''اثاثہ'' کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ اقبال خلش نے نعتیں بھی خوب لکھیں ہیں۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''سراجاً منیرا'' شائع ہو چکا ہے جبکہ ایک زیرِ طبع ہے۔ ذکر مدینہ میں تخیل و تصور کا سہارا لے کر عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ مدینہ جانے کی تمنا ہر شعر سے ظاہر ہوتی ہے۔ مختلف انداز و اسلوب میں حاضری مدینہ کی تمنا شعری پیکر میں بیان کی ہے۔

جی چاہتا ہے گلشنِ طیبہ سے ہو کے آئے اے طائرِ خیال ہیں جب تک یہ پَر کھلے

☆

جب مسجدِ نبوی میں قدم رکھنا خلش تم ملحوظ یہ رکھنا کہ وہ دربارِ نبی ہے

☆

کردے گا مجھے جانبِ طیبہ وہ روانہ صد شکر کہ اللہ مسبّب ہے سبب کا

☆

لے کے طیبہ کو چلا ،اسپِ تصور مجھ کو آنکھ جھپکوں تو مرے سامنے منزل آئے

☆

اک بار نگاہوں کو دیدارِ مدینہ ہو
بس اتنا کرم یارب اب اپنے فدائی پر

☆

ہوعطا مجھ کو مدینے کی زیارت کا شرف
ادنیٰ میں بھی تو ہوں عاشق رسول اللہ کا

☆

راہ چننے کا خلشؔ حاصل اگر ہو اختیار
جائیں گے جنت میں ہم کوئے نبی کے راستے

☆

جس کو دنیا ستائے مدینہ چلے
بے کسوں بے سہاروں کا مامن ہے وہ
کوئے طیبہ میں آداب ملحوظ رکھ
آفتابِ رسالت کا مسکن ہے وہ

☆

جی تو یہ چاہا پرندہ بن کے جا پہنچوں ابھی
جب تصور میں مرے شہرِ مدینہ آ گیا(۴۰)

خلش تسکینی

عصرِ حاضر کے معروف شاعر عبدالحفیظ خلش تسکینی کا تعلق اچل پور سے ہے۔ آپ زمانہ طالبِ علمی ہی سے شعر کہہ رہے ہیں۔ برار کے کہنہ مشق شعراء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی شاعری کے مضامین میں تنوع، تخیل میں جدت، اندازِ بیاں میں ندرت، ان کے تخلیقی رویے کی پہچان کے خدوخال ہیں۔ دو مجموعہ کلام ''پیاس کا سیلاب'' اور ''تجربوں کے چراغ'' منظر عام پر آ چکے ہیں۔ لقب عمران کے نام سے طنزیہ اور مزاحیہ شاعری بھی کرتے ہیں۔ (برار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا ص ۲۵۱)

آپ کی نعتوں کا مجموعہ ''معراجِ سخن'' ۲۰۱۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کی نعتوں کا مجموعہ عشقِ رسول کا ترجمان ہے۔ ان کی نعت گوئی کا انداز روایت اور جدت دونوں کا آئینہ دار ہے۔ خلشؔ کے یہاں مدینہ کا تذکرہ بھی تسکینِ روح کا سامان فراہم کرتا ہے۔ ؎

نبی کے روضے سے رونق بڑھی ہے طیبہ کی
زمیں پہ رشک کے قابل ہے آسماں کے لیے

☆

زخمِ جگر سلیں گے محمد کے شہر میں
ہم بے نوا ہنسیں گے محمد کے شہر میں
ہر دم پڑھیں گے نعتیں درود و سلام ہم
خاموش کیوں رہیں گے محمد کے شہر میں

ایک عاشق کی مدینہ میں کیفیت کی عکاسی بھی خوب ہے۔ ؎

کچھ اور ہوگی دل کی وہاں کیفیت خلش
نعتیں نئی لکھیں گے محمد کے شہر میں

☆

روضہ پر محمد کے پڑتی ہیں خلش نظریں
خوش ہوتا ہے جاتے ہیں انسان مدینے میں

مدینہ میں حاصل ہونے والے سکون کا ذکر اور رحمت کی بارش کا بیان دل کو موہ لیتا ہے۔

ہوتا ہے سکوں حاصل انساں کو وہاں بیشک
رحمت سی برستی ہے ہر آن مدینہ میں

☆

پیاس روح کی اپنی ایک دن بجھائیں گے
دل میں اپنے سوچا ہے ہم مدینہ جائیں گے(۴۱)

خان حسنین عاقب

خان حسنین عاقب کا نام قدمِ حسنین عاقب ہے، ۸ جولائی ۱۹۷۱ء کو آکولہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم۔اے (اردو، انگریزی اور تاریخ) میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایجوکیشن میں ماسٹر (ایم، ایڈ) کی سند حاصل کی۔ ساتھ ہی ایل۔ایل۔بی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔ مولانا جلال الدین رومی پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ پوسد کے ڈی۔ایڈ کالج میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ادبی تصانیف Flight of a Wingless Bir (English Poems)2000، رمِ آہو (مجموعہ غزلیات) ۲۰۱۳ء، اقبالیات پر کتاب بعنوان اقبال بہ چشمِ دل ۲۰۱۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ حمد و نعت کا مجموعہ خامہ سجدہ ریز (شکر دانِ حمد و نعت) ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا (ماہنامہ شاعر، بمبئی جنوری ۲۰۱۸ء)۔ خامہ سجدہ ریز میں بھی مدینہ کا ذکر ملتا ہے۔ عاقبؔ کے یہاں مدینہ میں حاضری کی تمنا اور وہیں پر عمر گذارنے کی آرزو کا ذکر بھی ملتا ہے۔

عاقبؔ پہنچ تو جائے مدینہ بس ایک بار
دنیا بلائے کتنا ہی، پھر واپسی نہ ہو

☆

نکل کر مدینے سے دل کو چلی ہے
یہ عشقِ نبی کی نرالی گلی ہے

☆

مجھے دید روضے کی ہوگی عطا کب؟
مری عمر آقا گذرتی چلی ہے

☆

پہنچوں درِ حبیب پہ، گر زندگی رہے
پھر اس کے بعد یوں کہو کہ دنیا تھمی رہے

☆

چل گنبدِ خضرا کی مہکی ہوئی چھاؤں میں ہم جاکے رہیں اے دل! محبوب کے گاؤں میں

☆

آقا مرے مولا مرے سرکار محمد کب آؤں گا میں آپ کے دربار محمد

نزول برکت در مدینہ اور مدینہ پہنچنے سے پہلے عاشق کی کیفیت کا والہانہ بیان کیا ہے اور وہ ہر عاشق کی طرح وہیں پر مرنے کو باعث افتخار سمجھتے ہیں۔

نزول برکتوں کا ہے مدینہ شہر میں سدا ہے چاندنی میں راہ گذر دھلی دھلی دھلی دھلی

☆

زمینِ بطحا قریب آئی، نگاہ نیچی، خموش اے دل یہاں کی مٹی میں ہم ملیں تو یہ باعث افتخار ہوگا

☆

نبی کا در ہو، ہم ہوں، زندگی کی شام ہو عاقبؔ میاں، واپس وہاں سے زندہ گر آئے تو کیا آئے؟ (۴۲)

مذکورہ بالا تذکرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شعرائے ودربھ کی نعتوں میں مدینہ سے متعلق درج ذیل مضامین ملتے ہیں:

ا۔ مدینہ میں حاضری کی تمنا کا بیان (ہر شاعر نے اپنے انداز میں تخیل کا سہارا لے کر مدینہ میں حاضری کا ذکر کیا ہے) ۲۔ مدینہ میں رحمتوں و برکتوں کے نزول کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ ۳۔ طیبہ میں موت کی آرزو کا بیان ملتا ہے ۴۔ گنبدِ خضریٰ سے والہانہ محبت کا اظہار پایا جاتا ہے۔

۵۔ مدینہ سے متعلق ایک عاشق کی کیفیت واحساس کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ۶۔ جمالیات مدینہ کا ذکر بڑے ہی والہانہ انداز میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

ماخذ و مراجع

۱- ایم۔آئی۔ساجد، ودربھ میں اردو شاعری

۲- ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن، ۲۰۱۱ء، برار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا، ناشر ڈاکٹر جاوید احمد خان، ص ۱۶۵ و ۱۶۶

۳- مشاہیر برار جلد اول۔

۴- ڈاکٹر مہتاب عالم، ۲۰۱۲ء، وسط ہند میں اردو، ص ۵۴ و ۵۷

۵- ڈاکٹر شرف الدین ساحل، ۲۰۱۶ء، ناگپور میں اردو، ص ۴۵

۶- محمد حسن ندیم، ۲۰۱۵ء، قوسِ سخن، ناشر الحاج محمد کامل انصاری

۷- نہال چند پرتاپ شاہ آبادی، ۲۰۰۴ء، نوائے دل، مرتب ڈاکٹر سروشہ نسرین قاضی

۸- آصف الہٰ آبادی، ۲۰۱۳ء، صدف دل، ناشر شکیل احمد

۹- ڈاکٹر شرف الدین ساحل، ۲۰۱۶ء، ناگپور میں اردو، ص ۵۰

۱۰- ایضاً ص ۵۱

۱۱- ایضاً، ص ۵۲

۱۲- ایضاً، ص ۵۳

۱۳- ایضاً، ص ۵۳

۱۴- ڈاکٹر مہتاب عالم، ۲۰۱۲ء، وسط ہند میں اردو، ص ۷۲ و ۷۳

۱۵- ڈاکٹر مہتاب عالم، ۲۰۱۲ء، وسط ہند میں اردو، ص ۱۲۱

۱۶- ڈاکٹر مہتاب عالم، ۲۰۱۲ء، وسط ہند میں اردو، ص ۸۷ و ۸۸

۱۷- اسرار الحق فیاضی ۲۰۱۵ء، احساس برتری ناشر آئیڈیل پبلی کیشن کامٹی، ص ۳۰، ۳۱۔ ۳۷، ۳۸

۱۸- قرطاس نعت نمبر، ص ۸۹

۱۹- قرطاس نعت نمبر، ص ۸۹

۲۰- قرطاس نعت نمبر، ص ۸۹

۲۱- امجد حسین امجد، ۲۰۱۹ء، دیوان امجد فی مدح احمد، مرتب سید غلام علی

۲۲- ڈاکٹر مہتاب عالم، و۲۰۱۲ء، وسط ہند میں اردو، ص ۱۱۳

۲۳- ایضاً، ص ۱۱۴

۲۴- شاطر حکیمی، تسکین روح

۲۵- ڈاکٹر مہتاب عالم، ۲۰۱۲ء، وسط ہند میں اردو، ص ۷۱، ۷۲

۲۶- طرفہ قریشی، فانوس حرم

۲۷- ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن، ۲۰۱۱ء، برار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا، ص ۲۲۸

۲۸- خورشید ایلچ پوری، خورشید رسالت

۲۹- صابر براری، جام شوق، عکس حیات، ص ۱۲، ۱۳

۳۰- صابر براری، جامِ طہور

۳۱- صابر کوثر، حرا کا چاند

۳۲- مولانا سعید اعجاز کامٹوی شخصیت کے چند پہلو اور نعتیہ کلام ۲۰۱۹ء، مرتب حفظ الرحمٰن، ناشر الفاظ پبلی کیشن کامٹی

۳۳- مولانا رحمت اللہ راشد، مخزن نور

۳۴- مولانا رحمت اللہ راشد، ۱۹۹۷ء مخزن نور، ناشر راشد احمد آبادی

۳۵- مولانا رحمت اللہ راشد ۲۰۰۳ء، شجر نور، ناشر راشد احمد آبادی

۳۶- ڈاکٹر منشاء الرحمٰن منشا، چراغ حرم، ص ۱۲۰، ۱۲۱

۳۷- ظفر راہی جون پوری، نور غارِ حرا
۳۸- ڈاکٹر محبوب راہی، ۲۰۱۶ء، متاعِ نجات
۳۹- قاضی صولت حسین، ۲۰۱۲ء، اوراقِ مقدس، ناشر علیم پرنٹرس ناگپور
۴۰- اقبال خلش، سراجاً منیرا
۴۱- خلش تسکینی، ۲۰۱۵ء، معراجِ سخن
۴۲- خان حسنین عاقب، خامہ سجدہ ریز، ناشر نور پبلیکیشن مالیگاؤں

☆☆☆

فاروق احمد جائسی (کان پور)

کانپور کے چند نعت گوشعراء کا تذکرہ

(افکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی میں)

نعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام زباں پر آتے ہی عجب حلاوت کا احساس ہوتا ہے جسے لفظوں میں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابتدائے آفرینش ہی سے نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روشن نقوش پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً زبور، انجیل، وید، پران، قرآن، مہاتما گوتم بدھ اور دیگر مفکرین کی تصنیفات میں یہ صاف مذکور ہے کہ ایک ایسا شخص دنیا میں آنے والا ہے جو اہل دنیا کو سیدھی راہ دکھائے گا۔ الگ الگ ادوار میں اس ذات گرامی کی خصوصیات اور اوصاف حمیدہ کی طرف واضح اشارات پائے جاتے ہیں۔ قرآن مقدس میں تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا کا پورا گلشن بے خزاں موجود ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کا جس جس انداز میں ذکر فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

نعت گوئی، شعراء کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس صنف کی تخلیق میں شاعروں نے بہت ہی التزام و اہتمام کا مظاہرہ کیا اور اسے نجات کا ذریعہ بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اسی لئے جہاں جہاں شاعر اور شاعری کا وجود پایا جاتا ہے وہاں وہاں نعت کے گلزار کھلے ہوئے ہیں۔ اردو زبان میں بھی نعت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ تقریباً ہر شاعر، مسلم اور غیر مسلم سب ہی نے نعت کی تخلیق میں حصہ لیا ہے اور اسے اپنے دواوین اور مجموعات میں حصول خیر و برکت کی نیت سے شامل کیا ہے۔ بہت سے ایسے شاعر بھی ہیں جنہوں نے تا عمر سوائے نعت کے اور کچھ نہیں تخلیق کیا۔ ہندوستان میں ایسے چند شاعروں کے اسمائے گرامی آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جنہوں نے زندگی بھر صرف نعتیں کہیں۔ ان میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی، حضرت نوری بریلوی، استاذ زمن حضرت حسن رضا خان حسن بریلوی جیسے شعراء کے نام بہت اہمیت کے حامل ہیں جنہوں نے سوائے نعتیہ اشعار کے اور کچھ موزوں نہ کیا

اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ کانپور کے حوالے سے مولانا قاسم حبیبی اور مولانا میکائیل ضیائی کے اسمائے گرامی بھی بہت اہم ہیں ان حضرات نے بھی نعت کے لئے اپنی شاعری کو وقف کر دیا ہے۔

کانپور کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں مداحان رسول کی ایک روشن کہکشاں ہمیشہ موجود رہی ہے۔ استاذی حضرت علامہ کوثر جائسی، علامہ شارق ایرایانی، حضرت حق بنارسی، نشور واحدی، منشی راج بہادر شریواستو، طپش صدیقی، ساحر ہاشمی ادیب، رمز سیتاپوری، جلیل فتحپوری، حضرت ناظر صدیقی قمر سلیمانی اور شاہ منظور عالم وغیرہ جب تک بقید حیات رہے نعتیہ کلام کی تخلیقات میں تواتر کے ساتھ مصروف رہے۔ یہی نہیں ان کی تحریک سے دیگر ہم عصر شعراء نے بھی قابل رشک نعتیہ کلام تخلیق کیے۔

موجودہ دور میں جو شعراء مسلسل نعتیں کہہ رہے ہیں ان میں مولانا میکائیل ضیائی، مولانا قاسم حبیبی، یاور وارثی، سید ابوالحسنات حقی، نصیر نادان، شاعر فتحپوری، سید وسیم الحسن ہاشمی، داغ نیازی، حافظ ظہیر کانپوری، ارشاد کانپوری، قمر شاہ جہان پوری، اور کلیم دانش وغیرہم کے اسمائے گرامی اہم ہیں۔ ان میں بیشتر شعراء کے نعتیہ مجموعات بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔

علامہ کوثر جائسی کا ''مشرقِ ایمان''، علامہ حق بنارسی کا ''معراجِ آ گہی'' ساحر ہاشمی ادیب کا ''ذکر ہادی و ہدایت''، طپش صدیقی کا ''میلادِ طپش، نورانی اسلام نامہ اور گل ہائے عقیدت (اعلیٰ حضرت کی نعتوں پر تضمینیں)''، مولانا قاسم حبیبی کا ''آبشارِ مدحت''، ''والنجم'' اور ''المصطفیٰ''، شاعر فتح پوری کا ''صہبائے حقیقت''، یاور وارثی کا ''انوارِ حرا''، نصیر نادان کا ''اقرا''، داغ نیازی کا ''مدینے کا چاند''، کلیم دانش کا ''طائرِ عقیدت''، ارشاد کانپوری کا ''چراغِ حرم'' وغیرہ ان مجموعات کے نام ہیں جو بارگاہِ رسالت میں شعرائے کانپور نے پیش کئے ہیں۔ اللہ ان شعراء کی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

موجودہ دور میں بھی کانپور کے تقریباً سبھی شاعروں نے بارگاہِ رسالت میں نعتوں کے نذرانہ پیش کئے ہیں مگر اس مضمون میں چند شعراء ہی کا تذکرہ شامل ہے کیوں کہ سب کا ذکر کرنے کے لئے ''دبستان نعت'' کے صفحات میں گنجائش نہیں ہے۔ دبستان نعت کا یہ شمارہ ''گوشۂ مدینہ منورہ'' کے حوالہ سے مخصوص کیا گیا ہے اس لئے مضمون میں ان شاعروں کے اشعار کو شامل کیا گیا ہے جن کی نعتوں میں مدینہ طیبہ کے حوالے سے کافی تعداد میں اشعار موجود ہیں۔ دبستانِ نعت کا ''گوشۂ مدینہ منورہ'' ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ذہنی فکر کی اونچی پرواز کا بین ثبوت ہے۔

مدینہ منورہ کا دنیا بھر کے مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ اس کی عظمتوں، رفعتوں اور برکتوں کا جا بہ جا تذکرہ کیا جائے۔ کیوں کہ ہمارے آقا و مولیٰ، دو عالم کے تاجدار، احمدِ مجتبےٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے اس شہر کی اہمیتوں کا خود احساس دلایا اور فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ کے بعد دنیا کا افضل ترین مقام مدینہ طیبہ ہی ہے، میں بروز قیامت ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ یہاں ں سے اٹھوں گا، مدینہ میں تکلیف کی شدت برداشت کرنے والوں کا شفیع ہوں گا، جس کا انتقال مدینہ میں ہوگا اس کی شفاعت کروں گا، مدینہ میں دجال نہ داخل ہو پائے گا کہ اس کے گرداگرد پہرے پر ستر ہزار فرشتے حاضر رہتے ہیں، مدینہ میں طاعون کی بیماری کبھی نہ پھیلے گی، جو اہل مدینہ کو ایذا پہونچائے گا اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام ادمیوں کی لعنت برسے گی اسکا نہ فرض قبول کیا جائے گا نہ نفل۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ سے دعا فرماتے کہ ہمارے کھجوروں میں برکت دے، ہمارے مدینہ میں برکت دے، ہمارے صاع و مد میں برکت دے۔ مدینہ کی آب وہوا کو ہمارے لئے درست فرمادے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے دعا کی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ کے لئے دعا فرمائی کہ یہاں دوگنی برکت نازل فرما۔ اسی لئے مسجد نبوی میں عبادت کا صلہ اور ثواب دیگر مساجد میں عبادت کے مقابلہ میں ہزار گنا زیادہ اور بعضوں کے نزدیک پچاس ہزار گنا زیادہ بتایا گیا ہے۔ یہ مقدس شہر شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے اس وجہ سے بعض ائمۂ کرام نے گنبدِ خضرا کے سائے میں جو خطۂ زمین ہے اسے عرش سے برتر کہا ہے۔ ؎

جبریل امیں طوافِ کُنِ بارگاہِ کیست برتر زِ عرش درگہِ عالم پناہِ کیست
(صوفی سید شاہ علی حسنؒ احسنؔ جائسی)

آقائے رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پہلے مدینہ والوں کی شفاعت کروں گا، پھر مکہ والوں کی اور پھر طائف والوں کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنی رحلت کے لئے دعا فرمائی تھی۔ حضور نے فرمایا کہ مدینہ آدمیوں کی نجاست ایسے دور کر دیتا ہے جیسے بھٹی چاندی کے میل کو۔ فرمانِ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کہ مدینہ کی خاک میں شفا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے پڑوسیوں کا احترام کریگا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا، اور جو بے حرمتی کریگا اس کو دوزخ سے پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔

یہی وہ مقدس شہر ہے جہاں مسجد نبوی، چبوترۂ اصحاب صفہ، جنت البقیع، مسجدِ قبا، مسجدِ جمعہ، مسجدِ قبلتین، مساجدِ خمسہ، جبل احد اور غار حرا وغیرہ اہم تاریخی اور بابرکت مقامات موجود ہیں۔ اس کے تقدس اور دائمی جائے نزول رحمت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ ہی میں اپنی رحلت کی دعا فرمائی تھی۔ حضرت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ سے باہر نکلتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں

کسی دوسری جگہ ان کا آخری وقت نہ آجائے۔حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مدینہ، شرک اور نجاست سے پاک ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہُ نے فرمایا کہ شیطان یہاں اپنی پوجا سے مایوس ہو گیا۔اللہ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو حرمِ کعبہ اور مدینہ منورہ میں حاضری کی توفیق عطا فرمائے۔

نعت گوشعراٗ نے ہزار ہا زاویوں سے جہاں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی وہیں مدینہ طیبہ کی شان میں بھی نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔یہ شاعر کی آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت پر منحصر ہے کہ وہ ان کے وطنِ ثانی اور آرام گاہ کو کس نظر سے دیکھتا ہے۔یہاں کی پرنور فضا کی تعریف، یہاں کی معطر آب وہوا کی تعریف، یہاں کی مٹی کا خاک شفا ہونے کی تعریف، یہاں کے خاروگل کی تعریف، یہاں کی پاکیزگی کی تعریف، یہاں کی رحمتوں اور برکتوں کی تعریف، یہاں کی رونقوں کی تعریف کرتے کرتے ہمیشہ کے لئے یہاں رہ جانے اور یہیں پر آسودۂ خاک ہوجانے کی تمنا کا اظہار شاعر کے نعتیہ اشعار میں ایسے رچ بس گئے ہیں جیسے جسم اور روح کا رشتہ ہو۔آیئے کانپور کے چند شعرائے کرام کا تذکرہ کیا جائے جو میری نظر میں نعت کے حوالے سے بہت ہی محترم اور قابلِ قدر شمار کئے جاتے ہیں اور جنہوں نے مدینہ کے حوالے سے بیحد اثر انگیز اشعار کہے ہیں۔

۱-یاور وارثی

نام غلام اسمٰعیل اور قلمی نام یاور وارثی ہے۔ان کے والد افسر ناروی بھی ایک پختہ اور زود گو شاعر تھے۔ان کا آبائی وطن قصبہ نارہ (یو۔پی) ہے۔نوح ناروی اور ابن صفی کا بھی وطن نارہ ہی ہے۔ان کا سلسلۂ شاعری نوح ناروی سے ہوتا ہوا داغ دہلوی تک پہنچتا ہے۔انہیں وقار طاہری اور علامہ حق بنارسی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔یاور وارثی کا شمار کانپور کے صفِ اول کے شعراء میں ہوتا ہے۔یہ عمدہ مضامین نگار بھی ہیں۔غزلوں کے مجموعات کے علاوہ ''برگِ ثنا(۱۹۹۸ء)''، ''وجدان (۲۰۱۱ء)''، ''محراب (نعت ومنقبت ۲۰۱۶)''، ''پھولوں کی خوشبو(ہندی زبان میں ۲۰۱۷)''، ''سحابِ نور (پاکستان سے شائع شدہ ۲۰۱۷)'' کے نام سے ان کے نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔اس کے علاوہ یاور وارثی نے نورالحسن نورنوابی کی دو کتابیں ''وسلموا تسلیما'' اور ''قلزمِ نور'' بھی مرتب کی ہیں جو پاکستان سے شائع ہوئی ہیں۔کانپور میں نعت کے فروغ کے لئے جو ''نعت اکاڈمی'' قائم کی گئی ہے اس کے نائب صدر ہیں۔کانپور اور بیرون کانپور بہت سے شعراء ان سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

یاور وارثی روایت کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی نعتوں کو جدید زاویۂ نگاہ وفکر سے سجانے میں ماہر ہیں۔زبان و بیان پر مکمل عبور حاصل ہے اس لئے لفظیات کی تازہ کاری، ان کا درو بست اور

ندرتِ بیان ان کا طرۂ امتیاز ہے۔حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں اس لئے مدینہ کے حوالے سے جو اشعار ان کی نعتوں میں ہیں ان میں خیال آفرینی کم اور مشاہدہ زیادہ ہے۔نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

قید کے حکم کی تحریر مدینے سے چلے　　میں یہاں سے چلوں زنجیر مدینے سے چلے
جس کی اک ضرب میں ہے سارے اندھیروں کا علاج　　پھر وہ کردار کی شمشیر مدینے سے چلے
رو رہے ہیں درو دیوار، دریچے ہیں اداس　　کربلا کے لئے شبیر مدینے سے چلے
خواجہ، کردارِ شہِ دین کا عمامہ پہنے　　بن کے قرآن کی تفسیر مدینے سے چلے

☆

ہے نور کا بے مثل شجر ان کا مدینہ　　کیا کوئی نظر، دیکھ سکے ان کا مدینہ
اللہ کی رحمت ہیں زِ سر تابہ قدم وہ　　اللہ کی رحمت کا ہے گھر ان کا مدینہ
اِس دل کبھی اُس دل کبھی اس دل سے گزر رہو　　پیہم یونہی کرتا ہے سفر ان کا مدینہ
ٹھوکر پہ اسے رکھ لو تم اے قافلہ والو　　دیکھے گا مرا کاسۂ سر ان کا مدینہ

☆

جب بلائیں وہ چلے جانا مدینہ لیکن　　مانگ لینا ادب آداب خدا سے پہلے
اب تو بس کوہِ احد کوہِ حرا یاد رہے　　عشق تھا ہم کو بہت کوہِ ندا سے پہلے

☆

آنکھوں کو ہیں حبیب مدینے کے رات دن　　پھر ہوں انہیں نصیب مدینے کے رات دن

☆

سینے میں مرے آکے لگے تیر مدینہ　　پڑ جائے مرے پاؤں میں زنجیر مدینہ

☆

ہو کوئی گوشۂ بیمار مدینے کی طرف　　غیر ممکن ہے یہ زنگار مدینے کی طرف

☆

سراپا آئینہ پیکر مدینہ آنے والا ہے　　مکمل حسن کا مظہر مدینہ آنے والا ہے

☆

آنکھوں میں ان کے کوچے کے منظر چھپا کے لا　　اے میرے دل مدینے کے ذرے اٹھا کے لا

۲- مولانا قاسم حبیبی

حضرت مولانا الحاج قاری محمد قاسم حبیبی، امام وخطیب جامع مسجد شفیع آباد کانپور کے والد گرامی کا نام عبدالستار عثمانی قادری ہے۔

تاریخ پیدائش ۱۱؍اکتوبر ۱۹۶۳ء اور جائے پیدائش موضع ''پراس''، تحصیل سراتھو، ضلع الہ آباد (کوشامبی)۔ مدرسہ جامعہ حبیبیہ سے قاری، عالم، فاضل کی سندیں حاصل کیں اور دینی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر دیا۔ بحثیت اردو ٹیچر، اتر پردیش سرکار میں بچوں کو تعلیم دینے کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ شاعری کے لئے صرف اور صرف میدان نعت کا انتخاب کیا۔ علامہ حق بنارسی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا تا کہ بے استادے نہ کہلائیں ورنہ انہیں ابتدا ہی سے کسی استاد کی ضرورت نہ تھی۔ نعت ومنقبت پر مشتمل تین مجموعے، ''آبشارِ مدحت''، ''والنجم'' اور ''المصطفیٰ'' منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہو چکے ہیں۔ دو مجموعات ''تطہیر'' اور ''الجمیل'' طباعت کے مراحل میں ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی نثری نگارشات ''ایام نور''، ''زیارتِ مدینہ'' اور ''طواف کی مسنون دعائیں'' بھی شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ فن تقریر میں انہیں مہارت حاصل ہے۔ کسی بھی مضمون پر ان کی برجستہ تقاریر سننے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان تقاریر میں ان کی عالمانہ بصیرت کھل کر سامنے آتی ہے اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب سے مولانا قاسم حبیبی اور مولانا محمد میکائیل ضیائی کانپور میں تشریف لائے ہیں نعت ومنقبت کا رجحان شاعروں میں عام ہو گیا ہے۔ اب شاید ہی کوئی شاعر ہو جو ان حضرات کی اتباع اور تحریک سے متاثر ہو کر نعت نہ کہہ رہا ہو۔ کانپور کے بہت سے مشہور شعراء ان سے کسبِ فیض کر رہے ہیں۔

مولانا قاسم حبیبی صاحب حج بیت اللہ اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضے پر حاضری کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے اشعار میں حسنِ عقیدت اور عالمانہ شان کا بہترین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کی نعتوں میں اشعار کی آمد آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق و محبت اور مدینہ سے والہانہ وابستگی کا منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے جذبے کی صداقت قارئین کے دلوں کو بھی منور ومجلیٰ کر دیتی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

خدا کرے کہ ہوائے مدینہ لے آئے محبتوں کا درِ آبدار میرے نام

☆

ڈال دو آب ذکرِ مدینہ تاکہ سکوں ملجائے اسے ورنہ دلِ بیتاب ہمارا یوں ہی سلگتا جائے گا

☆

چشمِ تخیلات سے شہرِ رسول میں بکھری متاعِ شمس و قمر دیکھتے ہیں ہم

☆

مدینہ جا کے مقدر کے نام اے قاسم حواس و ہوش کے دامن میں بیخودی لکھنا

☆

ہجر کے موسم کو بھی مل جائے شادابی کا تحفہ میرے محسن کوئے طیبہ میں مری مٹی اڑا دے

☆

دو شہر ہیں جن میں کبھی آئے گئے تھے مصطفیٰ آنے سے اک مکہ ہوا جانے سے اک طیبہ ہوا

☆

دل مدینے کی گلیوں میں جب کھو گیا مجھ کو تحفہ میں مدحت گری مل گئی

☆

اے خاکِ کوئے سرورِ عالم مجھے سنبھال بارِ الم سے صورتِ قوسین میں بھی ہوں

☆

ہے دور کوئے مدینہ مگر وہ چاہیں تو بہت قریب یہی فاصلہ ہے میرے لئے

☆

شام طیبہ کے سبز طاقوں میں خوشبوؤں کے چراغ جلتے ہیں

☆

نکہت نشاں حدیقۂ طیبہ تھا آنکھ میں ہاتھوں میں آفتابۂ موجِ شمیم تھا

☆

میں نے جب مانگا خدا سے گوہرِ جاہ وحشم میرے ہاتھوں پر غبارِ کوئے سرور رکھ دیا

☆

ششدر و حیران ہے منظر وادیِ ادراک کا کوئے طیبہ میں شکستِ آگہی بھی خوب ہے

☆

قاسم خدا کرے مرا پیمانۂ حیات چھلکے رسولِ کون و مکاں کی جناب میں

☆

مدینہ مرکزِ شفقت ہے زائرانِ نبی تمہارے دل میں عبث رنگِ بے دیاری

☆

سوادِ شب منور ہے مہِ شامِ مدینہ سے بیاضِ مہرِ طیبہ جان ہے صبح، درخشاں کی

۳- مولانا الحاج قاری محمد میکائیل ضیائی

نام محمد میکائیل ضیائی ولد جمیل احمد اور تخلص ضیائیؔ ہے۔ جائے پیدائش موضع سجان پور، ضلع بھاگل پور (موجودہ ضلع بانکا) صوبہ بہار اور تاریخ پیدائش ۲۹/دسمبر ۱۹۶۰ء ہے۔ آپ نے ۱۹۷۹ء میں درسِ نظامیہ، قرأت وتجوید میں دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام (بہار) سے دستار فضیلت حاصل کی۔ عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش سے مولوی، عالم، فاضل منشی اور کامل، جامعہ اردو علی گڈھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل اور معلم اردو کی اسناد حاصل کیں اور کانپور یونیورسٹی سے اردو زبان میں ایم۔ اے کی ڈگری بھی حاصل کی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی تعلیمی استعداد میں برابر اضافہ کرتے رہے۔ آج کل وہ الجامعۃ العربیہ احسن المدارس قدیم، کانپور میں درس و تدریس کے اہم کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہی نہیں ان کی عالمانہ شان کو نظر میں رکھتے ہوئے ان کو جامع مسجد مولوی محمد عابد، طلاق محل، کانپور میں امام وخطیب کے عہدے پر فائز کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد میکائیل ضیائی کی ادبی حیثیت مسلم ہے۔ وہ ابتدا ہی سے نظم ونثر کے میدان میں بہت فعال رہے ہیں۔ ان کی ادبی حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ الہ آباد سے شائع ہونے والے ''ماہنامہ پاسبان'' کے سب اڈیٹر، کانپور سے شائع ہونے والے ''ماہنامہ استقامت'' کانپور کے معاون مدیر اور کانپور ہی سے شائع ہونے والے ''ماہنامہ تاجدار نو'' کے مدیر اعلیٰ کے طور پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ وہ دارالعلوم شاہ جماعت، ہاسن (کرناٹک) میں بھی درس و تدریس سے وابستہ رہ چکے ہیں اور آج بھی درس و تدریس، امامت وخطابت اور دیگر مذہبی ذمہ داریوں کے باوجود ان کی قلمی وادبی سرگرمیاں جاری وساری ہیں۔ موجودہ وقت میں ''الجامعۃ العربیہ احسن المدارس قدیم''، کانپور جیسے باوقار جامعہ سے وابستہ ہیں جہاں تشنگانِ علم ان سے استفادہ کررہے ہیں۔

مولانا ضیائی کو حمد ونعت اور منقبت سے خاص شغف ہے۔ ان کی کانپور آمد نے شعرائے کانپور کی نعت ومنقبت گوئی کو یقیناً مہمیز کیا ہے۔ وہ نعت اکاڈمی کانپور کے صدر ہیں۔ ان کی دو کتابیں ''مدح و ثنا'' اور ''شاخِ طوبیٰ'' شایع ہوچکی ہیں جو حمد ونعت ومنقبت پر مشتمل ہیں۔ ان کا ترنم بھی بہت دلکش ہے، مشاعروں میں ان کی شرکت اس کی کامیابی کی ضمانت بن جاتا ہے۔

''تذکرۂ شعرائے کانپور'' میں سلیم عنایتی اور فاروق جائسی (راقم الحروف) نے درج کیا ہے

کہ ''ان کی شاعری حمد، نعت اور منقبت سے مزین ہے۔ عالمِ دین ہونے کی وجہ سے غزل کی سرمستی سے دوری بنائے رکھتے ہیں۔ ان کے اشعار میں عالمانہ شان، لفظوں کا خلاقانہ استعمال اور زبان و بیان کی صحت جیسے محاسن صاف نظر آتے ہیں۔ عربی فارسی کے مرکبات، خوبصورت تشبیہ و استعارات، تلمیحات اور آیاتِ قرآنی کے تراجم کا استعمال ان کی شاعری کا خاصہ ہیں''۔ (تذکرۂ شعرائے کانپور۔ از: سلیم عنایتی و فاروق جائسی)

مولانا ضیائی فریضۂ حج بیت اللہ ادا کر چکے ہیں۔ مدینہ منور کے نورانی تناظر میں ان کا نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

صد رنگ بیابان مدینہ ہے نظر میں رنگوں کا بھرم اب پرِ رخاب نہ ڈالے

☆

لگ رہا ہے جا رہا ہوں ساری دنیا چھوڑ کر ہائے جاتا ہوں تجھے شہرِ مدینہ چھوڑ کر

☆

ماہِ مدینہ مطلعِ عالم پہ چھا گیا تاریکیوں کا زور کچلنے لگی ہے شام

☆

جب چلا مدینے سے کر کے دید خضرا کی شش جہت نگاہوں میں رنگ دھانی دھانی ہے

☆

آ گیا ہے درِ سلطانِ مدینہ پہ تو پھر لے اٹھا خاکِ مدینہ ابھی سلطاں ہو جا

☆

ہیں خوش قسمت جو ایماں کا اُجالا دیکھ آئے ہیں مبارکباد جو شہر مدینہ دیکھ آئے ہیں

☆

ہوجاؤ اب سراپا ادب اے مسافرو! سرکارِ دو جہاں کا مدینہ ہے سامنے

☆

ہر راہِ مدینہ کا اگر فاصلہ گھٹ جائے کونین کا پھیلاؤ مدینے میں سمٹ جائے

☆

جنت کی جو جنت ہے شہِ دیں کا وطن ہے سرسبز ہر اک رخ سے مدینے کا چمن ہے

☆

زہے قسمت مسلمانو! دلِ مومن مدینہ ہے کہ اس میں دو جہاں کے مالک و مختار رہتے ہیں

☆

مدینے کا ہرا گنبد ہے افضل ساری دنیا سے کہ اس گنبد کے نیچے سیدِ ابرار رہتے ہیں

☆

اک اشارے میں مدینے کی زمیں جل تھل ہوئی دوستو! حالانکہ وہ برسات کا موسم نہ تھا

☆

پتھر کی طرح دل بھی پگھلتے ہیں وہاں پر کچھ ایسی حرارت ہے مدینے کی فضا میں

☆

سب کچھ نثار خاکِ مدینہ ترے حضور کیا تاج، کیسی جاہ و حشم، تاجدار کیا

☆

جلوہ زارِ سرورِ ارض و سما ہے منفرد ساری دنیا میں مدینہ طیّبہ ہے منفرد

۴- شاعر فتح پوری

شاعر فتح پوری کا اصل نام عبد الرزاق خان ولد عبد الجبار خان ہے، ان کی پیدائش فتح پور (یو۔پی) میں ۹؍جولائی ۱۹۳۶ء کو ہوئی۔ فیض عام انٹر کالج سے انٹر میڈیٹ کرنے کے بعد ایلگن مل نمبر۔ا کانپور میں ملازمت اختیار کی۔ ان کو علامہ شارق ایرایانی سے شرف تلمذ حاصل ہے، مشاعروں میں خوبصورت کلاسیکل ترنم سے اشعار پیش کرتے ہیں اور سامعین کا دل جیت لیتے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی جلیل فتحپوری بھی مشہور شاعروں میں تھے۔ جلیل صاحب کے انتقال کے بعد انہیں ''جگر اکاڈمی کانپور'' کا جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا جو آل انڈیا اور انڈو پاک مشاعروں کے انعقاد کے لئے پورے ملک میں مشہور ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعے ''صہبائے حقیقت'' اور نقشِ محبت'' شایع ہو چکے ہیں۔ شعری مجموعے'' بساط انجم''، ''تیر نیم کش''، متاعِ ہنر''، ''رباب سحر''، شعلۂ جمال'' کے علاوہ کلیات شاعر بھی ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی۔ اردو اکاڈمی لکھنؤ انہیں کئی بار انعامات سے نواز چکی ہے۔

شاعر فتح پوری کی شاعری میں کلاسیکل رنگ و آہنگ صاف ظاہر ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار اور ان کا پرسوز کلاسیکل ترنم ان کی شعر خوانی میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ زبان پر قابو ہے اس لئے ان کے اشعار میں آمد کے اشعار خوب نظر آتے ہیں۔ ان کے اشعار میں مدینہ کی زیارت کا ذوق و شوق دیدنی ہے۔

مدینہ طیبہ کی زیارت کی خواہش کے حوالے سے ان کے اشعار کا نمونہ درجِ ذیل ہے۔ ے

نگاہِ لطف و کرم جب آقا کی ہم پہ ہوگی تو دیکھ لینا
یقیں ہے نعتِ رسول پڑھتے ہوئے مدینے کو جائیں گے ہم

☆

اگر پہنچا دیا قسمت نے ہم کو بھی مدینے میں　　ہر اک منظر کو دیکھیں گے، کوئی منظر نہ چھوڑیں گے

☆

یہی حسرت ہے سینے میں پہنچ جاؤں مدینے میں　　قبول اک روز ہو جائے گی شاعر یہ دعا میری

☆

شاعر بھی چاہتا ہے مدینے میں حاضری　　قصہ وہیں حیات کا ہو اے خدا تمام

☆

جانا ہے تجھے بھی درِ سرکارِ مدینہ　　اے کاش صبا دے یہی پیغام مسلسل

☆

سرکار بلائیں گے مدینے میں یقیناً　　اتنا نہ تڑپ اے دلِ ناکامِ مسلسل

☆

مدینہ جانے والو! ہے ضروری تابِ نظارہ　　سرِ دربارِ شاہِ مرسلاں جلوہ ہی جلوہ ہے

☆

ہر شخص ہو دیدار مدینہ سے مشرف　　جو بھی ہے یہاں شائقِ دیدار مدینہ

☆

کبھی ساحل پہ اپنا بھی سفینہ آ ہی جائے گا　　سلامت جذبۂ صادق مدینہ آ ہی جائے گا

☆

یارب اسی کا نور مرے دل کو ہو عطا　　جس کی تجلیاں ہیں مدینہ لئے ہوئے

☆

مدینے ہم کو پہنچا دے محبت ہو تو ایسی ہو　　فدا ہو جائیں آقا پر جو قسمت ہو تو ایسی ہو

☆

دل ہے بیتاب تو مجبوری و ناداری کیا　　آپ ہو جائے گا سامان مدینے چلئے

☆

نعتِ سرکار مدینہ جو لکھے گا شاؔعر اس کے الفاظ و معانی کا ہنر مہکے گا

☆

جسم مرا ہے یہاں قلب مدینے میں ہے موجِ ضیائے رسول اب مرے سینے میں ہے

☆

ایسا لگتا ہے جنوں دیکھ کے میرا شاؔعر مجھ کو آقا ہیں مدینے میں بلانے والے

☆

جس طرف شاہِ مدینہ کا اشارہ ہوگا اس طرف یارو ! اجالا ہی اجالا ہو گا

☆

روحِ دو عالم جانِ مدینہ صلِّ علیٰ سلطانِ مدینہ
رونقِ بزمِ کون و مکاں ہے نورِ مہِ تابانِ مدینہ
اپنی آنکھوں میں رکھ لوں ادب سے مل تو جائے غبارِ مدینہ
ہدیۂ نعت لایا ہے شاؔعر اک نظر تاجدارِ مدینہ

۵- سیدابوالحسنات حقی

نام سیدابوالحسنات حقی، تخلص حقی، والدگرامی سیدابومحمد ثاقب کانپوری، اصل تاریخ پیدائش ۱۹۳۷ء مگر سرکاری سرٹیفکیٹ میں ۱۹۴۲ء درج ہے۔ان کا روحانی سلسلہ مرزا مظہر جانِ جاناں سے ہوتا ہوا شاہ باقی باللہ سے ملتا ہے۔ان کا خاندان ''ایں خانہ تمام آفتاب است'' کے مصداق ہے۔ان کا خانقاہی سلسلہ کانپور کے مشہور صوفی بزرگ حضرت غلام رسولؒ، رسول نما (دادا میاں) سے ملتا ہے۔آجکل حقی صاحب خانقاہ دادا میاں کے سجادہ نشین اوراس کی مسجد کے پیش امام ہیں۔حقی صاحب کے والدگرامی ثاقب کانپوری خود بہت بلند پایہ شاعر تھے، برادرِ بزرگ سیدابوالخیر کشفی ترک وطن کر کے پاکستان میں مقیم ہوئے، وہ کراچی یونیورسٹی میں درس وتدریس سے وابستہ تھے،ان کے شاگردوں کی خاصی تعداد وہاں بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہے۔حقی صاحب کے چھوٹے بھائی ابوالبرکات نظمی بھی شاعری کا ذوق رکھتے ہیں۔

سیدابوالحسنات حقی نے خواجہ احمد فاروقی کی نگرانی میں دلی یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا مگر پی ایچ ڈی کرنے کا خواب حقیقت آشنا نہ ہوسکا۔۱۹۶۴ء میں حلیم مسلم پوسٹ گریجویٹ کالج میں لیکچرر اور بعد میں یہیں صدر شعبۂ اردو مقرر ہوئے، پھراسی کالج کے پرنسپل کے عہدہ سے رٹائر ہوئے۔خودتو پی ایچ

ڈی نہ کر سکے مگر بحوالہ ''تذکرۂ شعرائے کانپور'' کم از کم ۳۵ طلباء نے ان کی نگرانی میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔حقی صاحب ہی کے بیان کے مطابق ان کی شاعری کسی استاد کی رہین منت نہیں ہے نہ ہی انہیں عروض سے کوئی شغف ہے۔''دبستانِ نعت'' کے مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری نے بھی انہیں کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

''کلیات حسنات'' ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا، مذہبی شاعری کے نام پر اس میں صرف ایک حمد، دو التجائیہ نظمیں یک، دعائیہ نظم اور چار نعتیں شامل ہیں۔مجھے تعجب ہے کہ باقی نعتیں کیا ہوئیں کیوں کہ وہ برابر میرے ساتھ کانپور کی طرحی اور غیر طرحی نشستوں میں شامل ہوتے رہتے ہیں اور طبعزاد تازہ کلام بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ناظر صدیقی نے ۱۹۹۹ء میں کانپور کے ایک درجن نعت گو شعراء کا تذکرہ ''دشت جنوں دیوانوں کا'' کے نام سے مرتب کیا تھا جس میں راقم الحروف اور دیگر شعراء کی نعتوں کے ساتھ ساتھ حقی صاحب کی دس نعتیں شامل ہیں مگر کلیات میں ان نعتوں کا کہیں پتہ نہیں ہے۔یہ حقی صاحب کی بے نیاز افتادِ طبع کا بین ثبوت ہے۔متذکرہ کلیات بھی شاید ابھی نہ شائع ہو پاتا اگر شعیب نظام صاحب کا اصرار مسلسل نہ ہوتا۔ان کے سیکڑوں گراں قدر مضامین یہاں وہاں بکھرے پڑے ہیں کاش ان کا کوئی لائق شاگرد یا مخلص دوست انہیں بھی یکجا کردے۔''کلیات حسنات'' سے قبل ان کے دو شعری مجموعے ''بکھرے لمحوں کی دعا'' اور ''امکانِ روز و شب'' بھی شائع ہو چکے ہیں۔اول الذکر مجموعہ کراچی میں شائع ہوا تھا اور وہیں اس کی رسمِ اجرا بھی ادا کی گئی تھی۔

سید ابوالحسنات کی زبان و بیان کو فن اور قواعد کی کسوٹی پر پرکھنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، میرے کم لکھنے کو بہت زیادہ سمجھا جائے۔ان کی شاعری جدیدیت سے بہت متاثر ہے جس پر انہیں فخر بھی ہے۔وہ حج بیت اللہ اور دیارِ نبی میں حاضری کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔میں نے مدینہ کے حوالے سے حقی صاحب کے جو نعتیہ اشعار یکجا کئے ہیں وہ حاضر کر رہا ہوں۔

خوشبوئے نواحِ ارضِ طیبہ — کیا میں ترا ہم سفر رہا ہوں

☆

محفوظ ان آنکھوں میں مدینے کا چمن ہے — کیا گفتگوئے رنج و محن رنج و محن ہے
خوشبو میں شرابور ہیں آہوئے مدینہ — کیا مشک ختن مشک ختن مشک ختن ہے
پا مال ہوا ہوں تو بنا خاکِ مدینہ — اکرام کرو یہ مری جاں یہ مرا تن ہے

☆

ان گناہوں پہ یہ گستاخیِ جاں تو دیکھو چاہتی ہے کہ میں طیبہ کی ہوا سے کھیلوں

☆

علم کے پر بچھا دئے سطوتِ جبرئیل نے حق کی صدا سے گونج اٹھا غارِ حرا تو آپ آئے

☆

شہیدِ گنبدِ خضرا ہوں میں بھی اے آقا مری بھی خاک کو اپنے دیار میں رکھئے

☆

حسن طیبہ، عشق احمد، جاگنا سونا مرا لب رہینِ بادہ ہیں اور آنکھ ساغر آشنا

۶- الحاج داغ نیازی

نام علی محمد ولد نیر علی، قلمی نام داغؔ نیازی ہے۔ شاہ نیاز بے نیازؒ بریلوی کے سلسلہ سے وابستہ دائرہ شاہ محمدی، الہ آباد کے حضرت قاری حسین محی الدینؒ پھلواروی سے بیعت ہونے کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ نیازی لکھتے ہیں۔ تاریخ پیدائش ۱۲؍ستمبر ۱۹۵۴ء اور جائے پیدائش موضع جعفر پور، ضلع کوشامبی، الہ آباد ہے۔ انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد محکمہ دفاع سے متعلق او۔ ایف۔ سی فیکٹری کی ملازمت میں آ گئے جہاں بڑے ہتھیار اور توپیں بنائی جاتی ہیں۔ ۳۰؍ستمبر ۲۰۱۴ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور کانپور ہی کے روشن نگر میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ۲۰۱۵ء میں عمرہ اور ۲۰۱۶ء میں حج بیت اللہ سے سر افراز ہوئے۔ داغ نیازی نے شاعری میں علامہ حق بنارسی کی شاگردی اختیار کی۔ وہ نعت و منقبت اور غزل میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ ان کا ایک نعتیہ مجموعہ ''مدینے کا چاند'' اور ایک شعری مجموعہ ''آئینۂ حیات'' شایع ہو چکے ہیں۔ اب ایک اور شعری مجموعہ ''عکس آئینہ'' جلد شائع ہونے والا ہے۔ داغ نیازی نے ''حلقۂ ادب'' کانپور کی تشکیل کی ہے جسکے سکریٹری کے بطور ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں، اس ادارہ کے زیر اہتمام ہر ماہ طرحی نشستیں پچھلے بارہ سالوں سے مسلسل ہوتی آ رہی ہیں۔ داغ نیازی متشرع، نیک طینت، منکسر المزاج اور ادبی طور پر بہت فعال شخصیت کے مالک ہیں۔

ان کی نعتیہ شاعری حسن عقیدت سے مزین ہے۔ زبان بہت صاف اور سہل استعمال کرتے ہیں۔ ان کے یہاں بھی مدینہ شریف کے حوالے سے بہت سے خوبصورت اشعار موجود ہیں۔ چونکہ وہ خود درِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضری کا شرف حاصل کر چکے ہیں اس لئے ان کے اشعار میں مشاہدہ کی روشنی اور ایمان کی حرارت صاف محسوس ہوتی ہے۔ نمونۂ کلام درجِ ذیل ہے۔

رحمتِ لطف ہو سرکار مدینے والے سر پہ عصیاں کا ہے انبار مدینے والے

☆

جمالِ شہر مدینہ کو دیکھنے والے
کبھی نگاہ کبھی دل نثار کرتے ہیں

☆

محسوس ہو رہا ہے کہ جنت میں ہوں مقیم
گم، دل مرا مدینے کی رعنائیوں میں ہے

☆

یہ کیسی محبت ہے آقا مرے سینے میں
کعبہ ہے مرے دل میں اور دل ہے مدینے میں

☆

ہے دست عطائے شہِ کونین کا صدقہ
قطرہ بھی مدینے میں سمندر کی طرح ہے

☆

گھر واپسی کی کوئی تمنا نہیں رہی
ہو جائے انتقال مدینے میں آ گیا

☆

یہ فیضِ شاہِ مدینہ نہیں تو اور کیا ہے
مثالِ گلشنِ جنت سجا ہے بنجر بھی

☆

آپ کے حصے میں آئے گی بہشت
آپ بھی ذکرِ مدینہ کیجئے
دیکھ لوں شہر مدینہ کی بہار
حکم پھر آقا دوبارہ کیجئے

☆

جن پہ سرکار کا کرم ہوگا
وہ مدینہ ضرور جائیں گے

☆

جاؤں گا مدینے میں نگاہوں کو جھکائے
پروانہ اگر آ گیا میری طلبی کا

☆

مرا بھی بلاوا مدینے سے آیا
خوشی صاحبِ بال و پر ہو گئی ہے

☆

تجلیِ شہر مدینہ تو دیکھو
ہے روشن یہاں چاند تاروں کی دنیا

☆

بیتاب دل ہے کب سے مدینے کے واسطے
آقا مجھے مدینے کا اذنِ سفر ملے

☆

۷- فاروق جائسی

نام فاروق احمد ولد شیخ منظور احمد، قلمی نام فاروق جائسی، جائے پیدائش جائس، ضلع رائے بریلی (یو. پی) اور سرکاری رکارڈ میں تاریخ پیدائش ۸/ جولائی ۱۹۵۲ء ہے۔ ۱۹۷۴ء میں کسٹم اینڈ سنٹرل اکسائز آفیسر کے عہدے پر سرکاری ملازمت میں آ گئے۔ ملازمت کے دوران شاہجہانپور، سیتاپور، دلّی اور چنئی تبادلے ہوتے رہے مگر مستقل قیام کانپور ہی میں رہا۔ بیعت بازی کے زیر اثر شاعری کی ابتدا مڈل اسکول جائس ہی سے ہوگئی تھی۔ تعلیم کے سلسلہ میں ۱۹۶۵ء میں کانپور آنا ہوا اور اسی شہر کو وطن ثانی بنالیا۔

یہاں کانپور میں پہلے ساحر ہاشمی ادیب کو چند غزلیں دکھائیں مگر عروضی تشنگی کے زیر اثر علامہ کوثر جائسی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوگئے۔ شعری مجموعہ ''شفق رنگ''، مضامین کا مجموعہ ''مطمحِ نظر''، تحقیقی کتاب ''شاہ علی حسن احسن جائسی فن اور شخصیت''، شعری مجموعہ ''صدف رنگ'' اور پچاسوں متفرق تنقیدی مضامین وتبصروں کے علاوہ ''تذکرۂ شعرائے کانپور'' شائع ہو چکے ہیں۔ شاعری میں زیادہ شغف حمد، نعت، منقبت اور غزل سے ہے۔ اصناف سخن میں غزل اور رباعی پسندیدہ صنف ہے۔ سادہ، عام فہم اور رواں زبان کا استعمال زیادہ مرغوب ہے مگر تراکیب وتشبیہات اگر آمد کے طور پر اشعار میں آ جائیں تو اس سے بھی گریز نہیں ہے۔ آل انڈیا مشاعروں اور سیمیناروں میں بھی تواتر کے ساتھ شریک ہونے کے مواقع حاصل ہوتے رہتے ہیں۔

طیبہ کو کس نے رشک گلستاں بنا دیا　　یثرب تھا پہلے خارِ مغیلاں ہر ایک سمت
گزرے تھے شہر سنگ سے وہ آئنہ بدست　　بکھرے ہوئے ہیں دیدۂ حیراں ہر ایک سمت
مقصد یہی یارب ہے مری در بدری کا　　طیبہ میں سماں دیکھ لوں میں جلوہ گری کا

☆

مدینے کی گلی ہے منزلِ صبر وقرار اپنی اسی جانب　　کھنچی جاتی ہے پیہم جانِ زار اپنی

☆

جہاں کا ذرہ ذرہ رحمتوں کا آبگینہ ہے　　وہاں ہم سب کو پہنچائے خدائے سرورِ عالم

☆

مقامِ شکر حق ہے ہم اگر پہنچے مدینے میں　　تو جھک جائے گی سجدے میں جبیں بے اختیار اپنی

☆

نہ پوچھو شان کیا ہے خاک پائے شاہ طیبہ کی　　مسلم اہل حق میں اس کا ہے خاک شفا ہونا

☆

آئے تو سہی ہاتھ میں خاکِ درِ طیبہ مٹ جائیں گے جتنے بھی ہیں آزار ہمارے

☆

سوچا یوں نہی فاروقؔ میں طیبہ کو پہنچ جاؤں اڑتے ہوئے گزرے جو کبوتر مرے آگے

☆

ہے جو دنیا ہی میں موجود ریاض الجنّۃ بس ذرا دیر ٹھہرنے کو وہ جا مانگتے ہیں
اس سے پہلے کہ ہمیں اذنِ حضوری مل جائے روح پر جسم کی پاکیزہ قبا مانگتے ہیں

☆

مکہ کا رعب، امن مدینہ انہیں کا ہے کعبہ انہیں کا گنبدِ خضرا انہیں کا ہے

☆

مدینے کی طرف سے ہند کو بادل جو آتے ہیں یہ وہ بادل ہیں جو اللہ کی رحمت لٹاتے ہیں

☆

ارضِ طیبہ کی عظمتوں کو سلام آسماں زیرِ آسماں کہیئے

☆

سیل ذرات خاکِ طیبہ کو کیوں نہ تاروں کا کارواں کہیئے

☆

ارضِ طیبہ حضور کا مسکن اس کو صد رشکِ آسماں کہیئے

۸- الحاج نصیر نادان

نام نصیر احمد ولد محمد صدیق تخلص نادانؔ ہے ۵؍فروری ۱۹۴۹ء کو کانپور میں پیدا ہوئے۔ ہائی اسکول اور ادیب کامل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد زیورات کی تجارت میں مصروف ہوگئے۔ ساتھ ساتھ مشقِ سخن بھی چلتا رہا۔ حد درجہ منکسر المزاج اور کم سخن ہیں۔ علامہ حق بنارسی سے انہیں شرف تلمذ حاصل ہے۔ نادانؔ کے کئی شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ''دسترس''، ''شیرازہ'' اور ''کاش'' ان کے وہ مجموعے ہیں جو غزلیات، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہیں۔ ۲۰۱۱ء میں ان کا نعتیہ مجموعہ ''اقرا'' بھی منظرِ عام پر آچکا ہے۔ وہ شعر گوئی پر استادانہ گرفت رکھتے ہیں۔ بقول علامہ کوثر جائسی ''وہ دانائے رموز سخن ہیں۔ اور اپنے استاد علامہ حق بنارسی کے مختصر اشارات کی روشنی میں فکر و نظر کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ ان کے کئی شاگرد ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان کے مشاعروں میں کانپور کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

کانپور کے خوش فکر نعت گو شاعروں میں نصیر ناداںؔ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ بقول علامہ طیش صدیقی ''نصیر کا تخلص ناداںؔ ہے مگر ُاقراء ُ کے منتخب اشعار ان کی قابل قدر دانائی کے آئینہ دار ہیں۔ وہ نبی عربی (فداہ امی وابی) کی شان و عظمت سے بھی واقف ہیں اور اس کے اظہار و بیان کا سلیقہ بھی رکھتے ہیں''۔ چونکہ حجِّ بیت اللہ اور زیارتِ مدینہ کی سعادتیں حاصل کر چکے ہیں اس لئے ان کے اشعار میں آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مدینہ طیبہ سے والہانہ عقیدت کا اظہار نظر آتا ہے۔ آجکل علیل ہیں اللہ تعالیٰ انہیں نعت گوئی کے طفیل صحتِ کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ ان کے نعتیہ اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے۔

کہتے ہیں جس کو طیبہ، دلِ کائنات ہے　　آنکھوں میں اس دیار کے منظر سمیٹ لے

☆

مقاماتِ سکونِ دل ہیں دنیا میں بہت لیکن　　جو ملتی ہے مدینے میں وہ راحت اور ہی کچھ ہے

☆

کیوں نہ خارِ رہِ طیبہ کے تصدق جاؤں　　پاؤں کے زخم چمکتے ہیں نگینے سے مرے

☆

میں نے جو مانگی دعا، سلطانِ طیبہ کے طفیل　　وہ دعا میری کلیدِ بابِ جنت ہو گئی

☆

حاجی کوئی طیبہ میں پہنچتا نہیں جب تک　　واجب مرے آقا کی شفاعت نہیں ہوتی

☆

آنکھوں سے اپنی فرطِ عقیدت سے چوم لوں　　طیبہ کے راستے میں جو کانٹا ہو پھول ہو

☆

حاصل ہے شرف طیبہ کی دریوزہ گری کا　　ہم کس لئے ارمان کریں تاجوری کا
اے زائرِ طیبہ نہ چھٹے ہوش کا دامن　　الزام نہ آجائے کہیں بے خبری کا

☆

مدینے کی عظمت کو کیا پوچھتے ہو　　مدینہ ہے دارالشفائے محمد

☆

پڑھ لیتا اگر طیبہ میں چالیس نمازیں　　تو دل میں مرے جینے کی حسرت نہیں ہوتی

☆

وہ مدینہ ہے مدینہ ہے مدینہ بیشک ایک پل میں جہاں تقدیر سنور جاتی ہے

☆

اہلِ ایماں کو نہیں چاہئے کچھ اس کے سوا نور میں ڈوبی مدینے کی فضا مانگتے ہیں

☆

دیار طیبہ سے افضل کوئی مقام نہیں چلو لٹائیں وہیں زندگی کا سرمایہ

☆

تاریکیاں حیات کی کافور ہو گئیں مکے سے جب وہ نور مدینے میں آ گیا
یہ شہر کائنات میں ممتاز کیوں نہ ہو جب فخرِ کائنات مدینے میں آ گیا

۹- سیدوسیم الحسن ہاشمی

نام سیدوسیم الحسن ہاشمی،صفی پور شریف (اناؤ) کے بہت ہی معزز گھرانہ میں سیدلطیف الحسن ہاشمی کے یہاں ۲۷/ جولائی ۱۹۵۲ء کو تولد ہوئے۔''بی ایس سی''،''ایل ایل بی''اور''ایم اے'' کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور''یوپی ایس آئی ڈی سی'' میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۷۷ء میں شاعری سے رغبت ہوئی اور وسیم تخلص اختیار کیا۔ کبھی کبھی ہاشمی بھی بطور تخلص نظم کرتے ہیں۔استادی شاگردی کے بندھن میں کبھی نہیں بندھے۔کانپور کے بےحد زودگوشعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔شہر میں ان سے تیز اور فنی لحاظ سے چست شعر کہنے والا شاید کوئی نہیں ہے،بس مولانا قاسم حبیبی اور یاور وارثی صاحبان کی مثال دی جاسکتی ہے۔

کم از کم پانچ سوغزلیں اور چار سو رباعیات کہہ چکے ہیں۔مجموعہ کی کمپوزنگ ہو چکی ہے جو اشاعت کا بہت دنوں سے منتظر ہے۔کثیر تعداد میں نعتیں بھی کہہ رکھیں ہیں۔اشاعت سے کوئی شغف نہیں ہے۔مقامی طور پر استاد کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔وسیم ہاشمی کا ادبی اور مذہبی مطالعہ بہت عمیق ہے۔زبان و بیان پر مکمل گرفت ہے۔عروضی پیچیدگیوں سے دو دو ہاتھ کرتے رہتے ہیں۔ان کا بہت سا کلام ایسی بحور میں بھی ہے جن تک عام شاعروں کی رسائی نہیں ہو پاتی۔

یہ''دبستان نعت'' ہی کا کارنامہ ہے کہ ڈاکٹر سراج احمد قادری کی کوششوں سے ان شاعروں کا نعتیہ کلام بھی منظر عام پر آ رہا ہے جو گلشنِ نعت کے گلہائے شگفتہ ہیں مگر جن کی خوشبو سے عام قارئین اب تک نا آشنا تھے۔وسیم ہاشمی کے نعتیہ اشعار کی اشاعت بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شہر مدینہ سے وسیم ہاشمی کی عقیدتوں اور محبتوں کا کیا کہنا کہ وہ خود گلشنِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک شاخ میں سے ہیں۔ان کے وہ اشعار جو مدینہ کے تعلق سے ہیں

نذرِ قارئین کر رہا ہوں۔

ہزار کوششیں کر لیں ہمارے ذہن و قلم
بیان ہو نہیں سکتی ہے عظمتِ طیبہ
☆
چشمِ ایماں کھول کر دیکھو مدینے میں اگر
ہر قدم پر پاؤ گے تم فضل و فیضانِ رسول
☆
گلیاں ہیں مدینے کی، کہ آغوش کرم ہیں
ان میں ہی مری خاک بکھر جائے تو اچھا
☆
لگتا ہے کہ لے جائے گی طیبہ میں مجھے بھی
چلتی ہے بہت جھوم کی یہ بادِ صبا روز
☆
کتنے دل بچھ گئے راہوں میں عقیدت سے وسیمؔ
جب کہ آقا کے قدم جانبِ طیبہ اٹھے
☆
یہ اس کی در پہ لگی بھیڑ سے ہوا ظاہر
گدائے کوئے مدینہ ہے خود ہی شاہِ شہاں
☆
تو پھر تاجِ شاہی کی کلغی ہے بیکار
میسر نہیں ہے جو خاک مدینہ
☆
اے مالکِ کون و مکاں اے شافعِ روزِ جزا
مجھ کو عطا ہو صدقۂ خاکِ مدینہ روزِ حشر
☆
ہند سے طیبہ آئے تم، فخر کرو تو ہے بجا
دیکھو یہاں کے روز و شب حاصلِ کائنات ہیں
☆
یہاں پر آنے والا بھیگتا رہتا ہے ہر لحظہ
ہوا کرتی ہے رنگ و نور کی بارش مدینے میں
☆
اے ارض مقدس ہمیں سینے سے لگا لے
ہم گنبدِ خضرا پہ دعا مانگ رہے ہیں
☆
جو لوگ مدینے میں پلکوں کو بچھاتے ہیں
در اصل وہی اپنی تقدیر بناتے ہیں
☆

آگئے ہیں مدینے میں اب ہاشمی ہر تمنائے دل پوری ہو نے کو ہے

☆

روضے پہ دعا سب سے جدا مانگ رہے ہیں ہم اپنے لئے خاکِ شفا مانگ رہے ہیں

☆

امڈ کے آئیں گھٹائیں برس گئیں کھل کر دلوں کا درد مدینے میں کہہ لیا سب نے

☆

روح کا دامن بھرتا ہوں طیبہ طیبہ کرتا ہوں

ہزار شکرِ خدا ہے اس نے ہمیں نوازا مدینے بھیجا

دعا ہے دل کی یہاں سے اب ہم کبھی نہ لوٹیں کہیں نہ جائیں

۱۰- ارشاد کانپوری

نام ارشاد علی انصاری ولد احمد علی انصاری، تخلص ارشاؔد، تاریخ پیدائش ۲۷ر جنوری ۱۹۶۱ء اور جائے پیدائش کانپور ہے تعلیمی استعداد ہائی اسکول اور معلم ہے۔علامہ حق بنارسی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ ترنم بہت خوبصورت ہے۔مشاعروں کے کامیاب شعراء میں شمار ہوتا ہے۔غزل، نعت و منقبت ساری اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ان کے اشعار سادہ اور اصلاحی پہلو لئے ہوئے ہوتے ہیں۔فنِ تاریخ گوئی میں بھی دخل رکھتے ہیں۔اپنے استاد گرامی حضرت حق بنارسی کا قطعۂ تاریخ یوں کہا ہے۔ے

علم و ہنر میں فخر قلم لکھ دیا گیا وابستگانِ رنج و علم لکھ دیا گیا

تاریخ یوں رقم ہوئی ان کے وصال کی استاد کو ''مفسرِ غم'' لکھ دیا گیا (۱۹۲۰ھ)

آرام گاہِ رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے سے ان کے اشعار کا نمونہ حاضر ہے جن میں سادگی، صفائی، اثر آفرینی اور عقیدت ظاہر ہے۔ے

ہم مدینے کی بات کرتے ہیں ☆ یعنی جینے کی بات کرتے ہیں

جس نے مہکا دیا زمانے کو اس پسینے کی بات کرتے ہیں

☆

یثرب نہیں ہے، شہر مدینہ کہو اسے اب اس کے گوشے گوشے میں ہے مصطفےٰ کا رنگ

☆

جنت کی فضاؤں میں محسوس کیا خود کو	بیمار نبی نے جب طیبہ کی ہوا لی ہے

☆

نور و نکہت بھری تھالی ہے مدینے کی گلی	کس قدر رحمتوں والی ہے مدینے کی
روضۂ سرورِ کونین کی عظمت کے طفیل	سارے عالم سے نرالی ہے مدینے کی گلی

☆

کوئی مقدار اگر ہوتی تو میں بے ساختہ کہتا	مجھے اتنا نہیں، اتنا مدینہ یاد آتا ہے

☆

میرے سرکار مدینہ نہ بلاتے جس کو	پھر بھلا سوچئے وہ کیسے مدینہ جاتا

☆

وہاں کی خاک کو خاک شفایوں ہی نہیں کہتے	ملے گی درد سے راحت مدینہ جا کے دیکھ آؤ

☆

دلوں میں عشق محمد کو جو بسائیں گے	مجھے یقیں ہے وہ طیبہ ضرور جائیں گے

☆

حالانکہ مدینہ ہے بہت دور یہاں سے	سرکار جو چاہیں تو کوئی دور نہیں ہے

☆

فرشتے بھی جہاں پر باادب ہوجاتے ہیں ارشاؔد	وہاں کی شان اور شوکت مدینہ جا کے دیکھ آؤ

☆

دل میں سچی محبت نبی سے، تم جو رکھتے ہو تو یہ سمجھ لو	خاکِ دربارِ شاہِ مدینہ پاس اپنے بلائیگی اکدن
سرزمینِ مدینہ کی عظمت پوچھتے کیا ہو ارشاؔد سے تم
یہ تو صد رشکِ خلدِ بریں ہے خطۂ ارضِ دنیا نہیں ہے

۱۲- حافظ ظہیر کانپوری

نام حافظ ظہیر احمد ولد عبد الخالق، تخلص ظہیؔر کی تاریخ پیدائش ۳۰ رجون ۱۹۵۴ء اور جائے پیدائش کانپور ہے۔ تعلیمی استعداد منشی کامل ہے۔ ۱۹۶۸ء سے شاعری کا آغاز کیا اور علامہ رشید قمر لکھنوی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت قیوم ناشاد فیض آبادی سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ اللہ نے انہیں بہت ہی خوبصورت ترنم سے نوازا ہے اس لئے نعتیہ اور بہاریہ مشاعروں میں تواتر

کے ساتھ مدعو کئے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے بیشمار چھوٹے بڑے شہروں کے مشاعروں میں شرکت کر چکے اور سامعین کا دل جیت چکے ہیں۔ بہت خاموش طبیعت اور منکسر المزاج ہیں۔ شعری ادب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ بے شمار اساتذہ کے چنیدہ اشعار کے بھی حافظ ہیں۔

ان کے اشعار سلیس اور عام فہم ہوتے ہیں۔ بندش چست اور دل میں جگہ بنا لینے کی خاصیت رکھتے ہیں۔ زبان و بیان پر مضبوط گرفت رکھتے ہیں۔ کانپور کے بہت سے شعراء ان سے اصلاح لیتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے تناظر میں نمونۂ کلام حاضر ہے۔

مدینہ خطۂ عرشِ علا، معلوم ہوتا ہے
یہاں کا ذرہ ذرہ آئینہ معلوم ہوتا ہے

☆

ہر درد کی دوا ہے ہر اک زخم کا علاج
دار الشفا ہے شہرِ مدینہ رسول ﷺ کا

☆

سبز گنبد، روضۂ خیر الوریٰ اچھا لگا
ہر سفر سے بس مدینے کا سفر اچھا لگا

☆

میں روزانہ تصور کا کرشمہ دیکھ لیتا ہوں
جب آنکھیں بند کرتا ہوں مدینہ دیکھ لیتا ہوں

☆

مرے قدم ابھی پہونچے نہیں مدینے تک
مگر خیال مرا روز آتا جاتا ہے

☆

اسی امید اسی آس پر میں زندہ ہوں
اک نہ اک روز مدینے کی زیارت ہوگی

☆

شفائے شہر مدینہ ذرا سا دہرا دے
سنی تو ہوگی بہت تو نے گفتگوئے رسول

☆

مرا دعویٰ ہے جو دیکھے گا وہ یہ کہہ دیگا یہی
مجھ کو جنت سے مدینے کی گلی اچھی لگی

☆

جانے کس ذرے میں نعلینِ نبی کا عکس ہو
یہ مدینہ ہے یہاں رکھنا قدم اچھی طرح

☆

اے ارضِ مدینہ متوجہ ہو ادھر بھی
تو ہی تو مداوا ہے پریشاں نظری کا

☆

سبز گنبد، روضۂ خیر الوریٰ اچھا لگا ہر سفر سے بس مدینے کا سفر اچھا لگا

☆

اپنا تو تعلق ہے مدینے کی زمیں سے رشتہ ہے ہمارا نہ کسی سے نہ کہیں سے

☆

سبز گنبد، روضۂ خیر الوریٰ اچھا لگا ہر سفر سے بس مدینے کا سفر اچھا لگا

۱۱- آصف صفوی

محمد آصف خان ولد اچھے میاں خان کا قلمی نام پہلے آصف طاہری ہوا کرتا تھا کیوں کہ وہ وقار طاہری کے حلقۂ تلامذہ میں شامل تھے مگر جب سے حضرت اعزاز محمد فاروقیؒ (شمو میاں، صاحب سجادہ حضرت شاہ مخدوم صفیؒ، صفی پور شریف، اناؤ) کے حلقۂ ارادت میں آئے تب سے اپنے کو آصف صفوی لکھنے لگے ہیں۔ ان کی تاریخ پیدائش ۲۰ر جنوری ۱۹۶۷ء اور جائے پیدائش کانپور ہے۔ کانپور یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور کسب معاش کے لئے بہت دنوں تک لائٹ میوزک سے وابستہ رہے۔ اس سلسلہ میں بیرون ممالک میں کافی آنا جانا رہا مگر اب میوزک سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور اپنے میڈیکل اسٹور سے کسب معاش کر رہے ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ ''بابِ ہنر'' ۲۰۱۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اپنے مجموعہ میں انہوں نے حمد و مناجات، نعت اور منقبت بھی شامل کی ہیں۔ اس سے ان کی خدا پرستی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت اور ذہنی میلان کا پتہ چلتا ہے۔

آصف صفوی کا ذہن موزوں اور خیالات پاکیزہ ہیں۔ نعت گوئی سے خاص شغف ہے۔ ترنم بہت خوبصورت ہے۔ اچھے ناظمِ مشاعرہ بھی ہیں۔ ان کی شاعری میں جدید رنگوں کی آمیزش ہے۔ انہوں نے از کار رفتہ کلاسیکل انداز شاعری سے اپنے کو بچایا ہے مگر اپنی شاعری کی بنیاد کلاسیکل شاعری کے ان اصولوں پر قائم رکھی ہے جس کی اتباع کے بغیر عمدہ اور زندہ رہنے والی شاعری وجود میں نہیں آسکتی۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

بکھری ہے نواحِ جاں میں خوشبو چمکا تھا ابھی ابھی مدینہ
لفظوں کا وقار اس کی تعریف لہجے کی شگفتگی مدینہ
آنکھوں کا قرار حسنِ کعبہ روحوں کی تازگی مدینہ

☆

دل میرا جانبِ مدینہ شاخِ گل سا لچک رہا ہے

☆

جسم تو لوٹ آیا ہے لیکن دل مدینے سے لوٹتا ہی نہیں

☆

وادیِ جان میں چمکتا ہے بشکلِ مہتاب میری تنہائی کے لمحوں میں مدینہ میرا

☆

میں بھی آ جاؤں مدینہ تو بوقتِ رخصت میرے آقا مجھے مجبورِ رہائش کرنا

☆

کیوں نہ ہوں تجھ پر تصدق اے مدینے کی ہوا تیری خوشبو سے یہاں مہکا ہوا میں بھی تو ہوں

☆

تھک گئیں آنکھیں نظارہ کرتے کرتے اب تصور میں مدینہ چاہتا ہوں

☆

اے خامۂ خیال مدینے کی سمت چل درپیش مدحتِ شہِ والا تبار ہے

☆

آنکھوں میں اشک بھی ہے مدینے کی یاد بھی ان کو پکارنے کی فضا سازگار ہے
کہاں وہ بات مدینے کے سب مکانوں میں بات حضرتِ ایوب کے مکان میں ہے

مندرجہ بالا تذکروں سے کانپور کی نعتیہ شاعری اور اس کی جہتوں کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ درجِ بالا اشعار چونکہ صرف مدینہ کی عظمتوں کے حوالہ سے ہیں اس لئے کسی شاعر کی مجموعی نعتیہ شاعری کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ میرا خیال ہے کہ کانپور کی فی زمانہ نعتیہ شاعری کو بین الاقوامی نعتیہ شاعری کی صف میں بہت اعتماد سے رکھا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر یاور وارثی، مولانا قاسم حبیبی اور مولانا میکائیل ضیائی کی نعتیہ شاعری کا معیار بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ سبھی نعت گو شعراء کی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔

☆☆☆

ڈاکٹر رضوان انصاری (سیتا پور)

آزادی کے بعد ضلع سیتا پور کے نعت گوشعراء کے کلام میں شہرِ رسول کا ذکر اور اس کی معنویت

رب العالمین کو اپنے پیارے محبوب نبی حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حد درجہ محبت ہے پورا قرآن مجید حضور کی ستائش اور عظمت پر گواہ ہے۔ خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں آپ کے چہرۂ انور کو والضحیٰ فرمارہا ہے تو دوسری آیت میں آپ کے گیسوئے مبارک کو واللیل کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ تو کہیں آپ کے اسوۂ حسنہ اور اخلاقِ کریمانہ کو بیان کیا ہے۔ آپ جس شہر مقدس میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ رب قدیر نے اس شہر کی قسم کھا کر عظمت کا اظہار فرمایا ہے۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور اِس شہرِ مقدس کو اپنا مستقل مستقر قرار دے دیا تو رب العالمین نے جاہ وجلال مکہ مکرمہ میں رکھا اور مدینہ طیبہ میں رحمت وشفقت نازل فرمایا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد انصار ومہاجرین کے مابین جو اخوت اور بھائی چارگی کا درس دیا تھا اس کا اثر آج بھی بحمدہ تعالیٰ اہل مدینہ میں برقرار ہے۔

حضور رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہر اقدس کی عظمت واہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ رب العالمین نے آپ کے مزار اقدس پر دو طرح کے ملائکہ کو حاضر باشی کا حکم دیا ہے۔ پہلے قسم کے وہ ملائکہ ہیں کہ کائنات میں آپ کے جو امتی آپ پر درود شریف پڑھتے ہیں ان کو آپ تک پہنچاتے ہیں۔ دوسرے وہ فرشتے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر صبح بعد نماز فجر حاضر ہوتے ہیں اور پھر نماز عصر کے بعد فجر کے وقت حاضر ہونے والے فرشتے چلے جاتے ہیں اور دوسرے فرشتے حاضر دربار اقدس ہوجاتے ہیں۔ یہ فرشتے صرف ایک بار دربار رسالت میں آکر

درود پاک پڑھتے ہیں دوبارہ آنے کا حکم نہیں۔ جو فرشتے دربارِ اقدس میں صبح و شام حاضر ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد ستر ہزار ہے دربار رسالت میں حاضر ہونے والے ملائکہ کے بارے میں سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کے شعر ملاحظہ ہوں۔

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام یوں بندگیِ زلف و رخ آٹھوں پہر کی ہے

☆

جو ایک بار آئے دوبارہ نہ آئیں گے رخصت ہی بارگاہ سے بس اس قدر کی ہے

☆

تڑپا کریں بدل کے پھر آنا کہاں نصیب بے حکم کب مجال پرندے کو پر کی ہے

سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان ایک سچے عاشقِ رسول اور فنافی اللہ و رسول عالم دین تھے۔ ان کا مطالعہ قرآن واحادیث بڑا گہرا ہی نہیں تھا بلکہ آپ ان کے حافظ بھی تھے۔ اسی روشنی میں آپ نے کلام بھی کہا ہے۔ آپ کی مکمل شاعری عطائی ہے۔

آپ نے متذکرہ تین اشعار درج فرمانے کے بعد ایک شعر میں فرشتوں کو دوبارہ صلوٰۃ وسلام مزار اقدس پر پیش نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہوئے کہا ہے کہ۔

یہ بدلیاں نہ ہوں تو کروروں کی آس جائے اور بارگاہ مرحمتِ عام تر کی ہے

سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے شہر رسول پر بڑی معنی خیز خیال کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ خیال اور اظہارِ بیان صرف آپ کا خاص حصہ ہے۔ دوسروں کو یہ سعادت نصیب نہیں۔ صرف دو شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

☆

عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو! مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے

☆

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہر اقدس اور مزار پُر انوار کی جو عظمت قرآن عظیم میں وارد ہے وہ یقیناً بے مثل و بے عدیل ہے۔ وہ لاثانی ہے۔ اسی کی روشنی میں سیدنا فاضل بریلوی نے شہر رسول کی اہمیت اور عظمت اپنے نعتیہ اردو کلام میں بیان کر کے مابعد کے شعراء نعت گو کے لئے مشعلِ راہ پیش کیا ہے۔

آزادی کے بعد اردو کے جملہ اصنافِ سخن بشمول نثر ونظم میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ یہ انقلاب آفریں ماحول اردو کی تقدیسی شاعری میں بھی خوب خوب آیا۔ مسلمانانِ ہند تقسیم وطن کی اس اذیت ناک کرب کا احساس شدت سے کرنے لگے۔ جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے قلوب گنبدِ خضریٰ کی جانب ملتفت ہونا امر لازم ہوگیا۔ شہرِ رسول یا مدینۂ طیبہ کی عظمت پر قادرالکلام شعراء نے شعر کہہ کر اپنی بخشش اور نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ سارے عالم کے مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز شہرِ رسول اور گنبدِ خضریٰ میں آرام فرما حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ نعت گو شعراء نے مختلف اور منفرد فکر پر مبنی اس موضوع پر بے شمار اور لاتعداد اشعار کہہ کر خود کو موجبِ بخشش مانا ہے۔ یہ سعادت دنیا کی کسی دوسری زبان کو حاصل نہیں ہے۔

پوری دنیا کے نعت گو شعراء کی طرح ضلع سیتاپور کے اردو کے شعراء اپنے تقدیسی کلام سے روح کو بالیدگی اور توانائی عطا کرنے میں پیش پیش رہے ہیں۔ خاص طور سے آزادی کے بعد ان شعراء کا رجحان تیزی سے اس جانب بڑھا ہے۔ ان شعراء کا اجمالی تعارف کے ساتھ شہرِ رسول اور اس کی معنویت پر مبنی کلام پیش کر کے جائزہ بھی لینے کی سعی کی جارہی ہے۔

جناب جنبش خیرآبادی

خیرآباد ضلع سیتاپور کا بڑا مردم خیز قصبہ ہے۔ آزادی سے قبل یہ قصبہ کمشنری کے درجہ میں داخل تھا۔ یہاں ہر دور میں منفرد اوصاف اور محاسن کے حامل عارف باللہ اور رسول نیز دانشورانِ علم وفضل پیدا ہوتے رہے ہیں۔ بڑے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اور چھوٹے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے ایک جانب جہاں عوام وخواص کی رشد وہدایت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔ وہیں جناب ریاض خیرآبادی، جناب وسیم خیرآبادی، جناب مضطر خیرآبادی، جناب کوثر خیرآبادی نیز جناب جنبش خیرآبادی وغیرہ شعراء نے اپنی جودتِ فکر سے اردو کی زلف گرہ گیر کو سلجھانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ اردو کے نامور نعت گو اور فکر بلیغ کے شاعر جناب رجب علی المتخلص جناب جنبش خیرآبادی کے کلام میں شہرِ رسول دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طرز استعمال اور اجمالی تعارف پر مبنی ہے۔

آپ کا اسم گرامی رجب علی ہے۔ تخلص جنبش خیرآبادی ہے۔ ان کی ولادت ۲ر جنوری ۱۹۳۰ء ہے۔ ۶ ماہ کی عمر میں والد کی وفات ہوگئی۔ اس لئے ان کی تعلیم وتربیت خود ان کی والدہ کے زیر سایہ

ہوئی۔ ہوش وخرد کی منزلیں طے کرنے کے زمانہ میں صفی پور کے مشہور ومعروف صوفی باشرع مولانا انوارالحق شاہ صاحب کے دستِ حق پرست سے وابستہ ہو گئے۔

شعروشاعری میں دلچسپی قدرت نے روزِ اوّل ہی میں عطا فرمادی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کلام میں اصلاح کے لئے حکیم سخن سید امیر احمد اثیم خیرآبادی کے روبرو زانوئے ادب تہہ کیا۔ استاد کی نگہ کیمیا نے شاگرد کو کندن سونا بنا دیا۔ جس کے نتیجہ میں تقدیسی اشعار پر مبنی ایک شاہکار تخلیق ''گلِ خضرا'' کے نام سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ جو اپنی مثال آپ ہے۔

جناب جنبشؔ خیرآبادی کی رحلت ۳ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو خیرآباد میں ہوئی اور وہیں سپردِ خاک ہوئے۔

جیسا کہ ماقبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ خیرآباد (اودھ) زمانۂ قدیم سے اہل اللہ اور صوفیاء کرام کا مولد ومسکن ہونے کا اعزاز رکھتا ہے۔ ان بزرگوں نے بندگان خدا کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی محبت اور وابستگی کا درس دیا ہے۔ چنانچہ ان سے متعلق شعراء کرام نے تقدیسی کلام کہنا اپنے لئے حدائق بخشش قرار دیا۔ ان ہی شعراء کرام کے زمرہ میں ایک اہم نام جناب جنبشؔ خیرآبادی کا بھی ہے۔

جناب جنبشؔ خیرآبادی کی تربیت خیرآباد کی روحانی فضا میں ہوئی۔ اس لئے ان کا قلب مدینۂ رسول سے بے حد متاثر نظر آتا ہے۔ آپ کا سینہ عشق رسول کا گنجینہ بن گیا تھا۔ اس ضمن میں ان کے تقدیسی کلام پر مبنی مجموعہ کلام ''گلِ خضرا'' میں بیشتر اشعار شاہد ہیں۔ شہرِ رسول سے بے پناہ عشق ہے۔ وہ رب العالمین کے دربار میں دعا گو ہیں کہ میری قسمت میں ہر لمحہ کوچۂ مدینہ کی پیمائش لکھ دے اور اسی خیال میں میری زندگی گزرے۔ شعر ملاحظہ ہو۔ ؎

الٰہی ہر گھڑی سر میں رہے سودا محمد ﷺ کا　　مری قسمت میں لکھ دے کوچہ پیمائی مدینے کی

ہر مومن صادق کی یہ دلی تمنا ہوتی ہے کہ اس کی زندگی کی آخری سانس روضۂ رسولؐ کے روبرو نکلے۔ جناب جنبشؔ خیرآبادی بھی اسی خیال کو یوں نظم کرتے ہیں۔ شعر دیکھئے۔ ؎

زباں پر نام ہو اور سامنے روضہ ہو حضرت کا　　تمنا ہے کہ دم طیبہ میں نکلے اور یوں نکلے

ایک دوسرا شعر، جو بالکل منفرد فکر کا حامل ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ؎

مدینہ کی ہوا بن کر محمد ﷺ کا پیام آیا　　کھنچا جاتا ہے اب بے ساختہ دل جانب طیبہ

سیدنا رضا بریلوی نے اپنی ایک نعت پاک میں عظمتِ مدینہ منورہ کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ:

ارے سر کا موقع ہے او جانے والے　　حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا

جناب جنبشؔ خیرآبادی کو بھی شہرِ رسول سے بے حد محبت ہے۔ وہاں کے ذرّہ ذرّہ سے عقیدت ہے۔ اس کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ؔ

عزم جب اپنا کبھی جانبِ بطحا کرنا سر کے بل چلنا ہر اک گام پہ سجدہ کرنا

☆

سر جہاں پر جھکایا خدا مل گیا اللہ اللہ مدینہ کا کیا پوچھنا

☆

اگر حضرت جنبشؔ خیرآبادی کے نعتیہ مجموعہ کلام ''گلِ خضرا'' میں موجود کلام جو شہرِ رسول پر مشتمل ہیں پر سرسری ہی جائزہ لیا جائے تو مقالہ بہت طویل ہو جائے گا اس لئے اختصار کو مدنظر رکھ کر صرف شہرِ رسول پر کہے گئے چند اشعار درج کئے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ؔ

ذوقِ نظر کا مدعا روضہ مرے رسول کا سودا زبانِ شوق کا صل علیٰ محمد (ص:۵۸)

موجِ نکہت سے بھی کوئی لغزش نہ ہو یہ مدینہ ہے چل اے صبا دیکھ کر (ص:۶۰)

تڑپ اور دل کی بڑھائے ہوئے ہیں جو حاجی مدینہ سے آئے ہوئے ہیں (ص:۷۳)

دیار مصطفیٰ جنت ہے جنبشؔ میں جیتے جی مدینہ چاہتا ہوں (ص:۷۶)

کعبہ ہو مرے دل میں آنکھوں میں مدینہ ہو یا شاہ مدینہ بس اتنی سی تمنا ہے (ص:۸۱)

مدینے کی گلیوں کے کرپے تمنا کہ خلد بریں ہے دیار مدینہ (ص:۸۶)

جنبشؔ یہی ہے صاحبِ ایماں کی زندگی دل میں حرم نظر میں مدینہ لئے ہوئے (ص:۱۰۸)

خدا نے جو چاہا مدینے چلیں گے وہیں زخم سینے کے سینے چلیں گے (ص:۱۱۲)

ہر ایک کے بس کی نہیں طیبہ کی جدائی اس کے لئے میرا ہی دل میرا جگر ہے (ص:۱۲۳)

مدینے کی تمنا جانے کس عالم میں لے آئی نہ مرنے ہی کا ارماں ہے نہ جینے کی حسرت ہے (ص:۱۲۸)

حرمتِ کعبہ سر آنکھوں پر مگر اہلِ حرم یہ مدینہ ہے یہاں کعبہ کا کعبہ دیکھیے (ص:۱۳۰)

اللہ اللہ ذرۂ کوئے مدینہ کا جلال ہر طرف اک نور کا دریا ابلتا دیکھئے (ص:۱۳۰)

حاصلِ نظارۂ کونین ہے ارضِ حجاز آنکھ اگر دی ہے خدا نے تو مدینہ دیکھئے (ص:۱۳۰)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرت جنبشؔ خیرآبادی کے نعتیہ کلام میں شہرِ رسول کا استعمال بہت جامع اسلوب میں ملتا ہے۔ فکر میں بلاغت ہے۔ وہ اپنی ہر نعت میں مدینۃ النبی کا ذکر کر کے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ جس سے ان کی وسعتِ مطالعہ اور شعر کی معنویت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

ظہورؔ بسوانی

بسواں، سیتاپور ضلع کا نمائندہ اور مردم خیز قصبہ نیز تحصیل کا صدر مقام ہے۔ اِس قصبہ میں جگرؔ بسوانی، افسرؔ بسوانی، باسطؔ بسوانی اور ظہورؔ بسوانی جیسے اردو ادب کے نامور اور معروف شعراء نے اردو کی زلفیں سنوارنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ان کے علاوہ احمد رشید الحق المعروف رشید کوثر فاروقی نے اس قصبہ کو چار چاند لگانے میں اپنے خونِ جگر کو پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر رابعہ بصری کی تحقیق کے مطابق ۱۸۵۶ء سے لے کر اب تک تقریباً ۸۷ شعراء ہوئے ہیں۔ جن میں ۳۶ ہندو شعراء بھی مسلم شعراء کے دوش بدوش اردو کی خدمت میں پیش پیش رہے ہیں۔ بحمہ ہ تعالیٰ آج بھی یہ دونوں قومیں اپنی سابقہ روایت پر عمل پیرا ہیں۔

ظہورؔ بسوانی کے نام سے اردو دنیا میں شہرت پانے والے شاعر کا اصلی نام ظہور الدین ہے۔ آپ کے والد محمد بخش انصاری تھے۔ ظہور بسوانی کی ولادت یکم اگست ۱۹۱۹ء کو تحصیل بسواں کے موضع تال گاؤں میں ہوئی۔ ہائی اسکول تک تعلیم بسواں میں حاصل کی ۱۹۴۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی چلے گئے۔ یہاں انہوں نے ایم.اے سال اوّل اور ایل ایل بی سال اوّل کا امتحان ۱۹۴۶ء میں پاس کر سکے تھے کہ والد محمد بخش کے انتقال کی خبر ملتے ہی اپنے گھر واپس آ گئے اور حصولِ تعلیم کا دور یکسر ختم ہو گیا۔ پوری طرح سے خانگی امور میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۵۵ء میں تال گاؤں سے ہجرت کر کے بسواں چلے آئے اور یہاں مستقل قیام پذیر رہے۔ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔

ظہورؔ بسوانی کو بسواں میں حصول تعلیم کے دوران باذوق اور لائق مند اساتذہ سے اکتساب علم کا سنہرا موقع ملا۔ یہاں سے جب وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پہنچے تو ان کے ذوق کے مطابق ذی استعداد اساتذہ بھی مل گئے۔ اس زمانے میں پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر آل احمد سرور، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، پروفیسر ظہیر الدین اور پروفیسر حبیب احمد وغیرہ اساتذہ شمعِ علم روشن کئے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ یہیں پر ہی ان کو خورشید الاسلام، شکیل بدایونی، مجاز، معین احسن جذبی اور رازؔ مراد آبادی وغیرہ شعراء اپنی شاعری کا اعتراف اردو ادب میں کرواتے ہوئے ملے۔ ان کی صحبتوں نے ظہور بسوانی کے ذوقِ شاعری کو جلا بخشی۔

چنانچہ جب ظہور بسوانی ۱۹۴۶ء میں والد کے انتقال کے بعد اپنے وطن واپس آئے اور ذریعہ معاش بسواں میں شروع کی اور یہاں کے مستقل باشندہ ہو گئے۔ تو یہاں کی ادبی محافل نے ان کی فکر

شعر گوئی کو از سرِ نو زندہ کیا۔ اس زمانے میں جگر بسوانی کی شعر و شاعری اپنے شباب پر تھی۔ آپ نے ان سے ہی اپنے کلام کی اصلاح لی۔ علمی صلاحیت، وسیع مطالعہ مزید برآں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سینئر اساتذہ و طلبہ کی صحبت سے براہِ راست مستفیض ہونے سے ظہور بسوانی کو بہاریہ اور تقدیسی شاعری نے باکمال شاعر بنادیا۔

ظہور بسوانی کے حرف تجلی اور نور و نکہت دو نعتیہ مجموعے کے علاوہ سموم و صبا، چراغِ مشرق، آہنگِ خیال اور دھوپ چھاؤں شعری اثاثے ہیں۔ افسوس ہے کہ ظہور بسوانی کی حقیقی بھانجی جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اس کے باوجود وہ ایک علمی تعلیمی ادارہ بسواں سے پوری زندگی وابستہ رہی ہیں مگر ظہور بسوانی کے علمی اثاثے پر اب تک کوئی کام کسی بھی سطح پر نہیں ہوا۔ یہ خوش فکر اور قادر الکلام شاعر خود اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں گمنامی کا شکار ہو چکا ہے۔

ظہورؔ بسوانی ایک نہایت اعلیٰ فکر کے حامل نعت گو شاعر تھے۔ جس کی شاہد خود ان کی دونوں نعتیہ شاعری پر مبنی کتابیں ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ میں ''حرف تجلّی'' میں شامل شہرِ رسول اور اس کی معنویت پر مشتمل کلام کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جیسا کہ ماقبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ ظہور بسوانی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے عروج و شباب دور کے اسکالر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ خود ان کے گھر کے مذہبی و اسلامی ماحول نے فکر شعر اور بالخصوص نعتیہ شاعری کے لئے مزاج سازی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ حرف تجلی ظہور بسوانی کی نعتیہ شاعری کا دوسرا مجموعہ کلام ہے۔

رب العالمین نے کائنات کی تخلیق فرمائی۔ اس میں بے شمار مخلوقات کو وجود بخشا۔ ان میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ چنانچہ دنیا میں آج تک جتنے بھی انسان عالمِ وجود میں آئے اور موجود ہیں سب کی فکر، شعور و ادراک اظہارِ بیان، طرز تکلم اور دل و دماغ بالکل منفرد اور جدا جدا ہوئے ہیں اور ہیں۔

بہ نسبت عام آدمیوں کے شاعر کی فکر و ادراک میں بہت زیادہ اور نمایاں فرق ہوتا ہے۔ وہ فکر بلیغ کا حامل ہوتا ہے۔ خاص طور سے جب وہ کوئی تقدیسی کلام کہتا ہے تو بہت محتاط ہو کر رہتا ہے۔ اردو اور فارسی، عربی کے شعراء نے اپنے اپنے تخیل کے لحاظ سے اشعار میں شہر رسول کا استعمال کیا ہے ان میں ہر ایک شاعر کی فکر منفرد ہے۔ ظہور بسوانی نے بھی شہر نبی کا مشاہدہ اپنی پیشانی کی نظروں سے کیا ہے۔ ان کی زبان میں بڑی روانی ہے۔ نگاہوں میں تقدس اور دل میں عشق کا جذبہ موجزن ہے۔ وہ

نہایت شستہ زبان میں شہرِ رسول کا استعمال یوں کرتے ہیں۔

جہاں پر ہے عشقِ الٰہی کی منزل وہ ہے مصطفیٰ کا دیار اللہ اللہ

☆

ارضِ طیبہ سے جس کی لگی ہو لگن اس مسافر کی منزل مدینے میں ہے

اردو کے تمام عاشقِ رسول شعراء نے مدینہ طیبہ کی سرزمین کو جنت نظم کیا ہے۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ ہر عاشقِ صادق شاعرِ نعت گو کے لئے محبوب الٰہی کی ہر شے بڑی معنویت کی حامل ہوتی ہے۔ چہ جائے کہ رسولِ رحمت کا شہرِ اقدس قلب ونظر کے لئے جنت الفردوس سے بھی برتر و بالا ہونا فطری امر ہے۔ ظہورؔ بسوانی کے قلب میں مدینۂ منورہ کی عظمت و اہمیت بہت ہے۔ وہ وہاں کی ہواؤں اور فضاؤں پر قربان ہیں۔ کہیں اپنے کلام میں گنبدِ خضریٰ کو عرش کا زینہ قرار دیتے ہیں تو کہیں مدینۂ طیبہ کی خاک کو درد کا درماں کہتے ہیں۔ آیئے چند اشعار سے قلب ونظر کو طہارت دیں۔

کیا یہاں خاک علاجِ غم دوراں ہوگا ارضِ طیبہ میں ملا درد کا درماں ہم کو

☆

یہ جلوؤں کی ارزانی، رحمت کی فراوانی جنت اتر آئی ہے کہنے کو مدینہ ہے

☆

اللہ اللہ یہ مہک یہ نور کا عالم ظہورؔ جنت الفردوس سمجھے جب مدینہ آ گیا

☆

بقعۂ نور مدینہ ہے چلئے ہر طرف جلوہ ہی جلوہ ہے مدینہ چلئے

☆

دیکھئے ہجر نبی میں یہ کرشمہ دیکھئے میرے ہر آنسوں کے قطرے میں مدینہ دیکھئے

☆

یہ بطحا ہے یہی تو منزلِ عشقِ الٰہی ہے یہیں سے جنت الفردوس کا دیدار ہوتا ہے

ظہورؔ بسوانی کا کلامِ اپنی تمام تر فکر و جذبوں کا ایسا گنجینہ ہے کہ اس میں منفرد خیال ہی جلوہ فرما ملے گا۔ ان کا مطالعہ اور مشاہدہ بہت وسیع اور گہرا ہے۔ آپ فرسودہ خیال سے یکسر احتراز کرتے رہے ہیں۔ فکر میں تازگی کا عنصر غالب ہے۔ شہرِ رسول سے بے پناہ عقیدت ہے۔ تقدیسی کلام میں وہ تمام محاسن ملتے ہیں جن کی ضرورت ایک عاشقِ رسول کو ہوتی ہے۔ چند اشعار مزید ملاحظہ ہوں۔

یہیں پہ کھلتے ہیں دروازے باغِ جنت کے
یہاں برستے ہی رہتے ہیں ابر رحمت کے
ہیں رحمتوں کی فراوانیاں مدینے میں

وہ کہیں کا ہو کوئی تاجور کہ ہو کتنا ہی کوئی نامور
وہ دیار پاک حضور میں کبھی سر اٹھا کے چلا نہیں

☆

نہ ہوس ہے جاہ وجلال کی نہ طلب ہے مال ومنال کی
کہ فقیر شہر نبی ہوں میں کوئی ایسا ویسا گدا نہیں

☆

خدا ہی جانے کسے کیا دکھائی دیتا ہے
مجھے تو کعبے کا کعبہ دکھائی دیتا ہے

اس قبیل کے متعدد اشعار ظہورؔ بسوانی کے تقدیسی کلام میں موجود ہیں۔ جن پر تفصیلی مقالہ بعد میں تحریر کیا جائے گا۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ظہورؔ بسوانی کے نعتیہ قطعات سے شہرِ رسول پر مبنی اشعار نذر قارئین کر دیا جائے۔ ظہورؔ بسوانی ایک قادر الکلام صادق الایمان شاعر تھے۔ ان کے کلام میں جدت ہے۔ فکر میں توانائی ہے۔ قطعات کے اشعار سے لطف اندوز ہوں۔ ے

صحن کعبہ میں کھڑے کعبے کا در دیکھا کئے
ہم کو جس گھر کی تمنا تھی وہ گھر دیکھا کئے
اڑتے اڑتے ذہن جا پہنچا مدینے میں ظہورؔ
خواب میں ہم رات جنت کا سفر دیکھا کئے

☆

دل وہ دل جس میں سمائے ہوں خدا کے جلوے
آنکھ وہ آنکھ جو اللہ کا گھر دیکھے ہے
دل یہ کہتا ہے مدینے کی زیارت ہوگی
آنکھ پھر خواب میں جنت کا سفر دیکھے ہے

حاصلِ جائزہ یہ ہے کہ ظہورؔ بسوانی ایک خوش فکر، قادر الکلام شاعر تھے۔ انہوں نے مدینۂ منورہ کا مشاہدہ اپنی عقیدت کی پیشانی سے کیا تھا۔ ندرت فکر و بیان نے تقدیسی کلام میں چار چاند لگا دیا ہے۔ شہرِ رسول پر بڑا جامع کلام اس کی معنویت کو نمایاں کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی تقدیسی شاعری میں جذبۂ عشق کی فراوانی ہے۔ والہانہ پن ہے۔ شہرِ رسول کی عظمت و برتری پر ان کا کلام مطالعہ کی دعوت دیتا رہے گا۔

جناب گہر خیرآبادی

خیرآباد (اودھ) ضلع سیتاپور کا کئی جہتوں سے منفرد خوبیوں کا حامل دبستانِ ادب اردو رہا ہے۔ یہاں اردو کے نامور شاعر حضرت امیر مینائی کے شاگرد رہے ہیں۔ عصر حاضر میں بھی ان کے شاگردوں کے شاگرد یہ شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔ اگر چہ اب نہ پہلے جیسے اردو داں رہے اور نہ اردو ہی

باقی رہی۔ جس کے اصل ذمہ دار ہم اور آپ ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمیں اس ادبی میراث کے ضائع ہونے کا ذرّہ برابر غم نہیں ہے۔ اِس بات کی طرف ڈاکٹر اقبال نے بہت بلیغ انداز میں متنبہ کیا ہے کہ:

مسافرو! روشِ کارواں بدل ڈالو غلط رَوی سے مُنازل کا بُعد بڑھتا ہے

آج خیرآباد میں صرف دو استاذ شاعر ہیں۔ جن میں ایک حضرت گہرؔ خیرآبادی ہیں۔ ان کا مختصر تعارف اور ان کے تقدیسی کلام پر مبنی مجموعہ ''جمال لازوال'' میں مستعمل شہر رسول پر اظہارِ خیال کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔

جناب شریف الحسن خاں کے یہاں ۹؍ جولائی ۱۹۵۳ء کو ایک بیٹے کی ولادت ہوئی۔ جس کا اہل خانہ نے سعید الحسن خاں نام رکھا۔ شریف الحسن خاں خیرآباد کے آبائی باشندے اور تعلیم یافتہ فرد تھے۔ اِس لئے آپ نے ماحول اور خود علمی وادبی زندگی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اپنے بیٹے سعید الحسن خاں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ سعید الحسن خاں نے اپنی ذاتی دلچسپی اور والدین کی نگہ توجہ سے بی ایس سی اور ایم اے (اردو کی تعلیم حاصل کی۔

حضرت سعید الحسن خاں کے والد جناب شریف الحسن صاحب مرحوم غالباً معلّمی پیشہ سے وابستہ رہے۔ اس لئے اپنے بیٹے کو درس وتدریس کے شعبہ میں دیکھنا چاہا۔ چنانچہ والدین کی یہ دعا مقبولِ بارگاہ الٰہی ہوئی اور خیرآباد کے ایک تعلیمی ادارہ میں ۱۹۷۹ء میں معلّم ہوگئے۔ اب مدت ملازمت مکمل کر کے پنشن یافتہ ہیں۔

اردو سے دلچسپی اور مزید برآں خیرآباد کے شعری وادبی ماحول نے ایک دن خیرآباد کے خوش فکر اور قادرالکلام استاذ الشعراء حضرت جنبشؔ خیرآبادی کے روبرو حاضر کر دیا اور ان سے اپنے چند اشعار کی اصلاح چاہی۔ استاذ نے اپنے شاگرد کی پیشانی کا بغور جائزہ لیا۔ اسی دن سے استاذ وشاگرد کا ایسا رشتہ قائم ہوا کہ استاذ کے انتقال کے بعد بھی روحانی سلسلہ باقی رکھا۔ استاذ کے روبرو حاضر ہونے کے دن جناب سعید الحسن خاں نہ رہ کر حضرت گہرؔ خیرآبادی ہوگئے اور آج اسی نام سے ادبی دنیا میں متعارف ہیں۔ فی الحال آپ خیرآباد کی ایک ادبی انجمن ''بزم غزل اردو سوسائٹی'' کے صدر ہیں جو خیرآباد کی فعال سوسائٹی ہے۔

حضرت گہرؔ خیرآبادی کی ذہنی وفکری تربیت ایک ایسے استاذ شاعر کی زیرنگرانی ہوئی، جو براہ راست صفی پور اور خیرآباد کے اہل اللہ سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ یہ صوفی حضرات تصوف کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھے۔ ان اہل اللہ والرسول کی صحبت اور خصوصی تربیت نے حضرت جنبشؔ

خیرآبادی کو عاشقِ رسول بنادیا۔ اس کے بعد لائق مند استاذ نے اپنے ہونہار شاگرد جناب گہؔر خیرآبادی کو گہر بنانے میں کوئی کمی نہ رہنے دی۔ چنانچہ گہر صاحب نے بھی اپنے استاذ کے نقشِ قدم کو خضرراہ بنا کر اپنی زندگی کا ماحصل ''جمالِ لازوال'' میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرلی ہے۔

جمالِ لازوال، حضرت گہر خیرآبادی کا تقدیسی کلام پر مبنی مجموعہ ہے۔ جس میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا شہرِ رسول پر گلہائے رنگارنگ نثار کئے گئے ہیں۔ یہ شعر ملاحظہ ہو۔ ؎

شہرِ نبی کا ذکر یہ کس نے چھیڑ دیا ہے محفل میں　　جذبۂ شوق بھڑک اٹھا ہے آنکھوں میں طغیانی ہے

ہر مومن صادق کی طرح حضرت گہر خیرآبادی کا دل بھی شہرِ رسول کی یاد میں ہر دم سرشار رہتا ہے۔ کبھی وہ مدینہ منورہ کو نور کا دریا کہتے ہیں تو کسی دوسرے موقع پر شہرِ رحمت قرار دیتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کئی طرح سے کرتے ہیں، چند اشعار دیکھئے۔ ؎

اب تو بس ایک تمنا ہے مدینے چلئے　　دل تڑپ کر یہی کہتا ہے مدینے چلئے

☆

تیرگی قسمت تاریک کی ڈھل جائے گی　　نور ہی نور کا دریا ہے مدینے چلئے

☆

شہرِ رحمت ہے مدینہ ہی غلامانِ رسول　　دامنِ دل کا تقاضا ہے مدینے چلئے

عاشقِ رسول کے قلب ونظر میں ساری عظمت وتقدس صرف شہرِ نبی اور اس کے پُر کیف فضاؤں سے ہوتی ہے۔ وہ ان تمام چیزوں کو اپنے دل کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہی کیفیت جناب گہر خیرآبادی کی ہے۔ کبھی وہ وہاں کی فضاؤں میں خود کو پاتے ہیں تو کسی شعر میں اس شہرِ بےنظیر کے دید کی دعا کرتے ہیں۔ شعر دیکھئے۔ ؎

کب مدینے کی جانب سفر ہو مرا؟　　کب ہو مقبول میری دعا دیکھئے؟

☆

چھوڑیئے تذکرہ زمانے کا　　شہر طیبہ کی بات آئی ہے

☆

غلامانِ رسول پاک جنت کے نہیں خواہاں　　دیارِ مصطفیٰ کی دید کا ارمان رکھتے ہیں

ہر شخص کے غور وفکر اور اظہار کا زاویہ جداگانہ ہوتا ہے۔ بہ نسبت عام انسانوں کے شاعر کا دل بہت زیادہ حساس مانا گیا ہے۔ حضرت گہؔر خیرآبادی نے بھی مدینۂ پاک کا ذکر بڑی عقیدت اور والہانہ

فکر کے ساتھ کیا۔آیئے چند اشعار سے قلب ونظر کو طہارت دیتے ہوئے محظوظ ہوں۔ ؎

نام آتے ہی مدینے کا تڑپ جاتا ہوں　　آرزوئے پُرشوق بڑھی ہے کتنی

☆

گدائے مصطفیٰ ہیں جنتِ رضواں کو کیا مانگیں　　مدینہ جس کو کہتے ہیں وہ جنت چاہئے ہم کو

☆

کاش پا جائیں مدینے کی زیارت کا شرف　　جی رہے ہیں اسی امید میں جینے والے

☆

حاضری ہو گہرؔ جب درِ پاک پر　　اپنے اشکوں کے گوہر لٹا دیجئے

جناب گہر خیرآبادی کے نعتیہ مجموعے کلام ''جمال لازوال'' میں چند نعتیہ قطعات بھی ہیں۔یہ تمام قطعات اعلیٰ فکر پر مبنی ہیں۔ان میں ایک قطعہ اپنی نوعیت کا بالکل منفرد اور میرے موضوع سے متعلق ہے۔حضرت گہر خیرآبادی کا یہ قطعہ فکر وخیال کی بلندیوں پر فائز اور جذبوں میں والہانہ پن ہے۔شہر رسول اور روضۂ انور کی زیارت کو جنتِ رضواں پر ترجیح بہت خوبصورت اور طرز بیان میں ندرت کا پہلو جلوہ گر ہے۔قطعہ ملاحظہ ہو۔ ؎

چلو طیبہ چلیں نظارۂ قدرت کریں　　دل کو آسودۂ انوارِ حقیقت کرلیں
اے گہر بعد میں دیکھیں گے خدا کی جنت　　پہلے سرکار کے روضہ کی زیارت کرلیں

الغرض جناب گہر خیرآبادی کے نعتیہ کلام میں مدینہ منورہ کا استعمال بہت والہانہ انداز میں ملتا ہے۔وہ ایک صادق الایمان، خوش فکر اور خوش عقیدہ شاعر ہیں جس کا شاہد خود ان کا مجموعۂ کلام اور شہرِ رسول پر مبنی اشعار ہیں جو اپنے آپ میں بڑی معنویت کے حامل ہیں۔

ڈاکٹر شفیع سیتاپوری

شاعری تخلیق یا مشاہدہ کی بنیاد پر پروان چڑھتی ہے۔تخیل کے لئے مطالعہ کی ضرورت بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔جب کہ مشاہدۂ مطالعہ کو تقویت عطا کرتا ہے۔جس کا جس قدر وسیع مطالعہ یا مشاہدہ ہوتا ہے، اسی قدر اس شاعر کے کلام میں روانی، تسلسل اور پرسوز کیفیت پائی جاتی ہے۔کلام میں رقت اور گداز پیدا کرنے کے لئے شاعر کو حقیقتِ حال پیش کرنا ازحد ضروری ہوتا ہے۔جزئیات نگاری بھی کلام میں حسن پیدا کرنے کے لئے لازم ہے۔

تقدیسی ادب یا تقدیسی شاعری ماورائے دیگر شے ہے۔یہ عام شاعری کے زمرہ میں نہیں آتی۔

اس میں تخیل بے لگام نہیں۔ جو کچھ شعری پیرایہ میں بیان کیا جائے وہ قرآن پاک اور احادیث مقدسہ سے مکمل مطابقت رکھے۔ ایک موئے سر تجاوز نہ ہو۔ مبالغہ وغیرہ کی قطعی گنجائش نہیں۔ ان تمام اوصاف ومحاسن سے مملو کلام کا نام نعتیہ یا تقدیسی شاعری ہے۔ اس پس منظر میں جب ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کی نعتیہ شاعری میں شہر رسول پر موجود کلام کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کی معنویت پر غور کیا جاتا ہے تو ایک منفرد فکر نمایاں طور سے روبرو ہوتی ہے۔ قبل اس کے ان کی نعتیہ شاعری میں موضوع پر چند سطور تحریر کئے جائیں ان کا اجمالی تعارف پیش ہے۔

ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کا اصل نام محمد شفیع ہے۔ ان کی ولادت ضلع سیتاپور کے موضع نوآ، سعادت نگر میں ۵؍دسمبر ۱۹۶۳ء کو ہوئی۔ آپ کے والد گرامی سالار بخت سالار و مرحوم بڑے متدین اور علم کے شیدائی تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد شفیع نے اپنی سعی اور والدین کی دعاؤں سے انگریزی، تاریخ اور اردو میں ایم.اے.کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اردو میں ہی لکھنؤ یونیورسٹی سے نعتیہ ادب کے موضوع پر بڑا پر مغز پی.ایچ.ڈی کا مقالہ تحریر کیا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

تعلیمی مدارج طے کرنے کے بعد مارچ ۱۹۹۵ء سے لکھیم پور کے اسلامیہ انٹر کالج میں اردو کے شعبہ میں درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے۔ ڈاکٹر شفیع سیتاپوری میں شعر گوئی کا ملکہ روز ازل میں قدرت نے عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ یہاں آنے کے بعد استاذ الشعراء حکیم منظور حسین خاں ساغر نے آپ کی شعری فکر کو جلا بخشی۔ حکیم صاحب کی معیت یا شاگردی میں آنے کے بعد آپ کی شاعری بڑی تیزی کے ساتھ پروان چڑھنے لگی۔ استاذ کی نگہ خاص نے بہت جلد قادرالکلام شاعر بنا دیا۔ اس وقت ڈاکٹر شفیع سیتاپوری لکھیم پور کے نہایت اعلیٰ فکر کے شعراء میں سرفہرست ہیں۔ آپ تقدیسی شاعری کے علاوہ غزلیں، نظمیں، قطعات اور طنز ومزاح وغیرہ اصناف شعری میں قادرالکلام شاعر ہیں۔ آغاز میں چند افسانے بھی لکھے۔ شعری ونثری دونوں اصناف میں اصلاح معاشرہ کو ہی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کے اب تک ''اشکِ عقیدت''، ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''اُجالوں کے شہر سے'' تقدیسی شاعری پر مبنی کل تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں اوّل الذکر دو نعتیہ مجموعے حرمین شریفین کی زیارت سے قبل کے ہیں جب کہ آخر الذکر نعتیہ شعری مجموعہ شہر رسول میں پیشانی کی نگاہوں سے مشاہدہ کے وقت کہے گئے اشعار پر مشتمل ہے۔ بالفاظ دیگر شروع کے دونوں مجموعوں میں شہر

رسول، روضۂ رسول پر حاضری اور زیارت وغیرہ سے متعلق دعاؤں اور آرزؤں پر مبنی ہیں اور تیسرا قبولیت کا ثمرہ ہے۔

ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کے تینوں نعتیہ مجموعوں پر اگر موضوع کے لحاظ سے اظہار خیال کیا جائے تو مقالہ طویل ہو جائے گا۔ اس لئے صرف آخر الذکر دو شعری مجموعوں کو زیر مطالعہ لایا جار ہا ہے۔

ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کا دوسرا نعتیہ شعری مجموعہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے۔ جو عشقِ رسول کا گنجینہ اور علم وعرفان کا سرمایہ ہے۔ اس مجموعہ میں آپ نے شہرِ رسول، گنبد خضریٰ اور مدینۃ النبی کی زیارت اور حاضری کے لئے بار بار دعا کی ہے۔ ان اشعار میں عجز و انکساری کے ساتھ ذکر مدینہ منورہ بڑے والہانہ انداز میں ملتا ہے۔ شعر کا لہجہ ملاحظہ ہو۔ ؎

اے ارضِ مدینہ مری جانب بھی نظر کر ۔۔۔ میں نے ابھی تیرا رُخِ زیبا نہیں دیکھا

☆

اے بادِ صحر ہم کو بھی ہمراہ لئے چل ۔۔۔ ہم نے بھی مدینے کا سویرا نہیں دیکھا

بیشتر نعت گو شعراء نے مدینۂ منورہ کو جنت الفردوس پر فوقیت دی ہے۔ شہرِ رسول کی گلیوں میں خود کو گم کر لینا بڑی سعادت یقین کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کا تخیل ملاحظہ ہو۔ ؎

وہ جائے گلشن شہر مدینہ دیکھ کر آئے ۔۔۔ جو کرنا چاہے نظارہ جہاں میں باغِ جنت کا

☆

مدینہ رشکِ فردوسِ بریں ہے جس کی برکت سے ۔۔۔ ہے تخلیق دو عالم بھی اسی گوہر سے وابستہ

☆

اگر میں خاک بن جاؤں نبی کے شہر اقدس کی ۔۔۔ تو پاکیزہ ہوا کے ساتھ اڑنے میں مزا آئے

☆

قید کر کے درِ سرکار پہ رکھا جاؤں ۔۔۔ کاش اب کوئی الزام مرے سر آئے

شہرِ رسول پاک کی عظمت پر سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کے اشعار ماقبل درج کئے جا چکے ہیں۔ اس موضوع پر تقریباً اکثر شعراء نے شعر کہنے کی سعی کی ہے۔ فارسی کا یہ شعر خاص طور سے قابلِ توجہ ہے کہ۔ ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر ۔۔۔ نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کا نعتیہ ادب پر مطالعہ بہت گہرا ہے۔ اس موضوع پر ان کا بڑا وقیع کام بھی

ہے۔اس لئے وہ جب کوئی نعت پاک پر مبنی شعر کہتے ہیں تو بہت محتاط فکر میں گویا ہوتے ہیں۔کسی لغزش یا سہو کی گنجائش نہیں ہونے پاتی ہے۔مدینۂ منورہ کی اہمیت کا ذکر بڑے مودّبانہ انداز میں یوں کرتے ہیں:

یہ مدینہ ہے ادب گاہِ ادب اے ناداں! یاں فرشتے بھی دبے پاؤں چلا کرتے ہیں

شہر رسول کی خوبیاں تو بے شمار ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو یقیناً درست ہے کہ شہر طیبہ منجملہ اوصاف ومحاسن اور خوبیوں کا معدن ومخزن ہے یہ باتیں بالکل ابتدائی ہیں بلکہ یہ کہا جائے تو صحیح ہوسکتا ہے کہ ۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مدینہ منورہ کی آب وہوا پر ڈاکٹر موصوف کا درج ذیل شعر بالکل منفرد اور بڑی معنویت کا حامل ہے۔ملاحظہ ہو۔

دلکشی، تازگی اور شفا دیکھئے شہرِ آقا کی آب و ہوا دیکھئے

☆

اے مدینے کی ہوا تو نے سنا ہوگا ضرور سرور دیں کی زباں سے تذکرہ معراج کا

ڈاکٹر موصوف کی تقدیسی شاعری میں ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ آپ پرانے مضامین کو جدید لب ولہجہ میں بیان کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں شعر ملاحظہ ہو۔

وہی شہر کہ کے یثرب جسے سب پکارتے تھے شہ دیں کی خاک پا نے اسے کردیا مدینہ

یہاں ہر خوش فکر اور خوش عقیدہ شاعر کی طرح ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کے دل میں بھی دیارِ مصطفیٰ کے دید کی تمنا ہے۔مگر اظہار آرزو کا طرز منفرد ہے۔بیان میں ندرت اور معنویت فکر انگیز ہے۔شعر دیکھئے:

میں بھی دیکھوں خانۂ کعبہ، دیارِ مصطفیٰ ہو عطا مجھ کو بھی صدقہ اے خدا معراج کا

☆

رب نے چاہا تو ایک دن ہم بھی شہر صدق و صفا کو دیکھیں گے

☆

درِ مصطفیٰ کی زیارت سے بڑھ کر کوئی آرزو کوئی حسرت نہیں ہے

ڈاکٹر شفیع سیتاپوری ایک سچی حقیقت کو شعر کا جامعہ عطا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

شہر رسولِ پاک میں جانے کے واسطے عشق رسول شرط ہے دام و درم نہیں

☆

وہ شہر رنگ و نور مدینہ ہے جس کا نام وہ شہر رنگ و نور تو جنت سے کم نہیں

ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کے مذکورہ شعری مجموعہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' سے آخری شعر درج کر کے دوسرے مجموعہ کی طرف رجوع کر رہا ہوں اگر چہ اس قبیل کے متعدد اشعار ہیں جو انفرادیت کے حامل ہیں۔ ؎

جو مقدس شہر مسکن ہے رسول اللہ کا   اس کی گلیوں سے گزر سب کے مقدر میں کہاں

ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کی نعتیہ شاعری دو دور پر محیط ہے۔ پہلے دور کا کلام شہر رسولِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دید کی آرزو اور وہاں کی پُر کیف فضاؤں وغیرہ پر مشتمل ہے یہ شاعری تخیل کی مرہونِ منت قرار دی جاسکتی ہے۔ جب کہ دوسرا دور حرمین شریفین کی زیارت اور فریضۂ حج کے دوران اور شہر اقدس میں قیام نیز برسہا برس ہوش وخرد کی منزل طے کرنے کے بعد شہر پر نور سے براہِ راست آپ نے ''اجالوں کے شہر سے'' رکھا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مشہور و معروف نظم ''حج کا مہینہ'' کے دو بند درج کر کے متذکرہ کتاب سے چند اشعار پیش کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔ بند ملاحظہ ہوں۔ ؎

جس کو خدا نے طیبہ بلایا   پیارے نبی کا روضہ دکھایا
تیرا بھی آئے گا بلاوا   تو بھی شفیع اک دن دیکھے گا

☆

دہر میں اس کا جینا ہے جینا   آیا ہے پھر حج کا مہینہ
خانہ کعبہ شہر مدینہ   آیا ہے پھر حج کا مہینہ

ڈاکٹر شفیع سیتاپور نے متذکرہ اپنے دوسرے بند میں جس آرزو کو تکمیل ہونے کی امید افزاء بات کہی ہے وہ ۱۸/اگست ۲۰۱۶ء کو رب العالمین نے پوری کر دی اور آپ حج کے فرائض وسنن کی ادائیگی کے لئے مدینہ طیبہ پہنچ کر یوں عرض کرتے ہیں کہ۔ ؎

چمن حسرتوں کا کھلا جارہا ہے   وہ دیکھو مدینہ قریب آرہا ہے

سعودی حکومت کے قانون اور احکام کے مطابق ۴۰/اوقات کی نماز ادا کرنے کے بعد حجاج کرام کو شہرِ رسول چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر شفیع صاحب بھی مورخہ ۲۶/اگست ۲۰۱۶ء کو روضۂ اقدس پر آخری حاضری کا نذرانۂ سلام پیش کرنے پہنچے تو پوری زندگی کی حسرتیں اور روضۂ اقدس کی حاضری کے مناظر سب قلب ونظر میں آگئے ہوں گے جو الفاظ یا اشعار میں بیان نہیں کئے جاسکتے۔ ایک عاشق اپنے دل کی کیفیت کا اظہار کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ؎

پلٹ کر اپنے گھر جاؤں تو کیسے   مدینہ چھوڑ کر جاؤں تو کیسے

☆

ہے میری زیست کی منزل مدینہ　　میں منزل چھوڑ کر جاؤں تو کیسے

☆

درِ خیرالوریٰ سے دور ہوکر　　درِ اغیار پر جاؤں تو کیسے

ڈاکٹر صاحب مدینہ منورہ سے ۳۰/اگست ۲۰۱۶ء کو مکہ مکرمہ آ تو گئے مگر ایک عاشق صادق کی طرح ان کا جان و دل، ہوش و خرد سب مدینے ہی میں سیر کرتے رہے۔ چنانچہ مدینہ کے عنوان سے ۹/اشعار کہہ کر سکونِ قلب حاصل کرتے ہیں صرف دو شعر دیکھئے اور معنویت پر غور فرمایئے۔

بیاں سے ماورا ہر شے وہاں کی　　بتاؤں کیسے، کیسا ہے مدینہ

☆

نبی کو ہے مدینے سے محبت　　نبی سے پیار کرتا ہے مدینہ

ایک صادق الایمان اور عاشق اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب حرمین شریفین کی زیارت کے بعد اپنے وطن بالخصوص ہندوستان واپس آتا ہے تو اسے کیا محسوس ہوتا ہے۔ اس کا احساس ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کے لفظوں میں ملاحظہ ہو۔

ہیں جہاں آرام فرما رحمۃ للعالمیں　　ہائے وہ شہر منور چھوڑ کر ہم آ گئے

☆

شعور میزبانی، خوش روی اور نرم گفتاری　　نبی کے شہر کا بے مثل ہر دستور دیکھ آئے

حاصل مطالعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر شفیع سیتاپوری کے دونوں ادوار کی تقدیسی شاعری میں شہر رسول کی عظمت اور اہمیت کا اظہار بڑے جامع اور معنی خیز اسلوب میں ملتا ہے۔ اس شہر مقدس کی معنویت پر سر دھنے کو جی چاہتا ہے۔

ہر صاحبِ ایمان اور عاشقِ رسول کی طرح ڈاکٹر شفیع سیتاپوری نے تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرب میں بعد از وفات دو گز زمین کی خواہش کا اظہار منفرد انداز میں یوں کیا ہے۔

شہر نبی میں روضۂ اطہر کے آس پاس
دو گز زمین میرے خدا چاہئے مجھے

الحاج مرزا شارق لاہرپوری

ضلع سیتاپور کا نمائندہ اور منفرد خوبیوں سے متصف قصبہ اور تحصیل لاہرپور ہے۔ جسے عرفِ عام میں لہرپور کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ قصبہ گرچہ بسواں اور خیرآباد جیسے اہلِ علم پیدا نہ کرسکا۔ مگر

عصر حاضر میں تجارت کو فروغ دینے والے اہلِ ثروت ضرور ہیں۔ ڈاکٹر رابعہ بصری کی عصری تحقیق کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ۱۸۶۳ء سے فی الوقت قادر الکلام صاحب سخن صرف ۸ شعراء ہی ہوئے ہیں جن میں عصر حاضر کے نمائندہ اور نامور شاعر شارق لاہر پوری کا نام بھی شامل ہے۔ ان کا مختصر تعارف اور تقدیسی کلام میں شہر رسول پر مبنی اشعار کو آگے کے چند سطور میں جائزہ کے طور پر پیش کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔

قصبہ لاہر پور کے محلّہ قاضی ٹولہ میں ۲۹ ردسمبر ۱۹۴۹ء کو مرحوم مرزا شفیق بیگ کے گھر ایک بیٹے کی ولادت ہوئی جس کا نام مرزا عتیق بیگ رکھا گیا جو اردو شعر وسخن کی دنیا میں شارقؔ لاہر پوری کے نام سے متعارف ہوا۔ گھریلو ماحول اسلامی و مذہبی تھا۔ ان کے والد ایک درویش صفت انسان تھے۔ جن کو سلسلۂ نقشبندیہ سے بیعت وخلافت کا شرف بھی حاصل تھا۔ عربی کی تعلیم پٹن خاں سے حاصل کی۔ اس کے بعد ہائر سکنڈری اسکول سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۷۰ء میں محکمۂ ڈاک وتار میں ملازمت مل جانے سے مستقل قیام سیتاپور میں ہوگیا۔ شارق لاہر پوری کا سیتاپور سے ۱۹۸۷ء میں لکھنؤ تبادلہ ہوا۔ یہیں انہوں نے اپنی مدت ملازمت پوری کی۔ اب پنشن یافتہ ہیں اور لکھنؤ کے محلّہ اودھ نگر کھدرا میں مستقل سکونت پذیر ہیں۔

شارق لاہر پوری نے عہد شباب سے شعر گوئی شروع کی۔ جب وہ اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ ان کے اس شوق کو اس وقت با قاعدہ تقویت ملی جب وہ دورانِ ملازمت سیتاپور آگئے۔ یہاں انہیں ایک استاذ شاعر خلشؔ گونڈوی مل گئے۔ جن سے شعر گوئی کے سلسلے میں تبادلۂ خیال اور اصلاحِ کلام شروع کیا۔ ان کی اصلاح اور مشورۂ سخن نے شعر گوئی کے جذبے کو فروغ بخشا۔ ان کے تبادلہ کے بعد سیتاپور ہی میں ثمر سیتاپوری سے مشورۂ کلام لیتے رہے۔

۱۹۸۷ء میں شارق لاہر پوری کا لکھنؤ تبادلہ ہوگیا۔ لکھنؤ کی علمی وادبی ماحول نے شعر وشاعری سے مزید دلچسپی پیدا کی جس کے نتیجے میں دو تقدیسی ادب پر مبنی کتابیں ''بحر سعادت'' اور ''ردائے عاقبت'' شائع ہوکر منظر عام پر آئیں۔ اوّل الذکر قبلِ حج جب کہ ثانی الذکر بعد زیارتِ حرمین شریفین پر مشتمل ہے۔ ان دونوں کتابوں پر سرسری جائزہ اپنے موضوع پر پیش ہے۔

مرزا شارق لاہر پوری کے پہلے نعتیہ مجموعہ میں شہرِ رسول کے دید کی آرزوئیں ملتی ہیں۔ وہ عاشقِ مدینہ منورہ ہیں۔ ان کی فکری توانائی میں تنوع ہے۔ تخیل کی پرواز میں انفرادیت ہے۔ اگرچہ مطالعہ کی کمی کا پتا بھی ملتا ہے۔ آپ کا تقدیسی کلام دروں بینی کا شاہد ہے۔ کلام لطفِ زبان اور بیان

میں شگفتگی ہے۔ چند اشعار سے لطف اندوز ہوں۔ ؎

یا الٰہی کبھی ہم شہرِ مدینہ جا کر　　مسکراتے ہوئے جلوؤں کا سراپا دیکھیں

☆

ہم خیالات کے درپن میں مدینے کے سوا　　عشق کی آنکھ سے اے عقل بتا کیا دیکھیں

☆

محبت کرتی ہے اعلان اپنے جاں نثاروں میں　　چھپی ہے جنت الفردوس طیبہ کے نظاروں میں

☆

سن چکی جب جنت الفردوس کے قصّے تمام　　زندگی کرنے لگی شہرِ نبی کی آرزو

☆

سر کیسے اٹھاؤں گا مدینہ کی فضا میں　　یہ اہلِ عقیدت کے لئے بے ادبی ہے

☆

مقصد زیست جو پانا ہے مدینے چلئے　　چلئے چلئے ابھی اچھا ہے مدینے چلئے

☆

وہ طیبہ ہے وہ طیبہ ہے مدینہ جس کو کہتے ہیں　　خدا کے نور کی بارش جہاں ہر آن ہوتی ہے

☆

جہاں سب بلندیاں پست ہیں جہاں ذرے خاک کے مست ہیں
وہ مرے حضور کا شہر ہے وہ نبی کا جائے قیام ہے

صحن مدینہ گلشنِ جنت سے کم نہیں　　کیا خوب دلکشی ہے نبی کے دیار میں

☆

بہشت اپنے جلوؤں کو سمجھا رہی ہے　　کہ طیبہ ہے حسنِ جمالِ محمد

☆

اللہ اللہ ذرّہ ذرّہ لائق تعظیم ہے　　دیکھئے تو عظمتِ گلزار طیبہ دیکھئے

جیسا کہ ماقبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ مرزا شارق لاہرپوری کے نعتیہ کلام میں دلکشی اور رعنائی ہے۔ بیان میں ندرت ہے۔ فکر میں توانائی اور بلندی ہے۔ مناسب الفاظ کے برمحل استعمال نے کلام کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ ان تمام شعری محاسن کا مجموعہ مرزا شارق لاہرپوری کا دوسرا تقدیسی مجموعہ

''ردائے عاقبت'' بھی ہے مگر اس میں موجودہ تمام کلام کی نوعیت مشاہدہ پر مبنی ہے۔ وہ شہر رسول کو پہلے سمائی اور مطالعہ کی بنیاد پر نظم کئے ہیں۔ جب کہ دوسرے مجموعہ کے اشعار جو کہے گئے ہیں وہ مشاہدہ پر مشتمل ہیں۔ اس میں فکر کی نوعیت بدلی ہوئی ہے۔ تخیل کی پرواز کو نئی قوت ملی ہوئی ہے۔ الفاظ کے استعمال میں پہلے سے زیادہ محتاط نظر آتے ہیں۔ چند اشعار دوسرے مجموعہ سے بغیر کسی خاص التزام وانتخاب کے درج کئے جا رہے ہیں۔ ان اشعار میں شہرِ رسول کا استعمال کچھ جداگانہ فکر اور معنی خیز ہے۔ شعر دیکھئے۔

مدینہ دیکھ کے کہنے لگا یقیں دل سے | مری حیات میں بے شک نیا سویرا ہے

☆

ہجرِ طیبہ میں جب آنکھ تر ہوگئی | یک بیک تیرہ شب کی سحر ہوگئی

☆

کہیں جاؤ زمانے میں محبت کی نظر لے کر | مدینے کی بہاروں سا کہیں منظر نہیں ملتا

☆

کچھ دور رہی تھیں شہر مدینہ کی سرحدیں | دل نے کہا قدم کو سنبھل کر اٹھائیے

☆

شہر طیبہ میں شارقؔ کیا حسیں سلیقہ ہے | ضبط ہے مسرت ہے شرمسار آنکھوں میں

☆

پاک باز آب وگل پارسا ہوائیں ہیں | طیبہ تیرا ہر ذرہ عاقبت کا زینہ ہے

☆

ویسے تو فقط خطہ عرب کا ہے مدینہ | لیکن مری فردوس کا زینہ ہے مدینہ

☆

وہ رشکِ جنت الفردوس طیبہ جس کو کہتے ہیں | امان وامن کا مرکز ہے آقا کی سکونت ہے

☆

طیبہ تجھ کو آپ کا کیا حسیں انعام ہے | لطف پرور ہر سویرا جاں فزا ہر شام ہے

☆

ہیں فرشتے بھی ادب سے باسلیقہ شہر میں | کس میں جرأت ہے کہ طیبہ جائے کروفر کے ساتھ

متذکرہ بالا اشعار کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی عیاں ہوجاتی ہے کہ الحاج مرزا شارق لاہرپوری کے

دونوں تقدیسی مجموعوں میں شہر نبی کا استعمال بڑی معنویت اور جدا فکر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ ان کی ندرت بیان اور عشق شہر رسول شاہد ہے۔ جو مرزا صاحب کو اپنے دوسرے شعراء سے امتیاز بھی عطا کرتا ہے۔

حافظ مسعودؔ محمود آبادی

ضلع سیتاپور کا مرکزِ علم و ادب لکھنؤ سے متصل ہونے کی وجہ سے اردو کے بیشتر علوم وفنون سے متاثر ہونا فطری امر ہے۔ خاص شہر سیتاپور اگر چہ خود میں کوئی نمائندہ شاعر نثر نگار نہیں پیدا کر سکا۔ مگر اس سے متصل قصبات اور تحصیلوں کے صدر مقام میں منفرد اوصاف کے حامل شعراء واد باء ضرور اردو میں پیدا ہوئے۔ مچھر ہٹہ کے پروفیسر قاضی عبدالستار، خیر آباد کے ریاض خیر آبادی اور بسواں کے جگر بسوانی وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

عہد حاضر میں تحصیل محمود آباد کے نمائندہ شعراء میں حافظ مسعودؔ محمود آبادی کا نام سرفہرست ہے۔ آپ حافظہ کلام الٰہی کے ساتھ اردو، عربی وغیرہ زبان کے رموز آشنا عالم بھی ہیں۔ حافظ مسعودؔ محمود آبادی کی ولادت ۱۲/اگست ۱۹۸۳ء میں ہوئی۔ والد کا نام محمد سعید خاں ہے جب کہ حافظ مسعودؔ کا اصلی نام مسعود عالم خاں ہے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد آپ کو خیر آباد میں تدریسی خدمت کے لئے ملازمت مل گئی۔ اب خیر آباد کے ہی مستقل باشندہ ہو چکے ہیں۔ جائے ولادت کی مناسبت سے بطور لاحقہ محمود آبادی لکھنا باعث عز و شرف سمجھتے ہیں۔ اس لاحقہ کے ساتھ ہمارے دوسرے شعراء بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً جوشؔ ملیح آبادی۔ خیر۔

خیر آباد آنے کے بعد یہاں انہیں علمی و ادبی ماحول ملا۔ خاص طور سے استاذ الشعراء جناب سعید الحسن خاں تخلص گہر خیر آبادی کی قربت نے فکر شعر گوئی کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ اپنے اشعار کی اصلاح کے لئے جناب گہر خیر آبادی کو استاذ بنایا۔ استاذ کی نگہ توجہ نے بہت جلد ایک قادر الکلام شاعر بنا دیا۔ مسعودؔ محمود آبادی کے اب تک دو شعری مجموعے پہلا ''دبستانِ غزل'' دوسرا ''طیبہ کے پھول'' کے نام سے شائع ہو کر اہل علم سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ زیر مطالعہ مقالہ میں ان کی تقدیسی شاعری میں شہر رسول کے طرز استعمال پر روشنی ڈالنے کی سرسری کوشش کی گئی ہے۔

حافظ مسعود محمود آبادی کی تعلیم اور ذہنی نشو ونما اسلامی ماحول اور معاشرے میں ہوئی۔ ان کے والدین خود دیندار اور خدا ترس تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے کو اسلامی تعلیم سے آراستہ کرنے کی سعی کی۔ جس کی حافظ مسعودؔ نے عملی پیراہن عطا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ اور بحمدہ تعالیٰ اپنے والدین کی مرضی ومنشاء کو فوقیت دیتے رہے ہیں۔

اس حقیقت کا مکمل عکس خودان کے تقدیسی کلام میں نظر آتا ہے۔ انہیں شہر رسول سے بہت عقیدت ہے۔ اس روحانی عقیدت کا مخرج خودان کا اسلامی تعلیم سے آراستہ ہونا اور استاذ کی ذہنی وفکری تربیت ہے۔ وہ مدینہ طیبہ کے دید کی حسرت دل میں رکھتے ہیں۔ اس کا بھی احساس انہیں شدت سے ستارہا ہے کہ میری اس راہ میں غربت حائل ہے۔ مگر مدینۃ النبی کی عظمت وغیرہ کو نظم کرنے میں منفرد فکر کا اظہار ان کا خاصہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کچھ اور دیکھنے کی تمنا نہیں مجھے یا رب مدینہ دیکھ لوں یہ انتظار ہے

☆

کاش یہ شرف حاصل ہم کو عمر بھر ہوتا شہر طیبہ میں یا رب اپنا گھر ہوتا

☆

کوچۂ مدینہ میں اپنا بھی گذر ہوتا مسجد نبی ہوتی اور اپنا سر ہوتا

☆

جیتے جی دیکھ لوں مدینے کو یا خدا دل کی اتنی حسرت ہے

☆

کہہ رہی ہے یہ حسرت بار بار سینے کی کاش دیکھ لوں یا رب سرزمیں مدینے کی

☆

دل میں ارمان ہے اک روز مدینے جاؤں در پہ سرکار کے رہ جاؤں نہ واپس آؤں

حافظ مسعودؔ محمود آبادی کے تقدیسی کلام میں شیرینی اور حلاوت ہے۔ خیال میں انفرادیت اور زبان میں سادگی ہے۔ وہ شہر رسول کو مختلف زاویۂ فکر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ آپ جنت پر مدینہ طیبہ اور گنبد خضریٰ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور یہ بات ہر صادق الایمان شاعر اپنے انداز سے کہہ کر رسول دوعالم سے عشق ومحبت کا اظہار کرتا ہے اور اسے اپنی بخشش کا موجب قرار دیتا ہے۔ یہ تمام اوصاف خود حافظ مسعودؔ محمود آبادی اور ان کے نعتیہ کلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ آیئے چند اشعار سے ذہن وفکر کو جانبِ طیبہ مائل کر کے حافظ مسعودؔ کے کلام سے محظوظ ہوں۔

برستے ہیں جہاں انوار پیہم وہ سرکارِ دوعالم کا نگر ہے

☆

ہے اگر خلد کے دیدار کی حسرت دل میں گھر سے مسعودؔ چلو طیبہ میں جا کر دیکھو

☆

تا عمر تصور میں رہیں گے سبھی منظر میں خواب میں طیبہ کا نگر دیکھ رہا ہوں

☆

میں چلا ہوں سوئے طیبہ ہے بھنور میں اپنی کشتی اسے پار تو لگا دے مری التجا سے پہلے

☆

نور کا وہ خطہ ہے خلد سے بھی اعلیٰ ہے عظمتیں کروں کیا کیا میں بیاں مدینے کی

☆

منظر نبی کے شہر کا کیا لاجواب ہے ہر ذرّہ اپنے حسن میں اک انتخاب ہے

☆

یہ دو اشعار حافظ مسعود محمود آبادی کی منفرد فکر و خیال کی غمازی پر شاہد ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

مفہوم محبت کو جس روز سے سمجھا ہے دل میں مرے کعبہ ہے آنکھوں میں مدینہ ہے

☆

مسعودؔ سمجھتا ہے یہ بات ہے نسبت کی قرآن ہے کعبے میں، تفسیر مدینے میں

حافظ مسعود محمود آبادی کے نعتیہ مجموعہ ''طیبہ کے پھول'' میں مدینۃ النبی یا شہر رسول پر مبنی بہت سے معنی خیز اشعار موجود ہیں جن میں سے چند کا ماقبل ذکر کیا گیا۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ چند مزید متفرق اشعار پیش کر کے اپنی بات تمام کر دوں۔ ملاحظہ ہوں۔

تصور میں زیارت کیا ہوئی طیبہ کی گلیوں کی کہ دل سے گنبدِ خضریٰ نکل پایا نہیں اب تک

☆

رہے عمر بھر وہ فدائے مدینہ مقدر سے جو دیکھ آئے مدینہ

☆

دنیا کی چمک دل میں ٹھہرے بھی تو کیا ٹھہرے جب دل میں مدینے کی تصویر بسالی ہے

ایک نعتیہ قطعہ بھی دیکھئے۔

کوئی منظر نہیں دیکھا کوئی جلوہ نہیں دیکھا اگر میری نگاہِ شوق نے طیبہ نہیں دیکھا
خدایا اور تھوڑی زندگی مجھ کو عطا کر دے ابھی میں نے رسولِ پاک کا روضہ نہیں دیکھا

حاصل مطالعہ یہ ہے کہ حافظ مسعود محمود آبادی کے کلام میں شہر نبی بڑی معنویت اور فکر بلیغ کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ ان میں عجز و انکساری کا عنصر ہے۔ یہ خوبی ان کے کلام میں بھی ہے۔ یہ اوصاف ان کو اپنے ہم عصر شعراء سے ممتاز کرتے ہیں۔

محبوب خیرآبادی

خیرآباد کے نَو واردانِ سخن میں ایک نمایاں نام محبوبؔ خیرآبادی ہے۔ آپ خیرآباد کے نہایت باذوق شاعر ہیں۔ ان کی فکر میں جدت ملتی ہے۔ تخیل وسیع مطالعہ کا متقاضی ہے۔ وہ فکرِ شعر میں کافی توجہ دیتے ہیں۔ ان میں ایک اہم خوبی یہ ہے کہ آپ عجز وانکساری کو ہر دلعزیز رکھتے ہیں۔ اس لئے خیرآباد کے دانشور شعراء سے اصلاحِ سخن لینے میں کبھی عار نہیں محسوس کیا۔ یہی وجہ ہے ان کا کلام رواں اور شستہ ہے۔

محبوب خیرآبادی کی ولایت یکم اگست ۱۹۶۹ء کو محلّہ قصباتی ٹولہ، خیرآباد میں ہوئی۔ والد گرامی قمر عالم نے اپنے بیٹے کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ محبوبؔ خیرآبادی میں شعرگوئی کا جذبہ خیرآباد کی علمی و ادبی اور شعری محفلوں سے ملا۔ اس حوصلے نے انہیں شعرگوئی کی طرف مائل کیا۔ چنانچہ اصلاح کلام کے لئے ڈاکٹر عزیزؔ خیرآبادی اور جناب ضیاء انصاری کے روبرو زانوئے ادب تہہ کیا۔ ان اساتذہ نے اپنے شاگرد کے کلام کو بڑی توجہ کی نظر سے دیکھا۔ جس کے نتیجہ میں محبوب خیرآبادی ایک خوش فکر شعراء نسلِ نو میں شمار کئے جارہے ہیں۔

خیرآباد کے تصوفانہ ماحول اور گھر کی تربیت نے محبوبؔ خیرآبادی کو تقدیسی کلام کہنے کی جانب متوجہ کیا۔ اس کے ساتھ وہاں کی شعری بزم آرائیوں نے مصرعہ طرح پر شعر کہنے کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ آخرش آپ تقدیسی کلام بھی خوب کہتے ہیں۔ شہرِ رسول پر محبوبؔ خیرآبادی کے چند اشعار نذر قارئین ہیں:

نظر کررہی ہے طواف مدینہ — گلستانِ جنت کا پاکر خزینہ

☆

محبوبؔ آرزو پہ کہاں اختیار ہے — جاؤں مدینہ لوٹ کے آؤں نہ پھر کبھی

جناب محبوبؔ خیرآبادی اسلامی فکر کے حامل دانشور ہیں۔ ان کے تخیل میں قرآن واحادیث کے معنی ومفاہیم ہر وقت رہتے ہیں۔ فکرِ شعر میں وہ اس کا خاص خیال بھی رکھتے ہیں۔ منفرد خیال اور مضمون کو نظم کرنے میں کمالِ تامہ کے حامل شاعر ہیں۔ اظہار بیان میں ندرت ہے۔ زبان نہایت رواں اور سلیس ہے۔ سہلِ ممتنع میں خوب عمدہ شعر کہتے ہیں۔ مصرعہ طرح پر اکثر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ وہ بیان میں استفہام اقراری کا بڑی سنجیدگی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ شعر محبوبؔ خیرآبادی کے علوئے فکر کا غماز ہے۔ ملاحظہ ہو۔

خانۂ دل یادِ آقا سے مرا معمور ہے — کون کہتا ہے کہ آنکھوں سے مدینہ دور ہے

ہر صادق الایمان مومن اور عاشقِ رسولِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دلی آرزو ہوتی ہے کہ مدینۂ منورہ کی زیارت زندگی میں ایک بار ہو جائے۔ یہی آرزو اور تمنا جنابِ محبوب خیرآبادی کے در میں بھی ہر لمحہ رہتا ہے۔ وہ مدینہ منورہ، جو دیارِ نور و رحمت ہے۔ اسے دیکھنے کی خواہش ہے۔ اس فکر و جذبہ کا اظہار بہت ہی سلیقہ سے یوں کرتے ہیں۔ ؎

کرم اللہ کا ہوگا مدینہ ہم بھی دیکھیں گے　　دیارِ نور ہے دنیا میں کیسا ہم بھی دیکھیں گے

محبوب خیرآبادی کے کلام میں مدینۃ النبی کا ذکر بڑے والہانہ فکر پر مبنی ہے۔ جو نہایت بلیغ سوچ پر شاہد ہے۔ شعر میں مدینۂ طیبہ کا استعمال بہت معنی خیز اور معنویت کے حامل ہیں۔ جو ان کی ندرتِ فکر پر بھی دلالت کرتا ہے۔

☆☆☆

الحاج سید محمد مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور)

مدینہ منورہ کے مقدس مقامات پر ایک طائرانہ نظر

مدینہ منورہ سعودی عرب کے خطہ حجاز کا شہر ہے۔ جہاں رحمۃ للعالمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روضۂ مبارک ہے۔اس شہر کا پرانا نام یثرب تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت مبارکہ کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی رکھ دیا گیا۔اس شہر کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں مسجد نبوی شریف اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روضۂ مبارک ہے جس کی زیارت کے لئے ہر سال لاکھوں فرزندان توحید یہاں پہنچتے ہیں۔تاریخ اسلام کی پہلی مسجد قباء بھی اسی شہر میں واقع ہے۔مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ میں بھی صرف مسلمانوں کو ہی داخل ہونے کی اجازت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۶۲۲ء میں مکہ مکرمہ کے کفار کے مظالم سے تنگ آ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی نبی آخر الزماں کی آمد پر اس شہر میں چہار جانب رونق ہوگئی۔ جناب اطہر حسین نے کتنی سچی بات کہی ہے۔ ؎

تصدق تیرے آمنہ کے دلارے ہے باقی تجھی سے وقار مدینہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت سے اس شہر میں ہر اس مقام کو اعلیٰ مقام ملا جہاں سے آپ کا اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام گزر گئے۔اس مقدس شہر نے نبی کریم کی زندگی کی دس بہاریں دیکھیں جو تاریخ انسانی کی حسین ترین یادیں ہیں۔کتنا حسین منظر تھا جب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو بنو نجار کی بچیاں یہ ترانہ پیش کر رہی تھیں۔ ؎

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا ما دعا للّٰہ داع

مدینہ منورہ جنت کے خطوں میں سے ایک خطہ ہے جہاں چوبیس گھنٹے انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ یہ شہر امن و امان اور دائمی امن عالم کا نقیب ہے۔ یہاں کی آب و ہوا اور جنت نظیر مناظر پوری دنیا میں نہیں ہیں۔حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم القادری بدایونی دام اقبالکم فرماتے ہیں۔ ؎

نظارہ خلد میں اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا وہی دیکھیں گے جنت میں جو دیکھا ہے مدینے میں

مدینے کے پُر کیف منظر کی عکاسی الحاج ظفر اللہ خاں ظفر سنبھلی اپنے الفاظ میں فرماتے ہیں۔ ؎

جُدا ہے سارے جہاں سے فضا مدینے میں برستی رہتی ہے نوری گھٹا مدینے میں

مدینہ منورہ دنیا میں سب سے بڑا روحانی مرکز ہے یہاں کے گوشے گوشے میں تذکیۂ باطنی اور روحانی ترقی کے لئے سامان فراہم ہیں۔ یہاں دنیا کا پہلا مدرسہ درسگاہ صُفہ ہے جہاں سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اخوت ومساوات کا عالم گیر پیغام دیا۔ اسلام کی اس حکیمانہ تعلیم اور فلسفیانہ طریق ادا نے دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اُس مبارک تعلیم کا جو آج سے چودہ سو سال پہلے دی گئی تھی۔ اسلام کے سایۂ عاطفت میں آنے والوں نے نہایت تپاک خیر مقدم کیا اور اخوت اسلامی کے ایسے حیرت انگیز نمونے پیش کئے جو آج عقل وسائنس (Science) کے زمانے میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتے۔ ساغر وارثی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

کرتے رہے ہیں بات مساوات کی حضور چھیڑی کبھی نہ کمتر و بر تر کی کوئی بات

قدرت نے مدینہ منورہ کو ہر قسم کی خوبیوں سے مالا مال کیا ہے۔ اس کی شاداب سرزمین سرسبز باغوں اور نخلستانوں سے پُر ہیں۔ یہاں کی مٹی زرخیز پانی شیریں، لطیف اور زود ہضم ہے۔ ہوا پاکیزہ اور صحت بخش ہے۔ مدینہ منورہ کی ترکاریاں اور پھل لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتے ہیں۔ یہاں کی لوکی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دوش مبارک پر رکھ کر لے جاتے تھے۔ بالخصوص مدینے کا انگور اور انار تو بہت ہی اچھے ہوتے ہیں مگر مدینے کی خاص پیداوار کھجور ہے ان کی بے شمار قسمیں ہیں جس میں شبلی، صفا، بَرنئ، عجوہ۔ حلوہ عنبری، صفاوی۔ بے دانہ اور جلی، خاص طور پر مشہور ہیں۔ حضرتِ شیخ فرماتے ہیں۔ ؎

کبھی عجوہ کبھی برنی کبھی خضری کبھی شبلی پڑھو صلّ علیٰ اور خوب کھاؤ یہ مدینہ ہے

کھجور کا استعمال طب نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اہم ہے۔ عجوہ کھجور میں ہر بیماری کی شفا ہے۔ اس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بویا تھا۔ یہ خصوصیت صرف مدینے کی عجوہ کھجور کو حاصل ہے۔ عجوہ کھجور حضور کی محبوب ترین کھجوروں میں سے تھی۔ یہ مدینہ منورہ کی عمدہ ترین انتہائی لذیذ مفید سے مفید تر قیمتاً بہت ہی عالی اور اعلیٰ قسم کی کھجور ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر روز صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھا لیا کرے اس دن اُسے زہر اور جادو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ بخاری۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا جس گھر میں کھجور ہو اس گھر کے لوگ کبھی بھوکے نہ رہیں گے۔ مسلم۔

طبی تحقیق کے مطابق کھجور ایک ایسی منفرد اور مکمل خوراک ہے جس میں ہمارے جسم کے تمام ضروری غذائی اجزاء وافر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں جڑی بوٹیاں بھی کثیر تعداد میں ملتی ہیں۔ جبل اُحد کے قریب جہاں حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے وہاں سڑک کے کنارے بوٹیوں کی دو کانیں ہیں۔ ''نبی'' بوٹی بے اولاد کو اللہ کے حکم سے صاحب اولاد بنا دیتی ہے۔ ''اُبجل'' سانس کے مرض میں اور ''حَرمَل'' جسم کے درد میں شفا دیتی ہے۔ ''روغن بلسان'' یہ ایک بوٹی کا مد ہے اور قدرت کا ایک تحفہ ہے۔ یہ کئی بیماریوں کے لئے اکسیر ہے۔ مدینے کی جڑی بوٹیوں میں شفا ہے۔ مدینے کی مہندی بھی اپنے رنگ اور خوشبو کے لحاظ سے خاص ہے۔ سبز پودینہ یہ چیز ہر جگہ ملتی ہے مگر مدینے کا سبز حلولی پودینہ بیحد خوشبودار اور مفید ہے۔ اس پودینے کو مدنی پودینہ بھی کہتے ہیں۔ مدینے کا گلاب اپنی لطافت اور خوشبو کے لحاظ سے خاص ہے۔

مدینہ منورہ کی خاک میں شفا ہے۔ مدینے کی مٹی کو خاص فضیلت حاصل ہے۔ علامہ قسطلانی نے ''مواہب اللدّ نیہ'' میں'' مدینہ منورہ کی خصوصیت میں لکھا ہے کہ اس کا غبار جزام اور برص کے لئے خصوصیت کے ساتھ شفا ہے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں'' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مدینہ منورہ کی خاک میں ہر بیماری کی شفا ہے۔''

ایک بار حضرت ثابت بن قیس بیمار ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم کیا اور وادیٔ بطحا کی مٹی ایک پیالے میں ڈالی اور پانی ڈال کر بیمار پر چھینٹے مارے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبوک سے واپس مدینہ منورہ آ رہے تھے تو کسی نے مدینہ منورہ کے غبار سے منھ ڈھانپا تو آپ نے ارشاد فرمایا" **والذی نفسی بیدہ ان فی غبارھا شفاء لکل داء**" اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، مدینہ منورہ کے غبار میں شفا ہے۔

شہر مدینہ کی سعادت، حرمت عزت وتکریم تمام علماء اور فقہائے امت کے نزدیک اس لئے بڑھ کر ہے کہ اس کی خاک سے سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم اطہر مس ہو رہا ہے۔ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ خانہ کعبہ کی عمارت کے بعد سب سے افضل شہر مدینہ منورہ ہے۔ بلا شبہ یہ شہر اللہ کے نبی کا محبوب ترین شہر ہے اور قیامت تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کی موجودگی کی وجہ سے بے شمار اللہ کی رحمتیں اور برکتیں یہاں نازل ہوتی رہیں گی۔ حضرت شیخ کے یہ

الفاظ حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ؎

اللہ غنی دیکھی کیا شان مدینے میں انوار کی بارش ہے ہر آن مدینے میں

نیز حضرت شیخ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ ؎

مت چھیڑو مرے آگے اذکار زمانے کے بس ذکر کئے جاؤ ہر آن مدینے کا

مدینہ منورہ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ بہت سی احادیث اس شہر کی خوبیوں کو واضح فرماتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ مدینہ منورہ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں مدینہ میں فوت ہونے والے کی قیامت کے دن شفاعت کرونگا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مدینے کے راستے پر فرشتے مقرر و مامور ہیں اس میں طاعون کی بیماری اور دجّال کا دخول محال ہے۔ (بخاری ومسلم)۔

پروفیسر سید کوثرؔ شاہ جہاں پوری ثم کراچی نے خوب کہا ہے۔ ؎

سلاطین عالم بھی روح الامیں بھی ہیں اس در کے ادنیٰ غلام اللہ اللہ

حضرت الحاج سید محمد استخار الدین قادری یعقوبؔ بدایونی فرماتے ہیں۔ ؎

دل غمزدہ کیوں نہ تسکین پائے سراپا ارم رہگذار مدینہ
برستی ہے رحمت برستے ہیں جلوے تجلی کدہ ہے دیار مدینہ

روضۂ مبارکہ:

مدینہ منورہ کی عظیم الشان خصوصیات میں ایک خوبی یہ ہے کہ یہاں رحمت عالم سید المرسلین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روضۂ مبارکہ ہے جہاں ستر ہزار فرشتے صبح وشام ارمغان درود وسلام پیش کرنے کے لئے حاضر دربار ہوتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں پھر انہیں دوبارہ حاضری کا موقع صبح قیامت تک نہیں مل سکے گا۔ پیر ومرشد حضرت الحاج قاری مولانا سید محمد معز الدین قادری شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں۔ ؎

فردوس میں ہے اور نہ باغِ ارم میں ہے جینے کا لطف روضۂ شاہِ امم میں ہے

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارک کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر اطہر ہے اور آپ کے قریب خلیفۂ اوّل حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلیفۂ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر بھی ہے۔ پیر ومرشد

آگے فرماتے ہیں۔

ارض َحرم بھی روکشِ فردوس ہے مگر جینے کا لُطف روضۂ شاہِ امم میں ہے

مسجد نبوی:

۲۹ ؍ربیع الاوّل سن ایک ہجری مطابق ۶۲۲ءمیں مسجد نبوی کی بنیاد رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس سے رکھی گئی۔ کسی صاحب نظر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

بنا ڈالی اس کی شہ انبیاء نے لگے اس میں ان کے غلام اللہ اللہ

مسجد نبوی اُن مساجد میں سے ہے جن کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔

جس کی بنیاد تقوے پہ رکھی گئی مسجد نبوی اس کا عنوان ہے

سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس نے میری اس مسجد میں چالیس وقتوں کی نمازیں پڑھیں اور کوئی نماز فوت نہ ہوئی ہو تو اس کے لئے دوزخ کی آگ سے نجات، عذاب سے برآت اور نفاق سے چھٹکارا لکھ دیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ایک ہزار نمازوں سے زیادہ افضل ہے علاوہ مسجد حرام کے۔ علماء نے اس حدیث پر بہت لمبی بحثیں کی ہیں تاہم ایک بات ذہن میں رہے کہ اس میں نماز کی تعداد بیان کرنا مقصد نہیں ہے بلکہ ثواب بیان کرنا ہے۔ یعنی ایک نماز کا ثواب ہزار نماز سے زیادہ ہوگا، گویا اگر ایک نماز قضا کی نیت سے پڑھی تو وہ ایک ہی نماز کی قضا شمار ہوگی نہ کہ ایک ہزار نماز کی۔ ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی نے کتنا عمدہ شعر کہا ہے۔

نبی کی مسجد اقدس کے اندر بڑا پُر کیف ہے جنت کا گلزار

ریاض الجنہ:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان کا حصہ ریاض الجنہ کہلاتا ہے۔ اس جگہ کی فضیلت میں بہت سی احادیث مذکور ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغ ہے۔

دنیا کی بہاریں صدقے ہیں جنت کی شگفتہ کیاری پر کیا عطر میں ڈوبی روح فضا پُرکیف ہوائیں ہوتی ہیں

منبر شریف:

اس منبر شریف پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

کہاں میں اور کہاں اس منبر اقدس کا نظارہ نظر اس سمت اُٹھتی ہے مگر دزدیدہ دزدیدہ

محدثین فرماتے ہیں یہ منبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام کرتا تھا۔آج یہ منبر مسجد نبوی شریف کی زینت ہے۔منبر کے دروازے پر عربی میں اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

محراب النبی:

اس محراب کو مصلیٰ نبی بھی کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جگہ امامت فرمائی۔ موجودہ محراب نہایت دیدہ زیب ہے۔عمدہ سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔اب اس کو قائم کرنے میں انتہائی ادب واحترام ملحوظ رکھا گیا ہے۔حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ کو محراب کے اندر اس خوبی سے سمودیا گیا ہے کہ اب نمازی کی پیشانی سجدہ کرتے وقت اس جگہ پر پڑتی ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک رہا کرتے تھے۔

مسجد قباء:

مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد میں مسجد قباء کی خاص فضیلت ہے۔ہجرت کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدودِ مدینہ میں سب سے پہلے اسی مسجد کی بنیاد رکھی۔اس مسجد کو اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔قرآن مجید میں بھی اس مسجد کا ذکر آیا ہے۔

لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقۡوٰی مِنۡ اَوَّلِ یَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِیۡهِ۔ (پارہ گیارہ سورہ توبہ آیت نمبر ۱۰۸)

بے شک وہ مسجد کے پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔(کنزالایمان۔القرآن الحکیم)

مسجد قباء وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابۂ کرام کے ساتھ علانیہ با جماعت نماز پڑھائی۔صحابیٔ رسول حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص گھر سے نکل کر اس مسجد قباء میں آئے اور یہاں دو رکعت نماز پڑھے اسے ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔اس مسجد کی فضیلت اور اس کا تقدس جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس عمل خیر سے آشکار ہوتا ہے کہ آنحضور یہاں ہفتہ یا دوشنبہ کو تشریف لاتے تھے۔(صحیح بخاری)

مسجد اجابہ یا مسجد بنی معاویہ:

یہ مسجد انصار کے ایک قبیلہ بنو معاویہ بن ملک بن عوف کے محلے میں واقع ہے اس لئے اس مسجد کو مسجد بنی معاویہ بھی کہتے ہیں۔ یہ مسجد جنّت البقیع سے شمال کی جانب ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔ یہاں پر حضور نے بعض صحابۂ کرام کے ہمراہ دو رکعت نفل ادا کی اور تین دعائیں مانگیں۔(۱) اے اللہ میری امت قحط سے ہلاک نہ ہو۔(۲) ان پر سیلاب کا عذاب مسلط نہ کر۔(۳) میری امت آپس میں قتال نہ کرے۔ ان میں پہلی اور دوسری دعائیں مقبول ہوئیں لیکن تیسری کے لئے امتناعی حکم صادر ہوا۔

مسجد جمعہ:

اس مسجد کو عاتکہ یا غمامہ بھی کہتے ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحکم الٰہی بروز جمعہ قباء سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں قبیلۂ بنو سالم بن عوف تک پہنچتے پہنچتے جمعہ کا وقت آ گیا۔ اس لئے جمعہ کی نماز اسی مقام پر ادا فرمائی۔ اس مسجد میں نوافل کی ادائیگی خیر و برکت کا موجب ہے۔ ؎

نماز جمعہ کا وقت مبارک راہ میں آیا یہاں آقا نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا

مسجد قبلتین:

اس مسجد کو مسجد سلمہ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ قبیلہ بنو سلمہ کے محلے میں واقع ہے۔ اس مسجد کو مسجد قبلتین اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں ایک بار نماز ظہر بیت المقدس نیز خانۂ کعبہ یعنی دونوں قبلوں کی طرف منھ کر کے پڑھی گئی۔ حضرت براء بن عاذب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ شریف تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منھ کر کے نماز ادا فرمائی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دلی خواہش تھی کہ میرا قبلہ خانۂ کعبہ قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

قَد نَریٰ تَقَلُّبَ وَجهِكَ فِي السَّمآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبلَةً تَر ضٰهَا فَوَلِّ وَجهَكَ شَطرَالمَسجِدِ الحَرَامِ۔ پارہ دو سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۴۴۔

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف (کنز الایمان) اسی لئے اس تاریخی مسجد کو مسجد قبلتین بھی کہتے ہیں۔

مسجد شمس یا مسجد الفتح:

یہ مسجد، مسجد قباء سے جانب شرق ایک میل سے کچھ زائد فاصلے پر واقع ہے۔ بنی نظیر کا محاصرہ کرتے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیمۂ اقدس اسی کے قریب نصب تھا۔ یہاں حضور نے چھ دن نماز پڑھی، خاک شفاء کا اصلی میدان اس سے بالکل ملا ہوا ہے۔

مسجد بنوقریظہ:

یہ مسجد، مسجد شمس سے آگے پورب کی طرف واقع ہے۔غزوۂ خندق کے بعد ۲۵/روز تک بحکم الٰہی بنوقریظہ کا محاصرہ کیا گیا۔ دوران محاصرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس جگہ پر فروکش رہے۔

مسجد مشربہ یا ماریہ قبطیہ:

ماریہ قبطیہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔ یہاں حضرت ماریہ قبطیہ رہتی تھیں۔

مسجد بنوظفر:

یہ مسجد جنت البقیع سے پورب کی طرف واقع ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرتبہ چند اصحاب کے ہمراہ بنوظفر کے محلّہ میں تشریف لے گئے اور اس جگہ نماز ادا کی اور پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس پتھر پر آج بھی کہنی مبارک اور انگلیوں کے نشان ہیں۔ اللہ نے اس پتھر میں یہ خاصیت پیدا کر دی ہے کہ اگر بانجھ عورت اس پر بیٹھ جائے تو اس میں حاملہ ہونے کی قابلیت عود کر آتی ہے۔

مسجد بقیع یا اُبیؔ بن کعب:

جنت البقیع کے دروازے سے باہر نکلنے پر غربی سمت میں یہ مسجد ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر یہاں تشریف لا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

مسجد طریق السافلہ:

اس مسجد کو مسجد ابوذر غفاری بھی کہتے ہیں۔ جبل احد کی طرف جاتے ہوئے تقریباً میل یا سوا میل کے فاصلے پر سڑک کے بائیں طرف واقع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں دو رکعت نفل ادا کی اور ایک نہایت طویل سجدہ شکر ادا کیا۔ حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ہمراہ تھے شبہ ہوا کہ شاید حضور رحلت فرما گئے اس لیے رونے لگے۔ سجدۂ شکر کے بعد حضور نے رونے کی وجہ دریافت کی تو شبہ کی بنا پر رونے کی وجہ بیان کی۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت مجھ پر وحی نازل ہوئی کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجے اللہ اس کے بدلے میں

اسے دس نیکیاں عطا فرمائے گا یا دس مرتبہ اس پر درود بھیجے گا اس نعمت پر میں نے سجدۂ شکر ادا کیا تھا، یہ حدیث متفق علیہ ہے اور تواتر سے ثابت ہے۔

مسجد مصلیٰ یا عیدگاہ والی مسجد:

یہ مسجد نبوی کے جنوب میں باب السلام سے آدھا کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کو عیدگاہ کا میدان بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات کے آخری سالوں میں اس جگہ کو عیدگاہ قرار دیا تھا۔ یہ اجابت دعا کی مخصوص جگہ ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز استسقاء بھی اسی میدان میں پڑھی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بادشاہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ بھی اسی جگہ پڑھی تھی۔

مسجد فتح:

جبل سلع کے غربی سمت میں پانچ مسجدیں ہیں۔ (۱) مسجد فتح (۲) مسجد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) مسجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) مسجد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵) مسجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ تمام مساجد غزوۂ خندق کی یادگار ہیں۔ مسجد فتح میں حضور نے پیر، منگل، بدھ تین روز دعائیں مانگی تھیں۔ تیسرے دن اجابت دعا کی بشارت ملی۔ اللہ نے تیز وتند ہوا بھیج کر کفّار کے لشکر کو منتشر کر دیا اسی لئے اس مسجد کو مسجد فتح کہتے ہیں۔ بقیہ مساجد اُن جگہ پر ہیں جہاں اس نام کے صحابۂ کرام مقیم تھے۔ یعنی صحابۂ کرام مشکل کے وقت یہاں آکر دعا مانگتے تھے۔

مسجد البرابہ یا مسجد ذباب:

یہ مسجد مدینہ منورہ سے شام کی طرف جانے والے راستے کے داہنے ہاتھ پر پڑتی ہے۔ غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے اور بقول بعض واپسی میں حضور کا خیمۂ مبارک یہاں نصب کیا گیا تھا۔ کچھ علماء کا یہ خیال ہے کہ واقعہ احزاب میں حضور کا خیمہ جبل ذباب پر نصب تھا۔ خندق کا دائرہ جبل ذباب سے مسجد فتح تک اور جبل سلع سے مسجد مصلیٰ عیدگاہ تک تھا۔

مسجد السقیاء:

مدینہ منورہ میں موجودہ ریلوے اسٹیشن کے نزدیک یہ مسجد ہے۔ غزوۂ بدر کو جاتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی جگہ پر اپنے فدائیوں کا مُعائنہ فرمایا تھا۔

مسجد شجرہ یا مسجد میقات:

اس مسجد کو مسجد شجرہ اس لئے کہتے ہیں کیوں کہ یہ اس درخت کی جگہ تعمیر کی گئی ہے جس کے نیچے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گاہے گاہے سفر کے دوران آرام فرماتے تھے۔ اس مسجد کو مسجد ذوالحلیفہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ذوالحلیفہ کے علاقے میں واقع ہے اور اس کو مسجد میقات اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جگہ اہلِ مدینہ منورہ کی میقات ہے۔ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں نماز پڑھی ہے۔

جبلِ اُحد:

اُحد ایک بڑا پہاڑ ہے جو مدینہ منورہ کی شمالی جانب واقع ہے اور مسجد نبوی سے ساڑھے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کا رنگ مائل بہ سرخی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبلِ اُحد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور یہ حدیث بھی اس کے مرتبے کو آشکارا کرتی ہے۔ ''جبل اُحد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے۔''

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرہ بنت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے اکابر صحابہ فاتحہ خوانی کے لئے یہاں دوشنبہ کو یا کسی دوسرے دن تشریف لایا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ اُحد کے دن حضرت کعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش مبارک پر کھڑے ہو کر آیت کریمہ مِنَ الْمُوئمِنِین رِجَال صَدَقوُا مَا عَاھَدُو اللّٰہ عَلَیہِ۔ تلاوت فرمائی اور دعا کے بعد فرمایا۔ شہدائے اُحد پر سلام پڑھو تا قیام قیامت پڑھنے والے کو سلام کا جواب دیا کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے اخیار واوثار سے یہ ثابت ہے کہ ان شہدائے اُحد کے قبور شریف خصوصاً سیدالشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف سے بارہا سلام کا جواب سنا گیا۔

جبل اُحد کے احاطہ میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار اقدس ہے۔ سید الشہداء، خیر الشہداء، اسد اللہ و رسولہ آپ کے القاب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا، رضاعی بھائی اور خالہ زاد ہیں۔ ۶ھ میں اسلام قبول کیا اور جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ بعد شہادت فرشتوں نے آپ کو غسل دیا۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ بدری صحابۂ کرام کے نام میں یہ برکت ہے کہ ان کے نام پڑھنے کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ اُحد کی جنوبی جانب حضرات شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس قبریں موجود ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہفتے میں ایک دن شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور اپنی امت کو قبروں کی زیارت کرنے کی تلقین فرمائی۔ صحیح قول کے مطابق

شہدائے اُحد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعداد ستر ہے۔ ؎

ہیں عمِّ مصطفیٰ شیر خدا شاہِ شہیداں وہ　　شہادت کو ہے جس پر ناز حمزہ کی شہادت ہے

جنت البقیع :

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے ٹھیک سامنے مدینہ منورہ کا قدیم قبرستان جنت البقیع ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر و بیشتر کبھی رات میں کبھی دن میں تشریف لاکر تمام اہل بقیع کے لئے دعائیں فرماتے تھے۔ یہاں دس ہزار جلیل القدر صحابۂ کرام آرام فرما ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اہل بقیع میں ستر ہزار بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

۲/صدی ہجری میں سب سے پہلے اسی قبرستان میں صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نے دفنایا تھا۔ اس قبرستان میں صحابہ، صحابیات، شہداء، ائمہ، تابعین، تبع تابعین اولیائے کرام کے علاوہ شیخ القرآء راوی حدیث، اہل بیت، ازواج مطہرات، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتے دار کے علاوہ چودہ سو سال سے دفن ہونے والے خوش نصیب ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جو شخص مدینے میں مرا اور جنت البقیع میں دفن ہوا میں روزِ حشر اس کی شفاعت کروں گا۔

اس قبرستان میں خلیفۂ سوم حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے۔ جنت البقیع میں داخل ہوتے ہی سڑک کی دوسری جانب ایک تکونی جگہ پر حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متوفی ۳/رمضان ۱۱ھ کا مزار شریف ہے۔ حضور کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے اُوپر کی جانب حضرت سیدنا امام حسن بن علی متوفی ۵۱ھ کا مزار اقدس ہے۔ آپ کے برابر میں حضرت امام زین العابدین بن امام حسین متوفی ۶۵ھ کی قبر ہے۔ حضرت امام محمد باقر متوفی ۱۱۴ھ اور امام جعفر صادق متوفی ۱۵/رجب المرجب ۱۴۸ھ کی آرام گاہ ہے۔ اسی قبرستان میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیّہ، حضرت زینب اور حضرت اُمّ کلثوم اور ازواج مطہرات اُمہات المؤمنین حضرت اُمّ المساکین زینب بنت خزیمہ متوفی ۴ھ، حضرت سودہ متوفی ۲۲ھ حضرت زینب بنت جحش حضرت اُمّ حبیبہ متوفی ۴۴ھ حضرت حفصہ بنت حضرت عمر فاروق متوفی ۴۵ھ حضرت صفیہ متوفی ۵۰ھ حضرت جویریہ متوفی ۵۶ھ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر متوفی ۵۷ھ حضرت اُمّ سلمہ متوفی ۶۲ھ کی قبور مقدسہ ہیں۔

حضرت عقیل بن ابی طالب متوفی ۶۰ھ، حضرت جعفر طیّار متوفی ۹۰ھ شیخ القرآء حضرت نافع

متوفی ۱۶۹ھ، حضرت امام مالک متوفی ۱۶۹ھ حضرت سیدنا ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علی کی والدہ ماجدہ کی قبور شریفہ ہیں۔ حضرت فاطمہ بنت اسد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چچی تھیں۔ آپ کے کفن کے لئے حضور نے اپنا کرتا مبارک دیا اور خود ان سے پہلے قبر شریف میں لیٹے تا کہ تنگی قبر نہ ہو۔ قبر میں اُتارا اور ارشاد فرمایا ''فاطمہ میری ماں کے بعد میری ماں تھیں''۔ اسی مبارک قبرستان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ اور حضرت عاتکہ کی قبریں بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود متوفی ۳۲ھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف متوفی ۳۲ھ حضرت سعد بن ابی وقاص متوفی ۵۵ھ حضرت سعاد بن معاذ متوفی ۵ھ حضرت حسین بن حدّامہ متوفی ۳ھ حضرت اسد بن زرارہ متوفی یکم ہجری یہ صحابہ بھی زیر زمین آرام فرما ہیں۔ حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابوسعید خدری کی بھی قبر اقدس ہیں۔ حاجی ظفر اللہ خاں ظفرؔ سنبھلی نے کتی عمدہ بات کہی ہے۔

سوئے بقیع جو پہنچا کبھی تو مجھے وہاں — عشق نبی میں جو بھی مٹا، یاد آ گیا

مجدد وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی فاضل بریلوی قدس سرہ نے کیا شاندار انداز میں فرمایا ہے۔

اُن کے مولا کی اُن پر کروروں درود — اُن کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام

میدان خاکِ شفا:

یہ میدان مسجد شمس سے متصل ہے۔ اب یہ جگہ آبادی سے گھر گئی ہے کسی غزوہ کے زخمیوں کے لئے اس جگہ کی نشان دہی حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ زخمی اگر یہاں آکر لوٹیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انھیں شفا دے گا۔ علماء فرماتے ہیں اسے پیٹ درد یا ورم پر لگایا جائے تو شفا ہوتی ہے۔ میدان خاکِ شفا کی کچھ خاک ہمارے آبائی کتب خانہ قادریہ بشیریہ، شاہ جہاں پور میں محفوظ ہے، بقول۔

ہے خاک کا ہر ذرہ ذیشان مدینے کا

☆☆☆

ڈاکٹر شاہد احمد شاہدؔ جمالی (جے پور)

سرزمینِ مدینہ اور نعت گوشعراء

حبیبِ کبریا، نبیٔ آخرالزماں، رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنا، کائنات کی سب سے بڑی سعادت اور ثواب ونجات کی ضامن ہے۔ جس سے محبت کی جاتی ہے اس سے تعلق رکھنے والی ہر شے سے بھی قدرتی طور پر انسیت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والے ہر شخص اور ہر شے سے محبت ہے، آپ کے اہل بیت، صحابہ کرام، امّہات المومنین، اور آپ کے ہر رشتہ دار سے مسلمان محبت رکھتا ہے۔ جب اتنی شدید محبت ہے تو اس سرزمین سے محبت کیوں نہ ہوگی جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔

یہاں ہم بات کر رہے ہیں نعتیہ شاعری کی، وہ نعتیہ شاعری جس میں مدینہ اور متعلقات مدینہ کا ذکر آیا ہے۔ ویسے بھی اگر موضوع کے لحاظ سے دیکھا جائے تو نعت کے دامن کی وسعت اس قدر ہے کہ اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری، آپ کے معجزات، آپ کی سیرت اور سراپا تو عام موضوعات ہیں ہی، ساتھ ہی مدینہ اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر شے بھی نعت کا موضوع رہی ہے۔ فرمان فتح پوری نے ایک مرتبہ کسی مضمون میں لکھا تھا کہ نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک عظیم اور وسیع موضوع ہے۔ جس کا ایک سرا بندے سے تو دوسرا خالق سے ملتا ہے۔

مدینے کے فضائل میں بہت سی احادیث بھی ہیں لیکن یہاں ان کے ذکر سے طوالت بہت ہوجائے گی، ہاں مدینہ کے احترام کی چند مثالیں دینا ناگزیر ہے، تاکہ راقم کی بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

''امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُس شخص کو قید کرنے اور اس پر تین دُرّے مارنے کا فتویٰ دیا تھا جس نے کہا تھا کہ مدینہ کی مٹی خراب ہے۔ باوجودیکہ وہ شخص بڑی قدر و منزلت والا تھا اور کیا تعجب ہے کہ اس شخص کی گردن اڑادینے کا حکم صادر کیا جائے جو معاذ اللہ یہ کہے کہ وہ مٹی جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں خراب اور غیر خوشبودار ہے۔'' (مدارج النبوۃ۔ شیخ عبدالحق محدث

دہلوی (اردو ترجمہ) جلد اول، ادبی دنیا دہلی۔ص۔۵۵۶۔۵۵۷)

مدینہ کے تقدس کے سبب ہی اسے طابہ اور طیبہ بھی کہا جاتا ہے۔خود امام مالک مدینہ میں قیام کرنے کے بعد زندگی بھر شہر سے باہر نہیں گئے،اس خیال سے کہ کہیں مدینہ سے باہر جائیں اور موت واقع ہو جائے۔

ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اصل جنت تو وہی ہے جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں۔امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کا کونسا ایسا حصہ ہے جسے حضور اکرم کی قبر شریف پر افضل قرار دیں۔آپ کی قبر شریف اماکن مقدسہ اور مقامات رفیعہ سے افضل ہے خواہ جنت ہو یا کوئی اور جگہ۔کسی مومن صادق کو اس میں کوئی تامل نہیں ہوگا اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کو عرش اعظم پر فضیلت دی جائے۔

(مدارج النبوّۃ۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی (اردو ترجمہ) جلد دوم،ادبی دنیا دہلی۔ص۔۷۶۹)

شہر مدینہ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود انتخاب کیا تھا اور ہجرت کے بعد فرمادیا تھا کہ اب اس شہر کو اس کے سابقہ نام ''یثرب'' سے ہرگز نہ پکارا جائے اور صرف مدینہ کہا جائے۔مشہور ہے کہ جو مدینہ میں آیا اسے امان ملی۔یہ اس قدر وسیع موضوع ہے کہ شاید ہی ختم ہو،اس لئے اس تمہید کو یہیں ختم کرتے ہوئے،نعتیہ شاعری کی جانب آتا ہوں۔یہ تو سب جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے مقام و مرتبہ کا کوئی شاعر احاطہ کر ہی نہیں سکتا،شاعر کو بھی حیران ہو کر آخر یہ کہنا پڑتا ہے کہ،''بعد از خدا بزرگ توئی،قصہ مختصر''۔یہی وجہ ہے کہ شاعر بار بار آپ کی سیرت اور سراپا کے ذکر کے ساتھ ساتھ سرزمین مدینہ کا ذکر کرتا ہے۔

مدینہ کی خاک،وہاں کی مٹی،وہاں کی گلیوں اور فضاؤں سے ہواؤں سے،پیڑ پودوں سے، یہاں تک کہ وہاں کے خارزاروں سے،غرض وہاں کی ہر چیز کا ذکر شاعر اپنی نعت میں کرتا ہے۔ذیل کی سطور میں ایسی ہی نعتیہ شاعری کا ذکر کیا جارہا ہے،جو مدینہ اور متعلقات مدینہ پر مبنی ہے۔

مولوی نجم الغنی رامپوری(1932-1859)

آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے،آپ درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں،آپ کی تصنیف ''بحر الفصاحت'' اردو ادب کا بہترین سرمایہ ہے،اعلیٰ درجہ کے شاعر اور عاشق رسول تھے۔ان کی عمر کا بڑا حصہ راجپوتانہ کی ریاست اودے پور(میواڑ) میں گزرا،ان کی نعت کے چند اشعار پیش کرتا ہوں،جو سرزمین مدینہ کی توصیف بیان کرتے ہیں۔

زمینِ مدینہ ہے رشکِ بہشت ہوا مشک بُو، خاک عنبر سرشت
جدھر دیکھئے عالمِ نور ہے جو ذرّہ ہے ذرّۂ طور ہے
کہاں ان کے کوچہ کا پیدا عدیل کہ جاروب کش ہے پرِ جبرئیل

(اخبار الصنادید، جلد اول، مولوی نجم الغنی رامپوری۔ نول کشور لکھنو۔۱۹۲۸ء۔ ص۔۳)

ایک عاشق رسول دنیا میں روضۂ اقدس کے ہوتے ہوئے کون سی جنت کی تمنا کرے گا، وہ یہی چاہے گا کہ شہر مدینہ میں اس کی زندگی گزرے اور وہیں پر اس کو موت آئے۔ آنحضرت کے قریب موت آنا جنت میں مرنے کے مترادف ہے۔ اور اگر زندہ رہتے ہوئے اس نے مدینہ نہ دیکھا تو اس نے کچھ نہ دیکھا۔ مدینہ دیکھنے کے واسطہ کیسی کیسی حسرت و یاس کی صدائیں اس کے دل سے نکلتی ہیں۔ ایسے مضامین کو داغؔ دہلوی کے شاگرد بےخود بدایونی نے اس طرح باندھا ہے۔

بےخود بدایونی (وفات۔۱۹۱۲ء)

جب مدینہ ہی نہ دیکھا نظر آیا پھر کیا دیکھ اے آنکھ مجھے تو نے دکھایا پھر کیا
قافلے لاکھوں مدینے کو چلے جاتے ہیں میں ہی رہ جاؤں گا محروم خدایا پھر کیا

(مراۃ الخیال۔ کلام بےخود بدایونی۔ مستنصر پریس، دہلی۔۱۳۱۳ ہجری)

ایسا کون سا مسلمان ہوگا جس نے مدینہ میں موت آنے کی خواہش نہ کی ہوگی۔

سائلؔ دہلوی، تلمیذ داغ دہلوی کے یہ دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

کب تک رہے سینہ میں تمنّائے مدینہ کیا دلِ بیتاب کہے ہائے مدینہ
مرجاؤں میں مدینہ میں، مدینہ میں لحد ہو لے جاؤں لحد میں، میں تمنائے مدینہ

عاشق رسول گھر بیٹھے ہوئے بھی مدینے کی ہواؤں اور فضاؤں کو محسوس کرتا ہے۔

حسرت **موہانی** کا یہ شعر دیکھئے۔

پھر آنے لگیں شہرِ محبت کی ہوائیں پھر پیشِ نظر ہوگئیں جنت کی فضائیں

وحشت **کلکتوی** نے فرمایا:

کیوں نہ منظورِ نظر ہو تیرے کوچہ کا غبار عین یہ تو سرمۂ چشمِ بصیرت ہو گیا

جگر مرادآبادی جیسا رند مشرب شاعر جب مدینے کے خیال میں ڈوبتا ہے، تو اس کے دل سے آواز آتی ہے۔

اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدّق تُو خلد ہے تُو جنتِ ماوائے مدینہ

راقم دہلوی تلمیذ مرزا غالب، نے اپنا عقیدہ اس طرح بیان کیا۔

مدینہ سبزہ زار اچھا ہے شوقِ خلد کیوں رکھیں ہمیں صحرا ہی بھاتا ہے خرامش گاہ سلطان کا

جب مدینہ پہنچنے کا کوئی سبب نہیں بنتا تو عاشق رسول کئی کئی طرح سے اپنے دل کو سمجھاتا ہے۔

عبدالکریم بےخود اجمیری (۱۸۷۰ء۔۱۹۳۸ء) کے اشعار اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں۔

کہاں لے جا کے بیٹھوں میں سنبھالوں کس طرح بےخود
ہمارے حضرتِ دل پھر مدینے کو مچلتے ہیں

دیا مژدہ، شہِ دارین چل تجھ کو بلاتے ہیں مدینہ سے صبا میرے لئے آئی وحی بن کر

☆

مدینہ مجھ کو یاد آگیا پھر نام سے تیرے بڑھائی اور وحشت تو نے اے باغِ جناں میری

☆

مدینہ دیکھئے کس روز اے دل اپنا جانا ہو سر اپنا اور حبیبِ کبریا کا آستانہ ہو

☆

تیری چوکھٹ کے باعث شرف ہے سنگِ اسود کو بدولت تیرے کوچے کے بڑا ہے نام جنت کا

☆

غنچۂ دل کو میرے بوئے مدینے سے تیرا بادِ صبا بھولا یہ کب احسان جاتا ہے

☆

جاؤں جو مدینے کو تو کچھ دور نہیں پر کیا کروں لاچار مقدور نہیں ہے
کرتے ہو مدینہ کے عوض خلد عنایت یا سیدِ عالم مجھے منظور نہیں ہے

☆

نسیمِ باغِ مدینہ ہیں منتظر ہم بھی ادھر بھی آ کہ معطر مشام ہوجائے

(کلام بےخود۔عبدالکریم بےخود۔مطبع نامی وحیدیہ پریس، اجمیر)

عاشق رسول مدینہ کے خار کو بھی پھول سمجھتا ہے، اس کی چبھن اسے راحت دیتی ہے۔

محمد ابراہیم آزاد بیکانیری (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۷ء) نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

طیبہ کا دشت کہتا ہے یہ پا برہنہ سے جنت کے پھول ہیں مرے یہ خار دیکھنا

☆

کون سا آبلہ پا آج مدینہ کو چلا منتظر راہ میں ہے خارِ بیاباں کس کا

☆

یا نبی میرا جو طیبہ میں ٹھکانہ ہوا میں یہ سمجھوں گا مرا خلد میں جانا ہوا

☆

کانٹوں کے عوض پھول نکلتے ہیں زمیں سے جنت ہے تہہِ دامنِ صحرائے مدینہ

☆

دل ہے وہی دل جس دل میں ہے طیبہ کی تمنا سر ہے وہی جس سر میں ہے سودائے مدینہ

☆

شام کو کوئے نبی سے جو ہوا آتی ہے صبح کو وہ گلِ فردوس کھلاتی ہے

(دیوان آزاد۔ محمد ابراہیم آزاد۔ مطبع مرتضائی، آگرہ۔ ۱۳۵۰ ہجری)

عبداللہ فاروقی خنجر (اجمیر)

میرا مدفن بھی ہو مدینے میں میرا بر آوے مدعا یا رب

☆

خارِ صحرائے مدینہ دیکھیں اے رضوان اگر شرم سے پژمردہ سب ہو جائیں گلہائے بہشت

☆

قصرہا و غنچہ و گلہا و نخل و بوستاں دیکھ لیوے گر مدینے کے تو شرمائے بہشت

☆

ہے شور بلبل دل گلشن تن میں مرے ہر دم چمن ہائے مدینہ کی دکھا یا رب فضا مجھ کو

☆

ہر روز مرے سر میں ہے سودائے مدینہ ہر دم ہے مجھے خواہش صحرائے مدینہ

(دیوان خنجر۔ عبداللہ خنجر۔ مطبع نظامی، کانپور۔)

عالم گیر کیفؔ ٹونکی (۱۸۶۰ء۔ ۱۹۴۰ء) نے مدینہ سے اپنی عقیدت اس طرح بیان کی ہے۔

مدینہ میں جو لوگ داخل ہیں اے دل وہ ہیں جیتے جی باغِ جنت میں داخل

☆

اڑا کر اے صبا لے چل مجھے بھی جانبِ بطحا　　　کہ خاروخس کی صورت ایک نحیف وزار میں بھی ہوں

☆

مدینہ سر کے بل جائیں سفر یوں ہو تو بہتر ہے　　　کریں ہر گام پر سجدہ اگر یوں ہو تو بہتر ہے

(وسیلۂ شفاعت، دیوان کیفؔ۔ مطبع انوار محمدی، آگرہ۔ ۱۳۲۸ ہجری)

اپنا یہ مضمون اسماعیل علی تاجؔ کے ایک شعر ختم کرتا ہوں، ملاحظہ کیجئے۔

مدینہ کی گدائی جس فلک رفعت کو حاصل ہے　　　کرے گا کیا وہ یارب بادشاہیِ زمیں لے کر

مدینہ ہماری آنکھوں میں، دل میں، ذہن میں، سانسوں میں، روح میں بسا رہے گا۔ کیوں کہ جس جنت کا ذکر قرآن واحادیث میں ہے، وہی جنت اصل میں وہ ہے جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں۔ اور چونکہ وہاں آپ آرام فرما رہے ہیں اس لئے وہاں کی ہر شے سے عاشق رسول کو محبت ہے، اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک عاشقانِ رسول اس زمین پر موجود رہیں گے۔

☆☆☆

ڈاکٹر معین الدین شاہین (اجمیر)

اردو نعت گوئی میں ذکرِ مدینہ

(نمائندہ شعراء کے حوالے سے)

نعت گوئی ایسی صنفِ سخن ہے جس میں موضوعات کے اعتبار سے وسعت اور ہمہ گیری موجود رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نعت گو شعراء نے عرش و فرش اور کُل کائنات کا تذکرہ اپنی نعتیہ تخلیقات میں خوب سے خوب تر کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیرِ نظر مضمون صرف اور صرف نعت میں ذکرِ مدینہ سے متعلق ہے، راقم اس حوالے سے اپنی بات کہنا چاہتا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سرتاج الانبیاء، نبیٔ آخر الزماں، رحمۃ للعالمین، وجۂ تخلیقِ کائنات جیسی لفظیات کے حوالے سے عقیدتاً یاد کیا جاتا ہے۔ تاہم جب کوئی نعت گو ان کے صفات بیان کرتا ہے تو کسی خاص موضوع تک محدود نہیں رہتا۔ آنحضرت کی تعلیمات، آپ کا کردار و سیرت، اخلاق و عادات، وغیرہ کا تذکرہ حدیث و قرآن کی روشنی میں کرنے کی کوشش تمام زبانوں کے شعراء کرام نے اپنی نعت گوئی میں کی ہے۔

جب کوئی شاعر نعت کہتا ہے تو آنحضرت کے اندامِ مبارک، لباس، رہن سہن اور اہم لوزمات کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور دو اہم مراکز مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کا ذکر بھی موقع بہ موقع کرنے سے نہیں چوکتا۔ ان دونوں مراکز کی سرزمین آب و ہوا، بہار و فضا، خاک و اشجار، گلی کوچوں اور بعض دیگر متبرک اشیاء کا تذکرہ بھی برمحل ہوتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں مدینہ منورہ کی اصطلاح کے پیشِ نظر گفتگو مقصود ہے۔ تاہم مذکورہ موضوعات کے تناظر میں سب سے پہلے مرزا غالب اسکول کے ایک شاعر یوسف علی خاں عزیزؔ کے نعتیہ اشعار پیش کرنا چاہوں گا، جو آگاہ دہلوی کے شاگرد تھے۔

یہ پاؤں ہوں اور دامنِ صحرائے مدینہ یہ ہاتھ ہوں اور دامنِ مولائے مدینہ
اے چشمِ تصور مجھے اتنا تو دکھا دے جس سمت نظر جائے نظر آئے مدینہ

اللہ رے کس رتبہ کی ہے جائے مدینہ ہے عرش کے دل میں بھی تمنائے مدینہ
فردوس سے اعلیٰ درجۂ گلشنِ طیبہ طوبیٰ سے فزوں رتبہ شجر ہائے مدینہ
رشکِ فلک العرش ہے وہ روضۂ عالی اعلیٰ ہے بہت گنبدِ خضرائے مدینہ

بہزادؔ لکھنوی جنھیں میدان نعت گوئی میں اس لئے مقبولیت حاصل ہوئی کہ انھوں نے ہر ایک موضوع کو سلیقہ سے اپنی نعت میں سمو کر پیش کیا ہے۔ اپنی ایک نعت میں ذکرِ مدینہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

مدینے کو جائیں یہ جی چاہتا ہے مقدّر بنائیں یہ جی چاہتا
مدینے کے آقا، دو عالم کے مولا تیرے پاس آئیں یہ جی چاہتا ہے
پہنچ جائیں بہزادؔ جب ہم مدینے میں تو خود کو نہ پائیں یہ جی چاہتا ہے

جگرؔ مرادآبادی سے متعلق ایک روایت زبانی چلی آ رہی ہے کہ اجمیر شریف کے ایک آل انڈیا نعتیہ مشاعرے میں کمیٹی کے اراکین نے انھیں مدعو کرلیا۔ لیکن اہل اجمیر نے ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ جگرؔ بغیر شراب پیئے مشاعرہ نہیں پڑھتے، ہمیں یہ گوارہ نہیں کہ ایک شرابی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں مئے نوشی کی حالت میں کرے۔ جگرؔ کو بھی اپنے کردار پر ندامت ہوئی۔ اور یہ اعلان کیا کہ اگر اسی وقت شراب چھوڑ دوں تو؟ اس پر سب نے ایک آواز میں کہا "**لبّیك**" اور پھر جو نعت رو رو کر جگرؔ نے پڑھی ہے وہ مشہورِ زمانہ ہوگئی۔ اس نعت سے چند اشعار ملاحظہ کریں۔ ؎

ایک رند ہے اور مدحتِ سلطان مدینہ ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطانِ مدینہ
تو صبحِ ازل آئینہ حسنِ ازل بھی اے صلِّ علیٰ صورتِ سلطانِ مدینہ
اے خاکِ مدینہ تیری گلیوں کے تصدّق تو خلد ہے تو جنّتِ سلطان مدینہ
اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت دیکھوں میں درِ دولت سلطان مدینہ
کونین کا غم یادِ خدا دردِ شفاعت دولت ہے یہی دولتِ سلطان مدینہ
کچھ اور نہیں کام جگرؔ مجھ کو کسی سے کافی ہے بس اک نسبتِ سلطان مدینہ

شکیل بدایونی کو بحیثیت غزل گو اور فلمی نغمہ نگار شہرت ملی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انھوں نے جو نعتیہ تخلیقی یادگاریں چھوڑی ہیں ان کی اہمیت اردو کے نعتیہ ادب میں مسلّم ہے۔ ذکرِ مدینہ کے تعلق سے ان کی نعوت سے دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ؎

مدینے کی فضا ہے اور میں ہوں درِ خیر الورا ہے اور میں ہوں
مری ہستی ہے اور خاکِ مدینہ جنوں کی انتہا ہے اور میں ہوں

شکیلؔ اپنے سخن پر کیوں نہ ناز ہو — ثنائے مصطفےٰ ہے اور میں ہوں

☆

موت ہی نہ آ جائے کاش ایسے جینے سے — عاشقِ نبی ہو کر دور ہوں مدینے سے
اے حسینِ بطحا ،سن ہے یہی خوشی میری — عمر بھر لگا کر کھوں تیرے غم کو سینے سے
آنکھ بند کرتے ہی ہم تو اے شکیلؔ اکثر — چل دئے مدینے کو آ گئے مدینے سے

حمیدؔ لکھنوی نے مختلف طریقوں سے اپنی نعوت کے توسط سے اپنا نذرانۂ عقیدت بحضور محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش کیا ہے۔ جب ان کا مجموعہ کلام ''گلبانگِ حرم'' (نامی پریس، لکھنو، ۱۹۳۴ء) منظر عام پر آیا تو اس پر مولانا عبدالماجد دریابادی، علامہ سلیمان ندوی، جگر مرادآبادی، امجد حیدرآبادی، مناظر احسن گیلانی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، اور شہید انصاری فرنگی محلی جیسی بابرکت شخصیات نے تقاریظ اور تبصرہ جات سپرد قلم کئے تھے۔ اس مجموعے میں متعدد ایسی تخلیقات ہیں جو فضائے مدینہ وارضِ مدینہ کے موضوع پر انفرادیت رکھتی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند مثالیں اس مجموعے سے ملاحظہ کیجئے۔

نہ ذکرِ نبی ہے نہ یادِ مدینہ — یہ جینا بھی ہے کوئی جینے میں جینا
جو ہو نورِ عرفاں سے معمور سینہ — تو بن جائے یہ کعبۂ دل مدینہ
وہ کیا خوب ہوگا مبارک مہینہ — کہ جب میرا رخ ہوگا سوئے مدینہ
حمیدؔ اڑ کے پہنچے دیارِ نبی میں — بحقِ درِ حضرتِ شاہ مینا

☆

الٰہی نظر میرے ذوقِ طلب پر — مدینے کو پھر دیکھنا چاہتا ہوں
حمیدؔ اور کوئی تمنا نہیں ہے — دیارِ حبیبِ خدا چاہتا ہوں

☆

مدینے کی ہر رات یاد آ رہی ہے — وہ ہر شے، وہ ہر بات یاد آ رہی ہے
سبب میرے رونے کا کیا پوچھتے ہو — مدینے کی برسات یاد آ رہی ہے
وہ اہلِ مدینہ کی مہمان نوازی — وہ خاطر مدارات یاد آ رہی ہے

☆

بھینی بھینی پھر شمیمِ جانفزا آنے لگی — ٹھنڈی ٹھنڈی پھر مدینے کی ہوا آنے لگی
کیوں نہ ہو اپنا مشامِ جاں معطر اے حمیدؔ — باغِ طیبہ سے نسیمِ دلکشا آنے لگی

حضرت اکبر وارثی ان شعراء میں ہیں جنھوں نے عاشق رسول کی حیثیت سے زندگی گزاری۔ ان کی متعدد تخلیقات اس سلسلے میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ زیرِ نظر موضوع سے متعلق ان کا قصیدہ بعنوان ''قصیدہ مدینہ شریف'' سے چند اشعار پیش ہیں۔

ہے مرنے پہ بھی آرزوئے مدینہ — مری خاک ہو خاکِ کوئے مدینہ
نہیں بھاتیں واعظ مجھے اور باتیں — کئے جا فقط گفتگوئے مدینہ
گریباں میں منہ اپنا ڈال کر دیکھے — ہے فردوس کیا رُوبروئے مدینہ
ہے دل تیرے صدقے نظر تیرے قرباں — حبیبِ خدا ماہِ روئے مدینہ
مبارک ہو لے کر مجھے کس ادا سے — مدینہ چلی آرزوئے مدینہ
دکھا بلبلِ روحِ اکبر کو یا رب — بہارِ گلستانِ کوئے مدینہ

علامہ شارق ایرایانی مرحوم نے بھی نعت گوئی میں خوب طبع آزمائی کی ہے۔ جب آپ حضور اکرم کو سلام پیش کرتے ہیں تب بھی ذکرِ مدینہ کا پہلو نکل آتا ہے۔ آپ کے تخلیق کردہ سلام ''محبوب کبریا سے میرا اسلام کہنا'' کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے، اسی سے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

تجھ پر خدا کی رحمت اے عازمِ مدینہ — نورِ محمدی سے روشن ہو تیرا سینہ
جب ساحلِ عرب پر پہنچے تیرا سفینہ — اُس وقت سر جھکا کر للہ با قرینہ
سلطانِ انبیاء سے میرا سلام کہنا — ہو جانبِ مدینہ جب کارواں روانہ
صلّی علیٰ محمد کا لب پہ ہو ترانہ — وردِ زباں ہو جس دم اشعارِ عاشقانہ
جب رحمتِ خدا کا لٹنے لگے خزانہ — سرچشمۂ عطا سے میرا سلام کہنا

مرحوم شاداں اندوری کو ہر صنف میں شعر گوئی پر قدرت حاصل تھی، یہاں ان کی نعت گوئی اور تذکرہ مدینہ سے متعلق ایسی نعت ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہے جو زبان و بیان اور عقیدت و محبت کا بہترین سنگم ہے۔ مثلاً۔

پڑے ہوئے ہیں سرِ رہگزر مدینے میں — ہزاروں شمس، ہزاروں قمر مدینے میں
جوابِ خلد ہیں سب بام و در مدینے میں — سنور گیا میرا ذوقِ نظر مدینے میں
سمندروں سے رکوں گا نہ کوہ و صحرا سے — بلائیں گے جو شہِ بحر و بر مدینے میں
ستالے جتنا بھی جی چاہے اے غمِ دوراں — نکال لوں گا میں ساری کسر مدینے میں
میرا نصیب مجھے دن دکھائے وہ شاداں — پڑھوں میں نعت نبی عمر بھر مدینے میں

خمار بارہ بنکوی نے اپنی نعتیہ شاعری کو تغزل کے رنگ و آہنگ میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا ہے

کہ اہلِ علم وادب کے منھ سے بے ساختہ سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، گویا۔

میں نے جو چھیڑی نعتِ رسول　　چھا گئے بادل کھل گئے پھول
بات مدینے جیسی کہاں　　کون کرے فردوس قبول
پیش نظر روضہ ہو خمار　　اور پڑھوں میں نعت رسول

جدید شاعری میں اپنا انفرادی مقام ومرتبہ رکھنے والے ڈاکٹر بشیر بدر کے یہ اشعار جو حمد ونعت سے متعلق ہیں، اس لئے قابل توجہ ہیں کہ موصوف نے اللہ سے کیا خوب مطالبہ کیا ہے۔

خدا ہم کو ایسی خدائی نہ دے　　کہ اپنے سوا کچھ دکھائی نہ دے
میں اشکوں سے نامِ محمد لکھو　　قلم چھین لے روشنائی نہ دے
مجھے ایسی جنت نہیں چاہئے　　جہاں سے مدینہ دکھائی نہ دے

علامہ سیماب اکبرآبادی نے جس صنفِ سخن کو چھوا اسے کندن بنادیا۔ مذہبی شاعری کے ذیل میں آپ نے حمد، نعت، منقبت، مرثیہ، نوحہ اور سلام وغیرہ میں ایسے جوہر دکھائے کہ جس کی مثالیں مذکورہ اصناف کو اعتبار اور استحکام بخشتے ہیں۔ نعت گوئی میں بھی علمائے وقت نے سیمابؔ اکبرآبادی کا لوہا مانا ہے۔ ایک نعت شریف سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

پیام لائی ہے باد صبا مدینے سے　　کہ رحمتوں کی اٹھی ہے گھٹا مدینے سے
حساب کیسا نکیرین ہو گئے بے خود　　جب آئی قبر میں ٹھنڈی ہوا مدینے سے
فرشتے سینکڑوں آتے ہیں اور جاتے ہیں　　بہت قریب ہے عرشِ خدا مدینے سے
خدا کے گھر کا گدا ہوں فقیرِ کوئے نبی　　مجھے تو عشق ہے مکّے سے یا مدینے سے

مذکورہ جائزے کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ نعت گوئی کے تناظر میں ذکرِ مدینہ متنوع موضوع ہے۔ جس پر ہر شاعر نے اپنے مخصوص اسلوب میں اظہار خیال کیا ہے۔ اور خوش گوار حیرت تب ہوئی کہ کسی کا خیال کسی کے خیال سے ٹکراتا ہوا نظر نہیں آیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں محض مقصدِ شعر گوئی نہیں بلکہ جذبۂ عشقِ رسول کی فضا ہموار نظر آتی ہے۔ بقول اقبال۔

خیرہ نہ لگا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

☆☆☆

تابشِ فکر و نظر/ افکار روشن

آتی ہے صبا کوثر و تسنیم کو چھوکر
بکھرے ہیں ترے حسن کی تقدیس کے نغمات
طاہر لاہوری

پروفیسر عبدالحق (دہلی)

حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شعرِ اقبال

سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعری ثقافت کا سب سے محترم موضوعِ سخن ہے۔ تقریباً ہر سخن ور نے ذکرِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی تخلیق کو پرنور کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض شعراء اس نسبت کی برگزیدی سے بلندی پر فائز ہوئے۔ ان کی ناموری ناموس نبوت سے قائم ہوئی۔ شعری تخلیق کا ایک گراں قدر حصہ ذکر و فکر میں وظیفۂ روز و شب ٹھہرا۔ شعرا کے جذب و شوق کا اظہار قاری کو عرفان و آگہی کے سوز و ساز سے سرشار کرنے کا باعث بنا۔ فن میں عشق و عقیدت کی یہ وارفتگی اور فراوانی کسی اور شخص سے وابستہ نظر نہیں آتی۔ ہماری ادبی ثقافت کا یہ امتیاز بھی ہے۔ ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تخلیقی محرک بن جانا معجزۂ فن کی دلیل ہے۔ تخلیق کی اس معجز نمائی کا مشاہدہ کرنا ہو تو کلام اقبال کا مطالعہ کیا جائے۔ صرف یہی موضوع پیشِ نظر رکھیے تو حیرتوں کا ایک جہان دیگر دکھائی دے گا۔ اقبال کے سرمایۂ قلم میں نہ نعت ہے اور نہ سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کوئی کتاب مگر تخلیقات میں ذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نور فشانی ہر سو جلوہ گر ہے۔ کہیں برملا و بے حجاب ہے تو کہیں پُر اسرار حرفِ راز بن کر معنی کے نہاں خانوں میں پوشیدہ۔ اس ادراک کے لیے نگاہ کا شریک بینائی ہونا لازم ہے۔ تخلیقی تاریخ میں یہ ایک منفرد مثال ہے۔

شعراء اور سیر نگاروں نے پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل کے بیان میں بے مثال عشق و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ تاریخ و تلمیح کے سہارے عرفانِ رسالت کے جو نذرانے قلم بند کیے ہیں وہ بنی نوع انسان کی علمی و تخلیقی سرمایہ کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ کائنات کی کسی شخصیت سے نہ یہ عشق ملتا ہے اور نہ سرمایۂ علمی ہی محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ مسلمانوں کی سب سے عظیم اور مقدس سعادت ہے۔ اقبال کا یہی خاص امتیاز ہے کہ حضور رسالتِ مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کا عشق اور وفورِ شوق جذب و جنوں کی انتہاؤں سے ہم آہنگ ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو حکمت و دانائی میں سراپا نور قرار دیا ہے۔ یہ مفکرانہ نسبت اقبال کو بہت محبوب ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت مفکرِ اعظم و آخر کی ہے۔ اقبال نے اپنے عشق کو وجدان و الہام سے ہم آمیز کیا ہے۔ جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ احادیث کے انتخاب میں یہ پُراسرار نکتہ پیشِ نظر رہا ہے۔ اس موضوع پر گفتگو میں اقبال کے اس اقرار و اعتراف پر توجہ لازم ہے۔

ایں ہمہ از لطفِ بے پایانِ تست فکرِ ما پروردۂ احسانِ تست

(در حضور رسالت مآب ﷺ پس چہ باید کرد)

اقبال اعتراف کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیکراں لطف و عنایت کے آغوش میں ان کے فکر و نظر کی پرورش ہوئی ہے۔ اس بے پایاں احسان کا اقرار مطالعۂ اقبال میں بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اقبال کی دروں بینی کے اس احساس تک دریابی کے لیے دیدۂ بینا درکار ہے۔ گویا ان کے فکری نظام کا مصدر اعظم نبی برحق کی ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ اقبال نے اشارے کیے ہیں کہ ان کے علم و مطالعہ میں دانشِ افرنگ نے اضافہ کیا ہے۔ اور مشرق کے صاحبِ نظراں نے سینے کو پُرنور کیا ہے مگر خاکِ مدینہ نے فکر و نظر اور لوح و قلم کو بینائی بخشی ہے۔ اقبال معترف ہیں کہ عالم آب و خاک میں اسی کے ظہور سے سب کو فروغِ نظر حاصل ہے۔ اسی ذات مبارک کی بدولت ہر ذرۂ ریگ کو طلوعِ آفتاب کی تابانی میسر ہے۔ اس ذات تک رسائی ہی دین و دانش کا مقصود و منتہا ہے۔

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

کلامِ اقبال میں عشق و عقیدت کے بے پایاں جذب و شوق کی سایہ نشینی سے پوری فضا جمال آفریں ہے۔

کیوں از کہ خدا محبوب تر گردد نبی ﷺ

جب یہ صورت ہو تو محبوب کے تمام متعلقات یا مناسبات سبھی عزیز تر ہوتے ہیں۔ سیرت و شخصیت کے ساتھ اقوال و کردار کی سبھی ادائیں جسم و جان سے زیادہ پیاری ہو جاتی ہیں۔ اقبال کے اشعار میں جگہ جگہ اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا منصبِ نبوت کا تذکرہ ہے۔ ساتھ ہی ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کا حوالہ بھی منظوم ہوا ہے۔

فکرِ اقبال کا سب سے اہم سرچشمہ قرآن ہے۔ اقبال کی تحریروں میں قرآن کریم کے حوالے جس کثرت سے ملتے ہیں وہ تخلیقی ادب میں ایک نایاب نظیر ہے۔ شعرِ اقبال کی بلاغت اور فکر کی بلندی کا ایک اہم سبب صحفِ سماوی کے حوالے ہیں۔ اقبال کی آرزو تھی کہ وہ قرآن کی تفسیر قلم بند کرتے۔

دوسرے تصنیفی منصوبوں کی طرح یہ اہم کام بھی انجام نہ پا سکا۔ رموزِ بیخودی میں سورۂ اخلاص کی منظوم تشریح و تعبیر ان کی بنیادی فکر کے اہم ترجمان بن گئے ہیں۔ مختصر سورت کے لیے ایک سو سولہ اشعار منظوم کیے گئے ہیں۔ قرآن اور اقبال کے سلسلے میں اقبالیات میں قابل قدر سرمایہ موجود ہے۔ مستعمل آیات میں جن نکات کی طرف اقبال کے اشارے ہیں وہ اقبال کے تفسیری رویے کی نشان دہی کرتے ہیں۔

اقبال نے نثری تحریروں میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال قلم بند کیے ہیں اور ان کی فلسفیانہ تشریح بھی کی ہے۔ قرانی آیات کے ساتھ احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرح و تفصیل بھی اقبال کے پیشِ نظر ہے۔ انہوں نے خطبات میں سیرت سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکیمانہ پہلوؤں پر اپنی وسعتِ نظر کا اظہار کیا ہے۔ ''مضامین اقبال'' میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قولِ مبارک پر ایک مقالہ قلم بند کیا ہے جو نظریۂ ادب کا سب سے اہم اور مہتم بالشان ضابطۂ تخلیق کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مقالے کا عنوان ہے ''جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادبی تبصرہ'' میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امراء القیس کی شاعری پر ارشاد فرماتے ہوئے کہا تھا کہ "**اشعرالشعرا وقائدھم الی النار** "یعنی وہ شاعروں کا سردار تو ہے مگر جہنم کے مرحلے میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے۔ تخلیق کا یہ نصب العین نہیں ہے کہ حقائق زندگی سے گریز سکھائے اور تخیلات کی ساحری میں گمراہ کرے۔ ادب نشاطِ زیست کا ترجمان نہیں ہے۔ گویا فن برائے فن ایک اندوہ ناک تصور ہے۔ اسی حدیث کو اقبال نے مرقعِ غالب کے مقدمہ میں بھی دہرایا ہے۔[1] اسی مقالے میں اقبال نے مشہور شاعر عنترہ کے شعر پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعریفی کلمات کو نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوق ملاقات نہیں پیدا کیا لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس شعر کے نگارندے کو دیکھنے کو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے۔[2] عنترہ کا شعر صحت بخش زندگی کی جیتی جاگتی اور بولتی تصویر ہے جو تعیش کی جگہ سخت کوشی وجد وجہد کو دعوت دیتا ہے۔ یہی تخلیق کی معراج ہے کہ زندگی کی کشاکشوں سے نبرد آزما ہو۔ گویا آپ نے چودہ سو برس پہلے ادب برائے زندگی کو خوش آمدید کہا تھا۔

''تشکیل جدید الہیات اسلامیہ'' کے پہلے خطبہ علم اور مذہبی مشاہدات میں مشہور حدیث '**لاتسبوالدھر**' کی تشریح کی گئی ہے اس سے یقین ہوتا ہے کہ احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فکرِ اقبال کو ایک فلسفیانہ گرویدگی ہے۔ عقیدت واحترام سے قطع نظر انہیں اقوال رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مفکرانہ نسبت ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکمت و دانائی کا عظیم پیکر

تسلیم کیا ہے۔اشعار میں دانائے سبل، گوہر حکمت، الکتاب اور لوح وقلم کے معنی خیز الفاظ موجود ہیں۔

گوہر حکمت بہ تارِ جانِ امت سفتۂ ای

(باقیات)

درجہانِ ذکر وفکر ِ انس وجاں — تو صلوتِ صبح تو بانگِ اذاں

ذکر وفکر وعلم وعرفانم توئی — کشتی و دریا و طوفانم توئی

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پاگئے — عقل غیاب وجستجو عشق حضور واضطراب

اشعار میں منظوم احادیث کی فکر افروز حکمت بہت نمایاں ہے اقبال مفکر شاعر ہیں۔لازم تھا کہ ایسے ہی اقوال کا انتخاب ہو جو فلسفیانہ جہانِ معنی سے معمور ہوں۔اقبال نے احادیث سے اجتہادی استدلال بھی کیا ہے۔جیسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول 'لانبی بعدی' اس کا منطقی نتیجہ ہوگا کہ لاقوم بعدی۔اس سے اقبال کے فکری منہاج ومعیار اور طریق استلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

اقبال نے تخلیقی حسن آفرینی کے ساتھ کلام میں احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جزوِ فن بنادیا ہے۔حدیث پاک کے حوالوں کی کثرت فارسی شاعری میں ہے یہ اردو میں بہت کم منظوم ہوئے ہیں۔باقیات میں حسبِ ذیل احادیث منظوم کی گئی ہیں۔

تیرا رتبہ جوہرِ آئینۂ لولاک ہے[1]

اے کہ حرفِ **اطلبوا لوکان بالسین** گفتہ ای[2]

ماعرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری[3]

یہ دونوں مصرعے نظم ''اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں سے'' اور 'فریادِ امت سے' ماخوذ ہیں۔نظم ''ماتم پسر'' کا مصرع ہے۔

مقصد **لحمك لحمى** پر کھلی ان کی زبان[4]

اردو کلیات میں بس برائے نام حوالے ہیں۔نظم ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' کا یہ مصرع ضعیف حدیث کا ترجمہ قرار دیا گیا ہے۔[5]

میر عرب ﷺ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' کے مصرع میں مشہور حدیث منظوم ہے۔[6]

سماں **الفقر فخری** کا رہا شانِ امارت میں — عالم ہے فقط مومنِ جاں باز کی میراث

مومن نہیں جو صاحبِ **لولاک** نہیں ہے

بالِ جبریل کی غزل ۴۶ کے مقطع میں بھی یہ حدیث دہرائی گئی ہے۔

جہاں مقام ہے میراث مردِ مومن کی میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

اردو کے مجموعوں میں ذکرِ حدیث کی یہ صورت نہیں ہے سبب نہیں معلوم کہ ایسا کیوں ہوا؟ یہ ضرور ہے کہ فارسی میں موضوعات اور مواقع مختلف النوع ہیں۔ ان حوالوں کی وہاں زیادہ گنجائش تھی۔ راقم کا یہ محض قیاس ہے۔

قرآن کریم کی طرح اقبال نے اقوالِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اپنے فکر ونظر کی تشکیل میں بڑی مدد لی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ فلسفہ زمان ومکاں کے سلسلے میں اقبال فکری طور پر اضطراب سے دوچار تھے۔ معاصر علما واکابرینِ دانش سے دریافت کرتے رہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی رہ نمائی نہ ہو سکی۔ لیکن انہیں حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی استقامت بخشی۔ اسرارِ خودی، ان کی پہلی شعری اور فکری تخلیق ہے۔ خودی کے وجود ونمود اور پہنائی کا مسئلہ خاصا پیچیدہ تھا۔ انہوں نے قولِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد لی اور زمان ومکاں کے تصورات کو مربوط کیا۔

زندگی از دہر ودہر از زندگی است **لا تسبو الدھر** فرمانِ نبی ﷺ است

اقبالیاتی مطالعہ میں یہ موضوع خاصا اہم اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ انہوں نے رموزِ بیخودی اور پیامِ مشرق میں **الوقت سیف**ؓ اور 'نوائے وقت' کے عنوان سے نظمیں لکھی ہیں۔ 'زمانہ' کے نام سے بالِ جبریل میں بھی ایک نظم کے علاوہ متفرق اشعار ہیں جو اس فکری نکتے کی وضاحت کرتے ہیں۔ ضربِ کلیم کا یہ شعر بڑی حکیمانہ معنویت کا حامل ہے۔

خرد ہوتی ہے زمان ومکاں کی زناری نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

'اسرارِ خودی' میں سب سے پہلے اس حدیث پر نظر پڑتی ہے جو 'خودی از سوال ضعیف می گردد' کے ذیل میں نقل کی گئی ہے۔

آں کہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رفت مردِ کاسب را حبیب اللہ گفت

ذاتِ گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے '**الکاسب حبیب اللّٰہ**' یعنی محنت کش مزدور اللہ کا دوست ہے۔

تا کجا روز وشب باشی اسیر رمزِ وقت ازلی **مع اللّٰہ** یاد گیر

حدیث لی **مع اللّٰہ** وقت کی طرف اشارہ ہے۔

'رموزِ بیخودی' میں پہلی حدیث ہے۔

بہر آں شہزادۂ **خیر الملل** دوش ختم المرسلین **نعم الجمل**

یہاں حدیث **ونعم الجمل جملکما ونعم العدلان انتما** کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پیشِ پیغمبر چو کعب پاک زاد ہدیۂ آورد از بانت سعاد

گفت **سیف من سیوف اللّٰہ** گو حق پرستی جز براہِ حق مپو

آپ کا قول ہے "**سیف من سیوف اللّٰہ**" اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار پیغمبرِ اعظم وآخر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ایک بہت مشہور اور معتبر حدیث مروی ہے۔

کنت نبیا و آدم بین الماءِ والطین

جلوۂ او قدسیاں را سینہ سوز بود اندر آب وگل آدم ہنوز

ترمذی شریف میں ہے **قال آدم بین الرّوح والجسد** (کہا اور آدم ابھی روح اور جسد کے مابین تھے)

ایک دوسری حدیث کو اس طرح منظوم کیا گیا ہے۔

آنکہ نازد بر وجودش کائنات ذکر او فرمود **باطیب وصلٰوۃ**

سورہ اخلاص کی تفسیر میں حدیث کا اشارہ ملتا ہے۔

آں امن النّاس بر مولائے ما آں کلیم اولِ سینائے ما

حدیث کے الفاظ ہیں۔ **امنّ النّاس علیٰ فی صحبتہٖ ومالہٖ ابوبکر**

لست منّی گویدت مولائے ما وائے ما اے وائے ما اے وائے ما

آپ نے فرمایا تو میری قوم سے نہیں ہے۔

'پیامِ مشرق' میں ایک آیت کریمہ کا حوالہ ہے مگر حدیث کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں اقبال کا نتشے کے بارے میں جو مصرع بہت مقبول ہوا۔

قلبِ او مومن دماغش کافر است

محسوس ہوتا ہے کہ بدونِ حوالہ آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک قول کا اشارہ ہے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عرب شاعر امیہ ابن الصلت کے لیے فرمایا تھا۔ **امن لسانہٗ وکفر قلبہٗ**

اقبال کے مطالعہ اور یادداشت کو آفریں ہو کہ انہوں نے احادیث واقوال کو حافظے کے نہاں خانے میں محفوظ رکھا اور تخلیق میں نگیں سازی سے کام لیا۔ ان کے کئی اشعار بدون حوالۂ حدیث کے بھی ہیں جن میں جزوی عبارت یا اشارے موجود ہیں۔ حدیث کے بے کراں ذخیرۂ علمی پر ان کی

حکیمانہ نگاہ ہے۔ جن کی مدد سے وہ کلام کو علمی تقدیس سے ہم آمیز کرتے ہیں۔ تخلیق کو تقدیس کے مقام معراج تک رسائی کے لیے اقبال کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مشرقی ادبیات میں اقبال کا یہی مقام محمود ہے۔ بنی نوع بشر کی نغمہ سرائی فکرِ اقبال کا سب سے نمایاں امتیاز وافتخار ہے۔ وحدتِ آدم کے تصور پر اقبال سے زیادہ کسی مفکر نے توجہ نہیں دی ہے۔ انہوں نے قوموں کی وحدت کو اندوہ ناک بتایا ہے۔ اور وحدت آدم کو ترجیح دی ہے۔ اس تصور کے سرچشمے احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ تمام عالم کو عیال اللہ کہا گیا ہے۔ اقبال کا شعر ملاحظہ ہو جس میں حدیث کا حوالہ نہیں ہے۔ مگر مفہوم کی معنویت پورے موثرات کے ساتھ موجود ہے۔

حرفِ بد را برلب آوردن خطا است　　　کافر و مومن ہمہ خلقِ خدا است

اس طرح کے کئی اشارے کلام میں قلم بند ہوئے ہیں جو حدیث کے ترجمان ہیں۔

'زبورِ عجم' اور 'گلشنِ راز جدید' میں بھی بہ ظاہر کوئی حدیث درج نہیں ہے۔ 'جاوید نامہ' میں کئی حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ جو موقع کی مناسبت سے بہت موزوں ہیں اور فکر کی تازگی اور تمازت سے معمور ہیں۔ ان کی مدد سے اقبال نے اپنے افکار کو معنویت سے آراستہ کیا ہے۔ زاوان کہ روح زمان ومکانست کے ذیل میں حدیث پر نظر پڑتی ہے۔ اس حدیث کو دو شعروں میں دہرایا گیا ہے۔

لی مع اللّٰہ ہر کرا در دل نشت　　　آن جواں مردے طلسم من شکست

گر تو خواہی من نباشم درمیاں　　　لی مع اللّٰہ باز خواں از عینِ جاں

اس سے قبل اس حدیث پاک کو 'اسرارِ خودی' میں بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کو زمان ومکاں کے تصورات کی تشکیل وتعبیر میں سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے توثیق وتصدیق ہوئی۔ جاوید نامہ میں دوسری حدیث بھی بڑی خوبی سے شعر میں ڈھالی گئی ہے۔ افغانی کی زبان سے ادا کی گئی ہے۔

از حدیث مصطفیٰ ﷺ داری نصیب　　　دین حق اندر جہاں آمد غریب

حدیث ہے کہ 'الاسلام جاء غریب ....'

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ صرف ایک لفظ سے حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ متن کو پیش نہ کر کے صرف ایک لفظ سے پوری حدیث کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اقبال نے کئی مقامات پر قرآن کی آیات کے ساتھ بھی اختصار واشارے کی اس صورت سے کام لیا ہے۔ جاوید نامہ میں خواجۂ اہل فراق کی زبان سے حدیث پاک نقل کی گئی ہے۔

گفتمش "بگذر ز آئین ِ فراق
ابغض الاشیاء عندی الطلاق

جاوید نامہ کے اختتام 'خطاب بہ جاوید' کے آخر میں دو حدیثوں کا ذکر ہے۔

ضعیف ایمان است و دل گیری است غم
نوجوانا ! نیمہٗ پیری است غم

نیمہٗ پیری سے اشارہ ہے۔ **اللّھم نصف الحرام**

می شناسی ؟ حرص فقر حاضر است
من غلام آنکہ بر خود قاہر است

یہاں بھی فقرِ حاضر کہہ کر حدیث مراد ہے جس کا متن ہے۔ **ایّاکم والطمع فانّہٗ الفقر الحاضر**

کبھی کبھی شعری ضروریات یا مجبوری کے سبب بھی صرف اشاراتی الفاظ سے کام لیا جاتا ہے۔ اقبال نے بھی ایسا کیا ہے۔ اگر چہ عام قاری کی بساطِ فہم کے لیے یہ اشارے مشکل ہوتے ہیں۔ لیکن شارحین اور مترجمین نے تفہیم آسان کردی ہے۔ اقبال نے اقرار کیا ہے کہ سیلِ معانی کو ضبط کرنا بہت مشکل تھا۔ پھر بھی قلندر نے اسرارِ کتاب کی وضاحت کردی۔

مثنوی 'پس چہ باید کرد اے اقوام شرق' ایک مختصر شعری مجموعہ ہے جو ۱۹۳۶ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اس میں بھی چند احادیث مذکور ہیں۔ 'فقر' کے ذیل میں یہ شعر ہے جس میں متن کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے حدیث کا متن یا اس کا کوئی حصہ نقل نہیں کیا گیا ہے۔

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں
مسجد من ایں ہمہ روئے زمیں

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مشہور حدیث کی طرف تلمیح کا اشارا ہے۔ جس میں ارشادِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق "تمام روئے زمین میری مسجد ہے" "در اسرارِ شریعت' میں دوسری حدیث ہے۔

مال را گر بہر ِ دیں باشی حمول
نِعمَ مَالٌ صَالحٌ گوید رسول ﷺ

اسی نظم میں تیسری اور انتہائی فکر انگیز حدیث پاک کو منظوم کیا گیا ہے۔

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشمِ او **ینظر بنور اللّٰہ** نیست

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ "**اتقو فراست المومن فانہ ینظر بنور اللّٰہ**"

'سیاسیاتِ حاضرہ' نظم میں ایک بہت ہی مشہور حدیث کو منظوم کیا گیا ہے۔

در بدن داری اگر سوز حیات
ہست معراج مسلماں در صلوٰت

اس تلمیح میں قولِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دہرایا گیا ہے کہ نماز مومن کے لیے معراج ہے۔ **الصلوۃ معراج المومنین۔**

نظم 'حرفے چند با امتِ عربیہ' کا مطلع ہے۔

اے در و دشتِ تو باقی تا ابد | نعرۂ لا قیصر و کسریٰ کہ زد

ذاتِ گرامی کا ارشاد ہے کہ **هلك قيصر فلا قيصر بعدهٗ....**

مثنوی 'مسافر' میں حسب ذیل حدیث پاک کی تلمیح موجود ہے۔**لی خرقتان الفقر والجهاد**

خرقۂ آں "برزخ **لا يبغيان** | دیدمش درنکتہ **لی خرقتان**

یہاں قرآن اور حدیث دونوں کی تلمیح موجود ہیں۔'ارمغانِ حجاز' میں بھی چند اقوال رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے بہ طور تلمیح موجود ہیں۔ایک رباعی کے آخری شعر میں '**من رانی فقد راء اللّٰه**' کو منظوم کیا گیا ہے۔مشہور حدیث ہے۔

دو چارم کن بہ صبحِ 'مــن رانــی' | شبم را تابِ مہ آوردۂ تست

حدیثِ پاک کا مفہوم ہے "جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ کو دیکھا" ارمغان کی ایک رباعی میں دو حدیثوں کو دو شعروں کے قافیے میں قلم بند کر کے اقبال نے جذبِ دروں کو شعری پیکروں میں پیش کیا ہے۔

مسلماں را ہمیں عرفان و ادراک | کہ در خود فاش بیند رمزِ **لولاك**

خدا اندر قیاسِ ما نگنجد | شناس آں را کہ گوید **ما عرفناك**

ذاتِ گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام ومنصب کے عرفان وایقان کے لیے دونوں حدیثیں بار بار پیش کی گئی ہیں یعنی کائنات کی تخلیق کا سبب ذاتِ مبارک کا وجود ہے۔گویا آپ نہ ہوتے تو عالم افلاک نہ ہوتا نہ یہ **ارض وسما** ہوتے نہ ہی کوئی شے خلق ہوتی۔دوسری حدیث کو اقبال پہلے بھی نقل کر چکے ہیں۔'**ماعرفناك حق معرفتك**' محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عرفان ہی اللہ کا عرفان ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عرفان کے بغیر ذاتِ باری تعالیٰ کا عرفان ممکن نہیں ہے۔جیسے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت یا اطاعت ہی اللہ سے محبت اور اس کی اطاعت ہے۔یہی مرکز محبت ہے اور یہی مقامِ نبوت بھی جس کے ذکر وفکر سے اقبال کا کلام اپنی نورفشانی میں بے نظیر تخلیقات کا روشن آتش کدہ ہے۔جس میں نورِ نبوت کا ہر شرر شعلۂ جہاں تاب کی طرح جلوہ ساماں ہے۔سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کردار وگفتار سے نسبتوں کے فسانے اور زمانے دونوں عجیب ہیں جو فردائے قیامت تک کے لیے سخن کے سوز وگداز کو حقیقت ابدی میں بدل دیتے ہیں۔اس معروضے اور مشاہدے کے لیے بارِ ثبوت کے طور پر کلام اقبال کافی ہے۔

مسجد من آں ہمہ روئے زمین است

حواشی :

اعطیت خمسا لم یعطهن أحد قبلی: نصرت بالرعب مسیرة شهر وجعلت لی الارض مسجداً وطهوراً فایما رجل من امتی ادرکته الصلاة فلیصل، واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد من قبلی، واعطیت الشفاعة وکان النبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة۔ (بخاری و مسلم)

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

اس مضمون کی کوئی حدیث احقر کے علم میں نہیں ہے اور کتبِ حدیث میں سرسری تلاش سے ملی بھی نہیں۔ (فتاویٰ عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبۂ معارف القرآن، کراچی 1/225)

لو لاك ما خلقت الافلاك

امام شوکانی نے موضوع مانتے ہوئے اپنی کتاب ''الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ'' (ص:326) میں یہ قول ذکر کیا ہے۔

نعم المال الصالح للرجل الصالح

صحیح ہے، صحیح الادب المفرد، ''ح 229'')، کشف الخفاء بتحقیق هنداوی (2/387) حدیث نمبر .2823

اطلبوا العلم ولو کان بالصین

ضعیف ہے اور بعض علما نے موضوع قرار دیا ہے۔ حوالہ سابقہ (1/156) حدیث نمبر 397

ما عرفناك حق معرفتك

حدیث کے طور پر اہل سنت کی کتابوں میں یہ جملہ نہیں ملا۔

الصلاة معراج المؤمن

حدیث نہیں ہے لیکن نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں مسلمانوں کے لیے تحفے کے طور پر ملی تھی اس لیے مفہومی طور پر نماز مسلمانوں کی معراج ہے۔ نماز میں ان کا خشوع خضوع ایسا ہے ہونا چاہیے جیسے وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہیں۔

لحمك لحمی

الہیثمی کی مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (9/111) حدیث نمبر 14654 کی عبارت اس طرح ہے: "هَـذَا عَلِی بنُ اَبی طَالِبٍ لَحمه لَحمی وَدَمه دَمِی، فَهوَ مِنِّی بِمَنزِلَةِ هَارونَ مِن

مُوسَى اِلَّا اَنَّه لَا نَبِیَّ بَعدِی"، اس حدیث کو الطبرانی نے بیان کیا ہے اور حدیث ضعیف ہے۔

الفقر فخری وبه افتخر۔

کشف الخفاء تحقیق هنداوی (2/102) حدیث نمبر 1835 ضعیف

لا تسبوا الدهر فان الدهر هو اللّٰه

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے۔ دیگر الفاظ میں یہ حدیث بخاری وغیرہ دیگر کتب حدیث میں بھی ملتی ہے۔کشف الخفاء تحقیق هنداوی (2/436) حدیث نمبر 3020 صحیح

الکاسب حبیب اللّٰه:

اہل سنت کی احادیث کی کتابوں میں یہ جملہ حدیث کے طور پر نہیں ملا البتہ بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں میں یہ جملہ حدیث کے طور پر تحریر کیا ہے، مثنوی رومی کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال یہ حدیث نہیں ہے۔ باقی حلال کسبِ معاش اور اپنے ہاتھ سے کمائی کی فضیلت میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔

لی مع اللّٰه وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل

ملا علی القاری نے اپنی کتاب "الاسرار المرفوعة فی الاحادیث الموضوعة" (حدیث نمبر: 392) میں اسے موضوع احادیث میں شامل کیا ہے۔

نعم الجمل جملکما:

علما نے اسے ضعیف اور منکر و باطل بتایا ہے۔ تشبیہ بھی غیر مناسب ہے۔

خالد بن الولید سیف من سیوف اللّٰه، صبه اللّٰه علی الکفار

حدیث صحیح ہے۔ (کشف الخفاء تحقیق ہنداوی (1/430) حدیث نمبر 1195).

کنت نبیا وآدم بین الماء والطین

ان الفاظ میں صحیح حدیث نہیں ملتی، اس معنی میں صحیح حدیث اس طرح ہے: کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد۔ (کشف الخفاء تحقیق هنداوی (1/430) حدیث نمبر 2007 کے تحت)

طیب صلوة واضح نہیں ہے۔

اِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَی فِی مَالِهِ وَصحبَتِهِ اَبو بَکر

(صحیح مسلم تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی (4/1854) حدیث نمبر (2382)۔

لست منی غیر واضح ہے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ "کنت منّی" کی تحریف ہو۔ بخاری و مسلم و دیگر کتبِ حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں آتا ہے: "کنت منّی وانا منك"۔

آمن لسانه وكفر قلبه یا آمن شعره وكفر قلبه

ان الفاظ میں یہ عبارت مختلف کتابوں میں وارد ہوئی ہے بعض کتابوں میں یہ عبارت، خاص طور پر "آمن لسانه وكفر قلبه" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے۔ کشف الخفاء تحقیق ہنداوی (1/26) نمبر 19 کے مطابق الفاظ یہ ہیں: "آمن شعر امية بن ابی الصلت وكفر قلبه" اور اس کی سند ضعیف ہے۔

الاسلام جاء غریب

ایسی کوئی حدیث نہیں ملی۔ نحوی طور پر بھی جملہ غلط ہے۔ صحیح مسلم (1/130 حدیث نمبر) میں اس موضوع پر حدیث کے الفاظ یہ ہیں: بَدَأ الِاسلَام غَرِيبا، وَسَيَعود كَمَا بَدَا غَرِيبًا، فَطوبَى لِلغرَبَاءِ۔

ابغض الاشياء عندی الطلاق

ان الفاظ میں کوئی حدیث نہیں ملی۔ اس موضوع پر یہ حدیث ملی ہے: "أبغض الحلال الى الله الطلاق"۔ اس حدیث کو بعض علماء نے صحیح مانا ہے اور دوسرے اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

اللهم نصف الحرام

غیر واضح ہے۔ جملہ بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ شاید "الهم نصف الهرم" ہو اور ایک اور قول ہے: "الهم نصف الداء" لیکن یہ سب اقوال ہیں، حدیثیں نہیں۔

اياكم والطمع؛ فانه الفقر الحاضر

کشف الخفاء (1/311-12) برقم 859). شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

اتقوا فراسة المؤمن؛ فانه ينظر بنور الله

ضعیف ہے۔ کشف الخفاء 1/50۔51 حدیث نمبر 80

اِذَا هَلَكَ كِسرَى فَلَا كِسرى بَعدَه وَاِذَا هَلَكَ قَيصَر، فَلَا قَيصَرَ بَعدَه۔

یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے۔ یہاں مسلم شریف کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں۔ (اللؤلؤ والمرجان فيما اتفق عليه الشيخان (3/308) برقم 1848)۔

لی خرقتان الفقر والجهاد

بظاہر کسی کا قول ہے حدیث نہیں، ممکن ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کوئی قول ہو۔

من رآنی فقد رأی اللّٰہ

یہ حدیث نہیں بلکہ عیسائی نظریہ یا ان کی مقدس کتاب میں آنے والے جملے کا عربی اسلامی ترجمہ ہے۔"**من رآنی فقد رأی الأب**"۔ظاہر ہے "**الاب**" سے مراد خدا ہے۔(العیاذ باللہ)۔

بخاری شریف (9 / 33 حدیث نمبر: 6997) میں آتا ہے: "**مَن رَآنِی فَقَد رَأی الحَقَّ، فَاِنَّ الشَّیطَانَ لَا یتَکَوَّنُنی**" یعنی جس نے مجھے (خواب میں) دیکھا، اس نے حقیقتاً (مجھے ہی) دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ یہاں الحق، '**حقّاً**': درحقیقت، کے معنے میں ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری (فتح پور، یو پی)

اردو کی اوّلین تخلیق "مثنوی چنداین" کا لسانیاتی مطالعہ

لسانیات لسان سے مشتق ہے جس کے معنی زبان ہیں۔ لسانیات کا دائرہ عمل کافی وسیع ہے۔ لسانیات کے تحت زبان سے متعلق ہر شی از قبیل لغت، استعمال الفاظ و جمل، لحاظ صرف و نحو، ان کی تراکیب اور کہاوت، محاورات، ضرب الامثال محاسن لفظیہ و معنویہ، نکات شعر و شاعری اور رموز و اسرار علم العروض، غرضیکہ اس کے ضمن میں ہر وہ شی داخل ہے جس کا انسلاک لسان سے ہو۔ لغت میں لسان کے معنی بولی، زبان، بات، سخن اور لغت درج ہیں اور اس کی جمع السن، السِنہ اور لُسُن مرقوم ہیں۔

مثنوی چنداین سارے لسانی اعمال و افعال اور ان کے اظہار میں کافی چست و درست ہے۔ اس لئے راقم مناسب سمجھتا ہے کہ وہ لسانیات چنداین کی بابت اپنے چند نظریات سپردِ قلم کردے۔ ملّا داؤد کے بارے میں یہ دعویٰ بالکل درست ہے کہ انہوں نے اپنی مثنوی کے ذریعہ ہندی اور اردو ہر دو زبانوں کے لئے بہت سے ضروری لائق و فائق کام کئے ہیں۔ مصنف نے اپنی مثنوی میں بطور ذریعۂ اظہار اس وقت کے ملک کی مروجہ زبان استعمال کی ہے، جس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ اس میں بیرونِ ملک کی زبانوں کے صرف وہی الفاظ استعمال کئے جائیں، جو ملک کے عوام و خواص کی بول چال میں گھل مل کر مقامی زبان کے جزو بن گئے ہوں۔ موصوف نے عربی و فارسی کے ان الفاظ کے استعمال سے مکمل طور پر احتراز کیا ہے، جو ہندوستان کی بول چال کی زبان سے ہم آہنگ نہ ہوں۔ مثال میں صرف ایک لفظ پستان پیش کیا جارہا ہے، جو اور جس کے مشار الیہ ملّا داؤد کے مرغوب موضوع ہیں۔ انہوں نے نسوانی اعضاء میں سے اس عضو سے متعلق جتنے اشعار سپردِ قلم کئے ہیں، اتنے کسی دوسری شی یا کسی دوسرے نسوانی عضو سے متعلق حوالۂ قلم نہیں کئے۔ انہوں نے مقیاس الشباب یا ماحصل شباب سے متعلق جو الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ سبھی مقامی زبانوں بالخصوص مقامی بول چال سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے اس مخصوص عضو کے لئے عربی و فارسی کے الفاظ از قبیل ثدی و پستان کہیں

بھی استعمال نہیں کئے۔ انہوں نے بطور تشبیہ و استعارہ بھی کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا، جو مقامی زبانوں سے متعلق نہ ہو۔ اس عضو خاص اور اس کے منسلکات کے لئے وہی الفاظ مستعمل ہیں، جو مقامی زبانوں کے ہیں۔ مثلاً تھن (بند نمبر ۲۲۰ بیت نمبر ۳، بند نمبر ۲۶۲ بیت نمبر ۳) تھنہر (بند نمبر ۷۷ بیت نمبر ۲ و ۳) تھنہارا (بند نمبر ۲۶۱ بیت نمبر ۳) تھنہارو (بند ۳۴۹ بیت نمبر ۱) (پھلواری (بند نمبر ۳۵۱ بیت نمبر ۵) داکھ بیل (بند نمبر ۳۵۲ بیت نمبر ۶) داکھ رَس (بند ۲۲۹ بیت نمبر ۶) مصرعہ ثانیہ، بند نمبر ۲۴۲ بیت نمبر ۶ (دوسرا مصرعہ، بند نمبر ۲۱۲ بیت نمبر ۶) بیل (بند نمبر ۲۱۲، بیت نمبر ۲، مصرعہ ثانیہ) بیلے (بند نمبر ۲۴۲ بیت نمبر ۶، مصرعہ اولیٰ) نارنگ بیل (بند نمبر ۲۱۲ بیت نمبر ۵) سُرگِ بیل (بند ۲۱۴ بیت نمبر ۵) سون تھار، مانک بھرے، رتن پدارتھ (بند نمبر ۷۷ بیت نمبر ۱) سندور بھرا سہج سندھورا، کندیرین (بند نمبر ۷۷ بیت نمبر ۲) نارنگ = سنترہ، چکوترا (بند نمبر ۷۷ بیت نمبر ۳) کنول کا رس چوسنے والا بھونرا = سر پستان بھٹنی یعنی کچا گر (بند ۷۷ بیت نمبر ۴) امرت بیل = رگھائے پستان (بند نمبر ۷۷ بیت نمبر ۵) ساج کچورا (بند نمبر ۷۷ بیت نمبر ۵) بہہ بھانت بیل = رگھائے پستان بند نمبر ۷۷ بیت نمبر ۶) وغیرہ۔ موصوف نے عربی و فارسی کے وہی الفاظ استعمال کئے ہیں، جو مقامی زبانوں میں گھل مل گئے ہیں مثلاً طَبل (بند نمبر ۸۶ بیت نمبر ۱) اور باج = بازر (بند نمبر ۲۰۰ بیت نمبر ۵)

مُلّا داؤد نے اپنے عہد کی معاشرت کا تذکرہ کرتے ہوئے اشیائے طعام و خورد، طُرقِ استقبال اور روزمرہ کے استعمال کی دیگر اشیا کا بالتفصیل تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً پھول پان (بند نمبر ۳۸۴) سُپاری = چھالیا (بند نمبر ۲۰۷ بیت نمبر ۲) اَگر، چندن، کم کم، کستوری، جیبھر = جائفل، لونگ، گوندے، ہار، کھانڈ، چرونجی، داکھ ہیر، سون وغیرہ (بند نمبر ۲۷) اگن، بُھنگا، اُجیارَیں کا تذکرہ کیا ہے (بند نمبر ۳۳ ۶) مٹھایوں میں لاڈو (لڈّو) دودھ اور زعفران کی مٹھائیوں (بند نمبر ۴۰) بسنت رتو، ٹیسو اور برات چلنے (بند نمبر ۴۰) کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

مُلّا داؤد نے مثنوی چنداین میں متعدد ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو آج بھی ان ہی معنوں میں مستعمل ہیں، جن معنوں میں وہ مُلّا داؤد کے زمانے میں استعمال ہوتے تھے۔ جیسے ساتو (ستّو) رس، دودھ، اوٹہہ (بند نمبر ۴۵) ہرد = ہلدی) پِیَر = پیلا، لوہو = لہو، پانی (بند نمبر ۵۵) جھروکھیں = جھروکا بند نمبر ۴۵ وغیرہ۔ اسی ذیل میں مثنوی میں مستعمل حسب ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں۔ مانگ، سیندور، کان کچورا (کھنکھجورا) سورجن = سورج، کرن، رینگ چلا، جوت، رین، ادت، سورجن، کرن (بند نمبر ۶۴) کسوٹی، بدن، چاند، پسیج، بند = بوند، دیکھا، چاند کروٹ، نکھت، سورجن، سُرگ، سونہہ اکیلیں، سبھ

جگ، دیکھا (بندنمبر۶۶) بھونہہ = بھوں، سرگ، چاند، تھور،، مونڈ،، نارِ = عورت، مِرگ = ہِرن، راجا، موہ (بندنمبر۶۷) ناک، لوک، سَراہا،، پھول، کستوری، (بندنمبر۶۹) سُپاری، پان، ہار، ڈور (بندنمبر ۷۰) چانٹا، بجری، اندھیاری، رئَن = رات، مکھ، بھیتر، ہیرا، چمکارا، گڑھ، دھرے، کوئلا بھنور، دانت،، رس، پنکھ (۷۱) جیبھ، انبرت، پان، پھول، بچن، نیند، دکھ، کنڈ، ناری، رس، کنول، پھول، پان مکھ، جھرنہہ، ہنس ہنس، بولا، (بند۷۲) کم کم، لانب، چھوٹ،، کان، بھرا، دھرا، کھنکھار، کنڈ، کوندھا، آٹھ (بند۷۳) نین تل، اک، بند، دھرا، گھنگھچی، جری، تل تل (بندنمبر۷۴) کنبھار، چاک، پھرائی، بیت، کوری، پھونکت، سراہَنہِہ، اونچا، رکھ (بندنمبر۷۵) وَنڈ، کدری = کیلا، دیکھوں، سلونی، سنگارے، گھر گھر، سارے، سنگارے، سان، راجا پران (بندنمبر۷۶) سنہو، پیٹ، جگ، راجا، کھانڈ، جان = گویا، پکائی، پھول، نابھی، کنڈ، ڈُبھکے بیرو، بوڈ، پاوتی، آنت، چاند، پرچھائیں، سُن، تیرو (بندنمبر۷۸) پیٹھ، سانچے، ڈھاری، چاند،، چیر، بررئیں، = برریّا، پاتر، پھونکہ، ٹوٹ، آدھا (بند۷۹) کھنب، چاند، چلن، گڑھلائے، سرمونڈ، چلن، دیکھ، پاپ، بھاگنہ، بھاگنہ روپ، گڑھ، دس، نکھ، پھوٹ، چل آوا، پائے پروں، مکھ، مرِ مرِ، سانسیں لیئی (بندنمبر۸۰) ہنس ٹھم ٹھمکتی، جھمک، جھمک، پاؤ، چمک چمک، دھرتی، دھرا، چھنک، چھنک، جَنُ = گویا۔ دھروں، پاؤ پائے دُھرنین، جیبھ، کاڑھ، چاند، ہاتھ، (بند نمبر۸۱) جیسے، لہرلہر، چندن، جپھر = جائفل، بانس، کری = کلی، انگ گندھائی، انگ بانس، نوکھنڈ،، گندھائی، باس، کیتکی بھنور = بھنورا، دیوتا، دیکھ ناری، (بند۸۲) چھندری = چندری، گجراتی، سانون، چاند چولا، چالی، اُرائی، ڈوریا (بندنمبر۸۳) بچن، انگوٹھی، کرکنگن، (۸۴) کاچھا، آگیں، پاچھیں، (۸۵) ٹھوکے، طبل، میگھ، چُن، تاروں = تالو، ترو واں = تلوا، لاکھ، چلاؤ، پاؤ، گھر، جوگن (۸۶) انگر = انگلی، سنکوچی = شرم، لوہ = لوہ چاہئیں، سمندر، لانگھ، لنکا، سمند (بندنمبر۸۷) دانت، بن، چلے، کارے = کالے، پہارا، چھانہہ، اندھیارا، انکس، کوس، پان، پائی، کوئی، (بندنمبر ۸۸) ٹھوکے طبل، کوس، بیس، پسارا، آگیں، دیس، پھوج = فوج، چلی، دیس، ڈر، چھاوا، چل آوا (بندنمبر۸۹) سوکھے، کاگ، بھسم، داہنی، بائیں، سیاری، سیار کی تانیث (بندنمبر۹۰) پان، بیل، کھیت، پھلواریں،، کاٹے، پاس، تار = تاڑ، کھجور، جام = جامن، نارا = نالا، پوکھربائی = باولی، نرِیر = ناریل گوو = چھالیا، پھلوائی = پھلواری، اسوار = سوار، مندر = محل، چڑھ، دیکھا، سوجھئی، چڑھ، دیکھا، چمکار (بندنمبر۹۱) تہ تارا = تھلکہ، گائی، بھینس، باندھی، بھات، کھائی، گابھ، گبھن = حمل، حاملہ، گاؤں، اَنبراؤں، پٹھئےُ = قاصد (بندنمبر۹۲) آگئیں = آگے، لے آئے، راجا، چل آوا، بھینس، گھور = گھوڑا، ماتھے، چڑھ لینھ

(بند نمبر۹۳) پردھان، بساؤں، چاند، بیاہ، سکھ، پاٹ، =تخت، بَٹھاوَں، پان (بند نمبر۹۴) دیس، گار= گالی، آگ، پانی، دین بیاہی، اٹھ گاؤں، دھور= دھول، ناؤں= نام (بند نمبر ۹۶) بورائیِہُ = پاگل، بوڈہِ، تھاہِ، دھور= دھول، پاوَہْ، نَکھت =ستارے، چاند، نِہارئیں، گگن، چڑھے، دیکھ، تھاہ، راجا بوڑ= ڈوبنا (بند نمبر ۹۷) بچن، کہا، بِس، زہر، بھرئے سنائے، ٹھگ کے لاڈو کھائے۔

واضح ہو کہ یہ محاورہ مُلّا داؤد کے عہد میں ان ہی معنوں میں مستعمل تھا جیسا کہ وہ آج بھی استعمال میں ہے۔ چتبھیتر رووا، دل میں روپڑا، سانجھ، پاؤں، پہر رات، دان، پٹھوۂ، دوائی (بند نمبر ۹۸) آ گئیں دھائے، کُسل، پوچھا، گھور، دھن، مانگ، چاہ جوٗ، لینھا، گڈھ =قلعہ، پچھتاوا، ہوئی (بند نمبر ۹۹) بھتنھہ، چاند، دیجیے، اور کہا، سیاری= سیار کی تانیث، پاٹن= شہر، گاؤں دیہات، سانس، پیٹ، اجیار (بند نمبر۱۰۰)

راقم اس بحث کو مختصر کرنے کی غرض سے ’’مشتے نمونہ از خردارے‘‘ کے بطور مابقی مثنوی سے اجمالاً چند وہ الفاظ نقل کر کے جو آج بھی ان ہی معنوں میں مستعمل ہیں، جن معنوں میں وہ مُلّا داؤد کے عہد میں زیرِ استعمال تھے، اپنی بات کو اختتام پذیر کر رہا ہے۔ باز آمدم بر سرِ مطلب!

تین چار سے، سوار، مانس، مسورا، سیندھو، کَر ونِد، انبلی = املی، داریو= انار دانہ، کروند، لکھور، لون، تیل کھٹ رس (بند نمبر۱۴۴) کڑوئیں تیل، کریلا، تروئی، اروئی، پالک، چونلائی سیتا (سیتا پھل)، چچینڈا، سونف، سوئی میتھ (بند نمبر۱۴۵) لجانی، گھرے= گھڑے، میلا پانی، بورَن، لاج گنوائی، باری، بیاہی، کُر= کُل، پاین لاگ، لجاؤں، چھنار (بند نمبر۲۷۲) کوس دس گئے، بھائی، اندھیار، گھن گر جئی، پار (بند نمبر۲۸۱) چاندا پھر پھر آپ دکھاوا، کر کنگن چاندئیں جھنکارا، تریا، کھیئیِ ناوٗ، چلائیں، کس پوچھو، بند نمبر ۲۸۷)۔ چوٹ، جائی، دکھ، نیند جائی، تپ تپ نس جاگی آنچ نیند جائی، سات، آگ، بجھائی، سات، چنگ = چنگاری، بھسم، جَرِ، تل = پل (بند نمبر۳۲۳) چوگن، ست گن، کاگ، سہاگ، راج دلارئیں۔ گھر گھر، مکھ تنبول، چاکھ =آنکھ، کاجر= کاجل، مانگ، سر چیر، سیندور، جھنکارا، پھاگ، ناچنہہ، سنسار (بند نمبر۳۵۰) مئیل چیرو، سرتیل نہ جانئ، دکھ، کہت، سندیس، نَین جھِر پانی، برسنَہہ میگھ، تھاہ میناں روپ، دیکھ، روپ، سنسار، سیپ۔ نَین سوجھ (بند نمبر۳۷۴) کار رات= کالی رات، دکھ روئی پاٹن= شہر۔ مائی بھائی، پانی آگ، سر پالہہ= سر سے پیر تک، بن دیکھئیں، نہ بجھائی (بند نمبر ۳۷۷) پھول باس، پٹھاوا، دیکھیوں، آوا، باس، پھول، دکھ روئی، ساوَن بیر بہوٹی، مارگ، چاہَوں، لے گئی، اَب، سُہانے، پائن لاگ، پردیس آئی (بند نمبر ۳۸۵) سُن کے، چلاوَا، بوہان= میدان، دکھ،

پوت، نا = نائی، حجام، سُناوا، رات، جاگ (بند نمبر ۳۹۷)

مُلّا داؤد نے اپنی مثنوی میں جو قواعد اپنائے ہیں وہ بالعموم وہی ہیں، جو آج بھی اردو اور ہندی ہر دو زبانوں میں زیرِ استعمال ہیں۔ علم القواعد کافی وسیع علم ہے جس کے تحت علم ہجا، علم صرف اور اس کے تحت اسم اور اسم خاص، اسم کیفیت، اسم ظرف، اسم آلہ، لوازم اسم، اسم جمع، علم حالت اسماء اور ان کی تصغیر، صفت اور موصوف، صفت کے تحت ذاتی، نسبتی، عددی، مقداری، ضمیری۔ صفات نیز، ضمائر موصولہ، ضمائر استفہامیہ، ضمیر اشارہ، معرفہ و نکرہ، ضمائر تنکیر، صفات ضمیری، افعال اور اس کے ضمن میں فعل ماضی، فعل مضارع، فعل حال، فعلِ مستقبل،، ماضی بعید گردان، افعال، طور مجہول، جانداروں کی تذکیر و تانیث، واحد و جمع، مرکب افعال، ترکیب اسماء و صفات، تمیز، حروف، فجائیہ حروف، حروف روابط، حروف عطف، حروف تخصیص، مشتقات و تراکیب الفاظ، علم النحو، نحو تفصیلی، عدد، حالت، فاعلی حالت، مفعولی حالت، ندائی حالت، اضافی حالت، خبری حالت، طوری حالت عددی صفات، اسم فاعل، اسم مفعول، زمانہ، امر، ماضی قریب، ماضی بعید، ماضی تمنائی، ماضی احتمالی، افعال معروف، افعالِ مجہول، افعال مرکب، افعال لازم، افعال متعدی، تمیز، حروف علت، استدراک، مضاف و مضاف الیہ، صفت موصوف، شرط و جزا، حروف تخصیص، تکرار حروف، تکرارِ الفاظ، تراکیب نحوی۔ جملہ مفردہ۔ اجزائے جملہ، توسیع مبتدا، توسیع خبر، مطابقت ہم رتبہ جملے، تابع جملے، علوم معانی، علوم بیان، علوم بدیع، علم العروض، اجزائے ارکان، اسمائے بحور، ردیف و قافیہ، زحافات اور اقسام زحافات، اقسام شاعری، جن کی توضیح اور مثنوی چنداین سے ان کے امثال و نمونہ جات کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ لیکن فی الحال اس سے صرفِ نظر کر کے علم القواعد کے چند مخصوص موضوعات کی تشریح و تبیین تک اپنے کو محدود رکھا جا رہا ہے۔

اس مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں سنسکرت ہی کی طرح عربی و فارسی کے الفاظ دال میں نمک کے برابر ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس مثنوی میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اس کا بنیادی ڈھانچہ فاعل و مفعول فعل کی ترتیب، مصرعوں کی ساخت، ضمائر و افعال کا استعمال وہی ہے جو آج کی ہندی اور اردو کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ چونکہ یہ مثنوی اردو اور ہندی ہر دو زبانوں کی اوّلین تخلیق ہے، اس لئے اس کا ذخیرۂ الفاظ و لہجۂ گفتگو آج کی مروجہ زبان سے قدرے مختلف ہے۔ قدیم و جدید کا یہ فرق ہر زبان میں ہے۔ قدیم و جدید کا یہ فرق انگریزی زبان میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ انگریزی زبان کا شہ پارہ پرولاگ ٹو دی کینٹر بریٹیلس مصنفہ جافری چوسر (سن ۱۳۴۰ء تا سن ۱۴۰۰ء)

اور انگریزی کے جدید عہد کے مائیہ ناز تخلیق کار جان ڈرنک واٹر کی تصنیفات لوائیٹز مصنفہ ۱۹۱۹ء اور سیڈس آف ٹائم تخلیق کردہ ۱۹۲۱ء میں نمایاں فرق ہے۔

راقم اپنے زمانے کی معیاری درسگاہ کرائسٹ چرچ کالج، کان پور میں ایم۔اے انگریزی کا نمایاں طالب علم تھا، جسے برسری اسکالرشپ بھی مل رہا تھا، لیکن اسے بھی چوسر کو سر کرنے میں خاصی کدو کاوش کرنی پڑی تھی۔ ایک نودسالہ بزرگ کی شکل سے اس کے بچپن کی معصوم شکل دیکھ پانا ایک متعذر اور دشوار گزار امر ہے۔ یہی تعذر اور دشواری آج کی اردو اور ہندی کے متعلم کو اردو اور ہندی کی اس اوّلین تخلیق کو سمجھنے میں درپیش ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ نظم میں نثر کی ترتیب باقی نہیں رہ پاتی، پھر بھی اچھا شعر وہی ہے جس میں نثری ترتیب برقرار رہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں فاعل، مفعول، فعل کی ترتیب ملاحظہ ہو۔

تہمایہ کبی سَرُ سے ابھّاسی (بند نمبر ۱۷ بیت نمبر ۱، مصرعہ ثانیہ)

بانبھَن سبھا آئی جو بیٹھی کاڑھ پران راس گن دِیٹھی (بند نمبر ۳۳ بیت نمبر ۴)

چھٹی کا آکھر دیکھ للارا اَردھئی سو جائہہ ِ جم بارا (بند نمبر ۳۳ بیت نمبر ۵)

اَگن بَرَک بھا چاندہ اَوَکٹ چھُئی نہ جائی جس اُجیارَیں بھُنگا مَرھنہہ رائی اُدائی
(بند نمبر ۳۳ بیت نمبر ۶)

اِت کہہ گے بانچھن ناوَ، دُوا دِینھ چلائی بَرَے چاند باون کِنہ بیگ کہو منھ آئی
(بند نمبر ۳۵ بیت نمبر ۶)

کِہہُ باجِر توہ بیدن کاہا لوگ مہاجَن پوچھت آہا
(بند نمبر ۵۶ بیت نمبر ۱)

پائین پَروں جوا گوَس، آوسرجَن پوجا سارَوں جَار کراں جو پر گاسئی، تاسوں کِنسیں پاروں
(بند نمبر ۳۵۶ بیت نمبر ۶)

مورَ کھلَونا اپرُپ آہا دیکھَت کیرو منجاری گہا (بند نمبر ۳۵۹ بیت نمبر ۱)

شمسی حساب سے مثنوی چنداین کی تخلیق آج سے چھ سو چالیس سال پیشتر اور قمری اعتبار سے چھ سو ساٹھ سالوں پیشتر ۱۳۷۹ء-۸۰ ۷۸۱ھ میں ہوئی تھی۔ یہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں کا اوّلین اور قدیم ترین ادبی ولسانی نمونہ ہے، جسے مُلّا داؤد نے تغلقی عہد میں کمال الدین فیروز شاہ تغلق کے عہد حیات ۷۰۹ھ تا ۷۹۲ھ عہد سلطنت ۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ میں رائے بریلی کے ایک قصبہ ڈلموٴ میں تخلیق کیا

تھا، جو کان پور سے ۶۱ رمیل رائے بریلی سے ۴۴ رمیل اور فتح پور سے 3.98 میل = ۲۸ رکلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

واضح ہو کہ ڈلمؤ کا قلعہ راجہ ڈال دیو کا تعمیر کردہ ہے۔ موصوف راجہ ڈال دیو نے اس قلعہ کی تعمیر کا سلسلہ ۷۰۵ھ = ۱۳۰۵ء سے لے کر ۷۰۸ھ = ۱۳۰۸ء تک اختتام پذیر کر دیا تھا۔ راجہ ڈال دیو کو ہولی کے دن ان کے ساتھیوں کے ساتھ حالت مدہوشی میں ابراہیم شاہ شرقی نے ۷۲۱ھ = ۱۳۲۱ء میں قتل کرا دیا تھا۔

التمش (۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ) نے اس علاقۂ ڈلمؤ کو عالم گیر شہرت عطا کی تھی۔ یہ زبان، ڈلمؤ کی مقامی زبان اودھی کے مختلف علاقائی زبانوں سے اختلاط کے بعد بیرونی عربی و فارسی زبانوں سے مقاربت کے باعث وجود میں آئی، جسے ہندوستان کی ملکی زبان بننے کا فخر حاصل ہوا۔ اس زبان کو عوام وخواص سبھی سمجھتے اور بولتے چالتے تھے۔ واضح ہو کہ مُلّا داؤد کے بڑے پوتے شیخ تقی الدین واعظ ربانی نے اپنے وطن اصلی ردولی سے ہجرت کر کے دلیؔ کی سکونت اختیار کر لی تھی اور اسے اپنا وطن ثانی بنا لیا تھا موصوف وہیں وعظ و تلقین اور درس و تدریس کر کے اپنا گزر بسر کرتے تھے۔ موصوف کا عرصۂ حیات ۷۷۵ء تا ۸۳۵ء ہے۔ آپ کا دلیؔ میں انتقال ہوا اور وہیں فیروز شاہ تغلق کے قلعہ کے نزدیک دفن ہوئے۔ آج بھی وہاں آپ کا مزار محفوظ ہے۔ آپ اس مثنوی کے اشعار بالائے منبر استشہاداً پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار اہل علم نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ اس مثنوی کے اشعار منبر کے اوپر سے کیوں پڑھا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا اس لئے کہ اس میں قرآنی آیات کی تشریح ہے، اس میں صوفیانہ مسائل کی توضیح ہے اور اس سے اہل اللہ کے قلوب کو تسکین ملتی ہے۔ اہل علم کے مخدوم شیخ تقی الدین واعظ ربانی کے اس جواب سے سکوت اختیار کرنے سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ وہ ان کے اس جواب سے مطمئن ہو گئے تھے۔ اس سے شیخ تقی الدین محمد واعظ ربانی کے علمی و مذہبی مقام کے مسلّم ہونے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ مثنوی عوام وخواص کے فہم کے اندر تھی اور اس کی زبان ان کی اپنی زبان تھی ورنہ واعظ ربانی وعظ کے درمیان نہ یہ ابیات پڑھتے اور نہ سامعین ان سے یہ سوال کرتے اور نہ ان کے جواب سے انہیں طمانیت قلبی حاصل ہوتی، کیونکہ مسجد میں بحیثیت مقتدی عوام وخواص سبھی شامل ہوتے ہیں۔ مُلا داؤد کے زمانہ میں اس مثنوی کی زبان کا نام ہندکی تھا جیسا کہ مُلّا داؤد نے اس مثنوی کے نویں بند کے چوتھے بیت میں فرمایا ہے۔

پُن مَین اَکھر کی سدھ پائی ترکی لکھ لکھ ہندکی گائی

یعنی پھر میں نے ان حروف کی حقیقت پائی۔ میں نے ترکی لکھ لکھ ہندکی گائی ہے۔ یعنی یہ کہ اس

کی زبان ہندکی اور اس کا رسم الخط ترکی یعنی فارسی ہے۔ یہی زبان عبد القادر بدایونی کے عہد میں ہندوی کہی جاتی تھی اور اس کے بعد مختلف عہدوں میں ہندوستانی، ہندی، ریختہ، اردوئے معلیٰ ناموں سے معنون ہوتے ہوئے اردو نام سے جانی جانے لگی۔

اس مثنوی میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کی زبانوں کے الفاظ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ مثنوی ہٰذا میں، مراٹھی، راجستھانی، پنجابی، سندھی، سرائیکی، برج اور اودھی کے الفاظ بلا تکلف استعمال ہوئے ہیں، اسی باعث اسے ہندوستان گیر مقبولیت حاصل ہوئی۔ مثنوی میں مستعمل بہت سے الفاظ، محاورات، ضرب الامثال اور کہاوتیں آج بھی ہندوستان کے گھر گھر میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ اس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ اس زبان میں ہندوستان کے مختلف خطوں کی زبانوں کا خون شامل ہے اور یہ زبان برّصغیر کی ہند آریائی زبانوں کی عادِاعظم ہے۔

اردو زبان اپنے ارتقائی دور میں کئی منازل سے گذری ہے، جس کی پہلی منزل خالص ہندوی ہے اور اس کا پہلا عہد ہند میں مسلمانوں کی آمد سے شروع ہوتا ہے، جس میں اس نے اپنے اظہار کے لئے پراکرت اور سنسکرت کے ساتھ شورسینی اپ بھرنس کی بولیوں سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اس عہد کی زبان کی فکر پر ہندوی اساطیر کا غلبہ تھا، جو بابا فرید اور شاہ باجن کے کلام میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے، لیکن آہستہ آہستہ وہ دور آیا جب نئی نسلوں کے نئے ذہنوں نے اس روپ کی طرف دیکھا، جو اس عہد کے حکمرانوں کا منظورِ نظر تھا اور اس طرح اس زبان میں فارسی ادب کی جانب رجحان بڑھنے لگا۔ اس زبان میں جو حیثیت آج مغربی ادبیات کو حاصل ہے وہی حیثیت اس زمانے میں ہندی روایت اور ہندی افکار کے ساتھ ساتھ فارسی کو حاصل تھی۔ ردّ و قبول کا یہ عہد مُلّا داؤد سے لے کر شاہ باجن تک اور شاہ باجن سے لے کر میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم، ابراہیم عادل شاہ ثانی، جگت گرو تک سکۂ رائج الوقت کی طرح چلتا رہا۔

مثنوی چنداین کی بحر، بحرِ متقارب مزحّف ہے، لیکن اس کے ذخیرۂ الفاظ پر ہندوی رنگ اتنا حاوی ہے کہ فارسی بحر اور عربی و فارسی کے علوم معانی، علوم بیان و بدیع کے محاسن کی ہمہ ہمی کے باوجود ان کا احساس بمشکل ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ اس مثنوی کی اساسی زبان کا بنیادی ڈھانچہ فاعل، مفعول، فعل کی ترتیب، مصرعوں کی ساخت، ضمائر و افعال کا استعمال اور صرفی و نحوی تراکیب وہی ہیں جو آج کی ہندی یا اردو کی ہیں۔ قبل اس کے کہ اس زبان میں مستعمل علوم و معانی بیان و بدیع کا مطالعہ کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

اوّلاً مُلّا داؤد کی زبان پر، ہندی اور مقامی زبانوں کے اثرات پر ایک نگاہ ڈال لی جائے۔

اردو اور پنجابی زبانوں کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے، جس کی مکمل وضاحت پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی نے اپنی وقیع کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں کی ہے۔ درحقیقت قدیم اردو اور قدیم ہندی پر پنجابی کے اثرات گہرے اور واضح ہیں جیسے آئیں، سوں، سنوئے، دسے، کیتا، موَرے، نیکا، کدھیں، دوجا، آکھے، آن، بہرے، بدل، جاسوں، پچھیں، اکھیاں، ویل وغیرہ پنجابی الفاظ کا بکثرت استعمال مثنوی چنداین میں ملتا ہے۔

چنداین کی زبان میں مراٹھی اور سندھی کے اثرات بھی دیکھے جا سکتے ہیں، لیکن مثنوی ہٰذا میں علاقائی زبانوں میں سے جس زبان کے اثرات بکثرت دکھائی پڑتے ہیں وہ گجراتی زبان ہے، اس پر مفصل بحث راقم نے اپنی کتاب ''اردو کی اوّلین تخلیق'' میں کی ہے۔ اس قبیل کے صرف چند نمونے ذیل میں رقم کئے جا رہے ہیں:۔ چار کوڑی اور ایک کوڑی = ۱۲۰ اعداد

بند نمبر ا۔ گنڈا۔ مراٹھی لفظ ہے ایک گنڈا میں چار کوڑی اور ایک کوڑی میں بیس عدد ہوتے ہیں۔

بند نمبر ۲۔ سیتر = شیتر بمعنی ٹھنڈا، پر کیف۔ ماگڈ = بندر

بند نمبر ۳۔ ہڈوی = چھاونی کا حاکم

بند نمبر ۳۔ ماکڑ = بندر

بند نمبر ۳۔ چوئے = نہ ٹوٹنے والی آواز۔

بند نمبر ۴۔ گاروڈ بمعنی = سانپ کا زہر زائل کرنے والا منتر۔ گاروڈی بمعنی سپیرا

بند نمبر ۴۔ روبڈا = کچا ناریل

بند نمبر ۵۔ نار۔ ناڑ۔ آنول۔ ناف

بند نمبر ۵۔ اُوَر = چھوٹا۔ نیچا

بند نمبر ۵۔ ٹھاؤ = جگہ، سراغ، گہرائی

بند نمبر ۶ گت = مرنے کے بعد کی اچھی بری حالت

بند نمبر ۶۔ تر = سفینہ، کشتی

بند نمبر ۷۔ پُران = ہندو دھرم کی ایک مذہبی کتاب

بند نمبر ۸۔ ہڈوا = بھگانا، کھدیڑنا

بند نمبر ۸۔ چھاننا = تحقیق و تفتیش، پڑتال

بندنمبر۸۔ پریرا= چمکانا، تیز کرنا

بندنمبر۹۔اُگھڈ = ظاہر،صاف، واضح

بندنمبر۹۔تسکر = چور،لُٹیرا

بندنمبر۹۔نرمڑ=نرمل، پاک،صاف شفاف پانی

بندنمبر۱۱۔کھاگی۔کھاگیں،منزل،انتہائی مقام

بندنمبر۱۱۔سکرِیّہ= کارکردگی،عملی

بندنمبر۱۳۔ساگ= ساگر،مکمل، پورا

بندنمبر۱۳۔سانگ= برچھی

بندنمبر۱۴۔ بھارڑیں= اثر ڈالنا،لُبھانا،سنبھالنا

بندنمبر۱۸۸۔آنکری=نوک، انکھوا

بندنمبر۱۸۹۔گن= گنٹر۔رسّا، ڈور

بندنمبر۲۵۲۔سگائی=قریب ہونا،رشتہ

بندنمبر۲۵۲۔اچکڑ= واہیات

بندنمبر۳۴۹۔جون=اس کا تت بھوٗ جیون ہے،جس کے معنی زندگی ہیں۔ڈاکٹر پروفیسر انصار اللہ نے اس کی تشریح میں اس کے معنی مسلمان عورت،وہ جس کے لئے دنیا قید خانہ ہوتی ہے'' لکھا ہے جو کہ نادرست ہے۔مزید مطالعہ کے لئے راقم کی کتاب ''اردو کی اوّلین تخلیق'' کی جانب رجوع کریں۔

مندرجہ ذیل سطور میں مثنوی چنداین میں درآئی علم قواعد کی چند مصطلحات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

اسم فاعل: قدیم اردو میں مصدر کے بعد''ہار''یا''ہارا'' لگا کر اسم فاعل بنایا جاتا تھا۔اسم فاعل بنانے کی یہ صورت سندھی اور پنجابی زبانوں میں اب بھی رائج ہے۔جیسے سرجن سے سرجنہارا۔

لاحقے: اس سلسلے میں عربی و فارسی کے علاوہ دیگر علاقائی زبانوں سے بھی فیض حاصل کیا گیا ہے۔ لاحقوں کے سلسلے میں یہ بات خاص ہے کہ یہ فیض ''پن'' لفظ سے زیادہ اٹھایا گیا ہے۔لاحقوں کے سلسلے میں یہ اپ بھرنس سے اخذ کیا گیا ہے۔بعض علمائے لسانیات کا قول ہے کہ یہ سنسکرت سے ماخوذ ہے، جو کہ نادرست ہے۔

سابقے: بعض الفاظ میں ''پر'' لگا کر بعض میں ''نر'' لگا کر بعض پر حرف ''نون'' لگا کر اور بعض پر ''ک'' لگا کر بامعنی الفاظ وضع کئے گئے ہیں۔یہ طریقہ سنسکرت اپ بھرنس اور پراکرتوں میں کلی طور پر رائج تھا۔

نون غنہ: کا استعمال لفظوں کے آخر میں ''ن'' لگا کر ملتا ہے لیکن لسانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس کا استعمال ترک ہو چکا ہے۔ مثنوی میں انفی آوازیں بھی تلفظ کا حصہ بن کر استعمال میں آئی ہیں جو کھڑی بولی، برج بھاشا اور اودھی میں عوام کی زبانوں پر آج بھی چڑھی ہوئی ہیں۔ جدید اردو نے انفی آوازوں کو ترک کر کے تلفظ کو آسان بنا دیا ہے۔

واحد جمع: قدیم اردو میں واحد سے جمع اکثر ''ان'' لگا کر بنائی جاتی تھیں اور کبھی ''ئیں'' لگا کر بھی جیسے بند نمبر ۲۲۷ میں مستعمل لفظ ''مہرئیں'' اور کبھی ''ہارا'' لگا کر جیسے تھن سے تھن ہارا (بند نمبر ۵۲ بیت نمبر ۳) جمع کی مختلف شکلوں میں برج، پنجابی، راجستھانی، کھڑی بولی، وغیرہ کے اثرات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

مُلّا داؤد نے واحد سے جمع بنانے میں مختلف طریقے اپنائے ہیں، انہوں نے کبھی کبھی واحد سے جمع عربی قاعدوں کے اعتبار سے بھی بنائی ہیں۔ عربی میں جمع واحد کے آگے ''ات'' بڑھا کر بھی بنائی جاتی ہیں مثلاً ثمر کی جمع ثمرات، مخلوق کی جمع مخلوقات یا موجود کی جمع موجودات وغیرہ۔ مُلّا داؤد نے اسی قاعدے کے تحت گینڈا کی جمع، جو ہندی الاصل ہے، گینڈات بنائی ہے۔ ملاحظہ ہو مثنوی چنداین کے بند نمبر ۱۴۲ کا بیت نمبر ۲

بہتے روجھ گیڈات گھنے چیتر جھانکھ جانہہ نہہ گنے

عددی صفت و موصوف: مُلّا داؤد نے عددی صفت موصوف کی صفت میں واحد جمع کے اعتبار سے مطابقت قائم نہیں رکھی بلکہ خود عدد کے اعتبار سے واحد کو بھی جمع کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ مثال میں درج ذیل بیت پیش کیا جا سکتا ہے۔

مینڈھا سہس مار کے ٹانگے تین چار سے بکرا مانگے (بند نمبر ۱۴۳ بیت نمبر ۴)

اس بیت کے پہلے مصرع میں مثنوی نگار نے لفظ سہس کے ذریعہ مینڈھوں کی تعداد ہزاروں بتلائی ہے اور لفظ مافی البیت کو واحد یعنی مینڈھا ہی رہنے دیا اسی بیت کے دوسرے مصرع میں بکرا کو واحد رکھا گیا ہے اور جمع کے ذریعہ کثرت دکھلانے کے بجائے صرف عدد یعنی ''تین چار'' کے ذریعہ کثرت دکھائی گئی ہے یعنی واحد جمع (معنوی اعتبار سے) میں مطابقت نہیں رکھی گئی جبکہ عہد حاضر کی اردو میں عددی صفت موصوف میں مطابقت رکھی جاتی ہے یعنی ایک گینڈا اور ایک بکرا کے لئے گینڈا اور بکرا اور ایک سے زیادہ کے لئے گینڈے اور بکرے ملاحظہ ہو۔

رائی گھور سہس دوئی یکتائے پا یگ سے دو ساتھ دورائے

یہاں بھی گھور (گھوڑا) کی جمع نہیں بنائی گئی۔

ضمائر: مثنوی چنداین میں ضمائر کی شکلیں ملاحظہ ہوں:

تُمھیۂ: بند۴۶ بیت ۱،تور۔ بند نمبر ۳۷ بیت نمبر ۳۔ہم تم بند نمبر ۳۷ بیت نمبر ۵،مور۔ بند نمبر ۳۸ بیت نمبر ۱،تُمھر ے بند نمبر ۴۶ بیت نمبر ۴،توں،تورے بند نمبر ۴۷ بیت نمبر ۱ ہمرے بند نمبر ۴۶ بیت نمبر ۳،تمھرے بند نمبر ۴۶ بیت نمبر ۴۔

عددی صفات: عددی جو شکلیں مثنوی چنداین میں ملتی ہیں،ان میں سے چند بعینہٖ اور چند خفیف سے تغیر کے ساتھ آج بھی مستعمل ہیں۔سٹھ یعنی ساٹھ بند نمبر ۳۰ بیت نمبر ۲، چوراسی بند نمبر ۳۰ بیت نمبر ۴، چوراسی،اکیاسی بند نمبر ۳۰ بیت نمبر ۴،چھتیسو،پانچ سو،بند نمبر ۳۳ بیت نمبر ۱،بارہویں برس بند نمبر ۳۴ بیت نمبر ۱،چَھوں بند نمبر ۳۴ بیت نمبر ۲ بیس،ساٹھ بند نمبر ۴۲ بیت نمبر ۱،گھور پچاس،ٹکا لاکھ بند نمبر ۴۲ بیت نمبر ۲،اسّی،نوّے بند نمبر ۴۰ بیت نمبر ۴،سات آٹھ بند نمبر ۴۰ بیت نمبر ۵،تین چار سے بند نمبر ۱۴۴ بیت نمبر ۱۔

شرط و جزا: جملہ شرطیہ کا استعمال مثنوی میں تقریباً اسی طرح ہوا ہے جیسا کہ دور حاضر میں ہو رہا ہے اس قسم کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں بند نمبر ۱۹۸ بیت نمبر ۴،و بیت ۵۔

مبتدا و خبر: چنداین میں مبتدا خبر کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔عموماً اس میں کسی قسم کا اغلاق نظر نہیں آتا۔ چند ابیات اس دعویٰ کے اثبات کے لئے کافی ہیں۔

(بند نمبر ۲۰۲ بیت ۱ و ۲ بند ۲۰۴ بیت ۶)

ماضی مطلق: مثنوی میں ماضی مطلق کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن میں مصدر کا نون والف گرا کر اس کی جگہ ''یا'' لگا دیا جاتا ہے،جیسے مثنوی کے بند نمبر ۱ کے بیت ۱ میں سرجنا سے سرجیا۔ ؎

پہلے گاؤں سر جنہارا جن سرجیا یہ دیس دیارا

یہاں سسرجنا سے سرجیا ماضی مطلق بنایا گیا ہے اور کبھی مصدر کا ''نا'' حذف کر کے اس کی جگہ ''س'' رکھ دی جاتی ہے جیسا کہ بند نمبر ۲ کے بیت نمبر ۲ کے مصرعہ ثانیہ میں سرجنا سے سرجس بنایا گیا ہے۔مُلّا داؤد نے ماضی مطلق اس طرح بھی بنایا ہے کہ مصدر کا ''نا'' گرا کر اس کی جگہ پر ''وا'' جوڑ دیا ہے جیسے گھبرانا سے ''گھبراوا'' اور آنا سے آوا۔بند نمبر ۳۰۹ بیت ۴)

مثنوی چنداین میں ماضی مطلق کی ایک صورت یہ بھی ملتی ہے کہ مصدر کے ''نا'' کی جگہ پر ''ئیو'' رکھ کر ماضی مطلق کا واحد غائب کا صیغہ بنایا جاتا ہے جیسے ''جگانا'' سے ''جگائیو'' اور ''کھانا'' سے کھائیو (بند نمبر ۳۰۹ بیت نمبر ۵)

جملہ شرطیہ: وہ جملہ ہے،جو شرط و جزا پر مبنی ہو۔مُلّا داؤد نے اس قسم کے جملوں کے استعمال میں فنی

حدّ اقت کے ثبوت فراہم کئے ہیں اس قبیل کے چند جملے ملاحظہ ہوں بند نمبر ۳۳۱ بیت نمبر ۵، بند نمبر ۳۷۳ بیت نمبر ۱، بند نمبر ۲۷۱ بیت نمبر ۵، بند نمبر ۲۸۵ بیت نمبر ۱، بند نمبر ۹ بیت نمبر ۵، بند نمبر ۵۹ بیت نمبر ۴، بند نمبر ۸۸ بیت نمبر ۴، بند نمبر ۹۵ بیت نمبر ۳، بند نمبر ۹۴ بیت نمبر ۵ مثالیں ابیات کے ذریعہ۔

چاند سرج بروجیہہ دن پاووں دیو گرس بَہہُ گھرت بھراووں (بند نمبر ۲۴۸ بیت نمبر ۴)

نابھی کنڈ جو ڈیکھے بیر و دیکھیت ہنہہِ بوڈ، نہ پاوَئی تیرو (بند نمبر ۸۷ بیت نمبر ۴)

شرط و جزا اور حال و نہی کا استعمال۔

جو تُمہ رائے مہر کی بیٹی، آ چھہنہ گُر نہَ لجائی تات دودھ اَو ٹُہہَ وَہِ چاندا پی یے سرَائی

(بند نمبر ۴۵ بیت نمبر ۶)

شرط و جزا اور مستقبل کا استعمال:۔

جو کوئی توہِ کوں ڈیکھئی آئی ہَوں پھُن مَرَوں توہِ بس کھائی

(بند ۲۱۸ بیت نمبر ۵)

فعل مضارع، امر اور استفہام کا استعمال:۔

تو رَئیں بھَل مَن سَنکا، پَر بیلے رِکت جاہُ گھرَ نہہِ داکھ رَس پیورے، ناہِ سَنکورہ کھاہُ

(بند نمبر ۲۴۲ بیت نمبر ۶)

شرط و جزا، فعل منفی، استفہام کا استعمال:۔

تُھرے دِھیَہ جو سسریں آہا پیو نہَ پونچھَ ت بولَہہُ کاہا

(بند نمبر ۴۶ بیت نمبر ۴)

امر و حال و استفہام اور ندا کا استعمال:۔

تو رَئیں بھَل مَن سَنکا، پَر بیلے رِکت جاہُ گھرَ نہہ داکھ رَس پیورے، ناہِ سَنکورہ کھاہُ

(بند نمبر ۲۴۲ بیت نمبر ۶)

فعل مضارع مثبت کے جمع کا صیغہ:۔

سون روپ کا ہَمرے ناہیں جِتاں سَہَس جیو نارَ ہِنہ کھاہیں

(بند نمبر ۴۶ بیت نمبر ۳)

معطوف و معطوف علیہ کی ترکیب:-

کھونا تپَسی اَ چھِہنہ تہاں اَو بھگوَنت رَ ہیئے تِنہہ مہاں
(بند نمبر۲۰ بیت نمبر۲)

فعل حال و فعل مستقبل کا استعمال:-

پاؤس پنتھ کوَن نر باہَئی جِیو ڈَرائی، ہِیَہ پھاٹَئی چاہَئی
(بند نمبر۲۷۵ بیت نمبر۵)

فعل مستقبل کا استعمال:-

تُمہِ ہَم تَج جائب پَر دیسو مَئیں دُکھ کینھ پُر وکھ کر بھیسو
(بند نمبر۲۸۳ بیت نمبر۵)

حال ذوالحال کا استعمال:-

میں وہ مانگ چیر تَر دِیٹھی اُوَت سُورجَن کِرَن پَیٹھی
(بند نمبر۶۴ بیت نمبر۴)

ندا اور صیغہ امر کا استعمال:-

تِہنہ لَئی بھاوَ چڑھاوَہ لورا جِیہنہ سیتیں مَن لاگا تورا
(بند ۲۳۷ بیت نمبر۱)

فعل حال منفی و فعل حال مثبت، فعل ماضی مطلق اور مبتدا و خبر:-

بارِ بھورِ موہِ ڈَہکس، جانس، کچھو نہ جان نارِ کینھ تَئیں باوَر، تِہہ پنتھ بَہُل سِیان
(بند ۲۳۷ بیت نمبر۶)

دعائیہ جملہ:-

اَنت گوَر جَگ راج کریجو تُری پیٹھ کھانڈَئیں جَس لیجو
(بند نمبر۳۶۶ بیت نمبر۴)

مثنوی چنداین میں محاسن لفظیہ و معنویہ:-

علم بیان ان چند قواعد کا نام ہے جن کی مدد سے ایک معنی کو ایسی مختلف عبارتوں میں بیان کر سکیں

جن میں سے ایک وضاحت میں دوسرے سے مختلف ہو یعنی ایک کی عبارت معنی مقصود پر بغیر تامل وفکر کے صاف طور پر دلالت کرے۔ جبکہ دوسری عبارت معنی مقصود بر بتامّل وفکر دلالت کرے۔ دلالت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شئی کے معلوم کرنے سے دوسری چیز معلوم ہو جائے۔مثلاً اگر ہم کسی جگہ پر دھواں دیکھیں تو ہم سمجھ لیں گے کہ وہاں آگ ہے یعنی دھواں کا وجود آگ کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

جب لفظ بول کر اس کے اصلی معنی مراد نہیں لئے جاتے بلکہ اصلی معنی کے لازم مراد لئے جاتے ہیں، تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ اگر قرینہ موجود ہو تو اسے مجاز کہتے ہیں اور اگر قرینہ موجود نہ ہو تو اسے کنایہ کہا جاتا ہے۔ ماسبق میں جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے عیاں ہے کہ مجاز اور کنایہ دونوں میں ملزوم سے لازم سمجھا جاتا ہے، لیکن مجاز میں یہ قرینہ بھی موجود ہوتا ہے کہ یہاں حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

مجاز اور کنایہ میں فرق یہ ہے کہ مجاز میں فقط لازم مراد ہوتا ہے اور کنایہ میں لازم وملزوم دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اس طرح مجاز بمنزلہ جزوِ کنایہ اور کنایہ بمنزلہ کل ہوا۔ واضح ہو کہ مجاز کی بعض قسمیں تشبیہ پر مبنی ہوتی ہیں۔ اس طرح مقصود معنی تین چیزیں ہوتی ہیں: (۱) تشبیہ (۲) مجاز (۳) کنایہ۔

تشبیہ کے لغوی معنی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی معنی میں شریک ہے اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ کس معنی میں شریک ہے اور یہ شرکت بطور استعارہ یا تجرید نہیں ہے۔

تجرید علم بدیع کی اصطلاح ہے۔ اس میں ایک شئی صاحبِ صفت سے دوسری شے اسی صفت کے ساتھ متّصف بقصد مبالغہ اس امر کے اظہار کے واسطے حاصل کی جاتی ہے کہ وہ شے صاحب صفت اس صفت میں ایسی کامل ہے کہ اس سے ایک دوسری شے اسی صفت کے ساتھ متصف نکل سکتی ہے جیسے: چہرۂ انور سے تیرے ماہ کامل آشکار + اور گیسوئے معنبر سے شب یلدا عیاں یہاں چہرہ کے نور اور زلف کی سیاہی میں مبالغہ مدِّ نظر ہے یعنی چہرہ، نورانیت میں اور زلف سیاہی میں ایسے کامل ہیں کہ اوّل میں سے ماہ کامل اور دوسرے سے شبِ تاریک حاصل کی جاسکتی ہے۔ تشبیہ کے پانچ ارکان ہیں (۱) مشبہ (۲) مشبہ بہ (جنکو طرفین کہا جاتا ہے) (۳) وجہ شبہ (۴) حرفِ شبہ (۵) غرض تشبیہ۔ مثال:-

مانگ چیر سر سِیندُر پورا ریںگ چلا جَنُ کان کھجُورا (بند نمبر ۶۴ بیت نمبر ۲)

یہاں مانگ مشبہ، کان کھجورا یعنی کھنکھجورا مشبہ بہ، جَنُ حرف تشبیہ رینگتا ہوا محسوس ہونا وجہ شبہ اور اس احساس کا اظہار غرض تشبیہ ہے۔ دیگر مثالیں حسبِ ذیل ہیں۔

دِیا جوت رَین جَس باری کارِیس سِیس دیس رَتناری (بند نمبر۶۴ بیت نمبر۳)
میں وہ مانگ چِیر تَر دِیٹھی اُوَت سُورجَن کِرَن پیٹھی (بند نمبر۶۴ بیت نمبر۴)
بھَنور بَرن سوں دیکھے بارا جَنُ بِسہَر لُٹ پَڑے بھَنڈارا (بند نمبر۶۵ بیت نمبر۱)
مُنہ پَہِہ ناک اَئیس کَ سِنگارو جَن اَبھَرن اوپر گین ہارو (بند نمبر۶۹ بیت نمبر۱)
سون تھار ہیئیں جَن دَھرے رَتَن پَد ارتپ مانِک بھَرے (بند نمبر۷۷ بیت نمبر۱)

اس میں مشبہ محذوف ہے۔

مُلّا داؤد کی مثنوی میں تشبیہات کا ازدحام ہے۔

استعارہ: کے لغوی معنی مانگنا ہے اور مجازی واصطلاحی معنی یہ ہیں کہ لفظ اپنے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی میں مستعمل ہو اور حقیقی و مجازی معنوں کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہو۔

استعارہ پر مکمل طور پر دسترس حاصل کرنے کیلئے حسب ذیل اصطلاحات کو ذہن نشین کر لینا لازمی ہے۔

حقیقت: حقیقت وہ کلمہ ہے جو اپنے اصل معنی میں اس اصطلاح کے موافق مستعمل ہو، جس میں گفتگو کی جارہی ہے۔

مثال: لفظ شیر بولیں اور اس سے وہ درندہ مراد لیں جس کے لئے یہ لفظ واضع نے وضع کیا ہے۔

مجاز: وہ کلمہ ہے جو اپنے اصلی معنی میں مستعمل نہ ہو اور وہاں کوئی قرینہ بھی ہو، جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ کلمہ اپنے اصلی معنی میں مستعمل نہیں ہے۔ لفظ شیر بول کر مشہور درندہ مراد نہ لیں بلکہ کسی قرینہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس لفظ سے مردِ شجاع مراد لیں۔

لفظ جب اپنے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی میں مستعمل ہو، تو حقیقی اور مجازی معنوں میں کسی علاقے کا ہونا ضروری ہے، اگر یہ علاقہ تشبیہ کا ہو، تو اسے استعارہ کہتے ہیں اور اگر یہ علاقہ تشبیہ کے علاوہ کسی اور چیز کا ہو تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں جیسے سبب بول کر مسبب مراد لیں یا مسبّب بول کر سبب مراد لیں یا مظروف بول کر ظرف مراد لیں یا اس کا برعکس وغیرہ۔

استعارہ: اگر لفظ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی میں مستعمل ہو اور حقیقی و مجازی معنوں میں تشبیہ کا علاقہ ہو، تو اسے استعارہ کہا جاتا ہے۔ اس کے ارکان ہیں مستعار لہٗ، مستعار منہٗ، وجہ جامع اور غرض استعارہ۔ مثال:-

نارَنگ تھَنہَر اُٹھہِنہ اَمولا سور نہ دیکھئی پوَن نہ ڈولا (بند نمبر۷۷ بیت نمبر۳)

مستعار منہٗ مستعار لہٗ وجہ جامع

غرض استعارہ پستانوں کے گول، اٹھے ہوئے اور سر بلند ہونے کا اظہار، غرض استعارہ ہے۔

نابھی کُنڈ جو ڈُبکھے بیرو　دیکھیت ہِنہہ بوڈ، نہ پاوَئی تیرو　(بندنمبر۸۷ بیت نمبر۴)

سہج سَندھورا سیندور بھرے　تھنہر پھیر گند یَریں دھرے　(بندنمبر۷۷ بیت نمبر۲)

بنی گوند جوہِ اَوَر ماوَئی　لہر چڑھہہِ بس مَستک دھاوَئی　(بندنمبر۶۵ بیت نمبر۲)

اس میں چاندا کی گوندھی ہوئی، لٹکتی ہوئی زلفیں مستعار لہٗ اور پیشانی تک زہر کا اثر پہنچانے والا لہراتا ہوا سانپ مستعار منہٗ، لہرانا اور زہریلا پن وجہ جامع اور لہرانے اور زہریلے پن کا اظہار غرضِ تشبیہ ہے۔

مندرجہ ذیل بیت استعارہ مرشّحہ کی خوب تر مثال ہے۔

تورَئیں بھَل مَن سَنکا، پَر بیلے کِت جاۂ　گھَرَ نہہِ داکھ رَس پِیو رے، ناہِ سَنکورہ کھاۂ

(بندنمبر۲۴۲ بیت نمبر۶)

اس صنعت میں فقط مستعار منہٗ کے مناسبات مذکور ہوتے ہیں۔ یہاں مقیاث الشباب مستعار لہٗ، انگور کی بیل مستعار منہٗ، ''اور'' داکھ رس'''' ناہ'' اور ''پیو'' مستعار منہ، کے مناسبات ہیں، جو مذکور ہیں اور مستعار منہٗ انگور کی بیل اور مستعار لہٗ مقیاس الشباب مذکور نہیں۔

یہ ایک مسلمہ ہے کہ مجاز حقیقت سے زیادہ اور کنایہ صراحت سے زیادہ بہتر ہے۔ کنایہ کے لغوی معنی مبہم بات کہنا ہے اور علم بیان کی اصطلاح میں کنایہ کے دو معنی ہیں۔ ایک مصدری معنی یعنی لازم بول کر اس شرط کے ساتھ ملزوم مراد لینا کہ اس سے لازم مراد لینا بھی جائز ہو کنایہ کی دوسری تعریف یہ ہے کہ کنایہ وہ لفظ ہے جسے بول کر اس کے معنی کا لازم اس شرط کے ساتھ مراد لیں کہ اس کے اصلی معنی کو مراد لینا بھی جائز ہو۔ ذیل میں کنایہ کی چند مثالیں مثنوی چنداین سے پیش کی جارہی ہیں۔

ہاتھ پاؤ مکھ جَرم نہ دھووا　اَوِتہہ اُوپر سَنگ نہ سووا　(بندنمبر۴۳ بیت نمبر۴)

یہاں ''نہ سووا'' کے دو معنی ہیں۔ ایک مصدری معنی یعنی ایک بستر میں ساتھ سونا اور دوسرے اس کے لازمی معنی یعنی مرد اور عورت کے جنسی رشتہ کا قائم ہونا اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ اس طرح ''ساتھ نہ سونا'' مرد اور عورت کے جنسی رشتے کے عدم قیام کا قرینہ ہے۔

بَرَس دِیوَس بھا چاند بِیا ہیں　سور نہ دِیکھی آچھی چھا نہیں　(بندنمبر۴۴ بیت نمبر۱)

اس بیت میں باون نے چاندا کو برسوں گزر جانے کے بعد بھی نہیں دیکھا یعنی چاندا کو اس کے شوہر نے نہیں دیکھا یعنی اسے پیار و محبت کے ساتھ جنسی رشتے قائم کرنے کی خواہش سے نہیں دیکھا۔

اس طرح ''سور نہ دیکھی'' کنایہ ہے شوہر کی نگاہ سے دیکھنے کا۔یعنی شوہر کی طرح جنسی تعلقات قائم کرنے کے لئے نہیں سویا۔اسی بند۴۴ کا بیت نمبر۴ ملاحظہ ہو، جو اس طرح ہے۔

اِیکو سادھہ نہ ہیئیں بُجھانی مَنُوٗ پیاسَن، نانک لہہِ پانی

اس میں پیاسی ہونا اور دل کی خواہش کو نہ بجھانا کنایہ ہے ازدواجی رشتے کے عدم قیام کی جانب اور ''ناک تک پانی ہونا'' کنایہ ہے مرد و عورت کے رشتے کے قیام کے لئے سارے حالات کے فراہم ہونے کی جانب، اس طرح ایک ہی بیت میں کئی کنایے جمع ہیں۔ان سبھی کنایوں سے مصدری معنوں کے لازمی معنی رشتے کے قیام کے احوال و کوائف کا موجود ہونا یعنی عورت کے پاس جنسی خواہشات کے پورا کرنے کے اسباب کی موجودگی اور خواہشات جنسی کا نہ پورا ہونا یعنی ناک تک پانی ہونے کے باوجود پیاسی بنی رہنا، مراد ہے۔

اسی سلسلہ میں بند نمبر۴۶ کا بیت نمبر۶ ملاحظہ ہو۔

نِس اَندھیار نیر گھَن بَرسے، بیج لوِی بھُئیں لاگ
سیج اَکیل، پھاٹ میور ہیارا، جو جو دیکھوں جاگ

اس میں کنایہ کا حسین استعمال ہے اور مصدری و لازمی معنوں کے درمیان کئی واسطے ہیں۔''سیج بستر میں اکیلے ہونے'' اور ''دل پھٹنے'' سے ان کے لازمی معنی جنسی خواہش کا پوری نہ ہونا مراد ہے۔ اس کنایہ میں کئی واسطے ہیں بستر میں اکیلے ہونا، شوہر کے ساتھ نہ ہونے کی جانب کنایہ ہے، اگر وہ ساتھ میں بستر پر ہوتا تو جنسی کھیل ہوتا، چھینا جھپٹی ہوتی، جذبات مشتعل ہوتے اس طرح دل نہ پھٹتا اور جنسی خواہش پوری ہوتی۔ بند نمبر۱۱۹ کا بیت نمبر۳ ملاحظہ ہو:-

نوتا سکال دیس کر آوا چیلَنھ گے دَر مانڈہ چھاوا

چیلوں کا فوج کے اوپر شامیانہ بنانا، فوج کی تعداد کے بہت زیادہ ہونے کی جانب کنایہ ہے، لیکن یہاں لازم و ملزوم کے درمیان کئی واسطے ہیں۔(۱) بڑی جنگ میں دو فوجوں کا بڑی تعداد میں جمع ہونا، (۲) دونوں کا آپس میں متصادم ہونا، (۳) مقتولین کی تعداد بہت زیادہ ہونا، (۴) گوشت کھانے کے لئے انگنت چیلوں کا اکٹھا ہونا، جس سے ایسا لگے گویا چیلوں نے ایک شامیانہ (۵) بنا دیا ہو اس طرح بڑی فوج کے اکٹھا ہونے اور چیلوں کا فضا میں اپنے وجود سے شامیانہ بنانے میں پانچ واسطے ہیں۔

بند نمبر ۲۱۶ بیت نمبر۴ میں چندن کوپ سے چاندا کے اثمار شباب کی جانب کنایہ کافی لطیف ہے۔اس میں چاندا کے اثمار شباب چندن کی کپی کی طرح خوشبودار گول، سڈول، سخت، توانا، ابھرے

ہوئے اور سر بلند بتلائے گئے ہیں۔ مُلّا داؤد نے اثمار شباب میں تحرک پیدا کرنے کے لئے، ان کی خوشبو کو ناک سے لگا کر سر پر چڑھاتے ہوئے دکھلایا ہے۔ اثمار شباب کے لئے ''چندن کوپ'' ایک حسین استعارہ بھی ہے، جس میں وجہ جامع گولائی، سختی، اُبھار، معطر ہونا اور سر بلندی ہے۔ محولہ بالا بیت مندرجہ ذیل ہے۔ ؎

چندن کوپ ناسکا لاوے باس لئی اوسیس چڑاوے

اسی طرح بند نمبر ۲۱۶ کا بیت نمبر ۶ بھی فنی لحاظ سے جاذبِ قلب و وجدان ہے۔ اس میں راجا کی رکھی ہوئی باڑی، راجا سہدیو کی نورِ نظر چاندا ہے، جسے خود چاندا نے بھجنگ بھنورے (لورک) کو دے دیا ہے اور اس لورک نے باڑی (چاند) کا رس لے لیا اور اس کا آخری قطرہ لے کر اسے خالی کر دیا۔ چاندا کے خوشبودار جسمانی اعضاء کے لئے باری ایک کنایہ ہے اور راجا کی باڑی (چاندا) اور اسے اس کے خالی کرنے کے درمیان کئی واسطے ہیں۔ محوّلہ بالا بیت ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ؎

راوَ کی راکھی باری چاند بھُجنگہہ دِینھ رَس جِ لینھ پیا سے بھُجنگ بِن رَس کینھ

بند نمبر ۳۴۷ بیت نمبر ۶ میں ''کالے منھ والی'' چاندا کے لئے کنایہ ہے۔ اس نے لورک کے ساتھ بھاگ کر اور اس کے ساتھ بناوواہ باون کی بیاہتا بیوی ہوتے ہوئے میاں بیوی کے تعلقات قائم کر کے اپنی عصمت برباد کر دی، جس کے لئے منھ کالا کرنا ایک حسین کنایہ ہے، جس نے کثرت اِستعمال کی بنا پر محاورے کی شان بھی حاصل کر لی ہے متعلقہ بیت ملاحظہ ہو۔ ؎

ایہنہ پَر ہَنس رَرِمَر ہوں، چاند سُرج لئی بھاگ
آپَن چھاڈ کر مُکھی سرجن پَر گَین لاگ

بند نمبر ۳۴۹ کا بیت اوّل اس لئے اہم ہے کیونکہ اس کا مصرعہ ثانیہ کنایات کی دنیا میں ایک شہ پارہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ماگھ کی سردی میں مینا کے پستانوں پر پڑی ہوئی ہار کی ڈوری کے کنپن سے مینا کے پستانوں کی سختی، ان کا ابھار، ان کی سر بلندی، کو بطور کنایہ واضح کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ جب تک مقیاس الشباب سخت، سر بلند اور ابھرے ہوئے نہ ہونگے ان پر پڑی ہوئی ہار کی ڈوری قطعاً کانپ نہیں سکتی۔ مُلّا داؤد کی مثنوی کا یہ بیت صنعت کے لحاظ سے بھی ایک شاہکار ہے۔ اس میں استعارہ تخلیہ اور استعارہ بالکنایہ کا لطیف وحسین استعمال ہے، جس کی مکمل وضاحت راقم نے اپنی تازہ تخلیق ''اردو کی اوّلین''، میں کر دی ہے۔ محوّلہ بیت ذیل میں رقم کیا جارہا ہے۔ ؎

ماہِ مانس نِس پَرَئی تُسارو کَپَہِہ ہار ڈور تھَنہارو

یہ ایک حقیقت ہے کہ مثنوی ہٰذا میں کنایات کا ازدحام ہے اور مجاز کا استعمال بھی بکثرت ہوا ہے۔علمائے بلاغت کے نزدیک یہ ایک مسلمہ ہے کہ کنایہ میں صراحت سے زیادہ اور مجاز میں حقیقت سے زیادہ بلاغت ہوتی ہے۔مثل مشہور ہے"**الکنایۃ افصح من الصراحۃ**"مثنوی چنداین میں مجاز وکنایہ کی اتنی کثرت ہے کہ راقم کوان کا اس کثرت کے ساتھ استعمال کسی دیگر فن کار کے یہاں نہیں ملا،اس لئے مُلّا داؤد کی بابت یہ بات بہ آسانی اور بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ مُلّا داؤد مجاز اور کنایہ کے بغیر لقمہ نہیں توڑتے اور مجاز وکنایہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

مثنوی چنداین میں محاسن شعری کی وضاحت کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ مثنوی ہٰذا پر ایک نظر، اس میں درآئے لفظی ومعنوی محاسن کے نقطہ ہائے نظر سے ڈال لی جائے۔

صنائع معنویہ:-

صنعت تضاد: -اس صنعت کو صنعت مطابقت، تطبیق اور تکافو وطباق بھی کہتے ہیں۔اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک کلام میں ایسے دو لفظ جمع کریں،جن کے معانی باہم مخالف ہوں،خواہ وہ دونوں فعل ہوں، یا دونوں اسم ہوں یا دونوں حرف ہوں یا ایک اسم ہو اور دوسرا فعل،اس کی دو قسمیں ہیں،ایک ایجابی دوسرا سلبی۔ایجابی وہ ہے کہ اس میں نفی کا حرف نہ ہو۔سلبی وہ ہے کہ دو فعل ایک مصدر کے ہوں اور ان میں ایک مثبت ہو اور دوسرا منفی یا ایک امر ہو دوسرا نہی۔ے

یَہنہ بَرَ ہیں اُٹھ مَینکیں جاؤں تیسوں رانڈ، سُہاگن ناؤں (بند نمبر۴۴ بیت نمبر۵)

اس بیت میں رانڈ اور سہاگن دونوں لفظ جمع ہیں،جن کے معنی باہم مخالف ہیں۔

مثال:مطابقت ایجابی۔ے

بِیس پَور بِیسَو جَرِ لوہے، سونے ایں رَسے کِوار
دِ یَو سَہِنہ رَہِنہ پَکَورِ یا رات بھُنو ہِنہ کوٹ وار
(بند نمبر۲۴ بیت نمبر۶)

یہاں لوہے اور سونے و دِیو اور رات میں تضاد ہے۔ے

نَلَج بر سپت لاج نہ دھرسی مونہہ بِکھار سیوں بھر کَرسی (بند نمبر۱۷۳ بیت نمبر۱)

''نہ دھرسی''اور''کرسی''میں تضاد ہے ان میں نہ دھرسی مضارع منفی اور کرسی مضارع مثبت ہے۔

صنعت مرعاۃ النظیر :-اس صنعت میں کئی متناسب، غیر متضاد چیزیں ایک کلام میں مذکور ہوتی ہیں۔اس صنعت کو تناسب،ایتلاف اور تلفیق بھی کہتے ہیں۔ مثال۔ے

تیل دھار جَس چکنائی		اوپر چانٹی چڑے نہ جائی		(بند نمبر۲۴ بیت نمبر۴)

یہاں تیل، دھار، چکنائی متناسب غیر متضاد چیزیں مذکور ہیں جو باہم متناسب غیر متضاد ہیں صنعت مراعاۃ النظیر کی ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو۔

مارَگ کوَن، کَیس بیوہار، لانب چھوٹ، کَس آہی

سَہج سِنگار، روپ رَس، پِنڈک پَراکرتِ کَس تاہِ

یہاں "بیوہارا" "لانب چھوٹ، سَہج سنگار، روپ، پِنڈک اور پَرا کرت" چند متناسب غیر متضاد چیزیں ایک بیت میں یکجا ہیں۔ اس لئے یہاں صنعت مراعاۃ النظیر ہے اور لانب وچھوٹ دو متضاد الفاظ کے جمع ہوجانے کے باعث صنعت تضاد ہے۔

صنعت جمع:۔اس میں دو یا دو سے زیادہ چیزیں ایک حکم میں جمع کی جاتی ہیں۔

نارَنگ تھَنہر اُٹھہنہ اَمولا		سور نہ دیکھئی پوَن نہ ڈولا		(بند نمبر۷۷ بیت نمبر۳)

اس بیت میں نارنگ اور تھنہر کو اٹھے ہونے، امول، قیمتی ہونے، ان کو سورج کے نہ دیکھنے اور ان پر پون نہ ڈولنے میں جمع کیا گیا ہے۔

صنعت سیاقۃ الاعداد: اس صنعت میں اعداد لائے جاتے ہیں خواہ بالترتیب یا بلا ترتیب۔ بیت ملاحظہ ہو۔

پھاگُن سیو چوگُن کَہا		اُچھر پوَن سَت گُن ہوئی رَہا		(بند نمبر۳۵۰ بیت نمبر۱)

یہاں "چوگُن" اور "ست گُن" کی وجہ سے صنعت سیاقۃ الاعداد درآئی ہے۔

چونکہ یہ اعداد بے ترتیب ہیں اس لئے یہ سیاقۃ الاعداد بلا ترتیب ہے۔ جبکہ اس مثنوی کے بند نمبر ۱۴۴ کے بیت نمبر ۱ میں، جو مندرجہ ذیل ہے۔

تین چار سَے بَیٹھ سَوار		بَسَندرو آن رَسوئی پَر جارا

میں تین چار اعداد بالترتیب ہیں، اس لئے یہاں صنعت سیاقۃ الاعداد بالترتیب ہے۔ صنعت جمع کی ایک دلکش مثال ملاحظہ ہو۔

تیل بھُنج او کویَری دھوبی، ناؤ، چیر		راندھ باندھ سَب گانجِس، کاڑھ کھور بَہیر

(بند نمبر۲۵۴ بیت نمبر۶)

اس بیت میں تیلی، بھونجا، کوری، دھوبی، نائی اور نوکر سب کو باندھ کر ان کے ساتھ عیش کرنے اور پھر عیب لگا کر انہیں نکال دینے میں جمع کیا گیا ہے۔

صنعت تلمیح: اس میں کلام میں کسی مشہور قصہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے یا کسی ایسے مسئلہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جو کتبِ مستعملہ میں مذکور ہو۔ مثال:-

رِگ، جُج، سام، اتھر بَن پڑھا آئی پُرنتر رَورِ ئیں چڑھا (بند نمبر ۳۶۵ بیت نمبر ۵)

اس بیت میں چاروں ویدوں کی طرف اشارہ ہے۔

صنعت مبالغہ: مبالغہ کے یہ معنی ہیں کہ کسی وصف کی شدت یا ضعف کا اس حد تک دعویٰ کریں، جہاں تک اس کا پہنچنا بعید ہو یا محال ہوتا کہ سننے والے کو یہ گمان نہ رہے کہ اس وصف کی شدت یا ضعف کا کوئی مرتبہ باقی ہے۔ یہ تین قسم کا ہوتا ہے:-

تبلیغ: کسی وصف کی شدت یا ضعف کا وہاں تک دعویٰ کریں، جہاں تک اس کا پہنچنا عقلاً وعادۃً ممکن ہو۔

آرگ ٹھاڑھ ہُت مَنیاں ناری دوڑ چاند بَرو باہنہ پیاری
اِم رَے بھاگ گیے اَبھرَ ن تانیں ہارو ٹُوٹ موتی چھَر یا نیں (بند نمبر ۲۶۰ بیت نمبر ۱و۲)

چاندا کے دوڑ کر مینا پر باہنیں پھیلانے سے ہار ٹوٹ کر اس کے موتیوں کا بکھرنا عقلاً وعادۃً ممکن ہے، اس لئے یہاں صنعت مبالغہ تبلیغ در آیا ہے۔

مبالغہ کی دوسری قسم وہ ہے جس میں کسی وصف کی شدّت یا ضعف کا اس حد تک دعویٰ کریں، جہاں تک اس کا پہنچنا عقلاً ممکن ہو لیکن عادۃً محال ہو، اس کو اغراق کہا جاتا ہے۔ مثال:-

راجا گیہَ کے سُنہہَ نِکائی جَت کُنبھار دَھر چاک پھرائی (بند نمبر ۵۷ بیت نمبر ۱)

گردن کا کمہار کی چاک پر رکھ کر پھرائی گئی ہونا، عقلاً ممکن ہے لیکن عادۃً محال ہے۔

مبالغہ کی تیسری قسم وہ ہے جس میں کسی وصف کی شدّت یا ضعف کا اس حد تک دعویٰ کریں، جہاں تک اس کا پہنچنا عقلاً وعادۃً محال ہے۔ مثال:-

بَر رَئیں لَنک بِسیکھی دَھناں اَورو لَنک پاتَر کو گُناں
پھونکہہِ ٹوٹ ہوئی دُئی آدھا نَین دیکھ مَن اُپجَئی سادھا (بند نمبر ۹۷ بیت نمبر ۴و۵)

کسی عورت کی کمر کا اتنا باریک ہونا کہ وہ برّیا (بھڑ) کی کمر کی طرح باریک ہو یا اس سے زیادہ باریک ہو یا اس کا پھونک دینے پر دو ٹکڑے ہو کر آدھی آدھی ہو جانا عقلاً وعادۃً ناممکن ہے۔

مبالغہ کی دو قسمیں تبلیغ اور اغراق مقبول ہیں، جبکہ تیسری قسم یعنی غلو تب مقبول ہوتی ہے جب اس میں کوئی ایسا لفظ ہو جو اسے قرین صحت کردے۔

صنعتِ تنسیق الصفات : - وہ صنعت ہے جس میں ایک موصوف کے کئی اوصاف متواتر ذکر کریں۔ مُلّا داؤد نے چاندا کا سراپا بند نمبر ۶۴ سے بند نمبر ۸۲ تک ۱۱۹ ابیات میں مانگ سے لے کر اس کے قد و قامت تک بیان کیا ہے۔ اس سراپا میں چاندا کی مانگ، اس کے بال، اس کی پیشانی، اس کے ابرو، اس کی آنکھوں، اس کی ناک، اس کے لبوں، اس کے دانتوں، اس کی زبان، اس کے کان، اس کے تل، اس کی گردن، اس کے ہاتھوں، اس کے پستانوں، اس کے پیٹ، اس کی پیٹھ، اس کی رانوں و رفتار، اس کے پیروں و رفتار، اس کے قد و قامت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چاندا کے ہر عضو کا تذکر چھ ابیات میں کیا گیا ہے۔ بند نمبر ۶۴ سے لے کر بند نمبر ۸۲ تک ہر عضو چاندا سے متعلق ہر بند میں ایک عضو کا بیان صنعت تنسیق الصفات کے سہارے کیا گیا ہے یعنی متذکرہ بالا ہر بند کے چھ ابیات میں یہ صنعت موجود ہے۔ بطور مثال چاندا کے کانوں سے متعلق ابیات میں صنعت تنسیق الصفات کو ملاحظہ کریں کہ ان کی صفت بیانی میں انہیں کبھی چندن کی سیپ کبھی انہیں کم کم کی طرح نرم کبھی سونے کی طرح جھلکتے دئے، کبھی کنول کے پھول، کبھی امرت کا لبالب بھرا حوض بتلایا گیا ہے۔

صنعت منقوطہ: اس میں مستعمل سب الفاظ نقطہ دار ہوتے ہیں۔ مثال:-

اَنگ باس نَو کھَنڈ گندھانی　　باس کیتکی بھَنوَر لُبھانی　(بند نمبر ۸۲ بیت نمبر ۵)

اس بیت میں مستعمل ہر لفظ نقطہ دار ہے۔

صنعت مہملہ : جسے صنعت غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں، جب ایک کلام میں سب الفاظ بے نقطہ ہوں، تو اسے صنعت مہملہ یا صنعت غیر منقوطہ کہا جاتا ہے: مثال ادھر ادھر کر کر گہہ (چنداین مرتبہ ڈاکٹر پرمیشوری لال گپتا ۱۹۶۳ء بند نمبر ۲۲۵، بیت نمبر ۳ مصرع اولیٰ) مرقومہ بالا مصرعے میں صنعت مشاکلہ بھی ہے۔ اس صنعت میں ایک شئی کو اس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اس کے غیر کے لئے وضع کیا گیا ہو، اس مناسبت سے کہ دونوں یک جا مذکور ہیں۔ اس مصرعے میں ''ادھر ادھر'' یعنی لبوں سے لبوں کے باہمی قُبلہ یا تقبیل یعنی بوسہ یا چمبن کو گہہ لفظ سے اس مناسبت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ''ادھر ادھر'' اور ''کر کر'' (کر کر سے واقعتاً گہہ لفظ مناسبت رکھتا ہے) ایک جگہ پر مذکور ہیں۔ اس بیت کا مصرعہ ثانیہ ''نا بھی نا بھی ما تان رہے'' ہے۔ بند نمبر ۲۲۵ کے اس بیت نمبر ۳ میں منظوم اس منظر کو اپنے نظروں کے سامنے لائیں، جس میں ایک مرد اور ایک عورت میں سے ہر ایک دوسرے کے لب کو اپنے لب میں لئے ہوئے ہے، ہر ایک کے ہاتھ دوسرے کے ہاتھ کی گرفت میں ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک اپنی ناف کو دوسرے کی ناف سے چسپا کئے، اسے تانے ہوئے ہے۔ اس بیت میں منظوم **اِلتّصَاقِیہ وَ اِلتِضَاقِیہ** منظر، منظر نگاری و

مرقع نگاری کے باب میں مُلّا داؤد کی بے مثیل قدرت وملکہ کا مظہر ومعلن ہے۔

مُلّا داؤد نے اپنی مثنوی کے بند نمبر ۳۰۵ کے آخری بیت میں، لورک کی زبانی اپنے گھر بار چھوڑنے کی وجہ دشمن کی دشمنی اور بھائی، رشتے دار اور خاندان کا مخالف ہوجانا بتلایا ہے، جو اس کی اصل وجہ نہیں ہے۔ درحقیقت اس کی اصلی وجہ شادی شدہ لورک کا گودر کے راجہ، راجہ شہدیو: رائے مہر کی نور نظر راج کماری چاندا سے عشق اور اس کو لے بھاگنے کی بے جا حرکت ہے اور یوں مثنوی کے اس بند میں صنعت حسنِ تعلیل کی حکمرانی ہے۔

لسانیات کا بہت بڑا شعبہ، روزمرہ، محاورہ، ضرب الامثال، کہاوت اور محاکات سے متعلق ہے، کیونکہ مافی الضمیر کے عمدہ اور مناسب اظہار میں ان سبھی کی ضرورت پڑتی ہے۔ الفاظ کی وہ ترکیب، جو اہل زبان کی بول چال کے موافق ہو لیکن ان میں سے کوئی لفظ یا ترکیب مجازی معنی میں مستعمل نہ ہو، روزمرہ کہلاتی ہے اور الفاظ کی وہ ترکیب جو مجازی معنی میں مستعمل ہو محاورہ کہی جاتی ہے۔

مثنوی چنداین میں ان کا حسین ولطیف استعمال ہے۔ بطور مثال ''تاروں ترّوواں'' مُلّا داؤد کے زمانے کا روزمرہ ہے۔ یہ روزمرہ مثنوی میں تین بار استعمال ہوا ہے بند نمبر ۸۶ بیت نمبر ۳، بند نمبر ۱۱۲ بیت نمبر ۲، بند نمبر ۱۱۸ بیت نمبر ۴۔ مکمل ایک بیت استشہاداً پیش کیا جارہا ہے۔ ے

نوّے سہس گھور پا گھرے　　تاروں ترّوواں لوہیں جَرے　　(بند نمبر ۸۶ بیت نمبر ۳)

آج کل یہ روزمرہ سراپا لفظ کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ مُلّا داؤد نے سراپا کے لئے کرپا والفظ استعمال کیا ہے (بند نمبر ۳۳۴ بیت نمبر ۱) مثنوی چنداین میں محاورات بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔　''اور بسیکھیں راواں دھاوَئی'' خیالی طوطے اڑاتی ہے۔ (بند نمبر ۲۵۳ بیت نمبر ۴)

آج کل کا محاورہ ہے خیالی مینا طوطے اُڑانا۔

۲　سُنتِھہ　پھولا　مہرِ　لجانی　　گھرے سَہَس جَنُ میلا پانی　(بند نمبر ۲۷ بیت نمبر ۱)

گھڑوں پانی پڑنا۔ آج کا محاورہ ہے، جس کے معنی شرمندہ ہونا ہے۔

۳　تورے　نَلج　اَماوَس　کُرِ　جو　کینھ　اَندھیار　(بند نمبر ۲۸۴ بیت نمبر ۶)

مندرجہ بالا بیت میں پہلا محاورہ ہے ''بے شرمی کی اماوس ہونا، ہے، دوسرا محاورہ ہے ''خاندان اندھیرا کرنا''۔

۴　جَس　آئیو　بِ　تَس　مَنگیں　گئیوں　　(بند نمبر ۲۹۲ بیت نمبر ۵، مصرع ۱)

۵　جائی　بات　سبھَئی　سنسارا　　اک　ہارَئی　او　ہوئی　مُنہ　کارا　(بند نمبر ۳۰۲ بیت نمبر ۴)

۶ اَب سو گُنی مَنتر اِک بوُئی تَس باچا ہیرا کس تو لئی (بند نمبر۳۱۱ بیت نمبر۵)

۷ جنہہ یہ چوٹ لاگ سو جانی کئی لورک، کئی چاندا رانی (بند نمبر۳۲۳ بیت نمبر۲)

۸ چیر لوک بھرا کھرا بارو جَس چاہت تَس دیتہہ کرتارو (بند نمبر۳۳۸ بیت نمبر۵)

۹ دیکھا لور برسپَت آئی نَین رَکت بھر ندی بہائی (بند نمبر۱۸۳ بیت نمبر۴)

۱۰ ایہنہ بنکھنڈ کوئی پاس نہ آوا کورے مَرت مُکھ نیر چُواوا؟ (بند نمبر۱۶۹ بیت نمبر۲)

۱۱ کاہے تُمہہ روَوَہُ پَردھاناں ہِیَہ اُر مور سُنت چر را نا (بند نمبر۱۵۵ بیت نمبر۵)

۱۲ کیوَر باس پَری مہکہنہ، پھونکت جانہہِ اُڈائی بھار سَہنس دُئی تِل کُٹ، مہر ئین دَھرے بنوائی (بند نمبر۱۴۸ بیت نمبر۶)

۱۳ جس رامہہ باندِھیو سر ستیو سَتُر راہ مر کیا کُر کھتیو (بند نمبر۱۰۸ بیت نمبر۴)

۱۴ جو لَہِہ سانس پیٹ مَہنہ، تو لَہِہ کَر ہیں مار پھُن سر رَچ سَبھ بَرہنہ، جَہَس ہوئی اُجیار (بند نمبر۱۰۰ بیت نمبر۶)

۱۵ کَون بَنج مور آگیں آوا لابھ نہ بِسوا مورو گنواوا (بند نمبر۱۵۸ بیت نمبر۴)

۱۶ گئو سنگھ ایک پتھی رینگاوَیں ایک گھاٹ دوہوں پانی پیاوَیں (بند نمبر۱۴ بیت نمبر۴)

راقم مثنوی چنداین میں درآئے ضرب الامثال اور کہاوتوں کی تلاش سے پیشتر ضروری سمجھتا ہے کہ مختلف لغات کے سہارے ان کو سمجھ لیا جائے۔ مہذب لکھنوی، مہذب اللغات کی جلد ہفتم کے صفحہ ۳۷۹ میں رقم طراز ہیں "ضرب الامثال کہاوت وہ جملہ ہے جو مثال میں برابر پیش کیا جاتا ہو۔"

المنجد (اردو) عربی لغت میں اس کی معنوی وضاحت کرتے ہوئے مرقوم ہے ضرب المثل کی طرح مشہور، بیان کرنا۔ (عربی اردو لغت ص ۵۹۰)

فیروز اللغات اردو جامع۔ صفحہ ۳۹۷ میں اس کی تشریح بایں طور مندرج ہے: ضرب المثل اسم مونث کہاوت، وہ جملہ جو مثل کی طرح مشہور ہو (م۔ف)۔

فرہنگ آصفیہ۔ جلد سوم کے صفحہ ۲۳۴ میں اس کی وضاحت بایں طور مندرج ہے: ضرب المثل (ع) اسم مونث کہاوت، مثل بیان کرنا۔ وہ جملہ جو مثل کی طرح بیان کیا جائے (۱) فعل لازم۔ (۲) ضرب المثل ہونا۔ کہاوت کی طرح مشہور ہونا۔ زبان زدِ عام ہونا۔ مشہور ہونا۔ شہرت پانا۔

محمد عبداللہ خاں خویشگی نے ضرب المثل کے معنی کہاوت رقم کئے ہیں، جبکہ ایم۔ اے بھٹّی نے

اپنی متداول لغت جدید عصری اردو لغت میں ضرب المثل کے معنی کہاوت، مثل کے طور پر بیان کرنا تحریر کئے ہیں۔

محاورہ: گفتگو، ہم کلامی، بول چال، بات چیت، سوال جواب، (۲) اصطلاح عام میں وہ کلمہ یا کلام جسے اہلِ زبان نے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص مفہوم کے لئے مخصوص کر لیا ہو۔ محاورات، محاورہ کی جمع، مذکر۔ فصیح۔ رائج۔ (۳) مشق۔ مہارت۔ فیروز اللغات (صفحہ ۵۵۳)

روز مرہ نے دی سخن کو جلا شوخ و رنگیں محاورہ ایسا (قلق)

درحقیقت محاورہ وہ کلمہ یا کلام ہے، جسے چند ثقات نے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص معنی کے لئے مخصوص کر لیا ہو۔ محاورہ کی تعریف اردو میں یہ ہے کہ الفاظ کچھ کہہ رہے ہوں اور معنی کچھ نکل رہے ہوں جیسے تو کہاں اور میں کہاں اعلیٰ و اسفل دونوں کے مقابلے میں بولتے ہیں، بمقابلہ اعلیٰ کے اپنی کمتری میں اور بمقابلہ کم تر کے اپنے اعزاز اور بلندی میں بولتے ہیں۔ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے، آدھی کو چھوڑ ساری کو جائے۔ آدھی رہے نہ ساری جائے یعنی جو تھوڑے پر قناعت نہیں کرتا، وہ ساری کے چکر میں آدھی بھی گنوا بیٹھتا ہے۔ گنجی کبوتری محل میں ڈیرا۔ بد ہئیت ہو کر اتنی بلندی۔ نادان کی دوستی جی کا زیاں۔ نادان خیر خواہی کی راہ سے ایسی حرکت کرتا ہے کہ جان پر آ بنتی ہے۔ نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔ اتنی برائیاں کر کے اب توبہ کی سوجھی۔ وغیرہ اردو میں ایسی کہاوتیں و ضرب الامثال اور محاورے ہیں جو زبان کو رونق بخشتے ہیں۔

مہذب اللغات میں روز مرہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ روز مرہ وہ کلمہ ہے یا کلام ہے، جسے چند ثقات نے لغوی معنی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص معنی کے واسطے مختص کر لیا ہو جیسے قلم پکڑنا نہیں جانتا۔ یعنی جاہل ہے لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔

کہاوت۔ کہن، قول، وچن، ضرب المثل، مثل۔ وہ بات جو نظیراً بار بار آئے۔

اس مختصر سے بیان کے بعد راقم مُلّا داؤد کی مثنوی سے متعلقہ ابیات ذیل میں نقل کرتا ہے۔

برکھ اُنچ، پھَل لاگ اَکاسا	ہاتھ چڑھے کے نا نہیں آسا	(بند نمبر ۷۵ بیت نمبر ۲)
تیل دھار جِئس چکنائی	اوپر چانٹی چرے نہ جائی	(بند نمبر ۲۴ بیت نمبر ۴)
اِیکو سادھہ نہ ہِئیں بُجھانی	مِئو پیاسن، نانک لَہہِ پانی	(بند نمبر ۴۴ بیت نمبر ۴)
تو کَہنہِ چاہی کِنٌر پیو و	بِن دَہی متھَیں گے نِسرے گھِیو	(بند نمبر ۴۷ بیت نمبر ۲)
کَوَن بَنج مور آگَیں آوا	لابھ نہ بِسوا مورو گنواوا	(بند نمبر ۵۸ بیت نمبر ۴)

جَو لَہِہ سانس پیٹ مَہِنہ، تو لَہہ کَر ہِیں مار پھُن سر رَچ سَبھ بَرِ ہِنہہ، جَنَس ہوئی اُجیار
(بندنمبر۱۰۰بیت نمبر۶)

جَس رامہہ باندِھیو سر سیتو سَتُر راہ مر کیا کُر کھیتو (بندنمبر۱۰۸بیت نمبر۴)
مار سینگن نَئی رَکت بَہائی کھڑگ جھارلوہوئیں نہ بُجھائی (بندنمبر۱۳۱بیت نمبر۵)
لَئی لورک گھر سیج اولّارا یَہِیہ نین گانگہی اَسرارا (بندنمبر۱۵۳بیت نمبر۱)
کاہے تُمہِ روَوَہ پردھاناں ہیہَ اُر مور سُنت چَر رانا (بندنمبر۱۵۵بیت نمبر۵)
کَہہُ سو بات جِہنہ ہوئی مِراوا بھَل جو کرئی بھلائی پاوا (بندنمبر۱۵۹بیت نمبر۳)
دیکھا لور بر سپَت آئی نین رَکت بھَر نَدِی بَہائی (بندنمبر۱۸۳بیت نمبر۴)
چڑھا لورو دھوراہَر ، دِیکھس بِکھم اَواس سَرگ نِیَر، گھَر اَوہَٹ، راندھ نہ کیوو پاس
(بندنمبر۱۹۰بیت نمبر۶)

چانہِہ پنکھ اُٹھی جو آئی رَہئی نہ پَر سو، مَر ئی اُڈائی (بندنمبر۱۹۸بیت نمبر۴)
مَہر کاج مَئیں جِیو نہ بارِیوں گارِ پَسیو تہاں لوہوڈھارِیوں (بندنمبر۲۰۱بیت نمبر۵)
رَنگ گَئی بات کَہوں سُن لورا کیَسیں رات موہِ مَن تورا (بندنمبر۲۰۶بیت نمبر۱)
مورپیوسَرگ گَئی اَپچھرَ ہنہ رَوائی توہِ جَئسی پَہِنہ پاؤ نہ ڈُھونڈھواوَئی (بندنمبر۲۵۷بیت نمبر۵)
جِہہ جوگ ہُت راوَں، تاسو بھَیو میراوَ مونتِہہ ہار مَنہِہ کھَنکھچی، مَیناں ہوئی نہ پاوَ
(بندنمبر۲۵۸بیت نمبر۶)

سُنتِہہ پھولا مہرِ لَجانی گھرے سَہَس جَن مِیلا پانی (بندنمبر۲۷۲بیت نمبر۱)
پُروکھ پان آگ کا کَہیے جَیس پَرَئی سَر تَیَس سَہیے (بندنمبر۲۷۷بیت نمبر۵)
جَس آئِیو تَس مَنگِیں گئیو ں دَئی کا لکھا سومَئیں پی ئیوں (بندنمبر۲۹۲بیت نمبر۵)
اَس کِ دانِ اَنّیائی ہوئی جو جَس کَرئ پاوتَس سوئی (بندنمبر۲۹۹بیت نمبر۵)
جانَئی بات سَبھَئی سَنسارا اِک ہارَئی اَو ہوئی مُنہ کارا (بندنمبر۳۰۲بیت نمبر۴)
اَب سو گُنی مَنتر اِک بولئی تَس باچا ہیرا کس تو لئی (بندنمبر۳۱۱بیت نمبر۵)
چاند چاند کَے میلَس دھاہا روئی روئی لورک ہِیَہِہ رَ باہا (بندنمبر۳۱۴بیت نمبر۳)
جَس کینھِیوں تَس پائِیوں، رَہِیوں چاند من لائی (بندنمبر۳۱۶بیت نمبر۶ مصرع۱)

یہیں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ عوام کے مابین مشہور یہ فقرہ کہ ''غلط العام فصیح'' بایں

معنی کہ عوام کے مابین مشہور غلط لفظ کو فصیح مان لیا جائے، نادرست ہے، اصل فقرہ ''غلط العام فصیح'' ہے، یعنی وہ غلط لفظ جو عوام وخواص کے مابین رائج ہو گیا ہے، فصیح ہے، نہ کہ غلط العوام فصیح عوام کے لئے تو ایک دوسرا محاورہ ہے ''العوام کالانعام''۔

مُلّا داؤد نے اس مثنوی میں بہت سی کائناتی صداقتیں اور واقعاتی حقیقتیں نظم کی ہیں۔ مشتے نمونہ ازخروارے کے بطور ذیل میں ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیں۔

ہاتھ کَ مانکَ سَمَند مَہِنہ رائِ   بُہُرِ سو ہاتھ نہ چڑھئی آئِ   (بند نمبر ۱۸۹ بیت نمبر ۳)
کَئی اَوگُن بھَیَہِنہ مَئین گُن تورا   پَرا بَرہ، بُدھ ہینیں چھورا   (بند نمبر ۱۸۹ بیت نمبر ۴)

وعظ و تلقین کے باب میں مندرجہ ذیل ابیات قابلِ آفرین ہیں:

اوچھی بات سُن چاند نہ کیجئی   اُتر دیئی، آن اُتّر نہ لیجئی   (بند نمبر ۲۶۵ بیت نمبر ۵)
برکھ اُنچ، پھَل لاگ اَکاسا   ہاتھ چڑھے کِے نانہیں آسا
کھو جوگت کو، بانہہ پسارَئی   ترُ وَور ڈار دَھرے کو پارَئی
رات دیوَس راگھِہنہ رَکھوَارا   نَینہہُ دیکھئی، جائی سُو مارا   (بند نمبر ۵۷ بیت نمبر ۲،۳،۴)

حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لطائف قدسیہ میں ان کا ترجمہ بزبان فارسی اس طرح کیا ہے۔

شجرِ بلند ست ثمر در سما   قطع امیدست بر آں دست ما
ذکر اوست فرازی کند   شاخِ فلک دست کہ بازی کند
روز وشب گشتہ نگہباں بسے   کُشتہ شود چونکہ بیند کسے

مُلّا داؤدا نے اپنی مثنوی میں اپنے عہد کی معاشرت اور ذہنی کشادگی نیز ہندو مسلم اتحاد کی بات بھی کی ہے۔ مُلّا داؤد نے جہاں کہیں بھی محکمۂ پولیس اور ان کی جبلّت کا تذکرہ کیا ہے اس سے اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ تقریباً ساڑھے چھ سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی پولیس کی جبلّت اور ان کی عادات واطوار میں شمّہ بھر بھی فرق نہیں آیا۔

لینھیں ڈانک پھِرا کوٹوارا   بولَت بول مانجھ مُکھ مارا
دیکھ اَکیریں چِنتہِنہ نہ لاوَہِنہ   دُہُنہ مَہنہ ایک لین پئی دَھاوَہِنہ
کہا نہ سُنیں اَو دان نہ لیہیں   بھَل بولت اَن اُتُر و دیہیں   (بند نمبر ۲۹۸ بیت نمبر ۱،۲،۴)

پولیس کی لٹھ لئے رہنے، لفظ بولتے ہی مارنے، کسی کی فکر نہ کرنے، اکیلے دیکھ کر ذرا بھی فکر نہ

کرنے ٹیکس میں مردیا اس کی عورت چاہنے، خوشامد کرنے پر رام نہ ہونے، بھلا بولنے پر بھی برا جواب دینے کی ان کی یہ جبلتیں آج بھی بعینہٖ برقرار ہیں (بند نمبر ۲۹۷، ۲۹۸)

حتیٰ کہ ڈانگ بانجھ یعنی لاٹھی بھانجنا محاورہ آج بھی اسی طرح مستعمل ہے، ہندو مسلم اتحاد اور حکام کی معدلت پسندی سے متعلق حسب ذیل ابیات ملاحظہ فرمائیں۔ ے

ہندو تو روک دو ہو سَم راکھیں　　　سَت جو، ہوئی دُہونہہ کُنہ بھاکھیں

گوٗ سِنگھ ایک پنتھی رینگاوَیں　　　ایک گھاٹ دوہو پانی پیاوَیں

ایک دِیٹھ دیکھیں سَنسارو　　　اَچل نہ چلیں، چلیں، بیوہارو (بند نمبر ۱۴ ابیت نمبر ۳، ۴ و ۵)

اس زمانہ میں معدلت پسندی، نرم خوئی، مل جل کر رہنے کی خو، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم کرنے کی عادات مستحسن تھیں اور معدلت پسندی اس زمانہ کے لوگوں کی رگ رگ میں رواں دواں تھی، لیکن اس زمانہ میں بھی بہت سے اسقام و معائب تھے مثلاً بچپن کی شادیاں، چندا اور مینا دونوں ہی بال بیاہیاں ہیں، چاندا کی شادی اس کی عمر کے چوتھے سال کے آغاز میں (مثنوی چنداین بند نمبر ۳۵ بیت نمبر ۴) اور مینا کی شادی خردسالی میں، اس کے سن شعور میں داخل ہونے سے پیشتر ہوگئی تھی (چنداین بند نمبر ۱۳۱ ۲ بیت نمبر ۳ و بند نمبر ۲۸۲ بیت نمبر ۶) اور یوں ان کی عمریں، مثنوی میں ان کی سراپا نگاری کے دوران تخمیناً ۱۶ سال اور ۱۴۔۱۵ سال تھیں، جس کا علم، مثنوی میں بیان کردہ ان دونوں کے مقیاس الشباب کی کیفیات سے بھی ہوتا ہے، چاندا کے مقیاس الشباب کے بارے میں مثنوی کے بند نمبر ۷۷ و مینا کے مقیاس الشباب کی بابت بند نمبر ۳۴۹ کے بیت نمبر ا کے بغور مطالعہ پر ان کے مابین کے فرق سے ان کی عمروں کے مابین کے فرق کی وضاحت ہوتی ہے۔ احسان فراموشی بھی بدطینت اشخاص کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ لورک نے جھارکھنڈ کے حکمراں راجہ روپ چند کو شکست دے کر، گودر کے راجہ، راجہ سہدیو کو فتح یاب بنایا تھا، مگر اسی راجہ سہدیو نے اسی کے بھائی کنورو کو اپنے سپہ سالا مانکرا سے قتل کروادیا۔ لورک نے، چاندا کے پہلے شوہر باون کو اس پر غالب ہوجانے کے باوجود معاف کر کے گودر جانے دیا تھا مگر اس نے گودر جا کر اسی لورک کی بیوی مینا کے ساتھ برا برتاؤ کیا اور اسے لورک کی غیر موجودگی میں زبردستی اُٹھائے لے جارہا تھا، مگر لورک کا استاد اجئی اسے (مینا کو) اس احسان فراموش، باون کے چنگل سے چھڑا کر لایا۔ پولیس والے آج ہی کی طرح لٹھ باز اور کمزوروں کو بُرا جواب دینے والے تھے، مُلّا داؤد نے اس زمانہ کے لوگوں کے معتقدات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ لوگ جادو ٹونے اور گنیوں کے تنتر منتر کے قائل تھے۔ لیکن عام طور پر اس زمانہ کے لوگ سیدھے

سادے نیک اور مذہبی ہوتے تھے۔ مُلّا داؤد نے انہیں دھرمی، باخدا اور مذہبی بتلایا ہے نیز حکام کو خریداران فن کے لقب سے نوازا ہے۔

دَھرمی لوگ بَسہیں بھگونتا گُن گاہک ناگر جَسونتا (بند نمبر ۱۷ بیت نمبر ۴)

مُلّا داؤد نے گودر کے برہمن سرجن کے قابلِ رحم اشخاص کے لئے جذبۂ ہمدردی کا ذکر خیر بھی کیا ہے کہ اس نے ہلدی گھاٹ پہونچکر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے مینا کے شوہر لورک سے مینا کی دکھ درد بھری کہانی کچھ اس طرح بیان کی کہ اس نے، گودر آنے کے لئے بیتاب ہوکر دوسرے ہی دن ہلدی گھاٹ کے راجہ جھیتم راؤ سے وداعی ملاقات کی اور اسی کی مدد سے اُس (لورک) نے بیس دن میں گودر سے بیس کوس کی دوری پر پہونچ کر اغلباً فتح پور میں آخری پڑاؤ ڈالا اور وہاں سے گودر پہنچا۔

مُلّا داؤد نے بہار کے راجہ رائے کرنکا کا کردار بھی اچھا دکھلایا ہے۔ ہلدی گھاٹ کا راجہ بھی ایک معدلت پسند اور اپنی رعایا کا ہردلعزیز راجہ تھا، جس کی رعایا اسے اپنا دیوتا مانتی تھی۔ غرضیکہ مُلّا داؤد نے اپنے زمانے کے ہندوستان کا ایک جیتا جاگتا نقشہ پیش کیا ہے۔

مُلا داؤد نے اپنی مثنوی میں دس سمتوں کا تذکرہ اپنی اس مثنوی کے بند ۱۴۱ کے بیت نمبر ۴ و بند نمبر ۲۶۰ کے بیت نمبر ۴ میں کیا ہے۔

چاروں اطراف کا تذکرہ بند نمبر ۲۶۹ کے بیت نمبر ۶ میں اور چاروں سمتوں کا تذکرہ بند نمبر ۲۸۳ بیت نمبر ۶ و بند نمبر ۳۰۶ بیت نمبر ۶ میں کیا ہے۔ مُلّا داؤد کو منظر نگاری، مرقع نگاری اور جذبات نگاری پر یدطولیٰ حاصل تھا بلکہ اس سلسلہ میں، ان میں جو معاملہ فہمی حاضر ذہنی اور زود فہمی موجود تھی اس کی نظیر اردو اور ہندی ادب میں بمشکل نظر آتی ہے۔ اس کی ادنیٰ سی مثال درج ذیل سطور میں ملاحظہ ہو۔

مُلّا داؤد نے مینا و چاندا کے اثمار الشباب سے بھی بہت کام لیا ہے۔ مُلّا داؤد نے مقیاس الشباب کی بابت جو ابیات کہے ہیں، وہ ان نارپستان حسیناؤں سے متعلق ہیں، جن کی عمریں ۱۵، ۱۶ سالوں کے درمیان ہیں۔ مثنوی میں اس قبیل کے جو بھی ابیات سپردِ قلم کئے گئے ہیں، وہ چاندا اور مینا کے اثمار الشباب کی بابت ہیں۔ چاندا کی عمر بند نمبر ۳۵، ۴۳ اور ۲۹۶ کے رو سے سولہ سال ہے، جبکہ مینا کی عمر تخمیناً ۱۵ سال ہے۔ مثنوی میں مینا کی عمر مرقوم نہیں ہے، لیکن اس میں مینا سے متعلق ابیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی عمر ۱۵ سال یا اس سے بھی کم ہے۔ مُلّا داؤد نے اپنی مثنوی کے بند نمبر ۳۴۴ کے بیت نمبر ۱ میں لکھا ہے کہ

بھادوں نِس بھئی اندھیاری رَیَن ڈراون ہَوں دھن باری

موصوف نے اس مثنوی کے بند نمبر ۳۴۹ کے بیت نمبر ۱ میں مینا کی زبانی کہلوایا ہے۔ ؎

ماہ مانس نِس پَرَئی تُسارو کَنِہہِ ہار ڈور تھنہارو

مثنوی کی رو سے دونوں کی شادیاں صغر سنی میں ہوئی تھیں اور دونوں ہی بال بیاہیاں تھیں۔ چاندا کی شادی بعمر چار سال ہوئی تھی (بند نمبر ۳۵ بیت نمبر ۱) جبکہ مینا کی عمر بوقت شادی، مثنوی میں بالصراحت مذکور نہیں ہے، لیکن قرائین سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی شادی کافی خرد سالی میں ہوئی ہوگی۔ مثنوی کے بند نمبر ۲۲۳ کا بیت نمبر ۳ ملاحظہ ہو جس میں مینا اپنی ساس کھولن سے کہتی ہے کہ تم مجھے بچپن میں بیاہ کر کے لائی تھیں، نہ میں نے چولہا پھونکا اور نہ پانی لینے گئی تھی۔ مینا کی شادی بچپن میں ہونے کی بابت مثنوی میں لورک کے بھائی کنورو کا یہ جملہ۔ ؎

بار بیاہی مَیناں مانجِر لورک آہ تُمہاری یار بوڈِ رَرِ مَر ہَہنہ کرہُ نہ چِت ہماری

(بند نمبر ۲۸۲ بیت ۶)

استشہاداً پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس نے یہ جملہ لورک سے چاندا کو لے بھاگنے سے روکنے کے لئے کہا تھا کہ تمہاری ماں بوڑھی اور تمہاری بیوی بچپن کی بیاہی ہے، دونوں چلاّ چلاّ کر مر جائیں گی، لیکن لورک پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ چاندا نے یہاں بھی اپنی حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لورک سے کہا کہ میں نے غربت میں مرد کا بھیس بدلا اور جلا وطنی لی اور اس طرح چاندا نے لورک کی ذہن شوئی اور ذہن سازی کر دی۔ چنانچہ لورک نے اپنے بھائی کنورو سے کہہ دیا کہ اب تم مجھے جانے دو۔ واضح ہو کہ مُلاّ داؤد نے ان دونوں کے مقیاس الشباب کے مضغہ، جثّہ اور ان کی ہئیات و کیفیات کے بارے میں جو بھی رقم کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کی اُٹھتی ہوئی جوانیاں ہیں۔ مینا کے عنفوانِ شباب کی بابت مثنوی کے بند نمبر ۳۴۹ کا بیت اوّل ملاحظہ ہو، جس میں مینا نے بتلایا ہے کہ ماگھ کے مہینہ میں اس کے پستانوں پر پڑی ہار کی ڈور سردی کی شدّت کے باعث کانپتی ہے۔ یہاں پر اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ مینا ایک سیدھی سادی اور معصوم سی نادان، ناسمجھ بھولی بھالی بالا ہے۔ جیسا کہ مثنوی کے درج ذیل ابیات سے واضح ہے۔ بند نمبر ۳۴۴ بیت نمبر ۱، بند نمبر ۳۵۲ بیت نمبر ۶، بند نمبر ۳۵۹ بیت نمبر ۱، بند نمبر ۳۵۸ بیت نمبر ۳۔

مزید برآں مثنوی میں مینا کے ہر جملے سے اس کے افکار و خیالات کی عدم استواری، ناپائیداری اور ناتجربہ کاری ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے من میں جو بھی آتا ہے بول دیتی ہے۔ جبکہ چاندا ایک ذہین، معاملہ فہم، سیانی پھولا رانی کے بطن سے جنمی چاق و چوبند راجکماری ہے۔

جو اپنی عمر سے زیادہ ذہین ہے۔ وہ اپنی "پھر پھر آپ دکھاوا" اور "کر کنگن چاندئیں جھنکارا" کی حکمت عملی سے ملّاح کو بھری ہوئی گنگا پار کرانے پر رام کر لیتی ہے۔ وہ لورک کے ساتھ بھاگنے سے پہلے اپنے محل کی چھت سے، پہلے زیور اور ہیرے موتی نیچے ڈالتی ہے، اس کے بعد چھت سے ایک رسّے کے سہارے، جس کے آخری سرے کو لورک پکڑے ہوئے تھا، نیچے اترتی ہے اور پھر ساون کی اندھیری رات میں جبکہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی کالے لباس میں ملبوس مردانہ بھیس میں بھاگتی ہے۔ وہ مثنوی میں ہر جگہ ایک ذہین، معاملہ فہم، ہوشیار عورت کی شکل میں نظر آتی ہے، اسے خود بھی اپنے سیانہ پن کا احساس ہے، چنانچہ وہ مثنوی کے بند نمبر ۱۸۹ کے بیت نمبر ۲ میں کہتی ہے۔

ہَوں اَس بولئیوں چتر سیانی بَرَہا چھاڈیوں گَون اَیان

چاندا کو یہ ذہانت، یہ معاملہ فہمی اور یہ سیانہ پن، اپنی ماں پھولا رانی سے وراثۃً ملا تھا، جس کی بابت مُلّا داؤد نے کہا ہے۔

پاٹ مَہا دیو پھولا رانی سَبَے اَچیت وہ اَہَے سیانی (بند نمبر ۳۱ بیت نمبر ۳)

یہیں اس بات کا انکشاف بھی ضروری ہے کہ مُلا داؤد نے قسطاس الشباب کی بابت بکثرت، بالصراحت اور بے محابا بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ مقیاس الشباب کی موزونیت اور ان کی دلکشی، ان کی سیدھی، الٹی، ترچھی اور الجھی ہوئی رگوں کی رہین منت ہے، جن میں صحت مند، توانا اور جوان خون گردش کر رہا ہے۔

واضح ہو کہ مقیاس الشباب تبھی تک صحت مند، توانا، دلکش، دلربا، ابھرے ہوئے، سخت اور جاندار بنے رہتے ہیں جب تلک ان کی، رگوں میں صالح اور جوان خون گردش کرتا رہتا ہے۔

مثنوی کے بند نمبر ۳۶۵ میں علاوہ دیگر شعری محاسن، محاکات کا بھی عمدہ استعمال ہے۔ مکمل بیت لائق مطالعہ ہے، اس بند میں تلمیحات کا حسین استعمال بھی دیدنی ہے۔ جہاں تک اس مثنوی کے سیاق وسباق میں علم عروض کا سوال ہے، تو اس مثنوی کے ہر بند میں چھ ابیات ہیں۔ ہر بند کے قوافی جداگانہ ہیں۔ یہ مثنوی غیر مردّف ہے، ہر بند کے اوّلین پانچ ابیات کے ہر بیت میں آٹھ رکن ہیں اور چھٹے بیت میں ارکان کی تعداد بارہ ہے۔ اس مثنوی کی بحر، بحرِ متقارب ہے، جس کی بحر کے ارکان فعولن، فعولن، فعولن، فعولن دو بار ہیں۔ مثنوی چنداین میں زحافات کا بکثرت استعمال ہے۔ بحرِ متقارب کے چھ زحافات ہیں: (۱) قصر (۲) قبض (۳) حذف (۴) ثلم (۵) ثرم (۶) بتر۔ مثنوی کے چھٹے بند کی تقطیع حسب ذیل ہے۔

پرکھ پیکر سرجس اُجیارا نانوَ محمد جگَت پیارا
فعول فعلن فعلن فعلن فاع فعولن فعول فعلن

جِہہِ لگ سبَے پرِ تھمی سِری اَو تِہہ ناوَ موندی پھِری
فعولن فعل فعولن فعل فعولن فاع فعلن فعل

جہہِ جِبہا بہہُ ناوَ نہ لیجا بَر سِیرَ کاٹ اَگن مُکھ دیجا
فعولن فعل فاع فعولن فعلن فاع فعولن فعلن

دوسَر ٹھاوَ دَئی یوں کینھا بَچَن سُنائی، پَنتھ کے دینھا
فعلن فاع فعولن فعلن فعول فعلن فاع فعولن

تِہہِ مارگ جو چال سِرائی دُہُ مَہہِ گت پچھہِ بَڈائی
فعولن فعلن فاع فعولن فاع فعولن فاع فعولن

پاپ پُن کی تَری کال یوں بَرَے تُمھار
فاع فعلن فعل فعلن فعولن فاع

دَئی لکھا، سبھ ماگِھوَں دَھر ہَر کے ہَم بھار
فعول فعلن فعلن فعلن فعلن فاع

بطور جملہ ہائے معترضہ عرض ہے کہ راقم کے علمی کشکول میں جو بھی علمی، تحقیقی وتنقیدی سرمایہ ہے، وہ استاذی مولوی حافظ قاری محمود علی رحمۃ اللہ کا عطیہ ہے، لیکن اس کی علم عروض کی لیاقت تشنہ ہے۔ اس نے یہ علم موصوف سے صرف تین دنوں کے قلیل عرصہ میں حاصل کیا تھا۔ ان کے اسباق گھڑی گھنٹہ سے بے نیاز ہوتے تھے۔ راقم کو اس شعبہ میں ماہر علم عروض مخدومی ڈاکٹر اشفاق انجم (مالیگاؤں) کی قیادت حاصل ہے۔ مثنوی کے ابیات کی تقطیع میں بھی راقم کو موصوف کا تعاون حاصل تھا، جس کے لئے راقم موصوف کا منت کش ہے۔

راقم اپنے اس مقالہ کو مثنوی چنداین میں درآئے تسامحات کے تذکرے کے بعد، اختتام پذیر کردے گا۔ راقم کا اپنا یہ نظریہ ہے کہ لفظ و معنی کا رشتہ بہت قوی ہے اور دونوں اپنے وجود میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں: نہ کوئی لفظ بغیر معنی کے ذہن میں آتا ہے اور نہ ہی کوئی معنی بغیر لفظ کے وجود پذیر ہوتا ہے، حتیٰ کہ اُف اور اخ اخ کی آوازیں بھی اپنے معنوں کی غمازی کرتی ہیں، کھانسنے، کھکھارنے اور تھوکنے کی آوازیں بھی اپنے ما فیہا پر دلالت کرتی ہیں۔ راقم کو مثنوی چنداین میں فی الحال دو تسامحات نظر گزار ہوئے ہیں۔

ا۔مثنوی ہٰذا کے ساتویں بند کے تیسرے بیت کے مصرعہ ثانیہ میں کہا گیا ہے "چہ مُہہ پنچو اا وَ رَنہ سُنی"، واضح ہو کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ مبارکہ کے بعد چار نہیں پانچ خلفاء ہوئے ہیں۔مُلا داؤد نے خلفاء کی تعداد چار میں محصور کر دی ہے اور پانچویں خلیفہ کے وجود سے انکار کرتے ہوئے "پنچو اا وَ رَنہ سُنی" کہا ہے، جو کہ نادرست ہے۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خلفاء کی تعداد نہیں بتلائی بلکہ اپنی امت کو مدّتِ خلافت بتلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ **"الخلافة بعدی ثلثون سنة بعدها ملكاً عضوضا"** حضرت سفینہ سے مروی حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:**الخلافة، بعدی ثلثون سنة**۔ترجمہ: خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی۔

واضح ہو کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ۱۲؍ربیع الاوّل ۱۱ھ میں ہوا، اس لئے مدّت خلافت ۱۲؍ربیع الاوّل ۴۱ھ تک ممدود ہے۔واضح ہو کہ خلیفۂ پنجم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیرۂ ختم المرسلین کی مدّت خلافت ۵ ماہ ۲۱ دن ہے۔مدّت خلافت کا نقطۂ اختتام ۱۲؍ربیع الاوّل ۴۱ھ ہے اگر مدّت خلافت ختم نہ ہوئی ہوتی، تو آپ قطعاً دستبرداری نہ کرتے خواہ آپ کو شہید ہونا پڑتا۔لیکن چونکہ مدّت خلافت ۱۲؍ربیع الاوّل ۴۱ھ کو اختتام پذیر ہو گئی تھی اس لئے آپ نے ملوکیت سے دستبرداری کی پیشکش کر دی اور ۲۵؍ربیع الاوّل ۴۱ھ کو صلح نامہ پر اپنے دستخط ثبت فرمادیئے۔۱۳؍دنوں کی مدّت ملوکیت صلح، کی تیاریوں میں صرف ہوئی اور اس طرح آپ بالیقین پانچویں خلیفہ برحق ہیں اور یوں خلفاء کی تعداد پانچ ہے نہ کہ چار۔

مُلاّ داؤد کا یہ قول کہ خلفاء کی تعداد چار ہے نہ کہ پانچ، موصوف کا تسامح ہے۔مُلاّ داؤد کا دوسرا تسامح موصوف کی مثنوی کے نویں بند کے تیسرے بیت کے دوسرے مصرعہ میں در آیا ہے، جو بایں طور ہے "پایو لکھ نوا کھَر کارے" اس مصرع میں کلمہ شہادت میں نو اکھر بتلائے گئے ہیں، جبکہ مختصر ترین کلمہ شہادت میں نو اکھر ؍ اکچھر نہیں بلکہ نو شبد یعنی نو الفاظ ہیں کلمۂ شہادت کی مختصر ترین صورت حسب ذیل ہے:

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹

اشهد ان لا اله الّا الله محمد رسول الله

مُلاّ داؤد کا تیسرا تسامح یہ ہے کہ موصوف نے لورک و چاندا کے بھاگنے کا واقعہ ایک سال سے زائد کا بتلایا ہے (بند نمبر ۳۳۶ و ۳۴۲) جبکہ انہوں نے بند نمبر ۳۹۱ میں اس واقعے کا وقوع ایک سال سے کم کا بتلایا ہے یعنی پہلے بھاگنے کی مدّت ایک سال اور کئی ماہ بتلائی گئی ہے اور بعد میں یہ مدّت ایک سال سے کم بتلائی گئی ہے۔بند نمبر ۳۴۲ میں کہا گیا ہے "دوسَر سَمو آئی اَب لاگا" جبکہ بند نمبر ۳۳۶ میں "بَرَس دِوَس اَو

کیتک مانسا کینھا بھوگ بلاس'' کہا گیا ہے اور بند نمبر ۳۹۱ میں کہا گیا ہے ''بُر ہاں چاند آئی اب لاگا۔''

واضح ہو کہ مُلّا داؤد کی چنداین اردو اور ہندی کی پہلی تخلیق ہے مُلّا داؤد کے زمانہ میں ان دونوں زبانوں کے مابین بولی کے اعتبار سے کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں کے درمیان صرف اتنا فرق تھا کہ اسے اردو والے فارسی رسم الخط میں لکھتے تھے اور ہندی والے دیوناگری رسم الخط میں لکھتے تھے مُلّا داؤد نے خود اس کی زبان ہندکی اور اس کا رسم الخط ترکی یعنی فارسی بتلایا ہے (چنداین بند نمبر ۹ بیت نمبر ۴ مصرع ۲) مُلّا داؤد نے اس مثنوی میں عربی و فارسی لفظوں سے احتراز کیا ہے اور اگر انہیں استعمال کیا ہے تو ان کا تلفظ وہی رکھا ہے جو ہندوستان میں مروج تھا یعنی انہیں ان کی اصلی شکل (تت سم) میں نہیں بلکہ مروجہ مشکل (تدبھو) میں استعمال کیا ہے مثلاً فارسی کا ''باز'' لفظ اپنے اصلی شکل میں نہیں، بلکہ مروجہ صورت ''باج'' کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ اس مثنوی کے عنوانات فارسی زبان میں ہیں اور اس کا نام بھی بزبان فارسی ''گفتہ چنداین گفتار مولانا داؤد ڈلمئی'' ہے۔

مُلّا داؤد کی زبان اس وقت کی ملکی زبان ہندکی تھی، جو عام فہم اور خواص پسند زبان تھی۔ اسے ہندوستان کے عوام بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مُلّا داؤد کے حفد یعنی پوتے مخدوم شیخ تقی الدین محمد واعظ ربانی اس مثنوی کے اشعار کمال الدین فیروز شاہ تغلق کے قلعہ کی نزدیکی مسجد کے بالائے منبر سے پڑھتے تھے اگر یہ زبان ملک میں مروج ملک کی ملکی زبان نہ ہوتی تو نہ مخدوم تقی الدین واعظ ربانی اپنی تقریر میں اسے مسجد میں پڑھتے اور نہ مسجد کے سامعین اس کو سنتے اور نہ ان ابیات کے بارے میں ان سے استفسار کرتے۔

واضح ہو کہ مسجد میں ہر طبقے کے لوگ آتے ہیں۔ اس موقع پر یہ بات بھی اہم ہے کہ اس مثنوی کے ہنوز آٹھ نسخے دریافت ہوئے ہیں اور وہ سبھی فارسی و عربی رسم الخط میں ہیں، جن میں سے چار کا رسم الخط عربی اور چار کا فارسی ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی لائق ذکر ہے کہ مثنوی چنداین کا کوئی نسخہ دیوناگری رسم الخط میں نہیں ملا، جس کا اعتراف مثنوی چنداین کے ممتاز محقق ڈاکٹر پرمیشوری لال گپتا نے اپنی مددوّنہ چنداین کے وقیع دیباچہ میں ''پریچے'' کے تحت ''لپی'' رسم الخط کے زیریں عنوان کے ذیل میں صفحہ ۲۸ پر کیا ہے۔ اس نسخہ کا سن اشاعت ۱۹۶۳ء ہے۔

راقم نے اردو میں اس مثنوی کا تعارف اپنے پی۔ ایچ ڈی کے مقالہ کی ترتیب کے دوران ۱۹۷۷ء میں کیا تھا جس کا سن اشاعت ۱۹۹۲ء ہے یہ تعارف اردو شاعری میں نعت کی جلد اوّل کے باب اوّل میں اردو کا پہلا شاعر۔ پہلا نعت گو مُلّا داؤد کے عنوان کے تحت مندرج ہے۔ یہیں پر اس

حقیقت کا اعتراف بھی لازمی ہے کہ چنداین کا سب سے پہلا تعارف ۱۹۲۸ء میں مصر بندھو نے مصر بندھو ونود میں پیش کیا تھا۔ واضح ہو کہ مصر بندھو نے اس کو نایاب بتلایا تھا، بعدہٗ اس کا باقاعدہ تعارف ڈاکٹر پرشورام چترویدی نے ۱۹۵۶ء میں اپنی تخلیق ’’بھارتیہ پریم رچنا کی پرمپرا‘‘ میں پیش کیا ہے اور چنداین کے ایک نسخہ کی راجستھان میں زیارت کے شرف کی بات بھی کی ہے۔ تب سے ہندی ادب کی تاریخ کے مورخین اس کا تذکرہ علی سبیل التوالی والتعاقب کرتے چلے آرہے ہیں۔ ڈاکٹر نگیندر اور ڈاکٹر ہردیال نے ’’ہندی ساہتیہ کا اتہاس‘‘ سن اشاعت ۲۰۱۴ء میں متعدد مقامات پر مُلّا داؤد اور چنداین کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ اردو ادب کے علماء اور مورخین اب بھی اس سے کما حقہ متعارف نہیں ہیں۔ ابھی حال میں پروفیسر وہاب اشرفی کی کتاب اردو ادب کی تاریخ پر بعنوان ’’تاریخ ادب اردو‘‘ (ابتدا سے ۲۰۰۰ء تک) چار جلدوں پر مشتمل ۲۰۱۷ء میں منظر عام پر آئی، لیکن اس میں بھی نہ مُلّا داؤد کا نام ہے اور نہ چنداین کا۔ اس سلسلہ میں اردو ادب اور اس کے مقتدر محققین و ناقدین نیز تاریخ ادب اردو کے مورخین، ہندی ادب اور اس کے عالی قدر مورخین کے رہین منّت ہیں گو کہ ہندی ادب کے محققین کے یہاں فارسی زبان و ادب سے ناواقفیت کی بنا پر متعدد اغلاط درآئے ہیں مثلاً ڈاکٹر پرمیشوری لال گپتا اس حقیقت سے ناآگاہی کی بنا پر کہ اس مثنوی کے چھ ابیات میں سے پہلے پانچ ابیات میں آٹھ ارکان اور چھٹے بیت میں بارہ ارکان ہیں اور یہ کہ مُلّا داؤد نے اس کی بحر، بحر متقارب میں بہت زیادہ زحافات استعمال کئے ہیں اور یہ کہ مثنوی کے ہر بیت کے دونوں مصرعہ ہم قافیہ ہوتے ہیں، اپنی مدونہ مثنوی میں چھٹے بیت کے ہر مصرعہ کے دونوں ٹکڑوں کو ایک ایک بیت سمجھ بیٹھے اور اس طرح انہوں نے مثنوی کے ہر بند میں سات ابیات سمجھ کر پوری مثنوی مدون کر ڈالی لیکن ان سب کے باوجود ہندی والوں نے اس مثنوی پر جتنا کام کیا ہے، وہ قابلِ قدر ہے۔ ان کا چنداین سے متعلق یہ کام بمقابلہ عالمانِ اردو کمیتاً زیادہ ہے اور قابلِ قدر ہے۔ ہندوستان میں ہندی ادب پر پہلی پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ڈاکٹر پیتامبر دتّ ورما نے ۱۹۳۶ء میں اخذ کی تھی۔ اس مقالے کا عنوان ’’دی نرگڑ واد اسکول آف ہندی پوئٹری‘‘ تھا۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کے اس مقالے میں مُلّا داؤد اور ان کی مثنوی کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ ایک مصدّقہ حقیقت ہے کہ چنداین کے سیاق وسباق میں ہندی والوں کو اردو والوں پر تقدم زمانی حاصل ہے۔

☆☆☆

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

امام بوصیری کی نعتیہ شاعری

(دو قصیدوں کی روشنی میں)

شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن سعید البوصیری (۶۰۸-۶۹۶ھ/۱۲۱۲-۱۲۹۶ء) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، علوم وفنون کے مختلف میدانوں میں آپ کی نمایاں حیثیت تھی۔ نعت، ادب، تاریخ، سیرت، تقابل ادیان اور تصوف کا آپ نے دقت نظری سے مطالعہ کیا تھا۔ ان تمام اوصاف کے ساتھ قرآن کریم اور احادیث کے مختلف نکات پر آپ کی گہری نگاہ تھی۔ ان تمام پہلوؤں کے عکوس آپ کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ صحف آسمانی کا آپ نے بڑے توقف سے مطالعہ کیا تھا۔ ان کتب سماویہ کی تحریفات پر آپ نے اپنی شاعری میں جگہ جگہ تنقید کی ہے۔ اس کے علاوہ ایک خاص بات یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے بہت سے مزعومات اور بے بنیاد خیالات کی انہی کی کتابوں سے تردید کی ہے۔ نیز یہ ثابت کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور کا واضح الفاظ میں صحف سماویہ میں ذکر ہے۔ نظریۂ تثلیث پر بھی بوصیری نے تنقید کی ہے۔ قیصر کی ناکامیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اصحاب الفیل کی ناروائیوں کو لائق التفات بنایا ہے۔ سراقہ کی زیادتیوں کی بھی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ دائی حلیمہ سعدیہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رضاعی بہن شیما، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ازواج مطہرات اور آل بیت کے مختلف اوصاف وکمالات کو آپ نے لائق اعتناء قرار دیا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری میں نعت سے متعلقہ بہت سے مباحث آگئے ہیں۔ ان کے تعلق سے بوصیری نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں نعت کا وسیع کینوس ہے، نعت محض شمائل النبی پر مبنی نہیں ہے۔ ایک خاص بات بوصیری کی یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کریم میں موجود نعتیہ مباحث سے خاصا استفادہ کیا ہے۔ جس کی وجہ سے نعت میں انھیں ایک خصوصی مرتبت حاصل ہے۔

بوصیری نے نعتیہ شاعری کے علاوہ بہت سے دیگر خلفاء اور امراء کی بھی ستائش کی ہے۔ آپ کی

شہرت مدام کا اصل سبب آپ کی نعتیہ شاعری بالخصوص آپ کا قصیدہ بردہ ہے جس کا مطلع "**أمن تذکر جیران بذی سلم**" ہے اس قصیدے نے آپ کے امتیاز و اعتبار میں اضافہ کیا۔ یہ قصیدہ بوصیری نے بحالت مرض منظوم کیا، جس کی برکت سے آپ کو شفا ملی۔ اس کی دوسری بڑی برکت یہ ہے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں آئے۔ نعتیہ شاعری کے چند بڑے ناموں کو ترتیب دیا جائے تو بوصیری اس قطار کے سرخیلوں میں آئیں گے۔ اس کا شعر ملاحظہ ہو۔

کأنما اللؤلؤ المکنون فی صدف من معدنی منطق منه ومبتسم

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گفتگو اور مسکراہٹوں کی کانوں سے گویا صدف میں مخفی موتیوں کا ظہور ہوتا ہے۔)

نعتیہ شاعری اسی وقت ممتاز بنتی ہے جب شاعر کا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قلبی تعلق ہو۔ اس کے جذبات واحساسات اس کے شرائین اور سروں میں شامل ہوں۔ بوصیری کی نعتیہ اشعار سے ایسی خوشبو اٹھتی ہے کہ جس سے ان کے حب رسول کے سیلان و فیضان کا اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص اور امتیازات کو ایسے ڈھنگ سے بیان کیا ہے کہ جس کے سبب نعت گوئی میں انھیں ایک اختصاص وانفراد حاصل ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب شاعر کے یہاں صداقت ہو، صداقت تو شاعری کی روح ہے۔ یہی شاعر کے اندر تحریک پیدا کرتی ہے اور اس کے احساسات ایسے الفاظ میں بس جاتے ہیں جن کے تعلق سے شاعر کے وجدان ومیلان کا پتا لگتا ہے۔ بوصیری کے ذہن وفکر کا بنیادی حصہ حب رسول ہے۔ اسی حب رسول میں جب وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا ذکر کرتے ہیں، ان کے اطراف واکناف پر اظہار خیال کرتے ہیں اور ان کے اشجار واحجار کی تصویر کشی کرتے ہیں تو اس وقت بوصیری کا اندرونی فیضان ابلتا ہوا نیز ان کا حب رسول نکھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ نعتیہ قصائد میں بوقتِ استغاثہ، التماس والتجا کرتے ہوئے اور اپنی تقصیرات کا اعتراف کرتے ہوئے وہ مجموعہ اضطرابات نظر آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا بار بار ذکر اور اپنی امیدوں کا اعادہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملتمس ہیں۔ اپنی نعتیہ شاعری میں غزوات وسراپا کا بھی ذکر لاتے ہیں جو نعتیہ شاعری کا اساسی نکتہ ہے۔ محترمہ ڈاکٹر رؤوفہ اقبال کی کتاب اس موضوع پر لائق مطالعہ ہے۔ علامہ شبلی کی سیرۃ النبی میں غزوات کا بالتفصیل ذکر ہے۔ ''ذبیح کون ہے؟'' اس کا بھی علمی انداز میں اپنی نعتیہ شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ یہ واضح رہے کہ اگر ذبیح کے تعین میں غلطی ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب کے سلسلے میں بھی بڑی غلطی ہوگی۔

معراج کا کئی بار ذکر آیا ہے۔اس تعلق سے قرآنی نقطہ نظر پر انحصار کیا گیا ہے۔معجزات پر خاصی توجہ دی ہے۔جس کی وجہ سے آپ کی نعتیہ شاعری متاثر ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔کیوں کہ معجزات سے متعلق بہت سی روایات نا قابل اعتبار ہیں۔عرب شعراء کا یہ خصوصی میدان رہا ہے۔بہت سے معجزات استناد پر نہیں اترتے۔اردو شاعری میں معجزات کا ذکر نہیں کے برابر ہے۔بلکہ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ موضوعات اور تقدیم کے اعتبار سے اردو نعت گو شعراء کو عرب نعت گو شعراء پر تفوق حاصل ہے۔

یہاں بوصیری کی ایک شناخت کو زیر تحریر لانا ضروری ہے کہ اپنے ایک نعتیہ قصیدہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔دیکھنے کے بعد ان کے مطالبات، تقاضے اور پیش کش کے انداز کیا ہوں گے؟ ان نکات پر بوصیری نے توجہ برتی ہے۔پوری نعتیہ شاعری میں یہ ایک نیا رجحان ہے۔بوقت زیارت مسائل ومصائب کی پیش کش کا ایک اچھوتا اسلوب ہے۔اپنی دردمندیوں اور آنسوؤں کے پوچھنے کا نرا ڈھنگ ہے۔کس کس طرح سے اپنی احتیاجات کو لفظوں میں پروتا ہے اور اپنی امیدوں کو برلانے کے لیے نئے ارض وسماء کی تخلیق کرتا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملتجی ہیں کہ میں حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن کر آپ کی ستائش کا خواست گار ہوں۔میں خطیب بن کر متلاطم موجوں کی مانند آپ کی مدح سرائی کے لیے مضطرب ہوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ وضاحت بھی کرنے کے لیے بے قرار ہوں کہ یہ دل ناصبور آپکی محبت میں دھڑکتا اور اچھلتا ہے۔اپنی معروضات کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور گویا ہیں کہ کیا میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کا امیدوار نہ رہوں؟

اس تحریر میں دو قصیدے کی روشنی میں بوصیری کی نعتیہ شاعری پر گفتگو کی جائے گی۔ان قصائد میں سیرت مقدسہ کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بحث بناتے ہوئے بہت سے متعلقہ مباحث بھی چھیڑے گئے ہیں۔ایک خاص بات ان نعتیہ قصائد میں یہ ہے کہ قرآن کریم کی صداقت، دیانت اور حفاظت پر قابل قدر گفتگو کی گئی ہے۔بوصیری نے قرآن کریم کے تحفظ اور صحف آسمانی کی تحریفات پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے۔قرآن کریم کی لسانیات پر بھی ارتکاز ہے۔ان قصائد سے مترشح ہے کہ قرآنیات کا آپ نے خاصا مطالعہ کیا تھا۔بوصیری کی شخصیت علم وفضل کے اعتبار سے ایک موسوعہ ہے۔بوصیری نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسل کے اوصاف مبارکہ کا اس طرح ذکر کیا ہے۔ے

انت مصباح كل فضل فما تصـ   در الا عــن ضــوئك الأضــواء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فضل کے چراغ روشن ہیں۔آپ کی روشنی سے روشنیاں ہی پھیلتی ہیں)

تتباھی بك العصور وتسمو		بك علياء بعدھا علياء

(زمانے آپ کی وجہ سے نازاں ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بلندیوں کے بعد بلندیاں ہی منظر عام پر آتی ہیں۔)

نسب تحسب العلاء بحلاهٗ		قلدتها نجومها الجوزاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیور نسب کے سبب رفعت ظہور پذیر ہوئی، جس طرح جوزاء نے ستاروں کی گردن کو زیورات سے آراستہ کیا۔)

حبذا عند سؤدد وفخار		انت فيه اليتيمة العصماء

(افتخار وسیادت کے ہاروں کو کیا کہنا، رہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ان میں پاکیزہ درِ نایاب کی مانند ہیں۔)

ومحيا كالشمس منك مضيئ		اسفرت عنه ليلة غراء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ روشن ہی سے سورج روشن ہے، جس سے شب دیجور بھی منور ہے۔)

ليلة المولد الذی كان للد		ين سرور بيومه وازدھار

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شبِ ولادت دین اسلام کے لیے باعث مسرت اور وجہ افتخار تھی اور نہارِ ولادت کے سبب (چاردانگ عالم میں) ایک ترنگ تھی۔)

وكواكب بشرى الھواتف ان قد		ولد المصطفى او حق الھناء

(صدائے غیب سے پیہم خوش خبریاں چلی آرہی ہیں کہ رسول مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہو چکی ہے یا خوش بختی کا ظہور ہو چکا ہے۔)

مذکورہ اشعار کی روشنی میں بغیر کسی تردد کے کہا جاسکتا ہے کہ بوصیری کا نعتیہ کلام درجہ استناد پر فائز ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس، اوصاف مقدسہ اور ولادت باسعادت کی تصویر کشی میں انھیں کمال حاصل ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی سیادت وقیادت میں یکتائے روزگار ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعضاء جسمانی اور اوصاف روحانی دونوں جہتوں سے بے مثال ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت سے زمانے کی نا روائیاں، بیکسوں پر ہونے والے مظالم، رسومات غلامی کا خاتمہ ہوا، ہر طرف امن وعافیت کا دور دورہ ہوا۔ان تمام مباحث کو بوصیری نے اپنے مخصوص انداز میں قلم بند کیا ہے۔شرک وکفر اور ظلم وتشدد کا اختتام کس طرح ہوا، اسے بوصیری نے یوں پیش کیا ہے۔ ؎

وتداعی أیوان کسری ولولا آیة منك ما تداعی البناء

(اور ایوان کسریٰ کی دیواریں پاش پاش ہوگئیں، اور اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور نہ ہوتا تو یہ دیواریں ریزہ ریزہ نہ ہوتیں۔)

وغدا کل بیت نار وفیه کربة من خمودها وبلاء

(ہر گھر میں جلنے والی آگ بجھ گئی اور اس کے سرد پڑ جانے کی وجہ سے وہاں کرب ودرد کا بسیرا ہوگیا)

وعیون للفرس غارت فهل کا ن لنیرانهم بها اطفاء

(اور فارسیوں کے چشمے ابل پڑے، تو کیا اس سے ان آگوں کا بجھانا مقصود تھا۔)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارک سے ان تمام ادیان باطلہ کا زوال ہوا، جہاں توحید کے برعکس شرک کا بازار گرم تھا۔ اللہ کی عظمت ورفعت کے بدون معبودان باطل کی پرستش کی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور سے مخالفین توحید کی سرگرمیاں ناپید ہوگئیں۔ انھوں نے اپنی تمام کوششیں کر ڈالیں تا کہ دین اسلام دب جائے لیکن یہ سب رائیگاں گئیں۔ عہد حاضر میں اگر سیرت مقدسہ کا سہارا لیا جائے تو کفر وشرک کی تمام زور آزمائیاں اوندھے منھ گر جائیں گی۔ سیرت مقدسہ ایک ایسا موثر ہتھیار ہے جس سے تمام مسموم ہتھیاروں کو کند بنایا جا سکتا ہے۔ اس قصیدے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے انھیں ایسا شرف نصیب ہوا کہ دنیا کی تمام عورتوں میں آپ کی ممتاز حیثیت بن گئی۔ اس قصیدے میں دائی حلیمہ سعدیہ بھی موضوع بحث ہیں۔ جن کے کردار اور عز ووقار کو دنیا فراموش نہیں کر سکتی ہے۔ جب تمام دائیوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یتیمی کے سبب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لینے سے انکار کر دیا تو دائی حلیمہ سعدیہ نے اپنی خدمات آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعت کے لیے پیش کر دیا، یہ رضاعت ان کے لیے دنیا ومافیہا سے بڑھ کر ہے۔ یہی رضاعت ان کی آخرت کا زادِ سفر بھی ہے۔ بوصیری نے ان کے اس وقار کو اس میں قلم بند کیا ہے۔ ؎

اخصب العیش عندها بعد محل اذ غدا للنبی منها غذاء

(ان کے یہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزول کی وجہ سے زندگی رنگا رنگ ہوگئی۔ قحط زدگی کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب سیراب ہوئے۔ ؎

یا الهامنة لقد ضوعف الأج رعلیها من جنسها والجزاء

(کیا ہی وہ مخصوص نعمت سے سرفراز ہوئیں، اجر دوگنا ہوگیا، ایک تو ان کے دودھ میں کثرت اور

دوسرے ان کی اجرت۔)

وإذا سخر الالہ أناسا لسعید فإنهم سعداء

(اور جب اللہ نے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوگوں کو عطا کر دیا تو ان کی وجہ سے وہ اقبال مند ہو گئے)

حبة انبتت سنابل والعصف لدیہ یستشرف الضعفاء

(ایک دانے سے بے شمار بالیاں اور پتے لہلہانے لگے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جناب سے غرباء شرف یاب ہوئے۔)

مذکورہ اشعار سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منزلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے جو بھی وابستہ ہوا اسے دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی ملے گی۔ دائی حلیمہ سعدیہ تاریخ کا بلکہ تاریخ اسلام کا ایک روشن باب بن گئیں۔ اگر یہ شرف وفضل ان کے دامنِ دل سے وابستہ نہ ہوتا تو آج ان کا نام لینے والا کوئی نہ ہوتا۔ تاریخ نے انھیں شہرت مدام سے وابستہ کر دیا۔ یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو دنیا کے تمام اعزازات پر فوقیت کا حامل ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد خود کو اس اعزاز سے سرفراز کرے۔ اس اعزاز کے بغیر دنیا کے تمام اعزازات سے ہم محروم رہیں گے۔ اس قصیدے میں حضرت خدیجہ کا بھی ذکر ہے جنھوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں اہم کردار ادا کیا اسی کو قرآن کریم میں "وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى" (اور تجھے نادار پا کر تونگر بنادیا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ثناخوانی کے لیے مؤرخین اسلام پابند قلم وقرطاس ہیں۔ یہ سب اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکات ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقدیس یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ اشاعت اسلام میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

ورأتہ خدیجة والتقی والزھد فیہ سجیة والحیاء

(حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کی ذات اقدس تقوی، سادگی اور حیاء کا مجموعہ ہے)

وأراھا ان الغمامة والسرح اظلتہ منهما افیاء

(حضرت خدیجہ کو معلوم ہوا کہ بادل اور بڑے درختوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گھنا سایہ کر رکھا ہے۔)

واحادیث ان وعد رسول اللہ بالبعث حان منہ الوفاء

(اور یہ بات بھی انھیں معلوم ہوئی کہ روانہ کرتے وقت جو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعدہ کیا تھا اسے وفا کیا۔)

فاستبانت خديجة انه الكنز الذى حاولته والكيمياء

(پس حضرت خدیجہ کو بخوبی اندازہ ہوگیا کہ یہ وہی خزینہ اور نسخۂ کیمیا ہے جس کی میں متلاشی تھی)

بوصیری کا یہ خیال مبنی برحقیقت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت ایک معمور خزانہ تھی، جہاں حکمت و دانائی کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک ایسی کائنات سے ہم کنار ہوئیں جہاں زندگی کا ہر سامان تھا۔ سب سے بڑی بات تو یہ کہ انھیں دنیائے سکون واطمینان میسر تھی۔ ذہنی وفکری سکون کی کوئی قیمت نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ملنے سے سکون قلب ملا۔ متاعِ زیست ملی اور ایک صالح فکر وفلسفہ کی کتاب ملی۔ مادیت بہتی ہے لیکن طمانیتِ قلب مشکل سے ملتی ہے۔ دربار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں یہ تمام چیزیں فراواں تھیں۔ بوصیری نے واقعہ ہجرت کو یوں منظوم کیا۔ ے

ونحا المصطفى المدينة واشتاقت اليه من مكة الأنحاء

(اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا رخ کیا لیکن اطراف مکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے باعث اشتیاق ہوئے۔)

وتغنت بمدحه الجن حتى طرب الانس منه ذاك الغناء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح میں جن نغمہ سرا ہیں۔ اس نغمہ سرائی نے انسانوں کو مدہوش کردیا)

بوصیری نے معراج کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ معراج کے تعلق سے مختلف قسم کی آرا سے واقف تھے۔ ان اشعار سے پتا چلتا ہے کہ وہ جسمانی معراج کے قائل تھے۔ قرآن کریم سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ سرسید نے بھی اپنے مقالات میں ایک طویل مقالہ یہ ثابت کرنے کے لیے تحریر کیا کہ معراج روحانی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ صادق الرافعی نے آیات قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ معراج جسمانی ہوئی تھی۔ خاکسار کا خیال ہے کہ معراج کا ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے لیکن جسمانی اور روحانی کا مسئلہ ہمارے عقیدے کا حصہ نہیں ہے۔ اس لیے اس پر توانائی صرف کرنا سعی لاحاصل کے سوا کچھ اور نہیں۔ ے

فطوى الأرض سائراً والسموات العلا فوقها له اسراء

(ساری زمین اور بلند وبالا آسمانوں کو لپیٹ دیا گیا کیوں کہ ان سے اوپر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کو معراج کرائی جارہی تھی۔)

فصف اللیلة التی کان للمختا ر فیھا علی البراق استواء

(اے بوصیری! تم اس رات کی تعریف کرو جس میں رسول مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق میں بٹھایا گیا۔)

وترقی بہ الی قاب قوسی نِ وتلك السیادة النعساء

(اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم براق پر بیٹھ کر قاب قوسین تک گئے اور یہ ایک انتہائی بلند ترین سیادت کی علامت ہے۔)

رتب تسقط ا لامانی حسری دونھا ماورائھن وراء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان رتبوں سے نوازا گیا جہاں خواہشات حسرت بن کر دم توڑ دیتی ہیں جن کے ماوراء خواہشات ہی خواہشات ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے واقعہ اسراء کے ذریعہ ایک ایسی بلندی سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشرف کیا جو کسی اور نبی اور رسول کو حاصل نہیں ہے جس کی خصوصیت کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ الاسراء اسی واقعہ سے منسوب ہے۔ مختلف آسمانوں پر انبیاء کرام سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقاتیں رہیں۔ سدرة المنتہیٰ پر وحی کے ذریعہ نمازوں اور دیگر چیزوں کے متعلق ہدایات دی گئیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مکہ سے القدس کی مسافت چالیس دن کی ہے اسی مناسبت سے بیت القدس کو مسجد اقصیٰ کہا گیا ہے۔ بہرکیف یہاں ''اسریٰ'' کہہ کر یہ بتانا مقصود ہے کہ چالیس راتوں کا یہ سفر رات کے ایک قلیل حصہ میں طے ہوگیا اس سفر کا ایک بنیادی مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آسمانی کرشمہ سازیوں کا مشاہدہ کرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا دائرہ وسیع کرتا گیا۔ اسی توسیع وترسیل کا ذکر بوصیری نے یوں کیا ہے۔

استجابت لہ بنصر و فتح بعد ذلك الخضراء والغبراء

(زمین وآسمان کا سفر طے کرنے کے بعد فتح ونصرت کے ذریعہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا مستجاب ہوئی۔)

واطاعت لامرہ العرب العر باء والجاھلیة الجھلاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملہ کے حضور بذوق عرب اور عصر جاہلی کے جہلاء سرفگندہ ہوگئے)

وتوالت للمصطفی الآ یة الکب ری علیھم والغارة الشعواء

(حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم نشانی اور (شجر رسالت) کی دراز شاخیں عربوں پر مستقل لہلہاتی رہیں (یعنی ہر دلیل ثابت ہوئی۔)

فاذا ما تلاکتاباً من اللہ قلتہ کتیبة خضراء

(جب کتاب الٰہی میں سے تلاوت کا آغاز کیا تو گھڑسوار دستے نے بھی اس کی تلاوت شروع کردی)

مذکورہ اشعار کے تناظر میں یہ وضاحت مقصود ہے کہ دین اسلام میں ایسی طاقت اور رسالت میں ایسی تاثیر ہے کہ جس کی وجہ سے سخت ترین عربوں اور جاہلی اقدار میں ڈوبے لوگوں کے دلوں میں انشراح پیدا ہوا۔ یہ قلبی گداختگی دن بہ دن اپنے اثرات دکھاتی گئی۔قرآن کریم میں بطور احسان عربوں کو بتایا گیا کہ "**الف بین قلوبکم**"یعنی اس نے ان کے دلوں سے شدت وحدت کو نکال کر انھیں الفت ومحبت سے مملو کردیا۔ وہ عرب جو اپنے افتخار واظہار کے سامنے کسی کو خاطر میں لانا ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسانیت کے دھاگوں میں ان بے رحم اور سنگ دل عربوں کو پرودیا۔ یہ نوشتۂ مصطفیٰ انسانیت کے لیے ایسا رول ماڈل ہے جس کی مثال تاقیامت پیش نہیں کی جاسکتی۔اسی قصیدے میں بوصیری نے بہت سے دشمنانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی تصویر کشی کی ہے جنھوں نے اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی کوشش کی تھی۔

فدھی الاسود بن مطلب أی عمی میت بہ الأحیاء

(اسود بن مطلب کو ایسی مصیبت پہنچی کہ زندہ رہتے ہوئے وہ ایک اندھی میت بن گیا۔)

ودھی الأسود بن عبد یغوث إن سقاہ کاس الردی استسقاء

(اسود بن عبدیغوث پر مصیبت اس طرح نازل ہوئی کہ جب اس نے پیاس بجھانے کے لیے پانی طلب کیا تو یہی چیز اس کے لیے ہلاکت خیزی کا سبب بن گئی۔)

واصاب الولید خدشة سھم قصرت عنھا الحیة الرقطاء

(ولید بن مغیرہ کو زہر کی ایسی خراش لگی کہ جس سے سانپ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے)

وقضت شوکة علی مھجة العا صی فللہ النقعة الشوکاء

(گنہگار کے دل پر موت کا ڈنگ لگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے موت اور ہلاکت کا یہ ڈنگ ہے۔ یہاں عاص بن وائل کی موت مراد ہے۔)

وعلا الحارث القیوح وقد سا ل بھا رأسہ وساء الوعاء

(حارث کے سر میں ایسی پیپ بھرگئی کہ جس سے اس کا سر بہنے لگا اور یادداشت متاثر ہوگئی۔)

خــمسة طهـرت بـقـطـعهـم الار ضُ فــكف الأذى بهـــم شـــلاء

(مذکورہ پانچوں کی موت سے زمین کی پاکیزگی مقصود تھی، پس اذیت دینے والی ہتھیلیاں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔)

مذکورہ اشعار کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بوصیری کی دشمنانِ اسلام پر نظر تھی۔ وہ ان کی سازشوں، عیاریوں اور مکاریوں سے خوب واقف تھے۔ ان کی شاطرانہ چالیں ان کی نگاہ میں تھیں۔ ان تمام معلومات کی بنیاد پر نعتیہ شاعری کی گرہوں کو کھولا جاسکتا ہے۔ علامہ شبلی کی سیرت النبی میں سیرت کا ایک وسیع تصور پیش کیا گیا ہے۔ یہی وسعت بوصیری کی شاعری میں بھی موجود ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامعیت وشاملیت کی تقدیم اسی وقت ممکن ہے جب اطرافِ رسالت کا مطالعہ کیا گیا ہو۔ سرسید نے ''خطبات احمدیہ'' میں اسی مطالعہ سیرت کا آغاز کیا تھا۔ شبلی اور سید سلیمان ندوی نے اس اندازِ تحقیق کو بلندیوں سے ہم کنار کیا۔ تاریخ عرب، تاریخ اسلام اور شمائل النبی کے بغیر نہ تو سیرت ترتیب دی جاسکتی ہے اور نہ ہی نعتیہ شاعری کو درجۂ استناد پر فائز کیا جاسکتا ہے۔ اس مضمون میں ابولہب کی بیوی کا بھی ذکر ہے جس کی رسالت کے تئیں عداوت شباب پر تھی۔

واعـدّت حـمـالة الـحـطب القهر وجـاءت كـأنهـا الـورقـاء

(لکڑیاں ڈھونے والی (ابولہب کی بیوی) نے مٹھی بھر کنکریاں اکٹھا کیں، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پھینکنے کے لیے آئی، گویا کبوتری ہو۔)

یہاں بوصیری نے ابولہب کی بیوی کے لیے ''کبوتری'' کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ اس کے حسن وجمال کی طرف اشارہ کیا جاسکے۔ سورہ تبت کے الفاظ اس کے حسن کے غماز ہیں۔ ''فی جیدھا حبل من مسد'' میں لفظ ''جید'' اس کی خوبصورتی پر دال ہے۔ ''جید'' ایسی گردن کو کہتے ہیں جو لمبی ہو۔ اردو میں جید کی ترجمانی ''صراحی'' جیسی گردن سے ہوتی ہے۔ ابولہب کی بیوی خانہ کعبہ پر آنے والے پیسوں سے اپنے لیے خوب زیورات بناتی تھی۔ انھیں پہن کر مٹک مٹک کر چلتی تھی۔ خاکسار نے اپنے ایک مضمون میں ان تمام زاویوں کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں خوبروئی میں یکتائے روزگار تھے۔ سورہ تبت ان کے حسن اور رسالت کے تئیں ان کے عناد دونوں پہلوؤں کو بیان کرتی ہے۔ بوصیری قرآن کریم کے رموز سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس کی مفسدانہ ومعاندانہ ذہنیت کی ترجمانی بوصیری نے یوں کی ہے۔

يوم جائت غضبى تقول أفى مثلى مـن أحـمـد يـقــال الهـجــاء

(ایک دن غضبناک ہوتے ہوئے یہ کہہ رہی تھی کہ کیا کوئی احمد کی ہجو کرنے میں میرے برابر ہے)

وتولت وماورائه ومن أين　　　تری الشمس مقلة عمياء

(اور وہ (کبروغرور کے سبب) پیچھے مڑ گئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اندھی دیدہ والا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیسے دیدار کرسکتا ہے۔)

مذکورہ تین اشعار میں بوصیری نے ابولہب کی بیوی کی حقیقت بیان کی ہے۔ یہ تو آ چکا ہے کہ سورہ تبت ابولہب اور اس کی بیوی کی ذہنیت اور ان کی ذلت ورسوائی کو بیان کرنے کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ یہ سورہ بوصیری کی نگاہ میں ہے اسی لیے اس کی بیوی کی تصویرکشی کے لیے قرآنی اصطلاح ''حمالۃ'' استعمال کی گئی ہے اور استعارتاً اسے فکری اندھا بتایا گیا ہے۔ مولانا حمیدالدین فراہی نے اپنی تفسیر ''نظام القرآن'' میں اس پوری سورہ کی ایک منفرد تفسیر بیان کی ہے۔ یہ تفسیری انداز مفسرین کے یہاں نہیں ملتا۔ مولانا فراہی نے رسوائے زمانہ میاں بیوی کی اچھی تصویرکشی کی ہے کہ اس نے طریق رسالت کو روکنے کے لیے اپنی تمام طاقت کو جھونک دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکریم انسانیت کے لیے طرح طرح کے اقدامات کیے۔ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ مثالی ترحم فرمایا جس کی طرف بوصیری نے یوں اشارہ کیا ہے۔

واتی السبی فيه اخت رضاع　　　وضع الكفر قد رها والسباء

(اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس قیدی آئے جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعی بہن بھی تھیں۔ کفر نے اس کی توقیر کا پاس ولحاظ نہ کیا اور قیدی بنوا دیا۔)

فحياها براً توهمت الناس　　　به إنما السباء هداء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کرادیا، عامۃ الناس نے اسے کارخیر قرار دیا کہ یہ ان کی قید سے رہائی بلکہ ایسے ہی ہے جیسے دولہن، دولہا کے گھر جاتی ہے۔)

بسط المصطفى لها من رداء　　　أی فضل حواه ذاك البرداء

(حضرت محمد مصطفیٰ صل اللہ تعالیٰ علیہ وسم نے ان کے لیے چادر مبارک بچھائی، کیا ہی یہ فضیلت ہے کہ جس سے انھیں سرفراز کیا گیا، یہی وہ چادر ہے جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ڈھانپنے کا اعزاز حاصل ہے)

فغدت فيه وهی سيدة النسب　　　وة والسيدات فيه إماء

(اس چادر میں لپٹ کر وہ تمام عورتوں کی سردار بن گئیں اور تمام سردار خواتین اس میں ان کی

باندیاں بن گئیں۔)

مذکورہ اشعار سے دو چیزیں منظر عام پر آتی ہیں ایک تو دربار رسالت میں تمام بنی نوع انسان کو یکساں وقار حاصل تھا۔محسن انسانیت کے نزدیک انسانوں میں تفاوت نہیں۔اسلام نسلی یا منصبی امتیاز کا مخالف ہے۔عقاد نے حضرت بلال پر اپنی کتاب ''داعی السماء: بلال بن رباح-مؤذن الرسول'' (دارسعید،مصر للطباعۃ والنشر ،۱۹۴۵ء) ترتیب دیتے ہوئے یہ مدلل صراحت کی ہے کہ اسلام نسلی تفوق کا شدید ترین مخالف ہے۔اس کتاب کے ۷۰صفحات اس بات پر مشتمل ہیں کہ مغرب نے نسلی امتیاز کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔آج بھی گورے اور کالوں کا مسئلہ مغرب میں موضوع بحث بنا ہوا ہے۔عقاد نے اس کتاب میں مغرب اسکالرز سے استفادہ کیا ہے اور اسلام کا صحیح نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ان صفحات سے عقاد کی دانشوری جھلکتی ہے۔اس کتاب پر خاکسار کا ایک مضمون مجلّہ ''فکر ونظر'' میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔عباس محمود العقاد کی یہ کتاب انفرادیت کی حامل ہے۔قرآن کریم میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ جو انسانوں کو اللہ نے مختلف قبائل اور انساب میں تقسیم کیا ہے تو محض تعارف کے لیے نہ کہ تفاخر کے لیے۔انسانوں کی عظمت وذلت کا انحصار اس کے تعبد وتدین پر ہے۔جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ "**اکرمکم عنداللہ اتقکم**"کہ اللہ کے نزدیک سب سے مکرم وہ انسان ہے جو تم لوگوں میں سب سے متقی ہو۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں نسلی امتیاز پر مکمل طور سے تیشہ زنی کی ہے۔ہندو دھرم کی بنیاد حسب ونسب کی بنیاد پر ہے۔جس پر بابا صاحب امبیڈکر کی کتاب ''شودر کون تھے'' میں مدلل گفتگو کی گئی ہے۔ہندوستان میں نسلی امتیاز کے خلاف علمی جنگ لڑنے والوں میں بابا صاحب کا اہم کردار ہے۔اس کتاب کو اردو جامہ پہنانے کا فریضہ ڈاکٹر محمد امین پرے نے انجام دیا ہے، جس کا اردو متن بہت جلد پروفیسر محمد عاصم صدیقی کی کوششوں سے آنے والا ہے۔اس کتاب پر پروفیسر صدیقی کا لائق ستائش مقدمہ بھی ہے۔برہما نزم کے آگے ہر ہندو بھائی سجدہ ریز ہوتا ہے۔اسلام میں مسجود خلائق محض خالق کائنات ہے کیوں کہ وہ حی وقیوم ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام آزاد اور غلام کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔قرآن کریم میں ''فک رقبۃ'' (گردن کا آزاد کرانا) پر خاصہ زور دیا گیا ہے۔سرسید کی کتاب ''ابطال غلامی'' میں بڑی وضاحت سے بتایا گیا کہ دین اسلام میں غلامی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔سعید اکبرآبادی نے بھی ''الرق فی الاسلام'' میں غلامی کے تعلق سے اسلامی نقطہ نظر پیش کیا ہے۔جس پر ایک مقالہ راقم نے تحریر کیا ہے جو مجموعہ مقالات ''مولانا سعید احمد اکبرآبادی: احوال وآثار'' میں موجود ہے۔جسے پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

نے ترتیب دیا ہے۔ دوسرے ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی بہن کے ساتھ کس قدر اعلیٰ کردار کا برتاؤ کیا۔

اس قصیدے میں رہ رہ کر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ موضوع بوصیری کے لیے کیف بخش ہے۔ انھیں ذکر رسول اور اوصاف رسول کو منظوم کرتے ہوئے طمانیت قلب ملتی ہے۔ بوصیری نے اوصاف رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک خاص انداز سے پیش کیا ہے۔ اگر شاعر سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بخوبی واقف ہے تو اوصاف رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رنگ بھرتے ہوئے اسے قارئین کے لیے باعث کشش بنادے گا۔ یہی فن کاری بوصیری کے یہاں موجود ہے۔ ؎

وأملأ السمع من محاسن يملى   ها عليك الإنشاد والانشاء

(اورتم ان محاسن سے اپنی سماعت کو مملوء کردو جو نغموں اور مرتبہ نعتوں کی صورت میں تمھیں دستیاب ہوئی ہیں۔)

كل وصف لهٔ ابتدأت به استو   عب أخبار الفضل منه ابتداء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر وصف جس کی تم نے ابتداء کی ہے۔ تمام ارباب فضل میں اس کی ابتداء آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوتی ہے۔)

سيد ضحكة التبسم والمنش   ى الهوينا ونومه الإغفار

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کا ہنسنا محض تبسم تھا، میانہ روی آپ کی شناخت تھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سونا محض اونگھنا تھا۔)

ماسوى خلقه النسيم ولاغ   يرمحياه العروضة الغناء

(بادنسیم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے علاوہ کسی کو لطف اندوز نہیں کیا، اسی طرح گنجان شاداب باغ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور کے سوا کسی کو رونق نہیں بخشی۔)

رحمة كله وحزم وعزم   ووقار وعصمة وحياء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراسر رحمت تھے۔ حد درجہ محتاط، صاحب عزم، باوقار، صاحب آبرو اور حیادار تھے۔)

لاتحل البأساء منه عرائض   برولا تستخفه السراء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پریشانیاں لاحق ہوتیں تو صبر کا مظاہرہ کرتے۔ پریشانیاں آپ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کو گھٹا نہیں سکتی تھیں۔)

کرمت نفسه مما یخطر السوء   علی قلبه ولا الفحشاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کریم النفس تھے۔ چنانچہ بُرائیاں اور فحاشیاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل پر دستک دینے سے عاجز تھیں۔)

عظمت نعمة الا لٰه علیه   فاستقلت لذکره العظماء

(اللہ تعالیٰ کی کس قدر عظیم نعمتیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ عظیم ہستیوں نے مستقلاً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کو اپنا وطیرۂ حیات بنایا۔)

مذکورہ بالا اشعار میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ ایک خاص ڈھنگ سے پیش کیے گئے ہیں۔ شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ لفظوں کے آہنگ اور داخلیت سے واقف ہو۔ ہر لفظ کا ایک مزاج اور ٹمپریچر ہے، شاعر، ادیب اور ماہر لسانیات لفظوں کی داخلی دنیا سے واقف ہیں۔ لفظوں کی روایت اور ثقافت سے صاحب قلم واقف نہیں ہے تو اس کی تحریر، اس کی شاعری اور اس کا فکر موثر و محرک نہیں ہو سکتا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی ایک تحریر میں لفظوں کے رجحان ومیلان پر عالمانہ گفتگو کی ہے لفظ رفتہ رفتہ اپنی دنیا کو وسیع کرتا رہتا ہے، قرآن کریم لفظوں کے اسفار کی گواہی دیتا ہے۔ ایک جگہ لفظ ''جیب'' قرآن میں پاکٹ کے مفہوم میں ہے اور ایک جگہ یہی لفظ سینہ کے معنی میں ہے۔ الفاظ کے طبعی رجحان سے واقف ہونے کے بعد سیرت مقدسہ کے مزاج سے آگاہ ہوا جا سکتا ہے۔ ان دونوں کی معرفت کے بغیر بڑی شاعری نہیں کی جا سکتی۔ "History of the Word" کا مطالعہ ضرور کیا جائے۔ بوصیری کی نعتیہ شاعری میں یہ دونوں صفتیں موجود ہیں۔ بوصیری کی قرآنی مفردات اور مضامین پر بھی نظر تھی جس کی وجہ سے انھیں اوصاف رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمائندگی میں آسانی ہوئی۔ بوصیری کا یہ خیال درست ہے کہ صفات عالیہ کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخرج ومصدر ہیں۔ منکرات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلندیٔ کردار کی نعتیہ سرائی اس طرح کی گئی ہے۔

ستر الحسن منه بالحسن بأعجب   لجمال لهٔ الجمالُ وقاء

(حسن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن کے سامنے ماند پڑ گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبصورتی کے پیش نظر جنس جمال مبہوت ہو کر رہ گئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمال کی پناہ گاہ ہیں)

فهو کالزهر لاح من سجف الاک   مام والعود شق عنه اللحاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کلی کی مانند ہیں جو پوشیدہ شگوفے سے پھوٹتی ہے اور اس عود کی مانند ہیں جو درخت کے چھلکے سے نکلتی ہے۔)

صانه الحسن والسكينة ان تظهر فيه آثارها البأساء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن وعافیت کے زیر سایہ ہیں۔ شدائد کے وقت ان کے آثار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندر نمایاں ہوتے ہیں۔)

فاذا شمت بشره ونداه أذ هلتك الأنوار والأنواء

(پس جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے اور اس کے جمال کی خوشبو تم محسوس کروگے تو اس کے انوار و آثار تم کو بے خود کر دیں گے۔)

احادیث میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی تفاصیل موجود ہیں۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال میں گم ہو کر رہ جاتے۔ دنیا کے تمام محاسن اور رعنائیاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور بجھ کر رہ جاتیں۔ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن کے بالمقابل یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور کے حضور ہر چراغ اپنی معنویت کھو دیتا ہے۔ چراغ مصطفوی کے سامنے ہر چراغ، چراغ مفلس بن جاتا ہے۔ بوصیری کی نعتیہ شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ متعدد جگہوں پر قرآن کریم کے امتیازات، اس کے مضامین، اس کی قدر و قیمت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز یہ پہلو بھی موضوع بحث بنایا گیا کہ یہ آخری کتاب تمام تحریفات سے پاک ہے۔ اس کے علاوہ دیگر آسمانی کتابیں تحریفات کا شکار ہو کر رہ گئیں۔

والذى يسألون منه كتاب منزل قد أتاهم وارتقاء

(اور یہ جس چیز کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں تو کتاب منزل (اس کا جواب) لے کر ان کے پاس آتی ہے اور (وہ کتاب) بلند و برتر ہے۔)

اعجز الانس آية منه والجن فهلا ياتى بها البلغاء

(اس کی ایک آیت نے جن وانس کو عاجز بنا دیا۔ پس اہل بلاغت بھی اس کا توڑ نہ لا سکے۔)

كل يوم تهدى الى سامعيه معجزات من لفظه القراء

(ہر روز جب قراء سامعین کے لیے اس کی تلاوت کرتے ہیں تو اس کے لفظوں کا اعجاز ظاہر کرتے ہیں۔)

تتجلى به المسامع والأفواه فهو الحلى والحلواء

(تلاوت قرآن سے سماعت اور قوت تکلم دونوں آراستہ ہوتے ہیں۔ یوں جانیے کہ یہ قرآن کریم زیور زینت اور حلاوت دونوں ہے۔)

رق لفظاً وراق معنی فجاء ت   فی حلاھا وحلیھا الخنساء

(لفظیات کے اعتبار سے انتہائی لطیف ہے اور معنوی اعتبار سے انتہائی حیرت انگیز۔ چنانچہ اس کی حلاوت وآراستگی میں معانی مستور ہیں۔)

وأرتنا فیہ غوامض فضل   رقة من زلالھا وصفاء

(اس کی نفاست و پاکیزگی کی لطافت نے اس کے فضل کی باریکیوں کو متبادر کیا۔)

إنما تجتلی الوجوہ إذا ما   جلیت عن مرأتھا الأضواء

(جب آئینۂ قرآن سے شعائیں پھوٹتی ہیں تو چہرے باغ باغ ہوجاتے ہیں۔)

یہ بات اوپر آچکی ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت، اس کی معنویت اور خصوصیات پر قابل قدر گفتگو کی گئی ہے۔ قرآن کریم کے بغیر رسالت کی بلندیوں کو محسوس کرنا ناممکن ہے۔ قرآن کے لفظی اور معنوی اعجاز پر بے شمار لٹریچر آچکا ہے۔ قرآن کریم کا حقیقی اعجاز اس کے مفاہیم و معانی میں ہیں۔ اس نے ایسا فکری انقلاب برپا کیا کہ جس کے سامنے تمام افکار و خیالات بے روح ہوکر رہ گئے، اس کی روحانیت اور اس کی معنوی کرشمہ سازیاں تاقیامت منظر عام پر آتی رہیں گی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''لاتنقضی عجائبہ'' کہہ کر واضح کردیا کہ اس کا گنجینۂ معانی غیر محدود ہے۔ ''مقالات شبلی'' میں علامہ شبلی نے قرآن کی معنوی حیثیت پر معرکہ آراء مقالہ تحریر کیا ہے۔ اسی فکر کو آپ کے شاگرد مولانا عبدالسلام ندوی نے دو قسطوں میں ایک مقالہ ماہنامہ معارف میں قلم بند کیا ہے۔ بوصیری نے قرآن کریم کی لسانیات اور معنوی گرہوں پر اظہار خیال کیا ہے۔ عہد جدید میں بنت الشاطی نے قرآن کریم کے لسانی اعجاز پر دانشورانہ گفتگو کی ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں بیوی کے لیے زوج، صاحبہ اور امرأہ تینوں آئے ہوئے ہیں۔ ان میں فرق کیا ہے اس پر دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح ''نعیم'' کے کیا مفاہیم ہیں اس پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ بنت الشاطی قرآن کریم کی ایک بڑی ادیبہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے ان کی کتاب کا ''قرآن کا لسانی اعجاز'' کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ بوصیری نے اس قصیدے میں یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ توریت اور انجیل دونوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد رسالت اور اوصاف کا ذکر ہوا ہے۔ سرسید نے اپنی معروف کتاب ''تبیین الکلام'' میں لفظ ''فارقلیط'' پر خالص علمی گفتگو کی ہے۔ اس لفظ

سے مترشح ہے کہ اس کا اطلاق محض نبی آخرالزماں پر ہوگا۔ یہ گفتگو اسی وقت ممکن ہے جب انسان عبرانی زبان سے واقف ہو، عبرانی کے بغیر سیرت کے مطالبات پورے نہیں کیے جا سکتے۔

بل تمادت علی التجاهل آبا ء تقفَّتْ آثارها الأبناء

(تمہارے آباء و اجداد جب تجاہل میں بہت آگے نکل گئے تو ان کے بیٹوں نے بھی ان کے نقشِ قدم کی پیروی کی۔)

بيتـه توارتهم والأناجي ل وهم فی حجوده شرکاء

(توریت اور اناجیل میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفاصیل موجود ہیں۔ وہ ان کی رسالت کے انکار میں متحد ہیں۔)

ان تقولوا ما بينته فما زا لت بها عن عيونهم غشواء

(اگر وہ کہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صراحت نہیں ہے تو اس تعلق سے ان کی آنکھوں سے تاریکی زائل نہیں ہوئی۔)

أو تقولوا قد بينته فما للأ ذن عما تقوله صمَّاء

(یا اگر وہ کہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صراحت ان میں موجود ہے تو پھر ان کے کانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان باتوں کو سننے سے ان کے کان بہرے ہیں۔)

عرفوه وانكروه وظلماً كتمته الشهادة الشهداء

(وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوب پہنچانتے ہیں، پھر بھی انکار کرتے ہیں۔ گواہوں نے اپنے زعم باطل میں آکر شہادت کو پس پشت ڈال دیا۔)

قرآن کریم میں یہود و نصاریٰ کی عداوت اور ہٹ دھرمی کا ذکر ہوا ہے۔ "وَالَّذِيْنَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآئَهُمْ" (جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں) لیکن اس کے باوجود اپنے معاشرتی وقار کے تحفظ کے لیے وہ رسالت کا مستقل انکار کرتے ہیں۔ بوصیری نے عقیدۂ تثلیث پر بھی تنقید کی ہے۔

كيف وحدتم الهاً نفی التو حيد عند الآباء والأبناء

(تم کیسے معبود کو ایک مان سکتے ہو، تمہارے آباء و ابناء نے توحید کی نفی کی ہے۔)

أأنه مركب ما سمعنا بالـه لذاته أجزاء

(کیا معبود مرکب ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ ذات معبود کے اجزاء ہیں۔)

بوصیری نے توحید کے عقیدے پر مزید بحث کی ہے۔ان کے یہاں ذات الہ میں شرک کی قطعاً گنجائش نہیں۔شرک تمام عبادات اور اذکار وادعیہ کو ناکارہ بنادیتا ہے۔توحید کی ایک مکمل ومستند تصویر سورہ اخلاص میں ہے۔یہ سورہ یہود ونصاریٰ کے نظریۂ تثلیث پر ایک تازیانہ ہے۔اس میں اللہ کو **احد، صمد، لم یلد ولم یولد** اور **ولم یکن له کفوراً احد** کہا گیاہے۔یہ وہ چار صفات ہیں جس میں کسی کو اس کا شریک وسہیم نہیں۔اس کا کوئی ''ند'' (ہم سر) نہیں ہے۔"**لیس کمثله شیئ**" کہہ کر اس کے عدیم النظیر ہونے پر مہر ثبت کردی گئی ہے۔بوصیری قرآن کریم کی ان تمام صراحتوں سے واقف تھے۔آگے عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب اوران کے اوپر اٹھائے جانے کا بھی ذکر ہے۔جسے سرسید نہیں تسلیم کرتے جوان کی ایک بڑی غلطی ہے،جس کا راقم نے اپنی کتاب ''مطالعات سرسید'' میں ذکر کرتے ہوئے سرسید کے اس خیال کی تردید کی ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوپر اٹھائے جانے کا ذکر ''رفع الیٰ'' کے ساتھ کیا گیا ہے۔یہاں الیٰ اس بات پر شاہد ہے کہ اس سے مراد اوپر کی طرف لے جانا ہے۔یہاں سرسید کی فہم قرآن پر تأسف کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔بوصیری نے طنزیہ انداز میں نصاریٰ سے سوال کیا کہ جب تم انھیں اپنا الہ تسلیم کرتے ہو۔تو یہود نے انھیں کیسے قتل کردیا۔اسی طرح یہود کو بھی ہدف تنقید بنایا کہ انھوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اپنا خدا تسلیم کیا۔بوصیری نے یہود ونصاریٰ دونوں کو قابل مذمت قرار دیا۔اس قصیدے میں مسئلہ ذبیح موضوع بحث ہے۔یہود ونصاریٰ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح مانتے ہیں جب کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ان غلط عقائد کی بنیاد پر انھیں لعن طعن کیا گیا ہے۔ ؎

لاتکذب ان الیهود وقد زا   غوا عن الحق معشرلؤماء

(تم جھوٹ مت بولو کیوں کہ یہود راہ راست سے بھٹک گئے ہیں۔یہ ایک بد بخت گروہ ہے۔)

حجدوا المصطفی وآمن بالطاغوت   قوم هم عندهم شرفاء

(انھوں نے حضرت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار کیا اور طاغوت پر ایمان لائے،جب کہ وہ اپنے نزدیک شرفاء ہیں۔)

قتلوا الأنبیاء واتخذوا العج   ل الاانهم هم السفهاء

(انھوں نے انبیاء کرام کے قتل کیے اور بچھڑے کی پرستش کا آغاز کیا،کیا یہ انتہائی نادان نہیں ہیں)

وسفیه من ساء ه المن والسلویٰ   وأرضاه الفوم والقثاء

(یہ ایسے بے وقوف ہیں کہ من وسلویٰ کو گوارہ نہ کیا بلکہ لہسن اور ککڑی کے وہ خواستگار ہوئے)

بوصیری نے مذکورہ اشعار میں قرآنی مضامین کو قلم بند کیا ہے۔ قرآن کریم میں یہود کے انبیاء کے قتل کا ذکر موجود ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے "**ذلك بأنهم كانوا يكفرون بآيات الله ويقتلون النبيين بغير الحق**" (البقرہ:۲/۶۱) (یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے) بچھڑے کی پرستش اور سامری کا بیان بھی کتاب الٰہی میں آیا ہوا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ "**واتخذ قوم موسیٰ من بعده من حليهم عجلاً جسداً له خوار**" (الاعراف:۷/۱۴۸) (اور موسیٰ کی قوم نے اس کے بعد اپنے زیوروں کا ایک بچھڑا معبود ٹھہرا لیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی)۔ من وسلویٰ جیسی نعمت کو چھوڑ کر انھوں نے لہسن اور ککڑی کا مطالبہ کیا اس کی تفصیل بھی کتاب الٰہی میں موجود ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: "**فادع لنا ربك يخرج لنا مما تنبت الارض من بقلها وقثائها وفومها وعدسها وبصلها**" (البقرہ:۲/۶۱) (اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز دے)۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے ''من وسلویٰ'' پر اپنی کتاب ''مفردات القرآن'' میں عالمانہ گفتگو کی ہے۔ اسی کی ترجمانی مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں کی ہے۔ ان تمام اشعار کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ بوصیری کی نعتیہ شاعری کا اساسی مدار قرآن کریم ہے انھوں نے قرآن کریم کی روشنی میں سیرت مقدسہ کا سفر طے کرنے کی خوبصورت کوشش کی ہے۔ قرآن کریم کی جزئیات پر آپ کی گہری نظر تھی۔

یہ بات احادیث میں موجود ہے کہ سرزمین مکہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انتہائی عقیدت تھی اس کے رنگ و آہنگ، اس کی ہوائیں اس کے ذرات اور اس کے شب و روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ستاتے تھے۔ رہ رہ کر اثناء ہجرت اس کی ٹیس اٹھتی، اسے یاد کرتے، اسے مخاطب کر کے اپنی محبتوں کا اظہار کرتے۔ بوصیری نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہی جذبات کو اپنے الفاظ میں قید کیا ہے۔ اپنے اسی ملعب و مرکز کو اللہ کی زبان میں یوں پیش کیا ہے: "**فقد لبثتُ فيكم عمراً من قبله**" (یقیناً اس سے قبل تم لوگوں کے مابین ایک عرصہ گزارا ہے۔) یہ کہہ کر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ اور اہل مکہ سے اپنی وابستگی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ ایک دوسری آیت میں اہل مکہ سے اپنے لگاؤ کا یوں اظہار کیا ہے: "**قل لا أسئلكم عليه اجراً الا المودة فی القربیٰ**"۔ (الشوریٰ:۴۲/۲۳) (کہہ دو کہ اس پر تم لوگوں سے کسی اجرت کا خواستگار نہیں ہوں۔ بجز قرابت داری میں محبت کے۔)

موضع البیت، مھبط الوحی ماوی الر سل حیث الأنوار حیث البھاء

(مکہ مکرمہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رہائش گاہ، نزول وحی کی جگہ، رسولوں کی پناہ گاہ ہے جہاں نور برستا ہے۔ حسن وجمال کے مناظر ہیں۔)

حبذا حبذا معاھد منھا لم یغیر آیاتھن البلاء

(مکہ مکرمہ کی رعنائیوں کا کیا کہنا، اس کے نہ جانے کتنے مراکز ہیں جنھیں گردش روزگار مٹانے سے رہے۔)

حرم آمن وبیت حرام ومقام فیہ المقام تلاء

(مکہ مکرمہ کو ایسے حرم کا درجہ حاصل ہے جہاں امن وعافیت ہے۔ یہ ایسا گھر ہے جہاں (جنگ وجدل) حرام ہے اور ایسا مقام ہے جس سے اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔)

اسی طرح بوصیری نے مدینہ منورہ کی بھی توصیف کی ہے۔ یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ نعت گو شعراء کی نظریں محض مدینہ تک محدود رہتی ہیں جب کہ زندگی کی ابتدائی اور اہم موڑوں کا تعلق مکہ مکرمہ سے ہے۔ مناسک ومشاعر اسی بلد امین میں ہیں۔ مکہ کے بغیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی نامکمل رہے گی۔ قرآن کریم میں مکہ کی سرگرمیوں کو زیادہ مرکز التفات بنایا گیا ہے۔ مقام ابراہیم اور قربان گاہ یہیں ہیں مدینہ سے بھی تمام جدوجہد اسی مکہ، اسی بیت الحرام اور سعی وطواف کے لیے کی گئی۔ بہر کیف اردو شعراء کے یہاں اس قلت کا احساس ہوتا ہے۔

فرأینا أرض الحبیب بغض الطر ف منھا الضیاء والآلاء

(جب ہم نے دیار حبیب کا مشاہدہ کیا تو اس کی روشنی اور انوار سے آنکھوں کی تروتازگی حاصل ہوتی)

فکأن البیداء، من حیث قا بلت العین روضہ

(پس وہ صحرا جو نگاہوں میں تھا آج وہ پرکشش گلستان بن گیا۔)

کل نفس منھا إبتھال رسول ودعاء ورغبۃ وابتغاء

((وہاں پہنچ کر) ہر نفس آہ وزاری کا ایک پیغامبر بنا ہوا ہے، مکمل سوالی ہو کر رہ گیا ہے۔ دعاؤں، مطالبات اور خواہشات کا پیکر بن کر رہ گیا ہے۔)

وکأن البقاع زرَّت علیھا طرفیھا ملأئہ حمراء

(اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مدینہ منورہ کے تمام اطراف سونے کے رنگ میں نہائے ہوئے ہوں)

وکأن الأرجاء تنشر نشرال مسك فیھا الجنوب والجِربیاء

(اور ایسا لگتا ہے کہ شمال وجنوب کے تمام اطراف مشک میں بسے ہوئے ہوں۔)

فإذا شمتَ أو شممت رباها لاح منها برق وفاح كباء

(اور جب تم بادلوں کے بلند ہونے کو دیکھو یا ان کے ٹیلوں کی خوشبو کو محسوس کرو تو ان میں بجلی کوندتی ہے اور موسلا دھار بارش ہوتی۔)

أی نور وأی نور شهدنا يوم أبدت لنا القبابَ قباء

(کیا خوب نورانیت اور کس قدر پر کیف نور کا ہم نے دیدار کیا۔ جس دن مسجد قبا نے اپنے قبوں کو ظاہر کیا۔)

قر منها دمعی وقر اصطباری فد موعی سیلٌ وصبری جفاء

(اس مشاہدے سے میرے آنسو چڑھ گئے اور میرا صبر ٹوٹ گیا، پس میرے آنسو سیل رواں بن گئے اور صبر طوفان بن گیا۔)

ودموع كأنما أرسلتها من جفون سحابة وطفاء

(میری آنکھوں سے آنسو اس طرح رواں تھے جیسے بادلوں اور ان کے بڑے بڑے ٹکڑوں نے روانہ کیا۔)

فحططنا الرحال حيث يحط ال وزر عنا وترفع الحوجاء

(ہم سواریوں سے نیچے آئے تو لگا کہ بار گناہ ہم سے اتر رہا ہے اور خواہشات دنیا بھی دم توڑ رہی تھیں۔)

وقرأنا السلام اكرم خلق الله من حيث يسمع الإقراء

(خلق خداوندی کے سبب معزز ترین شخص پر ہم سلام پڑھ رہے تھے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے سلام سنے جا رہے ہیں۔)

وذهلنا عند اللقاء وكم أذ هل صباً من الحبيب لقاء

(اور بوقت لقاء ہمیں اپنا خیال نہیں رہا اور ایسا تو اکثر ہوتا ہے کہ زیارت حبیب انسان کو بیخود کر دیتی ہے۔)

ووجمنا من المهابة حتى لاكلام منا و لا إيماء

(دربار رسالت کے عزووقار) سے ہم سہمے ہوئے تھے، نہ قوت گویائی تھی اور نہ ہی اشاروں کی تاب)

ورجعنا للقلوب التفاتا ت إليه وللجسوم إنثناء

(ہم واپس تو آ گئے لیکن دل دربارِ رسالت میں اٹکے ہوئے تھے اور اجسام اسی جانب جھکے ہوئے تھے)

یا أبا القاسم الذی ضمن إقسا   می علیه مدح له وثناء

(اے ابوالقاسم! تمہاری مدح سرائی اور ثنا خوانی ہی تو میرا نوشتۂ تقدیر ہے۔)

مذکورہ اشعار سے بوصیری کے جذبۂ فراواں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دربار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جانے کے بعد صبر وقرار کے تمام حدود ٹوٹ جاتے ہیں، حب رسول آنکھوں سے پرنالہ بن کر بہتی ہے۔ زیارت انھیں مدہوش کر دیتی ہے۔ دنیا ومافیہا سے بے خبر کر دیتی ہے۔ یہی بے خودی تو حب رسول اور جزء ایمان ہے، حب والدین بھی اس کے بالمقابل کہتر ہے۔ واپس آنے کے بعد بھی جسم وجان دربار رسالت میں الجھے ہوئے رہتے ہیں۔ وہی ان کا ارتکاز اور وہی ان کا محور ومطاف، دربار رسالت سے خود کو آزاد کرانا ان کے لیے ناممکن۔ حب رسول سے رستے ہوئے زخموں کے اندمال کا تصور لاحاصل۔ میری شاعری کی آواز، صریر خامہ اور فکری فیضان کے ماوراء حب رسول متلاطم ہے۔ حب رسول ہی میرا مستقبل اور میری ضمانت وآخرت۔ اس قصیدے میں بوصیری نے آل بیت سے بھی اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ آل عباس کی ثنا خوانی کرتے ہوئے بنوامیہ کو ہدف تنقید بھی بنایا ہے۔ یہاں بوصیری نے تاریخ کا جذباتی انداز میں مطالعہ کیا ہے۔ واقعۂ کربلا کا جذباتی مطالعہ کے برعکس معروضی مطالعہ کیا جائے۔ ضرورت ہے کہ ہم بھی جذبات سے مغلوب نہ ہوتے ہوئے تاریخ کا مطالعہ کریں۔ مؤرخ عادل نہ ہو تو تاریخ افسانہ بن جاتی ہے۔ واقعہ کربلا کو صحیح تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ سیاسی تناؤ کے سبب وجود میں آنے والی موضوعہ روایات کو پرکھنے کی حاجت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کے تعلق سے صداقت ودیانت سے کام لینے کا تقاضا ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود بوصیری کا یہ فرمان درست ہے۔

وقست منهم قلوب علی من   بكت الأرض فقدهم والسماء

(اور ان کے دل اس شخص پر سخت ہوئے جن کی شہادت سے ارض وسماء گریہ کناں ہوئے۔)

فابكهم ما استطعت ان قليلاً   فی عظيم من المصاب البكاء

(پس تم اپنے بس بھر خوب رولو، حادثۂ عظیم کا کم از کم مطالبہ یہی ہے کہ آہ وبکا کا سہارا لیا جائے)

كل يوم وكل أرض لكربی   منهم كربلا وعاشوراء

(ہر دن اور ہر زمین شہداء کربلا کی وجہ سے کربلا اور عاشوراء بنا ہوا ہے۔)

آل بيت النبی إن فوادی   ليس يسليه عنكم التاساء

(آل بیت النبی! حضرت امام حسین پر ہونے والے مظالم کے تئیں میرا دل تمہیں تسلی نہیں دے سکتا)

**آل بیت النبی طبتم فطاب ال	مدح لی فیکم وطاب الرثاء**

(اے آل بیت النبی! آپ ہمیشہ خوش ہیں، آپ لوگوں کی تعریف سے مجھے خوشی ملتی ہے اور مرثیہ خوانی عمدہ ہو جاتی ہے۔)

مذکورہ اشعار سے مترشح ہے کہ بوصیری کو آل بیت سے گہری عقیدت تھی جس کے احساسات ان کی شاعری میں آج بھی زندہ ہیں۔ آل بیت سے عقیدت جزء ایمان ہے لیکن معاملات میں غلو سے کام نہ لیا جائے۔ اگر کسی سے محبت ہو تو عدل کا تقاضا بڑھ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی کی تلقین کی ہے کہ "**وإذا قلتم فاعدلوا ولوكان ذا قربى**" (اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو، گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔) آل بیت اور بنوامیہ پر لکھتے ہوئے انسان معروضیت کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایسا کچھ بوصیری کے یہاں بھی محسوس ہوتا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ''المرتضیٰ'' بھی معروضیت سے خالی ہے۔ بوصیری کا یہ خیال لائق صد تعریف ہے کہ وہ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کے خواست گار ہیں۔

**أنا حسان مدحكم فاذا نح	ت عليكم فانني الخنساء**

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں میں مانند حسان ہوں اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کی وفات پر) نوحہ کروں تو شاعرۂ رسول خنساء کی طرح ہوں۔)

بوصیری کے یہاں نعت گوئی کا ایک وسیع تصور ہے۔ اس میں انھوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بھی ثنا خوانی کی ہے۔ صحابہ کرام کے تئیں آپ کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے حواریین سے صحابہ کرام کا درجہ بلند ہے اور دور اندیشی میں بھی ان کا رتبہ ان سے برتر ہے۔ حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد و سعید، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوعبیدہ، حضرت حمزہ، حضرت عباس اور امام حسن و امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے محاسن کو بھی اس قصیدے میں موضوع بحث بنایا گیا ہے اور ازواج مطہرات کی عظمت و شرافت کو بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد اوصاف رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گنگنانے لگتے ہیں۔

**الأمان والأمان إن فوادی	من ذنوب اتیتھن ھواء**

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پناہ پناہ، میرا دل گناہوں سے لبریز ہے، یہ میری خواہشات نفس

کی وجہ سے انجام پذیر ہوئے۔)

قـد تـمسكت من وراء ك بالحب ل الـذى استـمسـكت به الشفعاء

(میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو مضبوطی سے تھام لیا ہے۔ متمنیانِ شفاعت اسی محبت کا سہارا لیتے ہیں۔)

وأبـى الـلـه أن يـمسنى السو ء بحـال ولـى إليك التـجـاء

(اللہ جانتا ہے کہ مجھے کوئی بُری چیز لاحق نہیں ہوسکتی ہے، کیوں کہ میری التجاء کا مرکز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔)

قـدرجـونـاك لـلأمور التى أب ردهـا فـى فـوادنـا رمـضـاء

(ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان تمام امور میں لولگا رکھے ہیں جن کی سخت برودت اور حدت دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔)

وانطوت فى الصدور حاجات نفس مـالهـا عـن نـدى يديك انطواء

(خواہشات نفس سینوں میں دبکی ہوئی ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسعتِ سخاوت کے حضور ان خواہشات کی کیا حیثیت۔)

فـاغـثـنـايا من هو الغوث والغى ث إذا أجهـد الـورىٰ الـلآواء

(اے اللہ کے رسول! ہماری مدد کیجیے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ہمارے مددگار ہیں، جب مخلوق کو شدت ہوتی ہے تو بارش خوب ہوتی ہے۔)

والـجـواد الـذى بـه تـفرج الغم ـةُ عـنـا و تـكـشـف الحـوبـاء

(اور سخی ترین رسول کی وابستگی سے ہمارے غم دور ہوتے ہیں اور گناہ زائل ہوجاتے ہیں۔)

راجيـاً أن تـعـود أعـماله السوء بـغـفـران الـلـه وهـى هبـاء

(امید ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی خطا کاریوں کو مغفرت خداوندی کے حضور پیش کردیں اور وہ فضاء میں گرد کی مانند تحلیل ہوجائیں۔)

أو تُـرى سيـئـاتـه حسـنـات فيـقـال استـحـالـت الصهبـاء

(یا اس کی خطائیں نیکیوں میں تبدیل ہوجائیں اور کہا جائے کہ شراب نے اپنی ماہیئت تبدیل کردی ہے۔)

مذکورہ سطور میں بوصیری نے اپنے مصائب و مسائل کی عکاسی کی ہے، اپنے عجز، اپنی بے بسی اور

اپنی بربادی کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے اللہ کی مغفرت اور توجہ کے خواہاں ہیں۔ اپنے گناہوں کا شدت سے احساس ہے۔ انھیں امید ہے کہ خلوصِ دل سے التجاء والتماس کی جائے تو اللہ کی نظر بخشش ضرور دستیاب ہوگی۔ اسی کو قرآن کریم میں "**یٰـاَیُّهَا الَّـذِیـن آمَنُوا تُوبُوا إلی اللّٰه تَوبَةً نَصُوحاً**" (اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو) کہا گیا ہے۔ بوصیری نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غوث قرار دیا جو قرآنی استعانث کے برعکس ہے۔ استعانت اور استمداد کا جواز صرف اللہ رب العزت سے ہے۔ دربار رسالت کے حوالے سے اپنی حاجات اللہ کے حضور پیش کی جاسکتی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تئیں بہت سے غلط تصورات کے ہم شکار ہیں۔ صرف اس لیے کہ ذات عالیہ کو ہم قرآن کریم کی روشنی میں نہیں دیکھتے۔ آگے اختتامیہ اشعار میں بوصیری نے مزید اپنے موانع، اپنی تقصیرات اور اپنی کمزوریوں کو پیش کیا ہے۔ اس میں ایک تڑپ اور سیرت مقدسہ کی جانب والہانہ لپک ہے۔ پڑھتے ہوئے ان کی بے قراری اور انکساری کا احساس کیا جاسکتا ہے۔ ؎

کیف یـصدأ بالذنب قلب محب ولـــه ذکـرك الــجمیل جلاء

(کس طرح ایک شیدائی کا دل گناہوں سے زنگ آلود ہوسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر جمیل سے وہ دمک سکتا ہے۔)

هــذه عــلتــی وأنــت طبیبــی لیـس یخفی علیك فی القلب داء

(یہ میرا زخم ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے معالج ہیں، میرے دلی مرض سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخوبی واقف ہیں۔)

ومــن الـفـوز أن ابثك شـكـوی هی شـكـوی الیك وهـی اقتضاء

(اور کامیابی تو یہ ہے کہ میں اپنی شکایات کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور بیان کروں۔ میرا مسئلہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہے اور یہی تقاضا بھی ہے۔)

ضـمـنتهـا مـدائـح مستـطـاب فیك مـنهـا الـمدیـح والاصغـاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے تعلق سے کہی جانے والی (میری) مدائح مستطاب فریادوں کی ضمانت ہیں۔ ان مدائح میں ثناخوانی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب انتہائی التفات واعتناء ہے۔)

ولــقــلبــی فیك الــغـلـو وأتـی لـلسـانـی فـی مـدیـحك الغلواء

(اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تئیں میرے قلب میں غلو ہے اور میری زبان بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں غلو بردار ہے۔)

قرآن کریم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے "**یاایها الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیماً**" (اے مومنو! رسول اللہ پر کثرت سے درود و سلام بھیجو) آیا ہوا ہے۔ جس کا مفہوم ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بکثرت مدح کی جائے، ذکر رسول ذہن و فکر پر طاری ہو۔ زبان و بیان اس کی تعریف و توصیف سے رطب اللسان ہوں۔ اس آیت کریمہ سے یہ قطعاً نہیں نکلتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف و اوراد کے سلسلے میں غلو سے کام لیا جائے۔ غلو عدل کا مخالف ہے۔ قرآن کریم کا تقاضا ہے کہ اوصاف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بغیر کسی غلو کے ہی منظوم کیا جائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بتایا ہے کہ مجھے صنم بنا کر میری پرستش نہ کی جائے۔ آگے بوصیری نے مزید انہی آرزوؤں کو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منزلت کے حضور اپنے اضطراب اور اپنے آنسوؤں کو لے کر حاضر ہیں۔

فأثب خاطراً یلذله مد　　حك علما بأنه اللألاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! دل پر توجہ فرمائیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں اس کے لیے لطف ولذت ہے۔)

أبذكر الآیاتِ أو فیك مدحاً　　أین متی وأین منها الوفاء

(کیا میں (آپ کے تعلق سے) ذکر آیات کا مقابلہ اپنی مدح سرائی سے کر سکتا ہوں؟ کیا مجھ سے ممکن ہے اور اس میں پورا اتر سکتا ہوں۔)

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے معانی، اسالیب، موعظت اور بحیثیت تخاطب اتباع کرنا ناممکن ہے۔ جس کا اعتراف بوصیری نے اس شعر میں کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقی تعریف اور ثناء خوانی کا مرجع قرآن کریم ہے۔ نعت گوئی کا اصل معیار و محور کتاب الٰہی ہے۔ یہ کتاب ان روایات کی بھی نشان دہی کرے گی جہاں اللہ کے رسول کی تصویر بگڑتی ہے۔ سیرت مقدسہ پر لکھا کیسے جائے اور اس کے اصول و مناہج کیا ہیں؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ خالد مسعود کی ''حیاتِ رسول امی'' کا مطالعہ کیا جائے۔ بہر کیف یہاں تو یہ بتانا ہے کہ کسی بھی جہت سے قرآن کریم کے روبرو کھڑا ہونا انسانی بساط سے خارج ہے۔ اور ایسا شخص جہنمی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

والذین سعوا فی آیتنا معٰجزین اولٰئك اصحٰب الجحیم۔ (الحج:۲۲/۵۱)

اور جو ہماری آیات کو پست پشت کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہی دوزخی ہیں۔

☆

فانقضت آی الأنبیاء وأیا تك فی الناس مالهن انقضاء

(انبیاء کرام کی نشانیاں ناپید ہو چکی ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علامتیں لوگوں میں برقرار ہیں۔ان کی انتہاء ناممکن ہے۔)

والکرامات منهم معجزات حازها من نوالك الأولیاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوازش سے فیض یافتہ اولیاء کرام کے کرامات دراصل معجزات کی مانند ہیں۔)

یہاں بوصیری کے اس خیال سے اختلاف ضروری ہے کہ اولیاء کرام کی کرامات قطعاً معجزات کی طرح نہیں ہیں۔معجزات نبی کے پیچھے احادیث ہیں جو انھیں درجہ استناد عطا کرتی ہیں۔کرامات کو یہ پیغام حاصل نہیں، کرامات تو بہت سے دیگر مذاہب کے لوگوں سے بھی متبادر ہوتے ہیں۔کرامات اولیاء کا ہمارے عقائد سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔بوصیری کا یہ تصور نعت گوئی میں مخل ہوتا ہے۔قرآن کریم میں اولیاء کا ذکر ہے لیکن ایسی کوئی قطعی علامات کی صراحت نہیں ہے کہ جن کی بنیاد پر کسی کو ولی قرار دیا جائے۔کسی کے ولی ہونے کا علم اللہ کے پاس ہے ولایت کا تعلق تقویٰ، اخلاص، ابتہال اور انقیاد سے ہے اور ان تمام چیزوں کا تعلق دلوں سے ہے اور احوال قلوب اللہ کو معلوم ہیں۔"**ان اللّٰہ علیم بذات الصدور**"(بیشک اللہ دلوں کا حال جانتا ہے)۔مولانا فراہی کی ''حکمت القرآن'' سے ولایت کا مفہوم طے کیا جا سکتا ہے۔اب یہ کتاب خالد مسعود کی محنتوں سے اردو میں بھی دستیاب ہے۔جس پر خاکسار نے ایک مقالہ بھی مجلّہ ''علوم اسلامیہ'' شعبۂ اسلامیات اے.ایم.یو. میں تحریر کیا ہے۔ہاں یہ طے ہے کہ ولایت کا تعلق لباس سے نہیں، رنگوں سے اور خاص قسم کی حرکات سے نہیں۔صبغۃ اللہ زعفرانی رنگ نہیں ہے، اب تو یہ رنگ فساد، دہشت گردی اور قتل وغارت گری کی علامت ہے۔یہی لباس پہن کر عباداللہ کو تہہ تیغ کرتے ہیں، سیادت پر چالبازیوں سے قبضہ جماتے ہیں۔ولایت اور اتقاء میں چولی دامن کا رشتہ ہے۔احسان تو ولایت کی بنیاد ہے تصوف کی نہیں۔اسی کو قرآن کریم نے قلب سلیم یا قلب منیب کہا ہے۔اس قلبی سلامت کا ادراک محض اللہ کے پاس ہے۔قلب منیب پر اللہ تعالیٰ نے اپنی برکتوں کا نزول اس طرح کیا ہے:

مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ .ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ.(ق:۵۰/۳۲-۳۴)

جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو، تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔

☆

إن من معجزاتك العجز عن وصـ فك اذ لا يـحـده الاحـصـاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات عاجز کر دینے والے ہیں، تمہارے ذکر و بیان میں آنے والے نہیں، وہ لامحدود ہیں۔)

كيف يستوعب الكلام سجايا ك وهل تنزح البحار الركاءُ

(کلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ کیا ایک کوزہ پانی نکالنے سے سمندر گھٹ جاتا ہے۔)

ليس لغاية لوصفك ابغيـ ـها وللقول غاية وانتهاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی وصف کی حد بندی نہیں ہے جسے میں چھیڑنا چاہوں اور قول کی ایک غایت اور انتہا ہے۔)

إنما فضلك الزمان وآيا تك فيما تعدهٔ الأناء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل و شرف پر زمانہ گواہ ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیوں کے شمار میں ہمارے شب و روز بسر ہوں گے۔)

لم أطل فی تعد اد مدحك نطقی ومرادی بذلك استقصاء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کو شمار کرنے سے میرا نطق محدود ہے۔ میرا مقصد محض اس کا استقصاء ہے (جو میرے بس میں نہیں)

غير أنی ظمأن وجد ومالی بقليل من الورد إرتواء

(مگر میں اوصاف رسول کی توسیع کا پیاسا ہوں اور نعتیہ شاعری کا ورود مجھ پر مستقل ہوتا رہتا ہے)

فسلام عليك تترى من الله وتبقى به لك الباواء

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ کی جانب سے پیہم سلام ہے، اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افتخار باقی ہے۔)

وسلام عليك منك فماغی رك منه لك السلام كفاء

(خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے یا دوسروں کی طرف سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھیجے جانے والے درود وسلام کافی نہیں ہیں۔)

وصلوٰۃ کالمسك تحمله منی   شمال إلیك أو نکباء

(اور صلوٰۃ وسلام مشک کی طرح ہے جسے شمالی یا شمال مشرقی ہوائیں لیے لیے (دربارِ رسالت تک) پہنچادیتی ہیں۔)

وسلام علی ضریحك تخضلّ   به منه تربةٌ وعساء

(اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر پر سلام ہو، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے مٹی اور بوڑھے دونوں اس قبر سے فیض یاب ہوتے ہیں۔)

وثناء قدمتُ بین نجو   ای إذ لم یکن لدیَّ ثراء

(اور میں نے اپنی مناجات سے قبل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثناخوانی کی اس لیے کہ میں بے مال ومنال ہوں۔)

ما أقام الصلوٰۃ من عبدالله   وقامت بربها الأشیاء

(جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی حقیقتاً وہی صلوٰۃ وسلام کو بھیجنے والا ہے اور تمام کاروبارِ دنیا اللہ کے سہارے چل رہا ہے۔)

بوصیری کی ایک دوسری نعت کا پہلا شعر اس طرح شروع ہوتا ہے:

ولمن یمدح خیر البرایا   أن یری الفقر عطاء حسابا

(اور جو مخلوق کے سب سے بہترین شخص کی تعریف کرتا ہے اس کے لیے یہی زیب دیتا ہے کہ فقر کو اپنے لیے عطاءِ حقیقی تصور کرے۔)

دنیائے تصوف میں فقر کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے، اہل فقر کے یہاں سادگی کبھی کبھی اس انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ جسم پر چند ٹکڑے ہی ہوتے ہیں۔ معاشرے سے انقطاع ان کی شناخت ہے۔ خاص رنگ کا لباس ان کے فقر کا غماز ہے۔ مذکورہ تمام علاماتِ فقر کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے فقر کو اسلام سے جوڑنا مناسب نہیں ہے۔

وکفانی باتباعی طریقاً   رغب المختار فیها رغابا

(اور یہی میرے لیے کافی ہے کہ نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستہ کی اتباع کر رہا ہوں اور اس کا میں شدید شیدائی ہوں۔)

اضحت الأرض التی جاوروها　　یحسد العنبر منها الترابا

(جس سرزمین کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسائیگی نصیب ہوئی تو اس کی وجہ سے عنبر مٹی سے حسد کرتی ہے۔)

کلما أوتیتُ منها نصیباً　　قلت انی قد ملکت النصابا

(جب مجھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کا کچھ حصہ ہاتھ آیا تو میں نے کہا کہ میں تو بہت بڑے حصے کا مالک بن گیا ہوں۔)

یا حبیباً وشفیعاً مطاعاً　　حسبنا أن الیك الایابا

(اے حبیب وشفیع اور قابل اتباع! ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ہماری واپسی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب ہے۔)

لم نقل فیك مقال النصاری　　إذ أضلوا فی المسیح الصوابا

(نصاریٰ جیسی باتیں ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق نہیں کہتے۔ وہ حضرت مسیح کے باب میں صحیح رائے صادر کرنے سے گمراہی میں پڑ گئے۔)

إنما أنت نذیر مبین　　أنزل اللہ علیك الکتابا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محض ایک واضح ڈرانے والے ہیں، اللہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کتاب نازل کی۔)

بلسان عربی بلیغ　　أفحم العرب فعیّت جوابا

(خالص عربی بلیغ زبان میں جس نے عربوں کو لاجواب بنادیا اور اس کا جواب دینے سے عاجز آ گئے)

یطمع الأسماع فیه بیانا　　وسناطبه علی العقل یابا

(اس کے بیان کی سماعت باعث لذت ہے اور اس کی پاکیزگی کی روشنی فہم کو حیران کر دیتی ہے)

پچھلے قصیدے میں بھی بوصیری نے قرآن کریم کے محاسن پر گفتگو کی ہے۔ سورہ الطلاق میں "**قد أنزل اللّٰہ إلیکم ذکراً رسولاًیتلوا علیکم آیات اللّٰہ مبیّنات**" (یقیناً اللہ نے تمہاری طرف قرآن یعنی رسول نازل کیا جو اللہ کی واضح آیات کی تم لوگوں کے لیے تلاوت کرتا ہے۔) آیا ہوا ہے۔ یہاں ذکر سے مراد قرآن کریم ہے اور اسی کا بدل رسول کریم ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کوئی تفاوت وتعارض نہیں ہے۔ دونوں میں بناء حاجز ناممکن ہے۔ اس قصیدے میں بھی بوصیری نے کتاب اللہ کی مختلف حیثیتوں کو بیان کیا ہے۔

بوصیری نے ایسا عمداً اس لیے کیا ہے کہ قرآن کریم کے بغیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادراک مستبعد ہے۔قرآن کریم ہی حقیقی ذریعۂ عرفان ہے اور یہی مستند عرفان بھی۔ بوصیری کا یہ اسلوب قابل قدر ہے۔آگے اسی قصیدے میں قرآن کریم کے مزید اوصاف کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

حوت الكتب لباباً وقشراً وهو حاوٍ ومن اللباب لبابا

(کتب سماویہ فکری اور صوری اعتبار سے باقی نہ رہیں اور یہ کتاب الٰہی اپنی اصل ہیئت پر برقرار ہے)

يجلب الدر الى سامعيه كلم لم يرفيه اجتلابا

(اس کے کلمات اپنے سامعین کی نظروں میں موتیاں انڈیلتے ہیں، اس میں کوئی نقص نہیں پایا گیا)

أشرفت أنواره فرأينا الرأ س رأساً والذنابى ذنابا

(قرآن کریم کی روشنیاں ظاہر و باہر ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اصل کو اصل صورت میں دیکھا گیا اور گناہوں کو گناہ تصور کیا گیا۔)

بوصیری کے سامنے قرآنی مضامین واضح صورت میں موجود تھے۔اسے اچھی طرح علم ہے کہ یہ وہی قرآن ہے جس طرح لوح محفوظ سے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ بوصیری کو یہ بھی پتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں لفظی اور معنوی دونوں تحریف کی ہیں۔ان کتابوں کے لیے قرآن کریم میں "مصدقاً لما بين يديه" آیا ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم اس توریت اور زبور کی تصدیق کرتا ہے جو غیر محرف تھیں۔مولانا بدرالدین اصلاحی نے مجلّہ ''الاصلاح'' میں ایک مضمون اس موضوع پر رقم فرمایا ہے۔ جو اب ادارہ علوم القرآن علی گڑھ سے شائع ہونے والے مجموعہ مقالات ''قرآنی مقالات'' میں شامل ہے۔جس کے مرتب پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ہیں۔ سرسید نے اپنی کتاب ''تبیین الکلام'' میں دلائل دیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ توریت اور زبور میں محض معنوی تحریف کی گئی ہے جو قرآن کریم کی رو سے غلط ہے۔"يحرمون الكلم عن مواضعه" کا مفہوم یہی ہے کہ انھوں نے توریت اور زبور میں لفظی تحریف کی ہے۔ یہاں تو صرف یہ وضاحت مقصود ہے کہ بوصیری کا نعتیہ کلام مختلف امتیازات سے آراستہ ہے۔اسے علمی و فکری نعتیہ کلام کہنا انسب ہے۔اس نعت کا ایک شعر یوں ہے۔

أنت سر الله فى الخلق والس ر على العمى أشد احتجابا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوق میں اللہ کے راز ہیں اور رازداریاں اندھوں سے بہت زیادہ مخفی رہتی ہیں۔)

اللہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں شریعت غراء کی توضیح وتبیین کے لیے بھیجا تھا۔یہی مقصد رسالت ہے۔جتنی آیات کریمہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو لوح محفوظ سے ملتی تھیں وہ اسے امانت کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش کردیتے تھے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے۔قرآن کریم نے آپ کی دیانت داری کا اعلان کیا ہے۔قرآن کریم نے آپ کی بلندیٔ مرتبت اور صداقت وامانت کا اعلان اس طرح کیا ہے: "**إنه لقول رسول كريم، ذى قوة عند ذى العرش مكين، مطاع ثم أمين**" (الانفطار:۸۱/۲۱-۱۹) (یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے جو قوت والا ہے،عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ،قابل اتباع ہے،امانت دار ہے۔) حضرت جبرئیل علیہ السلام پر عائد کردہ الزامات کا یہ آیت کریمہ جواب ہے۔) اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو کچھ ملتا اسے امت کے سامنے پیش کردیتے۔قرآن کریم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فریضے کا بار بار ذکر ہوا ہے۔اللہ کا ارشاد ہے: "**وان تولوا فانما عليك البلاغ**" (اور اگر انھوں نے روگردانی کی تو آپ کا کام محض پہنچانا ہے)۔اس تناظر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''سراللہ'' کہنا غیر قرآنی نقطہ نظر ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے کھلی کتاب تھے اور کھلی کتاب ہی کی بنیاد پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "**لكم فى رسول الله اسوة حسنة**" قرار دیا گیا ہے۔بوصیری کے اس شعر کی بنیاد غیر اسلامی عناصر پر ہے۔بوصیری کا ایک دوسرا شعر اسی میں اس طرح ہے۔

من دنوء و شهود وسر بأن عنه كل واش وغابا

(اس قرب سے،اس حاضری سے اور اس راز سے ہر پردہ اور ہر غیب ان پر سے ہٹ گیا۔)

معراج کی تفاصیل قدرے قرآن کریم میں موجود ہے اور روایات میں مزید توضیحات ہیں۔قرآن کریم میں جس ''دنو'' (قربت) کی بات کہی گئی ہے وہ قربت حضرت جبرئیل علیہ السلام اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کی ہے۔نہ کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کی۔اسی طرح جو "**فكان قاب قوسين أو أدنى**" (پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم) آیا ہوا ہے،اس امر کا وقوع بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہے نہ کہ درمیان اللہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔اگر نظم قرآن پیش نظر ہو تو مفسرین کے بہت سے تسامحات محو ہو جائیں گے اس لیے اس آیت کو بنیاد بنا کر یہ کہنا کہ ہر غیب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے منکشف ہو گیا مناسب نہیں ہے۔"**الذين يؤمنون بالغيب**" (وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں) کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوگا۔علم غیب کسی اور کو حاصل نہیں۔اس

لیے بوصیری کا یہ تصور کہ تمام مغیبات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظروں میں آگئے یہ درست نہیں ہے۔اسی طرح یہ شعر۔

ولـه مـن قـاب قوسين مـا شر ف قـوسيـن بـذكـر وقـابـا

(اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں کہ جن کے درمیان دو کمانوں کا فاصلہ تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوسین سے شرف یاب کیے گئے اور قرب کی عزت ملی۔)

اس شعر میں بوصیری نے قرآن کریم کی صحیح ترجمانی نہیں کی ہے۔ کیوں کہ ''قاب قوسین'' کا تعلق اللہ سے نہیں بلکہ حضرت جبرئیل اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔اس قصیدے میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مزید خوبیوں کو اس طرح منظوم کیا گیا ہے۔

كـل مـن تـابـعـه نـال مـنـه نسباً مـن كـل فـضل قـرابـا

(جس کسی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق اختیار کیا تو یہ نسب قرابت داری کے سبب ہر فضل سے سرفراز ہوا)

ديـنـه الـحـق فـدع مـا سـواه وخـذ الـمـاء وخـلّ السـرابـا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین حق ہے، اس لیے اس کے علاوہ ادیان کو چھوڑ دو، یوں جانیے کہ پانی لو اور سراب سے لاتعلق ہو جاؤ۔)

انـقـذ الهـلـكی وربی اليتـامی وفـدی الاسـری وفك الـرقـابـا

(ہلاکت میں پھنسے ہوئے لوگوں کو نجات دی۔ یتیموں کی تربیت کا اہتمام کیا، قیدیوں کو فدیہ دے کر آزاد کرایا اور غلاموں کی گردن کو آزاد کیا۔)

بـصـری الـعـمـی فيـاليت عينی مـلـئـت مـن أخـمـصـيـه تـرابـا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نابیناؤں کو بصارت دی، کاش کہ میری گرد آلود آنکھوں کو روشنی نصیب ہوتی۔)

أسـمـع الـصـم فـمـن لی بسمعی لـو تـلـقـی لـفـظـه المستطـاب

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہروں کو سماعت بخشی، کاش میری سماعت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میٹھے بول سے لطف اندوز ہوتی۔)

تـطـرب الـخـيـل بـوقـع فتختـا لُ الـی الـحـرب وتـعـدوا طـرابـا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعاؤں سے) گھوڑے جنگوں میں مطروب تھے، جنگ میں آ کر

گھوڑوں کو فریب زدہ کردیتے اور وہ خوشی سے برق رفتار رہتے۔)

مذکورہ اشعار میں مختلف اوصافِ رسول کا احاطہ کیا گیا ہے۔اس میں بوصیری کی یہ خواہش لائق ذکر ہے کہ وہ اللہ رسول کے لفظوں سے اپنی سماعت کو سرشار کرنا چاہتے ہیں اپنی غبار آلود آنکھوں کو دعائے رسول سے روشن کرنے کے خواستگار ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ بوصیری نے بعض نئی باتوں سے عربی نعت گوئی میں اپنا ایک مخصوص مقام بنالیا ہے۔اب یہی بات کس قدر لائق ستائش ہی کہ وہ حسان بن کر شمائل النبی کو منظوم کرنا چاہتے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کو حسان کے طرز پر منظوم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ان جذبات کی بنیاد پر بوصیری نے نعتیہ شاعری کو نئے ارض وسما عطا کیے ہیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مساعی کو اس طرز پر قلم بند کیا ہے۔

من حملة نصروا الدين حتى أصبح الاسلام أحمى جنابا

(صحابہ کرامؓ کے دین کی مدد کی وجہ سے اسلام ایک انتہائی محفوظ گڑھ کی مانند ہوگیا۔)

رفعوا الاسلام من فوق خيل اركبتْ كل عقاب عقابا

(انھوں نے اسلام کو بلندیوں تک پہنچایا جو تصور سے بالاتر ہے۔انھوں نے عقاب اسلام کو ہر عقاب سے اوپر پہنچادیا۔)

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ علامہ اقبال سے کئی سو سال پہلے بوصیری نے شاہین اسلام کا تصور دیا ہے۔علامہ نے اپنی شاعری کے ذریعہ شاہین کے تصور کو مستحکم کیا۔اس کی وجہ سے یہ تصور پورے اردو ادب میں معروف ہوگیا۔یہ تمام چیزیں علامہ اقبال کے تصور خودی کا حصہ ہیں۔شاہین اور کرگز کا موازنہ کرتے ہوئے علامہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد شاہین ہے، اسے بلندی عزیز ہے۔جہاد یا جدوجہد سے اسے پیار ہے، کیوں کہ رزق حلال ہی سے اس کی زندگی مربوط ہے۔شاہین باطل سے ڈرتا نہیں بلکہ اسے دباتا اور شکست دیتا ہے۔اسلام کے شاہینوں نے زمین کو ظلم وفساد سے پاک کیا، اسے پستی سے اور حقارت وذلت سے عداوت ہے۔اسے سیادت وقیادت کے بغیر جینا نہیں آتا۔کیوں کہ اسے دنیا میں سربراہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔مختصر یہ ہے کہ بوصیری اور علامہ اقبال دونوں کے یہاں تصور شاہین موجود ہے۔لیکن شاہین کو اردو شاعری کا سہرا قرار دینے کا اعزاز علامہ کو حاصل ہے۔

خضوا البيض من الهام حمراً ماتزال البيض تهوى الخضابا

(انھوں نے (دشمنانِ اسلام) کی گردنوں کو قلم کرکے اپنی سفید تلواروں کو سرخ کردیا۔یہ تلواریں ہمیشہ خون سے لت پت رہنا چاہتی ہیں۔)

أرغم الهادی أنوف الاعادی برضاهم وأضل الرقابا

(ہادیٔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رضا کے لیے دشمنوں کی ناکوں کو ذلیل کر دیا اور ان کی گردنوں کو جھکا دیا۔)

فأطاعته الملوك اضطراراً وأجابته الحصون اضطرابا

(یہی وجہ ہے کہ بادشاہوں نے بادل ناخواستہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی نیز قلعوں سے بے قرار ہو کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لبیک کہا۔)

بوصیری کو بخوبی معلوم تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دربار رسول میں ایک وقار وشعار تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے ہی جیش اسلام کو آگے بڑھاتے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے انہیں "أصحابی کالنجوم" یعنی ستاروں سے تشبیہ دی۔ ان کی اقتداء کو اپنی اقتداء سے مربوط کیا۔ اقتداءِ صحابہ ہدایت کی ضمانت ہے۔ ان کی ذلت اللہ کے رسول کو قطعاً ناپسند تھی۔ ان کے وقار کا ہر وقت انھیں خیال رہتا۔ دشمنانِ اسلام سے ان کے لیے انتقام لیتے، ان کے درد، ان کے احساس اور فکر وخیال میں شامل رہتے۔ ان کے ذاتی امور میں رہنمائی کرتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بغیر نہ تو تاریخ اسلام مکمل ہوگی اور نہ ہی سیرت رسول، کیا حضرت ابوبکر اور حضرت بلال کے بغیر تاریخ اسلام کی تکمیل ہو سکتی ہے؟ حضرت خدیجہ، حضرت علی اور حضرت حسن وحضرت حسین کے بغیر سیرت مقدسہ کے ابواب تمام ہوں گے؟ بوصیری کی نعتیہ شاعری کے بے شمار نئے رنگ اور نئے ڈھنگ ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں۔

أو لم تعجب له وهو بحر كيف يستسقى نداه السحابا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دشمن حیرت زدہ کیوں نہ ہوں، اور وہ تو سمندر ہیں اور سمندر کو کیا ضرورت کہ وہ بادلوں سے پانی طلب کرے۔)

كانت الأرض مواتاً فأحيا بالحيا منها الموات انسكابا

((قبل رسالت) زمین چٹیل میدان بن چکی تھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد نے بارش کا پانی پلا کر زندہ کر دیا۔)

نزعت عنها من المحل ثوبا وكستها من رياضٍ ثيابا

(زمین کی ایک جگہ کپڑے اتارے گئے اور زمین نے اسے سرسبز وشاداب کپڑوں سے آراستہ کیا)

سيد كيف تأملت معنا ه رأت عيناك أمراً عجابا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو سردار ہیں تم انھیں اپنے جیسا کیسے تصور کر سکتے ہو، تمہاری دونوں آنکھوں نے انھیں محیر العقول تصور کیا۔)

یوم نالتہ بافك یهود مثلما استنبح بدر كلابا

(جس دن یہود نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر الزام تراشی کی تو معاملہ بالکل یوں تھا کہ جیسے کتے بدر کامل پر بھونک رہے ہوں۔)

فادعنی حسان مدحٍ وزدنی إننی أحسنت منه المتابا

(مجھے حسان بن ثابت کی مدح سرائی کی نیابت سونپئے بلکہ مجھے مزید ذمہ داریاں سپرد کر دیں۔ میں بحسن وخوبی ان کی نیابت کا فریضہ انجام دوں گا۔)

ترامیتُ به فی بحار مكثراً أمواجها والعبابا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی ان سمندروں کی مانند ہے جس کی موجیں متواتر ہیں اور جھاگ زدہ ہیں، انھیں میں رہتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تیر چلاتا رہا۔)

شاب فی الاسلام لكن له فی ك فواد حبه لن یشابا

(وہ اسلام میں جوان ہوا اور اس کے دل میں صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ حب شباب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔)

ینتهی بالأمانی إنه قبل ممات أنابا

(وہ خواہشات سے سرفراز ہوا، موت سے قبل اسے انابت نصیب ہوئی۔)

أفلا أرجوا الذنبی شفیعاً مارجاه قط راج فخابا

(کیا میں اپنے گناہوں کی شفاعت کی امید نہ کروں، جس امیدوار نے اس سے امید لگائی وہ کبھی نامراد نہیں ہوا۔)

أحمد الهادی الذی كلما جئی تُ إلیه مستثیباً أثابا

(ہادی احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی ذات اقدس ہے کہ جب جب امیدوار بن کر حاضر ہوا، امید بَر آئی۔)

بوصیری کے قصائد میں مختلف ایسے مقامات آئے ہیں جہاں صحابہ کرام کی بلندیاں موضوع بحث ہیں۔ بوصیری کا یہ نقطہ نظر مبنی بر اعتدال ہے کہ تمام صحابہ کرام کو بنظر تحسین دیکھا جائے۔ ان پر انتقاد سے بچا جائے۔ ان کے مابین موازنہ کرنا، فضائل ومناقب کی بنیاد پر انھیں درجات میں تقسیم کرنا مناسب

نہیں ہے لیکن افسوس کہ ہم نے صحابہ کرام کو مختلف خانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ کوئی یوم علی مناتا ہے کوئی اپنے کو سپاہ صحابہ قرار دیتا ہے، کوئی حضرت حسن و حسین کے تعلق سے بنو امیہ پر تیر اندازی کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم اپنی بچیوں کا عائشہ نام نہیں رکھتے۔ حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضون اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے باب میں اپنی زبان کو ناپاک کرتا ہے۔ واقعہ کربلا پر لٹریچر کا انبار ہے اس سے دوریاں بڑھتی ہیں لیکن دین اسلام کا کوئی فائدہ نہیں، ''کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں''۔ ہمیں صحابہ کرام کے باب میں محض توقیر و تکریم کے کوئی اور قدم اٹھانا مناسب نہیں ہے۔ بوصیری کا معتدل نقطہ نظر اس طرح ہے۔

ان قوماً رضی اللہ عنهم مالنا نلقی علیهم غضبانا

(یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہے، ہمیں قطعاً زیب نہیں دیتا کہ ہم غضب ناک ہوں)

إنني فی حبهم لا أحابی أحداً فقط ومن ذا یحابی

(میں ان کی محبت میں غرق ہوں۔ میں ذرہ برابر کسی صحابی کی توہین نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان سے محبت کرنے والوں کی۔)

بوصیری کے نقطہ نظر سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کی تالیف مناسب نہیں ہے۔ بہت سے مؤرخین کا خیال ہے کہ تاریخی اعتبار سے بھی مولانا کی یہ کتاب لائق اعتراض ہے۔ مولانا منظور احمد نعمانی نے علامہ خمینی اور ان کے حسب و نسب پر کتاب لکھ کر مثبت کردار ادا نہیں کیا۔ پاکستان میں مولانا امین احسن اصلاحی کو مستقل دائرہ اسلام سے خارج کیا جا رہا ہے، اس سے قبل ان کے استاذ مولانا فراہی اور علامہ شبلی کو دائرۂ اسلام سے بدر کیا گیا جو مقام تاسف کے سوا اور کیا ہے؟ بوصیری نے اپنی شاعری میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خدمات کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اشاعت اسلام اور احیاء دین میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بوصیری کے یہاں صحابہ کرام کے مابین مقارنہ بھی سودمند نہیں ہے۔ اس قصیدے کا اختتامیہ یوں ہے:

صلوٰات اللہ تتری علیه وعلیهم طیبات عذابا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام کا تسلسل رک نہیں رہا ہے اور تمام صحابہ کرام پر بھی خوشگوار کلام کی بارش ہو رہی ہے۔)

یفتح اللہ علینا بها من جوده والفضل بابا فبابا

(اسی درود و سلام کے سبب اللہ تعالیٰ اپنی سخاوت کے ابواب ہم پر وا کرے گا۔)

ما انتضی الشرق من الصبح سیفاً وفـر ی مـن جُـنـحِ لیلِ إھـابـا

(جب تک صبح روشن مانند سیف نمودار ہوتی رہے گی اور رات کے پہلو سے چیر کر نکلتی رہے گی (تب تک فیوض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مجھ پر برستے رہیں گے۔)

بوصیری نعتیہ شاعری کا ایک درخشندہ ستارہ ہے۔نعت گوشعراء میں انھیں ایک مخصوص رتبہ حاصل ہے۔اس رتبے کا اتصال ان کے لب ولہجہ،لسانی امتیاز،منفرد اسلوب اور تقدیم کے منہج خاص سے ہے۔ بوصیری کی ایک ایسی دنیائے ثقافت میں تربیت ہوئی جہاں قرآن کریم کو اوّلیت حاصل ہے۔ بوصیری کی شاعری میں ایک خاص آہنگ اس لیے ہے کہ وہ کتاب الٰہی سے مستفاد ہے۔ان کی شاعری قرآنی مضامین سے معمور ہے۔قرآنی مفردات سے ہی ان کی شاعری میں قوت تنفس اور قوتِ نمو ہے۔ یہی اختصاص انھیں مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ بوصیری کا سرزمین مصر سے تعلق ہے،مصر کی تاریخ ثقافت سے سرسبز وشاداب ہے۔ دنیا کی قدیم تہذیبوں میں اس کا شمار ہے۔ دنیا کی ابتدائی تہذیبی تاریخ میں مصری تہذیب کا ایک سنگ میل ہے۔ بوصیری کی شخصیت مصری تہذیب ومعاشرت کی نمائندہ ہے۔ بوصیری کی شاعری شائقین رسول کے لیے حرز جاں ہے کیوں کہ نعتیہ شاعری کو ایک رُخ اور ایک مزاج دینے میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔انھوں نے آنخضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آئینۂ قرآن میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔سیرت مقدسہ کی تحسین وتزئین قرآن کریم کے بغیر ممکن نہیں۔اپنے نعتیہ قصائد میں جگہ جگہ قرآن سے تائید حاصل کی ہے۔دشمنانِ رسالت کو قرآن کریم کی مدد سے ہدف تنقید بنایا۔ بالخصوص یہود ونصاریٰ کی عداوتوں کو قرآن کریم کی روشنی میں طشت ازبام کیا ہے۔توریت وزبور میں کی گئی تحریفات کے باب میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔شاید یہ مبالغہ نہ ہو کہ کسی شاعر کے یہاں اس قدر صراحت نہیں ملتی۔صحف آسمانی اور قرآن کریم کا موازنہ کرتے ہوئے قرآن کے اعلیٰ وافضل مقام کو نمایاں کیا ہے۔انھوں نے رسالت کے محاسن کے اخفاء کے لیے کوششیں کیں اور راہ رسالت کا روڑہ بنتے رہے۔ بوصیری نے یہود ونصاریٰ دونوں کو لتاڑا ہے کیوں کہ دونوں تنسیخ توحید میں انتہاء کو پہنچ گئے۔ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہا السلام کو الوہیت کے درجہ پر فائز کیا۔ اس کے برعکس ملت اسلامیہ کا دامن اس گھناؤنے گناہ سے پاک ہے لیکن یہ مقام افسوس ضرور ہے کہ مزارات ہمارے بعض بھائیوں کے لیے سجدہ گاہ ہیں جب کہ ملت اسلامیہ خالص توحید کی نمائندہ ہے جس کا نچوڑ سورہ اخلاص ہے۔ بوصیری نے یہود ونصاریٰ کی اس شرکیہ تحریک کو مذموم قرار دیا ہے۔

بوصیری نے اللہ کے رسول کے معاندین اور ان کے شدائد کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح صحابہ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔انھوں نے اپنی جانی ومالی قربانیوں سے دین اسلام کی اشاعت کی ہے۔ بوصیری نے اپنی نعتیہ شاعری میں اہل بیت اورازواج مطہرات کے خصائص اوران کی عظمتوں کوخراج عقیدت پیش کیا ہے۔اہل بیت سے محبت جزء ایمان ہے۔حضرت حسن وحضرت حسین کے عزائم کوبھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔غزوات وسرایا کوبھی نعتیہ شاعری کا حصہ بنایا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات کومنظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ بوصیری کا یہ نقطہ نظر لائق تنقید ہے کہ کرامات کومعجزات کا حصہ قرار دیا ہے۔اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو''سراللہ'' قرار دینا غیراسلامی نقطہ نظر ہے۔رسالت کا ہرورق کھلا ہوا ہے تاکہ عباداللہ کی رشدوہدایت میں سہولت ہوسکے۔اسلام اورصاحب اسلام کا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں ہے۔قرآن کریم کی آیات کوکھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ارشادربانی ہے: **"الر،کتاب احکمت آیاته ثم فصلت من لدن حکیم خبیر"** (الر، یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئیں پھرصاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم خبیر کی طرف سے)۔بوصیری کی نعتیہ شاعری بتاتی ہے کہ وہ تصوف کے ثناخواں تھے۔

بوصیری کی خواہش ہے کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوبنفس نفیس دیکھ کراپنے جذبات کو منظوم کرنے کا تمنائی ہوں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار انسان کوکن احساسات سے ہمکنار کرے گااس کی بوصیری نے ترجمانی کی ہے۔بوصیری کا یہ جذبہ مقدس بھی انتہائی لائق قدر ہے کہ وہ حسان بن کراللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثناخوانی کرنے کے لیے خواہش مند ہیں۔قصیدۂ بردہ کہہ کرطریق صحابی پر چلنے کے لیے کوشاں ہیں۔ان کی یہ کاوش ان کے حبِ رسول کے موجزن ہونے پردال ہے۔حسان کے نقشِ قدم پرچل کر دفاعی اقدامات انجام دینے کے لیے بےقرار ہیں۔ مولانا سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی نے اپنی کتاب''شعراءالرسول''میں حسان بن ثابت پراچھی روشنی ڈالی ہے جس سے ان کی نعتیہ شاعری کے امتیازات منظرعام پرآجاتے ہیں۔بوصیری نے اپنے حب رسول کی ترجمانی کرتے ہوئے توضیح کی کہ وہ بحربیکراں کی مانند ہیں جس کی موجیں پیہم متلاطم رہتی ہیں۔ نعتیہ جذبات کی فراوانی تھمنے کا نام نہیں لیتی۔ بوصیری کا یہ بھی کہنا ہے کہ نیابتِ حسان میں پیش پیش رہوں گا۔ بوصیری اپنے نعتیہ کلام کے سبب زندہ رہیں گے۔اوصافِ رسول کے استقصاء میں ان کا رول ناقابل فراموش ہے۔شمائل النبی ان کے استحضار کا حصہ ہے۔وہی ان کی شناخت اوررخت سفر ہے۔اسی لذت ورغبت میں ان کی زندگی تمام ہوئی۔ان دونوں قصیدوں کےعلاوہ ان کے مزید قصائد

ہیں جن پر راقم کی خواہش ہے کہ مزید خامہ فرسائی کی جائے۔ ان کے تمام نعتیہ قصائد کے تحلیل و تجزیہ کے بعد ہی بوصیری کے تعلق سے حتمی رائے قائم کی جاسکتی ہے، لیکن ان دو قصیدوں کی بنیاد پر انھیں نعتیہ شاعری کا سنگ میل قرار دینے میں کوئی تامل نہیں ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ دیوان بوصیری کا ترجمہ ایک عظیم کام ہے۔ تراجم میں بہت سے نقائص جگہ جگہ راہ پا گئے ہیں مذکورہ دونوں قصیدوں کی بنیاد پر راقم کو کہنے کا جواز ہے کہ مترجم جناب علامہ حافظ محمد ذکاءاللہ نے ایک بڑا کام کیا ہے۔[1] ترجمہ نگاری ایک مشکل فن بلکہ ایک جوکھم ہے، آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔ ان تمام مشکلات وشدائد کا مترجم نے مواجہہ کیا ہوگا۔ اس عظیم کام پر مترجم مبارک باد کا مستحق ہے۔ یہ اردو قارئین کے لیے عظیم تحفہ ہے۔ دنیائے اردو کو ان کا تشکر ادا کرنا چاہیے۔ خاکسار کا خیال ہے کہ مترجم کو مزید توقف وتامل سے کام لینے کا تقاضا تھا۔ ان دونوں قصیدوں میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جن کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ اس مضمون میں بیشتر تراجم میرے ہیں۔ کیوں کہ مترجم کے تراجم میں بہت سے تسامحات در آئے ہیں۔ کسی مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ بدستِ لغت ترجمہ نگاری کا فریضہ انجام دے۔ اثناء ترجمہ الفاظ کے معانی دیکھنے میں تساہلی کا ثبوت نہ دیا جائے۔ بہرکیف راقم کی رائے ہے کہ اشاعتِ ثانی میں اس ترجمہ پر مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے نیز زبان پر مزید ارتکاز واعتناء کی احتیاج ہے۔ زبان میں سلاست اور تواصل کا فقدان ہے۔ زبان کے حسن سے قاری کا دل لگتا ہے۔ غبارِ خاطر کی انشاء دلوں کو لبھاتی اور ذہنی دباؤ کو کم کرتی ہے۔

حواشی :

1. دیوان امام بوصیری مع ترجمہ ''دارالسلام پرنٹنگ پریس لاہور'' سے ربیع الاول ۱۴۳۴ھ/ جنوری ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا جو ۴۱۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس عظیم کام کی اشاعت پر ہم مترجم جناب حافظ محمد ذکاءاللہ سعیدی اور پریس دونوں کو کلمات تشکر پیش کرتے ہیں۔ اپنے علمی کرم فرما جناب ڈاکٹر عبدالعزیز خاں (عزیز احسن) کراچی پاکستان کے بھی شکر گزار ہیں جن کی نوازشوں سے یہ دیوان امام بوصیری ہمیں دستیاب ہوا اور جس کی بنیاد پر یہ مقالہ ترتیب دینے کا شرف حاصل ہوا۔

☆☆☆

ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)

نعت سرورِکونین بزبانِ سرورِکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نعت درحقیقت ناعت (نعت کہنے والا) اور منعوت (جس کی نعت کہی گئی ہو) کے درمیان واقع ہونے والی نسبتِ وصفی کا مبارک و مسعود نام ہے۔ جب خالق کائنات کا قول گرامی "اِنَّ اللّٰہ وَ مَلائِکتہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیْ" نازل ہوا تو مخلوق کو پتہ چلا کہ اوّلین ''ناعت'' اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس اور ''منعوت'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت ہے۔ اس کے بعد سے نعت گوئی و نعت خوانی کا تسلسل و تواتر از ازل جاری و ساری ہے اور ابدالآباد کے آگے بھی جاری رہے گا۔ اسی نکتہ کے سبب محققین علما و صوفیائے صافیہ نے نعت گوئی کو قدیم صفات خداوندی میں شامل کیا ہے اور "تخلّقو باخلاق اللّٰہ" یعنی اللہ کے خُلق و سنّت کی پیروی کرو، پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرمائی۔ چونکہ نعت شریف کلام رب تعالیٰ کا ہی حصہ ہے اور رب تعالیٰ کا کلام بمصداق ''قولِ اوراَلحسن نے آواز نے'' الفاظ و آواز کا محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا ''ماسوا اللہ'' میں نعت گوئی کی کیفیت ہر رنگ اور ہر ڈھنگ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ مثلاً انس و جن کی نعت گوئی الفاظ کے دائرے میں ہوتی ہے، چاہے وہ الفاظ منظوم ہوں یا منثور، عرش و کرسی کی نعت گوئی نورانی جلوؤں میں ملفوف ہے اور زمین و آسمان کی نعت خوانی "یسبّح لہٗ مافی السمٰوات والارض" کی طرح زبان حال سے جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گی۔

نعت پاک کی ایک اہم اور انوکھی خصوصیت و امتیاز یہ ہے کہ وہ بسا اوقات خود حضرت منعوت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئی ہے۔ چونکہ نعت شریف بذات خود عظیم نعمت خداوندی ہے، جس کے اظہار و اعلان کا عندیہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو "وَامّا بِنِعْمتِ رَبّكَ فَحدّث" کی آیت کریمہ کے تحت دیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی ایمائیت اس سوال کا جواب بھی ہے کہ نعت پاک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس و صفات انور کی تعریف و توصیف کا نام ہے تو

پھر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبان مبارک سے اپنی تعریف و ثنا خوانی کیوں کریں۔ یہ اس لئے کہ ''حقیقت محمدی''، صلی اللہ علیہ وسلم کے لاکھوں صفات و جہات ہیں، جن کا علم وادراک اسی وقت ہوسکتا ہے جب تک کہ خود خدائے قدوس انہیں ظاہر نہ کرے یا اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد نہ فرمائیں۔ یہی سبب ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ موقع وحسبِ ضرورت خود اپنی نعت یعنی تعریف وتوصیف فرمائی۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **"انا سیدالناس یوم القیامة"** (بخاری) یعنی میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ ایک اور روایت میں قیامت کی قید کے بغیر مطلق ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **"انا سیدالناس"** (ابوداؤد)، امام مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے **"اوّل من ینشق عنه القبر و اوّل شافع و اوّل مشفع"** یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی قبر سے برآمد ہوں گا اور محشر میں اوّلین شفاعت میری ہی ہوگی اور میں ہی شفاعت شدہ رہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعریف وتوصیف خود کی ہے تو یہ فخر ومباہات کے طور پر نہیں بلکہ ''تحدیث نعمت'' یعنی خدائے عزاسمہٗ کی نعمتوں کو بیان کرنے کے حکم کی تعمیل میں فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر بعض احادیث شریفہ میں **"ولا فخر"** کا لفظ صراحةً ارشاد ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا صحابۂ کرام آپس میں گفتگو کررہے ہیں۔ ایک صحابی نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا، دوسرے نے عرض کیا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ تیسرے نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کلمة اللہ اور روح اللہ تھے۔ چوتھے صحابی گویا ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السلام صفی اللہ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو فرمایا میں نے آپ لوگوں کی تعجب خیز باتیں سنیں، ہاں! ابراہیم علیہ السلام بے شک خلیل اللہ تھے، موسیٰ علیہ السلام یقیناً کلیم اللہ تھے، عیسیٰ علیہ السلام لاریب کلمة اللہ وروح اللہ تھے اور حضرت آدم علیہ السلام صفی اللہ تھے۔ لیکن یاد رکھو میں ''حبیب اللہ'' ہوں اور میرا یہ کلام آخر نہیں۔ میں ہی سب سے پہلے جنت کی زنجیر کھٹ کھٹاؤں گا اور اللہ میرے لئے جنت کا دروازہ کھول دے گا اور مجھے اندر داخل فرمائے گا، اس وقت میرے ساتھ فقرائے مسلمین بھی ہوں گے اور یہ بات بطور فخر نہیں، میں اللہ کے یہاں تمام اگلوں اور پچھلوں سے زیادہ معزز ہوں اور یہ بات بطور فخر نہیں (ترمذی و دارمی)۔ اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت امام دارمی نے نقل کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام مرسلین کا قائد ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں اور

میں خاتم النبیین ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں، امام ترمذی نے حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں تمام نبیوں کا امام اور ان کا سفارشی رہوں گا اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں، امام ترمذی نے ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں زمین سے سب سے اوّل برآمد ہوں گا اور مجھے جنت کا خلعت پہنایا جائے گا پھر عرش کے دائیں طرف ایسے مقام پر کھڑا رہوں گا کہ میرے سوا اس جگہ پر تمام مخلوقات میں سے کوئی نہ ہوگا۔

''نعت سرورکونین بزبان سرورِکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کے تعلق سے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح میں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے "**انّہٗ من البیان الذی یجب علیہ تبلیغہٗ الی امتہٖ لیعرفوہ و یعتقدوہ و یعملوا بمقتضاہ و یُوقّروہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بمایقتضی مرتبتہٗ**" یعنی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی توصیف خود بیان فرمائی، یہ اس لئے کہ آپ کی عظیم الشان شخصیت کے بارے میں امت کو واقف کرانا ضروری تھا، تاکہ وہ آپ کو کما حقہ پہچانے اور آپ کے ساتھ حسنِ اعتقاد رکھے، اور آپ کے احکام کی پیروی کرے اور آپ کے بلند و بالا مرتبہ کے لحاظ سے آپ کی تعظیم و توقیر کرے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے بلند پایہ محدث و فقیہ کے کلمات کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نعت خود اس لئے کہی ہے کہ امت مسلمہ اپنے آقا رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کے مطابق صحیح عقیدہ رکھے۔

''نعت سرورِکونین بزبانِ سرورِکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' اس لئے بھی ضروری ہے کہ تنویرِ حسنِ مطلق کی جلوہ آفرینی کا علم و عرفان اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مظہر ذات کبریا، وجہ کُن فکان صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی شان محبوبیت کے احساس کو قلوب مؤمنین کی زینت نہ بنائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بھی ارشاد گرامی ہوگا وہ ربّ کائنات عَزَّ اِسْمُہٗ کی مرضی و منشا کے مطابق ہوگا۔ اس لئے کہ آپ کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی**" یعنی حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے۔ آپ کا جو بھی ارشاد ہے وہ اللہ کی طرف سے وحیٔ مقدس ہے۔ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز خودستائی و خودثنائی نہیں فرمائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصی فضیلت کے ادراک کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے اس حقیقت کو ذہن و دل میں جاگزیں کرلیں کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ

وسلم کی مبارک ومطہر ذات اور آپ کی جملہ منور ومجلّٰی صفات معجزاتی ہیں، آپ کی نگاہ کرم جس ذرّہ پر پڑی وہ رشک آفتاب ومہتاب ہوگیا، جس کاہ پر ٹھہری وہ فخر کوہ بن گیا اور جس خاک پر رُکی وہ نازش صد طور ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے معتقدین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت ایسی ہے کہ کافر بھی آپ کو دیکھ لے تو مسلمان ہوجائے'' اس پر آپ کے ایک خادم خصوصی نے عرض کیا، یا شیخ، یہ کیسے ممکن ہے، جبکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداران قریش ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ وغیرہ نے بارہا دیکھا مگر ان میں سے کوئی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوا۔ اس پر شیخ نے فرمایا، بات تم سمجھ نہیں سکے، واقعہ دراصل یہ ہے کہ مذکورہ کفار نے محمد بن عبداللہ کو دیکھا، نہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لمحہ بھر کے لئے بھی دیکھ پاتے تو یقیناً مشرف بہ اسلام ہوجاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نورانی ذات اقدس کی کماحقہ معرفت ماسوا اللہ کے ذہن رسا سے وراء الورا ہے اس سبب سے ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات وصفات دونوں معجزاتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ ذاتِ نورانی وصفات قدسی کی تفہیم کرتے ہوئے مصنف ''ناعت ومنعوت'' (ڈاکٹر راہی فدائی) نے اس طرح تحریر کیا ہے:

> ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمانی وظاہری قد وقامت سے متعلق احادیث شریفہ میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ طویل القامت تھے اور نہ قصیر، بلکہ آپ کا قد متوسط ومیانہ واقع ہوا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابۂ کرام کے درمیان طویل القامت سمجھے جاتے تھے جب کبھی موجود ہوتے تو صحابہ گواہی دیتے ہیں کہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قد سے اونچا اور نکلا ہوا ہے۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جمیلہ کا معاملہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جملہ صفات معجزاتی ہیں جن کے ذکر سے تاریخ کے صفحات روشن وضوبار ہیں، جیسا کہ احادیث شریفہ میں آپ کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انسانوں کی بہتری و بہبود اور ان کے اصلاح وفلاح سے متعلق ہمیشہ محزون ومتفکر رہا کرتے تھے، اور چہرۂ اقدس پر ملال کے آثار مسلسل ظاہر ہوتے رہتے تھے۔'' **متوالی**

الاحزان و دوائم الفکرۃ" (بخاری) جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا "**فلعلّک باقع نفسک علیٰ آثارھم ان لم یؤمنوا بھٰذا الحدیث اسفا**" (سورۂ کہف:٦) یعنی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ شاید ان کے پیچھے غم کرتے ہوئے اپنی جان دے دیں گے کہ وہ کافر ایمان نہیں لائے ہیں۔ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر رنج وغم کے آثار ہمیشہ نظر آتے تھے، حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سراپا کا ذکر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام کا قول فیصل ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ وعلیہ وسلم کا رخ زیبا چودھویں رات کے چاند سے بھی زیادہ روشن ومنور رہتا تھا، اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وارفتگان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلفیہ بیان ہے کہ 'ایام بیض' میں وہ کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو دیکھتے اور قمر کی تابندگی پر نظر ڈالتے تو بے شک انہیں روئے انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلے میں چاند کی تجلّی ماند پڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔'' (مطبوعہ ۲۰۱۴ء ص:١٧)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان شدہ معجزاتی خصوصیات کو ''نعت سرورِ کونین بزبان سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کی حیثیت سے بیان کرنا مذکورہ دلائل کی روشنی میں صحیح ہے۔ راقم الحروف (راہی فدائی) اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بخاری شریف کی یہ حدیث پیش کررہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "**من رآنی فی المنام فقدرآنی فانّ الشیطان لا یتمثّل بی**" یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے حقیقتاً مجھے ہی دیکھا، اس لئے کہ شیطان ہرگز میری شکل اختیار نہیں کرپائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر اعتبار سے جن وانس کے تمام طبقات میں منفرد وممتاز بناتے ہوئے آپ کی زبان مبارک سے جاری شدہ کلمات کو "**جوامع الکلم**" کا درجہ عطا فرمایا ہے اور افصح العرب والعجم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ اقدس سے نکلنے والا ہر حرف گویا معانی ومطالب کا بحر زخار ہے۔ اس کی گہرائی و گیرائی کا کما حقہٗ اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **بعثتُ بجوامع الکلم و نصرتُ بالرعب**" (صحیحین) علاوہ ازیں شیخین امام بخاری وامام مسلم کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کل سببٍ **ینقطع یوم القیامۃ الّا سببی و**

نسبی" یعنی ہر ایک علت اور ہر ایک نسبت قیامت کے دن ختم کر دی جائے گی، مگر میری نسبت اور مجھ سے تعلق و ربط منقطع نہیں ہوگا بلکہ یوں ہی بحال رکھا جائے گا، جس کا فائدہ یقیناً شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم فرمائی و نظر عنایت سے ہوگا۔

اس مقالہ کے آخر میں راقم یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ ''انا'' بہت ناگوار ہوتا ہے۔ ایک صحابی کی زبان سے اپنے نام کے آگے ''انا'' کہتے ہوئے سنا تو ناپسند فرمایا، اس حقیقت کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقابل و مخاطب پر اپنی شان اعجاز ظاہر فرمانے کے لئے لفظ ''انا'' کا استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ واقعہ ''حنین'' میں آپ نے فرمایا: "**انا النبی لاکذب۔ انا ابن عبدالمطلب**" بہر حال ''نعت سرور کونین بزبان سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' طالبان حق کے لئے اپنے عقائد کو صحیح و مستحکم کرنے کا وسیلہ و ذریعہ ہے۔ **وماعلینا الا البلاغ**۔

☆☆☆

ڈاکٹر بشیر الحق لطفی (ویلور، ٹمل ناڈو)

نعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معنوی آغاز اور لفظی ارتقاء

نعت، عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا ایک عام معنی ہے اور ایک خاص معنی ہے، اس کا عام اور مطلق معنی تعریف وتوصیف، مدح وثنا کے ہیں اور اس کا خاص اور مقید معنی ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور تفصیل وتوقیر بیان کرنا۔ وصف کے مطلق اور عام معنی میں مستعمل یہ لفظ وصف محمدی کی جہت سے خاص بھی ہے اور مقید بھی اور یہ لفظ صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصف کے اظہار وبیان میں استعمال ہو رہا ہے اور شعر وادب کی اصطلاح میں بھی یہ لفظ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسری شخصیت کی تعریف وتوصیف کے لئے مستعمل نہیں ہے۔

عہد حاضر کے شعر وادب میں اس لفظ کے خاص اور مقید معنی ومفہوم میں بڑی وسعت اور آفاقیت پیدا ہوگئی ہے چنانچہ نعت گوئی میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل ومحامد، شمائل وکمالات آپ کی تعلیمات وہدایات اور حالات وواقعات کے ساتھ ساتھ نعت گو کے جذبات واحساسات، خیالات ونظریات اور احوال وکوائف بھی شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشیات وسماجیات اور سیاسیات ودیگر قومی وملی اور علمی وتحقیقی امور ومسائل اور مباحث بھی جگہ پا رہے ہیں اور نعت، قدیم وجدید اسالیب اور ہیئتوں میں کہی جا رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، تخلیق عالم سے پہلے ہو یا تخلیق کائنات کے بعد، فرشتوں سے ہو یا انسانوں سے، وہ سب نعت ہی ہے، نعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اظہار سب سے پہلے جس ذات سے ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ایک حدیث قدسی ہے۔ **لولاک لما خلقت الافلاک** اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یہ کائنات بھی پیدا نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو کائنات کی تخلیق کا باعث اور موجب ٹھہرانا، یہ توصیفی بیان اپنی جگہ ایک

نعت ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے تخلیقی عمل میں سب سے پہلے نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق بھی اپنی جگہ ایک نعت ہے، **اَوّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُورِی** جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے سب سے پہلی چیز جو پیدا کی وہ میرا نور ہے اور جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ظاہری زندگی میں بھی آپ کی ذات قدسی صفات کو نور کہا۔ **قَدجَاءکُم مِنَ اللّٰهِ نُورُ وّکِتَاب مُّبَین۔** بے شک تمہارے پاس اللہ کا نور آ پہنچا ہے یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں۔

امام خازن نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات وشخصیت کو نور کہنے کی توجیہ یہ بیان کی ہے۔"**انما سماه اللّٰه نور الانّه یهتدی به کمایهتدی بالنّورفی الظّلام**"(لباب تاویل فی معانی التنزیل) اللہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور اس لئے کہا کہ آپ کی ذات اقدس سے مخلوق ہدایت حاصل کرتی رہے گی جس طرح رات کی تاریکی میں روشنی سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں:

> **"انه لماتعلقت ارادة الحق بایجاد خلقه ابرزالحقیقة المحمدیة من الانوار الصمدیة ثم سلخ منهاالعوالم کلهاعلوهاوسفلهاعلی سورة حکمه کماسبق فی سابق ارادته وعلمه ثم اعلمه بنبوته وبشره برسالته هذاوآدم لم یکن الاکما قال بین الروح والجسد... وهوموضع نفوذ الامرفلاینفذامرالامنه ولاینقل خیر الاعنه (مواهب لدینه۔"**

اللہ نے جب اپنی مخلوقات کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو انوار صمدیت سے حقیقت محمدی کو ظاہر کیا، پھر حقیقت محمدی اور نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آسمانوں، زمینوں اور ان میں موجود مخلوقات کو وجود بخشا جیسا کہ اس کے علم اور ارادہ میں طے تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے نبی ہونے کا علم عطا کیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رسول ہونے کی بشارت دی۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ کی صفات اور کمالات کا مظہر ہیں۔ اس کا جو بھی حکم نافذ ہوتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے ہوتا ہے اور اللہ کی جانب سے جو خیر بھی مخلوق کی جانب پہنچتا ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے ہی پہنچتا ہے۔

حاکم نے روایت کی ہے کہ اللہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں ابو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کنیت سے خطاب کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا، اے اللہ میری یہ کنیت کیسی؟ تو اللہ نے فرمایا اپنا سر اٹھاؤ، آپ نے اپنا سر اٹھایا تو یہ دیکھا کہ عرش پر نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضوفشاں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا، اے اللہ یہ نور کس کا ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ہے اور یہ تمہاری اولاد میں ہوں گے۔ ان کا نام آسمانوں میں احمد ہے۔ زمین پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوگا اگر میں انہیں پیدا نہ کرتا تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا اور نہ زمین وآسمان پیدا کرتا۔ (مستدرک)

عالم سماوی میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت، احمد سے ہوئی اور عالم ارضی میں آپ کی نعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہورہی ہے اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا اور قیامت قائم ہونے کے بعد آپ کی نعت کا ایک اور پہلو نمایاں ہوگا اور وہ ہے مقام محمود، **عسیٰ ان یبعثك ربك مقامامحمودا** اور یہی مقام شفاعت ہے۔ قیامت کی ہولناکیوں اور لرزہ خیز ساعتوں میں نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ اللہ کے محبوب وبرگزیدہ بندے حضرات انبیائے کرام پر بھی خوف طاری رہے گا، رب ذوالجلال کے حضور کوئی فرد بشر لب کشائی کی جرأت وہمت نہیں کریگا۔ ایسے وقت میں اللہ کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان محبوبیت کا اظہار ہوگا۔ **ارفع راسك سل تشفع** اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ سے سر اٹھایئے آپ جس کی چاہیں، شفاعت کیجئے سنی جائے گی۔ حضرت حسان بن ثابت فرماتے ہیں:

وشق لہ من اسمہ لیجلہ فذوالعرش محمود وھذامحمد ﷺ

اللہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز واکرام کے لئے ان کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے عرش والا محمود ہے اور یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

اس وضاحت کے بعد مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی علمی وتحقیقی اور شرعی اشکال کا خدشہ نہیں ہے کہ نعت کی شمع ماقبل زمان ومکان روشن رہی، اور مابعد تخلیق کائنات روشن رہی، اور اس کی ضوفشانی رہتی دنیا تک قائم رہے گی، پھر وہ عالم حشر میں بھی جلوہ نما ہوگی، وصف محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس اظہار کو نعت کے لفظ سے تعبیر نہ کیا جائے تو پھر وہ کونسا لفظ ہے جو توصیف محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترجمانی کرسکے گا۔

عالم سماوی کی پر کیف نورانی فضاؤں میں نعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک اور جہت جو

روشن ہوتی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات سے توسل واستغاثہ ہے۔ حاکم کی روایت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام سے جب لغزش ہوئی تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ اے پروردگار! میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے عرض کرتا ہوں کہ آپ میری خطا معاف فرمادیجئے۔ یارب اسئلک بحق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اللہ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تم نے کیسے پہچانا حالاں کہ وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے، حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے پروردگار! میں نے انہیں اس طرح پہچانا کہ جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی، اس وقت میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر **لاالٰہ الّاالّلہ محمد رّسول اللّٰہ** لکھا ہوا دیکھا، اس وقت میرے دل نے کہا، اللہ نے اپنے نام کے ساتھ جس بندے کا نام ملا رکھا ہے وہ یقیناً آپ کے نزدیک ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اللہ نے فرمایا، اے آدم علیہ السلام تم ٹھیک کہتے ہو، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے نزدیک ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، جب تم نے ان کے توسل سے دعا کی ہے تو میں تمہاری خطا معاف کئے دیتا ہوں۔ پھر فرمایا، اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔

دعاؤں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کا مسئلہ بھلے فقہائے کرام کے درمیان اختلاف اور بحث کی نذر رہا ہو لیکن فقیہ اعظم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نعت میں توسل نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحیح و درست گردانا ہے۔

انت الذی لماتوسل اٰدم من زل بك فازوھوا باك

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ ذات ہے کہ آپ کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی دعا میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ لیا، اسی توسل نبوی کے باعث حضرت آدم علیہ السلام کی مغفرت ہوئی۔

نعت محمدی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیائے کرام اور مرسلین عظام سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کرنے کا عہد لیا جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ آل عمران میں ہے۔ امام قسطلانی نے مواھب لدنیہ میں لکھا ہے کہ:

اللہ نے نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ نبیوں کی ارواح کی طرف التفات کرے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور نے نبیوں کی ارواح کو اپنے نور سے ڈھانپ لیا تو انہوں نے عرض کیا۔ اے پروردگار! یہ کیسا نور ہے جو ہمیں اپنے گھیرے میں لے لیا ہے؟ اللہ نے فرمایا، یہ محمد بن عبداللہ کا نور ہے۔ اگر تم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاوے گے تو تمہیں نبوت سے سرفراز کیا جائے گا۔ چنانچہ سارے نبیوں نے کہا، ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ **ان اٰمنتم به جعلتکم انبیائقالوا اٰمنابنبوته۔**

اس واقعہ سے یہ پہلو نمایاں ہو جاتا ہے کہ آفتاب نبوت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ضیا پاش کرنوں سے سارے نبیوں کی نبوت کی شمعیں فروزاں ہوئیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **کنت نبیاواٰدم بین الماء والطّین**، ہم اس وقت نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے، انبیائے کرام کی جماعت میں سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منجانب اللہ یہ تعظیم وتوقیر نعت احمدی کا ایک رخ روشن ہے امام بوصیری علیہ الرحمہ کے یہ نعتیہ اشعار امام قسطلانی کی فکر وخیال کی بہترین عکاسی وترجمانی کرر ہے ہیں۔

کلھم من رسول اللّٰه ملتمس غرفامن البحر اورشفامن الدیم

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے سمندر سے سارے نبی اپنے اپنے چلو بھر رہے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابر رحمت سے اپنے اپنے لبوں کو تر کرر ہے ہیں۔

فاق النبین فی خلق وفی خلق ولم یدانوہ فی علم

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے نبیوں سے خلقت میں پہلے ہیں اور خلق وکرم میں فائق تر ہیں اور کوئی بھی آپ کے فضل وعلم اور جود وکرم کی حد سے قریب نہ ہوا۔

وواقفون لدیه عند حدھم من نقطه العلم اومن شکل الحکم

فانه شمس فضل ھم کواکبھا یظھر ن انوارھا للنّاس فی الظّلم

تمام حضرات انبیاء آپ کے روبرو اپنے مقام ومرتبہ کی حد پر کھڑے ہیں جس طرح نقطہ، لفظ میں اور اعراب لفظوں میں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم وفضل کا آفتاب ہیں تو یہ سارے نبی ستارے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اکتساب نور کرتے ہوئے اپنی اپنی امتوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی بخشتے ہیں اور یہ ایک علمی اور تاریخی حقیقت ہے کہ جتنے بھی انسانی اوصاف وکمالات اور نبوت کی خصوصیات

واتمیازات ہیں وہ سب کی سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات میں جمع تھیں۔

حسن یوسف دم عیسی ید بیضاداری آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

عالم سماوی میں نعت احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اظہار کی ایک سمت صلوۃ وسلام سے بھی متعین ہوتی ہے اور سب سے پہلے مخلوق میں حضرت آدم علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور و جناب میں صلوۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا ہے، امام قسطلانی کی روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا علیہا السلام سے جب قرب واتصال کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے مہر طلب کیا۔ اس پر حضرت آدم علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں متوجہ ہوئے اور حقیت حال بیان کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا اے آدم علیہ السلام میرے حبیب محمد بن عبداللہ پر بیس مرتبہ صلوۃ وسلام پیش کرو، حضرت آدم علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بیس مرتبہ درود پڑھا، اس کے بعد حضرت حوا سے قریب ہوے، یہی درود حضرت حوّا کا مہر قرار پایا۔ عالم ارضی میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ نے اہل ایمان سے اس طرح خطاب کرتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھیجنے کا حکم دیا۔ اے اہل ایمان تم بھی اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھیجو، بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھیجتے ہیں، اِنّ اللّٰہ وَمَلٰئکَتَہٗ یُصلّونَ عَلیَ النّبی یَاایّھَاالّذِینَ اٰمَنو صَلّوُاعَلَیہِ وَسَلّمُوا تَسلِیماً۔

نعت ایک ایسی سنہری کڑی ہے جس کا ایک حلقہ عالم بالا سے جڑا ہوا ہے تو دوسرا حلقہ عالم زیریں سے جڑا ہے اور اس دنیا میں یہ سلسلۃ الذہب اس وقت تک رہے گا جب تک کہ روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا ایک بندہ بھی موجود ہے اور صلوۃ وسلام کے سوا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل ایمان شامل ہیں۔

الغرض نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق وظہور اور اس کے فیض اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام سے متعلق جو وضاحتیں سیاق میں کی گئی ہیں وہ بجا طور پر نعت احمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور اول کا حصہ ہے۔

نعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے اور ان کی اولاد زمین پر پھیلتی چلی گئی، بنی آدم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیائے کرام مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دنیائے آب وگل میں تشریف لائے، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک

ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام اور مرسلین عظام کی بعثت ہوی، ان نبیوں اور رسولوں میں اکثر و بیشتر حضرات کرام نے اپنی اپنی امتوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت اور بعثت کی بشارت سنائی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل وخصائل اور شمائل کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ جس کی وجہ سے تاریخ انسانی کے ہر دور میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر متعدد امتوں کے ذی علم افراد ہی نہیں بلکہ عوام کی زبانوں پر بھی رہا۔ یہودیوں کے بارے میں قرآن کریم کا بیان ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے تھے جیسے باپ اپنے بچہ کو پہچانتا ہے: **الذین یعرفون کمایعرفون ابنائھم۔** یہود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور ظہور کے سراپا منتظر تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا یہ حسن اعتقاد بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ انہیں کافروں پر غلبہ عطا کرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے یہود ایک مسلمان امت تھی، کفار و مشرکین سے ان کا مقابلہ رہتا تھا اور جب کبھی لڑائی کی نوبت آتی تو وہ میدان جنگ میں توراۃ لاتے اور اس آیت کریمہ پر انگلی رکھتے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک رہتا، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ الٰہی بحرمت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں ان کا فروں پر غلبہ اور فتح عطا فرما، اللہ تعالیٰ ان کی دعا سن لیتا، قرآن کریم کے الفاظ ہیں: **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔**

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فاران سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آتشیں شریعت کی خبر یہودیوں کو دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آسمانی نام احمد کے ساتھ عیسائیوں کو بشارت سنائی کہ میرے بعد احمد نامی پیغمبر کا ظہور ہوگا۔

غرض نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں متعدد انبیاء کرام کی جو بھی وضاحتیں و بشارتیں یا مذہبی و تاریخی روایتیں ہیں خواہ وہ کسی زبان میں رہیں۔ ان کا مشترک پہلو جو سامنے آتا ہے وہ ہے نعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور نعت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کے اظہار ہی کا دوسرا نام ہے۔

نعت کا تیسرا دور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے شروع ہوتا ہے اس سے قبل نعت ایک ایسی حقیقت تھی جس کا ظاہری نام نہ تھا اور وہ ایک ایسے مغز کی طرح تھی جس کا پوست نہ تھا۔ اور اس کی حیثیت ایک ایسے معنی کی رہی جس کے لئے لفظ نہیں دیا گیا تھا۔

بلا شبہ لفظ سے معنی کی پہچان ہے لیکن نعت اس سے مستثنیٰ ہے یہاں معنی سے لفظ کی پہچان ہوئی

ہے،نعت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش کے بعد شعر کا لبادہ اوڑھ لیا۔ یہاں سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن ومحامد اور فضائل وشمائل اور کمالات کا اظہار شاعری کے قالب میں ہونے لگا،اور نعت شاعری کی ایک صنف کے روپ میں ابھرنے لگی اور اس کی ادبی حیثیت اجاگر ہوتی چلی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں سب سے پہلی نعت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت ابوطالب نے کہی گوکہ یہ نعت،قصیدہ کے نام سے شہرت پائی اور ۹۴/اشعار پر مشتمل ہے۔حضرت ابوطالب نے اپنے اس قصیدے میں بعثت سے پہلے دور کے سیاسی وسماجی اور اخلاقی ومعاشرتی احوال وکوائف اور واقعات کو بیان کیا ہے،علامہ ابومحمد عبدالملک بن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں یہ مکمل قصیدہ نقل کیا ہے اس قصیدہ کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت واخلاق کا جامع مرقع ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمـال الیتـامیٰ عصمه لل ارامل

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے روشن چہرے والے ہیں کہ ان کے وسیلے سے بارش نازل ہونے کے لئے دعا کی جاتی ہے،وہ یتیموں اور بیواؤں کے ماویٰ اور ملجا ہیں۔

ابوطالب کا یہ قصیدہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسل کو بہت پسند تھا چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں مذکورہ شعر کا پس منظر،پیش منظر میں تبدیل ہوگیا،ابن ہشام کی روایت ہے کہ اہل مدینہ پر انقطاع باراں کی بلا نازل ہوئی تو لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں رونق افروز ہوئے اور منبر پر چڑھ کر بارش کے لئے دعا مانگی،تھوڑی دیر بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ اتنی بارش برسی کہ آس پاس کے لوگ دوڑے چلے آئے اور انہیں ہلاک ہونے کا خوف پیدا ہوگیا، یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی: **اَللّٰھُمّ حَوَالینَا لاَ عَلَینَا**، یا اللہ ہم پر پانی نہ برسا، ہمارے اطراف واکناف میں برسا، مدینہ کا سیاہ مطلع،چشم زدن میں صاف اور روشن ہوگیا اور آسمان سے بادل چھٹ گئے اور بارش تھم گئی،اس دلفریب حسین وجمیل منظر سے چہرہ انور پر مسکراہٹ پھیل گئی، زبان مبارک سے یہ جملہ نکل پڑا کاش ابوطالب اس وقت موجود رہتے تو اس منظر سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں: **لوادرك ابوطالب هذاالیوم لسره**۔

یہاں کوئی ہے جو ان کے اشعار سنا سکے؟ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد کے

مذکورہ قصیدہ سے چند شعر نذر رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا۔

اس واقعہ کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہا اس وقت ایک شخص نبی کریم کی خدمت میں آ پہنچا اور اس نے یہ شعر پڑھا۔

ولیس لـنـا الا الیك فـرارنـا وایـن فرار الناس الا الی الرسل

اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن رحمت میں پناہ لیں اور امتیں اپنے رسولوں کو چھوڑ کر جائیں گی بھی کہاں؟ دعا میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کی مثال زمانہ نبوت سے پہلے بھی ملتی ہے اور زمانہ نبوت میں بھی ملتی ہے اور زمانہ نبوت کے بعد بھی ملتی ہے ایک مرتبہ سواد بن قارب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور یہ شعر عرض کئے جن میں یہ جملے قابل غور ہیں۔

اولی الـمـرسـلـیـن وسیلة انك اولی المرسلین وسیلة

الـی الـلــه یـــا ابـن الاکـرمیـن وکـن لـی شـفـیـعـاً

اے کریم الطرفین اللہ کی طرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ سارے پیغمبروں میں بہتر ہے۔

وکـن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعة بـمغن فتیلا عن سواد بن قارب

جس دن سواد بن قارب کو کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے لئے شفاعت فرمایئے۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک نعتیہ شعر ملاحظہ فرمایئے جس میں فرماتے ہیں۔

ہر آفت ومصیبت میں آفت زدہ لوگوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سہارا ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر توبہ کرنے والے کی مغفرت وبخشش کے خواہاں اور جویاں ہیں۔

ومعتصم المکروب فی کل غمرة ومـنـتـجـع الغفران من کل تائب

نعتیہ شاعری میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ذہنی وقلبی اور روحانی وابستگی کا سلسلہ زمانہ نبوت سے لے کر زمانۂ حاضر تک بھی ملتا ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں امت مسلمہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو دنیاوی اور اخروی بلاؤں اور مصیبتوں سے تحفظ کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاہ ومرتبہ اور آپ کی مقبولیت ومحبوبیت کے واسطہ سے اپنی دعاؤں کو مقبول اور مستجاب خیال کیا ہے، عربی نعتیہ شاعری میں اس طرح کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں مصر کے معروف شاعر احمد شوقی کے نعتیہ کلام سے چند شعر ملاحظہ فرمایئے۔

سألت الله فی ابناء دینی فان تکن الوسیلة لی آجابا

میں نے اپنے دینی بھائیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ حاصل ہو تو اللہ دعاؤں کو سنے گا۔

وما للمسلمین سواک حصن اذا ما الضر مسّھم ونابا

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ مسلمانوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں جس وقت انہیں کوئی مصیبت یا ضرر لاحق ہو۔

القی رجائی اذا عزالمجیر علی مفرج الکرب فی الدارین والغمم

قیامت کے روز میری تمام امیدیں اس ذات عظیم سے وابستہ ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں میں رنج ومحن (غم) کو ٹالنے والا ہے۔

فالطف لاجل رسول العالمین بنا ولاتزد قومه خسفاً ولاتسم

خدایا رسول العالمین کے طفیل ہم پر رحم فرما اور امت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذلیل وخوار نہ کر (نعت رنگ 2004)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ ترسٹھ سال پر پھیلی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں نعتیہ شاعری کی شمع فروزاں تھی۔ چنانچہ اس دور میں جن حضرات وخواتین نے نعتیہ اشعار کہے ہیں ان میں ورقہ ابن نوفل کا نام سرفہرست ہے، ان کا نعتیہ کلام ''سیرتِ ابن ہشام'' میں منقول ہے۔ ورقہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ اول ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے، ان کی نظر تورات وانجیل اور مذہبی وتاریخی روایتوں پر بڑی گہری تھی اور یہ عیسائی تھے، ان کا نعتیہ کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان سے یہ اشعار اس زمانہ میں صادر ہوئے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شام کے تجارتی سفر سے مکہ مکرمہ واپس لوٹے ہیں اور وحی کا زمانہ قریب تر ہے۔ ورقہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی نعت میں جو باتیں کہی ہیں وہ پیشن گوئی کے لحاظ سے اور تاریخی وسوانحی اعتبار سے بڑی اہمیت اور وقعت رکھتی ہیں۔

ووصف من خدیجه بعد وصف فقد طال انت انتظاری یاخدیجه

بان محمد اسیسود فینا ویخصم من یکون له حجیجا

ویظھر فی البلاد ضیاء نور یقیم به البریة ان تموجا

فـلـيـقـى مـن يـحـاربـه، خـسـارا و يـلـقـى مـن يـسـالـمـه فـلـوجـا
فيـاليـت ا ذامـاكـان ذاكـم شهـدت وكـنـت اكـثـرهـم ولـوجـا
ولـوجـافـى الـديـن كـرهـت قـريـش ولـوعـجـت بـمـكـتـهـاعـجـيـجـا

میں نے خدیجہ سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعدد اوصاف سنے ہیں، ان کی بعثت سے متعلق میرا انتظار دراز ہو گیا ہے، عنقریب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے سردار ہوں گے، ان کی جانب سے جو آدمی بھی بحث کرے گا وہی غالب رہے گا اور جو آدمی بھی آپ سے جنگ کرے گا وہ نقصان اٹھائے گا اور جو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصالحت اور موافقت کرے گا وہ ظفریاب رہے گا۔ کاش ان واقعات کے ظہور کے وقت میں زندہ رہوں اور اس دین میں داخل ہو جاؤں جس سے قریش کراہت کر رہے ہیں اور میں اس دین کی خدمت کرنے والوں میں سب سے زیادہ حصہ دار بنوں، اس دین کی روشنی ہر سو پھیل کر رہے گی اور وہ لوگوں کو سیدھی راہ پر لے جائے گی اور ان عربوں کی شیرازہ بندی کرے گی۔

بعثت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نعت گوئی کی رفتار تیز ہوگئی ابوطالب کے علاوہ کئی شعراء اس میدان میں آپہنچے جنہوں نے نعت گوئی کو وسعت بخشی، حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں نعت گوئی کے رجحان اور میلان کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جو غیر معمولی عشق تھا یہی عشق شعر کے سانچے میں ڈھلنے لگا۔ عشق کی ایسی مثال انبیائے کرام کے تذکروں اور تاریخوں میں نہیں ملتی، اور دوسرا سبب کفار و مشرکین کی ہجویہ شاعری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش اور دیگر قبائل کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے ان میں جو شعراء کا طبقہ تھا اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسلام کی ہجو شروع کر دی، پھر جب اسلام اور کفر کے درمیان معرکہ آرائی شروع ہوئی تو مخالفین اسلام نے ان شعراء کو استعمال کیا اور انہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف دشمنی اور جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے رجزیہ اشعار کہنے کی ترغیب و تحریص دلائی اور یہ کفار شعراء اسلام و پیغمبر اسلام کی تحقیر و تنقیص اور تمسخر و ہجو میں قصائد تصنیف کرنے لگے۔ اس صورت حال سے حضرات صحابہ کے دلوں کو سخت چوٹ لگی اور ان میں سے جو شاعر تھے ان کا شعری ملکہ قوت سے فعل کے دائرہ میں آ گیا اور اس دفاعی شعری اقدام کی اجازت بارگاہ رسالت سے بھی مل گئی۔

کفار ومشرکین کے لسانی وشعری حملہ کا دفاع کرنے والوں میں جس شاعر کو امتیازی حیثیت ملی وہ حضرت حسان بن ثابت ہیں جن کو دربار رسالت کے متعین ومنتخب شاعر ہونے کا اعزاز ملا اور انہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں شعر کہنے کے لئے منبر آرائی کا شرف ملا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسان کو اس شعری جہاد میں ثابت قدم رہنے کے لئے یہ دعا دی کہ اللہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ تمہاری مدد کرے۔ حضرت حسان بن ثابت کی زبان سے رجزیہ اشعار کے علاوہ بھی بلا واسطہ سراپا نعت ہی نعت کا رنگ لئے ہوئے کئی شعر وجود پذیر ہوئے جو نعتیہ شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ رجزیہ اور نعتیہ قصائد کے باب میں عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک اور کعب بن زہیر وغیرہ رضی اللہ عنہم کی شعری خدمات بھی بڑی وقیع اور مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے نکل کر روز جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱ھ کو ہجرت کر کے قبا پہنچے، یہاں جمعہ پڑھا، نماز سے فارغ ہوکر یثرب کے جنوب سے شہر میں داخل ہوئے، اسی دن سے شہر کا نام مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوگیا۔ مدینہ میں داخلہ کا منظر نہایت سرور افزاء اور نور فشاں تھا، حمد وثناء، توصیف وتوقیر، تعریف وتقدیس اور نعتیہ اشعار سے ساری فضا ضیا پاش اور عطر فشاں تھی، ہر کسی کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا تھا، گلی کوچے جان نثاروں کے اژدحام سے بھرے ہوئے تھے۔ عورتیں، بچے اور بچیاں گھروں کے دروازوں اور چھتوں پر جلوۂ نور خدا کے دیدار سے سرشار اور کیف ونشاط میں محو تھیں اور انصار کی ننھی ننھی معصوم لڑکیاں اپنی پیاری پیاری میٹھی اور رس بھری آوازوں سے مسحور کن لہجہ میں یہ نعت پڑھ رہی تھیں۔

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا　　ما دعا للّٰہ داع

چودھویں رات کا چاند جنوب کی سمت واقع پہاڑوں سے ہم پر طلوع ہوا، ہم لوگوں پر اس عمدہ دین اور اعلیٰ تعلیم کی نعمت پر خدا کا شکر بجالانا ضروری ہے۔ اللہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طاعت ہم پر فرض ہے۔

مدنی دور کی نعتیہ شاعری کا ایک پہلو مرثیہ ہے مرثیہ نگاروں میں حمزہ بن عبدالمطلب، علی ابن ابی طالب، حسان بن ثابت، عبیدہ بن حارث، کعب ابن مالک رضی اللہ عنہم، وغیرہ ممتاز ہیں ان کے کلام کا کچھ حصہ ابن ہشام نے اپنی کتاب ''سیرۃ ابن ہشام'' میں نقل کیا ہے۔ ان مرثیوں میں میدان جنگ کے مناظر وحالات، شجاعت وبہادری کی کیفیات، قبائلی امتیازات وخصوصیات، شعری محاسن وکمالات

اور شاعرانہ تعلّٰی کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں اور ان میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات اور خصائص کے جلوے نظر آتے ہیں۔

مرثیہ کو صنف نعت میں شامل کرنے سے شاید کسی کو یہ اختلاف ہو کہ مرثیہ، نعت کیسے بن گیا وہ تو کسی شخص کی وفات پر اظہار غم کے بیان کا نام ہے۔

ارباب ادب سے باادب عرض ہے کہ صاحب رسالت کے محاسن وکمالات کا اظہار بصورت قصائد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں ہو یا بصورت مراثی آپ کی حیات باطنی میں ہو، وہ نعت ہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف پر جن حضرات وخواتین نے شعر کہے ہیں ان میں اظہار غم کے ساتھ اظہار محاسن ہے اور ان اشعار میں مرثیہ اور نعت دونوں صنف کا ایک حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

یـا عینـی فـابکی ولاتسـامی　　　وحـق البکـاء علـی السید ﷺ
فـصـل الـملیك ولـی الـعبـاد　　　ورب الـعبـاد عـلـی احمد ﷺ

اے آنکھ! تجھے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق پر آنسو بہانے کا حق ہے۔ لہذا تو خوب رولے۔ دنیا کا بادشاہ، بندوں کا والی اور پروردگار عالم، سیدنا احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی رحمت نازل فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لـقـد غشینـا ظـلـمة بـعـد موتـه　　　نهـار آفقدزادت علی ظلمة الدجی

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف سے ہماری دنیا گھٹاٹوپ اندھیرے میں ڈوب گئی، ہمارے دن، رات بن گئے۔

رنج وغم اور یاس وقنوطیت اور دکھ ودرد کی یہی تصویر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اس شعر میں نظر آتی ہے:

صبـت علـی مصـائب لوانهـا　　　صبـت عـلـی الایام صرن لیالها

ابا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف سے ہم پر جو مصیبتیں آئی ہیں اگر وہ دنوں پر نازل ہوتیں تو وہ راتوں میں بدل جاتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

فمن کا ن او من قد یکون کاحمد ﷺ نظام لحق اونکال لملحد

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مانند کون تھا اور کون ہوگا یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا کوئی نہیں، نظام حق قائم کرنے والا، بے دین کو عبرت دلانے والا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شعر کی عکاسی بنوزیاد کی ایک خاتون کے اشعار کے منظوم ترجمہ سے بخوبی ہو رہی ہے۔

خوب رو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جیسا کوئی دیکھا نہ سنا اتنا اچھا کوئی پیدا کبھی ہوگا نہ ہو۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے عیب ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاید جیسا خود کو چاہا تھا خدا نے ہے بنایا ویسا (نعت رنگ 2004)

صحابہ میں جن شعراء نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں جو نعتیں کہیں ہیں وہ نعتیہ شاعری کا اعلیٰ اور ارفع نمونہ ہے جس کے مطالعہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح اور تعلیمات کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس مقام پر حسان ابن ثابت کا ایک شعر نقل کیا جا رہا ہے۔

واحسن منك لم ترقط عینی واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبراء من کل عیب کانك قد خلقت کماتشاء

کسی آنکھ نے آج تک آپ سے زیادہ خوب رو نہیں دیکھا، اور کسی ماں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل بچہ نہیں جنا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خالق نے ہر نقص وعیب سے پاک پیدا کیا ہے، آپ کی تخلیق اسی طرح ہوئی جس طرح آپ خود چاہتے تھے۔

ساتویں صدی ہجری کے نعت گو شاعر امام شرف الدین بوصیری نے اپنے نعتیہ قصیدے میں آپ کے امتیازی محاسن اور خوبیوں کو کس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

فهوالذی تم معناه وصورته ثم اصطفاه حبیبا باری النسم

منزه عن شریك فی محاسنه فجوهر الحسن فیه غیر منقسم

اللہ تعالیٰ نے آپ کی صورت اور سیرت کو حسن و جمال اور کمال کے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا پھر آپ کی ذات کو اپنی محبتوں اور چاہتوں کا محور بنایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اوصاف وکمالات میں لاشریک ہیں آپ کا جوہر حسن، تقسیم کے قابل نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شاعری کا جو دفتر تھا اس میں جہالت وکثافت

بھری ہوئی تھی، اس جاہلی شعروادب میں عربوں کی جنگ جو فطرت وانتقامی طبیعت اور عریانیت وفحاشیت کا برملا اظہار ملتا ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ جاہلی اثرات، شعر وادب کے کوچہ سے نکل گئے، شاعری نئے زاوئے اور نئے پیمانوں میں ڈھلنے لگی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صالح وپاکیزہ اور اخلاقی واسلامی بامقصد شاعری کو بنظر استحسان دیکھا، زہیر کی شاعری میں ایک مقام پر اصلاح بھی فرمائی، ذوق ورغبت کے ساتھ اچھے اشعار کی سماعت فرمائی۔ غزوۂ حنین کے موقعہ پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک فقرہ صادر ہوا جو کلام موزوں سے آہنگ ہے۔

انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب

عہد نبوت سے لے کر عہد جدید تک عربی زبان میں نعت گوشعراء کا غیر منقطع سلسلہ قائم ہے، موجودہ زمانے میں عربی نعتیہ شاعری میں بڑی وسعت پیدا ہوگئی ہے اس وسعت کی صحت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ وابستگی میں مضمر ہے۔ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے عالم عربی، کعب بن مالک کا یہ شعر ہر دور کے شعراء کے لئے پیغام فکر وعمل ہے۔

الحق منطقه والعدل سيرته فمن يجبه اليه ينج من ثبت

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول حق اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل عدل، جو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کریگا فلاح پائے گا۔

صحابہ کرام کے دور میں نعتیہ شاعری مدینہ منورہ کی فضاؤں سے نکل کر سرزمین ایران میں داخل ہوئی تو وہاں کے اہل ایمان فارسی شعراء نے صنف نعت کو سرآنکھوں پر بٹھالیا۔ ان کے دلوں میں ذات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جو والہانہ جذبات واحساسات اور کیفیات وارادات کا سمندر ساکت تھا۔ اس میں طلاطم کی کیفیت پیدا ہوگئی اور کئی شعراء نعت گوئی کی طرف مائل ہوگئے۔ ایران کی اوّلین نعتیہ شاعری میں زیادہ تر وہی مضامین وخیالات اور عقائد ملتے ہیں جو عربی نعتیہ شاعری کا حصہ ہیں۔ البتہ ایک پہلو ایسا ہے جس میں جذبات کی شدت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں کے شعراء نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دوری ومہجوری اور فراق کا ذکر انتہائی درد وکرب، حزن ویاس اور بے چینی واضطراب کے ساتھ کیا ہے اور یہ کیفیت فطری تھی۔ ایران اور اس کے قرب وجوار میں نعت گوشعراء کی ایک لمبی فہرست ملتی ہے، اس میں فردوسی شمس تبریز، مولانا روم، حکیم سنائی، جمال الدین اصفہانی، نظامی گنجوی، حافظ شیرازی، شیخ سعدی اور عبدالرحمٰن جامی کو انفرادی اور امتیازی مقام

حاصل ہے۔

اس مقام پر عبدالرحمٰن جامؔی اور شیخ سعدؔی کے دو چار شعر ملاحظہ فرمائیے جن سے فارسی شعراء کے جذبات واحساسات اور عقائد کی عکاسی ہو رہی ہے۔

علامہ جامؔی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نسیما جانب بطحا گذر کن زاحوالم محمد ﷺ را خبر کن

اے بادِ نسیم! مدینہ منورہ کی طرف سے گذر اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میرے حالات سنا۔

توئی سلطان دوعالم یا محمد ﷺ نگاہ لطف سوئے من نظر کن

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ دونوں جہاں کے سلطان ہیں میری طرف نظر التفات فرمائیے۔

شیخ سعدؔی فرماتے ہیں:

ہمہ شب چون چراغ می سوزم بے لقائے تو یارسول اللہ ﷺ

یارسول اللہ! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم ہوں، اس فراق میں ساری رات چراغ کی طرح جل رہا ہوں۔

کاش ہر موئے من زبان بودے درثنائے تو یا رسول اللہ

کاش میرے ایک ایک بال کو زبان ہوتی اور وہ صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں تر رہتی۔

فارسی نعتیہ شاعری کسریٰ کی سرزمین سے نکل کر ارض ہند پہنچی تو یہاں کے صوفیائے کرام نے فارسی زبان میں نعتیہ شاعری کی روایت کو آگے بڑھایا چنانچہ جنوب اور شمال میں بے شمار صوفی شعراء حضرات کے نام ملتے ہیں، جیسے خواجہ معین الدین چشتی، حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی، حضرت قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ نظام الدین اولیاء، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، حضرت امیر خسرو، حضرت ابوالحسن قربی ویلوری، حضرت سید عبداللطیف ذوقی ویلوری، ان حضرات کرام کی مختلف اور متعدد فارسی منظوم تصانیف اور تذکروں میں نعتیہ کلام ملتا ہے، ہمارے ملک کے فارسی شعراء میں بعض بزرگوں نے مثنویاں لکھی ہیں اور انہوں نے اپنی مثنویوں میں بالالتزام حمد ونعت کے اشعار شامل کئے ہیں اور یہ روایت صرف مثنویوں میں ہی نہیں ملتی بلکہ ان حضرات کرام کی ہر تصنیف میں موجود ہے۔ حضرت ذوقی ویلوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ساڑھے سات ہزار اشعار پر مشتمل مثنوی، معجزۂ مصطفیٰ کے نام سے لکھی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بیان کی ہے۔ مولانا محمود مہاجر

حسرت نے اس کا منظوم ترجمہ اردو میں کیا ہے۔۱۸۳۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت ذوقی ویلوری رحمۃ اللہ علیہ نے خمسہ (پانچ مثنویاں) بھی لکھا ہے۔آپ نے اپنے خمسہ میں وہ موضوع اختیار نہیں کیا ہے جو دوسرے شعراء نے اختیار کیا ہے بلکہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کی زندگی کو موضوع بنایا ہے۔

حضرت ذوقی ویلوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مثنوی عشق نامہ لکھی ہے جو دو ہزار اشعار پر پھیلی ہوئی ہے، اپنی تصنیفی عادت کے مطابق اس کے آغاز میں بھی کئی نعتیہ شعر لکھے ہیں، اتنی ضخیم مثنوی صرف دو دن میں مکمل کی ہے، آپ کی قوت تحریر وھبی اور عطائی ہونے کی یہ ایک مثال ہے۔ ہند کے صوفی فارسی شعراء کے چند نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

امیر خسرو فرماتے ہیں۔؎

زہے روشن زرویت چشم بینش — وجو دکیمیائے آفرینش
دقائق میختہ خسرو زنعت — پس از آب خضر کردہ عجینش

حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی فرماتے ہیں۔؎

اے کہ نامت راخدائے ذوالجلال — زد رقم برجبۂ عرش بریں
غیر صلوٰۃ وسلام ونعت تو — بوعلی را نیست ذکر دل نشیں

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔؎

مستغرق گناہ ایم ہر چند عذرخواہیم — پژمردہ چوں گیاہ ایم، باران ما محمد ﷺ
ما طالب خدائیم بر دیں مصطفائیم — بردرگہش گدائیم، سلطان ما محمد ﷺ

خواجہ نظام الدین اولیا ئرحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔؎

صبا بسوئے مدینہ رو کن — ازیں دعا گو سلام برخواں
بگرد شاہ مدینہ گردد — بصد تضرع پیام برخواں
بہ لحن داؤد ہم نوا شو — بہ نالۂ درد آشنا شو
صلوٰۃ وافر بروح پاک — جناب خیر الانام برخوان

نعتیہ شاعری فارسی دنیا سے جب اردو دنیا میں داخل ہوئی تو یہ دور اردو زبان کی نشونما کا تھا اور وہ شمال وجنوب کے مختلف صوبوں میں بولی اور سمجھی جارہی تھی اور مختلف ناموں سے پکاری جارہی تھی، جنوبی ہند میں دکنی زبان سے موسوم تھی اور دکن کے باشندوں کی عام زبان بنی ہوئی تھی، تقریر وتحریر

اور علم وفن کی زبان ہونے کا درجہ حاصل نہ تھا، اہل علم اور خواص کی نگاہ التفات سے محروم تھی، خواص میرسی کے اس ماحول میں حضرات صوفیہ نے دکنی زبان کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور اسی میں تبلیغ اور اصلاح کا کام شروع کیا اسی میں وعظ ونصیحت شروع کی، نثر میں رسالے لکھے، شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی، ان حضرات کی قلمی کاوشوں کے باعث دکنی زبان میں علمی اور مذہبی اور اصلاحی واخلاقی ادب کی تخلیق ہوئی اسی کے ساتھ ساتھ نعتیہ شاعری بھی وجود میں آئی اور پھلنے پھولنے لگی۔ اور ہر کتاب میں جگہ پانے لگی، چنانچہ اس زمانے کی کوئی تصنیف ایسی نہیں ہے جس کے شروع میں حمد اور نعت کے شعر نہ ہوں، صنف نعت پر مستقل تصانیف کی روایت ابھی چل نہیں پڑی تھی۔ نعتیں فارسی شعراء کے رنگ وآہنگ میں کہی جارہی تھیں، دکنی زبان میں سب سے پہلی نعت کسی نے کہی ہے یہ بات ابھی تک تحقیقی زاویہ سے حرف آخر ثابت نہیں ہوئی ہے تاہم بعض اہل علم کی رائے ہے کہ حضرت بندہ نواز گیسودراز کو پہلے نعت گو شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے جیسا کہ علیم صبا نویدی نے اپنی کتاب ''ٹمل ناڈو میں نعت گوئی'' صفحہ ۲۷ پر میں وقار خلیل کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے اور حضرت بندہ نواز علیہ الرحمہ کے یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

اے محمد ﷺ جھلوجم جم جلوہ تیرا	ذات تجلی ہووے گی سین سپورن سہرا
واحد آپ ہی آپ تھا، اپنی آپ نچھایا	پرگٹ جلوہ کارنے الف میم ہو آیا
فاضل، افضل جتے رسل، ساجد سجود آئے	امت رحمت، بخشش، ہدایت تشریف پائے

دکنی زبان کے سابقین نعت گو صوفی شعراء میں حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق، حضرت برہان الدین جانم، شیخ احمد گجراتی، حضرت سید ابوالحسن قربی ویلوری، حضرت باقر آگاہ مدراسی اور حضرت سید عبداللطیف ذوقی ویلوری وغیرہ کے اسمائے گرامی بھی لئے جاسکتے ہیں۔ ان حضرات کرام کے عہد اور ان کے بعد کے دور میں دکن کے سلاطین اور دیگر شعراء میں محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، صنعتی، رستمی اور نصرتی وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت گیسودراز (۸۲۵ وفات) کو نہ صرف نعت گوئی میں اوّلیت کا شرف حاصل ہے بلکہ آپ علیہ الرحمہ کو نثر نگاری میں بھی اوّلیت کا اعزاز حاصل ہے۔ خواجہ بندہ نواز، خواجہ نصیرالدین کے فیض یافتہ ہیں ان ہی کے ارشاد پر گلبرگہ پہنچے اور تادم زیست دعوت وتبلیغ سے جڑے رہے، اسی خاک میں محوخواب ہیں، مولوی عبدالحق نے اپنے رسالہ ''اردو کی نشونما میں صوفیہ کرام کا حصہ'' میں خواجہ صاحب کے بعض نعتیہ شعر نقل کئے ہیں، ان ہی میں سے ایک شعر یہ بھی ہے۔

او معشوق بے مثال نور نبی ﷺ بنایا او نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا

حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق بالواسطہ حضرت بندہ نواز کے خوشہ چین ہیں۔آپ نے بھی صوفیانہ تعلیمات کو نظم اور نثر دونوں ذریعہ سے عام فہم اسلوب میں پھیلایا۔آپ کے قلم سے متعدد منثور اور منظوم رسائل وجود میں آئے ہیں۔جن سے دکنی زبان کو بڑا فروغ ملا۔آپ کی تاریخ وفات شمس العشاق سے ۹۰۲ھ برآمد ہوتی ہے نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

محمد ﷺ نبی تیرا اس پر ایمان میرا
جو اس کی رخ سو تیرا درس پاوے

حضرت شاہ برہان الدین جانم حضرت شمس العشاق کے فرزند ارجمند ہیں اور اپنی ساری زندگی تعلیم و تلقین اور دعوت و اصلاح کے لئے وقف کردی،آپ کے قلم سے نظم و نثر میں متعدد رسائل وجود پذیر ہوئے آپ کا نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

ختم نبوت جس کا بھیجا درود ہور سلام
احمد محمد جس کا نانوں روز قیامت اس کی چھانوں

حضرت قربی ویلوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات گرامی جنوبی ہند میں ایک مینارہ علم کی طرح ہے جن سے دبستان شعر و ادب وجود میں آیا،آپ دکنی زبان کے معروف صاحب دیوان شاعر ہیں۔ پروفیسر فضل اللہ نے آپ کا دکنی دیوان ایک مبسوط اور جامع مقدمہ کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں حیدر آباد سے شائع کیا ہے اس دیوان میں متعدد نعتیں ہیں چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔

حسن ازل کا مظہر بے واسطہ او سرور ہر حسن جگ میں یکسر ہے پرتو اس بہا کا
او افضل البشر ہے، او شافع حشر ہے ہر جا وہی نشر ہے سالار اصفیاء کا
یا رسول اللہ، یا ہادی الوریٰ تو نچہ ہے شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ
یا رسول اللہ، احوال تمام تجھ پہ ظاہر ہے، کہوں کیا والسلام

آپ نے معراج نامہ لکھا ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے اسٹیٹ لائبریری (مخطوطہ غیر مطبوعہ ۱۸۰) حیدر آباد میں ہے،اس کا ماخذ حضرت عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب معارج النبوۃ ہے،دکنی زبان کا یہ قدیم معراج نامہ ہے اس کا اختتام اس شعر پر ہے۔

کیا ختم میں ذکر معراج کا بنام محمد نبی مصطفیٰ ﷺ

حضرت قربی کے صاحبزادے حضرت سید عبداللطیف ذوقی ویلوری کو منجانب اللہ علم و فن

اور شعر وادب کی نعمت ملی تھی، مختلف علوم وفنون پر آپ کی ساٹھ سے زائد کتابیں ہیں۔آپ کے اشعار کی تعداد تین لاکھ سے متجاوز ہے۔

حضرت ذوقی رحمۃ اللہ علیہ نے کثیر الحجم قصائد، مثنویاں، غزلیات اور دواوین اپنی عظیم علمی وشعری یادگار چھوڑی ہیں۔ دکنی زبان میں عقائد ذوقی کے نام سے ایک منظوم کتاب ہے جو ایک سونوشعر پر پھیلی ہوئی ہے اور ایک کتاب غوث نامہ ہے جو چار سوشعر پر حاوی ہے اور یہ مثنوی صرف دودن میں لکھی ہے۔

مولانا باقر آگاہ مدراسی، حضرت قربی ویلوری کے شاگرد رشید اور خلیفہ سعید تھے انہوں نے بھی عربی، فارسی اور اردو میں نظم ونثر کا وسیع ذخیرہ چھوڑا ہے، آپ نے اپنی اکثر تصانیف کے شروع میں حمد باری اور نعت ہادی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا التزام اور اہتمام کیا ہے۔آپ ایک فی البدیہہ پر گوشاعر تھے، قصائد کا ایک ضخیم دفتر ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات کا بیان اور اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ڈاکٹر ذاکرہ غوث نے آپ پر تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا ہے ۱۹۷۴ء میں مدراس یونیورسٹی نے محترمہ کو ایم لٹ کی ڈگری تفویض کی ہے۔ یہ مقالہ ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔مولانا باقر آگاہ کے دیوان میں دس قصائد ہیں ایک قصیدہ صبح بہار ہے، چند شعر ملاحظہ فرمایئے:

اے کہ تیری قامت دل کش بہ قیامت دم ساز — بادہ مستانہ خرام کا تیرے پا انداز
ہے عیاں عارض تاباں سے تیرے جلوہ طور — کیوں نہ ہو مہ سا ہستی کو میرے سوز وگداز
نام لیوا ہوں اگرچہ گناہ گار ہوں میں — نظر لطف سے اس بندہ کو کم تر کو نواز

ایک اور قصیدہ کے چند شعر ملاحظہ فرمایئے جس کا نام ہے استغاثہ حزین بجناب سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محبوب حق محمد رسل و ملک کا ہے — دونوں جہاں کا مالک مطلق با اختیار
کیا رُسل، کیا ملائک، وکیا ارض، وکیا سماء — رہیں گے مدد کے ترے ہمیشہ امید وار
دامن سے تیرے ہو متوسل ابوالبشر — خلعت کے فاجتباہ سے پایا ہے افتخار

مولانا آگاہ ویلوری نے دوسو کے قریب رباعیات لکھی ہیں ان میں سے بعض رباعیات نعت رنگ لئے ہوئے ہیں، ایک رباعی ملاحظہ فرمایئے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کے توسل نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات کہہ کر اپنا عرض حال کیا ہے کہ یارسول اللہ! باقر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

در چھوڑ کر کہاں جائے؟ ؎

جیسا تو ہے فاتح وجود عالم ویسا ہے ہر کمال کا بھی خاتم
جاؤں کدھر چھوڑ حمایت تیری تیرے سے کیا ہے جب توسل آدم

نعت گو صوفیہ شعراء میں مولانا عبدالحئی واعظ بنگلوری خلیفہ حضرت قطب ویلور کو بھی ممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔ آپ نے بیس ہزار پر مشتمل مبسوط کتاب جنان السیر فی احوال سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصیف کی ہے۔ دکنی زبان میں سیرت طیبہ پر یہ پہلی منظوم کتاب ہے اور یہ کتاب ایک صدی سے زائد عرصہ تک سارے جنوب میں مقبول خاص و عام تھی۔ ہر سال ربیع الاوّل شریف کے مہینے میں گھر گھر پڑھی اور سنی جاتی تھی۔ خواتین بڑے ادب واحترام کے ساتھ میلاد کی مجلسیں آراستہ کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ مسجدوں اور محلوں میں عام جلسے منعقد ہوتے تھے جن میں پڑھی جاتی تھی۔ لوگ جوق در جوق بڑے ادب واحترام کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے، اس دینی و معاشرتی اور سماجی وثقافتی عمل و کردار کے باعث ربیع الاوّل میں مسلمانوں کے گھروں میں ذات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک والہانہ اور محبانہ تعلق کے اظہار کا منظر دیکھنے میں آتا تھا۔ سیرت طیبہ کی ان مجالس کے ذریعہ اصلاحی اور دعوتی عمل بھی انجام پاتا تھا، عصر حاضر کے بعض علماء نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلسوں کو بدعت قرار دیا جس کے باعث یہ ساری مجلسیں برخواست ہو گئیں اور اس کا نتیجہ یہ سامنے آ گیا ہے کہ موجودہ زمانے میں مسلم معاشرہ ربیع الاوّل کی آمد و رخصت کے احساس اور علم و آگہی سے بھی دور ہو گیا ہے شاید مستقبل میں مسلمانوں کی نئی نسل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے یوم اور ماہ سے بھی پوری طرح ناآشنا اور نابلد ہو جائے۔

مولانا عبدالحئی جیسی مثال ماضی قریب میں مولانا ضیاء الدین احمد امانی پلی گنڈہ ضلع ویلور نے قائم کی۔ انہوں نے گلشن سیرت لکھی جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ بہت ہی موثر اور دل نشیں پیرایہ میں بیان کی ہے۔

دکن کے امراء وسلاطین میں بعض بادشاہ ایسے گذرے ہیں جنہیں نعت گوئی کا شرف حاصل رہا ہے اس سلسلہ میں محمد قلی قطب شاہ، سلطان عبداللہ قطب شاہ، علی عادل شاہ ثانی شاہی وغیرہ کو اوّلیت اور امتیازیت کا شرف حاصل ہے، ان کی شاعری میں نعتیں ملتی ہیں جو مختلف اصناف سخن میں کہی گئی ہیں، محمد قلی قطب شاہ کے کلیات اور سلطان عبداللہ کے دیوان اور علی عادل شاہ کے کلیات میں نعتیں موجود ہیں۔

بقول علیم صبا نویدی اردو شاعری میں نعت نگاری سب سے پہلے دکنی زبان میں شروع ہوئی اور غزل کے رنگ میں نعت شریف کہنے والا پہلا شاعر محمد قلی قطب شاہ معانیؔ ہے۔ مگر قلی قطب شاہ سے پہلے نظامی بیدری (جو اردو کا سب سے پہلا مثنوی نگار، مصنف کدم راؤ پدم راؤ) نے بھی نعتیہ اشعار کہے ہیں، اس طرح عہد قطب شاہی، عادل شاہی، عہد مغلیہ اور عہد والا جاہی کے تمام تر شعراء نے اپنی اپنی مثنویوں کی ابتداء میں لازمی طور پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ مبارک میں نعتیہ نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ بہر حال شمالی ہند سے بہت پہلے دبستان دکن میں نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چلن عام ہو چکا تھا چنانچہ ان ادوار میں جو بھی مثنویاں کہی گئیں، ان میں حمد کے بعد نعت شریف کا مستقل باب ضروری طور پر باندھا گیا ہے۔ اس دور کے شعراء میں نصرتیؔ، وجہیؔ، غواصیؔ، فائزؔ، وغیرہ کے ہاں نعتیہ قصائد، قطعات اور ابیات بکثرت ملتے ہیں۔

(ٹمل ناڈو میں نعت گوئی۔ ص ۲۷)

ڈاکٹر راحت سلطانہ رقمطراز ہیں محمد قلی قطب شاہ کو اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے، نعت گوئی میں اس کا اجتہاد یہ ہے کہ اس نے غزل کی ہیئت میں نعتیں کہنے کا ڈول ڈالا بعد کے زمانے میں یہی ہیئت نعت گو شعراء میں نہایت مقبول ہوئی۔

عبداللہ قطب شاہ نے ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کی کتاب نورس کے جواب میں موسیقی کے موضوع پر ایک کتاب منظوم کی تھی شاید اسی لئے اس کے کلام میں مختلف راگ راگنیوں اور موسیقی کے آلات کا ذکر بار بار ملتا ہے۔ موسیقی کا احساس پیدا کرنے کے لئے اس نے نعتوں میں بھی ہم قافیہ الفاظ کا بطور خاص اہتمام کیا ہے۔ (علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری ص ۵۴)

اردو زبان کے اس دکنی دور میں میلاد ناموں اور چکی ناموں کو لکھنے کی ایک روایت ملتی ہے صوفیہ نے عوام کی اصلاح اور تعلیم و تربیت اور ان کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و الفت پیدا کرنے کے خیال سے ان رسائل کی تصنیف کی جو اس زمانے میں عام طور پر سعادت و برکت کے حصول کی نیت سے پڑھے جاتے تھے۔ یہ منظوم اثاثہ بھی نعتیہ شاعری کا ایک غیر منفصل جز ہے۔

دکنی زبان کا ایک نیا دور اس وقت شروع ہوا جب کہ وہ لسانی حیثیت سے جدیدیت کے قالب میں جلوہ نما ہوی اور اردو کے نام سے اپنی مستقل شناخت بنالی اس تغیر و تبدیلی کے ساتھ شعر و ادب کی نئی جہتیں اور سمتیں منور ہوگئیں تو نعت کی دنیا بھی نئی روشنیوں سے چمک اٹھی، نعت جو خالص دینی

عناصر سے ترکیب پا رہی تھی وہ اب اس محدود دائرہ سے نکلی اور ادب کے وسیع ترین میدان میں اپنے قدم جمانے شروع کئے۔

نعت کے موضوع پر خامہ فرسائی ہو اور اس میں امام محمد احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نعت نگاری زبان قلم پر نہ آئے تو یہ حق موضوع کی ادائیگی میں کوتاہی اور ناانصافی کے مترادف ہے یہ امام عالی مقام ہی ہیں جنہوں نے نعت کو ایمان وعبادت کا درجہ عطا کیا، اور آپ نے اپنی نعت گوئی سے مقام محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعظمت مصطفوی اور عشق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وآداب شرعی کے دفتر کے دفتر کھول دیئے اور اپنے پیچھے ایک ایسا پاکیزہ علمی وفکری اور ایمانی وروحانی اثاثہ چھوڑا ہے جو اپنی جگہ ایک مستقل دبستان نعت اور چمنستان عشق رسول ہے۔ آپ نے ایک ایسا صلوٰۃ وسلام تخلیق کیا ہے جس کی نظیر اور مثیل دور دور تک نہیں ملتی۔ یہ صلوٰۃ وسلام نہ صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عدیم النظیر خصوصیات ومحاسن کا جامع مرقع ہے بلکہ اہل بیت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، شہنشاہ ولایت پیر پیران وشیخ جیلان علیہ الرحمہ، اولیاء واصفیاء اور ائمہ کی جامع منقبت بھی ہے اور یہ ہند وپاک میں آپ کی فکر سے وابستہ خواص وعوام کی زبان زد ہے اس کے علاوہ آپ کی ایک ایسی نعت شریف ہے جو آپ کی مخصوص شناخت ہے۔ یہ نعت عربی، فارسی اور ہندی کا مجموعہ مرکب ہے اور ہند وپاک بھر میں مشہور اور مقبول ہے۔ دو شعر ملاحظہ فرمایئے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا جگ راج کا تاج تورے سر سوہے، تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علا والموج طغیٰ من بے کس وطوفان ہوش ربا منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیا پار لگا جانا

الغرض! نعت اپنے آغاز میں نور محمدی، وصف محمدی اور اعجاز محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اظہار وبیان تک محدود رہی پھر وہ دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتعلیم سے وابستہ رہی، پھر اس کی معنویت اور داخلیت میں وسعت ہوتی چلی گئی، پھر اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا جس میں زمانے کے نشیب فراز اور نئے پیدا ہونے والے قومی وملی اور بین الاقوامی امور ومسائل شامل ہونے لگے، اور آج بھی وہ اپنی عصری آگہی اور عصری حسیت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنا موثر ومفید اور تعمیری وفلاحی کردار ادا کر رہی ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں نعت کی ماہیت اور صورت میں تبدیلی ہوتی رہی ہے لیکن اس کے موضوع اور اس کی حقیقت ومعنویت میں تبدیلی نہیں ہوئی اور اس پہلو سے تغیر وتبدیلی ممکن بھی نہیں ہے، کیونکہ ذات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا واسطہ یا بالواسطہ، کسی نہ کسی پہلو اور جہت سے نعت کا اصلی موضوع اور محور ومرکز رہی ہے یوں تو نعت، شاعری کی

مختلف اصناف مثلاً مثنوی، قصیدہ، رباعی، غزل اور مرثیہ وغیرہ میں اپنے جلوے بکھیرتی رہی ہے لیکن اب وہ شاعری کی جدید اصناف آزاد نظم اور نثری نظم اور غیر ملکی اصناف سائینٹ اور ہائیکو وغیرہ کے چلمن سے بھی اپنا حسین وجمیل چہرہ دکھارہی ہے اور بیک وقت وہ قدیم وجدید اور ملک و بیرون ملک سے اپنا رشتہ نبھائے چل رہی ہے۔

نعت کا ایک مابہ الامتیاز اور عدیم النظیر پہلو یہ بھی ہے وہ اپنے آغاز سے لے کر آج تک بھی کذب ودروغ، تکلف وتصنع اور غلو سے آلودہ اور داغ دار نہیں ہوئی، اس کی سرتاپا حقانیت اور سراپا صداقت کا راز اس کے موضوع اصلی میں چھپا ہوا ہے اور وہ موضوع ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات جمیل الشیم اور کوئی بھی صاحب ایمان شاعر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق اپنے جذبات واحساسات کے اظہار میں کذب ودروغ اور نفاق و دورخا پن اختیار کر ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کی جان ایمان، نعت ہے اور ایمان نام ہے اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرنا اور اسی تصدیق کے مطابق زبان سے اقرار کرنا یہی وجہ ہے کہ نعت گوشاعر اپنے قلبی جذبات واحساسات اور کیفیات کو صداقت وحقانیت اور طہارت ونظافت کی زبان میں بیان کرتا ہے۔

نعت کا ایک اور پہلو جو غور وفکر اور عبرت کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ نعت گوشاعر کو اپنے محبوب اور ممدوح کی شان میں اپنے جذبات وخیالات اور احساسات وکیفیات کو پوری ہوش مندی ودانش مندی اور حزم واحتیاط کے ساتھ بیان کرنا ہوتا ہے اور جنبش قلم میں آداب رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پورا پورا پاس ولحاظ اور خیال رکھنا نہایت ضروری ہے ورنہ ذہنی وقلبی اور قلمی بے ادبی، دنیاوی اور اخروی نقصان وخسران کا موجب ہوگی، اور زیر آسمان یہ وہ بارگاہ ادب ہے جو عرش سے نازک تر ہے۔ جنید اور بایزید جیسے کاملین اور عاشقین اس دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو اپنی سانس روک لیتے ہیں۔

ادب گاہے یست زیر آسمان ازعرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

نعت کی ابتدائے آفرینش اور قدامت سے لے کر اس کی نئی تبدیلیوں تک معلوماتی اور تفصیلی جائزہ علیم صبا نویدی کی کتابوں میں موجود ہے بہرحال جنوب میں صنف نعت پر اتنی ساری کتابیں مثلاً نورالسمٰوات ۱۹۷۹ء ترسیلے ۱۹۸۶ء شعاع شرق ۱۹۸۷ء مرۃ النور ۱۹۸۸ء تشدید ۱۹۸۹ء ن ۱۹۹۰ء نوراعظم ۲۰۰۱ء ٹمل ناڈو میں نعت گوئی ۲۰۰۴ء نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے ۲۰۰۶ء وغیرہ علیم صبا نویدی نے دی ہے اور یہ سارے جنوب کے لئے مایۂ افتخار ہے۔

حاصل کلام! نعت کے موضوع پر یہ ایک طالب علمانہ مطالعہ اور جائزہ ہے جو حضرات ادب نواز، اردو دان اساتذہ اور باذوق طلباء طالبات کے سامنے پیش کیا گیا، اس موضوع کے حق کی ادائیگی تو شعر و ادب کے محققین کا حق اور حصہ ہے، یہ احقر اسلامیات کا ایک ادنیٰ طالب علم اور خادم ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس موضوع کی تعبیر و تفہیم اور توضیح و تشریح میں علمی و ادبی اور تاریخی و تحقیقی فروگذاشت رہے ارباب ادب سے قلمی بے ادبی کے لیے معذرت خواہ ہوں، سراپائے رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اظہار و بیان پر یہ تحریر اختتام پذیر ہے، اس عدیم المثال حسین و جمیل سراپا کا ایک ایک جز بھی اپنے دامن میں نعت کی شان رکھتا ہے، نعت کیا ہے صفات محمدی کی عکاسی کا نام ہے۔

روئے تاباں کی رخشندگی کے سامنے بدر کامل بھی بے نور، انتہائی جاذب و پرکشش اور حسین و جمیل جس کی ایک جھلک سے سارے آلام و مصائب کا احساس فنا ہو جائے اور بے ساختہ زبان کہہ اٹھے **کل مصیبة بعدك جلل**، آنکھیں حسین و جمیل، سیاہ و روشن، پیشانی کشادہ اور فراخ، زلف کالے، چمکیلے، گھنے اور لمبے، گردن اونچی جو دیکھنے میں خوب صورت معلوم ہو، دندان شفاف موتی کی طرح چمک دار، مسکرائے تو روشنی پھوٹ پڑے، راہ چلے تو خوشبو مہکے جس سے منزل کا نشان معلوم ہو جائے، دور سے دیکھنے میں زبیدہ، دل فریب اور دلآویز قریب سے بے پایاں شیریں اور کمال حسین، قد میانہ اور موزوں، اکثر خاموش اور پروقار لیکن دل بستگی لئے ہوئے، آواز میں رعب و جلال، زبان نہایت شیریں، کلام سلجھا ہوا اور بے حد موثر و دل نشیں اور مخاطب کی فہم سے مناسب و مطابق، لب و لہجہ نرم اور خوب صورت، گفتگو نہ اتنی مختصر کہ سننے والا، مافی الضمیر کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ نہ اتنی طویل کہ بار خاطر ہو، ہر وقت جان نثاروں کے حلقہ میں، مصاحبین و ہم نشین ایسے سعادت مند و طاعت گذار کہ ایک خفیف اشارہ پر دنیا و **مافیہا** کو قدم ناز پر قربان کر دیں۔

دربار، تکلف و تصنع، زیبائش و آرائش اور فخر و مباہات کے لوازم سے خالی، شاہ و گدا اور اپنے و آس اور خویش وغیرہ کے امتیازات سے عاری، لیکن عظمت و جلالت اور شان و شوکت کا یہ عالم کہ کوئی آنکھ ملا کر بلند آواز سے بات نہ کر سکے۔ مخلوق میں شامل، خالق سے واصل، سراپا جمال ہی جمال، حسن ہی حسن، لطافت ہی لطافت، نور ہی نور، ان عدیم النظیر خصوصیات و امتیازات کے ساتھ اپنی امت سے اتنی محبت و الفت اور شفقت کہ جان لب رہتے ہوئے بھی لب پر امتی امتی کا ورد اور قیامت کی ہولناک اور لرزہ خیز ساعتوں میں گناہ گاروں کو شفاعت کی یعنی دنی، **انی لها انی لها**۔

لا یمکن الثناء کما کان حقه بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ملاحظات:

1) مواہب لدنیہ۔ امام ابو العباس احمد بن محمد قسطلانی
2) لباب التاویل فی معانی التنزیل۔ امام علی بن خازن
3) مستدرک۔ امام حاکم ابو عبید اللہ محمد بن عبد اللہ
4) سیرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ابن ہشام ابو محمد عبد الملک حمیری
5) قصیدہ بردہ۔ امام شرف الدین بوصیری
6) اردو کی نشو نما میں صوفیائے کرام کا حصہ۔ مولوی عبد الحق
7) مولانا باقر آگاہ ویلوری شخصیت اور فن۔ ڈاکٹر ذاکرہ غوث
8) میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری
9) توسل نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت۔ ڈاکٹر بشیر الحق لطیفی ابن محمد نور آل قریش
10) علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر راحت سلطانہ
11) ٹمل ناڈو میں نعت گوئی۔ علیم صبا نویدی

☆☆☆

کاشف عرفان (اسلام آباد)

نعت اور اکیسویں صدی کا تہذیبی آشوب

نعت فرازِ حرف وصوت ہے اور نور فکر وعمل بھی۔ عمل کے گلستان کا سب سے معطر پھول بھی نعت ہے۔ نعت عقیدہ وعقیدت کے درمیان درست تال میل سے پیدا ہونے والے ایسے شعری اظہار کا نام ہے جس کی بنیاد میں اخلاص اور عجز موجود ہوتے ہیں۔ نعت کا راستہ آسان نہیں کہ یہ ہنرکاری (Craft) سے ماوراء ایک مختلف صورتحال ہے۔ استقارات وعلائم سے کیفیات کو تصویر کرنے کا عمل نعت ہے۔

اردو میں نعت نگاری آغاز سے ہی موجود ہونے کے باوجود کبھی ایک صنفِ سخن کے طور پر خود کو منوا نہیں سکی۔ قلی قطب شاہ اور سعد سلمان لاہوری کے کلام میں تبرکاً نعت کے نمونے تو موجود ہیں لیکن برائے رحمت وبرکت بالکل ایسے ہی جیسے آج بھی ہمارے غزل گو اپنی غزل کے مجموعوں کے آغاز میں حمد ونعت برائے برکت شامل کرتے ہیں اور ایسا کرنا کچھ غلط بھی نہیں۔ انیسویں صدی میں محسن کاکوروی وہ پہلے باقاعدہ نعت گو تھے جنہوں نے غزل کے استقارات وعلائم اور الفاظ وتراکیب کو شعوری کوشش سے نعت میں برتا۔ اُن کی شاعری نے غزل کے آہنگ میں رہتے ہوئے نعت کو ایک صنفِ سخن کے طور پر متعارف کروایا۔ قصیدہ ''لامیہ'' میں ہندی الفاظ وتراکیب اور ماحول سے کیفیات کو مرتسم کرتے ہوئے شاعر موصوف نے اِس خطے کی اجتماعی تہذیب کو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت کے حوالے سے منعکس کیا یوں زبان کی سطح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انسان دوستی کی تہذیبی روایت کا آغاز کیا۔ اُسی عہد میں احمد رضا خان کے ہاں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قلندرانہ کیفیت پر مبنی شاعری کے ساتھ ساتھ علمی بلندی پر مشتمل تخلیقات بھی سامنے آئیں۔ احمد رضا خاں کے ہاں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور تیز رنگوں سے سجی ہوئی تصاویر سامنے آئیں۔ اِن دو شعرائے کرام کے علاوہ انیسویں صدی میں حالؔی کے ہاں نعت کے موضوعات میں تنوع نظر آیا۔ حالؔی حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رحمت للعالمین کے بیان میں آ قا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمانی اوصاف اور معاشرتی خصائص کے بیان کی طرف زیادہ توجہ دیتے تھے۔ حاؔلی کا غالب رجحان غزل سے نظم کی جانب منعطف ہو چکا تھا لہٰذا اجتماعی سطح کے موضوعات مناجاتی کیفیات اور استغاثہ زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ۔

اے خاصہ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جیسے اشعار اُن کے قومی مزاج، سرسید سے اُن کی فکری ہم آہنگی اور پوسٹ کالونیل مسائل پر اُن کی گہری اور عمیق نظر کی وضاحت کرتے ہیں۔ انگریزی نظم کے مطالعے اور اِسی طرز پر نظموں کے موضوعاتی مشاعروں کی تنظیم و ترتیب اور اِسی طرز کی شاعری نے اُن کے مزاج میں کچھ معروضیت پیدا کی جو آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جسمانی زندگی اور معاشرتی فکر پر مشتمل شاعری پر منتج ہوئی۔ حاؔلی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر شخصیت کے اُس روحانی پہلو پر زیادہ گفتگو نہیں کی جو کسی بھی مسلمان کے لئے خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے اور نظریاتی تقویت کا بھی۔

محمد حسن عسکری اپنے معرکتہ الآ راء مضمون ''محسن کاکوروی'' میں لکھتے ہیں:

> ''مفلر والے مولانا حالی کی تعلیم کی رُو سے تو محسن کا ہر شعر مذاق شاعری سے بیگانہ ٹھہرتا ہے لیکن زندگی ہم سے جو پہیلیاں بجھواتی ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مولانا حالی اور لارڈ میکالے کی توقعات کے برعکس ایک زمانے میں محسن کا نعتیہ قصیدہ اِسی طرح زبان زد خلائق تھا جس طرح بعد میں مسدس حالی ہوا۔'' (اردو نعت کی شعری روایت۔ص:278)

محسن اور حاؔلی کی نعتیہ تخلیقات کی اِن دو جہات کے حوالے سے جمال پانی پتی کا ایک جملہ دیکھئے:

> ''گویا عسکری صاحب کے نزدیک حاؔلی اور محسؔن دونوں ہی کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صرف ایک جہت سے سروکار رہا۔ حالی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشری یا انسانی جہت کو لے لیا، ماورائی یا نوری جہت کو چھوڑ دیا۔ محسؔن نے ماورائی یا نوری جہت کو لے لیا، بشری یا انسانی جہت کو چھوڑ دیا۔''(ایضاً ص:346)

محمد حسن عسکری اور جمال پانی پتی کے درمیان محسؔن اور حالی کے درمیان اس تقابل نے بیسویں

صدی نعت ناقدین کے لئے ایک راستہ کھول دیا۔ محمد حسن عسکری کے اس مضمون میں نعت کے ناقدین سے بین السطور یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ تخلیقات کے باطن میں اتر کر تخلیق کو شخصیت، عہد اور معروضی حقائق کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کریں گے لیکن بوجوہ ایسا نہ ہوسکا جن کی وجوہات کا ذکر میں کچھ دیر میں کرتا ہوں۔ بیسویں صدی کی پہلی تین چار دہائیاں اقبال اور حفیظ کی نعتیہ اور مذہبی شاعری سے عبارت رہی ہیں۔ اقبالؔ اردو شاعری کی تاریخ میں وہ واحد شاعر ہیں جنہوں نے تخلیقی سطح پر آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرکز بنا کر امت مسلمہ کے مسائل اور دکھوں پر بات کی۔ اقبالؔ کا تاریخی شعور انہیں بار بار پیچھے مڑ کر بحیثیت مسلم اپنے شاندار ماضی کو دیکھنے پر مجبور کرتا رہا اور وہ فکری سطح پر ماضی سے مستقبل کے درمیان متحرک رہے۔ اقبال کی نظریاتی شاعری نے بسویں صدی کے نعت گو شعراء کی جانب سے فرض کفایہ ادا کیا اور اجتماعی طور پر اپنے شاندار ماضی کی روشنی میں تخلیقی سطح پر آج کا درد بیان کیا۔ ؎

لوح بھی تُو قلم بھی تُو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ
زرہ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

اقبال کی وفات کے بعد تقسیم کے ہنگام سے قبل ترقی پسندانہ فکر کا غلبہ ہونے لگا تھا۔ اس کے ساتھ ادب کی داخلی کیفیات کے بیان کے لئے حلقہ ارباب ذوق کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے بعد نئی مملکت کا قیام اور انسانوں کا قتل عام ایک بہت بڑا انسانی المیہ بن کر سامنے آیا۔ انسان کی ایسی بے حرمتی نے انسانیت کو ہلا کر رکھ دیا۔ انسان کا انسان سے اور انسانیت سے اعتماد اٹھ گیا۔ ایسے میں ضرورت تھی کہ نعت مبارک کو فرد سے اجتماع کی طرف موڑا جاتا اور اقبال کی فکر کی طرف رجوع کیا جاتا۔ غزل، نظم، افسانہ اور ناول اس عبوری عہد میں ایک نئے فیز میں داخل ہوئے مگر مذہبی ادبیات کو یہ فضا میسر نہ آئی۔ نئے تنقیدی نظریات اور تخلیقی جہات کے اس عہد میں نعت نگار، نعت کو ایک ادبی صنفِ سخن تسلیم کروانے کی جدوجہد کر رہا تھا اور تنقید نعت کا شعبہ تو ابھی وجود میں ہی نہیں آیا تھا۔ غزل، نظم، افسانہ اور ناول جب نئی روشنی میں نئے تخلیقی آہنگ کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے، حمد ونعت بنیادی نوعیت کے سوالات کے جوابات تلاش کر رہی تھی اور آج تک اپنی حیثیت کے

تعین کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔اس جدوجہد کی طویل عمری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 2019ء میں لاہور میں ہونے والی قومی نعت کانفرنس میں ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے کلیدی خطبہ ''نعت کی صنفی حیثیت'' کے عنوان سے ارشاد کیا۔ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی سے تنقید نعت کا جستہ جستہ کام سامنے آنے لگا تھا۔ اُس عہد میں ربع صدی کے دوران تنقید نعت کے حوالے سے مندرجہ ذیل کام سامنے آیا۔

☆ محسن کاکوری	از	محمد حسن عسکری۔
☆ صنفِ نعت	از	مجید امجد
☆ جدید اردو نعت	از	عارف عبدالمتین
☆ نعت گوئی اور جدید شعور	از	شمیم احمد
☆ نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم	از	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی
☆ نعت گوئی کا تصورِ انسان	از	جمال پانی پتی
☆ اردو میں نعت نگاری (ایک جائزہ) 1975 تک	از	ڈاکٹر انور سدید
☆ نعت کی تعریف	از	ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق

اس عبوری عہد کے بعد ڈاکٹر ریاض مجید کا مقالہ ''نعت موضوع محض سے معجزہ فن تک'' سامنے آیا۔ مذاہب پر سرمایہ دارانہ فکر کا غلبہ بیسویں صدی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا جس کا ادراک کرنا ضروری تھا۔ فلسطینی علاقوں میں یہودی بستیاں بسانے کی کوششیں اسرائیل کے قیام کا پیش خیمہ بن چکی تھیں۔ روس اور امریکہ کے درمیان طاقت کے حصول کے لئے سرد جنگ کا آغاز اور پھر روس کی ریاست لا کی تقسیم نے مذاہب کے درمیان ایک جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔ یونی پولائزیشن اور نیو ورلڈ آرڈر کی تشکیل نے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ امریکی سرمایہ دارانہ نظام کے لئے کسی بھی مذہب کی قوت قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اسلام کی حقانیت اور دلوں کو تسخیر کرنے کی صلاحیت سے مغربی معاشرے تو مستفید ہو رہے تھے لیکن مغربی سیاسی نظام کے لئے یہ قابل قبول نہ تھا۔ 2001ء میں اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے مسلمانوں کو زیر کرنے کی کوششیں جاری تھیں۔ بیس برسوں میں یہ کوششیں ایک اور طرح کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔

بیسویں صدی کے ہمارے نعت گو شعراء اور ناقدین نعت کے مسائل نظریاتی سے زیادہ ادبی تھے۔ نعت کو ادبی صنف کی حیثیت سے اردو ادب میں تسلیم کروانا ہی ان کا سب سے بڑا مسئلہ تھا اور اسی

سلسلے میں ان کی کاوشیں جاری تھیں۔ اکیسویں صدی کے نعت گو اور نعتیہ نقاد کو کئی محاذوں پر جنگ لڑنی پڑ رہی ہے۔ وہ ٹیکنالوجی اور بین العلومیت سے بھی نبرد آزما ہے۔ مغربی اذہان میں تشکیک اور ردِ تشکیل کی پیچیدگی سے بھی جنگ لڑ رہا ہے اور 9/11 کے بعد اسلام پر براہِ راست حملوں اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے خلاف بھی سراپا احتجاج ہے۔ مذاہب کے درمیان پیدا شدہ اس مصنوعی فاصلے نے دنیا کو ایک بڑے تہذیبی انہدام کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے لیکن بیسویں صدی کے نعت گو کے تتبع میں اکیسویں صدی کے نعت گو کے ہاں نعت میں روایتی موضوعات مثلاً عقیدت و محبت، ہجر مدینہ، دوری کی تڑپ، عشق سرکار میں وارفتگی جیسے موضوعات پر طبع آزمائی ہو رہی ہے۔ تخلیق کی یہ سطح انسانی جذبات کو مس کر کے حظ پیدا کرتی ہے۔ دوسری سطح پر نعت کے تخلیق کار کو سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان گوشوں کو بھی نعتیہ کلام کا حصہ بنانا ہوگا جہاں ابھی روایتی نعت گو کی نظر نہیں پہنچی۔ ان موضوعات میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انسان دوستی، سیرت کے حوالے سے بڑے کائناتی مظاہر کی تفہیم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے حوالے سے معجزات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سامنے رکھتے ہوئے بڑے کائناتی سوالات کی پیشکش، سیرت پاک کا ایسے علامتی نظام میں بیان کہ جدید تنقیدی تناظرات بھی نعتیہ فکر کا حصہ بن سکیں، شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی تنگ نظری اور اسلام دشمنی کے حوالے سے ایک بڑے مکالمے کا آغاز جس میں مغرب سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت اور کردار کی بلندی کے حوالے سے گفتگو ہو۔ مغربی مستشرقین کی جانب بھی پیغام رسانی کی جا سکے۔ بدقسمتی سے ابھی ہمارا تخلیق کار، ناقد اور ادبی تنظیمیں بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔ چند ماہ قبل میں نے حلقہ ارباب ذوق اسلام آباد کو اپنی ایک نعتیہ نظم تنقید کے لئے ارسال کی۔ میرا خیال تھا کہ حلقہ اربابِ ذوق اس طرح کی مکالماتی تخلیقات پر گفتگو کے لئے مناسب ترین فورم ہے لیکن حلقہ کے منتظمین اور مجلس عاملہ کی جانب سے مجھے جواب ملا کہ حلقہ میں نعتیہ تخلیقات تنقید اور گفتگو کے لئے پیش نہیں کی جا سکتی ہیں۔ ہمارا ادبی اذہان ابھی تک نعت کو ''غزلیہ فارمیٹ'' میں لکھی گئی روایتی نعت کے طور پر دیکھ رہا ہے اور عقیدت کے حوالے سے ان تخلیقات پر گفتگو کے لئے تیار نہیں۔ میری نعتیہ نظم کا عنوان ''چارلی ایبڈو کے نام۔ ایک پیغام'' تھا۔ یاد رہے کہ ''چارلی ایبڈو'' اس نام نہاد مغربی جریدے کا نام ہے جو آزادی اظہار کے نام پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہا ہے اور ایک عرصے سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ حلقہ ارباب ذوق سے کیا شکایت کہ ابھی نعت گو شعراء بھی ایسی فکری شاعری کے لئے تیار نہیں ہیں۔

چند سال قبل ایسی نعتیہ تخلیقات جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نئی شعری فکر کا اظہار ہو، کو جمع کرنے اور اُن پر تنقید و تفہیم کا خیال پیدا ہوا لیکن بہت تلاش کے بعد میں چند نعتیہ نظمیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکا جن میں موضوعات کا تنوع بھی موجود ہو اور شعریت بھی۔

اکیسویں صدی کے جس تہذیبی آشوب کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا تعلق براہِ راست ہماری اجتماعی ادبی زندگی معیشت، معاشرت اور اخلاق کے ساتھ ہے عنوان میں یہ تہذیبی ٹکراؤ مذاہب کے درمیان ایک بڑی خلیج پیدا کر رہا ہے جس کے باعث دنیا ایک بڑے آگ کے گولے کی شکل اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔ نعتیہ ادب کو اب ایسی تخلیقات پیش کرنی ہوں گی جس میں موضوعاتی تنوع موجود ہو، فکر ہو اور نئے تقاضوں کو سمجھنے کی اہلیت ہو۔ بین العلومیت پر مبنی ایسی نعتیہ تخلیقات ہی اب نعت نگاری کے نئے دور کا آغاز ثابت ہو سکتی ہیں۔ نعتیہ نقاد کو بھی اِس نئے منظرنامے کا حصہ بننے کے لئے خود کو علمی اور فکری طور پر تیار کرنا ہوگا۔ اس حوالے سے میں اکیسویں صدی کے نعت نگار اور ناقد کے سامنے چند سوالات رکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

☆ کیا عصر حاضر کے نعت ناقدین کے ہاں حدِ تخلیق سے آگے کی کسی تخلیق کی تفہیم کے لئے مناسب انتظام ہے؟

☆ کیا جدیدیت اور مابعد جدیدیت فکر کی حامل نعتیہ تخلیقات کی تفہیم کے لئے روایتی تنقیدی ٹولز (Tools) کافی ثابت ہو سکتے ہیں؟

☆ کیا اکیسویں صدی کے نعتیہ نقاد کے پاس بیسویں صدی کی مذہبی، معاشرتی اور ادبی تحریکات کا شعور موجود ہے؟

☆ کیا نئے ناقد کے پاس نعت کی کلاسیکی روایت کا خاطر خواہ مطالعہ موجود ہے؟

☆ کیا اکیسویں صدی کے نئے تخلیق کار زندگی کی پیچیدگی اور ٹیکنالوجی کے ادغام کو نعتیہ تخلیقات اور نعتیہ استغاثوں میں سمونے میں کامیاب ہو رہے ہیں؟

☆ کلاسیکیل عبوری، جدید اور مابعد جدید عہدِ نعت کے درمیان جس ناقد کو پُل کا کردار ادا کرنا ہے، کیا وہ اس اہم علمی، ادبی اور مذہبی کاوش کے لئے خود کو تیار کر چکا ہے؟

☆ ایسی حمدیہ و نعتیہ تخلیقات اب سامنے آنے کا وقت آ چکا ہے جن ماضی، حال، مستقبل اور ماوراء کے درمیان حدِ فاصل قائم نہیں ہوتی گویا ان تخلیقات میں ابہام بحیثیت ایک شعری عنصر کے تخلیق کا حصہ بنتا ہے۔ ایسی تخلیقات کی تفہیم کا عمل موجودہ تنقیدی تناظر میں نہیں ہو سکتا۔ اس

تفہیم کے لئے بنیادی ضوابط کی ترتیب و تزئین کس کا کام ہے؟

☆ بڑے کائناتی سوالات یا بڑے کائناتی مظاہر کے حوالے سے حیرانی اور فکر کے عمل پر مشتمل تخلیقات کی تفہیم منطقی و سماجی اور سائنسی علوم کے بغیر ممکن نہیں۔تخلیق کار اور ناقد اس حوالے سے سنجیدگی دکھانے کو تیار ہے؟

☆ نعت کی ادبی حیثیت کے حوالے سے بنائے گئے کلیشے کو کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے۔تخلیق کار اور ناقدین اس حوالے سے کیا سوچتے ہیں؟

☆ آخری سوال جو اس حوالے سے ذہن میں آتا ہے کہ نئے تخلیق کار ناقد کی تربیت کی ذمہ داری عام طور پر مذہبی ادبی رسائل و جرائد کرتے ہیں۔کیا ہمارے نئے نعتیہ نقاد کی تربیت نعت سے متعلق شائع ہونے والے رسائل و جرائد کر رہے ہیں؟

سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے رہنے چاہئیں کہ سوالات زندہ معاشروں میں قائم ہوتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی سماجی بیانیہ متفقہ طور پر غیر محسوس انداز میں ان سوالات کے جوابات تلاش کرتا چلا جاتا ہے۔ہر علمی و ادبی طور پر متحرک سماج میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

نعتیہ تنقید کے ضمن میں ڈاکٹر عزیز احسن اور ڈاکٹر ریاض مجید کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔دونوں حضرات نے ایک تنظیم جتنا کام اکیلے سرانجام دیا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ نئے عہد کے تقاضوں کو سمجھا جائے اور تخلیق کا رخ نعتیہ غزلیات کے ساتھ ساتھ نعتیہ نظموں کی طرف بھی موڑا جائے تاکہ ہم دنیا کی بڑی شاعری کے مقابل اپنی نعتیہ شاعری کو رکھ سکیں تراجم کی مدد سے دنیا کی مختلف زبانوں میں اسے پیش کیا جا سکے اور اس شاعری کو سامنے رکھ کر ایک بڑے سماجی بیانیے کی تشکیل ہو سکے۔وہ سماجی بیانیہ جو دنیا کے تمام افراد کو بلا تخصیص مذہب و ملت آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت اور احترام کا پیغام دے سکے۔

☆☆☆

ڈاکٹر ایس۔ ایم شکیل (برہان پور)

خاندیش کی نعتیہ شاعری اور اہم نعت گو شعراء

چودہ سو برس قبل عربی میں نعت گوئی کی جو شمع حضرت حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے روشن کی تھی، اسے فارسی میں خاقانی، نظامی، عرفی، سعدی جیسے شعراء نے جلا بخشی۔ شعرائے اُردو نے ابتداء سے ہی اسے گلے لگایا اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔

شاعری کی اصطلاح میں نعت ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں پیغمبرِ اسلام، خیر البشر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف بیان کی گئی ہو۔ لفظ نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تعریف و توصیف، مدح و ستائش کے ہیں۔ ویسے اُردو، عربی لغات و ماہرین ادب نے نعت کی تعریف کچھ یوں کی ہے:-

> ''کسی چیز کو بیان کرنا، اوصاف بیان کرنا، خصوصاً تعریف...... حضو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و توصیف بھی نعت کے مفاہیم میں شامل ہے۔'' ۱

ابن سیّدہ کے متعلق:

> ''ہر عمدہ اور جید چیز کو جس کے اظہار میں مبالغہ سے کام لیا جائے نعت کہتے ہیں۔'' ۲

ڈاکٹر حمیرہ جلیلی نعت کی تعریف یوں کرتی ہیں:

> ''نعت گوئی کے لغوی معنی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرکارِ دو جہاں، محبوبِ خدا کی تعریف و توصیف ہے۔ لیکن عموماً نعت گو شعراء آپ کی تعلیمات، معجزات اور سیرت کے ساتھ ساتھ حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو بھی نعت میں شامل کرتے ہیں۔'' ۳

بقول پروفیسر سیّد محمد گیلانی:

> ''نعت کا مفہوم اہلِ نعت کے نزدیک اُن اچھی صفات، عادات و خصائل کا بیان کرنا ہے جو خلقتہً و طبعاً کسی شخص میں پائی جائیں۔ یہی وجہ ہے

کہ نعت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی تعریف و توصیف کے لئے مختص ہو گیا ہے۔'' ۴

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منظوم مدح کو نعت کہا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

''اصولاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح کے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا لیکن اُردو فارسی میں جب نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے۔'' ۵

نعت کی بلیغ اور جامع تعریف ممتاز حسین یوں کرتے ہیں:

''میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے قریب لائے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح ہو، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب کیا جائے۔ صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکرِ نبوت کے صوری محاسن کی بجائے مقصودِ نبوت سے دل بستگی پائی جائے۔ جس میں جناب رسالتِ مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت سے ایک قلبی تعلق موجود ہو۔ وہ مدح یا خطاب بالواسطہ یا بلاواسطہ اور شعر و نظم ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مثنوی، رباعی ہو یا مثلث، مخمس ہو یا مسدس اس سے نعت کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دارومدار اس کے نفس مضمون پر ہے اگر اس کا مقصد ذاتِ رسالت کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کی جو اہمیت نوعِ انسانی اور جملہ موجودات کے لئے ہے اسے نمایاں کرنا ہو تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کا مستحق ہے۔'' ۶

اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نعت ایک ایسی نظم ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے تمام اوصاف و کمالات آپ کی سیرت اور اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی عقیدت کا جذباتی اظہار ہوتا ہے۔ نعت کا تعلق خصوصاً عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کمالِ ایمان کی اہم شرط ہے اور عشقِ رسول

کا ثبوت اطاعتِ رسول سے ہے۔ اطاعت کے نام پر صرف عشق کے زبانی دعوے کر دینا اور نعت میں ان کے اظہار سے نعت گوئی کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا بلکہ حقیقی نعت گوئی وہ ہوگی جب صاحبِ نعت حبِّ رسول میں ڈوب کر اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عملی نمونہ پیش کرے اور نعت کے ذریعے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف بیان کرے۔

نعت گوئی نہایت نازک اور مشکل فن ہے۔ جو پڑھنے اور موضوعات کے اعتبار سے بہت آسان نظر آتی ہے لیکن فنی باریکیوں اور نزاکتوں کے مطالعہ کے بعد اس فن سے عہدہ برآ ہونا آسان کام نہیں۔ اس کے شاعر کو زبان و بیان پر پوری قدرت اور فنی مہارت کے ساتھ ساتھ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات پر بھی گہری نظر کی ضرورت ہے۔ تبھی وہ نعت گوئی کا تھوڑا بہت حق ادا کر سکتا ہے۔ شاعر کو اپنے جذبات کا اظہار کرتے وقت بیحد محتاط رہنا ہوتا ہے۔ ذراسی غلطی دوزخ کی راہ دکھا سکتی ہے۔ ورنہ عرفیؔ کا وہ شعر یاد آتا ہے جس میں وہ کہتا ہے۔ ''نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔''

عرفیؔ شتاب ایں رہ نعت نہ صحرا است   آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم راہ

آدابِ نعت کے لئے قرآن شریف کی یہ آیت ہی کافی ہے۔ جس میں خود خدا اپنے محبوب کی شان میں کہتا ہے۔؎

لاترفعوالصواتکم قوق صوت النبی

آفتاب احمد خاں حسن پوری فرماتے ہیں:

''اہلِ نظر جانتے ہیں کہ نعت گوئی کا فن شیشہ گری سے کم نہیں یہ ایک مشکل ترین فن ہے۔ اس میں ذاتِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے وقت آپ کے محاسن ذات و صفات کے بیان میں غلو سے کام لینا یا مبالغہ آرائی کرنے کی وجہ سے شرک کی حدود میں داخل ہونے کا قوی احتمال ہے۔'' [7]

اس تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؔ خاں فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

''نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے۔ جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔'' [8]

اس میں کوئی شک نہیں کہ نعتیہ شاعری کا آغاز عربی زبان سے ہوتا ہے جس کے شعراء میں حضرت حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ شمار کئے جاتے ہیں۔ حضرت حسان کو تو شاعرِ اسلام وشاعر رسول کے لقب سے نوازہ گیا۔ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ حسان بن ثابت سے بھی پہلے نعت گوئی کی ابتداء ہو گئی تھی۔ نعت پاک کے ابتدائی نمونے ہمیں ہجرت کے وقت دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جب بنونجار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے دف بجا کر مدینہ میں ان اشعار سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استقبال کیا تھا۔ ؎

نحن جوارمن بنی النجار باجندا محمد من جار

مشہور ماہرِ تعلیم پروفیسر اختر الواسع نعت گوئی کے آغاز سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہے:

> ''نعت ایک اہم صنف ہے۔ نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز تو حضرت ابوطالب نے کیا بعد میں اصحابِ رسول نے بھی نعت گوئی کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کی توثیق خود پیغمبرِ اسلام نے فرمائی۔'' 9

اسی طرح اُردو عربی کے ممتاز ادیب و ناقد اور دار العلوم ندوہ کے سابق معتمد تعلیم مولانا عبداللہ عباس ندوی بھی اپنی کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام'' میں لکھتے ہیں کہ ابوطالب وہ پہلے شخص ہیں جن کی زبان سے سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مدحیہ اشعار نکلے۔ مولانا اپنے ایک مضمون ''عربی میں نعت کا ابتدائی سرمایہ، ابوطالب کی نعتیں'' میں ابن ہشام کی کتاب سیرۃ النبی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''سیرت النبی میں ابن ہشام نے اس قصیدے کے سات شعر نقل کئے ہیں جن کو ہم سب سے پہلے نعت قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ اس قصیدے سے پہلے کوئی کلام ایسا نہیں ملتا جس میں براہِ راست نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت یا مدح ہو۔
>
> اس قصیدے کے ابتدائی تین اشعار یہ ہے۔

اذا اجتمعت یوماًقریش لِمُفتخرِ فعَبُد منافِ سِرّها وصمیمها
وإن حصلت اشراف عبدمنافها ومی هاشم اشرافهاوقدیمها
وإن فخرت یوماً فان محمداً هوالمصطفیٰ من سرّهاوکریمها۔ 10

حالانکہ اس سے قبل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے وہ اشعار بھی ملتے ہیں جب حضور کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنتے ہی انھوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں اٹھا کر خانۂ کعبہ میں کہے۔ اسی طرح آپ کی والدہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وہ اشعار بھی ملتے ہیں جو اس وقت کہے گئے جب حلیمہ سعدیہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر چلی تھیں۔ ؎

اُعیند باللہ ذالجلال   من شرماری علی الجبال
حتی اراہ حاصل الحلال   و یعفل العرف الیٰ الموالی

باوجو اس کے باضابطہ نعت گوئی کا آغاز حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ س سے ہی مانا جاتا ہے۔ جن کے علاوہ دیگر صحابہ اور شعرائے عرب نے فنِ نعت گوئی کے ذریعہ اپنی ایک الگ پہچان بنائی۔

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ غزل کی طرح نعت بھی فارسی سے ہی اُردو میں آئی۔ دکن کے سلطان قلی قطب شاہ کو اُردو کا پہلا نعت گو شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ان کے کلام کا خاصہ حصّہ نعتِ رسول پر مشتمل ہے۔ جن کے کلیات میں عیدِ میلادالنبی پر چھ، بعثتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پانچ، شبِ معراج پر ایک نظم اور پانچ نعتیہ غزلیں اور نعتیہ رباعیاں ملتیں ہیں۔ حالانکہ قلی قطب شاہ سے قبل خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت امیر خسروؔ نے بھی نعتیں کہیں ہیں۔ کبیر داس نے ایک دوہے میں لکھا ہے۔ ؎

عدد نکالوں ہر چیز سے چوتن کرلو دائے   دو مدد کہ پنچگن کرلو بیس کا بھاگ لگائے
باقی بچے کے نوتن کرلو دواس میں دواور ملائے   کہت کبیر سنو بھئی سادھو نام محمد آئے

اسی طرح گرو گرنتھ میں بھی آتا ہے۔ ؎

میم محمد من توں من کتابہ چار   من خدائے رسول نوں سچا ای دربار

قلی قطب شاہ اور محمد شاہ کے بعد ولیؔ دکنی کے دور سے لے کر دورِ جدید کے شعراء تک نعت گوئی کا سلسلہ برابر قائم ہے۔ اُردو کا ہر شاعر نعت کہنا اپنے لئے باعثِ سعادت تصور کرتا ہے۔ غرض کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثناخوانی کرنے والے ہر دور میں آتے رہے اور انہی میں کچھ نام ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس فن اور ہنر کے طفیل ابدی شہرت حاصل کرلی۔ ایسے ہی شعراء میں محسنؔ کاکوروی، امام احمد رضاؔ خاں فاضلِ بریلوی (آپ کا سلام، مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام بے حد مشہور ہے)، امیر مینائیؔ، الطاف حسین حالیؔ، شبلیؔ نعمانی، نظمؔ طباطبائی، ظفرؔ علی خان، علامہ اقبالؔ، منیرؔ شکوہ آبادی، حفیظؔ جالندھری، اصغرؔ گونڈوی، حمیدؔ صدیقی، ماہرؔ القادری، جلیلؔ مانک پوری وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

انہی شعراء کے ساتھ ہی علاقۂ خاندیش کے شعراء نے بھی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نذرانۂ نعت پیش کر کے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ شعرائے خاندیش کے نعتیہ کلام میں زبانِ اُردو کی چاشنی وشیرینی، شگفتگی، سادگی، سلاست، خوبصورت الفاظ کی ترکیب وغیرہ نمایاں ہے لیکن سب سے بڑا حسن یہ ہے ان کے یہاں حدودِ عشق میں رہ کر ادب واحترامِ محمدی بکثرت پایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا احساس بدرجۂ اتم موجود ہے۔

اس سے قبل کہ میں علاقۂ خاندیش کے نعت گو شعراء اور ان کی نعتیہ شاعری پر قلم اٹھاؤ، اس علاقے کی تاریخ اور ادبی تاریخ سے قارئین کو متعارف کرانا اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہوں تا کہ قاری کو علاقۂ خاندیش کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

سرزمین مہاراشٹر کو قدرت نے ایسا سنوارا اور نکھارا ہے کہ اس کا ہر علاقہ رشکِ فردوس ہے۔ ایک طرف ممبئی جیسا بین الاقوامی شہرت یافتہ صنعتی شہر ہے تو دوسری طرف ساحل کوکن سے ٹکراتی ہوئیں بحیرۂ عرب کی موجیں، وہیں تیسری طرف مراٹھواڑہ اور ودربھ کا قدیم اور تاریخی علاقہ ہے۔ ان علاقوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے والا ایک ایسا خطّہ جس کی ذرخیز زمین روئی کی شکل میں چاندی اگاتی ہے۔ یہاں کے کیلے کا میٹھا پھل ہندوستان کے کونے کونے تک مشہور ہے۔ جو غریبوں کا میوہ کہلاتا ہے۔ یہاں کے قدآور گنّے لب کو شیرینی بخشتے ہیں۔ اس خطّے کے قریب ہندوستانی آرٹ اور کلچر کا لافانی شاہکار ''اجنتا'' ہے جو دنیا بھر میں سیر وتفریح کے لئے مشہور ہے۔ اس لافانی شاہکار کو دیکھنے کے لئے سیاحوں کو جس علاقے سے گزرنا پڑتا ہے وہ زمانۂ قدیم سے ''خاندیش'' کے نام سے مشہور ہے۔

علاقۂ خاندیش پر کُل تیرہ ۱۳ فاروقی حکمرانوں کی لگ بھگ ۲۲۵ ربرس حکومت رہی۔ یہاں کا پہلا خودمختار حکمراں ملک راجہ فاروقی تھا۔ جس کے والد کا نام خاں جہاں فاروقی تھا۔ اس خاندان کا سلسلۂ نسب دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا تھا۔ علاؤالدین خلجی اور سلطان محمد تغلق کے دورِ حکومت میں خان جہاں فاروقی ایک باعزّت درباری سردار تھا۔ اِ خان جہاں کے انتقال کے بعد ملک راجا مفلسی اور معاشی پریشانیوں کا شکار ہوا۔ ملک راجا ایک تجربہ کار اور کہنہ مشق شکاری تھا۔ اسے شکار سے بے پناہ دلچسپی تھی۔ ایک مرتبہ شکار ہی کی وجہ سے سلطان فیروز شاہ تغلق نے اسے اپنے خصوصی ملازمین میں شامل کیا۔ اس کی خدمات کو دیکھتے ہوئے اسے دو ہزاری منصب داروں میں شامل کیا۔ ساتھ ہی تھالنیر اور کروند کی جاگیریں بھی عطا کی جو علاقۂ خاندیش میں تھی اور دکن کی سرحد میں واقع تھی۔[۱۲]

ملک کے دو بیٹے تھے ایک ملک نصیر فاروقی اور دوسرا ملک افتخار فاروقی۔ ملک نصیر فاروقی جانشین مقرر ہوا اور افتخار فاروقی کو تھالنیر کا علاقہ ملا۔ ملک راجا نے ۲۹ رسال حکومت کرنے کے بعد ۱۳۹۹ء میں انتقال فرمایا۔ ملک راجا کے بعد ملک نصیر فاروقی تخت نشین ہوا۔ اس نے دھیرے دھیرے اپنی سرحدوں کو بڑھانا شروع کیا، کئی جنگیں جیتی۔ جس میں قلعۂ اسیر کی فتح قابلِ ذکر ہے۔ شیخ الاسلام حضرت شیخ زین الدین دولت آبادی جن کا وہ مرید تھا۔ اس فتح کی مبارکباد دینے دولت آباد سے خاندیش تشریف لائے۔ جہاں دریائے تاپتی کے کنارے دونوں کی ملاقات ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد شیخ صاحب نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ تب اس نے آپ سے التماس کی کہ حضرت خانقاہ کے مصارف کے لئے کوئی قصبہ یا پرگنہ قبول فرمائیں۔ جس پر شیخ صاحب نے فرمایا ''فقیروں اور درویشوں کو قصبوں اور پرگنوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ دنیاوی چیزیں اہلِ دنیا کو ہی زیب دیتی ہیں۔ ہم فقیر بھلا ان تکلّفات میں پھنس کر کیا کریں گے۔'' ۱۳ ملک نصیر نے دوبارہ آپ سے یہی درخواست کی اس پر شیخ صاحب نے فرمایا۔ ''میں اس مملکت میں فقط نام کی بقا چاہتا ہوں۔ اس دریا کے کنارے جہاں تمہارا قیام ہے، تم ایک شہر آباد کرو اور اس کا نام ''شیخ برہان الدین'' کے نام پر رکھو، یہاں ایک عظیم الشان مسجد بھی تعمیر کرو، اس شہر کو اپنا پایۂ تخت قرار دو، دریا کے دوسرے کنارے جہاں میں مقیم ہوں یہاں بھی ایک قصبہ آباد کرو اور اس کا نام میرے نام پر رکھو۔'' ۱۴

یہ کلمات سن کر نصیر خاں بہت خوش ہوا اور اس طرح برہانپور اور زین آباد کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ برہانپور سے قبل یہاں ایک قصبہ آباد تھا جسے بسانہ یا وسانہ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ ''برہانپور ۸۰۹ھ بمطابق ۱۴۰۶ء میں آباد ہوا۔ ۱۵

گجراتی فرمارواں سلطان احمد شاہ گجراتی نے ملک نصیر فاروقی کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے اسے ''خان'' کے خطاب سے نوازہ تھا اسی وقت سے فاروقی فرمارواں خان کہلانے لگے اور ان کے علاقہ کو ''خاندیش'' یعنی خانوں کا دیش کہا جانے لگا۔ ۱۶ اس طرح ابتداء میں خاندیش اور بعدازاں برہانپور خاندیش کا دارالخلافہ بنا۔

ملک نصیر خاں فاروقی نے ۴۰ رسال چھ مہینے اور چھبیس دن حکومت کرنے کے بعد ۳ ربیع الاوّل بمطابق ۱۹ ستمبر ۱۴۳۷ء کو انتقال فرمایا۔ اس کے بعد کے فاروقی حکمرانوں کی فہرست اسطرح ہے:

☆ عادل خان بن نصیر خان فاروقی معیادِ حکومت ۳ رسال ۷ رمہینے (انتقال ۱۴۴۱ء)

☆ مبارک خان بن عادل خان فاروقی معیادِ حکومت ۱۷ رسال ۶ رمہینے (انتقال ۱۴۵۷ء)

☆ میراں عینا عرف عادل خان بن مبارک خان فاروقی معیادِ حکومت ۴۶/سال ۸/مہینے (انتقال ۱۵۰۳ء)
☆ داؤد خان بن مبارک خان فاروقی معیادِ حکومت ۸/سال (انتقال ۱۵۱۰ء)
☆ غزنین خان بن داؤد خان فاروقی معیادِ حکومت (صرف ۱۰/دن)
☆ عادل خان ثانی بن اعظم ہمایوں بن نصیر خان فاروقی معیادِ حکومت ۹/سال (انتقال ۱۵۲۰ء)
☆ محمد شاہ بن عادل خان فاروقی معیادِ حکومت ۱۵/سال (انتقال ۱۵۳۵ء)
☆ مبارک شاہ بن عادل خان فاروقی معیادِ حکومت ۳۱/سال (انتقال ۱۵۶۶ء)
☆ محمد شاہ دوئم بن مبارک شاہ فاروقی معیادِ حکومت ۹/سال (انتقال ۱۵۷۶ء)
☆ محمد شاہ کے بعد اس کا کم عمر بچّہ حسن خان فاروقی جانشین مقرر ہوا، مگر محمد شاہ کے بھائی راجہ علی خان فاروقی نے اسے معزول کر کے حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔
☆ راجہ علی خاں بن مبارک خان فاروقی معیادِ حکومت ۲۰/سال (انتقال ۱۵۹۶ء)
☆ بہادر خان بن راجہ علی خان فاروقی معیادِ حکومت ۴/سال (انتقال ۱۶۰۰ء تک)
۱۶۰۰ء میں اس علاقہ پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

زمانۂ قدیم میں خاندیش کا علاقہ وسیع تھا۔ یہ علاقہ شمال میں کوہِ ست پڑا اور دریائے نربدا کے جنوبی کنارے تک، مشرق میں وردھا اور گونڈ وانہ تک، جنوب میں دولت آباد اور پیٹھن تک اور مغرب میں ناسک تک پھیلا ہوا تھا۔ ۱۷

خاندیش گزیٹر میں درج ہے کہ:

> ''خاندیش کی سرحدیں مشرق میں اسیر گڑھ، مغرب میں ناسک، جنوب میں پیٹھن اور شمال میں مالوہ تک پھیلی ہوئی تھیں اور اس کے وسط میں للنگ تھا۔'' ۱۸

قاضی عبدالرحیم ''تاریخ خاندیش'' میں خاندیش کا رقبہ یوں تحریر کرتے ہیں:

> ''فاروقی دورِ حکومت ۱۳۸۰ء میں خاندیش کا رقبہ ایک اندازے کے مطابق دس ہزار چار سو اکتیس (۱۰۴۳۱) مربع میل تھا۔'' ۱۹

۱۶۰۰ء میں مغلوں نے اس علاقہ کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ جس کا پہلا صوبیدار شہزادہ دانیال بنا۔ اس کے بعد شہزادہ پرویز، پھر شہزادہ خرّم (شاہجہاں) صوبیدار ہوئے۔ ان سبھی کے ساتھ

اکبر کے نورتنوں میں شامل مشہور معروف شاعر عبدالرحیم خانخاناں بحثیت سرپرست وصوبیدار ہے۔ جنہوں نے اس علاقے کی ترقی میں اہم اور کلیدی کردار ادا کیا۔

۷/جون ۱۶۳۱ء بروز بدھ بمطابق ذی القعدہ ۱۰۴۰ھ کو شہنشاہ شاہجہاں کی محبوب بیگم ارجمند بانو (ممتاز محل) نے برہانپور میں ہی آخری سانس لی۔ بادشاہ نے تاپتی ندی کے کنارے زین آباد میں واقع ''باغِ عالم آرا'' میں ممتاز کی عارضی قبر تیار کرائی اور ممتاز کو سپردِ خاک کیا۔ دسمبر ۱۶۳۱ء میں شہزادہ شاہ شجاع شاہی حکیم وزیر خاں اور وہ خاتون جو ممتاز کی قبر پر مقیم تھی، ممتاز کے جسدِ خاکی کو برہانپور سے آگرہ لے گئے۔ ۲۰ کاش کہ تاج محل خاندیش کے برہانپور میں تعمیر ہو جاتا۔ مگر بدنصیبی ہے اس علاقے کی کہ تاج محل آگرہ میں تعمیر کیا گیا۔

مغلوں نے خاندیش پر لگ بھگ ۱۲۰/سال حکومت کیں۔ اس کے بعد ۱۷۲۰ء سے ۱۷۶۰ء تک نظام آصف جہاں اور ۱۷۶۰ء سے ۱۸۱۸ء تک مراٹھوں کا قبضہ رہا۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۹۴۷ء تک یہ علاقہ انگریزوں کے اختیار میں رہا۔

۱۸۶۰ء میں انگریزوں نے برہانپور کو خاندیش سے الگ کر کے سی۔ پی۔ برار میں شامل کر دیا۔ ۱۹۰۶ء میں خاندیش دو اضلاع میں تقسیم ہو گیا۔ ایک کا نام مشرقی خاندیش (ضلع جلگاؤں) اور دوسرے کا نام مغربی خاندیش (ضلع دھولیہ) ہو گیا۔ ۱۹۵۶ء میں مدھیہ پردیش کی تشکیل عمل میں آئی اور برہانپور کو مدھیہ پردیش میں شامل کر دیا گیا اور خاندیش مہاراشٹر کا حصّہ ہو گیا۔ آزادی کے بعد جولائی ۱۹۹۸ء میں دھولیہ ضلع کے دو حصّے ہو گئے۔ نندوربار کو دھولیہ سے الگ کر کے ضلع کا درجہ دیا گیا۔ اس طرح موجودہ خاندیش تین اضلاح پر مشتمل ہو گیا۔ (۱) جلگاؤں (۲) دھولیہ (۳) نندوربار۔ تینوں اضلاح کی کل ۲۵/تحصیلیں ہیں جو اسطرح ہے:

جلگاؤں ضلع : (کل ۱۵/تحصیلیں) جلگاؤں، بھوساول، جامنیر، بیاول، چوپڑا، چالیس گاؤں، پاچورہ، ایرنڈول، پارولہ، عادل آباد (مکتئ نگر)، امل نیر، راویر، دھرن گاؤں، بودوڑ اور بھڑ گاؤں۔

دھولیہ ضلع: (۴ تحصیلیں) دھولیہ، شیر پور، ساکری اور شندکھیڑا

نندوربار: (۶ تحصیلیں) نندوربار، اکل کواں، شہادہ، تلودہ، نواپور، اکرانی (دھڑگاؤں)

اس طرح دیکھا جائے تو فی الحال تین اضلاع کی ۲۵/تحصیلوں (جلگاؤں، دھولیہ، نندوربار) پر مشتمل علاقہ خاندیش کہلاتا ہے۔ باوجود اس کے ادبی اور تاریخی اعتبار سے ہم برہانپور کے بغیر خاندیش کا تصوّر نہیں کر سکتے۔

جہاں تک اُردو شاعری کا تعلق ہے، خاندیش میں اُردو شاعری کی روایت کافی قدیم ہے۔ ہندوستان کے دیگر علاقوں میں اُردو شاعری اپنے پیروں پر ٹھیک سے کھڑے بھی نہ ہو پائی تھی اس سے بہت پہلے اس علاقے میں (خصوصاً خاندیش کے دارالخلافہ برہانپور میں) معیاری شاعری ہو رہی تھی۔ مولوی معین الدین ندوی اپنی تصنیف ''دارالسرور برہانپور'' میں یہاں کی اُردو شاعری کی قدامت پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> ''ولؔی دکنی جو اُردو کا قدیم شاعر ہے اور جسے کسی زمانے میں اُردو شاعری کا باوا آدم کہا جاتا تھا۔ اس سے دو سو سال قبل برہانپور کی فضا حضرت شاہ بہاؤالدین باجنؒ کی اُردو شاعری کے نغموں سے گونج رہی تھی اور حضرت شاہ بہاؤالدین باجن رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پہلے اس قدیم دور میں جسے پروفیسر حامد حسین قادری نے ''ہنگامۂ ازل'' کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت شیخ سعدؔی دکنی نے برہانپور آباد ہونے سے پہلے اس کے قرب و جوار میں فارسی اور ہندی کے فقروں کو جوڑ کر گنگا جمنی اُردو میں شاعری کی ابتداء کر دی تھی۔''۲۱

وہیں معروف محقق اختر پرویز فرماتے ہیں:

> ''ریختہ کے موجد اور دکن کے اوّلین شاعر حضرت شیخ سعدؔی دکنی برہانپوری، برہانپور کے قرب و جوار میں ساتویں صدی ہجری کے آس پاس فارسی ہندی کے فقروں کو جوڑ کر گنگا جمنی اُردو میں شاعری کر رہے تھے۔''۲۲

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالؔی بھی اپنی تصنیف ''حیات سعدی'' میں اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

> ''دکن میں بھی ایک شاعر سعدؔی تخلص اس زمانے میں ہوا جبکہ ریختہ کی بنیاد پڑنی شروع ہوئی تھی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ اس کی وفات کو تقریباً چار سو برس گذرے ہیں۔ کہتے ہیں سب سے پہلے اس نے شعر کہا۔''۲۳

اُردو کے قدیم تذکروں میں بھی شیخ سعدؔی برہانپوری کا ذکر ملتا ہے اور انھیں امیر خسرؔو کا ہمعصر بتایا گیا ہے۔ ڈاکٹر مہتاب عالم نے اپنی تصنیف ''وسط ہند میں اُردو ادب'' میں لکھا ہے کہ:

> ''امیر خسرؔو نے اپنی تصنیف خزائن الفتوح میں شیخ سعدؔی برہانپوری سے محبوبِ الٰہی کے دربار میں ملاقات کا ذکر کیا ہے۔''۲۴

اسی طرح قائم چاند پوری نے مخزن نکات میں، سیّد عبدالحیٔ حسینی نے روائج الانفاس میں شیخ سعدی برہانپور اور امیر خسرو کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔نمونہ کلام۔ ؎

سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ — در ریختہ، دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

ہمنا تمن کو دل دیا تم دل لیا ہور دکھ دیا — ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی کیا ریت ہے ۲۵

شیخ سعدی برہانپوری کے بعد حضرت شاہ بہاؤالدین باجن، شیخ علی متقی، سعداللہ گلشن (ولی کے استاد)، شاہ عیسیٰ جنداللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہم صوفی شعراء کے ساتھ عبدالرحیم خانخاناں، دوست ابوالعلی، اُمید، کامل، اعظم، محرم، ابدال، ضیاء، عاصی، امامی، ہاشم وغیرہ شعراء نے اُردو شاعری کو اس علاقے میں بامِ عروج پر پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

جہاں تک نعت گوئی کا سوال ہے، خاندیش کا اوّلین نعت گو کون ہے یہ تحقیق طلب ہے مگر جب ہم حضرت شاہ بہاؤالدین باجن کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں آپ کے کلام میں نعت گوئی کے ابتدائی نقوش نمایاں نظر آتے ہیں۔ان کے بعد کے شعراء میں جا بجا نعتیہ کلام دیکھنے کو ملتا۔خاندیش کے اکثر شعراء نے شاعری کا آغاز غزل سے کیا۔مگر ہر کسی نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نذرانۂ عقیدت ضرور پیش کیا۔

آیئے! دیکھتے ہیں خاندیش میں نعت گوئی نے اپنا ارتقائی سفر کیسے طے کیا۔ہم اس سفر کو تین ادوار میں منقسم کررہے ہیں۔

ابتدائی دور: ابتداء سے ۱۸۶۰ء تک (فاروقی، مغل، نظام، مراٹھا اور برطانوی دور)

درمیانی دور: ۱۸۶۰ء سے ۱۹۴۷ء تک (برہانپور کو خاندیش سے علاحدہ ہونے کے بعد سے آزادی تک)

آخری دور: ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۰ء تک

ابتدائی دور: ابتداء سے ۱۸۶۰ء تک (فاروقی، مغل، نظام، مراٹھا اور برطانوی دور)

خاندیش میں ابتدائی دور کے جن شعراء کا کلام ملتا ہے ان میں شیخ سعدی اور حضرت شاہ باجن کے بعد بہت سے صوفی شعراء ہوئے جن میں شیخ علی متقی، شاہ عیسیٰ جنداللہ، دوست محمد ابوالعلی، سعداللہ گلشن، عبدالرحیم خانخاناں، خواجہ ہاشم کشمی، محمد رضا امید، سیّد محمد کامل، اعظم، امامی، ہاشم، ابدال، عاصی، ضیاء خاندیشی، عاشق، قائم، ایجاد، موزوں، محرم، متین، شوریدہ، میر نجم، میر منصور، شاہ میر، مراد، دولت، ہمدم، فقیر، حافظ، واثق، واصف وغیرہ شمار کئے جاتے ہیں۔یہ وہ شعراء ہیں جنھوں نے اُردو

اور فارسی میں شعر کہے۔ ان میں سے اکثر کا کلام دستیاب ہے جو بہت مختصراً ہیں۔ باوجود اس کے بیشتر شعراء کا نعتیہ کلام نہیں ملتا۔ مگر یقین کے ساتھ اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ ان حضرات نے بھی بارگاہِ رسالت مآب میں نذرانۂ عقیدت کے گل تو ضرور پیش کئے ہوں گے، باوجود اس کے جن شعراء کا نعتیہ کلام دستیاب ہوا ہے وہ پیشِ خدمت ہے۔

حضرت شاہ بہاؤالدین باجن رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ کا نام شیخ بہاؤالدین تھا۔ ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء میں احمد آباد گجرات میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ صوفی، درویش، کامل اور شاعر بھی تھے۔ باجنؔ تخلص کیا۔ حضرت باجن رحمہ اللہ علیہ کا شمار قدیم ریختہ گو شعراء اور گجری زبان کے اوّلین شعراء میں ہوتا ہے۔ خاندیش کے اوّلین شاعر حضرت شیخ سعدیؔ دکنی برہانپوری کے بعد آپ نے ہندی اور فارسی فقروں کو جوڑ کر گنگا جمنی شاعری کی بنیاد استوار کی۔ آپ نے فارسی میں ایک کتاب تقریباً ۶۰۰؍ صفحات پر تحریر کی۔ جسے اپنے پیر رحمت اللہ کے نام پر ''خزائنِ رحمت'' منسوب کیا۔ جس میں آپ کا اُردو اور گجری کلام بھی موجود ہے۔ ویسے حضرت باجن کے یہاں خصوصی طور سے نعتیہ کلام دکھائی نہیں دیتا مگر نعت گوئی کے ابتدائی نقوش ضرور دکھائی دیتے ہے۔ جیسے۔ ؎

باجن تیرا باؤلا تجھ کارن تھپے دھمکے   نبی محمد مصطفیٰ ایس نورگ میں جھمکے ۲۶

☆

محمد ﷺ سرور پر پریم کا رحمت اللہ بھریا   باجنؔ جیوڑا وار کے سر آکیں دھریا

آپ ۹۱۲ھ/۱۵۰۷ء کو ملکِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار محلّہ شاہ بازار برہانپور میں زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

میر شجاع الدین فقیرؔ: میر شجاع الدین فقیرؔ کی ولادت برہانپور میں ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء میں واقع ہوئی۔ آپ کے جدِ امجد میر محمد دائم مغل دور میں مانڈو کے شہر قاضی تھے۔ اس کے بعد نواب آصف جاہ اوّل کے دور میں برہانپور کے شہر قاضی مقرر ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد میر شجاع الدین کی پرورش نانا غلام محی الدین نے کی۔ آپ نے مقامی علماء سے ہی عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ حافظِ قرآن تھے۔ ۲۰؍ سال کی عمر میں زیارتِ حرمین شریف سے بھی مشرف ہوئے۔ تمام عمر عبادتِ الٰہی اور علومِ دین کی تعلیم میں صرف کردی۔ آپ نے دینیات و علم فقہ پر کئی کتب تصنیف کیں۔ جن میں کشف الخلاصہ (اُردو)، جوہر النظام (عربی)، مناجاتِ منظوم (عربی)، نعتیہ قصائد (عربی)، مجموعۂ خطب (فارسی) وغیرہ خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ نے فقیرؔ تخلص اختیار کرتے ہوئے اُردو اور فارسی میں

اشعار کہے۔آپ کا نعتیہ کلام نہایت معیاری اور دلنشین ہے۔نمونۂ کلام۔ ؎

شکرِ حق ہم پر نبی ﷺ بھیجا خدا　　نام پاک ان کا محمد مصطفٰی ﷺ
سب بنی آدم کے وہ سردار ہیں　　بلکہ سب عالم کے وہ سالار ہیں
جن و انساں کے وہی ﷺ ہیں رہنما　　سرمہ ہے آنکھوں کا ان کی خاکِ پا ۲۷

۴/محرم بروز جمعہ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء کو آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔آپ کا مقبرہ حیدرآباد میں واقع ہے۔۲۸

قادرخاں واثق برہانپوری: قادرخاں تخلص واثق ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں برہانپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حیدرآباد میں عرصۂ دراز تک عہدۂ رسالداری پر مقرر تھے۔ان کے بعد کچھ عرصہ واثق بھی اسی خدمت پر مامور رہے۔شعروسخن سے لگاؤ رہا۔فنِ شاعری میں درگاہی خاں حاذق برہانپوری سے شرفِ تلمذ حاصل رہا۔آپ اکثر نعت اور منقبت میں ہی فکرِ سخن کیا کرتے تھے۔نمونۂ کلام۔ ؎

پیدا ہوا جب سرورِ مکّی مدنی ہے　　تب سے شروعِ محفلِ شاہِ زمنی ہے
اللہ کو مولود کی جس کے ہوئی فرحت　　کیا رتبہ ہے کیا مرحمتِ ذوالمننی ہے
دوں اشک بہا کوئی کہے گیسو کو تیرے　　لو چادرِ خورشید سے یہ مشک چھنی ہے ۲۹

فقیرالدین واصف برہانپوری: آپ کا اصل نام محمد فقیرالدین یا فخرالدین اور فقیری نام گلاب شاہ تھا۔آپ کا تعلق نقشبندیہ خاندان سے تھا۔واصف نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ خانگی طور سے اُردو لکھنے پڑھنے کا علم بخوبی حاصل کیا۔۱۷/۱۸ سال کی عمر میں شعرگوئی کی طرف راغب ہوئے۔

فنِ شاعری قادرخاں واثق کی خدمت میں زانوئے ادب طے کیا۔مولوی اختر محمد خان سے فارسی تعلیم حاصل کی۔آپ نے کثرت سے نعتیہ کلام کہا ہے آپ کا نعتیہ کلام عشقِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے۔نمونۂ کلام۔ ؎

حبیب ﷺ خالقِ اکبر شہِ گردوں جناب آیا　　مبارک ہو رسولانِ سلف میں انتخاب آیا
خدا کے بعد ایسا کون یکتا لاجواب آیا　　کہ جس کی شان وشوکت سے فرشتوں کو حجاب آیا
سپہرِ برج وحدت کا چمکتا آفتاب آیا　　مٹی ظلمت جہاں روشن ہوا وہ ماہتاب آیا

☆

جو نورِ حق ہوا ذاتِ رسولِ پاک سے پیدا　　ہوئی کیا کیا تجلی صورتِ بیباک سے پیدا
تڑپ کر برق ہر نقشِ قدم پر لوٹ جاتی تھی　　تھی ایسی تیز قدمی توسنِ چالاک سے پیدا

رسول اللہ کی یہ شانِ انگشتِ شہادت تھی ہوا شق القمر کا معجزہ افلاک سے پیدا

☆

میں صدقہ ہوں فدا ہوں شاہِ دیں پر مروں یا رب مدینے کی زمیں پر
شبِ معراج دولھا بن کے بیٹھے محمد ﷺ مسندِ عرشِ بریں پر ۳۰

۷۵ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں آپ نے رحلت فرمائی۔

درمیانی دور: ۱۸۶۰ء سے ۱۹۴۷ء تک (برہانپور کو خاندیش سے علاحدہ ہونے کے بعد سے آزادی تک)

چونکہ ۱۸۱۸ء کے بعد مراٹھوں کا خاندیش پر سے اقتدار ختم ہوگیا اور اس علاقے پر انگریز قابض ہوگئے۔ انتظامی سہولت کے مدِّنظر انگریزوں نے ۱۸۶۰ء میں برہانپور کو خاندیش سے الگ کر کے سی۔ پی برابر میں شامل کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ درمیانی دور کا آغاز ۱۸۶۰ء سے کیا گیا ہے۔ اس دور کے نعت گو شعراء نے اپنے قدماء کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس صنف میں کچھ اضافے بھی کئے ساتھ ہی اپنے مجموعے کلام بھی منظرِ عام پر لائے۔ اس دور کے شعراء کے نعتیہ کلام میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ ان حضرات کی خودسپردگی، عاجزی اور خاکساری قابلِ دید ہے۔ الفاظ و بیان کی سلاست، بلاغت، جاذبیت، مقناطیسیت اور ایجاز قابلِ تحسین ہے۔ یہ وہ شعراء ہیں جنہوں نے اپنے نعتیہ کلام میں رسولِ خدا کے محاسن، خصائص، سراپا، معجزات، شخصیت، اخلاق و کردار شیریں کلامی، امتیوں سے پیار و محبت کا بھرپور ذکر کیا ہے۔ جہاں ان شعراء نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی تعریف کی وہیں پر آپ کے رخسار مبارک اور لبہائے مبارک کا ذکر و روضۂ انور اور مدینہ منوّرہ کی گلیوں کی سیر بھی کرائی ہے۔ ایسے ہی شعراء میں مولانا حسنؔ فیض پوری، کمترؔ ارنڈولی، افسرؔ مصطفیٰ آبادی، اطہرؔ جلگانوی، صباؔغ نذر آبادی، دلشادؔ دھولیوی، ایمانؔ بیاولی، حافظؔ دھولیوی، کلیمؔ کریمی دھولیوی، حنیفؔ دھولیوی، غریبؔ دھولیوی، ماہرؔ دھولیوی، حسنؔ نذر آباری، مضطرؔ مصطفیٰ آبادی، سلطان نقشبندی، عارفؔ رسولپوری، رہبرؔ جلگانوی، عزیزؔ سیندکھیڑوی، حمیدؔ نذر آباری، لطیفؔ اٹاولی، سہیلؔ انصاری وغیرہ بیشتر شعراء کا شمار ہوتا ہے۔ آیئے ان نعت گو شعراء کے کلام کا جائزہ لیا جائے۔

مولانا ابوالحسن فیض پوری: مولانا ابوالحسن کے والد مولوی محمد اسحاق چشتی القادری جامع مسجد فیض پور کے پیشِ امام تھے بعد میں مولانا ابوالحسن صاحب نے بھی اسی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت مخدوم سیّد شاہ خواجہ ابوالبرکات چشتی نظامی بہاری تھے جو بہار سے

برہانپور آ کر بس گئے تھے۔ مولانا ابوالحسن اُردو فارسی کے عالمِ دین اور شاعر تھے۔ آپ کا منقبت وغزلیات کا مجموعہ ''کلامِ حسن'' ۱۹۲۵ء/۱۳۴۳ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ کا بیشتر کلام مذہبی اور صوفیانہ رنگ میں دکھائی دیتا ہے۔ نمونۂ کلام۔ ؎

کفر کے نقش کو عالم سے مٹایا کیسا — آپ نے سکّۂ اسلام جمایا کیسا
شبِ معراج فرشتوں سے یہ پوچھا حق نے — میرے محبوب کا جلوہ نظر آیا کیسا
کہتے ہیں اطبا کہ تو بیمارِ نبی ہے — اور تیری دوا شربتِ دیدارِ نبی ﷺ ہے
ملعون ہے شیطان مجسّم ہے وہ مردود — انکارِ نبی ہے جسے انکارِ نبی ہے ۳۱

افسرؔ مصطفیٰ آبادی: حکیم بدرالدین کی پیدائش ۱۸۷۰ء میں سراج الدین کے یہاں مصطفیٰ آباد میں ہوئی۔ جو بعد میں افسرؔ کے نام سے مشہور ہوئے۔ افسرؔ نے شاعری میں استاد السلطان حضرت جلیلؔ مانک پوری سے فیض حاصل کیا۔ افسرؔ کا شمار خاندیش کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔ ۲۶/جون ۱۹۷۳ء کو آپ نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ نمونۂ کلام۔ ؎

رخِ پرنور نبی ﷺ کا نظر آیا دل میں — ہوگیا صورتِ مہتاب اجالا دل میں ۳۲
؎ خاکِ پائے مصطفیٰ ہے دائمی مسکن تیرا — تو عبث کرتا ہے افسرؔ جا نے مسکن تلاش ۳۳

اطہرؔ جلگانوی: اطہرؔ جلگانوی کا شمار خاندیش کے ان شعراء میں ہوتا ہے، جنہوں نے علاقۂ خاندیش میں اُردو شاعری کو ایک نئی سمت و رفتار عطاء کی۔ اطہرؔ خاندیش کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ محکمۂ پولس کے جمعدار اعتبار خان کے یہاں غلام مصطفیٰ خان کی ولادت ۱۸۷۴ء میں ہوئی۔ جسے دنیائے ادب نے اطہرؔ جلگانوی اور رستم خان کے نام سے پہچانا۔ آپ نے مشہور نعت گو شاعر مرزا محمد باقر حمیدؔ لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ اطہرؔ کو فنِ شاعری میں اس قدر عبور حاصل تھا کہ عالمِ جوانی میں ہی آپ دادا استاد کے لقب سے نوازے گئے۔ اطہرؔ کی نگرانی میں جلگاؤں سے سہ ماہی رسالہ ''کہکشاں'' شائع ہوتا تھا۔ علاقۂ خاندیش میں اطہرؔ کے سینکڑوں شاگرد ہوئے۔ اطہرؔ کی حیات میں ہی چھ شعری مجموعے شائع ہو چکے تھے۔

(۱) سلامِ اطہرؔ (۲) کلامِ اطہرؔ (۳) دیوانِ اطہرؔ (۴) غمِ محرم (۵) نعتِ اطہرؔ (۶) رباعیاتِ برجستہ

آپ کا نعتیہ اور غزلیہ کلام ہندوستان کے معیاری رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ ۳۰/جولائی ۱۹۴۹ء کو شعر و ادب کی یہ شمع صرصرِ اجل سے خاموش ہوگئی۔ کلامِ اطہرؔ معروف بہ ''ریاضِ نورس'' سے نعتیہ کلام پیش کیا جاتا ہے۔ ؎

جس جگہ محفلِ میلاد کا چرچا دیکھا — رحمتِ حق سے وہاں نور برستا دیکھا

قافلہ کوئی مدینہ کو جاتا دیکھا دلِ مشتاق کو پہلو میں تڑپتا دیکھا
بزمِ میلاد میں یہ سن کے قصیدہ اطہر غُل ہر ایک سمت بپا صلِّ علیٰ دیکھا ۳۴
خواہاں کبھی جناں کا نہ وہ عمر بھر ہوا کوئے رسولِ پاک میں جس کا گذر ہوا
سردھنِ رہا ہوں بس اسی اندوہ میں مدام اب تک درِ نبی پہ نہ اپنا گذر ہوا ۳۵

منشی دلشاد دھولیوی: محمد عثمان دلشاد کی ولادت ۱۸۷۵ء میں ایسے خاندان میں ہوئی جو حالاتِ عذر سے پریشان ہوکر یوپی سے ہجرت کر کے دھولیہ آبسا تھا۔ دلشادؔ کو شمشاد لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ آپ کا شمار میلاد گوشعراء میں ہوتا تھا۔ آپ نے ۱۹۵۴ء میں انتقال فرمایا۔ نمونۂ کلام ۔

یا نبی آپ ﷺ ہیں ہر غم سے بچانے والے مجھ کو زندانِ مصیبت سے چھڑانے والے
وہ مجھے شربت دیدار پلانے والے دیکھنا یہ ہے میرے خوابوں میں کب آتے ہیں
آگئے آگئے عیبوں کو چھپانے والے شور ہوگا سرِ محشر جو نبی آئیں گے
دیکھ سر سال چلے جاتے ہیں جانے والے لے چل اے چرخ مجھے ہند سے سوئے طیبہ ۳۶

حافظ دھولیوی: حافظ عبدالشکور کا آبائی وطن گونڈہ (یو۔ پی) تھا، آپ کے والد عبدالرحمٰن نے ۱۸۵۷ء کے بعد دھولیہ میں سکونت اختیار کی۔ جہاں عبدالشکور کی ولادت لگ بھگ ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ آپ کی دونوں آنکھیں ۱۰ر سال کی عمر میں ہی چیچک کی وجہ سے ضائع ہوگئی تھیں۔ آپ نے ۱۲ر سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا تھا۔ شاعری سے لگاؤ ہوا تو حضرت نوحؔ ناروی سے اصلاح لی۔ آپ نابینا حافظ صاحب کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔ علاقۂ خاندیش میں آپ کے سینکڑوں شاگرد موجود ہیں۔ آپ کا مجموعۂ کلام ''تبرکاتِ حافظ'' ۲۰۱۲ء میں آپ کے شاگردوں نے شائع کیا۔ ۱۹۳۶ء میں حافظ صاحب کا دستِ اجل نے رشتۂ حیات منقطع کردیا۔ نمونۂ کلام ۔

شبِ معراج رتبہ دیکھ کر میرے پیمبر کا فرشتوں میں بپا اک شور تھا اللہ اکبر کا
وہ شیریں نام ہے نام محمد جب میں لیتا ہوں زبان کو آ ہی جاتا ہے مزا قندِ مکرر کا

☆

نہیں ہے جس کے دل میں دوستو الفت محمد ﷺ کی قیامت میں نہ ہوگی اس پہ کچھ شفقت محمد ﷺ کی
الٰہی مجھ کو پہنچا دے مدینہ میں تو بہتر ہے ستاتی ہے مجھے اب نیند میں فرقت محمد ﷺ کی ۳۷

حمید نذر آبادی: عبدالحمید ولد غنی خاں کی ولادت ۱۳ر فروری ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ آپ درس وتدریس سے وابستہ تھے۔ زمانۂ طالبِ علمی سے ہی شعروسخن کا شوق رہا۔ آپ نے ابراہیم عارج اور شیخ سپڑو

بٹاودی کی شاگردی اختیار کی۔حمیؔد نذر آبادی نے ۱۹۷۹ء میں رحلت سفر باندھا۔نمونۂ کلام۔ ؎

بصارت میری آنکھوں کی یہی دِن رات کہتی ہے نظارہ ہو الٰہی روضۂ سلطان عالم کا
حمیؔد اس زندگی میں یادِ حق کرلو! کہا مانو دو روزہ زندگی ہے یہ بھروسہ نہیں دم کا ۳۸؎

ایمان بیاولی: محمد عباس خاں ایماؔن بیاولی کا نام دنیائے شاعری میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔فنِ شاعری میں حضرت موسیٰ کلیم سے استفادہ کیا۔آپ نے نوحؔ ناروی کے ساتھ مشاعرے پڑھے۔آپ کے مجموعہائے کلام بصورت دیوان، دولت ایمان اور چراغ ایماؔن کے نام سے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔آپ نے ۱۹۳۶ء میں آخری سفر طے کیا۔نمونۂ کلام۔ ؎

زمیں سے عرش تک بجنے لگا ڈنکا محمد کا بنا ہے گنبدِ افلاک نقارا محمد کا
جسے ہر اک دِل پر نہ کیوں سکّہ محمد کا سلاطین جہاں سے بڑھ کر ہے رتبہ محمد کا
وہ سودائی تھا، مجنوں تھا جو لیلیٰ کے وحشی میں وہ مجنوں ہوں میرے سر میں سودا محمد کا
وہی ایمان ساتھ ایمان کے دنیا سے جائے گا زبان پر جس کی وقت نزع ہو کلمہ محمد کا ۳۹؎

موسیٰ کلیم کریمی دھولیوی: ۲۰؍جنوری ۱۹۰۱ء کو کلیم کریمی نے دھولیہ کے ایک باعزّت گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔آپ کے والد سیّد روشن ضمیر نے آپ کا نام محمد موسیٰ رکھا۔دھولیہ کے ادبی ماحول کی وجہ سے شعروسخن سے دلچسپی پیدا ہوئی تو حضرت غریبؔ دھولیوی سے مشورۂ سخن لیتے رہے۔۱۹۵۰ء میں حنیفؔ دھولیوی کے دامن سے وابستہ ہوئے۔کلیمؔ تخلص اختیار کرتے ہوئے تصوف، نعت، سلام، منقبت اور تغزل سے بھرپور غزلیں کہیں۔آپ کا مجموعۂ کلام ''جلوۂ زار'' آپ کے فرزند علیم ابن کلیم نے شائع کیا۔۸؍جولائی ۱۹۸۰ء کو کلیم کریمی نے ملکِ عدم کا سفر اختیار کیا۔نمونۂ کلام ؎

خالقِ بے نیاز نے تم کو یہ مرتبہ دیا افضل الانبیاء کیا ختم رسُل بنا دیا
غارِ حرا سے جب ہوا نورِ قدیم جلوہ پاس سارے جہاں سے کفر کا نام ونشاں مٹا دیا

☆

کاش اپنی آرزو کو بار آور دیکھتے یعنی ہم بھی گنبدِ خضریٰ کا منظر دیکھتے
وہ یہ کہئے نبی کا امتحان مقصود تھا ورنہ ابوجہل ولہب کیا آنکھ اُٹھا کر دیکھتے

☆

جنت کو بھول جائے گی امت رسول کی محشر میں دیکھ لے گی جو صورت رسول کی
جنت قدم قدم پر نظر آئے گی تجھے بھر لیں نفس میں محبت رسول کی ۴۰؎

شرؔف دھولیوی: محمد یحییٰ کی ولادت ۱۹۰۴ء میں عبدالواحد کے گھر ہوئی۔ بعدازاں شرؔف کے نام سے پہچانے جانے لگے۔فنِ شاعری میں غریبؔ دھولیوی سے اصلاح لی۔آپ کا تمام خاندان شاعری کا دلدادہ رہا۔آپ کے برادران میں اطہؔر،سراؔج، ڈاکٹر ابووحشؔی اور ظفر بھی شاعر تھے۔جدید لب ولہجہ کے شاعر شکیؔل ابن شرف آپ کے فرزند ہیں۔شرؔف صاحب ۱۹۶۴ء میں معبودِ حقیقی سے جاملے۔نمونۂ کلام۔؎

پڑا پر تو زمانے پر جو اس نورِ مجدد کا   فضا میں کیف لہرانے لگا نغماتِ سرمد کا
پروئے اک لڑی میں آپ نے ہر رنگ کے دانے   نہ رکھا فرق انسانوں میں ابیض اور اسود کا
چمن زار جہاں شاداب ہوکر لہلہا اٹھا   ہوا اس شان سے دریا رواں فیضانِ احمد کا
ترے قربان یہ خوش اسلوبی انصاب کیا کہئے   ذہانت نے تری سلجھایا جھگڑا سنگِ اسود کا
کبھی اس رہگذر سے میں نہ گذرا ہوں نہ گذروں گا   سلیقہ نہیں ہے اے شرؔف مجھ کو خوشامد کا

حنیف دھولیوی: دھولیہ میں منشی عبدالرشید کے یہاں حنیف انصاری نے ۱۹۰۶ء میں آنکھیں کھولیں۔ ابتداء میں حافؔظ دھولیوی سے اصلاح لی، بعدازاں نوؔح ناروی سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔آپ کا مجموعہ کلام ’’مہکتے سائے‘‘ شائع ہو چکا ہے۔۱۹۸۸ء میں حنیؔف دھولیوی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔نمونۂ کلام ؎

اے خوش نفسو راہ نوردانِ مدینہ   ہو تم کو مبارک سروسامان مدینہ
پلکوں سے اٹھاتے چلو خار وخس وخاشاک   ہے کس کے مقدر میں بیابانِ مدینہ
کیوں ایک جگہ چین سے اب آپ رہیں گے   اکساتا ہے چلنے پہ جوارمانِ مدینہ
ہر اک کی قسمت میں یہ اعزاز کہاں ہے   اللہ بنائے جسے مہمانِ مدینہ[41]

ماہر دھولیوی: ابوتراب ماہؔر انصاری ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں بھوساول کے مشاعرے میں جانشینِ داغؔ نوؔح ناروی سے براہِ راست شاگردی کا شرف حاصل کیا۔آپ کا مجموعۂ کلام ’’تفکراتِ ماہؔر‘‘ شائع ہو چکا ہے۔۱۹۶۲ء میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔نمونۂ کلام۔ ؎

مطلع رُخِ احمد پہ پڑھوں نور و ضیا کا   مطلع ہے وہی شمس الضحیٰ بدرالدُجیٰ کا
آنکھوں کو منّور کیا سینوں کو منّور   سجدے سے اُٹھا گوشہ نشین غارِ خرا کا

☆

نہ روشن ہوگا کعبے میں نہ چمکے گا مدینہ میں   نہیں نام محمد ﷺ نقش جس دل کے نگینے میں
خدا کو احترامِ مصطفیٰ ملحوظ تھا کتنا   کیا قرآن نازل خاص عزّت کے مہینے میں
قریب گنبدِ خضرا میں شاید آگیا ماہؔر   گلاب کی مہک آنے لگی کچھ کچھ پسینے میں[42]

قادر جلگانوی: ۱۹۰۶ء میں عبدالقادر قادؔر جلگانوی کی ولادت ہوئی، آپ کے والد لاڈجی تاج محمد جلگاؤں میں باغبان برادری کے پہلے باغبان کونسلر رہے۔ قادؔر کو شاعری کا شوق ہوا تو کمترؔ جلگانوی کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ نمونہ کلام۔ ؎

مٹا کر اپنی ہستی، ہستی میں جان کی پیدا		ترا ثانی ہوا کوئی، نہ ہوگا اب کوئی پیدا
یہ اندازِ نظر تیرا، کرے گا کیا کوئی پیدا		دلِ دشمن میں گھر کر لے نگاہِ سرمدی پیدا
تری خاکِ قدم کے ذرّہ ذرّہ کا وہ عالم ہے		حرم سے بت کدے تک ہو رہی ہے روشنی پیدا۴۳

حسن نذر آبادی: محمد حسین ولد عبدالکریم تخلص حسنؔ نے ۱۹۰۷ء میں پہلی سانس لی۔ شاعری میں دلشاد دھولیوی کو اپنا استاد بنایا۔ ؎

اگر زندگی میں مدینہ نہ دیکھا		برابر ہے آنکھوں نے دیکھا نہ دیکھا
دکھا جلوہ مدفن میں ماہ عرب اب		کبھی ہم نے ایسا اندھیرا نہ دیکھا

عارف رسول پوری: ست پڑا کی پہاڑیوں سے گھیرے ایک خوبصورت قصبے رسولپور میں شیخ سبحان نے شیخ لعل قریشی کے گھر ۴ مئی ۱۹۱۰ء کو جنم لیا۔ عارفؔ تخلص اختیار کرتے ہوئے ڈاکٹر فائق برہانپوری سے اصلاح لی۔ ''کلامِ عارف'' کے نام سے ۱۹۸۷ء میں مجموعۂ کلام شائع ہو چکا ہے۔ نمونہ کلام۔ ؎

مِرا دل بن گیا ہے جب سے کاشانہ محمد ﷺ کا		زمانے بھر کو ٹھکراتا ہے دیوانہ محمد ﷺ کا
کہا ہے دیکھ کر خالق نے عارفؔ کو سرِ محشر		وہ دیکھو جھومتا آتا ہے دیوانہ محمد ﷺ کا

☆

زہے قسمت کسی دن خواب میں دیدار ہو جائے		جو گرداب بلا میں ہے سفینہ پار ہو جائے
عنایت کی نظر عارفؔ پہ گر سرکار ہو جائے		میرا انجم مقدر اوج پر اک بار ہو جائے۴۴

عزیز مارولوی: سیّد عبداللہ نے امیر علی کے معزز گھرانے مارول میں ۱۹۱۰ء میں آنکھیں کھولیں۔ مارول قصبہ کا ماحول ہمیشہ ہی ادبی رہا۔ سیّد عبداللہ نے بھی عزیزؔ مارولوی کے نام سے شعری میدان میں قدم رکھا۔ نمونہ کلام۔ ؎

نہ کرتیں کیسے خوشبو سے وضو گلیاں مدینے کی		نبی گلدستہ تھے شہر نبی گلدان جیسا تھا

☆

ترے عشق میں شہہ مری زندگی کا یہ حال ہے		نہ فنا کا مجھ کو خیال ہے نہ بقا کا مجھ کو خیال ہے
کوئی اردلی ہے نہ نامہ بر تہی رحم کر مرے حال پر		اے صبا حضور کی لاخبر میری زندگی کا سوال ہے

فردوس شہادوی: حاجی نبی بخش کے گھر محمد ایوب کی ولادت ۱۹۱۲ء میں ہوئی۔ جو بعد میں فردوس شہادوی کے نام سے پہچانے گئے۔ علامہ سیماب اکبرآبادی سے آپ کو شرف تلمذ حاصل رہا۔ نمونۂ کلام۔

قسم ہے ابنِ مریم عظمتِ دامانِ مریم کی روانی تھم گئی آمد سے جس کے بحرِ قلزم کی
بلندی ٹھیک ہے عیسیٰ ترے چرخ چہارم کی مگر کرسی ملی میرے نبی کو عرشِ اعظم کی
الم نشرح کی سورہ سورۂ وَالّیل نے فردوس حقیقت جلوہ گر کردی سردارِ دو عالم کی

رہبر جلگانوی: شیخ چاند شیخ رحمٰن ستمبر ۱۹۱۶ء کو جلگاؤں میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا شوق پیدا ہوا تو منظور احمد منظور بخاری اور شفاء گوالیاری سے اصلاح لینے لگے۔ رہبر تخلص اختیار کیا۔ ''مضراب دل'' آپ کا مجموعہ کلام ہے۔ نمونۂ کلام۔

آپ کے قرب سے ذرّے بھی بنے ہیں مہتاب مرنے جینے کا دیا آپ نے انسان کو نصاب
آپ کے قرب سے ہے شہرِ مدینہ مشہور آپ کی دوری سے رہتا ہے ہر اک دل بیتاب
ایک رہبر ہی یہ موقوف نہیں ہے آقا ہر اک چاہتا ہے آپ کے چہرے کی کتاب[45]

رفیق مارولوی: سیّد ناظر علی نے مارول میں سیّد حامد علی کے گھرانے میں ۱/ جنوری ۱۹۱۸ء کو آنکھیں کھولیں۔ دنیائے شاعری میں رفیق مارولوی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۲۸/ اپریل ۲۰۱۰ء کو آپ نے زندگی سے نجات پائی۔ نمونۂ کلام۔

گردے سر رسوائی وقفِ درِ جاناں چل سوئے مدینہ چل اب اے دل دیوانہ
دوڑا ہوا آپہنچا مدّاحِ نبی کہہ کر رضوان نے رفیق ہم کو جب دور سے پہچانا
اے ساقیِ بطحا تم سیراب اسے کردو ہے شیشۂ دل میرا چھلکا ہوا پیمانہ[46]

منظر مصطفیٰ آبادی: حسام الدین ولد فقیر محمد شیخ امیر نے لگ بھگ ۱۹۲۰ء میں جنم لیا۔ منظر کے والد فقیر بھی شاعری کا شغف رکھتے تھے قلندر علی نیّر مصطفیٰ آبادی سے مشورۂ سخن لیا کرتے تھے۔ غزل کے علاوہ حمد، نعت، منقبت، سلام، مرثیہ، سہرا وغیرہ بھی کثرت سے کہے ۶۰/ سال کی عمر میں زندگی کا ستارہ ماند پڑ گیا۔ نمونۂ کلام۔

اصنام حرم کی قسمت کا گردش میں ستارہ آ ہی گیا توحید کا سورج، کفر شکن، اللہ کا پیارا آ ہی گیا
روشن ہوئیں شمعیں نورانی، ذرّات نے پائی تابانی تاریکئ بزم گیتی میں وہ انجمن آراء آ ہی گیا
موجوں کے تبسّم سے چھلکے انوارِ الٰہی کے جلوے ظلمات کے بہتے دھاروں میں اک نور کا دھارا آ ہی گیا
اعجازِ رسالت کے صدقے، منظر جو رکھا کعبے میں قدم تب دہین تبانِ کعبہ پر توحید کا نعرہ آ ہی گیا[47]

کاملؔ منصوری شاہدوی:

شیخ رمضان شیخ امیر منصوری ۲۳؍جنوری ۱۹۲۰ء کو دھولیہ میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا شوق بیدار ہوا تو حافظؔ دھولیوی سے مشورۂ سخن لینے لگے۔ بعد انتقال حافظؔ صاحب، حنیفؔ دھولیوی کو استاد بنایا۔ ’’متاعِ ہنر‘‘ کے نام سے مجموعہ کلام منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ نمونۂ کلام۔؎

سرِ عرش لکھا ہے نام محمد کا　　بعید از گماں ہے مقام محمد ﷺ
مقدس ہے مکّہ مدینہ کی گلیاں　　ہیں گذرے یہاں صبح و شام محمد ﷺ
ہُبل لات وعزّیٰ گرے منہ کے بل سب　　سنا جب انھوں نے پیام محمد ﷺ
جنھوں نے دیا سب کو پیغام حق کا　　تھے اُمّی لقب وہ بنام محمد ﷺ
سلامِ عقید شکر و بیش کامل　　ادب کی جگہ ہے مقام محمد ﷺ ۴۸

اطہرؔ دھولیوی: عبدالواحد انصاری کے یہاں غلام رسول اطہرؔ دھولیوی نے ۱۹۲۱ء میں آنکھیں کھولیں۔ لگ بھگ ۱۹۳۶ء میں باقاعدہ مشقِ سخن کی ابتداء کی اور حنیفؔ دھولیوی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ آپ کے شاگردوں اور احباب نے بعد انتقال آپ کا کلام ’’بادۂ اطہرؔ‘‘ کے نام سے شائع کیا۔ ۱۹۷۸ء میں خدا نے اطہرؔ کی آنکھیں بند کیں۔ نمونۂ کلام۔؎

پیکر تھا جامۂ بشریت میں نور کا　　میں کیا کروں بیان سراپا حضور ﷺ کا
حسرت ہے موت آئے دیارِ رسول میں　　طالب نہیں میں خلد میں حور و قصور کا
سراپا جب رقم کرتا ہوں اس نورِ مجرد کا　　میری آنکھوں میں کھینچ جاتا ہے نقشہ سبز گنبد کا

☆

رسولوں کو بھی جن کے امتی ہونے کی خواہش تھی　　تعالیٰ اللہ وہ ہے مرتبہ ذاتِ محمد ﷺ کا
میں کس منہ سے کروں تعریف اس ذاتِ مقدس کی　　خدا قرآن میں خود وصف گویا ہے محمدؐ کا ۴۹

نفیسؔ مارولوی: ۱۸؍جنوری ۱۹۲۲ء کو سیّد کرامت کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عرفان علی تھا۔ نفیسؔ تخلص اختیار کیا۔ ۱۸؍دسمبر ۲۰۰۶ء کو موت نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ نمونۂ کلام۔؎

اے عرب کے چاند بتلا کونسی منزل میں ہے　　عرش کے ہے بام پر یا فرش کی محفل میں ہے
دیکھا جب مجھ کو تو اس دم اہلِ محفل نے کہا　　ہے یہ مدّاحِ نبی ﷺ اب نہ کسی شاغل میں ہے
اب زمانے میں نظر آتی نہیں خوبی حضور　　ہے اگر خوبی تو بس قرآن کے عامل میں ہے
ڈھونڈا بیتابی میں بھی حضرت کوئی اے نفیسؔ　　وہ نظر آتے نہیں اور یاد ان کی دل میں ہے

جمیلؔ مصطفیٰ آبادی: ملک قاسم ملک محمد کے گھر ۴؍ستمبر ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ جمیلؔ تخلص کیا اور ہاشم نوگانوی اور رہبرؔ مصطفیٰ آبادی سے اپنے کلام پر اصلاح لینے لگے۔ ۲۰۰۹ء میں آپ کی سانسیں روک گئیں۔ نمونۂ کلام۔

دیکھا جو چہرہ ماہِ رسالت مآب کا	فق ہوگیا رنگ رخِ آفتاب کا
آخری ہے یہ تمنا کہ مدینہ جاؤں	اڑ کے جاؤں مجھے جبرئیل کے شہپر دے دے
جلوۂ حسنِ محمد ﷺ کی تمنا ہے جمیلؔ	کب میں کہتا ہوں فلک کے مہ و اختر دے دے

علیمؔ شہادوی: حاجی عثمان کے تین لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے کا نام محمد رفیق تھا۔ جو علیمؔ شہادوی کے نام سے پہچانے گئے۔ ۳۰؍اپریل ۱۹۲۴ء سے تاحیات آپ معاشی پریشانیوں اور تلاش معاش میں گھرے رہے۔ آپ کو ادیبؔ مالیگانوی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ علیمؔ کا مجموعۂ کلام ''خاکِ آرزو'' کے نام سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ نمونۂ کلام۔

اس طرح کثرت پہ غالب ذاتِ وحدت ہوگئی	ہوگیا روشن جہاں کا نور ظلمت ہوگئی
اب فراقِ عشق احمد ﷺ راس مجھ کو آ گیا	رفتہ رفتہ دل کو غم سہنے کی عادت ہوگئی
سارے نبیوں میں ہوئے برتر نبوت کے امین	ختم سرکارِ دو عالم پر فضیلت ہوگئی ۵۰

سراجؔ انصاری: محمد سراج انصاری کی ولادت ۱۹۲۸ء کو دھولیہ میں ہوئی۔ آپ کا آبائی وطن ٹانڈہ ضلع فیض آباد تھا۔ لگ بھگ ۱۶؍سال کی عمر سے ہی شاعری کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔ حنیفؔ دھولیوی اور اکرمؔ دھولیوی دونوں ہی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ آپ کا مجموعۂ کلام ''کربِ احساس'' کے نام سے منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ ۱۹۹۱ء میں عمر کا پیمانہ چھلک گیا۔ نمونۂ کلام۔

محمد مصطفیٰ کا ذکر جب روحِ طلب ہوگیا	نزولِ رحمتِ غفّار دل پر روز و شب ہوگیا
بڑی مدّت سے میں بھی ہوں زیارت کا تمنائی	مکین گنبد خضریٰ تمہارا لطف کب ہوگیا
سراجؔ ان کی طلب میں نا اُمیدی کفر ٹھہرے گی	جو چھوٹا دامنِ اُمید ہاتھوں سے غضب ہوگیا
تھی اک نظر وہ سیّد والا صفات کی	روشن جو ہم پہ کر گئی راہیں نجات کی
بوجہل پھر بھی رہ گیا محروم دین حق	تصدیق گو کہ ہوتی رہی بات بات کی
آمد سے ان کی زیر و زبر کفر ہوگیا	یکسر بساط الٹ گئی لات و منات کی ۵۱

ان حضرات کے علاوہ علاقۂ خاندیش میں ایسے شعراء بھی دکھائی دیتے ہیں جنھوں نے نعتیہ کلام پیش کیا۔ مگر ان کا احوال معلوم نہ ہوسکا۔ ایسے شعراء میں۔

لطیف سیندھ کھیڑوی (انتقال ۱۹۶۱ء):

خیال میں جو کوئی طرح دار آتا ہے		نبی کے نام سے دِل کو قرار آتا ہے
بنا کے میم کا پردہ بنا لیا محبوب		احد کے نام پہ احمد کو پیار آتا ہے
عمر نے پھینک دی تلواریوں نبی ﷺ سے کہا		قدم پہ آپ کے یہ جانثار آتا ہے

مسلم انصاری دھولیوی (۱۹۱۶ء تا ۱۹۷۹ء):

ولادت آپ کی اک سیل ہے نورِ مجرد کا		ملائک دیکھ کر حیراں ہیں نقشہ جزر کا مد کا
کھڑے ہیں حضرت جبریلؑ دربان کی صورت		یہ شان اور یہ تزک اللہ دربارِ محمد کا

رمضان دانش دھولیوی (۱۹۱۸ء تا ۱۹۸۳ء):

اے بادِ صبا لے چل دربارِ مدینہ میں		کرلوں شہہِ عالم کا دیدار مدینہ میں
کی شانِ کریمی ہے اس گنبدِ خضرا پر		پھیلی ہے کرن نوری سرکارِ مدینہ میں

ظفر علی ظفرؔ مارولوی (وفات ۲۰۰۸ء):

جب تصور میں جبیں جلوۂ یار آتا ہے		دِل مضطر کو اسی وقت قرار آتا ہے
روح قدموں سے لپٹنے کو تڑپتی ہے ظفرؔ		سامنے جب شہہ والا کا مزار آتا ہے

مندرجہ بالا شعراء کے علاوہ مشہور زمانہ رسائل پیام عشق اور گلزارِ خلد (۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۵ء) کے درمیان وجلوۂ یار میرٹھ (۱۹۲۰ء) اور البدر دھولیہ (۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۶ء) میں شعرائے خاندیش کا نعتیہ کلام کثرت سے شائع ہوتا رہا ہے۔ یہ وہ حضرات ہے جن کا صرف نعتیہ کلام ہی دستیاب ہوا ہے۔ جو پیش کیا جارہا ہے۔ دیگر معلومات تحریر کرنے سے قاصر ہوں۔

شیخ بھیکن حاذقؔ مینانگری:

سراسر نور خالق ہے عجب کچھ حسن تیرا		خدا نے شکل تیری یا نبی سانچے میں ڈھالی ہے

شیخ حسام الدین مضطرؔ مینانگری:

اک یہ ادنیٰ معجزہ ہے آپ کے اوصاف کا		نرمیٔ گفتار شہ سے موم پتھر ہوگیا

منشی نور محمد نورؔ مینانگری:

بچ گیا دوزخ سے اوپر لطف داور ہوگیا		صدق دل سے جو ثنا خوانِ پیمبر ہوگیا

شیخ امیر صادق مینا نگری:

گلِ رخسار احمد کا میں واعظ دل سے شیدا ہوں — طبعیت حور و غلماں پر مری کب آنے والی ہے

یوسف خان یوسفؔ مینا نگری:

جلوہ گر نورِ خدا حضرت کے رخ پر ہوگیا — ماہِ انور اوج خوبی پر منوّر ہوگیا

منشی بگومیاں یوسفؔ مینا نگری:

لو مسلمانو خدا کا فضل تم پر ہوگیا — مرحبا پیدا شفیع روزِ محشر ہوگیا

مولوی محمد اسماعیل قوقؔ ساودوی:

للّٰہ الحمد ہے کیا خوب طبعیت میری — ہوگئی نعتِ نبی کہنے کی عادت میری
چھوڑ کوئے نبی ﷺ میں نہ کبھی جاؤں گا — راہ تکتی ہے تو تکتی رہے جنت مری

عبدالغنی عرف گھاسی محتاجؔ ساودوی:

سرشار ہوں میں عشق رسالت پناہ میں — معروف ہوں میں نعت حبیب اللہ میں
محتاجؔ رہنمائی کا میں تو نہیں خضر — رہبر ہے میرا شوق مدینہ کی راہ میں

شیخ محمد عباسؔ ساودوی:

زمین پر گر گئے بت سارے سر کے بل عباسؔ — خبر سنی جو رسولِ خدا کے آنے کی

منشی محمد ابراہیم منشی ساودوی:

یا نبی ہے ترے ملنے کی تمنّا دل میں — آرزو اور نہیں ہے مرے مولا دِل میں
نہ ہوئے ہائے گدائے درِ سلطانِ رسل — لے کے حسرت یہ گئے قیصر و دارا دِل میں

محمد عبداللہ اطہرؔ ساودوی:

مدینہ یا الٰہی دہر میں کیا یکطرفہ بستی ہے — کہ عرش پاک سے جس خاک پر رحمت برستی ہے
اے اطہرؔ تیرے دل میں کیوں ہو خطرہ روزِ محشر کا — کہ دستِ شافع محشر میں تیری سرپرستی ہے

منشی ٹمرو صاحب ٹمروؔ پارولوی:

ہم مدینہ کے لئے چلے عشق کا سودا لے کر — دِل میں محبوبِ الٰہی کی تمنا لے کر

محمد طاہر فیض پوری:

نارِ میں نور تیرا جل میں جلوہ تیرا گل میں بو ہے تیری بلبل میں ہے نغمہ تیرا
طاؔہر خستہ پہ ہوجائے عنات کی نظر خادم فخرِ رسل اور ہے بندہ تیرا

حسین خان حسینؔ فیض پوری:

جو روشنی ہے نقشِ کف پائے شاہ میں اے چرخ وہ نہیں ہے تری مہر و ماہ میں
مر جائے یہ حسیؔن مدینہ میں پہنچ کر یا رب یہ التجا ہے تری بارگاہ میں

تیسرا دور: ۱۹۴۷ء سے ۲۰۰۰ء تک:

آزادی کے بعد شعرائے خاندیش کی شاعری کا محور تحریکِ آزادی تقسیمِ ہند، فسادات جیسے موضوعات رہے۔ باوجود اس کے نعت گوئی اپنا کامیاب سفر طے کرتی رہی۔ آزادی کے بعد کے شعراء نے نعت گوئی کے حوالے سے اپنے قدماء کی روایت کا احترام ضرور کیا۔ اس دور میں ایسے قابلِ قدر شعراء ہوئے جنہوں نے اپنی شاعری پر نعتیہ کلام کی پرت ضرور چڑھائی۔ آیئے ایسے ہی نعت گو شعراء کا جائزہ لیا جائے۔

انجم دھولیوی: ۹؍مارچ ۱۹۲۳ء کو عبدالوہاب نے عبدالغفور سردار کے یہاں پہلی سانس لی۔ ۱۹۵۰ء کے قریب شاعری میں قدم رکھا اور حضرت حنیف دھولیوی کے تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ قلیل مدّت میں ہی فلک شعروادب پر انجم کے نام سے جگمگانے لگے۔ ۱۹۹۷ء میں آپ کا مجموعۂ کلام ''لمعاتِ انجم'' کے نام سے شائع ہوا۔ ۱۱؍فروری ۱۹۸۶ء میں آپ کی روح جسدِ خاکی سے پرواز کرگئی۔ نمونۂ کلام ؎

رہِ خلد ہے رہگذر مدینہ چلو ہم نشینو دیارِ مدینہ
یہ نسبت خدا کا کرم ہے سراسر کہاں ہم کہاں تاجدارِ مدینہ
میلاد شاہِ طیبہ ہے وقت سعید ہے کونین کو خوشی کیوں نہ ہو آج عید ہے
اللہ رے دیدِ گنبدِ خضریٰ کی کیفیت آسودۂ نظارہ بھی بیتابِ دید ہے[۵۲]

ڈاکٹر رشید صہبائیؔ دھولیوی:۔ ۱۹۲۴ء کو سیّد رشید علی کی ولادت سیّد امیر علی کے گھر مصطفیٰ آباد (چوپڑا) میں ہوئی۔ حکمتِ طب اپنانے کے بعد دھولیہ مونسپل کمیٹی کے شعبۂ حفظانِ صحت میں ملازمت اختیار کی۔ شاعری کی طرف رجحان پیدا ہوا تو غریبؔ دھولیوی کو اپنا استاد بنایا۔ آپ نے حضرت غریبؔ پر ''یادگارِ غریب'' بھی مرتب کی۔ ڈاکٹر رشید صہبائی کا مجموعہ ''رقصِ صہبا'' کے نام سے سامنے آچکا

ہے۔نمونۂ کلام ۔

جب لبوں پر محمد ﷺ کا نام آ گیا   باغِ جنت سے مجھ کو پیام آ گیا
شورِ صلّے علیٰ مچ گیا بزم میں   سارے نبیوں کا عالی مقام آ گیا
سب یہ کہنے لگے مل کے معراج میں   سارے پیغمبروں کا امام آ گیا
بہارِ رحمت عالم شفیع دو جہاں تم ہو   درِ صدف تجمل صبر کے کوہِ گراں تم ہو
بیاں اسے سے زیادہ اور کیا شانِ حبیبی ہو   خدا ہے رازداں سب کا خدا کے رازداں تم ہو۵۳؎

ڈاکٹر افتخار احمد فخر دھولیوی: مئی ۱۹۲۴ءکو افتخار احمد پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام منشی عبدالجبار تھا۔اعلیٰ تعلیمی حاصل کرنے کے بعد آپ ایم۔ جے کالج جلگاؤں میں لیکچرار ہوگئے۔آپ نے ''سیماب اور دبستانِ سیماب'' پر تحقیقی مقالہ قلمبند کیا جس پر آپ کو پونا یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی۔غالباً آپ علاقۂ خاندیش کے پہلے Ph.d ڈاکٹر بھی تھے۔آپ کا تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''ادب ونظر'' منظرِ عام پر آچکا ہے۔۲۶/اپریل بروز بدھ ۲۰۰۰ءکو رخصت ہوئے۔نمونۂ کلام ۔

چہرہ اقدس ہو جب پیشِ نظر یا مصطفیٰ   باوضو ہوا سکِ غم سے چشم تر یا مصطفیٰ
ہادی راہِ حقیقت، محسنِ انسانیت   اُمّی، عالی گہر، خیرالبشر یا مصطفیٰ
ہند میں بے چین ہے وہ اشتیاقِ دید سے   فخر پر بھی ہو عنایت کی نظر یا مصطفیٰ ۵۴؎

حبیب دھولیوی: محمد حبیب انصاری ۲/جنوری ۱۹۲۵ءکو پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام محمد شکور تھا۔آپ نے قلیل مدّت تک ہی شاعری کی مگر معیاری اور شاندار شاعری کی۔آپ کا ۲۰/دسمبر ۲۰۰۱ء میں زندگی کا کھیل تمام ہوگیا۔۲۰۰۴ء میں آپ کا مجموعۂ کلام ''نئی بہار'' شائع ہوا۔نمونۂ کلام ۔

حسن اخلاق کی پہچان رسول ﷺ عربی   سارے سلطانوں کے سلطان رسول ﷺ عربی
جسمِ اطہر سے بندھے آپ کے دو دو پتھر   جو بھی دیکھا ہوا حیران رسول ﷺ عربی
بھلا لیں گے کیسے عطائے محمد ﷺ   کہ خیرالبشر بن کے آئے محمد ﷺ
اندھیرا ضلالت کا چھایا ہوا تھا   کرن نور کی لے کے آئے محمد ﷺ ۵۵؎

سراج دھولیوی: محمد سراج ولد عبدالواحد انصاری کی پیدائش ۱۹۲۸ء میں ہوئی۔بچپن ہی سے شاعری کی طرف توجہ رہی۔حنیفؔ دھولیوی اور اکرم دھولیوی سے استفادہ کیا۔آپ کا مجموعۂ کلام ''کربِ احساس'' سامنے آچکا ہے۔۱۹۹۱ء میں آپ فوت ہوئے۔نمونۂ کلام ۔

خیر و برکت سے معمور گلی تک پہنچے   عالم وجد میں ہم کوئے نبی تک پہنچے

تشنگی میں جو خیال آیا سرِ حشر نبی ﷺ کا — جامِ کوثر کے مری تشنہ لبی تک پہنچے ۵۶

نصرت راویری: شیخ نصیر شیخ اسحاق ۱۴؍جنوری ۱۹۳۰ء کو راویر میں وارد ہوئے۔ شعر گوئی سے دلچسپی نے ابرار حسنی گنوری کے دامن سے وابستہ کر دیا تو نصرت راویری ہو گئے۔ دو مجموعۂ کلام ''بوند بوند لہو'' اور ''گنبد کی صدائیں'' شائع ہو چکے ہیں۔ نمونۂ کلام ؎

شہنشاہِ دو عالم صاحبِ معراج و منبر ہو — تمہیں اوّل آخر شفیع روزِ محشر ہو
تمنا ہے کہ سو جاؤں میں سائے میں کھجوروں کے — چمک اٹھے مقدر خاکِ طیبہ میرا بستر ہو
چاند مکہ کا لاجواب آیا — حسن والوں میں انتخاب آیا
جس کی خوشبو سے اک جہاں مہکا — باغِ وحدت کا وہ گلاب آیا ۵۷

راشد ادیبی جامنیری: عبدالرشید عبدالعزیز ۱۹۳۰ء کو جامنیر میں پیدا ہوئے۔ مشہور زمانہ استاد حضرت مولانا غیاث الدین صاحب سے فارسی، عربی کی ابتدائی کتب پڑھنے کا موقع ملا۔ عبدالرشید اکثر والد کے ساتھ مشاعروں میں شرکت کرتے۔ مشاعروں میں شرکت نے آپ کو عبدالرشید سے راشد بنا دیا۔ پھر ادیب مالیگانوی کی رہنمائی حاصل ہوئی اور آپ راشد ادیبی ہو گئے۔ آپ کی شعری کاوشوں کا نتیجہ ''زخموں کے گلاب'' سامنے ہے۔ راشد نے ۲۲؍فروری ۲۰۰۰ء میں دنیا کے پست و بلند اور زمانہ کے نشیب و فراز ترک کر کے گوشۂ عافیت میں پناہ لے لی۔ نمونۂ کلام ؎

نام احمد کس قدر ہے روح پرور آج بھی — جھومتے ہیں مسجد و محراب و منبر آج بھی
جلوۂ عشقِ محمد سے ہیں روشن جن کے دل — جگمگاتے ہیں مہ و خورشید بن کر آج بھی
روضۂ اقدس ترا کیا مرکزِ انوار ہے — ہے نگاہوں میں طواف ماہ و اختر آج بھی
مل گیا کہسار طائف سے جنہیں درسِ وفا — پھول ہے ان کو تری راہوں کا پتھر آج بھی
آتشِ عشق محمد جن کو روشن کر گئی — وہ دیئے ہنستے ہیں راشد آندھیوں پر آج بھی ۵۸

احسان رسول پوری: راویر کے قریب ست پڑا کی پہاڑیوں سے گھرا ایک چھوٹا مگر خوبصورت دیہات رسول پور میں اکتوبر ۱۹۳۱ء کو عبدالرحمٰن نے آنکھیں کھولیں۔ شاعری سے لگاؤ پیدا ہوا تو ادیب مالیگانوی کے تلامذہ میں شامل ہو گئے اور احسان رسول پوری کہلائے۔ آپ نے کثرت سے منظومات کہیں ہیں۔ نظموں کے دو مجموعے ''پاش پاش'' اور ''ترشیخ'' شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ آپ نے بارگاہِ رسالت مآب میں عقیدت کے پھول نظم کی شکل میں پیش کئے ہیں۔ نمونۂ کلام ؎

وہ ہستی جس نے شعلوں کو دیا انداز پھولوں کا — وہ ہستی جو مجسم اک مرقع تھی اصولوں کا

وہ ہستی پیشوا جس کو کہیں سارے رسولوں کا　جہانِ منتظر میں یوں محمد مصطفٰی ﷺ آئے
زمین نے پیر چومے آسماں نے پھول برسائے　عرب کا چاند چمکا رحمت للعالمیں بنکر
محافظ دین و ایماں کا زمانے کا امیں بنکر　گمان و وہم کی ظلمات میں نور یقیں بنکر
جگایا کاروانِ راہ گم کردہ کی قسمت کو　وہ جس نے آشکار کر دیا اسرارِ وحدت کو ۵۹

سعید عدم دھولیوی: ۱۹۳۱ء میں سعید احمد کی پیدائش ہوئی والد کا نام محمد حنیف تھا۔ عدمؔ تخلص اختیار کرتے ہوئے ظفرؔ دھولیوی سے اصلاح لی۔ ۲۰۰۱ء تک زندگی بسر کی۔ نمونۂ کلام ۔

جو سن لیں مری تاجدارِ مدینہ　تو پھر دور کیا ہے دیارِ مدینہ
اذیت میں لذّت کا ساماں ہوگیا　مرے پیر چومے گے خارِ مدینہ
نہیں اس کی عظمت کا کوئی ٹھکانا　نوازیں جسے شہر یارِ مدینہ
زمانے کی تاریخ رکھ دی بدل کر　اٹھا جب کوئی شہسوارِ مدینہ
عدمؔ ہو وجود مصدوم ایسے　کہ چھا جائے اس پر غبارِ مدینہ ۶۰

ساحر ادیبی جلگانوی: ۱۶؍جون ۱۹۳۴ء کو ساحرؔ ادیبی نے نادورہ ضلع بلڈانہ میں آنکھیں کھولیں۔ آپ کا پورا نام قاضی سعید الدین ولد فیاض الدین تھا۔ لگ بھگ ۱۹۵۰ء میں ادیب مالیگانوی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں بہ سلسلۂ ملازمت جلگاؤں تشریف لائے اور مستقیل طور سے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ''فسونِ سخن'' آپ کا مجموعۂ کلام ہے۔ ۹؍اپریل ۱۹۹۲ء کو آپ اپنے رب کی جانب لوٹ گئے۔ نمونۂ کلام ۔

ضامنِ خلد بریں حُبّ نبی　میرا ایماں میرا دیں حُبّ نبی
جگمگادیتی ہے تقدیرِ حیات　صورتِ ماہِ مبیں حُبّ نبی
مرحم زخم جگر، ذکرِ رسول　راحتِ جان حزیں حُبّ نبی
بڑھ گئی کچھ اور شیرینئ درد　ہے مثالِ انگبیں حُبّ نبی
دیدنی ہے دِل کی ساحرؔ آب و تاب　آفریں صد آفریں حُبّ نبی ۶۱

میکش انور جلگانوی: عبد الغفور کا آبائی وطن راجستھان تھا، جہاں یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ تلاشِ معاش نے جلگاؤں کا رُخ کرنے پر مجبور کیا۔ شعر گوئی کا شوق بیدار ہوا تو میکش انور ہو گئے اور افسرؔ سیمابی سے مشورۂ سخن لینے لگے۔ ۱۹۹۶ء میں آپ کی عمر انجام کو پہنچ گئی۔ نمونۂ کلام ۔

تو التجا مری سن لے مری دعا لے جا　درِ حبیب پہ مجھ کو صبا اڑا لے جا

میں ایک بار تو کوچے سے ان کی ہو آؤں پھر اس کے بعد مجھے شوق سے قضا لے جا
مرا تو دوست حبیبِ خدا کھویا ہے تو ناؤ میری جدھر چاہے ناخدا لے جا
ہے جس کی خاک فرشتوں کی آنکھ کا سرمہ تو اس دیار میں میکش کو اے خدا لے جا[64]

محشر مصطفیٰ آبادی: غیاث الدین کی پیدائش ۲۰رفروری ۱۹۳۸ء میں مصطفیٰ آباد (چوپڑا) میں ہوئی۔آپ کے والد منظر صدیقی کا شمار خاندیش کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔زمانۂ طالبِ علمی سے ہی شعر کہنے لگے، والدِ محترم کو ہی اپنا استاد بنایا۔آپ کا مجموعہ کلام ''گلِ خنداں'' منظرِ عام پر آچکا ہے۔ ۲۷رجولائی ۱۹۹۸ء کو آپ کو قضا اپنے ساتھ لے گئی۔نمونۂ کلام ۔

اس در پہ زندگی کا مزہ ہم سے پوچھیئے اک پل میں اک صدی کا مزہ ہم سے پوچھئے
کہتے ہیں لوگ شہرِ مدینہ کی شب جسے اس شب کی چاندنی کا مزہ ہم سے پوچھئے
واقف تو ہو صدائے بلالی سے تم مگر وحدت کی نغمگی کا مزہ ہم سے پوچھئے
پیاری تھی اپنے پیارے نبی کو بھی جو بہت مومن کی سادگی کا مزہ ہم سے پوچھئے
محشر نثار جس پہ شہنشاہوں کے لباس کملی کی زندگی کا مزہ ہم سے پوچھئے[65]

محسن جلگانوی: غلام غوث خان کی ولادت ۱۵راکتوبر ۱۹۳۹ء کو مصطفیٰ آباد (چوپڑا) میں مولانا عبدالواحد نقشبندی کے یہاں ہوئی۔ابتدائی تعلیم جلگاؤں اور اعلیٰ تعلیم عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے حاصل کرنے کے بعد سکندرآباد میں ریلوے ڈپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کرلی۔جلگاؤں کے مشہور شاعر حضرت سلطان نقشبندی سے استفادہ کیا۔عثمانیہ یونیورسٹی سے آپ نے ایم۔فل کے لئے ''اُردو ہائیکو میں پیکر تراشی'' مقالہ تحریر کیا۔ بعدازاں پی۔ایچ۔ڈی کے لئے اُردو شاعری میں جدیدیت حسیّت عنوان تحت تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔جس پر آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔محسن جلگانوی کی ۶ (چھ) شعری تصانیف (۱) الفاف (۲) تھوڑا سا آسمان زمین پر (۳) آنکھ سچ بولتی ہے (۴) شاخِ صندل (۵) جنس درونِ جاں (۶) سبز سمندر شائع ہو چکے ہیں۔اس کے علاوہ ۵ (پانچ) نثری تصانیف (۱) سکندرآباد کی ادبی دستاویز (سکندرآباد کے ادباء وشعراء کا تذکرہ) (۲) تجرباتی مطالعے اور مصاحبے (۳) اُردو ہائیکو میں پیکر تراشی (۴) جدید شاعری کی نمائندہ آواز (۵) عصری حسیت تفہیم وتجزیہ منظرِ عام پر آچکے ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے اپنے استاد کا مجموعۂ کلام ''پسِ مرگ''، ''ارمغان نو'' (منتخب مقامی اور مہمان شعراء کا تعارف وکلام) اور داستان اپنی زندگی کی (سوانح حیات محمد انوار اللہ قادری امریکہ) کو بھی پیش کیا۔محسن جلگانوی حیدرآباد سے نکلنے والے روزنامہ ''اعتماد''

کے نائب مدیر اور اس کے ادبی صفحہ اوراقِ ادب کے مدیر بھی رہے۔ نمونۂ کلام ؎

عظمتیں تمام ختم صرف اس کے نام پر — رفعتیں تمام ختم صرف اس کے نام پر
ہوا جو سنگبار سب کی آخرت کے واسطے — زحمتیں تمام ختم صرف اس کے نام پر
ہائیں جس نے دشمنوں کے واسطے صعوبتیں — کلفتیں تمام ختم صرف اس کے نام پر
جس کی جنبش نگاہ کے اسیر مہر و ماہ ہیں — رفعتیں تمام ختم صرف اس کے نام پر
میں خذف بساط اور اس کا اسم باوقار — مدحتیں تمام ختم صرف اس کے نام پر ۶۴

مقیم اثر بیاولی: مقیم اثر یکم جنوری ۱۹۴۱ء کو بیاول میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کی منزلیں طے کرنے کے بعد مالیگاؤں میں درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہو کر سبکدوش ہوئے، میدانِ شاعری میں قدم رکھا تو وقار حیدری مالیگانوی سے فیضیاب ہوئے۔ آپ کے چار مجموعۂ کلام (۱) لاتقنطوا (۲) بدن نژاد قبا (۳) نغمۂ سنگ (۴) سرحد لفظ نہیں۔ منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بقول خود لگ بھگ ۷۰؍ سے زائد غیر مطبوعہ مجموعوں کا ذخیرہ آپ کے دامن میں جگمگا رہا ہے۔ ۲۷؍ اپریل ۲۰۱۶ء بروز بدھ کو آپ دار الفنا سے دار القرار کو پہنچ گئے۔ نمونۂ کلام ؎

ہوتی ہے ریت سُرخ وہ دریا وہی تو ہیں — پیلی رُتوں میں سبز کنارا وہی تو ہیں
اے ماہتاب ان کا بہت احترام کر — دریا کی بھیگی پلکوں کا سپنا وہی تو ہیں
راتوں کو آفتاب کا ہمسر بنا گئے — سجدہ گذارِ عشق کا چشمہ وہی تو ہیں
خیرالبشر بھی رحمتِ پروردگار بھی — جلتے سفر میں رویتِ سبزہ وہ تو ہیں
سورج جو اپنی چھت کو زمیں پر اتارے گا — ہم بے گھروں کا آخری تکیہ وہی تو ہیں ۶۵

زاہد نواپوری: نواپور میں منصوری خاندان میں ۱۹۴۴ء کو زاہد حسین کی پیدائش حاجی غلام عمر کے گھر ہوئی۔ جو آگے چل کر زاہد نواپوری کے نام سے پہچانے جانے لگے۔ آپ کے دادا اسیر اجمیری کہنہ مشق شاعر تھے۔ زاہد نے بھی اکرم دھولیوی کی رہنمائی میں میدانِ شاعری میں قدم رکھا۔ زاہد کا مجموعۂ کلام ''گل کائنات'' منظرِ عام پر آ چکے ہے، جس میں نعتیہ مجموعہ ''شاخِ زیتون'' غزلیات کا مجموعہ ''منادی'' اور ''خراشیں'' قطعات کا مجموعہ شامل ہے۔ نمونۂ کلام ؎

آئے جبرئیل لئے حمد و ثنا کی خوشبو — چار سو پھیل گئی غارِ حرا کی خوشبو
مشک و عنبر نہ کہو بادِ صبا کی خوشبو — یہ تو ہے گیسوئے محبوبِ خدا کی خوشبو
ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزا آئے گا — دِل کے گلدان میں ہے صل علیٰ کی خوشبو

باغِ اسلام ہرا دین کے سرورﷺ نے کیا سب پہ تقسیم ہوئی درسِ وفا کی خوشبو
جسمِ اطہر پہ رقیبوں نے غلاظت پھینکی پھر بھی ہونٹوں سے نکلتی ہے دعا کی خوشبو
جب بھی طیبہ کی بہاروں پہ اٹھاتا ہوں قلم میرے اشعار سے اٹھتی ہے بلا کی خوشبو
آخری وقت ہے زاہد ہو مبارک تم کو مشک وریحان میں لپٹی ہے قضا کی خوشبو۶۶

ممتاز نادر دھولیوی: ممتاز احمد کی پیدائش جولائی ۱۹۴۶ء کو دھولیہ میں ہوئی۔ شاعری کے شوق نے زاہد دھولیوی سے ملا دیا۔ کچھ عرصہ بعد شکیل ابن شرف کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ ''متاعِ نادر'' شائع ہو چکا ہے۔ نمونۂ کلام ؎

جو ہیں خیرالبشر جو ہیں خیرالوریٰ وہ حبیبِ خدا مصطفیٰ آگئے
جن کے صدقے بنے دونوں ارض وسما وہ حبیبِ خدا مصطفیٰ آگئے
ان کی آمد ہوئی لوگ شاداں ہوئے ابر خوشیوں کے ہر سو برسنے لگے
شور صلی علیٰ ہر طرف سے اٹھا وہ حبیبِ خدا مصطفیٰ آگئے
کفر والحاد کی بدلیاں چھٹ گئیں آج روشن ہوئے آسمان وزمیں
دین اسلام کا نام روشن ہوا وہ حبیبِ خدا مصطفیٰ آگئے
آسماں سے جو نازل ہوئیں فرش پر سب کتابوں نے دی آپ ہی خبر
وہ رسول آخری سرورِ انبیاء وہ حبیبِ خدا مصطفیٰ آگئے
سب سے اوّل وہی سب سے آخر وہی سارے نبیوں میں افضل ہیں نادر وہی
عرش اعظم پہ تھا نام جن کا لکھا وہ حبیبِ خدا مصطفیٰ آگئے

ساجد جامنیری: آزاد ہندوستان (۱۹۴۸ء) میں محمد یٰسین عباس شاہ جامنیر میں پیدا ہوئے۔ ابتداء سے ہی متوسط گھرانے میں نشوونما پائی۔ شاعری کا شوق بیدار ہوا تو رفیق ٹونکی سے اصلاح لی۔ ادھنہ (سورت) کی مسجد میں موذّن کے فرائض انجام دئے۔ فی الحال ادھنہ میں ہی مقیم ہے۔ آپ کا مجموعۂ کلام ''لہجہ کا جادو'' ۲۰۱۱ء میں منظرِ عام پر آچکا ہے۔ نمونۂ کلام ؎

پوچھے جو کوئی ہم سے توقیر مدینے کی کہہ دیں گے کہ جنت ہے جاگیر مدینے کی
کیا جانے کشش کیسی اللہ نے رکھی ہے آنکھوں سے نہیں ہٹتی تصویر مدینے کی
لفظوں کے جزیروں سے ہر موتی اٹھالائے لکھی نہ گئی پھر بھی تفسیر مدینے کی
نابینا کو پل بھر میں بینائی عطا کردے مٹی ہی کچھ ایسی ہے اکسیر مدینے کی

دیوانہ ہوں طیبہ کا قابو میں نہ آؤنگا پہنادو مجھے لاکر زنجیر مدینے کی
آنگن میں اترتی ہیں خوشبوؤں کی باراتیں لکھنے جو کبھی بیٹھوں تحریر مدینے کی
نسبت کی سرنگوں سے آجائے گی چھن چھن کر مرقد میں میری ساجد تنویر مدینے کی

رفیق احمد راہی: رفیق احمد نام اور تخلص راہی تھا۔ ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں زاہد دھولیوی سے اصلاح لی بعد ازاں شکیل ابن شرف کو اپنا رہنما بنایا۔ پہلا مجموعہ ''سنگم'' رئیس احمد قتیل کے ساتھ مشترکہ شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ ''احساس کی صلیب'' منظرِ عام پر آیا۔ ۲۰۱۴ء تک عزّت کی زندگی گذاری۔ نمونۂ کلام ۔

یہ چاند اور ستارے یہ آفتاب نہیں نبی کے نور کا ہرگز کوئی جواب نہیں
وہ دوسروں کو تجلّی کی بھیک دیتے ہیں وجود آپ کا محتاج اکتساب نہیں
نبی کی چاہ کا پیمانہ ہے اویس کا دِل کہ کائنات میں جس کا کوئی جواب نہیں
جو کربِ حبِّ نبی میں بلال نے جھیلے پہاڑ جھیل سکے اتنی اس میں تاب نہیں
میرے نبی کے پسینے کی بات ہے راہی میری نظر میں چمیلی نہیں گلاب نہیں

رئیس احمد قتیل: رئیس احمد قتیل دھولیہ میں پیدا ہوئے۔ شاعری نے زاہد دھولیوی سے ملاقات کرادی۔ استاد کے انتقال کے بعد شکیل ابن شرف سے اصلاح لینے لگے۔ لگ بھگ ۱۲ر مجموعہ کلام کے مالک ہیں۔ جن میں ۵ر نعتیہ مجموعے شامل ہیں۔ نمونۂ کلام ۔

بت پرستی عام تھی کعبہ کا تیور اور تھا آپ جب تشریف لائے تھے وہ منظر اور تھا
سنتِ نبوی میں سر سے پاؤں تک رہتا تھا غرق جس سے باطل کانپ اٹھتا تھا وہ لشکر اور تھا
جس سے اڑتے ہیں پرندے بات اس پر کی نہیں آپ جس سے عرش پر پہنچے تھے وہ پر اور تھا
قتل کرنے کو چلے تھے آپ کو جب حضرتِ عمر ہو نہ پائے کامران ان کا مقدر اور تھا
کفر کے کانٹوں کا گہوارہ تھا صحرائے عرب آج سے چودہ صدی پہلے کا منظر اور تھا
اس کے آگے ہیچ ہے ایوانِ شاہی اے قتیل جس میں رہتے تھے رسول اللہ وہ گھر اور تھا ۷۶

بسمل چالیس گانوی: ادھومہاجن بسمل ۷ارفروری ۱۹۵۰ء کو چالیس گاؤں کے ایک چھوٹے سے قصبہ پاتونڈا میں پیدا ہوئے۔ M.A.,M.ed تک تعلیم حاصل کی۔ ملازمت کی وجہ سے پونا میں سکونت اختیار کرلی۔ ملازمت سے سبکدوش ہوکر اُردو شعر و ادب کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اُردو شاعری کے شغف نے نذیر فتح پوری سے ملاقات کرائی اور آپ بسمل ہوگئے۔ ہندی اور اُردو میں آپ

کی لگ بھگ ۱۲؍ کتابیں منظرِ عام پر آ چکیں ہیں۔ جس میں (۱) محمد سب کے لئے (نعتیہ مجموعہ) کے علاوہ اُردو میں (۲) حرفِ غزل (غزلوں کا مجموعہ) (۳) غزل کے ساتھ (۴) دشتِ امکاں سے پرے (۵) لفظوں کے حصار (مضامین) (۶) مناظر عاشق ہرگانوی سے مصاحبہ اور ہندی میں (۷) میرا تصور (۸) تھوڑا سا آسمان (۹) مٹّی کی خوشبو (۱۰) دھوپ میں سایہ (۱۱) غزل کے ساتھ (۱۲) دشتِ امکاں سے پرے شامل ہیں۔ نمونۂ کلام۔

دِل میں سمایا جب سے قرینہ رسول کا
آنکھوں میں بس گیا ہے مدینہ رسول کا

بڑھتے رہے جو صحرا سے ساحل کی سمت تم
مل جائے گا تمہیں بھی سفینہ رسول کا

اک روز اپنے کمرے میں امّ سلیمؓ بھی
شیشی میں بھر رہی تھی پسینہ رسول کا

ایسی بلندی اور جہاں میں کسے ملی
افلاک تک زمیں سے زینہ رسول کا

ایمان والے کرتے ہیں بحق سدا تلاش
سنت کی سرزمین میں خزینہ رسول کا

نعیم ابن علیم: ۲؍جنوری ۱۹۵۲ء کو خاندیش کے مشہور شاعر علیم ابن کلیم کے یہاں نعیم اختر نے آنکھیں کھولیں۔ حضرت نظرؔ مالیگانوی کے حکم پر دادا کلیم کریمی نے نعیم اختر نام رکھا۔ پڑھائی مکمل کرنے کے بعد آپ معلّم کے پیشہ سے وابستہ ہوگئے۔ نہایت ملنسار، مخلص، طبعیت کے مالک نعیم اختر کو دیانت داری، اخلاق مندی، وضع داری، دین داری اور فنِ شاعری ورثہ میں ملی۔ ۱۹۷۴ء میں حنیفؔ دھولیوی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور بہت جلد ہی دنیائے شاعری میں اپنا اہم ایک مقام بنالیا۔ نعیم کی شاعری کا ایک اہم اور تابناک پہلو ان کے تاریخی اشعار ہیں۔ انھوں نے حمد، نعتیں، غزلیں، قطعات میں کچھ اشعار ایسے کہے ہیں، جس کا ہر مصرعہ اور ہر عنوان تاریخی ہے۔ جیسے درج ذیل نعتِ پاک کا مطلع دیکھئے۔ جس کے ہر مصرعہ کے اعداد ۱۴۱۷ھ ہیں۔

گنجِ توصیف کے سلطان رسولِ عربی
عرشِ والا کے ہیں مہمان رسولِ عربی

نمونۂ کلام:

جو نبی کا غلام ہوجائے
اس پہ دوزخ حرام ہوجائے

اصل میں صبح ہے اس کی
جس کی طیبہ میں شام ہوجائے

☆

مرکزِ دین و ایماں مدینے میں ہے زندگی کا قرینہ مدینے میں ہے
عشقِ شاہِ حرم جس کے سینے میں ہے پوچھئے اس سے کیا لطف جینے میں ہے

☆

لالہ و گُل چمن میں نمو پائیں گے لیکن ایسی نہ ہرگز وہ بوٗ پائیں گے
مشک و عنبر بھی اس کو نہ چھوٗ پائیں گے جیسی خوشبو نبی ﷺ کے پسینے میں ہے

☆

لاکھ دورِ بہار آئے گا ہند میں موسمِ گل ہزار آئے گا ہند میں
مجھ کو کیسے قرار آئے گا ہند میں میرے دل کا سکوں تو مدینے میں ہے

☆

تیس پاروں کی قرآن کی روشنی دین کا نور ایمان کی روشنی
دونوں عالم کے سُلطان کی روشنی سبز گنبد کے پیارے نگینے میں ہے

☆

اے نعیم اب مجھے خوفِ طوفاں نہیں موج و گرداب سے دل ہراساں نہیں
میں پریشاں نہیں میں پریشاں نہیں نامِ شاہِ دو عالم سفینے میں ہے

رئیس فیض پوری: رئیس الدین نظام الدین یکم جون ۱۹۵۳ء کو فیض پور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ ہوگئے۔ طالبِ علمی کے زمانے سے ہی شعر گوئی کی طرف رجحان رہا۔ لیکن ۱۹۸۰ء سے باقاعدہ شعر کہہ رہے ہیں۔ آپ نے رفیق عادلؔ سے صلاح لی۔ میدانِ شاعری میں رئیس ہی تخلص اختیار کیا۔ ۲۰۰۰ء میں آپ کا مجموعۂ کلام ''گلِ تر'' منظرِ عام پر آیا۔ نمونۂ کلام ؎

جب ذکرِ رسول ہوتا ہے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے
یہ مدینہ ہے اس کی گلیوں میں جو بھی مانگو قبول ہوتا ہے
اب تو در پہ بُلا بھی لو آقا ہجر کیا اتنا طول ہوتا ہے
رشک کرتے ہیں ماہ و انجم بھی اس چمن کا جو پھول ہوتا ہے
میری آنکھوں کے واسطے سرمہ ان کی راہوں کی دھول ہوتا ہے
ذکر ان کا میں کررہا ہوں رئیسؔ ذکر جن کا قبول ہوتا ہے ۶۸

عشرتؔ راشدی جامنیری: عبدالرؤف نے یکم جون ۱۹۵۴ء کو حاجی شیخ احمد صاحب کے یہاں جامنیر میں پہلی سانس لی۔ آپ کے والد متقی عالم دین اور امیر جماعت رہے۔ عبدالرؤف نے ابتدائی تعلیم جامنیر میں مکمل کی اور پونا سے ڈی۔ ایڈ کرنے کے بعد درس تدریس سے وابستہ ہوگئے۔ ابتداء سے ہی آپ کو شعر گوئی کا شوق رہا۔ اپنے کلام پر مشہور زمانہ استاد شاعر راشدؔ ادیبی سے اصلاح لینے لگے۔ استاد کی نگرانی اور آپ کی محنت نے بہت جلد ہی آپ عبدالرؤف سے عشرتؔ راشدی بنا دیا۔ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ عشرتؔ ایک اچھے افسانہ نگار بھی رہے۔ آپ کے احباب نے ۲۰۱۵ء میں آپ کا مجموعۂ کلام ''پاسنگ'' کے نام سے شائع کیا۔ بتاتا چلو میرا تعلق بھی عشرتؔ کے خاندان سے ہے، رشتے میں عشرت میرے چاچا لگتے تھے۔ ۱۶/فروری ۲۰۱۳ء کو غیب سے ندا آئی کہ ''اے نفس مطمئنہ' اپنے رب کی جانب لوٹ جا اور اپنے رب کی مرضی پر راضی ہوجا۔'' انھیں اپنے رب کی مرضی سنائی دی اور صاف دکھائی بھی دی اور انھوں نے عشرتِ جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ نمونۂ کلام ؎

ممکن نہیں کہ آپ کی کوئی مثال ہو — نورِ خدا کا آپ ﷺ سراپا جمال ہو
جنت میں بھی حضور کے سائے کے ساتھ ساتھ — ہے عشق کا کمال کہ تنہا بلال ہو
لب پہ درود، دِل میں کلمات ہوں میرے — رحمت مرے رسول ﷺ پہ ربّ جلال ہو
جن کو ہوئی نصیب محبت رسول کی — کس طرح ان کے چہرے پہ گردِ ملال ہو
عشرتؔ نہیں ہے اس کے سوا دل کی آرزو — کوئے رسول ﷺ میں ہی مرا انتقال ہو۶۹

سیّد تونڈاپوری: سیّد یٰسین سیّد سراج الدین ۱۹۵۴ء میں جامنیر میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم تونڈاپور میں حاصل کی۔ چونکہ آپ کا ننھیال جامنیر میں ہے۔ اس لئے زیادہ تر وقت جامنیر ہی میں بیتا۔ معاشی حالات نے آگے کی تعلیم میں رکاوٹ پیدا کردی۔ سیّد یٰسین نے نہایت مفلسی اور غربت میں دن گذارے۔ تلاشِ معاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ اسی بے روزگاری نے شاعری میں دلچسپی پیدا کردی۔ خاندیش کے مشہور استاد شاعر مجاہد جلگانوی سے اصلاح لینے لگے۔ خاندیش اور اطراف کے مشاعروں میں سیّد تونڈاپوری کے نام سے شرکت کرنے لگے۔ آپ نہایت خوش مزاج، ملنسار طبعیت کے مالک تھے۔ ۳/مارچ ۲۰۱۹ء کو قضا نے ان کا نام لوحِ ہستی سے مٹا دیا۔

مرتبہ محمد ﷺ نے کتنا اعلیٰ پایا ہے — آپ کو خدا نے خود عرش پہ بلایا ہے
یہ زمیں نہیں ہوتی آسماں نہیں ہوتا — آپ کے لئے رب نے ہی جہاں بنایا ہے
روشنی ہوئی ایسی بت گرے ہیں منہ کے بل — جب زمین کعبہ پر نور جگمگایا ہے

ردّ نہیں دعا ہوگی مانگ لو وسیلے سے آپکے وسیلے سے جس نے مانگا پایا ہے
معجزہ محمد ﷺ کا دیکھ لو جہاں والوں کلمہ پتھروں کو بھی آپ نے پڑھایا ہے
ہے فرشتوں سے بڑھکر مرتبہ وہ انساں کا آپ کا نورانی روضہ جو دیکھ آیا ہے

شکیل ابن شرف دھولیوی:۔ شکیل ابن شرف کی پیدائش ۱۹۵۴ء میں ہوئی۔ آپ کو شاعری ورثے میں ملی۔ آپ کے والد یحیٰی شرف کا شمار دھولیہ کے اساتذہ شعراء میں ہوتا ہے۔ شکیل نے میدانِ شاعری میں شمس الدین زاہدؔ کو اپنا راہنما بنایا۔ استاد کی نگرانی اور سرپرستی نے بہت جلد ہی آپ کو دھولیہ اور خاندیش کے شعراء کی پہلی صف میں کھڑا کر دیا۔ شکیل کا شمار خاندیش کے کہنہ مشق استاد شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ کے دھولیہ اور اطراف میں سینکڑوں شاگرد ہیں شکیلؔ ابن شرف کے تین مجموعے کلام (۱) خوشبو کا بدن (۲) مہکار (۳) گلِ تر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ نمونۂ کلام۔

منتظر تھا ایک مدّت سے زمانہ آپ کا خیرمقدم کیوں نہ ہوتا والہانہ آپ کا
چاند تارے کر رہے ہیں مدح خوانی آپ کی لالہ و گل کی زبان پر ہے ترانہ آپ کا
چاند پر پڑتی ہے آقا جب میری نظر یاد آتا ہے مجھے انگلی اُٹھانا آپ کا
فیض پایا ہے سبھی نے آپ کی تعلیم سے کیوں نہ گرویدہ رہے سارا زمانہ آپ کا
آپ کے گھر سے چلا ہے انکساری کا چلن سب سے اعلیٰ سب سے افضل ہے گھرانہ آپ کا
حکمرانی آپ نے کی بوریئے پر بیٹھ کر خوب تھا انداز آقا خسروانہ آپ کا
ہے کہ شکیلؔ ابن شرف کے دل میں بس یہ آرزو حشر میں دنیا کہے اس کو دیوانہ آپ کا ۷۰

ساحر نصرت راویری: محمد ہارون کی پیدائش راویر کے تعلق رکھنے والے مشہور شاعر نصرت راویری کے یہاں ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔ گھر کا ماحول ادبی تھا ۲۰/۱۹ برس کی عمر میں ہی شعر کہنے لگے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ رفوگری بھی آپ کو ورثے میں ملی۔ ابتداء میں والد بعد ازاں ذاکر عثمانی راویری سے اصلاح لی۔ ''پیوند لگے خواب'' آپ کا مجموعۂ کلام ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا۔ نمونۂ کلام۔

یقین پختہ ہو ایمان کے ساتھ جینے میں سکونِ قلب کہتا ہے رہے مدینے میں
متاعِ عشق میں رحمت ہے آپ کی نسبت سفر مدینے کا لرزاں ہے کیوں سفینے میں
رسولِ حق کی محبت میں دھڑکنیں دِل کی مہکنے لگی ہیں افکار کے خزینے میں
جُلو میں غنچۂ قلب و نظر چٹکتے ہیں صدائے صلی علیٰ ہو جہاں بھی سینے میں
مہک رہے ہیں فضاؤں کے بام و در ساحرؔ ثواب بن کے نگاہوں کے آبگینے میں ۷۱

بہر حال ان شعراء کے علاوہ بھی علاقۂ خاندیش میں ایسے بہت سے شعراء ہیں جنہوں نے نعتیہ کلام پیش کر کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت کا بھرپور اظہار کیا۔مگر مضمون کی طوالت کی وجہ سے انھیں شامل کرنے سے قاصر ہوں۔

مندرجہ بالاشعراء کے نعتیہ کلام کی روشنی میں یہ بات روزِ محشر کی طرح سچ ثابت ہوتی ہے کہ شعرائے خاندیش نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھرپور نذرانۂ عقیدت پیش کی اور نعت گوئی کے فن کو ایک اہم مقام عطا کیا۔ان حضرات کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس علاقے کے نعت گو ماضی اور حال میں نعت گوئی کے فن کو پیش کرنے میں کامیاب رہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے اور انشاء اللہ مستقبل بھی تابناک رہے گا۔

حواشی

۱۔ نور اللغات۔مولوی نورالحسن،جلد چہارم ص ۲۱
۲۔ نقوشِ رسول نمبر جلد دوم۔ص ۱۰
۳۔ معراجِ سخن۔ڈاکٹر حمیرہ جلیلی،دیباچہ
۴۔ ماہنامہ نیادور،لکھنؤ۔دسمبر ۲۰۱۵،نعت کا تاریخی پس منظر ص ۴
۵۔ اُردو کی نعتیہ شاعری۔فرمان فتح پوری ص ۴۱
۶۔ خیر البشر کے حق میں۔ممتاز حسین،ص ۱۸
۷۔ ماہنامہ شاعر ممبئی۔اگست ۲۰۱۸،ص ۳۸
۸۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی نعت گوئی۔جمیل الدین ص ۱۳۲
۹۔ قصیدہ بردہ کے اُردو تراجم۔تحقیقی وتجزیہ ص پوشت
۱۰۔ عربی میں نعت کا ابتدائی سرمایہ۔ابوطالب کی نعتیں ص ۳۵
۱۱۔ خاندیش میں اُردو شاعری کی روایت۔تحقیقی مقالہ (غیر مطبوعہ) شیخ محمد شکیل ص ۹
۱۲۔ تاریخ فرشتہ۔ابوالقاسم فرشتہ ص ۷۹۸
۱۳۔ ایضاً،۸۰۳
۱۴۔ ایضاً ص ۸۰۴
۱۵۔ مضامینِ شفیع۔ڈاکٹر محمد شفیع ص ۷۵
۱۶۔ گنج سربستہ۔ڈاکٹر ایس۔ایم۔شکیل ص ۵۹
۱۷۔ تاریخ خاندیش کے بکھرے اوراق۔اکبر رحمانی ص ۱۱
۱۸۔ خاندیش گزیٹر۔ص ۲۲۰

۱۹۔ تاریخ خاندیش۔قاضی عبدالرحیم ص۸
۲۰۔ برہانپور، تاج محل اور نظیرا کبرآبادی۔ڈاکٹر محمد شفیع، روزنامہ اُردو ٹائمز ممبئی۔۱۰/جون ۲۰۰۵ء ص۹
۲۱۔ گہوارۂ علم دارالسرور، برہانپور۔مولوی معین الدین ندوی ص۱۲
۲۲۔ سعدیؔ دکنی برہانپوری۔اختر پرویز، روزنامہ ندیم بھوپال برہانپور نمبر
۲۳۔ حیاتِ سعدی۔الطاف حسین حالیؔ، ص۳۴
۲۴۔ وسط ہند میں اُردو ادب۔ڈاکٹر مہتاب عالم ص۱۵۷
۲۵۔ گنجِ سربستہ۔ڈاکٹر ایس۔ایم شکیل ص۶۰
۲۶۔ سلکِ گہر۔جاوید انصاری ص۱۰
۲۷۔ سہ ماہی رسالہ اُردو ''تذکرۂ شعرائے برہانپور''۔انجمن ترقی اُردو ہند اکتوبر ۱۹۳۱ء، افتخار احمد خلیل ص۶۸۴
۲۸۔ خاندیش میں اُردو شاعری کی روایت ص۹۲
۲۹۔ ایضاً۔ص۹۵
۳۰۔ ایضاً۔ص۹۶
۳۱۔ کلام حسن۔مولانا ابوالحسن فیض پوری ص۱۵
۳۲۔ گلدستۂ سخن۔مصطفےٰ آباد۔متعدد مشاعروں کی روداد ص۹
۳۳۔ تذکرۂ شعرائے خاندیش۔ایم رفیق ص۱۴
۳۴۔ ریاضِ نورس۔اطہرؔ جلگانوی ص۱۱
۳۵۔ خاندیش کی ادبی تاریخ۔اکبر رحمانی ص۸۵
۳۶۔ سوزِ دل۔عبدالعزیز انصاری ص۲۸
۳۷۔ تبرکاتِ حافظ۔حافظ دھولیوی ص۲۸
۳۸۔ مشرقی خاندیش کے اہم شعراء...... تحقیقی مقالہ (غیر مطبوعہ) سلیم انصاری ص۴۷۶
۳۹۔ چراغِ ایمان۔ایمان بیاولی ص۲
۴۰۔ جلوۂ زار۔موسیٰ کلیم کریمی دھولیوی۔ص۲۵
۴۱۔ سوزِ دل ص۹
۴۲۔ تفکراتِ ماہرؔ۔ماہرؔ دھولیوی ص۱۲
۴۳۔ اُردو کے بے لوث سپاہی۔ڈاکٹر عبدالکریم سالار ص۲۰۷
۴۴۔ کلام عارف۔عارف رسولپوری ص۳۲
۴۵۔ مضرابِ دل ص۱۲
۴۶۔ اُردو کے بے لوث سپاہی ص۲۷

۴۷۔ گلِ خنداں۔محشر مصطفیٰ آبادی ص۱۰
۴۸۔ متاعِ ہنر۔ص۶
۴۹۔ بادۂ اطہر ص۳۶
۵۰۔ خاکِ آرزو ص۱۱
۵۱۔ کرب احساس ص۲۶
۵۲۔ لمعات انجم۔ص۲۷
۵۳۔ رقصِ صہبا ص۷۵
۵۴۔ سوزِ دل ص۵۳
۵۵۔ نئی بہار ص۲۶
۵۶۔ کربِ احساس ص۱۲
۵۷۔ گنبد کی صدائیں ص۶
۵۸۔ زخموں کے گلاب ص۱۳
۵۹۔ پاش پاس ص۱۷
۶۰۔ سوزِ دل ص۵۴
۶۱۔ فسونِ سخن ص۲۸
۶۲۔ سخنورانِ جلگاؤں۔ڈاکٹر شفیق ناظم ص۴۰
۶۳۔ گلِ خنداں ص۱۰۲
۶۴۔ تھوڑا سا آسماں زمیں پر ص۴۳
۶۵۔ بدن نثراد قبا ص۱۲
۶۶۔ کل کائنات ص۲۲
۶۷۔ حدیقۂ نعت ص۵۶
۶۸۔ سہ ماہی رسالہ صحیفۂ محبت، بھوساول جلد ۱ شمارہ ۲ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۹
۶۹۔ پاسنگ ص۱۳
۷۰۔ خوشبو کا بدن ص۲۲
۷۱۔ پیوند لگے خواب ص۲۲

☆☆☆

علامہ اقبال اعظمی (گھوسی، مئو)

حفیظؔ جالندھری اور شاہنامۂ اسلام

حفیظؔ جالندھری کی پیدائش صوبہ پنجاب کے شہر جالندھر میں ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ تقسیم ہند سے پہلے آپ جالندھر میں رہے۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور میں سکونت اختیار کی۔ آپ رسالہ ''مخزن لاہور'' کے ایڈیٹر تھے۔ آپ کی نظموں اور غزلوں پر مشتمل متعدد مجموعۂ کلام شائع ہو چکے ہیں۔ جیسے نغمۂ زار، سوز وساز، تلخابۂ شیریں اور شاہنامۂ اسلام وغیرہ۔

۲۴ برس کی عمر میں ۱۹۲۴ء میں آپ نے شاہنامۂ اسلام لکھنا شروع کیا، جس کی پہلی جلد ۱۹۲۹ء میں منظر عام پر آئی۔ دوسری ۱۹۳۳ء میں، تیسری ۱۹۳۵ء اور چوتھی جلد ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔ اس طرح چاروں جلد کی تکمیل میں ۱۴ برس لگے۔

مذہبی شاعری کو اردو ادب سے الگ کر کے دیکھنے والے ادیبوں اور ناقدین نے حفیظؔ کے شاہنامۂ اسلام کو قابل اعتنا نہ سمجھا۔ وہ فحش، عریاں، مخرب اخلاق افسانوں، نظموں اور غزلوں کو ادب مانتے ہیں، جن کی افادیت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں۔ ایسے لٹریچر کو ادب کہنا بے ادبی ہے۔ ایسی منثور و منظوم نگارشات ضرور ادب ہیں جن میں حیات آفرینی، عصری مسائل، آواز حق، ظلم اور ظالموں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ موجود ہو۔ لیکن ان کی افادیت بھی صرف دنیوی ہے، اخروی نہیں۔ جیسا کہ ظلم کے خلاف ایک ایرانی شاعر کہتا ہے۔ ؎

جہاں سیاہ ز ظلم و ستم نہ خواہد ماند بروئے برف نشان قدم نہ خواہد ماند
دنیا ظلم و ستم سے سیاہ نہ رہے گی برف کے اوپر نشان قدم نہ رہے گا

اصل ادب تو وہی ہے جس کی افادیت دنیا اور آخرت دونوں میں ہو۔

انگریزی ادب میں جان ملٹن کی تخلیق "Paradise Lost" ، ہندی ساہتیہ میں جے شنکر پرساد کی تخلیق ''کامائنی'' اور اردو ادب میں حفیظؔ جالندھری کی تخلیق "شاہنامۂ اسلام" طویل نظمیں

(Epic Poems) مہا کاویہ ہیں۔

حفیظؔ نے جب اپنی اسلامی نظموں کے مجموعے کا نام شاہنامۂ اسلام رکھا تو کچھ نام نہاد (Socalled) ادیبوں کے ابروتن گئے۔ جیسا کہ رسالہ ''مخزن'' کے مالک بیرسٹر سر عبدالقادر بار ایٹ لا نے شاہنامۂ اسلام جلد اوّل کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

جب سے شاہنامۂ اسلام کے چھپنے کا اعلان ہوا ہے، میں نے کئی لوگوں کو اس نام پر اعتراض کرتے ہوئے سنا ہے کہ فردوسی سے برابری کا دعویٰ اسی سے نکلتا ہے۔

فردوسی نے فارسی میں حق شاعری ادا کیا اور حفیظؔ اردو میں طبع آزمائی کر رہا ہے۔ اگر اردو دانوں کو اپنی زبان میں ایسی کتاب ملے جو بہادران و رہبران اسلام کی یاد کو اس طرح تازہ کر دے جس طرح فردوسی نے غیر معروف پہلوانوں اور آتش پرست بادشاہوں کی بھولی ہوئی کہانیوں کو تازہ کر دیا تھا تو اردو ادب یقیناً عرصۂ دراز تک حفیظؔ کا شرمندۂ احسان رہے گا۔

فردوسی نے شاہنامہ لکھا اس حوصلہ پر کہ بادشاہ وقت سلطان محمود غزنوی اسے بیش قرار انعام دے گا۔ اس تحریص کے بغیر شاید اتنا بڑا کام انجام نہ پاتا۔ حفیظؔ ایسے زمانہ میں پیدا ہوا ہے کہ اس کے لئے اس کی قدرداں اردو داں پبلک ہی محمود بن سکتی ہے۔

(تقریب شاہنامۂ اسلام جلد اوّل، ص:۹)

اب حفیظؔ کی تمہید بھی ملاحظہ فرمالیں۔ (جلد اوّل، ص:۱۸)

کیا فردوسیؔ مرحوم نے ایران کو زندہ — خدا توفیق دے تو میں کروں ایمان کو زندہ
عجم کا شاہنامہ بس وہ فردوسی کا حصہ تھا — تخیل ہی کا ہنگامہ تھا یعنی ایک قصہ تھا
مگر اس کی زباں اس کا بیاں اعجاز ہے گویا — کہاں کی رستمی وہ خود ہی تیر انداز ہے گویا
تقابل کیا کروں دعویٰ یہ طاقت ہے کہاں میری — تخیل میرا ناقص نامکمل ہے زباں میری
زبان پہلوی کی ہم زبانی ہو نہیں سکتی — ابھی اردو میں پیدا وہ روانی ہو نہیں سکتی
نحیف و ناتواں بےعلم و بےمقدور ہستی ہوں — غم واندوہ جس میں بس رہے ہیں میں وہ بستی ہوں
بظاہر میں جو تصویر سخن میں رنگ بھرتا ہوں — کسی آواز کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں

(۱۸-۱۹)

حفیظؔ نے اپنی تحریر میں اپنی بے مائیگی کا ذکر کیا۔ خاکساری اور عاجزی کے ساتھ فردوسی کی سحر بیانی کا اعتراف کیا اور کہا کہ فردوسی سے میں تقابل کا دعویٰ کروں یہ طاقت میرے پاس نہیں ہے۔ حفیظؔ

نے ''شاہنامۂ اسلام'' لکھنے کا مقصد بھی بیان کر دیا کہ وہ اسلام کی تاریخ کو زندہ کرنا چاہتے ہیں۔

حفیظ کے محمود غزنوی:

حفیظ نے عالم خیال میں اردو کے باذوق قارئین کو غزنوی کے روپ میں دیکھا اور یوں گویا ہوئے:

عوام الناس میں ہنگامۂ احساس پیدا کر　　دلوں کو از سرِ نو حسن حریت پہ شیدا کر
اٹھے نام خدا جب بُت شکن بن کر قدم تیرا　　ہزاروں غزنوی پیدا کرے زور قلم تیرا
مسلمانوں کے دل میں شعلۂ غیرت کو بھڑکا دے　　نہیب رعد بن کر فکر کی غیرت کو دھڑکا دے
بتا دے اہل باطل کو کہ حق کا نام زندہ ہے　　وہی ایمان قائم ہے وہی اسلام زندہ ہے

(جلد اوّل، ص:۲۲)

حفیظ کو غزنوی مل گئے:- حفیظ صاحب رقم طراز ہیں:

حبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں نے، علماء نے، صوفیاء نے، امیر و غریب نے، خواص نے، عوام نے، سخنوروں نے، سخن فہموں نے میری کتاب کا اس خلوص اور قدردانی کے ساتھ خیر مقدم کیا کہ ایک ہی سال بعد نومبر ۱۹۳۰ء میں جلد اوّل کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا۔

خدا کا فضل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ آج میں اسی پہلی جلد کا چوتھا ایڈیشن شائع کر رہا ہوں۔ (جلد اوّل، ص-۱۴)

دوسری جلد کے لئے اہل شوق اس قدر بے تاب تھے کہ بعض احباب تو طعن آمیز شکووں پر اتر آئے۔ (جلد اوّل، ص-۱۵)

حفیظ کے مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں شاہنامۂ اسلام کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات تقریباً ۸۵ برس قبل کی ہے جب شاہنامۂ اسلام زیر تصنیف تھا۔ ۸۵ برس بعد بھی شاہنامۂ اسلام کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں شاہنامۂ اسلام یکساں طور پر مقبول ہے۔ اس کے متعدد اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔ شاہنامۂ اسلام کی بے پناہ مقبولیت نے دریائے غم کو عبور کرنے میں حفیظ کی مدد کی، جس کا ذکر انہوں نے شروع میں کیا تھا۔

نحیف و ناتواں بے علم و بے مقدور ہستی ہوں　　غم واندوہ جس میں بس رہے ہیں میں وہ بستی ہوں
کہاں ہے اب وہ دور غزنوی کی فارغ البالی　　غلامی نے دبا رکھی ہے میری ہمت عالی

(جلد اوّل، ص-۱۸)

فردوسی کا شاہنامہ اس زمانے کا ہے جب شعراء اور ادباء ادب برائے ادب کے قائل تھے۔

ادب برائے زندگی کا کوئی تصور نہ تھا۔فردوسی کے شاہنامہ کا مقام فارسی ادب میں بہت بلند ہے۔لیکن اس کی افادیت نہ دنیوی ہے نہ اخروی۔یہ تحریص انعام کے جذبے کے تحت لکھا گیا تھا۔ جب کہ حفیظؔ کے شاہنامۂ اسلام کی افادیت دنیوی بھی ہے اور اخروی بھی۔

حفیظؔ کا دور ترقی پسند ادب کا دور تھا، جس کا مقصد ادب برائے زندگی تھا۔اس وقت ملک غلام تھا۔اس وقت کے شعراء نے غلامی،ظلم واستبداد اور استحصال کے خلاف اپنے اشعار کے ذریعے آواز بلند کی۔حفیظؔ کے یہاں بھی اس طرح کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ ؎

وہی اسلام جس نے زیر دستوں کی حمایت کی　　وہی اسلام جس نے کاٹ دی جڑ ظلم و بدعت کی
وہی اسلام جس نے بادشاہی دی غلامی کو　　وہ اب بھی زندہ کرسکتا ہے اپنے کارناموں کو
(جلد اوّل،ص-۲۲)

غلامی کو سریر سلطنت پر جس نے بٹھلایا　　یتیموں کے سروں پر کردیا اقبال کا سایا
دلائے حق پرستوں کو حقوق زندگی جس نے　　کیا باطل کو غرق موجۂ شرمندگی جس نے
گداؤں کو شہنشاہی کے قابل کردیا جس نے　　غرور نسل کا افسون باطل کردیا جس نے
وہ جس نے تخت اوندھے کردیئے شاہانہ جابر کے　　بڑھائے مرتبے دنیا میں ہر انسان صابر کے
دلایا جس نے حق مزدور کو عالی تباری کا　　شکستہ کردیا ٹھوکر سے بت سرمایہ داری کا
(جلد اوّل،ص-۱۷)

حفیظؔ جالندھری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو آدم علیہ السلام کی پیشانی سے منتقل ہوتے ہوئے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی پیشانیوں سے ہوتے ہوئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں منتقل ہونے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت کے واقعات اشعار میں بیان کئے ہیں۔غزوۂ بدر واُحد کو بیان کرتے ہوئے چوتھی جلد جنگ خندق پر تمام ہوئی ہے۔اگرچہ یہ اسلام کی مکمل منظوم تاریخ نہیں ہے۔مگر چند نظموں (نغمۂ زنان قریش اور جھنڈے کا گیت) کو چھوڑ کر ہزاروں اشعار جو مثنوی کی ہیئت میں ایک ہی بحر (بحر ہزج مثمن سالم) پر کہے گئے ہیں۔جن میں شاعر کے جذبات کی لہروں کا تموج اور انداز بیان کی روانی قارئین کے دلوں میں جوش ایمانی پیدا کرتی ہے۔

پیشانیٔ آدم علیہ السلام میں نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ باری۔ ؎

نگاہ غور سے دیکھو ذرا آدم کی پیشانی　　نظر آتی نہیں کیا ایک خاص الخاص تابانی
یہی جلوہ ہے تخلیق جہاں کی علت غائی　　اسی کی روشنی ہے دیدۂ ہستی کی بینائی

یہی جلوہ ہے پہلے جس کو سجدہ کر چکے ہو تم — اسی جلوے سے دامان بصیرت بھر چکے ہو تم
ہوا ابلیس اسی کے سامنے جھکنے سے انکاری — یہی تھا امتیاز آدم کا جس سے جل گیا ناری
ملے ابلیس سے کتنی ہی قوت اہل ظلمت کو — بجھا سکتا ہے کوئی مشعل نور ہدایت کو
نشاں اسلام کا اللہ نے عالم میں رکھا ہے — کہ نور احمدی پیشانی آدم میں رکھا ہے

(جلداوّل،ص:۲۴-۲۵)

نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور دیگر انبیاء کی پیشانیوں میں۔ ؎

وہ نور احمدی جس سے شرف تھا روئے آدم کا — ہدایت کے لئے تاریکیوں میں پے بہ پے چمکا
جناب شیث کا روئے مبارک اس سے روشن تھا — یہی ادریس کی لوح جبیں پر جلوہ افگن تھا
اسی کے دم سے مرسل کا شرف تھا نوع انساں میں — یہی قبلہ نما تھا نوح کے بیڑے کا طوفاں میں

(جلداوّل،ص:۲۷)

شاہنامۂ اسلام میں عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کا استعمال ہوا ہے۔

عربی۔ ؎

مسلمانو! مگر اس راہ میں اللہ کافی ہے — جہاد فی سبیل اللہ میں اللہ کافی ہے
مقدر ہے اسی کو آخری پیغام دیں ہونا — مقدر ہے اسی کو رحمۃ للعالمیں ہونا

(جلداوّل،ص:۲۵)

کیا شیطان کو رسوا عدوئے جان و دیں کہہ کر — کیا سینوں کو روشن لا اُحِبُّ الآفلیں کہہ کر

(جلداوّل،ص:۲۷)

فارسی۔ ؎

طلسم کن سے حکم بزم ہست و بود ہو جانا — اشارے ہی سے موجودات کا موجود ہو جانا

(جلداوّل،ص:٦٨)

پدر کی یہ صدا سن کر پسر دوڑا ہوا آیا — رکا ہرگز نہ اسمٰعیل گو شیطاں نے بہکایا

(جلداوّل،ص:۳۳)

ہندی۔ ؎

قریشی ناریاں میدان میں گاتی ہوئی نکلیں — تھرکتی دف بجاتی ناز دکھلاتی ہوئی نکلیں

(جلدسوم،ص:٦۴)

اگرچہ حال اس بھونچال میں بے حال تھا ان کا اسی مقصد کی خاطر صبر و استقلال تھا ان کا
(جلد سوم، ص:۱۱۷)

شاہنامہ اسلام میں محاوروں کا بھی استعمال ہوا ہے۔

محاوروں کا استعمال۔

نہایت طیش کھایا دانت پیسے اہل مکّہ نے بالآخر جنگ کی ٹھانی نبی سے اہل مکّہ نے
ابوسفیاں نے چاہا آزمانا چاہئے اس کو یہ اچھا وقت ہے الّو بنانا چاہئے اس کو
خدا کے دوست اعدائے نبی سے اس قدر کم تھے کہ آٹے میں نمک تھے یا بروئے برگ شبنم تھے
رہو تیار ہو کر کیل کانٹے سے جواں مردو! بلائیں جب تمہیں جنگ آوروں سے دشت کو بھر دو

محمد صلی اللہ علیہ وسلم:-

شاہنامۂ اسلام کی جلد سوم میں ایک نعت ہے جس کا عنوان ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے''۔اس میں حفیظ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کئے ہیں۔

زباں پر اے خوشا صلّ علیٰ یہ کس کا نام آیا کہ میرے نام جبریل امیں لے کر سلام آیا
محمد جان عالم، فخر آدم، ہادیٔ اکرم امام الانبیاء، خیر البشر پیغمبر اعظم
محمد وہ جمال اولیں وہ پیکر نوری محمد کاشف سرّ ظہور و رمز مستوری
محمد احمد و حامد جسے خالق نے فرمایا ازل سے جس پہ قرباں ہے لواء الحمد کا سایا
محمد صاحب خلق عظیم و ناشر حکمت محمد مصدر فیض عمیم و شافع امت
(جلد سوم، ص:۳۵-۳۶)

ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم:-

شاہنامۂ اسلام کی جلد اوّل میں حفیظ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا ہے۔

ربیع الاوّل امیدوں کی دنیا ساتھ لے آیا دعاؤں کی قبولیت کو ہاتھوں ہاتھ لے آیا
خدا نے ناخدائی کی خود انسانی سفینے کی کہ رحمت بن کے چھائی بارہویں شب اس مہینے کی
جہاں میں جشن صبح عید کا سامان ہوتا تھا ادھر شیطان تنہا اپنی ناکامی پہ روتا تھا
نظر آئیں جو محکم فطرت کامل کی بنیادیں دھڑک کر زلزلہ سے ہل گئیں باطل کی بنیادیں
ستوں مکّہ میں قائم ہو گئے جب دین بیضا کے گرے غش کھا کے چودہ کنگرے ایوان کسریٰ کے

سر فاراں پہ لہرانے لگا جب نور کا جھنڈا ہوا اک آن میں فارس کا پھر آتش کدہ ٹھنڈا
(جلد اوّل، ص:۶۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی:-

شاہنامۂ اسلام حصہ دوم میں حفیظؔ نے ''نتیجۂ جنگ کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی'' کے عنوان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

لب معجز نما نے فتح و نصرت کی بشارت دی شہادت کے طلب گاروں کو جنت کی بشارت دی
بتایا دشمنان دین حق کا نام لے لے کر کے مٹ جائیں گے سب تیغ فنا کا جام لے لے کر
یہ شیبہ بن ربیعہ کا ہے یہ زمعہ کا مقتل ہے امیّہ کا یہ مدفن اور یہ عتبہ کا مقتل ہے
یہ لے جائیں گے حسرت ہی دل ناپاک کے اندر ابوجہل اس جگہ لوٹے گا خون وخاک کے اندر
(جلد دوم، ص:۲۸)

مندرجہ بالا اشعار حدیث پاک کی روشنی میں کہے گئے ہیں، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں صحابۂ کرام کو فتح ونصرت کا مژدہ سنایا تھا۔ عتبہ، شیبہ اور ابوجہل کے مقتل کی نشاندہی کی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد مسلمانوں نے دیکھا کہ مذکورہ کفار قریش انہیں مقامات پر مقتول ہو کر خاک وخون میں غلطاں ہیں جس کی نشاندہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے کی تھی۔

حبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی اصل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کا کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں، باپ، بھائی، بہن اور اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ حفیظؔ نے اس حدیث کی ترجمانی مندرجہ ذیل اشعار میں کی ہے۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی
محمد کی محبت آن ملّت، شان ملّت ہے محمد کی محبّت روحِ ملّت، جان ملّت ہے
محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا پدر، مادر، برادر، مال، جان اولاد سے پیارا
(حصہ دوم، ص:۵۵-۵۶)

مناظرِ فطرت:۔

جنگِ خندق میں کفار کی پسپائی کے بعد نورِ سحر اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ مدینے کی فضائے بسیط میں جلوہ بار ہو رہا تھا۔ ''مدینہ کی صبح'' کے عنوان سے حفیظ نے صبح کے دلکش مناظر کی منظر کشی مندرجہ ذیل اشعار میں کی ہے۔ یہ نظم شاہ نامۂ اسلام کی آخری نظم ہے۔

سحر کے وقت جب گونجی صدا اللہ اکبر کی تو باطل ہو چکی تھی ظلمتیں باطل کے لشکر کی
نہ آندھی ہی رواں تھی اور نہ قائم وہ اندھیرا تھا ہوائیں معتدل تھیں اور نورانی سویرا تھا
نسیمِ صبح کے آزاد جھونکے سرسراتے تھے طلوعِ مہر کا عالم تھا ذرّے مسکراتے تھے
نظارہ کا سہارا پالیا تھا مہرِ خاور نے محمد کا مدینہ چھالیا تھا فضلِ داور نے

(جلد چہارم، ص:۱۸۵)

رطب و یابس:۔

یہاں اہلِ رکوع آئیں یہاں اہلِ سجود آئیں

اس مصرعے میں لفظ ''رکوع'' کا ''ع'' گر رہا ہے۔

قیام ان کا رکوع ان کا سجود ان کا قعود ان کا

اس مصرعے میں لفظ ''رکوع'' کا ''ع'' گر رہا ہے۔

پڑی ضربِ معونہ اور افتادِ رجیع ان پر نظر آئی بظاہر تنگ دنیائے وسیع ان پر

لفظ ''رجیع'' اور ''وسیع'' کا ''ع'' گر رہا ہے۔

رجیع اک چشمہ تھا مابین مکّہ اور عسقاں کے

''رجیع'' کا ''ع'' گر رہا ہے۔

اٹھی اک روز آواز بلند اللہ اکبر کی سواری جانبِ یثرب چلی محبوبِ داور کی

(جلد اوّل، ص:۱۲۴)

لفظ ''یثرب'' کا استعمال ممنوع ہے۔ ''یثرب'' اور ''طیبہ'' دونوں ہم وزن الفاظ ہیں۔ دونوں کا وزن ''فِعْلُنْ'' ہے۔ لہٰذا ''یثرب'' کی جگہ ''طیبہ'' کا استعمال کیا جا سکتا تھا۔

نہ کثرت تھی نہ ساماں تھا وفا موجود تھا ان میں خدا تھا اور محمد مصطفیٰ موجود تھا ان میں

(جلد دوم، ص:۱۴۷)

خدا حافظ تھا اور مالک و مختار بھی ان کا محمد رہنما بھی تھا سپہ سالار بھی ان کا

(جلد دوم، ص:۱۴۵)

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں لفظ ''وفا'' کا استعمال مذکر کے طور پر ہوا ہے، جب کہ یہ مؤنث ہے۔ پہلے اور دوسرے شعر میں ''خدا تھا'' اور ''محمد مصطفیٰ موجود تھا۔'' ''خدا حافظ بھی تھا'' اور ''محمد رہنما بھی تھا'' کہنا مناسب نہیں۔ خدا ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ خدا ہمیشہ سے حافظ ہے اور ہمیشہ حافظ رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعے کے وقت موجود تھے اور آج بھی اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی رہنما تھے اور آج بھی رہنما ہیں۔ ان کا ذکر ماضی کے صیغے کے ساتھ نہ کر کے حال کے صیغے کے ساتھ کرنا چاہئے۔

نظر آتے تھے لاتعداد شعلے دور سے ان کو یہ اندھے تھے اندھیرے میں عُذر تھا نور سے ان کو

مصرعِ ثانی میں لفظ ''عُذ ر'' جو ''فاع'' کے وزن پر ہے۔ ''عُذُ ر'' بروزن ''فَعَل'' استعمال ہوا ہے۔

کسی نے تیغ خونخوار اپنے پہلو میں دبایا تھا کوئی تیر اور کوئی سنگ قلاخن لے کے آیا تھا

پہلے مصرع میں ''تیغ'' کا استعمال مؤنث کی بجائے مذکر کے طور پر ہوا ہے۔

طمانیت کا عہد دائی لولاک نے باندھا کہ عمامہ علی کے سر پہ دست پاک نے باندھا

پہلے مصرعے میں ''لولاک'' کی جگہ ''صاحب لولاک'' ہونا چاہئے۔ دوسرے مصرعے میں لفظ ''عمامہ'' جس کا وزن ''فعولن'' ہے کی جگہ ''عمامہ'' کا استعمال ہوا ہے جس کا وزن ''مفعولن'' ہے۔

غرض اس عرق ریزی سے غرض اس جاں شناسی سے

اس مصرعے میں لفظ ''عَرَ ق'' کی ''ر'' کو ساکن ((عَرْ ق)) استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی بروزن فاع، جب کہ لفظ عَرَ ق (رَ متحرک) بروز ''فعل'' ہے۔

زبان وحی پر اک پاک آیہ جس گھڑی آیا صحابہ سے مخاطب ہو کے حضرت نے یہ فرمایا
(جلد سوم، ص:۱۴۰)

لفظ ''آیہ'' مؤنث کو مذکر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

نہ سسکی ہائے کی گونجی نہ شعلہ آہ کا نکلا زباں سے ایک ہی نعرہ فُزتُ واللہ کا نکلا
(جلد چہارم، ص:۶۲)

مصرعے ثانی میں ''فُزَ تُ'' پڑھنے پر وزن صحیح ہو رہا ہے۔ جب کہ ''فُزْ تُ'' (میں کامیاب ہوا) ہونا چاہئے۔

یہ فرما کر قدم آگے بڑھائے جانب دشمن رفیقوں ہی کو سب کچھ دے چکے تھے ہادیٔ محسن
خبیب و زید دونوں مسکرائے یہ خبر سن کر خبیب اس طرح بولے اے اذیت کوش اے کافر

پہلے شعر میں ''دشمن'' کا قافیہ ''محسن'' نہیں ہوسکتا۔ حروف ''دخیل'' ''م'' اور ''س'' کی حرکتیں مختلف ہیں، جس کی وجہ سے اختلاف اشباع پیدا ہو گیا ہے۔ جو جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے شعر میں ''سن کر'' کا قافیہ ''کافر'' نہیں ہوسکتا۔ اس میں بھی اختلاف اشباع ہے۔

وہاں اللہ والے منتظر تھے اپنے قاصد کے   خبر کیا تھی امنڈنے والے ہیں طوفاں مقاصد کے
قسم کھائی ہے ہم دونوں نے اس کے قتل کرنے کی   کہ اس سے بڑھ کے ہوسکتی نہیں اب عمر بھر نیکی
اسی عالم میں گھوڑے پر ابی ابن خلف نکلا   نبی سے جنگ کرنے کی طلب میں نا خلف نکلا

پہلے شعر میں ''قاصد'' کا قافیہ ''مقاصد'' دوسرے شعر میں ''کرنے کی'' کا قافیہ ''بھرنے کی'' اور تیسرے شعر میں ''خلف'' کا قافیہ ''ناخلف'' استعمال ہوا ہے۔ پہلے شعر میں ایطائے خفی، دوسرے اور تیسرے شعر میں ایطائے جلی ہے۔

فرشتے غرق حیرت تھے ادھر فرشی ادھر عرشی   نظر آتا تھا لوہے کا سمندر لشکر قرشی

فرشتوں کو ''غرق حیرت'' بتانا مناسب نہیں ہے۔

وہی ناری فرشتہ راندۂ دربار سرکاری   ازل میں جو ہوا تھا سجدۂ آدم سے انکاری
(جلد سوم، ص: ۱۵۵)

ابلیس فرشتہ نہ تھا، جن تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ۔ (پارہ: ۱۵۔ سورہ الکھف، آیت: ۴۹)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ قوم جن سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا۔ (کنزالایمان)

پیام زندگانی زندگانی کو سناتے تھے   اجل پر حملہ کرنے کو مسیحا بن کے جاتے تھے

''اجل پر حملہ کرنے'' کی بات کہنا صحیح نہیں ہے۔ اگر اس سے مراد موت کو ٹالنا ہے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا۔ (پارہ: ۲۸، المنافقون، آیت: ۱۱)

ترجمہ: اور ہرگز اللہ کسی جان کو مہلت نہ دے گا جب اس کا وعدہ آجائے۔ (کنزالایمان)

وہ چادر کا بچھانا اس پہ رکھنا سنگ اسود کا   یہ زندہ معجزہ قبل نبوت تھا محمد کا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی تھے۔ حدیث شریف میں ہے:

عن العرباض بن سارية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال: انی عندالله مکتوب خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینته۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب فضیلت سیدالمرسلین،ص:۵۱۳)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کے نزدیک خاتم النّبیین تھا اور آدم اپنے آب وگل میں پڑے تھے۔

دکھائے تھے بہت کچھ آریوں نے گیان کے جلوے
بہت چمکے تھے رام اور کرشن سے ایمان کے جلوے
یہ ہادی تھے مگر ان کو خدا کہنے لگے ہندو
نر و مادہ کو دیوی دیوتا کہنے لگے ہندو

(جلداوّل،ص:۴۹-۵۰)

رام اور کرشن کو ''ہادی'' کہنا اور یہ کہنا کہ ''ان سے ایمان کے جلوے چمکے تھے'' غلط ہے۔

اختتام:-

ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن (قاہرہ) اپنے مضمون بعنوان ''عربی اور اردو زبان میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم''، میں رقمطراز ہیں:

حفیظ جالندھری نے ''شاہنامۂ اسلام'' کے نام سے اپنی مشہور رزمیہ داستان لکھی۔ اس کے بعد منظور حسین جیسے دیگر شعراء نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ''جنگ نامۂ اسلام'' کے نام سے ایک نظم لکھی جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی　سلام اے فخر موجوداتِ فخر نوع انسانی
سلام اے ظلّ رحمانی سلام اے نور یزدانی　ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح بیشانی

(دبستان نعت شمارہ۴،ص:۲۷۷)

شاہنامۂ اسلام جدید ایڈیشن مکمل جلد اوّل صفحہ ۱ے پر سلام کے عنوان سے ایک نعتیہ نظم ہے۔ اس میں کل بارہ اشعار ہیں مندرجہ بالا اشعار اس نظم میں شامل ہیں۔ یہ سلام برصغیر ہندو پاک کے عوام و خواص میں بے حد مقبول ہے۔ میں اپنے مضمون کا اختتام اسی سلام پر کرتا ہوں۔

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوب سبحانی　سلام اے فخر موجودات، فخر نوع انسانی
سلام اے ظلّ رحمانی، سلام اے نور یزدانی　ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی

سلام اے سرِ وحدت، اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزّت افزائی، زہے تشریف ارزانی

ترے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حال قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربّانی

سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم، انساں کو سکھلا دے
یہی اعمالِ پاکیزہ، یہی اشغالِ روحانی

تری صورت، تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

اگر فقر و فخری رُتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فترِ کسرائی و خاقانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہوچکی اجزائے ہستی کی پریشانی

زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہوجائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی

حفیظؔ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروّت سے ہے نورانی

☆☆☆

قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری (فتح پور، راجستھان)

نعت گوئی اور مدافعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نعت نبی کی ،لغوی و اصطلاحی تعریف کی رو سے گر چہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے سے ''منظوم'' کلام پر ہی ''نعت'''' کا اطلاق کیا جاتا ہے۔مگر موضوعات نعت۔متعدد و بے حساب ہیں جن پر نعت گو فضلا روشنی ڈالتے رہتے ہیں اور نعت کے لغوی و اصطلاحی معنوں پر بھی سیر حاصل گفتگو ہوتی رہتی ہے۔لفظیات نعت کی بحثیں بھی بصارت و بصیرت میں اضافہ کرتی رہتی ہیں اور یہ سب کیوں نہ ہو۔کہ جس ذات بابرکات کی تخلیق ہی اس لئے ہوئی کہ اس کی تعریف کی جائے۔جس ذات کریم کا نام ہی محمد ہو، (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جس ذاتِ اقدس کے خلق کو خالقِ کائنات نے ''عظیم'' کہا ہو، جس ذاتِ مقدس کو کائنات میں ''اسوۂ حسنہ'' کی مثال بنا کر مبعوث کیا گیا ہو، جس ذاتِ رؤف رحیم کا یہ اعلان ہو۔"**انّما بعثت لأتمه مکارم الاخلاق**"اور جس ذات والاصفات میں عیب و نقص ڈھونڈنے سے بھی نہ پائے جائیں تو حقیقت یہ ہے کہ اس ذات کریم کے حوالے سے کی جانے والی ہر بات پر ہی لفظ ''نعت'' کا اطلاق ہوگا۔خواہ پھر نعت کے معنی وصف و خوبی بیان کرنا کہے جائیں۔یا تعریف کرنا۔کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے سے کی جانے والی ہر بات پر لفظ ''نعت'' احاطہ کئے ہوئے ہے۔

کہنا یہ ہے کہ گرچہ نعت کے حوالے سے نعت کی اکثر جہات و زاویوں پر، پڑھنے سننے کو ملا ہے مگر نعت کا ایک موضوع ایسا بھی ہے جو ہے تو بہت اہم و عظیم۔مگر اس پر پڑھنے سننے کو بہت کم ملا ہے وہ ہے۔

مدافعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

یہ ایسا موضوع ہے جس پر قرآن کریم بھی روشنی ڈال رہا ہے اور سنت و آثار صحابہ سے بھی بڑی مؤثر و واضح دلیلیں مل رہی ہیں۔ان دلائل و براہین کی روشنی میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر لکھنا پڑھنا، کہنا سننا، سنتِ الٰہی بھی ہے، سنت رسول بھی، اور سنت صحابہ بھی۔اس کے باوجود نعت نبوی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس موضوع پر بہت کم لکھا اور بہت کم کہا گیا ہے۔ جب کہ اس موضوع کو ایک مستقل موضوع کے طور پر لیا جانا چاہئے۔ کیونکہ موضوعاتِ نعت میں مدافعتِ رسول ایسا موضوع ہے جسے شعراء صحابہ سے تا حال شعراء نے اشعار کے ذریعے، خطباء و واعظین نے زبان کے ذریعے اور نمازیوں و شہیدوں نے اپنے خونِ جگر کے ذریعے بیان کیا ہے۔

اس کے باوجود نعت کی یہ جہت اور یہ موضوع عام نہیں ہوا۔

صحابہ و تابعین کے بعد کے ادوار میں۔ جس طرح شریعت محمدی پر اغیار حملے کرتے رہے ہیں اسی طرح۔ صاحبِ شریعت کی ذاتِ اقدس پر بھی اغیار طرح طرح سے حملے کرتے رہے ہیں۔ شریعت پر کئے گئے حملوں کو سمجھنے، اوران کے دفع و جواب کے لئے ہر زمانے میں ماہرینِ شریعت علماء صف بستہ رہے ہیں اور صاحب شریعت کی ذاتِ اقدس پر کئے جانے والے حملوں کے دفع و جواب کے لئے ماہرینِ شریعت کے ساتھ غیر ماہرین بھی میدانوں میں کود پڑے اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے صاحب شریعت کی شان میں ہرزہ سرائی اور ہجو گوئی کرنے والوں سے عصمت رسالت کی پہریداری کی ہے لہٰذا اس موضوع کو بھی نعت شریف کا اہم و عظیم موضوع سمجھ کر اس کو بھی نعت کا مستقل موضوع بنا کر لکھا جانا چاہئے۔

مدافعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنت الٰہی ہے۔

نعت شریف کا موضوع۔ مدافعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عظیم و اہم اس لئے ہے کہ یہ سنت الٰہی ہے۔ وہ ایسے۔ کہ جب بھی کفار و مشرکین یا یہود و نصاریٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں غیر واقعی بات کہنے کی غرض سے زبان درازی کر کے آپ کو ٹھیس پہنچائی اور آپ کی دل آزاری کی۔ تو آپ مغموم و محزون تو ہوئے مگر ان کو جواب نہیں دیا، اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا تو آپ کو مغموم و محزون دیکھ کر غیرت الٰہی جوش میں آئی اور انہیں ایسے مسکت جواب دیئے کہ ان کی پشتیں تک ادھیڑ کر رکھ دیں۔ چنانچہ جب کفار نے نعوذ باللہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجنون کہا۔ "وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ۔" (الحجر:6) کفار کہتے ہیں۔ ''اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل ہوا تو تو مجنون ہے۔''

کتب تفسیر سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ گرچہ اس قول میں تمام کفار و مشرکین سا جھی تھے مگر ان کے سربراہ و سرخیل تین لوگ تھے۔ (1) ولید بن مغیرہ۔ (2) اسود بن یغوث۔ (3) اخنس بن شریق۔ اور ان تینوں میں بھی ولید بن مغیرہ پیش پیش تھا۔ لہٰذا عام مشرکین کی عموماً اور ولید بن مغیرہ کی خصوصاً

صفات رذیلہ بیان فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی خدمت فرماتے ہوئے اولاً ان کے الزام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا۔ ثانیاً صاحب اسوۂ حسنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدافعت فرمائی۔ ثالثاً آپ کے اوصاف واخلاق پر مفاخرت فرمائی۔ رابعاً مشرکین اوران کے سرخیل ولید بن مغیرہ کی صفاتِ رذیلہ بیان فرما کر مذمت فرمائی۔

نٓ۔ والقلم و ما یسطرون۔ قسم ہے قلم کی اوراس سے لکھی ہوئی عبارت کی۔

ما انت بنعمة ربك بمجنون۔ اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہو۔

و ان لك لاجراً غیر ممنون۔ اور بے شک تمہارے لئے وہ اجر ہے جس کی انتہا نہ ہوگی۔

و انك لعلیٰ خلق عظیم۔ اور بے شک تم اخلاق کی عظیم بلندی پر ہو۔

چونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجنون کہنے والے قسمیں کھا کر اپنی بات میں وزن پیدا کرتے تھے تو جواباً اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی یعنی بات کی ابتداء قسم کھا کر فرمائی۔ پھر ان کی رد اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دلجوئی فرماتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے لئے ایسا اجر عظیم ہے جس کی انتہا نہ ہوگی اور فرمایا۔ آپ کو مجنون کہنے والے خود مجنون ہیں۔ یہ کوردیدہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ آپ اخلاق کی کتنی بلندی پر ہیں، اور فرمایا۔

فستبصر ویبصرون بایکم المفتون۔ تو عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور یہ (کافر بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔

ولا تطع کل حلاف مهین۔ اور کسی ایسے کی بات نہ ماننا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل ہو۔

هماز مشاء بنمیم۔ (وہ) طعن آمیز اشارے اور چغلیاں کرتے پھرنے والا ہے۔

مناع للخیر معتد اثیم۔ (وہ) بھلائی سے روکنے والا اور حد سے بڑھنے والا گنہگار ہے۔

متل بعد ذلك زنیم۔ (وہ) بدمزاج اور بداصل (یعنی والد الزنا) ہے۔

ان کان ذا مال و بنین۔ (اور وہ بدمزاج اس لئے ہے کہ) وہ مال واولاد والا ہے۔

ولید بن مغیرہ اوراس کے ساتھیوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مجنون ہونے کا بہتان باندھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دس عیوب گنوا کر اسے جواب دیا۔ اسے (1) بہت قسمیں کھانے والا۔ (2) جھوٹا۔ (3) ذلیل۔ (4) طعنے دینے والا۔ (5) چغل خور۔ (6) بھلائی سے روکنے والا۔ (7) حد سے بڑھنے والا۔ (8) گناہ کرتے رہنے والا۔ (9) بدمزاج۔ (10) بداصل یعنی حرام کی اولاد کہا۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

یہ ہے لعنت الٰہیہ۔ کہ جس کسی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر زبان درازی کر کے دل شکنی کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں واقع بری خصلتوں کے ذکر کے ساتھ اس کا رد فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر" **فاصدع بما تؤمر** " تو تمہیں جو (تبلیغ دین کا) حکم دیا گیا ہے وہ اعلانیہ بیان کرو۔ اور" **وانذر عشيرتك الاقربين** " نازل ہوئی۔ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو (بت پرستی سے) اللہ کا خوف دلاؤ۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے لئے رشتہ داروں کو جمع فرمایا اور انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیغام حق سنایا تو بخاری شریف تفسیر زیرِ آیت میں ہے کہ ملعون ابولہب نے کہا۔

ألهٰذا جمعتنا تبًّا لك. کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا ہے تیری ہلاکت ہو! **فانزل الله تبت يدا ابى لهب و تب الىٰ آخرها.** تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تبت یدا ابی لہب وتب پوری سورت نازل فرمائی۔

تَبَّتۡ يَدَا أَبِیۡ لَهَبٍ وَتَبَّ. مَا أَغۡنَى عَنۡهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ. سَيَصۡلَى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ. وَامۡرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ. فِیۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّن مَّسَدٍ.

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔ نہ اس کا مال اس کے کام آئے گا اور نہ وہ جو اس نے کمایا۔ وہ جلد ہی ایسی آگ میں پہنچے گا جو بھڑک رہی ہوگی اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے۔ اس کے گلے میں رسّی ہوگی جس سے وہ لکڑیاں باندھتی ہے۔

واضح ہو کہ ملعون ابولہب نے صرف ایک بات بھی کہی تھی کہ ''تیری ہلاکت ہو۔''

جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنی ذلت و رسوائی اس کا مقدر فرما دی کہ قیامت تک قرآن پڑھنے والے یہ سورت پڑھ پڑھ کر اس کی اور اس کی بیوی کی بدبختی کا اعلان کرتے رہیں گے۔ اور اس کی ایک بات کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے گیارہ سزائیں اس کا مقدر فرما دیں۔ (1) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں۔ (2) وہ ہلاک ہو۔ (3) اس کا مال اسے بچا نہیں سکے گا۔ (4) نہ وہ بچا سکے گا جو اس نے کمایا یعنی اس کی اولاد۔ (5) وہ جلد ہی آگ میں جائے گا۔ (6) وہ آگ بھی عادی آگ نہ ہوگی بلکہ بھڑکتی ہوگی۔ (7) اس کی بیوی بھی اس آگ میں جائے گی۔ (8) اس کی بیوی حمالہ ہے یعنی بوجھ ڈھونے والی۔ (9) اس کی بیوی لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے۔ (10) اس کی بیوی کی گردن میں رسّی کا پھندہ ڈالا جائے گا۔ (11) اسی رسّی کا پھندہ جس سے وہ لکڑیاں باندھتی ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی محیط نے کہا۔ محمد ''ابتر'' بے نسل ہو گیا۔ اب آگے اس کی نسل نہیں چلے گی اور یہ بے نشان رہے گا۔ یہ باتیں سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے تو حمیت خداوندی جوش میں آئی اور سورہ کوثر نازل فرما کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تصلی، اور ان کو دندان شکن مکست جواب دیا۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔

اے نبی۔ (ان کی باتوں کا غم نہ کرو) بے شک ہم نے تمہیں کوثر عطا فرمادی۔ تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بےشکر آپ کا مخالف ہی بے نشان رہے گا۔

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا'' ''پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

قرآنِ مقدس ایسے نظائر سے مملو ہے کہ جب بھی کبھی، اور جس کسی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں زبان درازی کر کے آپ کی دل آزاری اور دل شکنی کی کوشش کی تو خود رب کائنات نے ان کے پوشیدہ اور واقعی عیوب گنوا کر انہیں مسکت جواب دیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی دی۔

مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ نے بھی جب کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیش فرمودہ شریعت، یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت یا اصحاب کے حوالے سے، یا کسی اور وجہ سے زبانِ دراز کرنے کی کوشش کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں خود جواب دے کر۔ یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے اپنا جواب دلوا کر انہیں خاموش کیا اور ساتھ میں امت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اصول اور یہ سنت بھی بتادی کہ صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ہی نعت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدافعت بھی نعت ہے اور موضوعات نعت میں سے اہم و عظیم موضوع ہے۔ لہٰذا اس موضوع کو فراموش نہ کیا جائے اور نہ ہی اس موضوع سے درگزر کی جائے۔ چنانچہ اس موضوع کو سنتِ الٰہی سمجھ کر اس پر عمل فرماتے ہوئے صحابہ کرام نے بھی اسے نعت کا اہم موضوع سمجھا اور نعت رسول میں مدحت و مفاخرت کے ساتھ گستاخانِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدافعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر کلہ بکلہ جواب دے کر نعت شریف کے اس اہم موضوع کا سنت الٰہیہ ہونے کے ساتھ سنت صحابہ ہونے کا بھی پیغام دیا۔

موضوعاتِ نعت میں مدافعت رسول اور تعامل صحابہ۔

مدحت و مفاخرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو صحابہ کرام کی سانسوں سے وابستہ تھی ہی

مدافعت رسول بھی ان کے نزدیک نعت نبی کا حصہ تھی۔ان کی تلواروں کے ساتھ ان کی زبانیں اور ان کے اشعار بھی دشمنانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے کاری زخم لگاتے جن کے لئے کوئی مرہم کارگر نہ ہوتا اور دشمنان رسول تا عمر ان زخموں کو چاٹتے رہتے۔ مدافعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے ہی حسان بن ثابت شاعرِ رسول۔شاعر دربار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سند کے حامل ہوئے۔ جب بھی کسی نے اشعار میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو کی تو اس کا جواب اکثر و بیشتر حضرت حسان بن ثابت نے دیا اور نتیجے میں زبان رسالت سے اس طرح شاباشی لی۔"**اللھم ابده بروح القدس**" اے اللہ تو روح القدس کے ذریعے حسان کی مدد فرما اور حضرت حسان کی ان الفاظ میں حوصلہ افزائی فرمائی۔"**أصبح المشكرين فان جبريل معك**" اے حسان۔مشرکین کی ہجو کہو بے شک جبرئیل بھی تمہارے ساتھ ہے۔ایک مرتبہ آقا کریم نے حضرت حسان کو اس طرح صحت وسلامتی کی دعا اور شاباشی دی۔"**هجا هم حسان فشفى واستشفى**" حسان نے مشرکین کی ہجو کرکے شفا دی اور شفا پائی۔حالانکہ عام صحابہ اور قیامت تک کے مومنین کے لئے بھی یہ ارشاد ہے۔"**ان المؤمن تجاهد بسيفه و لسانه والذى نفس بيده لكأنما ترمونهم به نضح النيل**" بے شک مومن اپنی تلوار اور زبان، دونوں سے جہاد کرتا ہے۔اور اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اشعار سے تم ان پر یوں حملے کرتے ہو جیسے شیروں کی بوچھار۔''

گرچہ پوری امت کے لئے مدافعت رسول کا حکم عام ہے اور صحابہ کے بھی اس پر نظائر موجود ہیں مگر حسان بن ثابت کے لئے کہا جاسکتا ہے ''لیکن تو چیزے دیگری'' چنانچہ ہجو کا جواب اکثر حسان بن ثابت ہی دیتے حتیٰ کہ بعض مواقع پر منبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر رونق افروز ہوکر ہجو کا جواب دینے کا بھی انہیں شرف حاصل ہے۔آپ ہجو کا جواب بڑی متانت سے دیتے، زبان کی سلاست وروانی اور پاکیزگی کا بھی خیال رکھتے اور جوابی کارروائی میں لہجے کی دھار اور کاٹ کو بھی کند نہیں ہونے دیتے جب ابوسفیان اور مغیرہ بن الوارث بن عبدالمطلب کی طرف سے بارگاہِ رسالت میں کی گئی ہجو اور گستاخی کے اشعار سیدنا حسان کے سامنے آئے تو آپ نے انہیں اس طرح جواب دیا۔

ألا أبلغ ابا سفيان منى انت مجوف نخب الهوا۔ ابوسفیان تک میری بات پہنچادو کہ تو اپنے منھ سے صرف گندی ہوا خارج کرتا ہے۔

هجوت محمداً فأجبت عنه و عندالله ذاك الجزاء۔ تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی اب میں اس کا جواب دیتا ہوں اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

ان اشعار کے مفہوم کو کسی نے اردو میں یوں منظوم کیا ہے۔

لناكل يوم من معد : قبیلۂ معاد سے لڑنا تری سعادت ہے۔
سباب أو قتال أو هجاء : لڑائی اور مدح وزم میں بھی ہم کو مہارت ہے۔
فنحكم بالقوافى من هجانا : زبانی جنگ میں شعر وقوافی خوب کہتے ہیں۔
ونصرب حين تخلط الدماء : لڑائی بھی لڑتے ہیں لہو دشمن کے بہتے ہیں۔
أتهجوه لست له بكفاء : کہاں رفعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کہاں تیری حقیقت ہے۔
نشركا لخير كما الفداء : شرارت ہی شرارت بس تری بے چین فطرت ہے۔

یہ شعر ابوسفیان اور مغیرہ بن الحارث بن عبدالمطلب کی طرف خطاب ہے کہ تم دونوں نے اس ذاتِ اقدس کی شان میں گستاخی کرنے کی جسارت کی ہے جس ذاتِ اقدس کی تم دونوں کسی صورت برابری نہیں کر سکتے تم دونوں کا یہ ایسا گناہ ہے جس کے کفارے میں تمہاری ساری نیکیاں بھی کچھ نہیں۔

هجوت مباركاً برا حنيفا : مذمت کر رہا ہے تو شرافت کے مسیحا کی۔
امين الله شيمته الوفاء : امانت کے دیانت کے صداقت کے مسیحا کی۔
لسانى صارم لا عيب فيه : زباں رکھتا ہوں ایسی جس کو سب تلوار کہتے ہیں۔
وبحرى لا تكدره الدماء : میرے اشعار کو اہل جہاں ابحار کہتے ہیں۔

یہ اشعار پڑھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ گستاخان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبات واحساسات اور تیور کیا تھے؟ اور حضرت حسان کے جذبات کے پیش نظر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جذبات واحساسات اور ان کے تیور بھی بہ خوبی سمجھ میں آجاتے ہیں کہ ان کے نزدیک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت وتعریف ہی نعت کا موضوع اور مضمون نہیں بلکہ آپ کی حمایت ودفع بھی نعت کا موضوع اور مضمون تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار بھی دیکھئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ اور مدافعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم 6 ہجری میں احرام باندھے عمرہ کرنے 14 سو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مکہ شریف کی طرف روانہ ہوئے مگر مشرکین مکہ نے عمرہ نہیں کرنے دیا چنانچہ مقام حدیبیہ پر آئندہ سال عمرہ کرنے کے ساتھ دیگر کچھ شرائط طے کر کے صلح نامہ لکھوا کر اور وہیں قربانی کر کے احرام کھول دیا اور آئندہ سال عمرہ کرنے کی نیت سے لوٹ آئے۔

آئندہ سال قضائے عمرہ کی غرض سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدسیوں کے قافلے کے ساتھ مکہ شریف تشریف لے گئے تو دخول مکہ کے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کی مہار تھامے چل رہے تھے اوران کے قلب و ذہن میں مشرکین مکہ کے ہاتھوں پہنچی ہوئی اذیتیں اور تکلیفیں گردش کررہی تھیں۔ چونکہ آپ شاعر تھے اور فی البدیہہ شعر کہنے پر بھی مہارت رکھتے تھے۔ پچھلے سال عمرہ سے روکے جانے کا سانحہ بھی آپ کے دل دماغ میں شول کی طرح چبھ رہا تھا لہٰذا ان تمام امور وعوامل کے زیرِ اثر ردعمل کے طور پر آپ مہار تھامے یہ اشعار پڑھ کر مشرکین مکہ کو للکارتے ہوئے چل رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن بسبیله	اے کافروں کی اولادو۔ ہٹ جاؤ اللہ کے نبی کے راستے سے۔
خلوا فکل الخیر فی رسوله	ہٹ جاؤ کہ ساری بھلائیاں اللہ کے رسول میں ہیں۔
یا رب انی مومن بقیله	اے رب میں اپنے قول میں ایماندار ہوں۔
اعرف حق اللّٰه بقبوله	میں نے اللہ کا حق جانا اور اسے قبول کیا۔
قد أنزل الرحمن فی تنزیله	بے شک رحمٰن نے اپنی نازل کردہ کتاب میں فرمایا۔
فی صحف تتلی علی رسوله	اس کتاب میں جو اس کے رسول پر تلاوت کے لئے نازل ہوئی۔
بان خیر القتل فی سبیله	کہ اللہ کی راہ میں مارا جانا سب سے بہتر موت ہے۔
الیوم نضر بکم علی تنزیله	اگر آج تم نے ہمیں مکہ میں اترنے سے روکا تو ہم تم پر وار کریں گے۔
ضربا یزیل الهام عن مقیله	ایسا وار۔ جو سر کو تن سے جدا کردے۔
ویزهل الخلیل عن خلیله	اور جو دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے۔

جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یہ اشعار پڑھ کر دشمن کو للکارتے ہوئے چل رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ''یا ابن رواحہ'' **حرم اللّٰه و بین یدی رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و تقول هذا الشعر؟** اے ابن رواحہ۔ اللہ کے حرم اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تم ایسے اشعار پڑھتے ہو؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''خل عنہ یا عمر'' **"فوالذی نفسی بیده لکلامه أشد من وقع النبل"** اے عمر۔ انہیں کہنے دو۔ کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ان کے اشعار مشرکین پر تیروں کی بوچھار سے بھی سخت ہیں۔

اس موقع کے علاوہ بھی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

مدافعت وحمایت میں ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔الاستیعاب میں امام محمد بن سیدین کا قول منقول ہے کہ مدافعت رسول میں تین اشخاص تمام صحابہ میں پیش پیش تھے۔(1) حسان بن ثابت۔(2) عبداللہ بن رواحہ۔(3) کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حمایت و مدافعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تمام صحابہ کا جذبہ وہی ہوتا تھا جو حضرت حسان نے بیان کیا ہے۔**فان ابی و والدہ و عرض۔ لعرض محمد منکم و قاء۔**

بے شک میرے باپ دادا کی اور میری عزتیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عصمت کے لئے ڈھال ہیں اور ایسے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرزِ عمل وہی ہوتا تھا جس کا ذکر قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔**محمد رسول اللّٰہ والذین معه اشداء علی الکفار**......محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں۔

گفتگوئے ماسبق سے یہ بات واضح ہے کہ محمد رسول اللہ کے ساتھی کفار پر سخت تو ہیں۔مگر صرف گفتگو پر جنہوں نے انہیں زمانۂ ماسبق میں ستایا اور ایذائیں دیں۔یا حالیاً انہیں تکلیف دیتے ہیں یا مستقبل میں انہیں تکلیف دینے کا ارادہ یا منصوبہ رکھتے ہیں۔ایذا رسانی لسانی ہو یا اور کسی طرح کی۔ ایسے لوگوں کے ساتھ شدت کرنا سنت الٰہیہ بھی ہے۔سنت رسول اور سنت صحابہ بھی۔اس اصول وکلیہ سے روگردانی کرنا شریعت سے روگردانی ہے۔اسی بات کی طرف فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے یہ کہہ کر توجہ دلائی ہے۔ ؎

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں چھیڑنا شیطان کا عادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے
کیجئے چرچا انہیں کا صبح و شام جان کافر پر قیامت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

نعت گو، اور نعت خواں شعرائے صحابہ سے لے کر امت کے تا حال نعت گو و نعت خوانوں کے زمرے میں انہیں بھی شامل کیا جانا چاہئے جنہوں نے نعت رسول کے اہم موضوع ''مدافعت رسول اور حمایت رسول پر روشنائی کے بجائے اپنے خون جگر سے اذ یتیں رقم کیں، اور دار ورسن پر جھوم جھوم کر نعت خوانی کی۔گرچہ ایسے نعت خوانوں کی فہرست بڑی طویل ہے مگر ان میں سے چند متبرک نام یہ ہیں۔ (1) مرد غازی خدابخش لاہوری۔ (2) مرد غازی عبدالعزیز افغانی۔ (3) غازی علم الدین

شہید۔ (4) غازی وشہید عامر عبدالرحمٰن ولد پروفیسر محمد نذیر چیمہ۔ (5) غازی وشہید ملک ممتاز حسین اعوان قادری رحمت اللہ علیہم اجمعین۔

غازی وشہید نعت خواں ملک ممتاز حسین اعوان قادری

آپ واقعتاً نعت خواں تھے دورانِ قید وبند صوم وصلاۃ کی پابندی کے ساتھ ساتھ آپ نے نعت خوانی بھی پابندی سے کی۔ آپ کی شہادت والی رات بھی آپ نعت خوانی کرتے رہے حتیٰ کے تختۂ دار پر اپنے ہاتھوں اپنے گلے میں پھندہ ڈالا اور بہ آوازِ بلند کلمۂ طیبہ پڑھنے کے ساتھ بلند آواز سے نعت خوانی بھی کی اور اسی حال میں بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے۔

آپ کی شہادت کی وجہ۔ 14 جنوری 2009 کو ایک مسیحی عورت آسیہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ بعد از تحقیقات اس کا یہ جرم ثابت ہونے پر 8 نومبر 2010 کو عدالت نے اسے ایک لاکھ روپے جرمانہ کے ساتھ بذریعہ پھانسی سزائے موت کا حکم سنایا۔ 20 نومبر 2010 کو اس وقت کا گورنر پنجاب ''سلمان تاثیر'' ملعون، پوپ وعیسائی کمیونٹی کی نمائندگی کرتے ہوئے شیخوپورہ جیل میں گستاخِ رسول کی مجرمہ آسیہ ملعونہ سے ملا اور اسے رہا کرانے کا وعدہ کیا۔ پھر اس نے ''تحفظ رسالت'' کو کالا قانون کہا آسیہ ملعونہ کو سنائی گئی سزا کو ''انسانیت کے خلاف بڑی ظالمانہ سزا'' کہا۔ ''میں علماء کو جوتی کی نوک پر رکھتا ہوں۔''

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

چونکہ ملک ممتاز حسین اعوان قادری رحمت اللہ علیہ گورنر پنجاب ''ملعون سلمان تاثیر'' کے محافظ دستے میں تھے لہٰذا اس کی یہ فرعونیت اور عیسائیت بہ چشم خود ملاحظہ فرما رہے تھے اور آپ ایک محبّ رسول دیندار شخص تھے تو آپ سے ملعون سلمان تاثیر کا یہ رویہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ آپ نے اس ملعون کو فہمائش کی کوشش کی تو اس نے آپ کو ایک معمولی محافظ سمجھ کر ڈانٹ دیا اور مزید فرعونیت کا مظاہرہ کیا۔ آپ سے پہلے ہی اس کی فرعونیت کے ہاتھوں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدر شریعت کی گستاخی برداشت نہیں ہو رہی تھی لہٰذا آپ نے ایک غیرت مند امتی اور غیرت مند مسلمان ہونے کے فریضے کی ادائیگی کے لئے اس ملعون سلمان تاثیر کو 4 جنوری 2011 کو بہ یک وقت 27 گولیاں ماریں اور وہ فرعون وہیں جہنم رسید ہو گیا۔ نعت گوئی کے اہم موضوع مدافعت رسول کا آپ نے اس طرح حق ادا کیا۔ اہل مغرب کی مرہون نیم تیتر نیم بٹیر حکومتِ پاکستان نے مردِ غازی نعت خواں کو ایک گورنر کے قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا سنائی جسے آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام شہادت

سمجھ کر بہ سرو چشم قبول کی۔ نہ آپ نے کسی سے سفارش کی نہ کروائی، نہ آپ نے حکومتِ پاکستان یا کسی اور حکومت سے رحم کی اپیل کی اور نہ کروائی۔ شہادت والی رات آپ کے اہل خانہ کو آخری ملاقات کے لئے لایا گیا تو آپ نے جھوم جھوم کر انہیں نعتیں سنائیں۔ اور 29 فروری 2016 صبح 4 بجے کلمۂ طیبہ اور نعرۂ تکبیر و رسالت بلند کرتے ہوئے بڑی شادمانی سے چلتے ہوئے تختۂ دار پر پہنچے اور منھ پر نقاب ڈالے بغیر پھانسی کا پھندہ خود اپنے ہاتھوں اپنے گلے میں ڈالا اور کلمۂ طیبہ و نعتِ مقدسہ پڑھتے اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ "**انا للہ و انا الیہ راجعون**۔"

خدا کی شان اس ملعون سلمان تاثیر گورنر پنجاب کی نمازِ جنازہ پڑھانے والے کے لالے پڑ گئے اور اس مرد غازی ملک ممتاز حسین اعوان قادری رحمت اللہ علیہ کی نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے پورا پاکستان امڈ آیا حتیٰ کہ بیرون ممالک سے بھی لوگ آپ کے جنازے میں شریک ہونے آئے۔

شہادت کے دوسرے دن یکم مارچ 2016 بروز منگل لیاقت آباد راولپنڈی میں مختلف مکاتب فکر کے لاکھوں لوگوں نے شیخ الحدیث سید حسین الدین شاہ صاحب کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی ایک اندازے کے مطابق آپ کے جنازے میں پانچ لاکھ لوگوں نے شرکت کی۔ بعد ازاں اسلام آباد کے نواح میں آپ کے آبائی گاؤں میں آپ کو دفن کیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون خاک غلطیدن خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

ممکن ہے معروف نعت گو دانشور طبقہ، ان غازی و شہداء کا ذکر خیر نعت کے حوالے سے کرنا ل سننا پسند نہ فرمائیں۔ مگر جیسا کہ میں نے عنوان قائم کیا ہے۔ ''نعت گوئی اور مدافعت رسول'' تو اس عنوان کے ضمن میں غازی و شہداء کا تذکرہ بے محل نہیں کہا جا سکتا۔ جس طرح ہجو یہ اشعار کا جواب نظم و نثر میں دیا جانا نعت کے ضمن میں شمار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جان دے کر، یا جان لے کر بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ہجو اور گستاخی کا جواب دیا جانا نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ضمن میں شمار ہو سکتا ہے اور یہ کوئی بعید از عقل بات نہیں ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور ہجو کا جواب زبان و قلم سے نظم و نثر میں دینا غلامان مصطفیٰ کی سنت ہے تو ہاتھ پاؤں سے جواب دینا بھی انہیں کی سنت ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی مجلس سے گزرتے وقت اپنے دراز گوش سے نزول فرما کر اسے فہمائش کے لئے فریضۂ تبلیغ ادا کیا تو اس نے ناپسند کرتے ہوئے قدرِ تلخ کلامی کی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دراز گوش کو برا بھلا کہا۔ جواب میں

مسلمان اس پر ٹوٹ پڑے۔ بدر کے وقت اسی عبداللہ بن ابی نے اپنے منافق ساتھیوں سے کہا۔ مدینہ پہنچتے ہی عزت والے (منافقین) لوگ ذلیلوں (مہاجر مسلمانوں) کو مدینہ شریف سے نکال دیں گے۔

بدر کی فتح کے بعد جب تمام لوگ مدینہ شریف کی طرف مراجع ہوئی تو خود عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرحد مدینہ پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور اپنے باپ عبداللہ بن ابی سے کہا۔ تو خود اپنی زبان سے سب کے سامنے کہہ کر مہاجر مسلمان عزت والے ہیں اور تو خود ذلیل ہے ورنہ میں ابھی تیرا سر گردن سے جدا کر دوں گا۔

کعب بن اشرف جو ایک نامور شاعر۔ اور یہودیوں میں بڑا معجز شخص تھا اہل عرب میں بھی اسے بڑا رتبہ حاصل تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف گستاخی اور ہجو گوئی کی تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے گھر جا کر اسے قتل کر دیا۔

ان مذکورہ واقعات کے علاوہ بھی بہت سے واقعات ہیں کہ جب کسی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو کی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی تو غلامان مصطفیٰ جان دینے اور لینے پر کمر بستہ ہو گئے۔ دراصل محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ جذبہ ہے جس کے زیر اثر جس سے جو بن پڑتا ہے وہ کر گزرتا ہے اور غلامان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جذبۂ دیوانگی کو مضمون نعت سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور نعت مصطفیٰ کو نظم و نثر میں مقید و محصور نہیں کیا جا سکتا کہ اہلِ دل جان لے کر اور جان دے کر بھی نعت کہنے کا حق ادا کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اس جذبے کی اس طرح تحسین فرمائی ہے۔

محمدرسول اللّٰہ والذین معۂ اشداء علی الکفار......

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے ایسے ہیں جو (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات کے حوالے سے) کافروں پر سخت ہیں۔

غلامان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے آقا کریم کے لئے محبت کا نرالا اور عجیب انداز رکھتے ہیں جو نہ تو آج تک کسی کی سمجھ میں آیا ہے اور نہ آئندہ کوئی سمجھ سکے گا۔

نور آنکھوں میں تو چہروں پہ اجالے ہوں گے مصطفیٰ والوں کے انداز نرالے ہوں گے

☆☆☆

ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری (جاورہ، ایم۔ پی)

جاورہ میں اُردو ادب اور نعت گوئی کا ارتقاء

زمانۂ قدیم میں جاورہ علم ودانش، ادب وحکمت، حکومت وسیاست، تہذیب وثقافت، بازار اور تجارت کا مرکز تھا۔ مالوہ کی اہم رِیاستوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ عندلیبِ گلشن ناآفریدہ یعنی جدّت کا باوا آدم غالبؔ کے بذریعۂ خط وکتابت اس شہر سے مراسم رہے۔ ادب ہو، سیاست ہو، تصوف ہو، چاہے شعبۂ حیات کا کوئی میدان رہا ہو، اس کے ماہرین یہاں آتے جاتے رہے۔ کچھ عظیم ہستیاں یہاں یوں آئیں کہ پھر واپس کہیں جانہ سکیں۔ خود اس شہر سے ایسے جید علماء، فقراء، صوفیاء، اطباء، ادباء اور شعراء نے جنم لیا، جن کے دم سے یہاں زندگانی کے ہر شعبے جگمگا اٹھے، جس سے علمی وادبی، تہذیبی و ثقافتی، تجارتی اور کاروباری ہر اک نہج کو ترقیوں کا گویا سفر مل گیا۔

چنانچہ یہاں زندگی کے ہر شعبے کو پھلنے، پھولنے، پنپنے اور سرسبز وشاداب ہونے کے بہتر مواقع فراہم ہوگئے۔ ایسے صحت افزا ماحول نے نثر ونظم، رقص وموسیقی، گلوکاری وغیرہ فنون کو ایسی تقویت عطا فرمائی، جس سے یہاں ہر طرف فن کار ہی فن کار اور فنون کی روشنیاں ہی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ اس نور کی برکت سے اطراف کے علاقے بھی منور ہوگئے۔ گویا جاورہ میں مختلف شعبہ ہائے حیات کے ماہرین کا ایک گلشن آباد ہوگیا۔

صوبہ مدھیہ پردیش کے علاقائی تذکروں اور تاریخوں میں جاورہ کے ادب کا ذکر غالباً ہر تذکرہ نگار اور مؤرخ نے جاورہ کے قدیم نام گلشن آباد کے نام سے کیا ہے۔ اکثر ادبی مجالس، سمینارس اور محافل میں جب بھی مدھیہ پردیش کے علاقائی ادب پر گفتگو اور بحث ہوتی ہے تو محققین ومؤرخین اس شہر کی ادبی خدمات کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ مدھیہ پردیش سے شائع ہونے والی ہر ادبی، تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتاب میں اس شہر کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ جاورہ کے ادبی تابناک ماضی کے متعلق پروفیسر آفاق حسین صدیقی (سابق صدر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ مادھو پی. جی. کالج، اُجین۔

ایم. پی.) نے تسلیم کیا ہے کہ:

> ''گلشن آباد جاوَرہ زمانۂ قدیم سے اسلامی تہذیب اور علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں کے علمی و ادبی ماحول اور شعروسخن کے فروغ کے لئے سازگار حالات نے یہاں ایسے بہت سے فنکار پیدا کئے ہیں جنہوں نے اپنی تمام زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزار کر قابلِ قدر علمی و ادبی سرمایہ فراہم کیا'' [1]

ہندوستان قدرت کے بے شمار انعامات، تحائف، عطیات اور قدرتی فیاضیوں سے مالا مال ہے۔ اس کے مختلف علاقے الگ الگ خوبیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ کوئی ندیوں کے لئے مقبول ہے، کوئی پہاڑوں کے لئے اور کوئی آب شاروں کے لئے معروف ہے۔ ایسے ہی بنارس کی صبح اور اودھ کی شام جتنی مؤثر، دل نشین، پُر اثر اور دل فریب ہیں، اُسی طرح شبِ مالوہ بھی مشہور ہے۔ خصوصاً مالوہ کے پہاڑوں والے شہر جبل پور، عروس البلاد شہر اندور، دارالامارت اور مرکز کہا جانے والا بھوپال شبِ مالوہ کے لئے مشہور ضرور رہے ہیں لیکن سائنس کی تیز رفتار ترقی، پختہ سڑکیں، بے شمار موٹریں، بڑھتی ہوئی آبادی اور جا بجا فیکٹریوں اور مِلوں کے قائم ہو جانے سے مذکورہ شہروں کی آب و ہوا فی الحال کافی گرم ہو چکی ہے لیکن جاورہ موجودہ عہد میں بھی اپنی قدرتی آب و ہوا، سرسبز و شاداب ماحول کے سبب شبِ مالوہ کی لاج برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہاں کی ٹھنڈی ٹھنڈی شامیں، چلنے والی خنکی بھری ہوائیں، سرسبزیاں اور شادابیوں نے سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لئے بڑا صحت افزا ماحول پیدا کیا ہے۔ ایسے آسودہ ماحول کے سبب کہا جاتا ہے کہ جو شخص بھی یہاں آتا ہے، یہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہاں بڑی اَمنیت، عافیت اور محفوظیت ہے۔ بھائی چارگی ہے۔ اپنائیت ہے۔ دوسروں کی اِمداد کا ایسا جذبہ جاورہ میں ملتا ہے کہ نو آمدہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ یہی کشش یہاں سے جانے کا خیال ہی پیدا نہیں ہونے دیتی۔

جغرافیائی لحاظ سے بھی جاورہ ہندوستانی نقشے میں بڑے اہم مقام پر واقع ہے۔ یہ شہر ضلع رتلام کی تحصیل ہے۔ رتلام: ہندوستان کے مقامِ دل پر واقع صوبہ مدھیہ پردیش کا ضلع ہے۔ جاورہ: صوبہ مدھیہ پردیش کے نقشے میں جنوب کی جانب سب سے آخر میں ایسے مقام پر واقع ہے، جہاں سے راجستھان اور گجرات کی سرحدیں ملتی ہیں۔ گجرات اور راجستھان صوبوں کے نزدیک ہونے سے بھی آمد و رفت کا سلسلہ رواں دواں رہتا ہے۔ جاورہ کے بہت سے خاندان سے مذکورہ صوبوں کے خاندانی رشتے جڑے ہوئے ہیں۔ گویا جاورہ میں ایک ملی جلی اور رنگا رنگ تہذیب پائی جاتی ہے۔

اندور سے یہ شہر تقریباً ایک سو پچاس (۱۵۰) کلومیٹر، اُجین سے سو (۱۰۰) کلومیٹر۔ راجستھان کے کوٹا، بھیل واڑہ، اودے پور وغیرہ شہروں سے تقریباً دوسو (۲۰۰) اور ڈھائی سو (۲۵۰) کلومیٹر۔ گجرات کے شہر احمد آباد، وڑودہ، سورت سے تین سو (۳۰۰) ساڑھے تین سو (۳۵۰) کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ مدھیہ پردیش کے تاریخی وادبی شہر برہان پور سے اس شہر کی دوری ساڑھے تین سو (۳۵۰) کلومیٹر ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جاورہ مختلف علمی، ادبی، تہذیبی، ثقافتی شہروں کے درمیان میں واقع ہے۔ اس لئے یہاں کی تہذیب، ثقافت، زبان، ادب اور لسانیات پر تحقیق کرنے والے اس بات کا خیال رکھتے ہوئے، تاریخ مرتب کرسکیں گے۔

سب سے اہم بات یہ کہ شمالی ہند سے مختلف ادوار میں جو علماء، مشائخین اور صوفیاء کی جماعتیں رشد و ہدایت کے سلسلے میں روانہ ہوئیں، اُس کے اثرات بھی جاورہ سے نزدیک واقع شہر اجین اور سارنگ پور (ایم. پی.) تک دکھائی دیتے ہیں۔ علاوہ اس کے شاہی لشکروں کا شمال سے دکن اور دکن سے شمال کی جانب سفر کرنا، جن میں برہان پور اور اُجین کو قدامت کے لحاظ سے اہمیت حاصل ہے۔ اُردو کے اوّلین دور کے آخر آخر تک بھی یہاں ایسے شواہد مل جاتے ہیں۔ مثلاً سوداؔ کے شاگرد وغیرہ کے ذریعے اس بات کے پختہ ثبوت فراہم ہوتے ہیں کہ جاورہ زمانۂ قدیم میں علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔

مذکورہ سیاسی اتھل پتھل، ادبی چہل پہل اور صوفیاء کی آمد و رفت نے اس علاقے کو تاریخی اعتبار سے مرکزِ نگاہ بنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی علمی، ادبی، ثقافتی اور تہذیبی روایات نئی نسلوں تک پہنچیں اور موجودہ دور میں بھی یہاں شعر و ادب کا مذاق (یہ اور بات کہ قدیم دور جیسی بات اب نہیں ملتی) پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر ظفر احمد نظامی لکھتے ہیں:

> ''جاورہ رتلام کے پہلو میں کھنڈوہ، اجمیر ریلوے مین لائن پر قدیم تہذیبی، ادبی اور ثقافتی مرکز رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ادب یہاں کے لوگوں کا اوڑھنا، بچھونا تھا، لیکن اب تو صرف یادوں کا سرمایہ ہے جو عہد رفتہ کی عظمتوں کا امین ہے''[۲]

جاورہ میں اُردو نعت گوئی کا آغاز کس دور میں ہوا۔ شعراء کی اوّلین صف میں کون کون سے شعراء مدحت گویانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں شامل ہوئے، نیز دور اوّل سے عصر حاضر تک جاورہ میں اُردو نعت گوئی کے ارتقائی سفر کا جائزہ لینے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی تاریخ کا بالاستیعاب مطالعہ نہ سہی لیکن جاورہ کی تاریخ کا سرسری جائزہ ضرور لیا جائے۔ تا کہ جاورہ میں نعت

گوئی کی روایت کا تاریخی لحاظ سے جائزہ لیا جا سکے۔

تاریخ کی مستند کتابوں میں 'تاریخ مالوہ، آثار مالوہ، اُردو ادب کی تاریخ' وغیرہ میں جاورہ کا ذکر گلشن آباد کے نام سے ملتا ہے۔گلشن آباد جاورہ کا قدیم نام ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ علاقہ رِیاست جاورہ کے نام سے مشہور تھا۔نوابین کی رِیاست تھی۔تقریباً چار (۴) نوابوں کی حکومت شہر کی آنکھوں نے دیکھی،جن کے اسم گرامی اس طرح ہیں:

(۱) نواب عبدالغفور خاں

(۲) نواب غوث محمد خاں

(۳) نواب اسماعیل خاں

(۴) نواب افتخار علی خاں

مذکورہ نوابین نے جاورہ پر کم وبیش ڈیڑھ (۱۵۰ رسال) صدی حکومت کی۔نوابین کی حکومت میں یہ شہر صنعت وحرفت، ادب وثقافت اور تعمیرات کے لحاظ سے بھی مالا مال رہا۔ یہ ڈیڑھ صدی جگمگاتی، جاگتی، روشن اور تابناک نظر آتی ہے۔سب سے اہم تاریخی فیصلہ نوابوں کا یہ رہا کہ انھوں نے اُردو کو سرکاری زبان قرار دیا۔تعمیرات کا آغاز کیا۔آج بھی وہ یادگار عمارتیں اپنی زبان سے ماضی کی داستانیں سناتی ہیں۔

دوسرا تاریخی اور اہم فیصلہ یہ رہا کہ نوابین جاورہ نے ملک کے مختلف علاقوں سے الگ الگ فنون کے ماہرین کو جاورہ تشریف لانے کی دعوت دی۔علاوہ ان سب کے نوابین خود ادب نواز تھے،سخن ور تھے،ادب پرور تھے۔انہوں نے شعروادب کو پروان چڑھانے میں غیر معمولی دل چسپی دکھائی۔فن کاروں کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔انہیں انعام وکرام اوراعزاز واحتشام سے سرفراز کیا۔کتابوں کی طباعت کے لئے چھاپہ خانہ (Press) قائم کیا۔جس زمانے میں یہاں چھاپہ خانہ قائم ہوا، دور دور تک بلکہ اندور تک چھاپہ خانے موجود نہیں تھے۔چھاپہ خانے کے قیام سے کتابوں کی طباعت اور رِسالوں کی اشاعت میں بڑی امداد ملی۔یہی وجہ ہے کہ جاورہ سے نزدیک رتلام جو اس شہر سے زیادہ قدیم تاریخ رکھتا ہے لیکن اُردو کے سلسلے میں شعروادب کا آغاز جاورہ کے بعد ہوتا ہے۔گویا نوابین جاورہ کا یہ احسانِ عظیم جاورہ کے عوام کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔

جاورہ کے پہلے نواب عبدالغفور خاں تھے۔اندور کی رِیاست ہلکر کی فوج کے سپہ سالار تھے۔ ٹونک کے نواب امیر خاں کے ہم زلف تھے۔ہلکر نے جب امیر خاں کو فوج کے انتظام کے لئے بلوایا

تو امیر خاں کو ناگ پور جانا تھا۔اس لئے اپنے ہم زلف عبدالغفور خاں کی قابلیت کی تعریف کر کے انہیں ہلکر کے یہاں چھوڑ گئے۔عبدالغفور کی قابلیت، بہادری، ایمان داری اور ذہانت سے متاثر ہو کر ہلکر سرکار نے انہیں افتخار الدولہ نواب عبدالغفور خاں دلیر جنگ کے خطاب سے نوازا۔'تاریخ مالکم' میں اس بات کا ذکر ملتا ہے:

''ہولکر کو وقایم مقام اپنے ہمزلف یعنی ساڑھو اپنے عبدالغفور خاں کو چھوڑ کر گئے۔سرکار ہولکر سے خطاب افتخار الدولہ نواب عبدالغفور خاں بہادر دلیر جنگ کا اور جاگیر دو لاکھ چالیس ہزار سالانہ کی واسطے خرچ روزمرہ ایک ہزار سوار کے کہ نواب غفور خاں نے اقبال کیا تھا دیگئی یہ واقعہ بعد مقید ہوے ہولکر کی آٹھ مہینے کے عرصہ میں واقع ہوا'' ۳

مذکورہ دور کی مختصر سی تفصیل پروفیسر انصار اللہ نظر نے تاریخ ادب اُردو کی سترہویں جلد میں لالہ سری رام کی خم خانۂ جاوید کے حوالے سے یوں پیش کی ہے:

''جسونت راؤ ہلکر والی اندور کے ساتھ نواب میر خاں اور نواب غفور خاں نے پنجاب کی لڑائیوں میں دادِ شجاعت دی۔جب امن قائم ہوا تو غفور خاں کو مالوہ میں سات آٹھ لاکھ کا علاقہ عطا ہوا اور انہوں نے جاورہ کو اپنا صدر مقام قرار دیا'' ۴

درج بالا شواہد کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جاورہ کا اوّلین دور ۱۸۱۸ء سے ۱۸۲۵ء تک محیط ہے۔اس دور میں اُردو کو سرکاری زبان قرار دیا گیا۔بازاروں میں، میلوں اور عرس میں اور شب و روز کی زندگی میں اُردو زبان کے رواج کا روایتاً تذکرہ ملتا ہے۔اس کے شواہد باقاعدہ نہیں ملتے، لیکن اس بات کا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ جاورہ میں جو زبان مروج تھی۔یہاں ادب میں جو بھی ہل چل ہو رہی تھی، اس کے اثرات آس پاس کے علاقوں تک بھی پہنچ رہے تھے۔جاورہ سے نزدیک شہر نیمچ میں اس دور کے ایک نثر نگار سید محمد یحییٰ عیدروس تھے۔ظاہر ہے، شاعری کی ابتداء اس سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔سید محمد یحییٰ عیدروس نیمچ چھاؤنی میں پولس انسپکٹر کے عہدے پر فائز تھے۔انہوں نے ۱۹۱۱ء میں ''ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند دام اقبالہٗ'' ۵ کے عنوان سے ایک روداد (Report) تحریر کر کے ماہ نامہ نظام المشائخ دہلی میں شائع کروائی تھی۔اس رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ نیمچ چھاؤنی میں جارج پنجم کی سالگرہ کا جشن منایا گیا تھا۔

نواب غفور خاں کے بعد نواب غوث محمد خاں کا دور شروع ہوتا ہے۔نواب غوث محمد صاحب رِیاست جاورہ کے دوسرے حاکم تھے۔اُن کا دور ۱۸۲۵ء سے ۱۸۶۵ء تک کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ انہوں نے تقریباً ۴۱/ برس تک جاورہ شہر پر حکومت کی۔ یہاں کے علماء، شعراء، ادباء، اطباء، حکماء وغیرہ کی سرپرستی، نگہ بانی اور نگرانی کی۔نواب موصوف خود بھی علم و فضل سے بہرہ ور تھے۔اور علم و ادب اور فضل و کمال سے مزین ہستیوں کی قدر کرتے تھے۔نواب غوث محمد صاحب کے طویل دور میں شعر و ادب کی محفلیں، نشستیں اور مجلسیں ہوتی رہتی تھیں۔نواب موصوف نہ صرف خود بہ نفسِ نفیس شرکت کرتے بلکہ شرکائے کرام کی سرپرستی بھی کرتے اور انہیں اعزاز و کرام سے بھی نوازتے تھے۔ یہ ایک ایسا زریں دور ہے، جس میں جاورہ کے علمی و ادبی اثرات رتلام پر بھی مرتسم ہوتے ہیں اور وہاں بھی شعر و ادب کا چرچا عام ہو کر عوام تک پہنچتا ہے۔اس طلائی دور کا جائزہ درج ذیل سطور میں لیا جارہا ہے۔اس جائزے میں اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ مذکورہ دور کے ادبی نشیب و فراز کے ساتھ ساتھ شعراء کا انفرادی تذکرہ اور نعتیہ کلام کے نمونے بھی درج کردیئے جائیں تاکہ شعر و ادب کی تاریخ کے ساتھ نعتیہ شاعری کی روایت اور تاریخ میں تسلسل قائم ہو سکے۔

نواب غوث محمد کا عہد حکومت، سیاست، ثقافت اور رِیاست کے لئے اور ادب کے لئے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔اسے ہم سنہری دور سے تعبیر کرسکتے ہیں۔جیسا کہ عرض کیا جاچکا کہ نواب موصوف شعر و ادب کے دل دادہ تھے۔مگر اُن کی شاعری پردۂ خفا میں ہے لیکن اُن کی تین اہم نثری تصانیف طباعت کی روشنائی سے منور ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ان تصانیف کا مختصراً ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے۔

(۱) سیر المحتشم

(۲) سیر گاہ محتشم

(۳) تذکرۂ سلاطین مغلیہ

درج بالا کتب میں سے سیر المحتشم پر پروفیسر وسیم الدین نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

> ''سیر المحتشم نواب غوث محمد خاں کا سفر نامہ ہے جو تقریباً ۱۴۰۰/صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سفرنامہ جاورہ پریس ہی میں چھپا...اس میں نواب غوث محمد نے اپنے جاورہ سے دہلی لکھنؤ کانپور بریلی شاہجہاں پور وغیرہ کے حالات لکھے ہیں ...اس سفر نامہ میں انھوں نے بہت سی عظیم ہستیوں

... بہادر شاہ ظفر... سے ملاقات کا تذکرہ کیا ہے... دہلی کے مشہور خوشنویس
میاں میر پنجہ کش، غالبؔ مومنؔ اور ذوقؔ کے بارے میں بھی اپنے تاثرات
لکھے ہیں''۶؎

نواب موصوف نے مذکورہ طویل سفر سے واپسی پر اپنے ساتھ کان پور سے مرزا عظیم بیگ عظیمؔ کو جاورہ لے آئے۔ عظیمؔ اُردو کے مشہور قصیدہ گو سوداؔ کے شاگرد اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ وہ بہترین منشی تھے۔ اِنہیں عظیم بیگ عظیمؔ کے نبیرہ جاورہ کے مشہور و معروف استاد شاعر خطیبؔ گلشن آبادی تھے۔ خطیبؔ کے پاس اپنے دادا حضور کی قلمی تحریروں اور مخطوطات کا کافی ذخیرہ جاورہ میں تھا۔ عظیمؔ کے قلمی دیوان کو خطیبؔ نے ادارۂ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد، دکن (سب رس) کو سونپ دیا تھا، تاکہ محققین، تحقیق کے طلباء استفادہ کر سکیں۔

نواب غوث محمد کی دوسری نثری تصنیف 'سیر گاہ محتشم' ہے۔ یہ شکار نامہ بھی کہلاتی ہے۔ سیر گاہ محتشم میں موصوف کے ذریعے کئے گئے اشکار کی معلومات ملتی ہے۔ نواب موصوف کی تیسری تصنیف 'تذکرۂ سلاطین مغلیہ' ہے۔ یہ بھی جاورہ پریس ہی سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں مغلوں کے ابتداء سے آخری دور کے بادشاہوں تک کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔

نواب غوث محمد کے دور کی ادبی ترقی کی رفتار دیکھ کر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی موصوف بڑے ادب نواز تھے۔ تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں بھی اُن کی شخصیت بڑی معاون و مددگار تھی۔ اُردو کی مشہور لغت 'غیاث اللغات' جسے مولوی غیاث الدین نے ترتیب دیا تھا۔ اس کی اشاعت میں نواب صاحب نے نہ صرف مالی امداد کی بلکہ شائع شدہ جلدیں بذاتِ خود جاورہ میں فروخت کروا کر، اس کی رقم صاحبِ غیاث اللغات کو پہنچا دی تھی۔ انہوں نے جاورہ میں دارالمطبع (چھاپہ خانہ) بھی قائم کیا، اس پریس میں کتابوں کی طباعت کے ساتھ ساتھ سرکاری کاغذات اور اخبار و رِسائل بھی طبع ہوتے تھے۔ یہ ایک بڑی خدمت تھی 'ادب کی' جو جاورہ سے اس زمانے میں انجام دی جا رہی تھی۔

مرزا عظیم بیگ عظیمؔ

نواب غوث محمد کے عہد کے شعراء میں عظیم بیگ عظیمؔ (جن کا ذکر اوپر گزر چکا) کا ذکر ملتا ہے۔ عظیمؔ صاحبِ دیوان ضرور تھے لیکن تلاش بسیار کے باوجود اُن کی نعت نظر سے نہیں گزری۔ البتہ مولانا محمد حسین آزادؔ نے 'آبِ حیات' میں انشاء اللہ خاں انشاء کے تذکرے میں ایک مشاعرے کا

ذکر کیا ہے۔اسی تذکرے میں سوؔدا کے شاگرد مرزا عظیم بیگ عظیؔم بھی شامل تھے۔آزاؔد لکھتے ہیں:

''(ایک شعری محفل میں دیگر شعراء کے علاوہ)ان میں مرزا عظیم بیگ تھے کہ سوؔدا کے دعوی شاگردی اور پرانی مشق کے گھمنڈ نے ان کا دماغ بہت بلند کردیا تھا... چنانچہ ایک دن میر ماشااللہ (انشاؔ کے والد) کے پاس آئے اور غزل سنائی کہ بحر رجز میں تھی۔مگر ناواقفیت سے کچھ شعر رمل میں جاپڑے تھے۔سید انشا بھی موجود تھے۔تاڑ گئے حد سے زیادہ تعریف کی اور اصرار سے کہا کہ میرزا صاحب اسے آپ مشاعرہ میں ضرور پڑھیں...اس (عظیؔم) نے مشاعرہ عام میں غزل پڑھ دی۔سید انشا نے وہیں تقطیع کی فرمائش کی...انشا نے...(جواب میں) ایک مخمس بھی پڑھا۔

گر تو مشاعرہ میں صبا آج کل چلے　　کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے
اتنا بھی حد سے اپنی نہ باہر نکل چلے　　پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
بحر رجز میں ڈال کے بحر رمل چلے''۷

اس مذاق کو مرزا عظیم بیگ عظیؔم سمجھ گئے۔بعد میں انہوں نے انشاؔء کے مخمس کا جواب مخمس ہی میں تخلیق کیا۔اس مخمس کے چند بند ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں۔

تھا روز فکر میں کہ کہوں معنی و مثال　　تجنیس و ہم رعایت لفظی و ہم خیال
فرق رجز رمل نہ لیا میں نے گو سنبھال　　نادانی کا مرے نہ ہو دانا کو احتمال
گو تم بقدر فکر یہی کر حمل چلے

موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق　　تبدیل بحر سے ہوئے بحر خوشی میں غرق
روشن ہے مثل مہر یہ از غرب تا بہ شرق　　شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے''۸

مرزا عظیم بیگ عظیؔم کے برادر اصغر منشی نصراللہ بیگ بھی اپنے بڑے بھائی کے ساتھ جاورہ میں سکونت رکھتے تھے۔اچھے خطاط تھے۔مدرس تھے۔نواب صاحب نے چھاپہ خانے کا انتظام نصراللہ بیگ کو سونپ دیا تھا۔پروفیسر وسیم الدین نے لکھا ہے:

''نواب غوث محمد خاں نے ریاست میں ایک دارالطبع بھی قائم کیا تھا...اس کا انتظام منشی نصراللہ بیگ صاحب کے سپرد تھا جو مرزا عظیم بیگ کے چھوٹے بھائی تھے۔نصراللہ بیگ اچھے خطاط ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے منشی بھی تھے اسی مطبع سے محتشم الاخبار بھی شائع ہوتا تھا''۹

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوؔدا کے شاگرد مرزا عظیم بیگ عظیؔم کی شعری استعداد سے شعرائے جاورہ کو تقویت مل رہی تھی۔ اس کے علاوہ عظیؔم کے چھوٹے بھائی نصر اللہ بیگ کی خطاطی سے جاری ہونے والا اخبار 'محتشم الاخبار' بھی مزین ہو رہا تھا۔ انہیں سب فضل و کمال کی صحبتوں نے شعرائے جاورہ کی شاعری میں نکھار پیدا کیا اور صوفیاء کے روحانی ماحول نے انہیں تصوف اور نعت گوئی کی طرف متوجہ کیا۔

شیخ قدرت اللہ قدرؔت

غوث محمد خاں کے دور کے اہم شاعر تھے۔ آپ نے مثنوی 'مظہر قدرت' لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی اور جاورہ پریس ہی سے شائع ہوئی تھی۔ اس مثنوی کی ابتداء میں جو نعت پاک ہے، یہاں پیش کی جا رہی ہے۔

نعت حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

گل تازہ گلشن اصطفیٰ — جناب محمد نبی ﷺ خدا
وہ ہیں سرور انبیاء و رسل — وہ ہیں باعث ہستی جزو کل
نہ تھا جب کہ آدم کا نام و نشاں — نبی ﷺ تھے وہ اس وقت نین و کماں
وہ نور الٰہی ہیں لاریب فیہ — ظہور الٰہی ہیں لاریب فیہ
خدا جس کی تعریف فرمائے آپ — وہاں دوسرے کا بھلا کیا الاپ
انہیں کے سبب سے زمین و زماں — خدا نے کیا ہے عدم سے عیاں
کیا شافع روز محشر انہیں — دیا مرتبہ سب سے برتر انہیں
ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کوئی — شفیع قیامت ہیں بے شک وہی
بحق جناب نبی الکریم ﷺ — جرائم مرے بخش دے اے رحیم"[10]

نظام الدین نظاؔم

نظام: جاورہ کے بہترین شاعر، نثر نگار، خوش نویس، خطاط اور عربی و فارسی اور اُردو کے جید عالم تھے۔ نواب غوث محمد کے ہم عصر تھے۔ طویل عمر پائی۔ اس لئے نواب غوث محمد کے عہد سے نواب اسماعیل خاں اور نواب افتخار علی خاں کے عہد حکومت تک بقید حیات رہے۔ موصوف کے والد امیر علی ریاست جاورہ میں کوتوال تھے۔ نظاؔم شاعری اور نثر ہر دو میدان میں مہارت رکھتے تھے۔ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ کا دیوان نواب افتخار علی خاں کے عہد میں جاورہ پریس سے شائع ہوا۔ دیوان

میں شاعری کی مختلف اصناف ملتی ہیں۔ لیکن غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ آخر میں فارسی اور اُردو کے مشہور شعراء کے کلام پر تضمین بھی کی ہے۔

شاعری کے علاوہ نظاؔم کو نثر پر بھی دست رس تھی۔ موصوف کی نثری تصانیف میں عقل وشعور، بغاوت مالوہ اور عطار ونگار بہت مشہور ہیں۔ عقل وشعور کے متعلق غیاث الرحیم شکیبؔ رقم طراز ہیں:

> ''عقل وشعور کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ۱۸۷۳ء میں شائع ہوئی تو انگریز حکومت نے اس کی محکمۂ تعلیم سررشتۂ پنجاب کے لئے ۵۰۰ جلدیں خریدیں اور مؤلف کو ۳۰۰ روپے انعام دیا''۔[۱۱]

عقل وشعور میں کافی اشعار بھی موجود ہیں۔ سرورق کے دوسرے صفحے پر جو قطعہ تحریر کیا گیا ہے، وہ اس طرح ہے۔

یہ فصاحت نامۂ عقل و شعور ہے   جبکہ ہفت اقلیم میں مشہور ہے
جانِ حامد کیوں نہ نکلے رشک سے   کیوں نہ چشم مدعی بے نور ہے [۱۲]

نواب غوث محمد کے عہد حکومت کے بعد سے نواب اسماعیل خاں کا دور ۱۸۶۵ء سے ۱۸۹۵ء پر محیط ہے۔ نواب اسماعیل خاں بھی بڑے ادب نواز اور علم وفضل سے مزین شخصیت تھے۔ ان کے عہد حکومت میں اُردو ادب نواب غوث محمد خاں کے عہد سے اور زیادہ پھلا پھولا اور پروان چڑھا۔ اس دور کے نعت گو شعراء کا انفرادی تذکرہ اور نعتیہ کلام کے نمونے ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

منشی امانت اللہ امانت

امانتؔ کا شمار جاورہ کے قادر الکلام شعراء میں ہوتا ہے۔ موصوف نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ آپ کا مجموعۂ کلام شائع نہ ہو سکا۔ لیکن غیر مطبوعہ کلام میں غزل، گیت، ٹھمریاں، مرثیہ، قصیدہ وغیرہ شامل تھے۔ امانتؔ نواب اسماعیل خاں کے عہد میں ریاست جاورہ میں میرمنشی کے عہدے پر فائز تھے۔ تلاش بسیار کے باوجود امانتؔ کی شاعری کا نمونہ نظر سے نہیں گزرا۔ امانتؔ کے متعلق پروفیسر وسیم الدین رقم طراز ہیں:

> ''امانت ریاست میں میرمنشی تھے۔ ہر صنف سخن پر قادر تھے۔ غزل، گیت، ٹھمریاں، قصیدہ، مرثیہ کی بڑی تعداد ان کے غیر مطبوعہ کلام میں ملتی ہے۔''[۱۳]

سکندر جہاں بیگم

پورا نام سکندر جہاں بیگم اور ضیاء تخلص تھا۔ موصوفہ ریاست جاورہ کے کوتوال امیر علی کی صاحب

زادی اور جاورہ کے قادرالکلام شاعر اور بہترین نثر نگار نظام الدین نظاؔم کی ہم شیرہ تھیں۔ علمی و ادبی ماحول میں پرورش و پرداخت کی منزل طے ہوئی۔ لہٰذا ضیاؔء کی طبیعت بھی شاعری کی طرف مائل ہوئی۔ موصوفہ نے شاعری کی اصلاح کے لئے جاورہ کے استاد شاعر فدا علی فارؔغ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ صاحب دیوان شاعرہ تھیں۔ لالہ سری رام نے ضیاؔء کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

''ضیاء تخلص، سکندر جہاں بیگم دختر میر امیر علی سابق کوتوال ریاست جاورہ۔ شوخ طبع شاعرہ ہیں۔ علم مجلسی میں فرد ہیں۔ خوش خیال اور زود فکر ہیں۔''۱۴

ضیاؔء نواب رام پور کی شریک حیات تھیں۔ نواب بہترین شاعر تھے۔ ناظمؔ تخلص کرتے تھے۔ ضیاؔء اپنے شوہر سے بھی کلام پر اصلاح لیتی تھیں۔ تذکرۂ شاعرات (مرتبہ جمیل احمد) میں ضیاؔء کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ علاوہ اس کے 'تذکرہ ماہ درخشاں، خم خانۂ جاوید، پیام یار لکھنؤ ۱۵ اور گلدستہ نضارت ۱۶ میں بھی ضیاؔء کا کلام موجود ہے۔ یہاں پر مثالاً دو شعر پیش کئے جا رہے ہیں۔

ہے کوئی آتش کا پرکالہ ضیاؔء سینے میں اپنے دل سوزاں نہیں

☆

یاد میں اس نرگسِ کیفی کی ہے سرشار دل داب کر بوتل بغل میں پارسائی ہو چکی ۱۷

سلطان جہاں بیگم حیاؔ

سلطان جہاں بیگم نام اور تخلص حیاؔ تھا۔ جاورہ کی شاعرہ ضیاؔء اور شاعر و ادیب نظام الدین نظاؔم کی ہم شیرہ تھیں۔ علمی، ادبی اور شعری ماحول نے حیاؔ کو بھی متاثر کیا۔ حیاؔ نے اپنے کلام پر اصلاح بڑے بھائی نظاؔم اور بہن ضیاؔء سے لی۔ ضیاؔء کی طرح حیاؔ بھی صاحبِ دیوان شاعرہ تھیں۔ دونوں بہنوں کا کلام 'گلدستۂ نضارت' میں ملتا ہے۔ حیاؔ کے متعلق پروفیسر وسیم الدین نے پروفیسر سلیم حامد (اُردو کی ترقی میں بھوپال کا حصہ) کے حوالے سے لکھا ہے:

''بیگم بھوپال سے بھی ان (حیاؔ) کے روابط تھے... حیا سلطانیہ گرلز ہائی اسکول میں چند ماہ بہ حیثیت فارسی معلّمہ بھی ملازمت کر چکی ہیں''۱۸

حیاؔ کا کلام ملاحظہ فرمائیں۔

دل لگی کی تھی کچھ ارمان نکلنے کے لئے بھاڑ میں جھونک دیا عشق میں جلنے کے لئے
دل بیمار کو تم چھیڑتے ہو یاد رکھو مدتیں چاہئیں اب اس کو سنبھلنے کے لئے

شکوہ دوست حیا نزع میں کیوں ہے لب پر زہر کھا لیتے ہیں یوں زہر اگلنے کے لئے [19]

پیر جی محمد یوسف خاں

پیر جی محمد یوسف خاں کا شمار جاورہ کے قادر الکلام شعراء اور بہترین نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ موصوف نے ۱۲۴۶ھ [20] میں اندور میں جلال خاں کے یہاں آنکھیں کھولیں۔ پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت اندور ہی میں ہوئی۔ ۱۶ / برس تک گھر پر ہی اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اسکول میں بھی تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ موصوف کے تعلیمی سفر کے متعلق غیاث الرحیم شکیب نے تحریر کیا ہے:-

> ''محمد یوسف ۱۲۴۶ ہجری اندور میں پیدا ہوئے ۱۶ سال کی عمر تک گھر ہی میں استادوں سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ جب ۱۲۶۳ ہجری میں اسکول قائم ہوا تو پنڈت سروپ نارائن اور دھرم نرائن انگریزی کے استاد اور مولوی محمد حسین ہجر دہلی سے بلائے گئے اور فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ چنانچہ محمد یوسف صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی محمد عمر خاں کے ساتھ اسکول میں داخلہ لیا اور اسی اسکول سے نمایاں سند حاصل کی۔ ۲۵ سال کی عمر میں روزگار کی تلاش میں جاورہ آئے۔ نواب غوث محمد خاں نے ریاست میں ملازم رکھ لیا۔ اور محکمۂ فوجداری سپرد کیا۔'' [21]

گویا محمد یوسف خاں بچپن ہی سے بڑے ذہین و فطین تھے اور علم و ادب کے دل دادہ تھے۔ ۲۵ / سال کی عمر میں معاش کے سلسلے میں جاورہ تشریف لائے۔ یہاں کا موسم اور ماحول ایسا راس آیا کہ پھر آخر عمر تک زندگی یہیں بسر کی۔ موصوف نواب غوث محمد خاں کے ہم عصر تھے۔ بڑی طویل عمر پائی۔ تین نوابوں کا عہد دیکھا۔ غوث محمد خاں سے افتخار علی خاں کے عہد تک ادب کی خدمت کرتے رہے۔ کیوں کہ موصوف خود بھی بڑے باصلاحیت تھے اور علم و ادب کے عاشق تھے۔ جب جاورہ آئے تو یہاں شعری و ادبی ماحول نے متاثر کیا۔ لہٰذا یوسف خاں بھی اسی ماحول کے رنگ میں رنگ گئے۔ ادب کے دونوں میدان یعنی شاعری اور نثر دونوں میں مہارت رکھتے تھے۔ شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ موصوف طریقت سے بھی وابستہ تھے۔ اسی لئے طبیعت تصوف کی طرف مائل تھی۔ غیاث الدین شکیب نے لکھا ہے:

> ''محمد یوسف خاں) نہایت قابل اور صاحب حال و قال بزرگ تھے

حضرت دلدار علی شاہ فراق میاں صاحب بدایونی کے حلقۂ ادارت میں داخل تھے اور خلافت بھی ملی تھی۔اس لئے آپ کے بھی کئی مرید تھے اپنے آپ کو پیر جی محمد یوسف علی شاہ فراق ذنبیل شاہی گلشن آبادی لکھتے تھے۔''۲۲

یہاں ان کی تخلیق مولد شریف سے ایک مثال پیش کی جارہی ہے۔ ؎

الف صلّوا علی النبی عربی سید الانبیاء و العجمی
عشق دل کو مری لگا دیجے حسن اپنا مجھے دکھا دیجے
الف صلّوا علی النبی عربی سید الانبیاء و العجمی
اے خدا کے حبیب ﷺ اک جلوہ اپنی صورت کا پھر دکھا دیجے
الف صلّوا علی النبی عربی سید الانبیاء و العجمی
میں ہوں بیمار عشق اے عیسیٰ شربت وصل کی دوا دیجے
الف صلّوا علی النبی عربی سید الانبیاء و العجمی
جس پر اللہ کو رجھایا تھا وہی صورت مجھے دکھا دیجے
الف صلّوا علی النبی عربی سید الانبیاء و العجمی
تا کہ لکھوں میں آپکا مولد علم باطن مجھے سکھا دیجے
الف صلّوا علی النبی عربی سید الانبیاء و العجمی
ہووے شیریں کلام تا میرا چاشنی اپنی کچھ چکھا دیجے
الف صلّوا علی النبی عربی سید الانبیاء و العجمی
تا معطر جہان ہو مجھ سے اپنی بو میں مجھے بسا دیجے
الف صلّوا علی النبی عربی سید الانبیاء و العجمی
یہ تمنا ہے دل کی اب میری حق سے واصل مجھے کرا دیجے
الف صلّوا علی النبی عربی سید الانبیاء و العجمی
لکھتا ہے آپ کا جو وہ مولد اپنے یوسفؔ کو کچھ صلا دیجے۲۳

محمد یوسفؔ خاں نے شاعری کی مشاقی کے علاوہ نثر میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ موصوف کی تقریباً ۱۴ ارتصانیف طباعت کی روشنائی سے منور ہوکر منظر عام ہوچکی ہیں۔طوالت کے خوف سے یہاں ان تصانیف کے صرف نام درج کئے جارہے ہیں۔

(۱) مخزن الانوار ترجمہ گنج الاسرار خواجہ غریب نواز (۲) پیراہن یوسفی
(۳) مثنوی حسن یوسف (۴) مثنوی جمال یوسف
(۵) مثنوی وصال یوسف (۶) مولود شریف منظوم
(۷) چہار باغ ترجمہ چہار گلزار (۸) مولود حسین ولادت سبطین
(۹) شرح دیوان حافظ (۱۰) تاریخ یوسف
(۱۱) مظہر العجائب یوسف (۱۲) میلاد غوثیہ
(۱۳) کلیات یوسف بعلم تصوف (۱۴) سوانح حیات محمد یوسف خاں[۲۴]

وجیہہ الدین خاں شرؔر

وجیہہ الدین خاں نام اور شرؔر تخلص تھا۔ اُن کا تعلق جاورہ کے نواب خاندان سے تھا۔ داغؔ دہلوی سے اصلاح سخن کرتے تھے۔ عین جوانی میں انتقال فرمایا۔ شرؔر کے متعلق لالہ سری رام نے تحریر کیا ہے کہ:

''جوان شگفتہ طبع، نازک خیال شاعر تھے حُسنِ ظاہری کے ساتھ خلیق بھی تھے۔ عین عالم شباب میں انتقال کیا۔ داغؔ دہلوی سے تلمذ تھا۔ ''

میرے نالے پہ نہیں رہتے ہو، یہ کیا کہیں یہ کارگر نہ ہو جائے

☆

جان ہے یہ دلی والوں کی خدا رکھے اسے داغؔ کے دم سے ہے اب شہرہ جہاں آباد کا[۲۵]

عالم گیر محمد خاں عالؔم

نام عالم گیر محمد خاں اور تخلص عالؔم تھا۔ جاورہ میں نوابی خاندان کے رشتے داروں میں شمار ہوتے تھے۔ شاعری میں مولوی سید کاظم کانتوری حبیبؔ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ موصوف کے متعلق لالہ سری رام نے بتایا ہے کہ:

''عالم، نیاز محمد خاں کپتان فوج ریاست جاورہ کے فرزند ہیں۔ ریاست سے منصب بھی ملتا تھا اور جاگیر بھی تھی۔ طبیعت موزوں پائی تھی۔ دو ہی برس میں صاحب دیوان ہو گئے۔ مضامین رسمی کو شگفتہ بیان سے تازہ بنا دیتے ہیں۔ ''

وقت بد میں شریکِ درد و الم نہ برادر، نہ آشنا دیکھا
ترے جمال کا پرتو مری نظر میں رہا ہزار شکر یہ سودا ہمیشہ سر میں رہا[۲۶]

مولوی حفیظ اللہ خاں رشکؔ

رشکؔ کا اصل نام حفیظ اللہ تھا۔ رشکؔ داغؔ کے شاگرد تھے۔ اسی لئے موصوف کی شاعری میں داغؔ کا رنگ دکھائی دیتا ہے۔

''رشک، سابق ہیڈ مولوی اسکول تال ریاست جاورہ، اب وکیل ہوگئے ہیں۔ مرزا داغؔ کے پرانے شاگرد ہیں۔ استاد کے رنگ میں کہنے کا بہت شوق ہے خوش کلام، شیریں زبان، تیز طبع شخص ہیں۔

غیر کی تعلیم ہو وہ بھی ہمارے سامنے ۔۔۔ خوب کی قدرِ محبت بس اجی بیٹھے رہو
رشکؔ دیکھے ہیں تم سے سیکڑوں محشر خرام ۔۔۔ کیا اٹھاؤ گے قیامت بس اجی بیٹھے رہو''۲۷

رحیم داد خاں شیدائی

پورا نام رحیم داد خاں اور تخلص شیدائیؔ تھا۔ موصوف کی رہائش جاورہ میں ہی تھی۔ جاورہ میں نوابوں کے عہد میں اردو شعر و ادب ترقی کی منزلوں پر برق رفتاری سے گام زن تھا۔ لہٰذا رحیم داد خاں بھی اس ماحول سے متاثر ہوئے اور شاعری کی طرف مائل ہوئے۔ جاورہ کے کہنہ مشق شاعر مشرف یار خاں شرفؔ سے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔ ان کی شاعری سہل ممتنع کی اچھی مثال ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ کیجئے:

حرم میں، دیر میں، کعبہ میں، مسجد میں کلیسا میں ۔۔۔ تصور میں، نظر میں، دل میں، میرے جابجا تم ہو
جگر کے پار ہوا دل میں جاکے بیٹھ گیا ۔۔۔ تمہارے تیر نظر میں کمال کیسا ہے ۲۸

حیات اللہ خاں عیشی

عیشیؔ جاورہ کے بہترین شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حیات اللہ خاں نام اور عیشیؔ تخلص تھا۔ والد کا نام محمد غوث خاں گڑھی، دادا حضور کا اسم گرامی محمد ابراہیم خاں انباری تھا۔ عیشیؔ نے شاعری کی تقریباً جملہ اصناف میں طبع آزمائی کی۔ وہ خوش نویس بھی تھے۔ عیشیؔ کے متعلق غیاث الرحیم شکیبؔ نے لکھا ہے کہ:

> ''عیشی صاحب نے (خود کو) مہید پوری لکھا ہے جبکہ جاؤرہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم پائی اور جاؤرہ میں ہی مدفون ہوئے...۱۸۱۸ء میں مہید پور میں سپرا ندی کے کنارے انگریزوں اور ہلکر میں آخری جنگ ہوئی تھی اسی ہنگامے میں مہید پور کے کافی لوگ جاورہ میں آکر بس گئے تھے شاید عیشی صاحب کے بزرگ اسی دور میں آئے ہوں''۲۹

عیشیؔ کا قلمی نسخہ ''ایجادِ عیشی۔ تصورِ حقیقت'' کے عنوان سے ہے۔ شکیبؔ صاحب کی ملک میں

ہے۔ انہیں کے یہاں اسے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ قلمی نسخہ عیشی کے دست خویش سے لکھا ہوا ہے۔ یہ قلمی نسخہ موصوف کی خوش خطی کی عمدہ مثال ہے۔ اس قلمی نسخے میں ابتدائی کلمات کے طور پر عیشی صاحب نے اپنے حالات تحریر کئے ہیں:

"بعد حمد و نعت سرائی اور منقبت پیرائی کے عرض کرنا ہے۔ ایکروز یہ بندۂ درگاہِ ایزد منان حیات اللہ من خان عیشی تخلص مہید پوری ابن محمد علی خاں غوث گڈھی اور نبیرۂ محمد ابراہیم خان انباری۔ ابا خیل۔ دہ ابا خیل" ۳۰

درج بالا نسخہ ۱۳۲۴ھ میں مکمل ہوا۔ قطعۂ تاریخ سے ظاہر ہے:

قطعۂ تاریخ

ہوا ایجاد عیشی ختم جدم ہوئی تاریخ سن کر فکر پیہم
طبیعت سے کہا امداد فرما کہا ایجادِ عیشی ختم لکھنا

۱۳۲۴ھ ۳۱

قلمی نسخہ 'ایجاد عیشی تصور حقیقت' سے ایک نعت ملاحظہ فرمائیں۔

زہے وہ روے تابان محمد ﷺ خدا کی شان ہے شان محمد ﷺ
عجب تھی دلربائی خوش ادائی خدا کو بھا گئی آن محمد ﷺ
زمیں سے آسماں سے لا مکاں سے ہے پہنا طاق ایوان محمد ﷺ
کہا بویائے الحق کیا ہے حق ہے کلام حق ہے فرمان محمد ﷺ
زمین و آسماں کی پادشاہی غلامی غلامان محمد ﷺ
علی و فاطمہ خاتون و حسنین قرار خاطر و جان محمد ﷺ
یہ عظمت یہ جلالت شان باری قضائے حق ہے فرمان محمد ﷺ
حدیث خلق من نوری سے واللہ ہے کل عالم گلستان محمد ﷺ
ہوا ہے کوئی ایسا اور ہوگا بیاں میں آئے کیا شان محمد ﷺ
ملک کیوں منھ نہ چومیں شوق دل سے کہ ہے عیشی ثنا خوان محمد ﷺ ۳۲

مشرف یار خاں شرف

جاورہ کے اہم شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ نام مشرف یار خاں تھا اور تخلص شرف اختیار کرتے تھے۔ شاعری میں داغ دہلوی سے اصلاح سخن کیا۔ شاعری کی غالباً سبھی اصناف میں طبع آزمائی

کی۔اُن کا دیوان مکمل ہوگیا تھا۔لیکن شائع نہ ہوسکا۔اس کا قلمی نسخہ موصوف کے نبیرہ واقف حیدری کے پاس محفوظ ہے۔شاعری کے علاوہ شرؔف کی نثر میں بھی دو تصانیف ''زراعت مالوہ' اور'ڈائمنڈ جبلی '' جاورہ پریس ہی سے شائع ہوئی۔علاوہ اس کے مشرف کا تذکرہ نقوش لاہور میں شائع ہوا تھا۔وہ تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔کئی تاریخیں اُن سے وابستہ ہیں۔

امبا سہائے فرحتؔ گلشن آبادی

فرحتؔ نے شاعری کی ابتداء نواب غوث محمد خاں کے عہد میں کی۔اسماعیل خاں کے عہد کے اہم شعراء میں شمار کئے جاتے تھے۔مختلف اصناف شعری میں خامہ فرسائی کی۔صاحبِ دیوان تھے۔صرف ۱۹؍سال کی مختصر عمر ۱۸۷۱ء ۳۳ میں آپ کا دیوان منظر عام پر آچکا تھا۔

مولوی مفتی احمد علی (ولادت: ۱۸۸۳ء، وفات: ۱۹۵۶ء)

احمد علی ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے اور تقریباً ۷۳؍سال کی عمر میں ۱۹۵۶ء میں انتقال ہوا۔جاورہ گلشن آباد کے معتبر شعراء میں شمار ہوتے تھے۔شاعری کی ہر اک صنف مثلاً حمد، نعت، مناجات، قطعات، منقبت، غزل، رباعیات وغیرہ میں مشق سخن کی۔نواب افتخار علی خاں کی شان میں قصائد لکھے ہیں۔لیکن آپ کا نعتیہ کلام زیادہ ملتا ہے۔آپ کا مجموعۂ کلام 'بادۂ کہن' کے عنوان سے ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔اسی مجموعے سے ایک مکمل نعت پیش کی جارہی ہے۔

نعت برائے مشاعرہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(منعقدہ ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۶۲ھ)

ہوا جو ہوا حسب رائے محمد ﷺ
خدا کی رضا ہے رضائے محمد ﷺ

سمجھ سے فزوں ہے ثنائے محمد ﷺ
کی تھی معجزہ ہر ادائے محمد ﷺ

اسی دل میں اللہ کا گھر بھی دیکھا
نظر آئی جس دل میں جائے محمد ﷺ

یہاں بھی بچایا وہاں بھی بچایا
بہت کام آئی دعائے محمد ﷺ

کیا جس نے پتھر کو گوہر سے بہتر
وہ اکسیر تھی خاک پائے محمد ﷺ

نہ تھا جز خدا کوئی معراج کی شب
رہا راز ہی ماجرائے محمد ﷺ

یکایک ہوئی زندہ مردوں کی دنیا
پڑی کان میں جب صدائے محمد ﷺ

بیاباں خطرناک رستے ہزاروں
نہ چھوٹے کہیں نقش پائے محمد ﷺ

ملے تو نہ لے سلطنت دو جہاں کی
غنی کس قدر ہے خدائے محمد ﷺ
تخیل نے پرواز کی انتہا تک
نہ پائی مگر ابتدائے محمد ﷺ
نہ چاہا پھر اس نے کہ دیکھیں کسی کو
میسر جسے تھی لقائے محمد ﷺ
وہی قافلہ قصر جنت میں پہنچا
سنی جس نے بانگ درائے محمد ﷺ
نہ دنیا کی پروا نہ عقبیٰ کی پروا
کہ دل ہوگیا مبتلائے محمد ﷺ
یہ سن کر ہوئی حشر والوں کو تسکیں
وہ آئے محمد وہ آئے محمد ﷺ
خدا کی خوشی خیر خواہی جہاں کی
نہ تھا اور کچھ مدعائے محمد ﷺ
وہ صحرا کو دیکھے تو بن جائے گلشن
نگاہوں میں جس کی سمائے محمد ﷺ
ہوا حکم اللہ کا سائلوں کو
دیا جائے گا جو دلائے محمد ﷺ
نظر ہو تو دیکھے سمجھ ہو تو سمجھے
کہیں کچھ نہیں ماسوائے محمد ﷺ
شب و روز بھیجو درود ان پہ احمدؔ
کہ تحفہ یہی ہے برائے محمد ﷺ ۳۴

نواب افتخار علی خاں

نواب افتخار علی خاں جاورہ کے آخری حاکم تھے۔ ان کا عہد حکومت ۱۸۹۵ء سے ۱۹۴۷ء تک تقریباً ۵۲ ربرس پر محیط ہے۔ اس عہد میں بھی جاورہ میں علم و ادب کے میدان میں کافی ترقی ہوئی۔ شاعری اور نثر نگاری کے ساتھ اس دور میں تعلیم کے میدان میں بھی ترقی ہوئی۔ اسکول قائم کئے گئے۔ مزید مدارس کی بنیاد رکھی گئی۔ زبان اور علم کا چرچا عام ہونے سے ادب کا خزانہ مالا مال ہونے لگا اور معیار بھی بلند ہوا۔ اس عہد میں طباعت و اشاعت میں بھی بڑے پیمانے پر کام انجام دیئے گئے۔ طباعت کے کام بڑھ جانے کے سبب خطاط اور کاتب کی کمی ہونے لگی۔ اس صورت حال کے مدنظر رام پور (یو۔ پی) سے کاتب سہیلؔ کو جاورہ بلوایا گیا۔ سہیلؔ خطاطی کے ہنر کے ساتھ شاعری کا شوق بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے کتابت کا کام بڑی محنت اور حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ سہیلؔ کے بعد ان کے فرزند ہلال نے بھی اس کام کو بڑی ذمے داری سے نبھایا۔ جاورہ سے ماہانہ رسائل و جرائد کے علاوہ کئی اہم مایہ ناز تصانیف بھی طبع ہوئی ہیں۔ ان میں ڈپٹی نذیر احمد کے قرآن شریف کے ترجمے کی طباعت کا شرف بھی جاورہ کی پریس کو حاصل ہے۔ مشہور و معروف تصانیف و تراجم کے علاوہ مقامی تصنیفات، تالیفات، تواریخ وغیرہ بھی طبع ہوئی ہیں۔ ان میں نظام الدین نظامؔ کا دیوان، یحییٰ عین اللہ کی تمامی کتابیں، نواب افتخار علی خاں کے پسندیدہ اشعار کا مجموعہ 'گل دستۂ نضارت' پنڈت تری بھون

ناتھ کی تصنیف 'دستور ریو ینؤ' اور 'تاریخ مالکم' اسی پریس ہی سے شائع ہوئی ہیں۔

مذکورہ بالا خطاطی، طباعتی اور اشاعتی ترقی کی طرح نواب افتخار علی خاں کے عہد میں جاورہ میں شاعری اور مشاعروں کا رواج بھی عام تھا۔ اس عہد میں بہت سے شعراء پچھلے عہد یعنی نواب اسماعیل خاں کے دور حکومت کے بھی بقید حیات دکھائی دیتے ہیں، جنھوں نے پچھلے دور میں شاعری کی ابتداء کی یا پھر عنفوان شباب میں تھے یا شہرت پا چکے تھے، توارد سے بچنے کے لئے ایسے شعراء کے دوبارہ تذکرے سے گریز کیا جا رہا ہے۔

بہر حال جاورہ میں ہر ہفتے جمعرات کی شب کو مشاعرہ ہوتا تھا۔ ہفتہ وار مشاعرے کے علاوہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موقعے پر سالانہ نعتیہ مشاعرے کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ اس سالانہ نعتیہ مشاعرے میں شہر جاورہ اور بیرون شہر کے شعراء کرام مدعو کئے جاتے تھے۔ ان شعراء میں سیمابؔ اکبر آبادی، خواجہ حسن نظامی، اندور، اجین، برہان پور وغیرہ کے شعراء بھی جاورہ کے مشاعرے میں تشریف لاتے تھے۔ ۱۹۴۲ء میں جو یادگار مشاعرہ جاورہ میں منعقد ہوا تھا، اس کی روداد غیاث الرحیم شکیبؔ صاحب نے 'ایک یادگار مشاعرہ ۱۹۴۲ء کا' کے عنوان سے لکھی۔ یہ رپورٹ ماہ نامہ 'فنون' اورنگ آباد ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی۔ اسی تعلق سے سیمابؔ اکبر آبادی کے کئی خطوط بھی شائع ہوئے ہیں۔ مذکورہ روداد کا ایک اقتباس یہاں درج کیا جا رہا ہے:

> ''نعتیہ مشاعرہ ۱۳ ربیع الاول کی شب کو ہر سال ہوتا تھا یہ مشاعرہ بزم معین الادب کے زیر اہتمام ہوتا تھا بزم کے صدر اور سرپرست خود نواب افتخار علی خاں نائب صدر ریاست کے درباری اور استاد شاعر حضرت بیدل گلشن آبادی اور ناظم جناب عزیز الرحیم خاں عشرت گیلانی'' ۳۵

۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء کا وقفہ جاورہ کے ادب کے لئے ناسازگار ثابت ہوا۔ نوابوں کی حکومت ختم ہوگئی اور جمہوری نظام قائم ہو گیا تھا۔ لہٰذا ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ادب کا پروان چڑھنا ممکن نہ تھا۔ گویا جاورہ کا ادب بھی تھم سا گیا۔ اس رکے رکے اور تھمے ہوئے حالات کو متحرک کرنے کا اہم کام صاحب زادہ سلطان حامد خاں ثروتؔ ۳۶ نے انجام دیا۔ ثروتؔ کے والد سلطان محمود خاں بھی استاد شاعر تھے۔ ثروتؔ نے سیمابؔ اکبر آبادی سے اصلاح سخن لیا تھا۔ موصوف کی کوششوں سے جاورہ میں دوبارہ شاعری اور طرحی مشاعروں کا آغاز ہوا۔ استادی، شاگردی کی روایت عام ہوئی۔ استاد شعراء میں نادانؔ گلشن آبادی، ظہور الحق محمد نور بیدلؔ گلشن آبادی، خستہؔ گلشن آبادی، شفیعؔ گلشن آبادی،

عزیز الرحیم عشرتؔ گلشن آبادی، علیم گلشن آبادی، غلام ربانی خطیبؔ گلشن آبادی اور خواجہ اکبر حسین اکبرؔ وغیرہم کا شمار ہوتا ہے۔ مذکورہ استاد شعراء نے جاورہ میں سیکڑوں شاگرد پیدا کئے۔ یہی سبب ہے کہ یہاں شعراء کی اک کہکشاں دکھائی دیتی ہے۔

درج بالا استاد شعراء کے علاوہ اس زمانے میں جو نئی نسل پروان چڑھ رہی تھی جو عصر حاضر میں استاد شعراء کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان میں ادبؔ گلشن آبادی، مرزا غفار بیگ اثرؔ (مجموعۂ کلام شمع کی لو) جمیل گلشن آبادی، محبؔ گلشن آبادی، پروفیسر رام نارائن مشفقؔ، ساحرؔ افغانی، شمیم فرحت، اختر یار خاں شبابؔ، سیف الدین سیفؔ، واقفؔ حیدری، سعید احمد جعفری، مولوی مفتی احمد علی، قاضی حفیظ اللہ، سردار سنگھ ساتھیؔ، غیاث الرحیم شکیبؔ، اقبال جاوید، رحمت اللہ پرویز انصاری، عارف علی عارف وغیرہم شامل ہیں۔

ذیل میں جاورہ کے اہم اور معروف شعراء اور نعت گو شعراء کا انفرادی تذکرہ اور نمونۂ کلام پیش کیا جارہا ہے۔

ادبؔ گلشن آبادی

ادبؔ گلشن آبادی جاورہ یعنی گلشن آباد کے ادبی گلشن کے مہکتے پھول تھے۔ ادبؔ کا نام یہاں کے صاحب کمال اور بے مثال شعراء، علماء، ادباء، صوفیاء اور نثر نگاروں میں بڑے ادب کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس حسین پھول میں کئی خوش بوئیں اور بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں۔ یوں موصوف کی ذات کئی صفات کا مجموعہ تھی۔

ادبؔ گلشن آبادی کا پورا نام محمد سلطان جیلانی اور ادبؔ تخلص تھا۔ موصوف نے ۱۹۲۱ء ۳۷ میں مدھیہ پردیش کے علمی اور ادبی شہر جاورہ میں خواجہ حافظ غلام حیدر نقش بندی، مجددی (میاں حضور) کے یہاں علمی و ادبی خاندان میں آنکھیں کھولیں۔ تعلیم وتربیت اور پرورش و پرداخت کی منزلیں جاورہ ہی میں طے ہوئیں۔ موصوف کو بچپن سے گھر اور باہر دونوں مقامات پر علمی، ادبی، شعری اور روحانی ماحول ملا۔ گویا ادبؔ گلشن آبادی نے علم وادب کے پُر بہار موسم میں تربیت پائی۔ یہ نیک صحبتوں کے میسر آنے کا نتیجہ کہ وہ مذکورہ ماحول میں ایسے رنگے کہ ادبؔ کا ایک شاہ کار بن گئے۔ گھر میں دادا حضور فولاد خاں اور والد حافظ غلام حیدر (میاں حضور) دونوں ہی صوفیانہ مزاج کے مالک تھے۔ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایسے سرشار ہوئے کہ شب وروز درود وسلام کی محفلیں رونما ہوتیں۔ ان محفلوں میں گھر، خاندان کے افراد کے علاوہ جاورہ شہر کے شعراء، ادباء اور عاشقان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک مجمع سا رہتا تھا۔ ادبؔ کے والد کا شمار جاورہ کے جید علماء، صوفیاء اور شعراء میں ہوتا تھا۔ اُردو

فارسی ہر دو زبان میں مشقِ سخن کرتے تھے۔ غلام حیدر نام اور آلِ رسول خاندان کی نسبت سے مائل تخلص اختیار کیا۔ ادبؔ کے خاندان کے متعلق پروفیسر خالد اقبال جیلانی نے تحریر کیا ہے:

''جہاں تک ادب صاحب کی تعلیم و تربیت کا تعلق ہے تو آپ نے اپنے گھرانے میں شعور کی آنکھ کھولی جو علم و عمل کا گہوارہ تھا۔ آپ کے والد ماجد کو عربی، فارسی، انگریزی، اردو، ہندی زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔ اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ مائلؔ گلشن آبادی تخلص کرتے تھے۔ گھر کے علمی و ادبی ماحول میں ادب صاحب نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا'' ۳۸؎

گویا ادبؔ کو شعری و ادبی ماحول نے شاعری کی طرف راغب کیا۔ چنانچہ جاورہ کے علماء، ادباء اور بزرگ شعراء نے جو ادبی فضا قائم کی تھی، اس کے سبب سے جاورہ میں ایسا خوش گوار ادبی ماحول قائم ہوا، جس نے نئی نسل کو اپنی طرف مائل کیا۔ گویا جاورہ کے ادبی ماحول اور خاندان کی علمی و ادبی روایت نے ان کے ذہن و دل میں شعر و ادب کی روح پھونک دی۔ یہ جلا ادبؔ کو ایسی ملی کہ زندگی کی آخری سانس تک علم و ادب کا چراغ بن کر چمکتے رہے۔ نظم و نثر ہر دو میدان کو اپنے فکر و خیال سے روشن کرتے رہے۔ قصہ مختصر ادبی ماحول کا اثر اُن پر یوں طاری ہوا کہ ۱۳؍ برس کی کم سنی ۱۹۳۳ء؁ ۳۹؎ میں شعر گوئی کا آغاز کیا۔ استاد عبدالعلیم خاں گرامیؔ گلشن آبادی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے۔ کراچی جانے کے بعد استاد رئیسؔ امروہی سے اصلاحِ سخن کرنے لگے۔

یوں تو ادبؔ نے شاعری کی تمام اصناف پر طبع آزمائی کی لیکن نعت گوئی کو پسندیدگی کے درجے پر رکھا۔ موصوف کا نعتیہ مجموعہؔ 'حریم اسریٰ' ۲۰۰۱ء میں اور دوسرا مجموعۂ کلام 'نقشِ ادب' ۲۰۰۳ء میں طباعت کی روشنائی سے منور ہو کر منظرِ عام پر آچکا ہے۔ موصوف کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے انتہا عشق تھا۔ فنافی الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نعت کا ایک مجموعہ یادگار چھوڑا۔ ادبؔ کی نعت گوئی کے متعلق پروفیسر خالد اقبال جیلانی نے تحریر کیا ہے:

''ادبؔ صاحبؒ کے والد ماجد حضرت خواجہ غلام حیدر شاہ صاحب نقشبندی مجددی اپنے وقت کے عظیم صوفی بزرگ تھے۔ انہیں کے فیض تربیت سے عشقِ رسول کی نعمت ادبؔ صاحبؒ کو ورثے میں ملی تھی۔ آپ اپنی روزمرّہ زندگی میں سختی سے پابندِ شریعت تھے اور باطنی نسبت میں بھی شریعت و طریقت کو ایک سمجھتے تھے قول و عمل کی اس یکسانیت نے ان کی نعتوں میں عجیب کیف و

سرور پیدا کردیا ہے''۔[۴۰]

ادبؔ کی نعت گوئی کی عکاسی ایک سطر میں پروفیسر غلام مصطفےٰ خان صاحب نے یوں کی ہے:

''حضرت ادبؔ کی نعت میں کیف و سرور و مستی زیادہ ہے اور سادگی و پرکاری عام ہے''۔[۴۱]

یوں تو کسی بھی صنف میں طبع آزمائی کرنا، آسان نہیں ہے لیکن نعت لکھنے کے لئے جب تک عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سچا جذبہ دل میں پیدا نہیں ہوگا، نعت کا تقاضا پورا نہیں ہوسکے گا۔ اس لئے نعت کو دو دھاری تلوار اور پل صراط سے گزرنے کے عمل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ کام ہر کسی کے بس کی بات نہیں؛ استاد شعراء نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گوئی پر چند شعراء ہی دست رس حاصل کر پاتے ہیں۔ ایسے ہی چند شعراء میں ادبؔ کا شمار بھی ہوتا ہے۔ اُن کی نعتیں تغزل سے لب ریز، سرشاریٔ عشق میں مست، تخیل کی پاکیزگی اور درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اس کی مثال میں چند نعتیں اور کچھ قطعات 'حریم اسریٰ' سے پیش کی جارہی ہیں:

نعت

محمد ﷺ کی حمد و ثنا کررہا ہوں — یہ سامان روزِ جزا کررہا ہوں
محمد ﷺ میں ہستی فنا کررہا ہوں — یہ سامان عہد بقا کررہا ہوں
ثنائے حبیب خدا کررہا ہوں — ادا سنت کبریا کررہا ہوں
حرم لے رہا ہے قدم میرے آکر — طوافِ در مصطفےٰ ﷺ کررہا ہوں
محمد ﷺ کے قدموں پہ سر رکھ کے اپنا — قضا عمر بھر کی ادا کررہا ہوں
خدا کی تجلی نظر آرہی ہے — خیال رُخ مصطفےٰ ﷺ کررہا ہوں

نذر سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:-

شہ ہر دوسرا کوئی نہیں ہے — حبیب کبریا کوئی نہیں ہے
محمد ﷺ مصطفےٰ تیرے علاوہ — محمد ﷺ مصطفےٰ کوئی نہیں ہے

خطیبؔ گلشن آبادی

خطیبؔ کا نام جاورہ کے استاد شعراء میں بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ انہوں نے بڑے بڑوں کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ نشست و برخواست کے آداب سیکھے ہیں۔ بڑوں کا احترام ہر حال میں ملحوظ رکھتے اور چھوٹوں سے بڑی ہی شفقت سے پیش آتے تھے۔ یہ خطیبؔ کا روشن نصیب تھا کہ انہیں

استاد کے روپ میں شاداںؔ اندوری، جیسے استاد الاساتذہ شاعر ملے، جنہیں اندور کی شعری تاریخ میں مجدد شعر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ شاداںؔ کے دست شفقت کی برکت سے خطیبؔ نے بہت جلد قادرالکلامی حاصل کی۔ افتخار الشعراء کی فہرست میں شامل ہوئے۔

خطیبؔ صاحب کا اصل نام غلام ربانی اور تخلص خطیبؔ تھا۔ ۱۹۱۵ء میں اسی علمی وادبی شہر جاورہ میں ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے۔ اس پر جاورہ کے ادبی ماحول نے ان کی طبیعت کی موزونیت کو مزید جلا بخشی۔ یوں شاعری کا آغاز ہوا۔ شاداں اندوری کے مفید مشوروں پر عمل پیرا ہوئے اور اتنی مشق سخن کی کہ جاورہ کے بڑے بڑے اور استاد شعراء میں شمار کئے جانے لگے۔ انہوں نے جاورہ میں شعروادب کی ترقی کے لئے کوششیں کیں اور کئی شاگرد یادگار چھوڑے۔ خطیبؔ نے شاعری کی سبھی اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، حمد، نعت، منقبت اور سلام میں تخلیقی ہنر دکھایا۔ موصوف کا پہلا مجموعۂ غزل 'قطرہ قطرہ خون' ۱۹۹۲ء میں، دوسرا بھی مجموعۂ غزل 'مشاہدہ' ۲۰۰۱ء میں، تیسرا شعری مجموعہ 'نذرانہ' جو حمد، نعت، منقبت اور سلام پر مشتمل ہے، ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ خطیبؔ صاحب کا چوتھا حمد ومناجات پر مشتمل شعری مجموعہ 'محامد باری تعالیٰ' کے عنوان سے منظر عام پر آچکا ہے۔ مذکورہ شعری مجموعہ ہائے کلام کے سرسری مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خطیبؔ ایک پختہ کار اور قادرالکلام شاعر تھے۔ جاورہ کے شعراء میں نجیب اور شعروادب کے نقیب تھے۔ دیگر تفصیلات کے قطع نظر ان کے مجموعۂ کلام 'نذرانہ' سے ایک مکمل نعت ملاحظہ فرمائیں:

نعت پاک

تعریف محمد ﷺ ہے محمد ﷺ کی ثنا ہے — ہر تار نفس آج مرا نغمہ سرا ہے
خود نور ہے آئینہ انوار خدا ہے — حق یہ ہے کہ تو نور کے سانچے میں ڈھلا ہے
شہِ دوسرا زیر قدم عرش علیٰ ہے — بس تم سے بڑا کوئی اگر ہے تو خدا ہے
خود ڈھونڈ رہی ہے مجھے اللہ کی رحمت — یہ رحمت عالم کی محبت کا صلا ہے
ہے اس کے کف دست میں کونین کا نقشہ — جس نے کہ ترا نقش قدم ڈھونڈ لیا ہے
اک نور مسلسل سے میں رہتا ہوں ہم آغوش — جب سے غم احمد ﷺ کا دیا دل میں جلا ہے
پھرتی خطیبؔ آنکھ میں تصویر محمد ﷺ — شاید ترے انجام کا آغاز ہوا ہے[۴۲]

سیف الدین سیفؔ

سیفؔ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اور پرورش جاورہ کے ادبی ماحول میں ہوئی۔ اس کے بعد اعلیٰ

تعلیم کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ چلے گئے۔ گویا بچپن سے لڑکپن کی منزلیں جاورہ کے ادبی ماحول میں گزریں اور نوجوانی میں اے۔ ایم۔ یو (علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) کے علمی وادبی آب شار سے سرشار ہوئے۔ طبیعت شعر گوئی کی طرف پہلے ہی سے مائل تھی؛ اس پر علی گڑھ کا اثر، شعری ذہن کو باخبر، شاعری کو ہنر اور شعر کو معتبر کر گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سیفؔ نے جاورہ کے استاد شاعر خستہؔ گلشن آبادی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے۔ استاد کے ترکِ وطن کے سبب سیفؔ نے اپنا کلام جاورہ کے دیگر استاد شعراء کو دکھایا۔ اسی اثناء میں شاداںؔ اندوری کی مشاعروں اور شعری نشستوں میں شرکت کے لئے اندور سے جاورہ تشریف آوری ہونے لگی تو سیفؔ نے شاداںؔ صاحب سے باقاعدہ اصلاح لی، یوں سیف الدین؛ سیفؔ شادانی کہلائے۔

سیفؔ نے اپنا استادانہ شعری ہنر مختلف اصناف سخن مثلاً غزل، نظم، نعت، قطعہ وغیرہ میں دکھایا۔ ان کی غزلوں میں روایت پرستی کے ساتھ جدت کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ انہوں نے نظموں میں دردمندی، الم انگیزی، اصلاحی پہلو، حب الوطنی، انسان دوستی اور قومی اتحاد جیسے مختلف الجہات موضوعات کو شعری پیرہن عطا کیا ہے۔ ان کے یہاں رواداری، انسان دوستی، سماجی ہم آہنگی، حب الوطنی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو پہلو نمایاں ہے؛ اسے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی تہذیب اور تحفہ گردانا، غلط نہیں ہوگا۔ کیوں کہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی دنیا کا ایسا واحد ادارہ ہے؛ جہاں کیمپس ہی میں سب کچھ ہے۔ ہوسٹل بھی، کینٹین بھی اور مسجد بھی۔ ایک ساتھ ایک تہذیب میں پروئے رہ کر ایک دوسرے کی مدد کرنا، رنج و غم میں ہم درد بننا وغیرہ سے طلباء میں رواداری اور بھائی چارگی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ پانچوں وقت مؤذن کی صدا ہر طرف گونجتی ہے۔ شاید ہی ایسا کوئی مقام، کمرہ یا کلاس ہوگی، جہاں اذان کی آواز پہنچتی نہ ہو۔ ایسے روحانی، نورانی ماحول کے نعمت پروردہ شخص کے دل میں عشقِ حقیقی جاگنا، ذہن میں نعت کا تصور ابھرنا، یقینی ہے۔ انہیں وجوہ کی بنا پر سیفؔ کی شاعری میں وطن دوستی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہلو نمایاں ہے۔ سیفؔ کا مجموعۂ کلام 'ندائے سیف' ۱۹۹۵ء میں طبع ہوا۔ مذکورہ مجموعے سے ایک مکمل نعت یہاں درج کی جارہی ہے۔

فلک سے منجانب الٰہی فرشتے مژدہ سنا رہے ہیں
زمیں کے مالک زمیں پہ آکر زمیں کو جنت بنا رہے ہیں
کہیں نہ ہوجائیں پاؤں میلے کہ راستے میں بچھا دو پلکیں
برائے تعظیم سر جھکا دو عجم کے سلطان آرہے ہیں

وہ نور آیا وہ بھاگی ظلمت وہ صبح پھوٹی وہ جاگی قسمت
یہ کس کی آمد کا پر اثر ہے کہ پائے شر ڈگمگا رہے ہیں
سنو سنو اے خدا کے بندوں زبانِ احمد ﷺ زبانِ حق ہے
پیام خیرالامم مؤذن جو مسجدوں میں سنا رہے ہیں
عجیب سا منظر جہاں ہے کہ رنگ رضواں اتر گیا ہے
کہیں پہ رقصاں بہار گلشن کہیں پہ گل مسکرا رہے ہیں
یہ کس کو خوش آمدید کہنے کھڑے ہوئے ہیں ادب سے علماء
یقیں ہے عرش علیٰ کے مالک جہاں میں تشریف لا رہے ہیں
دیا ہے گرداب نے سہارا بنے ہیں رہبر جو کل تھے رہزن
اے سیفؔ خیرالامم کے صدقے سر اپنا ظالم جھکا رہے ہیں[۴۳]

غیاث الرحیم شکیبؔ

شکیبؔ: جاورہ کا چمکتا، دمکتا، روشن اور اہم نام ہے۔ انہیں شہر جاورہ اور جاورہ کے ادب سے بے پناہ محبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی علمی و ادبی ترقی کے لئے وہ ہمیشہ کمر بستہ اور تازہ دم رہتے ہیں۔ تقریباً ۹۰ ربرس کی عمر میں بھی وہ نہایت متحرک اور فعال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مطالعہ، نظم و نثر کی تخلیق، شب و روز کے معمولات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ شخص بے لوث اور ادب کا خالص خادم ہے۔

نام غیاث الرحیم اور شکیبؔ تخلص اختیار کرتے ہیں۔ انہوں نے جاورہ کے استاد شاعر عزیز الرحیم خاں عشرتؔ کے یہاں ۱۹۳۴ء میں غیر منقسم ہندوستان میں آنکھیں کھولیں۔ ان کی تعلیم و تربیت ایک علمی، ادبی، اسلامی اور تعلیم یافتہ خاندان میں ہوئی۔ گھر آنگن میں علم و ادب پر گفتگو ہوتی، شعر و ادب کی رونقیں برستی تھیں۔ مطالعے کا ذوق و شوق گویا ورثے میں ملا۔ اس زمانے میں جاورہ کے در و دیوار شعر و شاعری سے گونج رہے تھے۔ انہیں اثرات کے سبب شاعری جو خون میں شامل تھی؛ روح میں سرایت کر گئی۔ مطالعے کی کثرت، مشق سخن اور شعری ریاضت نے انہیں ایسی ہنرمندی اور پختہ کاری عطا کی کہ کوئی صنف سخن اظہار و فن سے چھوٹی نہ رہی۔ کتب بینی نے انہیں زود گوئی، نظم اور نثر نگاری کی طرف زیادہ آمادہ رکھا۔ پھر علم و فن، مشاہدات و تجربات، ظاہری، باطنی، ملکی، بیرونی حالات و مسائل تخلیق کے سانچے میں ڈھل کر ملک کے مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنے۔

شکیبؔ کی ادبی زندگی اور خدمات کا اہم پہلو نثر نگاری بھی رہا ہے۔ انہوں نے نثر کی مختلف

اصناف مثلاً افسانہ، طنز و مزاح، ادبی، معلوماتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین میں اپنی جولانی دکھائی۔ خصوصاً ان کی مختلف ادبی خدمات میں سے سب سے اہم خدمت بلکہ کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جاورہ کے ادب اور جاورہ کی عظیم شخصیات پر ادبی، تحقیقی، تاریخی اور تنقیدی مضامین قلم بند کئے۔ قلم بند کرنے کے بعد اسے الماری یا صندوق میں سجا کر نہیں رکھا بلکہ مختلف علمی و ادبی رسائل و جرائد میں اسے شائع بھی کرواتے رہے۔ یہ شغل تا ہنوز جاری ہے۔ ان کے مطالعے کے ذوق و شوق اور تخلیقی روش میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ جاورہ کے ادب کے لئے آج بھی ان کا قلم رواں دواں اور تازہ دم ہے۔ ۹۰ / برس کا سن ہو چلا ہے لیکن جاورہ کی ادبی تحقیق کے لئے وہ اب بھی کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ نو مشق شعراء، ریسرچ اسکالرس اور محققین کی امداد کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ جانے کس قدر محنت، مشقت، جانے کیسی تگ و دو اور کتنی عرق ریزی کے بعد انہوں نے جاورہ کا ادبی سرمایہ جمع کر کے بڑی حفاظت سے رکھا ہے۔ میری نظر میں موصوف جاورہ کے اُردو ادب کے ''محافظِ ادب'' ہیں۔

شکیب صاحب نے شاعری میں دیگر اصناف کے علاوہ نعت میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ماہ نامہ 'ضیاء وجیہہ' رام پور میں شائع ایک مکمل نعت پاک ملاحظہ فرمائیے۔

اک اشارے سے قمر جب شق ہوا — عقل کا چہرہ وہیں پر فق ہوا
ان کی ہستی ہے وجود کائنات — ان کا کلمہ باعث رونق ہوا
پڑھ لیا فوراً درود مصطفیٰ — خوف کا جنگل جو لق لق ہوا
نعرۂ تکبیر لب پر آ گیا — خوف سے دشمن کا سینہ شق ہوا
ہوں غلام مصطفیٰ کا میں غلام — اس لئے جنت پہ میرا حق ہوا
آپ ﷺ کے اصحاب سارے ہوش مند — ہر مخالف آپ ﷺ کا احمق ہوا
آپ ﷺ کے در کی فقیری مل گئی — جو ہوا اچھا ہوا برحق ہوا[۴۴]

جمیلؔ گلشن آبادی

نام جمیل احمد اور نام ہی کو بطور تخلص استعمال کرتے ہیں۔ یہیں ۱۹۵۶ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔ شاعری میں یہاں کے استاد شاعر سید احمد جعفری کے شاگرد ہیں۔ ان کے متعلق ڈاکٹر مہتاب عالم نے 'وسط ہند میں اُردو ادب' میں تحریر کیا ہے کہ:

''جمیلؔ کے شعری سفر کا آغاز ۱۹۸۷ء میں ہوا۔ جمیل کا شمار سید احمد جعفری کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ جمیلؔ نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے لیکن خود کو مدحت بعیت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔

صدا آئی اذاں کی جب خدا والوں کے لشکر سے
زمین کربلا تھرا اٹھی اللہ اکبر سے
جمیل اسلام کا گلشن کبھی مرجھا نہیں سکتا
ملا ہے خون دل اس کو جو سبط پیمبر سے ۴۵

جاورہ (گلشن آباد) میں نوابین کا عہد شعر و ادب کی نشر و اشاعت اور ترقی میں بڑا معاون و مددگار رہا۔ نعت گوئی کے ارتقائی سفر میں بھی مذکورہ ادوار غیر معمولی اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ اس طرح یہ روایت ماضی سے حال تک برقرار رہی ہے۔ یہ اور بات کہ مذکورہ ادوار کی طرح مشاعرے، ادبی محفلیں اور نشستیں تواتر کے ساتھ عصر حاضر میں منعقد نہیں ہوتیں۔ لیکن پھر بھی جاورہ کے تخلیق کار کسی طرح اپنی شعری روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ عصر حاضر کے چند اہم نعت گو شعراء کے نعتیہ نمونے ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔ اس سے موجودہ دور میں شاعری اور نعت گوئی کی رفتار و سمت کا اندازہ ہو سکے گا۔

سید افسوس رسول شباؔب

جود و سخا عطا کا سمندر رسول ﷺ ہیں
لطف و کرم کا محور اکبر رسول ﷺ ہیں
ہے پرتو غفور کما کان حقہٗ
یعنی بزرگ بالا و برتر رسول ﷺ ہیں
اول انہیں کا نور ہے آخر وہی نبی
منظر رسول ﷺ ہیں پس منظر رسول ﷺ ہیں
ہے رفعت عظیم یہ اعجاز مصطفٰے ﷺ
نائب خدا کے فخر پیمبر رسول ﷺ ہیں
برحق کلام خالق ہر دو جہان ہیں
تصدیق اس کی شافع محشر رسول ﷺ ہیں
گلیاں مہک اٹھیں وہ جدھر سے گزر گئے
پاکیزہ جسم سرو معطر رسول ﷺ ہیں ۴۶

واقفؔ حیدری

بادشاہی میں قناعت ہے ادائے مصطفٰے ﷺ
دو کھجوریں، جو کی روٹی ہے غذائے مصطفٰے ﷺ
ہے تصور میں مدینہ آرزوئیں محو نظر
چومتی رہتی ہیں نظریں نقش پائے مصطفٰے ﷺ
ذرۂ ناچیز کو لعل و جواہر کردیا
کر گئی مٹی کو سونا کیمیائے مصطفٰے ﷺ
سرنگوں ہو کے قلم سجدہ بھی کرتا ہے
جب بھی لکھتا ہوں عقیدت سے ثنائے مصطفٰے ﷺ
واقفِؔ کون و مکاں ہے راز دار کن فکاں
ہے احد احمد میں مضمر انتہائے مصطفٰے ﷺ ۴۷

ساحؔر افغانی گلشن آبادی

یہ سعادت میرے اللہ دے ایک بار مجھے
خواب میں سرور عالم ﷺ کا دیدار مجھے

اسی امید پہ دن رات گزرتے ہیں میرے   اک نظر دیکھ لیں احمد مختار ﷺ مجھے
حشر میں جب کہ سوا نیزے پہ سورج آئے   کاش مل جائے تیرا سایۂ دیوار مجھے
محترم سب میں ہے وہ بعدِ خدائے برتر   اس کا اقرار ہے اقرار ہے اقرار مجھے
ایک مدت سے ہے دامن کو پسارے ساحرؔ   صدقہ دے دیجئے حسنین کا سرکار ﷺ مجھے۴۸

جہاں گیر نیازیؔ

نعت گوئی کا ادب سے یوں سلیقہ مانگے   میرے اشعار بھی خوشبوئے مدینہ مانگے
میں بھی جاؤں گا مدینہ مجھے اتنا ہے یقیں   دل میرا دور سے آقا کا نظارہ مانگے
حکم کنکر کو اگر دیں تو وہ کلمہ پڑھ لے   چاند سورج بھی تو انگلی کا اشارہ مانگے
زندگی لحد میں ہر لمحہ مہکنے کے لئے   صرف اک بوند محمد کا پسینہ مانگے
ایک ہی دل میں تقاضے ہیں محبت کے بہت   کربلا مانگے نجف مانگے مدینہ مانگے
صدقہ شبیر کا ملتا ہے نیازیؔ اتنا   مجھ سے جہاں گیر بھی آ کر وہی صدقہ مانگے۴۹

یوسف سحرؔ

حرف اللہ نے جب نور کے پیکر میں رکھے   فکر نے مانگ لئے نعت کے دفتر میں رکھے
کبھی جبریل بھی خاموش کھڑے ہیں لیکن   جنبش لب کبھی سرکار نے کنکر میں رکھے
سیکڑوں نور کی آیت ہے مری آنکھوں میں   میں نے نظروں کے ورق آپ ﷺ کے ممبر میں رکھے
عکس معراج کبھی ذہن سے نکلتا ہی نہیں   فکر کے آئینے جب نقش پیمبر میں رکھے
ہاں امانت کی ضمانت پہ یقیں تھا اتنا   چین سے سوئے علی معجزے بستر میں رکھے
والدہ نے یہ کہا ہے کہ سحرؔ نعت لکھو   تم کو اللہ اسی وادئ انور میں رکھے۵۰

احمد رضاؔ گلشن آبادی

ازل سے لکھا تھا بنام محمد ﷺ   سر عرش ہوگا قیام محمد ﷺ
کلام محمد ﷺ پہ کیوں شک ہو آخر   خدا جب ہے خود کلام محمد ﷺ
یہ معراج کی شب یہ جشن بہاراں   زمیں سے فلک تک ہے نام محمد ﷺ
رضاؔ مجھ کو دیکھا تو بولے ملائک   وہ آیا وہ آیا غلام محمد ﷺ۵۱

شاکرؔ رضا

وہی حق دار خلد کا ہے بس جو محمد ﷺ کا ہوگیا ہے بس
میں مریضان عشق احمد ﷺ ہوں خاک طیبہ میری دوا ہے بس
روشنی ہوگئی دو عالم میں اک چراغ نبی ﷺ جلا ہے بس
مشکلیں دور ہوگئیں ساری المدد یا نبی ﷺ کہا ہے بس
جو دیا آپ ﷺ نے دیا ہے نبی ﷺ جو ملا آپ ﷺ سے ملا ہے بس
یا نبی ﷺ ہم گنہگاروں کو آپ ﷺ کا ہی تو آسرا ہے بس
ہے زبان نبی ﷺ زبان خدا جو کہا آپ ﷺ نے ہوا ہے بس
خوب ذکر نبی ﷺ کرو شاکرؔ یہی بخشش کا راستہ ہے بس ۵۲؎

شادؔ گلشن آبادی

اجالوں کی محفل کلام محمد ﷺ اندھیروں میں چمکا ہے نام محمد ﷺ
اشاروں سے ان کے ہوا شق قمر بھی شجر دوڑے آئیں وہ نام محمد ﷺ
ہوئی ساری مشکل یوں پل بھر میں آساں چلا گھر سے لے کے جو نام محمد ﷺ
ہے نجم صحابہ میں قمر رسالت منور ہے کتنی یہ شام محمد ﷺ
نہ ان کا ہے سایہ نہ کوئی ہے ثانی خدا جانتا ہے مقام محمد ﷺ
ملے ہیں فلک کو ستارے جزا میں اجالوں سے سن کر پیام محمد ﷺ
صحابی تھے ستّر تھا اک شیر پیالہ پیا سب نے جی بھر کے جام محمد ﷺ
قلم شادؔ تھامو ادب سے ذرا تم لکھو استغاثہ بنام محمد ﷺ ۵۳؎

غرض کہ گلشن آباد جاورہ زمانۂ قدیم میں علم وفن اور شعر وسخن کا مسکن تھا۔ یہاں کے نوابین بڑے علم پرور اور خود بھی سخن ور تھے۔ مقامی سخن وروں کو انعام واعزاز سے نوازنا، بیرونی شہروں سے مختلف فنون کے ماہرین کو دعوت نامے ارسال کرنا، انہیں منصب ومرتبے پر فائز کرنا، نوابین کا شیوہ تھا۔ اس لئے مقامی و بیرونی فن کاروں کے اجماع سے یہاں کے علم وفن میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی۔ اس روشنی سے آس پاس کے علاقے بھی جگمگا اٹھے۔ کوشش کی گئی کہ یہاں کی ادبی تاریخ کو ملحوظ رکھتے ہوئے، نظم ونثر کی مختلف اصناف میں طبع آزما فن کاروں کا انفرادی تذکرہ بھی اختصار کے ساتھ کر دیا

جائے۔لہٰذا سوداؔ، مصحفیؔ اور داغؔ کے سلسلے کے شاگردوں کی بھی نشاندہی کردی گئی ہے۔ممکن ہے یہاں مختلف شعری سلاسل پر کوئی ادبی وتحقیقی کام انجام دینا چاہے تو یہ اشارے بنیادی کام انجام دے سکتے ہیں۔اس سلسلے میں ماضی سے حال تک کے ادیبوں، شاعروں کی ادبی خدمات کو اجاگر کرتے ہوئے، یہاں کے نعت گویان شعراء کو بھی تلاش وتحقیق کے ذریعے پہلی بار تشت از بام کیا گیا ہے۔چنان چہ ہر دور کی ادبی تاریخ کے اہم موڑ کو تحقیق کے ذریعے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔تاکہ دنیائے ادب کے سامنے جاورہ کی ایک مختصراً ادبی تاریخ پیش نظر رہے۔گویا اس نئے اور بڑے عنوان ''جاورہ میں اردو ادب اور نعت گوئی کا ارتقاء'' کے ذریعے جاورہ کی علمی، ادبی، شعری، نثری، صحافتی تاریخ کے ساتھ نعت گوئی کے ارتقائی سفر کو پیش کرنے کی حتمی کوشش کی گئی ہے۔

حواشی:

(۱) ادب گلشن آبادی کی شاعری: ایک جائزہ: پروفیسر آفاق حسین صدیقی، بشمول نقش ادب: ادبؔ گلشن آبادی ۲۰۰۳ء ص ۴۱

(۲) افسانہ ریہرسل: پروفیسر ظفر احمد نظامی، بشمول ماہ نامہ بیسویں صدی دہلی ۲۶/مارچ ۱۹۶۸ء

(۳) تاریخ مالکم: جان مالکم، باہتمام محمد وجاہت علی خاں مہتمم اخبار عالم بتاریخ پانزدہم ذی الحجہ ۱۲۸۱ھ مطبع دارالعلوم، میرٹھ ص ۳۷ تا ۳۸

(۴) تاریخ ادب اُردو، جلد ہفت دہم: محمد انصار اللہ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۱۶ء ص ۱۳۱

(۵) ماہ نامہ نظام المشائخ دہلی، جلد ۵ شمارہ ۴، ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء ضمیمہ ص ۱ تا ۱۱

(۶) جاورہ میں اردو زبان و ادب: پروفیسر وسیم الدین، بشمول مدھیہ پردیش میں اردو زبان و ادب: مرتبہ پروفیسر آفاق احمد، ایم. پی. اردو اکیڈمی بھوپال ۱۹۹۶ء ص ۱۵۰

(۷) آب حیات: محمد حسین آزادؔ، اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ، چھٹا ایڈیشن ۲۰۰۳ء ص ۲۴۹ تا ۲۵۰

(۸) آب حیات: محمد حسین آزادؔ، اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ، چھٹا ایڈیشن ۲۰۰۳ء ص ۲۵۱

(۹) جاورہ میں اردو زبان و ادب: پروفیسر وسیم الدین، بشمول مدھیہ پردیش میں اردو زبان و ادب: مرتبہ پروفیسر آفاق احمد، ایم. پی. اردو اکیڈمی بھوپال ۱۹۹۶ء ص ۱۵۱

(۱۰) مثنوی مظہر قدرت: قدرت اللہ قدرتؔ، مطبع گلشن آباد عرف جاورہ بہ اہتمام نصر اللہ بیگ ۱۲۷۶ھ بمطابق ۱۸۶۰ء ص ۲ تا ۳

(۱۱) صاحب عقل وشعور حضرت نظام الدین نظامؔ گلشن آبادی جاورہ: غیاث الرحیم شکیبؔ، ماہ نامہ بیباک مالیگاؤں، جلد ۱۴، شمارہ ۱۶۱، فروری ۲۰۲۰ء ص ۳۰

(۱۲) ایضاً ص ۳۱

(۱۳) جاورہ میں اردو زبان و ادب: پروفیسر وسیم الدین، بشمول مدھیہ پردیش میں اردو زبان و ادب: مرتبہ پروفیسر آفاق احمد، ایم. پی. اردو اکیڈمی بھوپال ۱۹۹۶ء ص ۱۵۱ تا ۱۵۲

(۱۴) تاریخ ادب اُردو، جلد ہفت دہم: محمد انصار اللہ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۱۶ء ص ۱۳۳

(۱۵) وسط ہند میں اردو ادب، جلد اول: ڈاکٹر مہتاب عالم، بھوپال بک ہاؤس بھوپال، جنوری ۲۰۱۲ء ص ۵۰۲

(۱۶) جاورہ میں اردو زبان و ادب: پروفیسر وسیم الدین، بشمول مدھیہ پردیش میں اردو زبان و ادب: مرتبہ پروفیسر آفاق احمد، ایم. پی. اردو اکیڈمی بھوپال ۱۹۹۶ء ص ۱۵۳

(۱۷) تاریخ ادب اُردو، جلد ہفت دہم: محمد انصار اللہ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۱۶ء ص ۱۳۳

(۱۸) جاورہ میں اردو زبان و ادب: پروفیسر وسیم الدین، بشمول مدھیہ پردیش میں اردو زبان و ادب: مرتبہ پروفیسر آفاق احمد، ایم. پی. اردو اکیڈمی بھوپال ۱۹۹۶ء ص ۱۵۳

(۱۹) ایضاً

(۲۰) سوانح حیات محمد یوسف خاں: غیاث الرحیم شکیبؔ، بشمول سہ ماہی کاروان ادب بھوپال ۵۲، شمارہ اپریل تا ستمبر ۲۰۱۷ء ص ۹۲

(۲۱) ایضاً

(۲۲) ایضاً

(۲۳) مولد شریف یوسفی: محمد یوسف خاں، بہ اہتمام محمد تیغ بہادر، طبع درانور، ای محمد طبع شد، ص ۲۰۳

(۲۴) سوانح حیات محمد یوسف خاں: غیاث الرحیم شکیبؔ، بشمول سہ ماہی کاروان ادب بھوپال ۵۲، شمارہ اپریل تا ستمبر ۲۰۱۷ء ص ۹۵ تا ۹۷

(۲۵) تاریخ ادب اُردو، جلد ہفت دہم: محمد انصار اللہ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۱۶ء ص ۱۳۲

(۲۶) ایضاً

(۲۷) ایضاً ص ۱۳۳

(۲۸) ایضاً ص ۱۳۳

(۲۹) کریما: غیاث الرحیم شکیبؔ، ماہنامہ بیباک مالیگاؤں، جلد ۱۳، شمارہ ۱۴۷، دسمبر ۲۰۱۸ء ص ۱۷ تا ۱۸

(۳۰) ایجاد عیشی۔ تصور حقیقت: حیات اللہ خاں عیشیؔ، قلمی نسخہ ۱۳۲۴ھ ص ۱۹

(۳۱) ایضاً ص ۲۱

(۳۲) ایضاً ص ۳ تا ۴

(۳۳) جاورہ کے بزرگ شاعر و ادیب جناب غیاث الرحیم شکیبؔ سے انٹرویو

(۳۴) بادۂ کہن: احمد علی مرحوم، مرتبہ ع واحد، معیار پبلی کیشنز دہلی ۲۰۰۸ء ص ۴۸
(۳۵) ایک مشاعرہ ۱۹۴۲ء کا: غیاث الرحیم شکیبؔ، بشمول ماہ نامہ فنون اورنگ آباد، جلد ۲، شمارہ ۴، اپریل ۲۰۰۷ء ص ۳۷
(۳۶) جاورہ میں اردو زبان و ادب: پروفیسر وسیم الدین، بشمول مدھیہ پردیش میں اردو زبان و ادب: مرتبہ پروفیسر آفاق احمد، ایم۔ پی۔ اردو اکیڈمی بھوپال ۱۹۹۶ء ص ۱۵۷
(۳۷) حریم اسریٰ: ادبؔ گلشن آبادی، آستانہ حیدری نقش بندی کراچی پاکستان ۲۰۰۱ء ص ۸
(۳۸) ایضاً ص ۹
(۳۹) ایضاً ص ۱۷
(۴۰) ایضاً ص ۱۹ تا ۲۰
(۴۱) نقش ادب: ادبؔ گلشن آبادی ۲۰۰۳ء ص فلیپ کور
(۴۲) نذرانہ: خطیبؔ گلشن آبادی، شبھم گرافکس جونا رسالہ اندور ۲۰۰۲ء ص ۲۷
(۴۳) ندائے سیف: سیف الدین سیفؔ، ایم۔ پی۔ اردو اکیڈمی بھوپال ۱۹۹۵ء ص ۵
(۴۴) نعت: غیاث الرحیم شکیبؔ، ماہ نامہ ضیاء وجیہہ رام پور، مئی ۲۰۰۶ء ص ۴
(۴۵) وسط ہند میں اردو ادب، جلد اول: ڈاکٹر مہتاب عالم، بھوپال بک ہاؤس بھوپال، جنوری ۲۰۱۲ء ص ۵۰۵ تا ۵۰۶
(۴۶) نعت: سید افسوس رسول شبابؔ، بشکریہ احمد رضاؔ گلشن آبادی
(۴۷) نعت: واقف حیدری، بشکریہ احمد رضاؔ گلشن آبادی
(۴۸) نعت: ساحرؔ افغانی گلشن آبادی، بشکریہ احمد رضاؔ گلشن آبادی
(۴۹) نعت: جہاں گیر نیازی، بشکریہ احمد رضاؔ گلشن آبادی
(۵۰) نعت: یوسف سحرؔ، بشکریہ احمد رضاؔ گلشن آبادی
(۵۱) نعت: احمد رضاؔ گلشن آبادی سے دست یاب شدہ
(۵۲) نعت: شاکرؔ رضا، بشکریہ احمد رضاؔ گلشن آبادی
(۵۳) نعت: شادؔ گلشن آبادی، بشکریہ احمد رضاؔ گلشن آبادی

☆☆☆

قمر الزماں صدیقی (گوالیار، ایم۔ پی۔)

حجرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بلبل ہندی

(ایک بازیافت: کلیات اقبال سے)

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے تیرا ذکر ہے اونچا تیرا۔ (۱)

رِفعت شانِ "وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَكَ۔" (۲) ایسا دائمی نظارہ ہے، جس کا نور چشم اقوام عالم کو ازل تا ابد خیرہ کرتا رہے گا۔ اس تابانی کا اعتراف ہر عہد میں اہل نظر کا شیوہ رہا ہے۔ مختلف زمانوں میں کئے گئے اعتراف کے اِسی سلسلے نے جب منظوم شکل اختیار کی، تو ایک پاکیزہ صنف سخن وجود میں آئی، جسے ''نعت'' کہا گیا۔ تمام ممالک اور زبانوں سے پیش تر عرب کے باشندوں کو اسلام اور بانی اسلام کے اہل جوار ہونے کی نسبت وفضیلت کے ساتھ ساتھ اس صنف سخن کے اوّلین نقاش ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اُن کی فطری شاعرانہ طبیعت نے اِس فن کو مزید جلا بخشی۔ اُنہوں نے اِسے سفر وحضر کا وطیرہ بنایا۔ اپنے لشکروں اور جماعتوں کے ہم راہ، وہ جہاں کہیں بھی گئے، مدح نبوی کا یہ توشہ اُن کے سینوں کی ٹھنڈک اور دِلوں کا قرار بن کر ساتھ ساتھ رہا۔ مدحت خیر البشر کے ترانوں پر مشتمل یہ صنف سخن، اُنہیں عربی ناقہ سواروں اور حدی خوانوں کے ہم رِکاب ہندوستان آئی۔

یہی وہ دور تھا جب ہندوستانی تاریخ میں اِک نئے باب کا آغاز ہو رہا تھا۔ دو اجنبی قومیں آپس میں دست وگریباں ہونے کے ساتھ ساتھ شیر وشکر بھی ہو رہی تھیں، جس کے نتیجہ میں نئی تہذیب، نئے عقائد، نئے رسم ورواج اور اِک نئی زبان وجود میں آئی، اُس نے وقت کی کروٹوں کے ساتھ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے عہد مغلیہ میں ''اردوئے معلیٰ'' کا خطاب حاصل کیا۔

اردو کے مزاج میں روزِ ازل ہی سے مومنہ اور کلمہ گو ہونے کی صفات ودیعت فرما دی گئی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ اِس زبان کے اوائل دور کی بیش تر تخلیقات مذہبی یا اسلامی نوعیت کی ہیں۔ اِن ادبی

تبرکات میں نعتیہ شیرینی بھی شامل ہے۔ یہی وہ مقام تھا کہ جس کی باریابی تک ''اردونعت'' کے خمیر میں نطق اعرابی کی فصاحت وبلاغت، شکوہ ترکمانی کی عظمت وسطوت کے ساتھ ساتھ ذہن ہندی کا سوز وگداز اور پرخلوص حلاوت یک جا ہو چکی تھیں۔ طوطی ہند کی خُسروی، خواجہ گیسودراز کی بندہ نوازی اور مختلف خانقاہوں کی تربیت نے اِس نومولود زبان کو حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن کیفیات وآداب سے روشناس کرایا جو عربی اور فارسی جیسی قدیم زبانوں کا خاصہ تھا۔ اِسی فیض صحبت کے طفیل اردو نے صغرسنی میں ہی اپنی توتلی زبان سے نعتیہ کلام کہنا شروع کر دیا تھا، جس نے بہت کم عرصے میں عوام و خواص میں شہرت ومقبولیت کی سند حاصل کرلی۔

جب اردو نعت نے محبوب الٰہی کی خانقاہ سے دور دراز کے خطوں کے سفر کا آغاز کیا تو دکن کو اپنا مسکن ثانی بنایا۔ جہاں ہر طبقے میں اس کی خوب پذیرائی ہوئی۔ صوفیاء نے اِسے اپنی خانقاہی محافل کی زینت بنایا تو سلاطین دکن نے اِس صنف سخن کو اپنی نجات کا راستہ گردانا۔ ولؔی کے کراماتی دیوان نے اِسے یک لخت جنوب تا شمال کی سیر کرادی۔ دکن سے سُرخ رو ہوکر جب یہ صنف سخن واپس دہلی آئی تو یہاں اِس نے مغلیہ باغات کے عہد شباب کی رونقیں دیکھیں اور آخر آخر اُس کے دورِ خزاں کی گواہ بھی بنی۔ فرماں روائے حال کی ابتری، احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ دُرّانی جیسے آسمانی عذابوں نے جب اہل دہلی کو بیقرار کیا تو یہی صنف سخن ٹھہری جس نے ان کو بارگاہ نبوی میں اپنے حال زبوں کی فریادرسی اور صبر وسکوں کا راستہ دکھایا۔

ہو رہے ہیں ہم جو دوزخ کے حطب — سر پہ ہم اعمال لائے ہیں غضب
رکھتے ہیں چشم عنایت تجھ سے سب — تجھ سوا کس سے کہیں احوال اب
رحمۃ للعالمینی یا رسول! ہم شفیع المذنبینی یا رسول

میؔر (۳)

وقت بدلا، حالات بدلے اور باہر سے آئی اِک سرخ فام قوم نے اس ملک میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کیئے۔ کہیں بادشاہوں کو تخت سے اتارا تو کہیں عوام کو دار پر چڑھایا۔ ہرنئے دن کے سورج کے ساتھ انسانی ظلم وستم کی تاریخ میں مزید نئے ابواب کا اضافہ کیا۔ اِس پُرآشوب دور میں بھی نعتیہ شاعری عوام وخواص کے سکون قلبی اور جرأت واستقامت کا وسیلہ بنی۔ اردو نعت کو آج بھی مرادآباد کی چوک کا وہ منظر یاد ہے؛ جب زنجیروں میں جکڑا ہوا ایک 'باغی' سزائے موت کی ہم آغوشی سے چند لمحات قبل اِس صنف سخن کے ازلی خزانے میں اپنی آخری نیاز گزار رہا تھا۔

کوئی گل باقی نہ چمن نہ رہ جائے گا پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا(۴)

اِسی پر آشوب دور میں غیر منقسم ہندوستان کے ایک قصبے ''سیالکوٹ'' میں بحر نعت کا اِک عظیم شناور ''محمد اقبال'' پیدا ہوا، جس نے اپنے آفاقی پیغام کے ساتھ ساتھ اردو نعت کے خزانے میں ایسے درِ بے بہا پیش کئے کہ تمام عالمی زبانوں میں اردو کا اقبال بلند کر دیا۔ قدرت نے اقبال کے دل کو عقیدتوں کی آماج گاہ بنایا تھا۔ یہی سبب ہے کہ وہ شاگرد تو داغ دہلوی کا تھا مگر دل میں سر سید، حالی، شبلی اور امیر مینائی جیسے اسیران حجاز کی عقیدتیں بھی موجزن تھیں۔

ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن سے وابستہ تمام افراد و عوامل سے اقبال کو بے پناہ قلبی وابستگی تھی۔ عرب کے صحرا، ریگ زار، کھجور... حتیٰ کہ وہاں کی گرمی بھی اُنہیں نسبت حجازی کے سبب دونوں جہان کی نعمتوں سے زیادہ عزیز تھیں۔ اِنہیں نسبتوں کی عقیدت کا اعتراف تھا کہ اقبال نے جناب بتول کا مرتبہ حضرت مریم سے سہ گنا اشرف و اعلیٰ کہا۔ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو مسیح و خضر سے اونچے مقام کا حامل بتایا۔ ملک حبش کو اہل عشق کی ''دنیائے بلالی'' سے تعبیر کیا۔ یہی سبب تھا کہ اقبال دنیا کے جس خطہ میں بھی گئے وہاں کی نسبتِ حجازی کی خوشبو نے اُنہیں اپنی طرف متوجہ کیا اور اُن کا قلم یوں گویا ہوا۔

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے(۵)

اِسی نسبت حجازی کے باعث اقبال نے بڑے بڑے نام داروں کے مقابل بلال بن رباح رحمۃ اللہ علیہ وسلم کی حیات ابدی کا سبب ''بارگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی'' کو قرار دیا۔

لیکن بلال، وہ حبشی زادۂ حقیر فطرت تھی جس کی نور نبوت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلال محکوم اُس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوش چرخ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے (۶)

اقبال آستانۂ نبوی کی غلامی کو دنیوی جاہ وحشم اور کرّ وفر سے بلند پایہ قرار دیتے ہیں۔ انہیں دونوں جہان کی عظمتوں اور رفعتوں کا راز اِسی بارگاہ کی نسبت میں پوشیدہ نظر آتا ہے کہ جس کے سبب

اک غیر معروف سیاہ فام حبشی غلام کو عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ جیسا عرب سردار ''سیّدنا'' کے لقب سے یاد کیا کرتا تھا۔ جفائے عشق میں مجروح عشاق کے قافلہ سالار ''بلال رضی اللہ عنہ'' کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال اپنی قلبی ارادت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔ ؎

چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدّر کا حبش سے تجھ کو اٹھا کے حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے تیرے غم کدے کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں(۷)

یہاں بیان حضرت بلال کے مقامِ عشق کا ہو رہا تھا۔ مگر اقبال کی چشم تخیل میں نمازِ بلالی کی عظمتوں کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی کی اس جماعت کا منظر بھی نظر آتا ہے کہ جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بہ سببِ علالت کئی دنوں کی رخصت کے بعد اپنی مسجد میں تشریف لائے تو عین حالت نماز میں مشتاق زیارت مقتدیوں نے مع امام اس مہر انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی بیتابی میں اپنے اپنے مقامات چھوڑ دیے تھے۔ ؎

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری(۸)

دنیائے اسلام میں اذان ایک مذہبی امر ہے؛ اس کے لغوی معنی ''خبردار کرنے، اطلاع دینے اور اعلان کرنے'' کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں وہ مخصوص کلمات جن کے ذریعے لوگوں کو نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دی جائے، اذان ہے۔ لیکن شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن اوّل بلال جب اپنی پرسوز آواز میں اذان دیتے ہیں تو کتاب عشق کا مفسر اقبال اس کی تشریح یوں کرتا ہے۔ ؎

اذاں ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی نماز تیرے نظارے کا اک بہانہ بنی (۹)

اقبال بہ ظاہر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں لیکن در پردہ اپنی دلی کیفیات کی بھی عکاسی کرتے جا رہے ہیں کہ ''مدینۃ الرسول ان کی آنکھوں کی روشنی ہے اور اس شہر کی عظمت ان کے دل میں وہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کوہِ طور کی تھی۔''

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا ترے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا(۱۰)

اقبال تا عمر دیدار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید خواہشمند رہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں بار ہا اس خواہش کا اظہار بھی کیا ہے۔ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرح بالمشافہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف تو حاصل نہیں کر سکتے تھے لیکن اپنی قوت تخیل کے ذریعے اس مقدس دور کی تابانیوں

سے اکثر محظوظ ہوا کرتے تھے۔ نیاز الدین خاں کے نام ۲/مارچ ۱۸۹۱ء کے ایک خط میں اسی نظم ''بلال'' کے آخری شعر کو اِن الفاظ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

''میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں۔ مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیل میں قرونِ اولیٰ کی سیر، مگر خیال کیجیے کی تخیل اس قدر حسین و جمیل و روح افزا ہے وہ زمانہ خود کیسا ہوگا۔

خوشا وہ وقت کی یثرب مقام تھا اس کا خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا'' (۱۱)

اقبال کی شاعری کا آغاز ایک محبّ وطن اور محبّ قوم کے طور پر ہوا۔ اخوتِ انسانی، باہمی رواداری، قدیم تہذیبی وراثت اور بالخصوص نسبت خواجگان کے سبب اقبال سرزمین ہند کی عظمت و فضیلت کے ترانے رقم کرتے ہیں۔ نگاہ مسلم میں انہیں ساری دنیا ہی اپنا وطن اور اپنی میراث نظر آتی ہے لیکن جہاں بات نگاہ عشق و مستی کی آتی ہے تو اقبال کو ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام کائنات کی عظمتیں، برکتیں اور نعمتیں سمٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا (۱۲)
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے (۱۳)
نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا محمد عربی سے ہے عالم عربی ﷺ (۱۴)
جذب حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے (۱۵)
وہ دانائے سبل ختم رسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ (۱۶)

اقبال دلی، بغداد، قرطبہ جیسے تاریخی شہروں کو اُن ''بلاد اسلامیہ'' میں شمار کرتے ہیں جو کہ اسلامی تہذیب اور نسبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہونے کے بعد ''تاریخ البلاد'' میں نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں۔ ان تمام شہروں میں اقبال سب سے پہلے عظمت اسلام کی خانقاہ، بائیس خواجگان کی چوکھٹ، عظیم حکمرانوں کی آخری آرام گاہ اور زیارت گاہ اہل دل یعنی شہر دہلی کو اس طرح یاد کرتے ہیں۔

سرزمیں دلی کی مسجودِ دل غم دیدہ ہے ذرے ذرے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے
پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں خانقاہ عظمت اسلام ہے یہ سر زمیں
سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار نظم عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار (۱۷)

سرزمینِ بغداد کی عظمت و حرمت کا سبب اقبال نسبت حجازی کو ہی قرار دیتے ہیں۔

خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوش ارم جس نے دیکھے جانشینان پیمبر کے قدم(۱۸)

دیارِ قیصر یعنی خطہ قسطنطنیہ کی عظمتوں کو خراج پیش کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں۔ ـــ

صورت خاک حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے آستانِ مسند آرائے شہ لولاک ہے(۱۹)

لیکن جب اپنے منبعِ شرف کو اپنے بطن میں پوشیدہ رکھنے والی سرزمین یعنی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر آتے ہیں تو ان کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں کیوں کہ یہ وہ سرزمین ہے جو اقبال کو دونوں جہان سے زیادہ عزیز ہے۔ یہاں شاعرِ مشرق اور حکیم الامت خاموش ہو جاتا ہے اور سحرِ حجاز میں گرفتار اِک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان یوں گویا ہوتی ہے۔ ـــ

وہ زمیں ہے تو، مگر اے خواب گاہ مصطفیٰ دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا
خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اُس شہنشاہ معظم کو ملی جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی
نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے جانشیں قیصر کے، وارث مسند جم کے ہوئے
آہ! یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں، باقی ہم بھی ہیں صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں(۲۰)

اسلام اور اہل اسلام کی زبوں حالی کے اِس نوحہ خواں کو خالق نے غم انسانیت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں از خود اور دوسروں کو بے قرار کرنے کا مزاج عطا فرمایا تھا۔ اسی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تڑپ کے سہارے اقبال امت مرحومہ کی عروق مردہ کو پھر سے جلا بخشنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نئے زمانے میں پرانی باتیں سنانے والی ''روح اقبال'' بارہا عالم تخیل میں طائر بے آشیاں کے مانند پرواز کرتے ہوئے اپنے روحانی مرکز یعنی بارگاہ نبوی میں پہنچ جاتی ہے اور اپنے رؤف و رحیم پیغمبر کی بارگاہ میں احوالِ امت پر اپنی قلبی وارفتگی کو کچھ یوں بیان کرتی ہے۔ ـــ

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمد آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے(۲۱)
کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری(۲۲)

اقبال کے نزدیک کسی بھی ذات کے معجز و محترم ہونے کی شرط شناسائے مقامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ہے لیکن اُنہیں اُمّت کے نام نہاد سربراہ اُس نعمت عظمیٰ سے عاری نظر آتے ہیں۔ عقابوں کی خانقاہوں پر براجمان زاغوں اور مشرقی خرقوں میں ملبوس مغربیت زدہ اہل علم کے لشکروں سے مایوس و

محزوں روح اقبال ایک شوریدہ سر کی صورت میں اپنے غم کا مداویٰ روضۂ نبوی کی سنہری جالیوں کے قرب میں تلاش کرتی ہے۔

کل ایک شوریدہ خواب گاہ نبی پہ رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر و ہندوستاں کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں
یہ زائرانِ حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں

غضب ہیں مرشدان خود بیں ''خدا تیری قوم کو بچائے'' بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں۔(۲۳)

اسی کیفیت کی شدت میں بے قرار روح اقبال ''جناب رسالت پناہ میں'' کچھ اس انداز سے عرض گزار ہوتی ہے کہ گویا بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں بلکہ سراپا ''صاحبِ بارگاہ'' کے روبرو اپنی حالت قلبی بیان کررہی ہو۔

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی　　تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں　　وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی (۲۴)

اقبال کو احساس ہے کہ یہ فریادیں ان کے ملجا و ماویٰ کی سماعتوں تک ضرور پہنچتی ہیں۔اسی لیے وہ عالم تخیل میں صرف فریاد ہی نہیں کرتے بلکہ از خود ''صاحب بارگاہ'' کی شرف توجہ سے بھی سرفراز ہوتے ہیں۔یہاں قابل غور ہیں وہ الفاظ جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اقبال بارگاہ نبوی میں کس مخصوص لقب کے ساتھ رسائی اور کیسے غائر تعلق کے خواہش مند ہیں۔

کہا حضور نے اے ''عندلیب باغ حجاز''　　کلی کلی ہے تری گرمی نوا سے گداز
نکل کے باغ جہاں سے بہ رنگ بو آیا　　'ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا'(۲۵)

اقبال عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اُس مقام پر تھے، جہاں عشاق سوزِ عشق میں خاک ہوکر کوچۂ محبوب کی گردِ راہ ہونے کو اپنا مقصد حیات جانتے ہیں۔یہی سبب ہے کہ وہ سرزمین حجاز کے ذروں میں تحلیل ہونے کی تمنا کرتے ہیں کیوں کہ ان کو دونوں عالم کے انتشار کا مداویٰ ''شفاخانۂ حجاز'' میں نظر آتا ہے۔اقبال کو معلوم ہے کہ خاک حجاز ہونا حیات دائمی کا ضامن اور اس بارگاہ ناز میں ابدی رسائی کا پروانہ ہے۔وہ دوسروں کو بھی سحر حجاز میں گرفتار ہونے اور دنیوی بتوں سے اپنے نفس کی حفاظت کرکے غبارِ راہ حجاز بن جانے کی تلقین کرتے ہیں۔تمام عمر بارگاہ نبوی کی حاضری کا ارمان دل میں ہی

لے کر دنیا سے رخصت ہونیوالا یہ نعت گو دیارِ حبیب کو جانے والی ہواؤں سے اپنا پیغام کہلاتا ہے۔

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبالؔ   اڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کر(۲۶)
اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی   میں موت ڈھونڈتا ہوں دیارِ حجاز میں(۲۷)

اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے امت بیچاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی(۲۸)

یہ اشعار شاہد ہیں اس امر پر کہ سرزمین حجاز پر حاضر ہو کر اپنے دردِ دل کی چارہ سازی اقبال کی آخری اور شدید تمنا تھی، جو مکمل نہ ہو سکی۔ مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، محبت الٰہی پر غالب آ گئی تھی۔ اُن کی آخری آرزو فریضۂ حج کی ادائیگی تھی لیکن اس آرزو کی اصل محرک دیارِ حبیب کی زیارت تھی۔''(۲۹)

''جنگ یرموک کے اک واقعہ'' کو بیان کرتے ہوئے اقبال اپنی حالت قلبی اور فراق نبوی میں اپنی بے قراری کو اِک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یوں ادا کرتے ہیں۔

اے بو عبیدہ رخصت پیکار دے مجھے   لبریز ہو گیا مرے صبر و سکوں کا جام
بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں   اک دم کہ زندگی بھی محبت میں ہے حرام(۳۰)

مدینہ کو جا رہے اک قافلے کو راستے میں ہی لوٹ لیا گیا اور کئی مسافروں کو قتل کیا گیا۔ انہیں شہداء میں شریک اِک ''بخاری نوجوان'' کے کردار میں اقبال کی حاضری طیبہ سے محرومی اور اس کے سبب ہونے والی ذہنی کیفیت و خجالت کچھ یوں گویا ہوتی ہے۔

اس بخاری نوجواں نے کس خوشی سے جان دی   موت کے زہراب میں پائی ہے اس نے زندگی
خنجر رہزن اسے گویا ہلال عید تھا   ''ہائے یثرب'' دل میں لب پر نعرۂ توحید تھا
خوف کہتا ہے کہ یثرب کی طرف تنہا نہ چل   شوق کہتا ہے کہ ''تو مسلم ہے بے باکانہ چل''
بے زیارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا؟   عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤں گا کیا؟
خوف جاں رکھتا نہیں کچھ دشت پیمائے حجاز   ہجرت مدفونِ یثرب میں یہی مخفی ہے راز(۳۱)

یادِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اِسی ''ذوق و شوق'' نے جب اقبال کو دیارِ حبیب کی دہلیز یعنی فلسطین پہنچایا تو ان کی حالتِ قلبی ناگفتہ بہ تھی۔ دشت نواح کاظمہ میں صبح کا دلفریب منظر، آفتاب سے دریائے نور کی روانی، کوہ اضم پر بادلوں کی دھنک، ریشم کی طرح نرم ہو چکی ریت، بجھی ہوئی آگ

کے نشانات اور ٹوٹی ہوئی طنابیں یہ مناظر فطرت روح اقبال کو بے قرار کیے دے رہے تھے۔ اُنہیں ان تمام مناظر کے پس پردہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے عکس کی تابانیاں محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ تمام عکس اقبال کو بارگاہ نبوی میں حاضری کا غائبانہ اشارہ لگ رہے تھے کہ بس ایک منزل بھر کی دوری ہی تو ہے اور پھر تو اس جناب میں ہوگا جو تیری زندگی کا مرکز ومحور ہے اور تیری روح کا قرار، جس کے سہارے بہ صورت تخیل اقبال اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن تھے کہ تبھی صدائے جبرئیل نے اُن کو مزید آگے بڑھنے سے روک دیا اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی سنایا کہ ''چونکہ تیری نسبت اہل فراق سے ہے اس لیے تجھے روا نہیں کہ تو اس مقام سے آگے بڑھے اور منزل وصال سے ہمکنار ہو۔'' لہٰذا اقبال نے اسی سر زمین پر کھڑے ہو کر بارگاہِ نبوی میں اپنا شاہکار پیش کرتے ہیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے حجاب
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے عقل غیاب وجستجو عشق حضور و اضطراب
تیرہ و تار ہے جہاں گردش آفتاب سے طبع زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے (۳۲)

یہی وہ کیفیات تھیں جن کے سبب اقبال کے قریبیوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ''یہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے۔ وہیں جاں بحق ہو جائیں گے۔ (۳۳)

اقبال کے نزدیک مرد مومن کا حقیقی فخر اور سرمایہ ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''مان'' ہے، جس کا حصول دنیوی واخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔ یہی سبب تھا کہ ارشاد نبوی کی تعمیل میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا کل اثاثہ لا کر حضور کے قدموں میں رکھ دیا اور جب اُس ''رفیق نبوت'' سے ''فکر عیال'' کے بارے میں پوچھا گیا تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لہجے میں "سوزِ صدیق کا طالب" اقبال یوں عرض کرتا ہے۔

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر اے تیری ذات باعث تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس (۳۴)

معرکۂ حق وباطل اور عقل وعشق جو کہ تخلیق کائنات کے ساتھ ہی وجود میں آچکے تھے۔ اقبال

اس معرکہ میں ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل حق اور اہلِ عشق کے قافلہ سالار کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ کائنات میں جہاں کہیں بھی کوئی کارِ خیر نظر آتا ہے، اقبال اسے فیضانِ محمدی قرار دیتے ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی (۳۵)
ہر زمانے میں دگر گوں ہے طبیعت اس کی کبھی شمشیر محمد ہے کبھی چوب کلیم (۳۶)
تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب (۳۷)

اقبال کا ایقان کہ دور حاضر میں باطل سے نبرد آزما ہونے کی قوت وصلاحیت صرف تعلیمات نبوی یعنی ''اسلام'' میں پوشیدہ ہے۔ ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس اپنے نام نہاد کارناموں کی ڈینگیں مارتا ہے۔ وہ ابلیسی نظام کو لاحق جمہوریت، فسطائیت اور اشتراکیت جیسے خطرات کا رد کرتا ہے اور اپنے مشیروں کے روبرو اصل خطرے اسلام یعنی ''شریعتِ محمدی'' کو قرار دیتا ہے۔

ہے اگر مجھ کو کوئی خطرہ تو اس امت سے ہے جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے (۳۸)

اقبال کو انسانی ارتقا کی بلند ترین منازل کے پس پردہ فیضان نبوی نظر آتا ہے۔ آج کا انسان جو خلائی مخلوق ہونے کا شرف حاصل کر چکا ہے، اقبال اُس کا نقش اول معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں (۳۹)
رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات (۴۰)

عام مشاہدہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ مغربی تعلیم حاصل کرنے کے بعد یا تو سرے سے منکر دین ہو جاتا ہے یا پھر اُن کے اعتقادات میں تزلزل آ جاتا ہے لیکن نسبت نبوی نے اقبال کے مذہبی موقفات کو اتنا مستحکم کر دیا تھا کہ وہ دانش کدۂ اہل فرنگ کے ظاہری نام ونمود سے ذرہ برابر بھی متزلزل نہ ہوئے۔ بقول مولانا ابوالاعلیٰ مودودی:

> ''اقبال نے اپنے سارے تفلسف اور اپنی تمام عقلیت کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ایک متاع حقیر کی طرح نذر کر کے رکھ دیا تھا۔ حدیث کی جن باتوں پر نئے تعلیم یافتہ نہیں، پرانے مولوی تک کان کھڑے کرتے ہیں اور پہلو بدل بدل کر تاویلیں کرنے لگتے ہیں یہ ڈاکٹر آف فلاسفی ان

کے ٹھیٹھ لفظی مفہوم پر ایمان رکھتا تھا۔'' (۴۱)

اقبال کا فکر وفن نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستنیر ہے۔ان کے تمام افکار نسیم حجازی کے پروردہ ہیں۔یہی سبب تھا کہ نام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سن کر نم ہونے والی آنکھ، اہل فرنگ کی ظاہری چکا چوندھ سے کبھی خیرہ نہ ہوئی۔اپنے علمی مقام کے سبب عالمی شہرت کا حامل بارگاہ نبوی کا یہ قلندر اپنے نبی کے حضور کچھ اس انداز سے عرض گزار ہوتا ہے۔؎

تو اے مولائے یثرب ! آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی میرا ایمان زناری (۴۲)

اقبال نسبت نبوی کو ''روح محمدؐ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ان کا ماننا ہے دین حنیف کی بقا ''روحِ محمدی'' سے وابستگی میں ہے۔یہی وہ قوت ہے، جس کے مدار پر بے تیغ سپاہی اہل شر کے نرغے سے ٹکرا جاتا ہے۔اسی جزبے کو ماند کرنے کے اہل باطل کے منصوبے کو تشت از بام کرتے ہوئے اقبال امت محمدی کو اس کے زوال کا سبب بیان کرتے ہیں۔؎

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو (۴۳)

اقبال قوم مسلم کی ضلالت ورسوائی کا سبب اسوۂ نبوی کا ترک کرنا بتاتے ہیں۔ان کا ماننا ہے کہ دور حاضر میں قوم مسلم کے زوال کا سبب بارگاہ نبوی سے قلبی اور دینوی دوری ہے۔قوم مسلم کو مخاتب کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں۔؎

کون ہے تارک آئین رسول مختار مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بے زار
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں (۴۴)

اقبال کی مشہور زمانہ تخلیق ''شکوہ'' کو مذہبی شاعری کی دنیا کا واسوخت کہا گیا، تو "جواب شکوہ" اُس واسوخت کے بعد کی صلح صفائی اور تعلقات کے از سر نو خوش گوار ہونے اور اعتدال پر آنے کا اعلامیہ۔جواب شکوہ کے تمام بند الہام ربانی کی شان سے آراستہ ہیں لیکن اخیر کے پانچ بند ایک کے بعد ایک نعتیہ شاہ کار کی اک تاریخ رقم کرتے نظر آتے ہیں۔بقول عبدالسلام ندوی:

ڈاکٹر صاحب نے ان نعتیہ اشعار کی ابتدا خود خدا کے حکم سے کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اشعار انہوں نے حکم خداوندی کی بجا آوری میں فرض عین سمجھ کر لکھے ہیں۔خداوند تعالیٰ اُن کو حکم دیتا ہے۔؎

مثل بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا نغمہ موج ہے ہنگامہ طوفاں ہو جا
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے (۴۵)

چنان چہ فرمان الٰہی کی تعمیل میں اقبال نے نعت کہی اور اِن نعتیہ اشعار میں اپنے تمام افکار و خیالات کا خلاصہ پیش کر دیا۔ یعنی ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی وجہ تخلیق کائنات بھی ہے اور وجہ ثبات کائنات بھی۔ ازل تا ابد کائنات کی ہر شے فیض نبوی کی پرورده ہے۔ اُن کا نام نامی اسم گرامی ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' عشاق کے دلوں کا قرار اور اُن کی زندگیوں کی اثاث ہے، اور اسی مقدس نام کی نسبت اور ان کی تعلیمات کی پیروی قوم مسلم کو دونوں عالم میں سرفراز کرنے کو کافی ہیں۔ ؎

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
دشت میں دامن کہسار میں میدان میں ہے بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر مراقش کے بیابان میں ہے اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے
مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمی مہر کی پرورده ہلالی دنیا عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح
عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
ما سوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۴۶)

غرض کہ اقبال نے اردو نعتیہ شاعری کی روایت میں کئی تجدیدی کارنامے سرانجام دیے۔ مثلاً: نعت کو پیغام اور پیغام کو نعت بنایا۔ نعت کو فلسفیانہ ذہن، سوز و گداز اور عالمی بصیرت عطا کی۔ اِس فنِ پارینہ کو کرب انسانیت کا نسخۂ شفا تجویز کیا۔ نعت کے رسمی، روایتی اور مقررہ مضامین سے اجتناب کیا۔ اسے آفاقیت اور ابدیت جیسے امکانات سے روشناس کرایا۔ عقیدت اور محاسن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں اِک نئے باب کا اضافہ کیا جس کا مرکزی خیال ممدوح اور مداح کے نفوس کا انضمام واد

عام تھا۔ نعت کو مذہبی شاعری کے حصار سے نکالا اور ایک ایسی فضا قائم کی جس میں، اردو نعت دیگر اصناف سخن کے نہ صرف شانہ بہ شانہ چل رہی ہے بلکہ ایک ایسا منارۂ نور بن چکی ہے جس کی روشنی سے متاخرین نعت گو ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

ماخذ و حوالہ ذات

(۱) حدائق بخشش از مولانا احمد رضا خاں
(۲) قرآن مجید، سورہ الشرح (۴۔۹۴)
(۳) ارمغان نعت: ساجد صدیقی، والی آسی ص: ۷۳۔
(۴) علما و قائدین جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از یاسین اختر مصباحی ص: ۲۵، ۲۶۔
(۵) مسجد قرطبہ از بانگ درا: اقبال
(۶) بلال از بانگ درا: اقبال
(۷) بلال از بانگ درا: اقبال
(۸) بلال از بانگ درا: اقبال
(۹) بلال از بانگ درا: اقبال
(۱۰) بلال از بانگ درا: اقبال
(۱۱) بلال از بانگ درا: اقبال
(۱۲) ملی ترانہ از بانگ درا: اقبال
(۱۳) وطنیت از بانگ درا: اقبال
(۱۴) امرائے عرب سے از ضرب کلیم: اقبال
(۱۵) طلباء علی گڑھ کالج کے نام از بانگ درا: اقبال
(۱۶) سما سکتا نہیں پہنائے۔ از بال جبریل: اقبال
(۱۷) بلاد اسلامیہ از بانگ درا: اقبال
(۱۸) بلاد اسلامیہ از بانگ درا: اقبال
(۱۹) بلاد اسلامیہ از بانگ درا: اقبال
(۲۰) بلاد اسلامیہ از بانگ درا: اقبال
(۲۱) اے روح محمد از ضرب کلیم: اقبال
(۲۲) میں اور تو از بانگ درا: اقبال
(۲۳) قطعہ از بانگ درا: اقبال

(۲۴) حضور رسالت پناہ میں از بانگ درا: اقبال

(۲۵) حضور رسالت پناہ میں از بانگ درا: اقبال

(۲۶) کشادہ دست کرم جب وہ۔۔۔از بانگ درا: اقبال

(۲۷) شفا خانۂ حجاز از بانگ درا: اقبال

(۲۸) اے بادِ صبا۔۔۔از بانگ درا: اقبال

(۲۹) اقبال کامل از عبدالسلام ندوی ص: ۳۹۴۔

(۳۰) جنگ یرموک کا اک واقعہ از بانگ درا: اقبال

(۳۱) ایک حاجی مدینے کے راستے میں از بانگ درا: اقبال

(۳۲) ذوق وشوق از بال جبریل: اقبال

(۳۳) اقبال اور محبت رسول ص: ۱۴۷

(۳۴) صدّیق از بانگ درا: اقبال

(۳۵) ارتقا از بانگ درا: اقبال

(۳۶) اہل مصر سے از بانگ درا: اقبال

(۳۷) ذوق وشوق از بال جبریل: اقبال

(۳۸) ابلیس کی مجلس شوریٰ از ارمغان حجاز: اقبال

(۳۹) وہ حرف راز کہ مجھ کو......از بال جبریل: اقبال

(۴۰) شب معراج از بانگ درا: اقبال

(۴۱) اقبال فن اور فلسفہ: پروفیسر نورالحسن نقوی ص: ۵۵

(۴۲) دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کراری از بال جبریل: اقبال

(۴۳) ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام: اقبال

(۴۴) جواب شکوہ از بانگ درا: اقبال

(۴۵) اقبال کامل: عبدالسلام ندوی ص ۳۹۴، ۳۹۵۔

(۴۶) جواب شکوہ از بانگ درا: اقبال

نوٹ: میں از خود تصدیق کرتا ہوں کہ یہ مقالہ غیر مطبوعہ ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر سراج احمد قادری، مدیر مجلّہ

نعت ریسرچ سینٹر-انڈیا اور اس میں فراہم

تحقیقی وتنقیدی، حمدیہ ونعتیہ کتب ودواوین کا اجمالی تعارف

نعت ریسرچ سینٹر-انڈیا نعتیہ ادب کے فروغ وارتقاء کے لئے قائم کیا گیا ایک بین الاقوامی ادارہ ہے۔ جس کی بنیاد ماہ دسمبر ۲۰۱۵ء میں محترم جناب فیروز احمد سیفی (نیویارک) کے ہاتھوں رکھی گئی وہی اس ادارے کے فاونڈر رڈائریکٹر ہیں۔ نعت ریسرچ سینٹر-انڈیا کے قیام کا واحد مقصد ہند اور بیرون ہند ممالک میں نعت کے اس سرمایہ جات کو ڈھونڈ نکالنا ہے جو ابھی تک ارباب علم وفضل کی فکر وفن کا موضوع نہیں بن سکے ہیں مگر ان میں فکر وفن کا موضوع بننے کی تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں۔ خاص کر اُسوۂ رسول اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان میں جو فراوانی ہے وہ بے حد وبے کراں ہے۔

نیز نعت کی ادبی عظمت یونیورسٹیز اور کالجز کے ان اساتذہ اور دانشوروں کو بھی باور کرانا ہے جنہوں نے آج تک اس مقدس صنف کو ادب کی صنف کا درخور اعتنا سمجھا ہی نہیں۔ ہمیشہ انہوں نے اس سے صرف نظر برتا۔ لائق صد مبارک باد ہیں وہ یونیورسٹیز اور تعلیمی ادارے جن کے یہاں نعت شامل نصاب ہے اور وہاں کے اساتذہ اس کی تعلیم وتعلم میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ نیز ملک وبیرون ملک کی ان دیگر یونیورسٹیز اور تعلیمی اداروں کو بھی رغبت دلانا ہے جن کے یہاں نعت تاہنوز شامل نصاب نہیں جس سے کہ وہ اس کی جانب متوجہ ہو کر نعت کو اپنے یہاں شامل نصاب کر کے اس کے ارتقائی فروغ میں ایک اہم کردار ادا کرسکیں۔

جب ہم نعت گوئی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو عہد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہمیں اس کی دو جہتیں نظر آتی ہیں (۱) فکری وفنی جہت (۲) نغمہ سنجی۔

تاریخ نعت گوئی کا مطالعہ اس بات پر بھی شاہد ہے کہ عہد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نعت گوئی صرف نغمہ سنجی کی حد تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس کی فکری وفنی جہتیں بھی عظیم تھیں۔ صحابۂ

کرام، اسلاف عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین نے نعت کی محفلوں کا انعقاد صرف آہ اور واہ کے لیے کبھی نہیں کیا بلکہ انہوں نے اسے بطور فکر وفن اور عشق رسول کو تیز کرنے کے لئے کیا۔صحابۂ کرام یا اسلاف عظام کی نعت گوئی کا مقصد اس صنف مقدس کو عصری جہتوں اور معنویتوں سے ہم کنار کرنا تھا جس کی جیتی جاگتی مثال حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قصیدہ بردہ شریف ہے جس میں عصری حسیت ومعنویت کی وہ تمام تر جہتیں مخفی ہیں جنہیں ہم تلاش کر آج کے اس پُر آشوب دور میں اپنے قلب وروح کو سکون پہنچا سکتے ہیں۔

نعت گوئی کی دوسری جہت نغمہ سنجی ہے۔نغمہ سنجی کی عظمت کے اعتراف سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔نغمہ سنجی ہی کو قلب کے گرمانے اور روح کو تڑپانے کا شرف حاصل ہے۔جس وقت کوئی نعت خواں نعت کے جادو جگاتا ہے اس قت ہم اس کی سحر آفرینی سے بے خودی کی اس دنیا میں پہنچ جاتے ہیں جس کا حال بیان کرنے کے لئے الفاظ ومعانی بے بس نظر آتے ہیں۔اس وقت صرف ہم ہوتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات دوسرا کوئی نہیں۔اس وقت نقش دوئی کے سارے پردے اُٹھ چکے ہوتے ہیں اور حال یہ ہوتا ہے کہ اس وقت محبت رسول کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

میری دانست میں نغمہ سنجی کو نعت کا وصف قرار پانے میں مدینہ طیبہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت وہاں کی بچیوں کا گایا ہوا یہ نغمۂ سرمدی ہے جو آج بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ فروغ پذیر ہے۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعا للّٰہ داع
ایّھا المبعوث فینا — جئت بالأمر المطاع

مزید برآں اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت کو بہترین آوازوں سے مزین کرنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔**عَن البرأ بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم زیّنُوا القرآن بِاَصوَاتِکُم۔** برأ بن عازب رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’’قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کیا کرو۔‘‘ (سنن ابوداؤد)۔

اگر اس ارشاد عالی کو مزید معنوی جہت عطا کرتے ہوئے نعت خوانی کو اس کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس سے نعت کی نغمہ سنجی کی عظمت اور دوبالا ہو جاتی ہے۔

نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا نعت گوئی کے اسی حقیقی مقصد کی حصول یابی کے لیے قائم کیا گیا ہے۔جس کے ذریعہ ہم عصر حاضر کی نئی نسل اور آنے والی نسلوں کے سینوں کو اسوۂ رسول اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گنجینہ بنانا چاہتے ہیں۔

اب ہم اس دارے کے قیام کے پس منظر پر بھی اجمالی روشنی ڈالنا بہتر سمجھتے ہیں کہ یہ کس طرح وجود میں آیا اس تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ جہاں تک مجھے یاد آرہا ہے کہ ۲۰۱۲ء میں ایک دن شام کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے میرے موبائل فون پر ایک انٹرنیشنل کال آئی جس میں فون کنندہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ میں فیروز احمد سیفی (نیویارک) سے بول رہا ہوں میں نے عرض کیا کہ فرمائیں کیا حکم ہے؟ انہوں عرض کیا کہ میں نے آپ کا نمبر لاہور سے نکلنے والے ماہنامہ ''جہان رضا'' سے حاصل کیا ہے۔جس وقت ان کی کال آئی اس وقت میں سبزی منڈی میں سبزی خرید رہا تھا جہاں کثرتِ ہجوم کے باعث ان کی آواز صاف سُنائی نہیں دے رہی تھی پھر بھی میں نے ملتفت ہوکر سننے کی کوشش کی لیکن جب آواز حد درجہ کمزور ہوگئی تو میں نے عرض کیا کہ آپ کی آواز نہیں آرہی ہے اور ہجوم کے باعث سن پانا بھی ممکن نہیں۔تو انہوں نے فرمایا کہ اچھا میں کل اسی وقت آپ سے دوبارہ بات کرتا ہوں میں نے عرض کیا جی بہتر۔دوسرے دن جب ان کی کال آئی تو اس وقت میں گھر پر ہی تھا ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔اس وقت ان کی گفتگو کا محور نعتیہ ادب کا فروغ وارتقاء تھا۔انہوں نے میرے بارے میں پڑھ رکھا تھا کہ میں نے نعت کے موضوع پر تحقیقی مقالہ قلم بند کیا ہے۔جس کی تفصیل انہوں نے مجھ سے بھی جاننا چاہی تو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں میں نے کان پور یونیورسٹی، کان پور سے پروفیسر سید ابوالحسنات حقی سابق پرنسپل وسابق صدر شعبہ اردو حلیم مسلم پوسٹ گریجویٹ کالج، کان پور کی زیر نگرانی ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری'' پر پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ قلم بند کیا ہے۔اس بات کو سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔

میں نے مزید عرض کیا کہ میں مسلسل نعتیہ ادب پر ہی لکھ رہا ہوں میرے مقالے ہندوستان میں ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت''، ماہنامہ ''سنی دنیا'' بریلی، ماہنامہ ''کنز الایمان'' دہلی اور پاکستان میں سالنامہ ''معارف رضا''، مجلّہ ''نعت رنگ'' کراچی اور ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور میں چھپتے رہے ہیں۔ نیز میرا تحقیقی مقالہ ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری'' ہندوستان میں رضوی کتاب گھر، دہلی اور پاکستان میں فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

اس دن گفتگو کا سلسلہ کیا شروع ہوا کہ اس کے بعد ہر دوسرے تیسرے دن ان سے گفتگو کا

سلسلہ چل پڑااور جب بھی ان سے گفتگو ہوتی تو صرف نعتیہ ادب کے فروغ وارتقاء کے ہی حوالے سے ہوتی۔ وہ مجھ سے یہی فرماتے کہ پوری دنیا میں نعت کے موضوع پر بڑا کام ہورہا ہے مگر ہمارے ہندوستان میں اس حوالے سے کوئی خاطر خواہ تحقیقی وتنقیدی کام نہیں ہورہا ہے ایک انجماد طاری ہے اور یہ انجماد ٹوٹنا چاہئے۔ میں ان سے یہی کہتا کہ آپ کا فرمانا بجا ہے مگراس کے لیے بہت کچھ درکار ہے اس طرح ہماری گفتگو ہوتی رہتی۔

اسی دوران کرناٹک سے ڈاکٹر غلام ربانی فدؔا صاحب ’’جہان نعت‘‘ نام سے ایک سہ ماہی مجلّے کا اجرا کر چکے تھے۔ جب مجھے اس کے بارے میں علم ہوا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ ہم اور آپ مل کر اسی مجلّے کو سپورٹ کرتے ہیں اور ہندوستان میں فروغ حمد ونعت کا مینارۂ نور سمجھ کر اسی کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے مجلّہ ’’جہان نعت‘‘ کے فروغ وارتقاء کے لیے کمر کس لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دوشمارے اچھے منظر عام پر آئے لیکن جنوری ۲۰۱۵ء کے شمارے کے آنے کے بعد ایک دن سیفی صاحب کی کال آئی تو انہوں نے مایوس کن انداز میں مجھ سے گفتگو کا آغاز فرمایا کہنے لگے کہ ڈاکٹر غلام ربانی فدؔا صاحب نے یہ کہہ کر ہاتھ پاؤں کھڑے کردئے ہیں کہ آئندہ شمارے کی اشاعت کو میں نے ملتوی کردیا ہے۔ میں نے ان سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وہ کوئی وجہ نہیں بتا رہے ہیں صرف یہی فرمارہے ہیں کہ میں نے آئندہ شمارے کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں نے ان سے عرض کیا اچھا میں ابھی ان سے گفتگو کر کے وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں ممکن ہے وہ مجھے کچھ بتائیں۔ میں نے فوراً فدؔا صاحب کو کال کیا مگر مجھ سے بھی انہوں نے وہی فرمایا جو سیفی صاحب سے فرماچکے تھے اور اس کے ملتوی کرنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ ایسی صورت میں ہم دونوں ایک گہری تشویش میں پڑ گئے کہ اب کیا کیا جائے اسی اثنا میں نہ جانے کیسے میری زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ کوئی بات نہیں اب جب ہم نے ہندوستان میں نعتیہ ادب کے فروغ کا بیڑا اُٹھالیا ہے تو پیچھے نہیں ہٹیں گے اگر ہمارے آقا ومولیٰ تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاہا تو ہم دونوں مل کر اس کارواں کو آگے بڑھائیں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

میرے اتنا کہنے پر سیفی صاحب نے بے حد خوشی کا اظہار فرمایا حتیٰ کہ اس وقت ان کی خوشی کا جو عالم تھا اس کو میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ اس دن کے بعد ہماری گفتگو اور مشورے میں تیزی آگئی اور اس کے بعد سے تقریباً روز آنہ بات ہونے لگی۔ ہم نے باہمی مشورے سے اوّلاً ایک مجلّے کے

نکالنے کا فیصلہ کیا۔اس کا نام ہم لوگوں نے باہمی مشورے سے ''دبستان نعت'' تجویز کیا۔نام طے پا جانے کے بعد ہم دونوں نے مل کر اہل قلم حضرات سے رابطے قائم کیئے۔الحمدللہ!اہل قلم حضرات نے توجہ کی اور اس کا پہلا شمارہ ''دبستان نعت ششماہی'' ۲۰۱۶ء میں منظرعام پر آیا جو مشہور و معروف نعت گو عاشق رسول حضرت علامہ نورالدین جامؔی علیہ الرحمہ کے نام معنون تھا اور انہیں کے نام ایک خصوصی گوشہ بھی اس شمارے میں شامل تھا،شمارے کے مشمولات حسب ذیل تھے۔

۱- تحمید و تقدیس۔اس کے تحت ہندو بیرون ہند کے تین نعت گو شعراء کے حمدیہ کلام کو شامل کیا گیا تھا۔
۲- گنجینۂ نقد و نظر۔اس عنوان کے تحت کل چار تحقیقی و تنقیدی مقالوں کو زینت دی گئی تھی۔
۳- رحمت بے کراں۔کے ذیل میں غیرمسلم نعت گوشعراء پر دو مضامین شامل کیئے گئے تھے۔
۴- مقالات۔کے تحت نعتیہ ادب پر مختلف عنوانات کے تحت ۱۴ر مقالوں کو شامل کیا گیا تھا۔
۵- گوشۂ علامہ جامؔی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تحت ۴ر مقالے شامل تھے۔
۶- گلہائے عقیدت کے ضمن میں ۴۳ر نعت گو شعراء کے منظوم نعتیہ کلام کو زینت بخشی گئی تھی۔
مجلّے کا اختتامیہ تین دانشوروں کے خطوط پر تھا۔

دبستان نعت کے دوسرے شمارے میں ہم نے قدرے تبدیلی کی اوّلاً یہ مجلّہ ''ششماہی'' نکالنے کا عزم تھا مگر اچھے اور معیاری مضامین کی حصول یابی میں درپیش مشکلات کے پیشِ نظر ہم نے اس کو سال نامے کے طور پر نکالنے کا ارادہ کیا نیز ادارے کے نام میں بھی ایک لفظ کی تبدیلی کی گئی وہ بایں طور کہ پہلے ہم نے ادارے کا نام Naat Research Institute رکھا تھا مگر بعد میں ہم نے اس کو Naat Research Center-India کر دیا۔ مجلّے کے مشمولات کی ترتیب میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ شمارۂ اول کے مانند ہی تھی۔دوسرے گوشے کو گنجینۂ نقد و نظر کی جگہ ''تابش فکر و نظر'' اور مقالات کی جگہ ''افکار روشن'' کر دیا گیا۔یہ شمارہ ہندوستان کی ایک عظیم علمی و ادبی ہستی حسّان الھند حضرت علامہ سید غلام علی آزؔاد بلگرامی علیہ الرحمہ کے نام معنون تھا۔ہاں اس شمارے میں ایک نئے گوشے ''زاویۂ نگاہ'' کا اضافہ کیا گیا جو پہلے شمارے کے مشمولات پر محققین و ناقدین ادب کے نقطہائے نظر اور تبصروں پر مشتمل تھا۔جس میں فروغ نعت کے امکانات اور اس ''دبستان نعت'' کے شمارہ اول میں در آئی خامیوں کی اصلاحات پر توجہ دی گئی تھی جو ارباب علم و فضل میں کافی مقبول ہوا۔جسے لوگوں نے بڑے ہی ذوق و شوق سے مطالعہ کیا اور اس کی افادیت سے بھی ہمیں آگاہ کیا۔

اس شمارے کا خاص پہلو جو میری اپنی نظر میں رہا وہ یہ کہ نعت کو جامعات اور یونیورسٹیز میں

متعارف کرانے اوراسے تقویت عطا کرنے کے لیےنعت کےایک عظیم اسکالرڈاکٹرمحمداسماعیل آزادؔ فتح پوری صاحب سے فرمائش کرکے ایک خصوصی مقالہ ''حمد ونعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ کے تحقیقی مقالوں کا تعارف'' لکھوایا گیا جوخودان کےاوران کی نگرانی میں یونیورسٹی لیول پرقلم بند کے گئے تحقیقی مقالوں کی تفصیلات پرمبنی تھا۔اس کا واحدمقصد دانشوروں کے طبقے کو یہ پیغام دینااور باور کرانا تھا کہ نعت صرف محافل میلا د یا دیگر محافل کی ابتدا میں بغرض ثواب پڑھا جانے والا کلام ہی نہیں بلکہ یہ ایک تخلیقی ادب بھی ہے۔اس میں رب تبارک وتعالیٰ نے ادب کی وہ ساری خوبیاں موتیوں کی مانند پنہاں کررکھی ہیں جنہیں تلاش کرصاحبان علم وفضل کے سامنے پیش کیئے جانے کی ضرورت ہے۔

اس شمارے کے آخر میں ہم نے دین دیال اُپادھیائے (گورکھ پور یونیورسٹی، گورکھ پور) کے ایم۔ اے (اردو) میں نعت کے شاملِ نصاب ہونے کا ذکرکرتے ہوے ثبوت کے طور پر (Syllabus) کی فوٹو کاپی بھی منسلک کی تھی جسے دیکھ کرملک وبیرونِ ملک کے بعض دانشوروں نے ہمیں فون پرتہنیت پیش کرتے ہوئے اس بات پراظہارِ حیرت کیا کہ اب تک ہم اس سے ناواقف کیوں رہے کہ نعت بطورصنف یونیورسٹی میں شاملِ نصاب ہے۔اس شمارے کا اختتامیہ بھی پہلے ہی شمارے کی مانند تھا۔

''دبستان نعت'' کا تیسرا شمارہ بھی دوسرے شمارے کےمشمولات کے بعینہٖ تھا۔اس شمارے کا انتساب ناگپور یونیورسٹی، ناگ پور سے نعت کے موضوع پرسب سے پہلا تحقیقی مقالہ قلم بند کرنے والےعظیم اسکالر پروفیسرڈاکٹرسیدرفیع الدین اشفاق ناگپوری برّداللہ مضجعہ کے نام تھا۔ان کےاس مقالے نے فروغِ نعت کے امکانات کوآفاقیت بخشی،اس کی وسعتوں کےآفاق نےتحقیق وتنقید کے نئے دروا کئے جس سےنعت کے موضوع پرکام کرنے والوں کی فکرکوتقویت ملی۔اس کا ثمرہ ہے کہ یونیورسٹی اورجامعات میں نعت پرتحقیق کی راہیں ہموار ہوئیں،''گویا دبستاں کُھل گیا''۔

ڈاکٹر صاحب کے بیٹے محترم جناب حبیب الحسن قادری صاحب نے ہمیں فون پر بتایا کہ ''دبستان نعت'' کا پہلا شمارہ جب ان کوملاتو وہ اسے دیکھ کرخوشیوں سے اُچھل پڑےاورانہوں نے اس پرتاثرات لکھوانے کے لیے مجھ سےفرمایا کہ کاغذ،قلم لاؤ میں اس پراپنے تاثرات قلم بند کروانا چاہتا ہوں مگراتفاق ایسا کہ اُسی وقت کچھ لوگ ان سے ملنے کے لیےآگےجس کےسبب وہ تاثرات نہیں لکھوا سکےاور بعد میں اتفاق بھی نہیں بن پایا کہ وہ لکھوا سکتےاس لیے کہ وہ بیمار چل رہے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی عمرکا یہ آخری وقت تھاوہ مسلسل بیمار چل رہے تھے،لکھنے پڑھنے سے بھی معذور

ہو گئے تھے۔ان کی بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ انہیں اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ وہ ’’دبستان نعت‘‘ پر کچھ لکھ پڑھ سکتے ، بقول فانؔی بدایونی۔ ؎

آخر اس بیمارئ دِل نے خود ہی کام تمام کیا

اور وہ ۲۷؍نومبر ۲۰۱۷ءکواس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف کوچ کر گئے ۔

’’دبستان نعت‘‘ کے دوسرے شمارے کے مطالعے کے بعد شاہ جہاں پور سے محترم جناب سید مفیض الدین قادری صاحب نے اطلاع دی کہ روہیل کھنڈ یونیورسٹی میں بھی نعت ایم۔اے اردو میں شامل نصاب ہے۔ان کی اس خبر نے ہمارے ذوق ووجدان کو وہ طمانیت عطا کی جس کے بیان سے ہم قاصر ہیں، گویا کہ اس خبر کو سن کر ہم اپنے آپ میں پھولے نہیں سما رہے تھے۔فوراً ہی ہم نے ان سے اسی موضوع پر مقالہ لکھنے کی گذارش کی جسے انہوں نے بطیّب خاطر قبول کرتے ہوئے ایک وقیع مقالہ ارسال فرمایا جو’’دبستان نعت‘‘ کے تیسرے شمارے میں شامل اشاعت ہے۔

ہندستان اور دیگر مما لک میں فروغ نعت کے امکانات کے بے پناہ روشن وتابناک پہلو ہیں۔ اس ضمن میں دھنباد، جھارکھنڈ کے محترم جناب رشید اختر صاحب نے ایک تحقیقی مقالہ ’’حمد ونعت کی تحقیق وتنقید ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں سمت و رفتار‘‘ کے عنوان سے ارسال کیا جو’’دبستانِ نعت‘‘ کے تیسرے شمارے میں شاملِ اشاعت ہے۔انہوں نے اپنے اس مقالے میں انکشاف کیا ہے کہ ہندوستان کی یونیورسٹیز میں حمد ونعت کے مختلف موضوعات پر اب تک تقریباً ۵۰؍سے زائد تحقیقی وتنقیدی مقالے قلم بند کیئے جا چکے ہیں اور مقالہ نگاروں کو ڈگری بھی تفویض ہو چکی ہے۔ان کے اس مقالے کی خوب خوب پذیرائی ہوئی اور سب سے زیادہ پذیرائی محترم جناب سید صبیح رحمانی، مدیر مجلّہ ’’نعت رنگ‘‘ وموسس انٹرنیشنل نعت ریسرچ سینٹر۔کراچی نے کی۔صبیح رحمانی صاحب اس درجہ اس مقالے سے متاثر تھے کہ انہوں نے اس کی افادیت کے پیشِ نظر اس کے بعض صفحات کو سوشل میڈیا پر بھی اپ لوڈ کیا تھا۔جبکہ ان کے ذریعہ پیش کی گئی یہ فہرست حتمی نہیں اگر گہرائی سے تحقیق وتفحص کی جائے تو اس میں مزید اضافے کی گنجائش ہے۔

’’دبستان نعت‘‘ کا چوتھا شمارہ بھی ما قبل کے شماروں کے مانند اپنے اندر اختصاصی پہلو لیے ہوئے ہے۔اس میں ایک اہم مقالہ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزؔاد، فتح پوری کا ’’چندائن، مولانا داؤد ڈلمئی اور نعت شریف ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ‘‘ ہے۔درحقیقت یہ مقالہ نہایت ہی سنجیدگی سے مطالعہ کیئے جانے کا متقاضی ہے۔اس لئے کہ اس مقالے سے دو باتوں کا حتمی تعین ہوتا ہے ایک یہ کہ ’’چندائن‘‘

اردو کی اوّلین تخلیق ہے۔جس کے اوّلین تخلیق ہونے کا تعین کسی محقق نے اپنی تحقیق سے نہیں بلکہ خود اس کے مصنف مولانا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہی کیا، وہ فرماتے ہیں میں نے اس مثنوی کو ۷۸۱ھ میں مکمل کیا۔

برس سات سو ہوئے اکّیاسی
تۃِ ما یہ کوئی سَرَس ابھیّاسی

دوسرے یہ کہ یہ مثنوی اردو نعت کی بھی اوّلین تخلیق ہے جو ابتدائی اردو ''ہندکی'' میں تحریر کی گئی ہے۔

تیسرے یہ کہ ابھی چند یوم قبل یونیورسٹیز میں نعت کے شامل نصاب کیے جانے کے حوالے سے ہماری گفتگو محترم جناب ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیؔل راٹھوی صاحب سے ہوئی تو انہوں یہ مژدۂ جاں فزا سنایا کہ ساگر یونیورسٹی، ساگر میں بھی نعت شامل نصاب ہے اور میری کتاب ''خلق پیغمبری'' وہاں پر نصابی کتب میں شامل ہے۔

ہم لوگ مسلسل اس جستجو اور تحقیق میں لگے ہوئے ہیں کہ نعت کن کن یونیورسٹیز، تعلیمی بورڈس اور اداروں میں شامل نصاب ہے۔ یہ جان کر آپ لوگوں کو بھی خوشی ہوگی کہ اس حوالے سے ہماری کوششیں بارآور ہورہی ہیں۔مجلّے کے آخر میں ہم نے ساگر یونیورسٹی، ساگر، مدھیہ پردیش کے ایم۔اے اردو کا نصاب شامل کردیا ہے۔

نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کے تعارف کے بعد اس میں موجود نعتیہ ادب پر تحقیقی وتنقیدی کتب اور دواوین کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہندوستان اور بیرون ہند نعتیہ ادب سے شغف رکھنے والے حضرات کو معلوم ہوسکے کہ نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کی لائبریری میں کون کون سی نعتیہ کتب وجرائد موجود ہیں۔نیز اس سے ان طلبہ کو بھی رغبت دلانا مقصود ہے جو یونیورسٹی لیول پر نعت کے موضوع پر تحقیق کا جذبہ رکھتے ہیں۔

چونکہ خود میری پی۔ایچ۔ڈی کا موضوع نعتیہ ادب رہا ہے جس کے سبب شروع سے ہی میں نعت کے ہی موضوع پر لکھتا پڑھتا رہا ہوں اور اس دوران بہت ساری کتابیں بھی میں نے یکجا کرلی تھیں جو میری اپنی ذاتی کتابیں ہیں اور کچھ کتابیں محترم جناب سید صبیح رحمانی صاحب ڈائریکٹر نعت ریسرچ سینٹر، کراچی نے کرم فرماتے ہوئے عنایت فرمایا ہے۔ویسے تو میں ان کی نوازشات سے ایک زمانے سے شادکام ہوتا رہا ہوں مگر اب کچھ اور ہی زیادہ ہی۔

محترم جناب سید صبیح رحمانی صاحب ایک زمانے سے خواہش مند تھے کہ ہندوستان میں بھی

نعت کے موضوع پر معیاری تحقیقی وتنقیدی کام ہوجس کے لیےانہوں نے انتھک کوششیں بھی کیں ممکن ہے کہ نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیاان کی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہچانے میں کامیاب ہو جائے۔انہوں نے جس طرح قولاً،فعلاً اور عملاً ہماری ہمت افزائی کی ہم اسے بیان نہیں کر سکتے۔آپ فہرست کتب پر ایک نظر ڈال کر خود اس کا اندزہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی نوزشات خسروانہ کس پایہ کی رہی ہیں اس کے لیے ہم صمیم قلب سے ان کے مشکور وممنون ہیں۔

کچھ کتابیں محترم محترم جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیو یارک) نے پاکستان سے کوشش کر کے فراہم کرائی ہیں۔ یہ تمام کتب نعت اب نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کی کتب ہیں۔مستقبل میں نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کو باقاعدہ ایک تعلیمی وتحقیقی ادارے کی شکل دینے کا عزم ہے جس سے کہ عوام وخواص اس سے بخوبی مستفید ومستفیض ہوسکیں اوران کے دل اُسوۂ رسول اور محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع سے روشن ہوسکیں۔

تحقیقی،تنقیدی وتخلیقی کتب

۱- اردو میں نعتیہ شاعری (نعتیہ ادب پر سب سے پہلا پی۔ایچ۔ڈی) مقالہ
مقالہ نگار۔ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری
تاریخ اشاعت۔اکتوبر۱۹۷۶ء
ناشر۔علاءالدین خالد۔مطبوعہ باب الاسلام پرنٹنگ پریس، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ کراچی
صفحات۔۶۸۴

۲- اردو میں نعت گوئی (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر ریاض مجید
تاریخ اشاعت۔طبع اوّل۱۹۹۰ء
ناشر۔پروفیسر شہرت بخاری، ڈائریکٹر، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور
مطبع۔حمایت اسلام پریس، لاہور
صفحات۔۷۱۸

۳- اردو شاعری میں نعت گوئی (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

تاریخ اشاعت ۔ ۱۹۹۱ء
ناشر۔شاہ رشاد عثمانی،انڈیا
صفحات ۔۳۳۶

۴۔ شعرائے بھٹکل اوراردونعت
مصنف ۔ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی
تاریخ اشاعت ۔اکتوبر ۲۰۰۹ء
ناشر۔شاہ رشاد عثمانی،انڈیا
صفحات ۔۱۶۰

۵۔ شعرائے بھٹکل کی نعتیہ شاعری
مصنف ۔ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی
تاریخ اشاعت ۔اشاعت ثانی ۲۰۱۴ء
ناشر۔شاہ رشاد عثمانی،انڈیا
صفحات ۔۱۹۲

۶۔ اردوشاعری میں نعت ۔جلداوّل (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار ۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری
تاریخ اشاعت ۔ ۲۰۱۸ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی
صفحات ۔۳۲۰

۷۔ اردوشاعری میں نعت ۔جلددوم (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار ۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری
تاریخ اشاعت ۔ ۲۰۱۹ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی
صفحات ۔۲۷۲

۸۔ نعتیہ شاعری کا ارتقاء (عربی وفارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ) مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی
مقالہ نگار ۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری

تاریخ اشاعت ۔ ۱۹۸۸ء
مطبع۔فائن آفسٹ ورکس،الہ آباد
صفحات۔۴۲۰

۹- ہندو پاک کی اردو نعتیہ شاعری (تقسیم سے اب تک)
مولف۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاؔد فتح پوری
تاریخ اشاعت ۔ ۲۰۱۹ء
ناشر۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاؔد فتح پوری، فتح پور، یوپی
صفحات۔۵۲۴

۱۰- اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی اوران کی نعت گوئی (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیؔل راٹھوی
تاریخ اشاعت ۔ ۲۰۱۸ء
ناشر۔ڈاکٹر جمیؔل راٹھوی،انڈیا
صفحات۔۴۴۰

۱۱- حضرت رضاؔ بریلوی بحیثیت شاعر نعت (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی
تاریخ اشاعت ۔ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ/جنوری ۲۰۰۶ء
ناشر۔اداۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل،کراچی
صفحات۔۱۲۴

۱۲- اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
تاریخ اشاعت ۔صفر المظفر ۱۴۲۹ھ فروری ۲۰۰۸ء
ناشر۔ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل،کراچی
صفحات۔۶۷۷

۱۳- مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ایک تحقیقی مطالعہ (جلد اوّل) مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی۔
مقالہ نگار۔ڈاکٹر سراج احمد قادری

تاریخ اشاعت۔ ۱۹۹۷ء
ناشر۔ڈاکٹر سراج احمد قادری
تقسیم کار۔رضوی کتاب گھر،۴۲۳ مٹیا محل، دہلی ۶
صفحات۔۳۸۴

۱۴- نعتیہ روایت کا عروج و ارتقاء (جلد دوم)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر سراج احمد قادری
تاریخ اشاعت۔ ۲۰۰۲ء
ناشر۔ڈاکٹر سراج احمد قادری
تقسیم کار۔رضوی کتاب گھر،۴۲۳ مٹیا محل، دہلی ۶
صفحات۔۲۷۲

۱۵- شمائم النّعت (تحقیقی و تنقیدی مقالات کا مجموعہ)
مولف۔ڈاکٹر سراج احمد قادری
تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۰۹ء
ناشر۔ڈاکٹر سراج احمد قادری
تقسیم کار۔رضوی کتاب گھر،۴۲۳ مٹیا محل، دہلی ۶
صفحات۔۲۰۰

۱۶- نعتیہ ادب (عربی زبان میں) ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ۔جزوِ اوّل (مقالہ برائے ڈی فل)
مقالہ نگار۔شریف احمد خان، ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی، الہ باد
تاریخ اشاعت۔۲۰؍ فروری ۱۹۹۰ء
ناشر۔شریف احمد خان، انڈیا
صفحات۔۱۶۰

۱۷- اردو کے منتخب غیر مسلم نعت گو (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر عقیلہ بیگم سید غوث
تاریخ اشاعت۔ ۲۰۰۳ء
ناشر۔پٹیل حفظ الرحمٰن، انڈیا

صفحات ۔۲۱۲

۱۸- اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر عبدالعزیز خان (عزیز احسن)
تاریخ اشاعت ۔ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق مارچ ۲۰۱۳ء
اہتمام۔سید معراج جامی، بزم تخلیق ادب پاکستان، کراچی
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔تعاون بزم یوسفی، کراچی
صفحات ۔۶۴۰

۱۹- اردو نعت پاکستان میں (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر شہزاد احمد
تاریخ اشاعت ۔ ۲۰۱۴ء
ناشر۔حمد و نعت ریسرچ فاونڈیشن، کراچی
صفحات ۔۸۰۰

۲۰- بہار میں اردو کی نعتیہ شاعری (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر فرحانہ شاہین
تاریخ اشاعت ۔جنوری ۱۹۹۷ء
ناشر۔ڈاکٹر فرحانہ شاہین۔الشاہین، علی گنج، گیا۔بہار
صفحات ۔۶۲۴

۲۱- کلام حضرت رضا قدس سرہ کا تحقیقی و ادبی جائزہ مع حدائق بخشش
جائزہ نگار۔علامہ شمس بریلوی
تاریخ اشاعت ۔جولائی ۱۹۷۶ء
ناشر۔مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم۔اے جناح روڈ، کراچی
صفحات ۔۳۴۰

۲۲- نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)
مقالہ نگار۔ڈاکٹر حبیب الرحمٰن رحیمی
تاریخ اشاعت ۲۰۱۰ء

ناشر۔اریب پبلیکیشنز، دریا گنج، نئی دہلی ۲

صفحات ۴۷۹

۲۳- مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی مطالعہ (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)

مقالہ نگار۔ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

تاریخ اشاعت۔ ۱۴۳۶ھ ۲۰۱۵ء

ناشر۔رضا اکیڈمی، ممبئی

صفحات۔ ۴۸۴

۲۴- محدث اعظم ہند کی نعتیہ شاعری۔حیات وخدمات (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)

مقالہ نگار۔ڈاکٹر فرحت علی صدیقی

تاریخ اشاعت۔رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق جون ۲۰۱۸ء

ناشر۔گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے

صفحات۔ ۵۵۲

۲۵- بیدم وارثی شخصیت اور فن (مقالہ برائے ایم فل)

مقالہ نگار۔رانا عارف علی

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۷ء

ناشر۔محمد عابد

اہتمام۔مثال پبلشرز، رحیم سینٹرل پریس، مارکیٹ امین پور بازار، فیصل آباد

صفحات۔ ۲۳۲

۲۶- اردو حمد کی شعری روایت

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔اپریل ۲۰۱۹ء

ناشر۔اکادمی بازیافت، کتاب مارکیٹ، اردو بازار، کراچی

صفحات۔ ۶۴۰

۲۷- اردو نعت کی شعری روایت۔تعریف، تاریخ، رجحانات، تقاضے

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔اپریل ۲۰۱۹ء

ناشر۔اکادمی بازیافت،کتاب مارکیٹ،اردو بازار،کراچی

صفحات۔۶۴۰

۲۸- کلام محسن کاکوروی۔ادبی وفکری جہات

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔جولائی ۲۰۱۸ء

ناشر۔اکادمی بازیافت،کتاب مارکیٹ،اردو بازار،کراچی

صفحات۔۴۳۹

۲۹- اقبال کی نعت۔فکری واسلوبیاتی مطالعہ

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔ستمبر ۲۰۱۸ء

ناشر۔اکادمی بازیافت،کتاب مارکیٹ،اردو بازار،کراچی

صفحات۔۳۹۲

۳۰- پاکستانی زبانوں میں نعت۔روایت وارتقاء

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۷ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی

صفحات۔۳۵۲

۳۱- تذکرۂ نعت گویان بریلی

مولف۔ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ

تاریخ اشاعت۔ ۱۹۸۶ء

ناشر۔ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ

صفحات۔۱۶۰

۳۲- نعت،مرثیہ اورعرفان (ایک علمیاتی بحث)

مولف۔حیات عامر حسینی

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۶ء

ناشر۔زینب پبلی کیشنز، علی گڑھ

صفحات۔۲۲۴

۳۳- شرح المدیح النبوی

مولف۔علامہ یٰسین اختر مصباحی

شارح۔مولانا محمد عثمان شمسی

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۰۹ء

ناشر۔کمال بک ڈپو، متصل مدرسہ شمس العلوم، گھوسی ضلع مؤ (یوپی)

صفحات۔۳۱۸

۳۴- حمد و نعت کے معنیاتی زاویے

مولف۔ڈاکٹر عزیز احسن

تاریخ اشاعت۔شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ مئی ۲۰۱۸ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۲۲۴

۳۵- نعت گویان غیر مسلم (غیر مسلم ناعتین کا منظوم تذکرہ)

مولف۔پروفیسر عبدالمنان طرزی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۸ء

زیر اہتمام۔المنصور ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، سبھاش چوک، دربھنگہ

صفحات۔۲۸۴

۳۶- اردو کی نعتیہ شاعری

مولف۔ڈاکٹر طلحہ رضوی برق

تاریخ اشاعت۔جنوری ۱۹۷۴ء

ناشر۔دانش اکیڈمی، ملکی محلّہ، آراہ، بہار

صفحات۔۱۰۰

۳۷- اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات
مصنف۔پروفیسر سید وحید اشرف
تاریخ اشاعت۔اگست ۲۰۰۱ء
ناشر۔ارباب حلقۂ ذکر سلسلۂ اشرفیہ، بڑودہ۔گجرات
صفحات۔۱۲۰

۳۸- نعت کے چند شعرائے متقدمین
مصنف۔ڈاکٹر سید شمیم گوہر
تاریخ اشاعت۔اکتوبر ۱۹۸۹ء
ناشر۔سید ابوطاہر، خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، چک نیا حجرہ، الہ آباد
صفحات۔۱۲۸

۳۹- اردو کا نعتیہ ادب اور انتخاب قصائد نعتیہ
مصنف۔ڈاکٹر سید شمیم گوہر
تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۰۱ء
ناشر۔سید ابوطاہر، خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، چک نیا حجرہ، الہ آباد
صفحات۔۱۷۰

۴۰- محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری
مولف۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
تاریخ اشاعت۔ ۱۹۹۹ء
ناشر۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
تقسیم کار۔رضا اسلامک اکیڈمی، جسولی، بریلی
صفحات۔۱۰۴

۴۱- عربی میں نعتیہ کلام
مولف۔ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
تاریخ اشاعت۔ ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء
ناشر۔مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ لکھنؤ

صفحات۔۱۹۶

۴۲- رادئے رحمت(قصیدہ بانت سعاداور قصیدہ بردہ کی اردو میں شرح وترجمانی)

مصنف۔مولاناعبداللہ عباس ندوی

تاریخ اشاعت۔ ۱۹۸۹ء

ناشر۔مکتبہ فردوس، ماکرم نگر، لکھنؤ

صفحات۔۱۵۶

۴۳- نعتیہ ادب مسائل ومباحث

مرتب۔ڈاکٹر ابرار عبدالسلام

تاریخ اشاعت۔جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ مارچ ۲۰۱۹ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۴۸۸

۴۴- کراچی کا دبستان نعت

مرتب۔منظر عارفی

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۶ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۵۸۴

۴۵- مدحت نامہ(انتخاب نعت) دبستان کراچی کے غیر صاحب کتاب نعت گو

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۷ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۲۱۲

۴۶- معاصر اردو نعت کا اسلوبیاتی جائزہ

مولف۔ڈاکٹر محمد اشرف کمال

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۸ء

ناشر۔سٹی بک پوائنٹ، اردو بازار، کراچی

صفحات۔۱۷۶

۴۷- کلام رضافکری وفنی زاویے

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۷ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۳۳۶

۴۸- تحمید وتحسین (حمدیہ اور نعتیہ مضامین)

مرتب۔پروفیسر اقبال جاوید

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۸ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۲۵۴

۴۹- نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ

مصنف۔پروفیسر شفقت رضوی

تاریخ اشاعت۔فروری ۲۰۰۴ء

ناشر۔مہر منیر اکیڈمی انٹرنیشنل، کراچی

صفحات۔۴۳۲

۵۰- نعت کے تنقیدی آفاق

مصنف۔ڈاکٹر عزیز احسن

تاریخ اشاعت۔شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ رستمبر ۲۰۱۰ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۲۰۸

۵۱- نعت اور تنقید نعت

مصنف۔ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

تاریخ اشاعت۔مارچ ۲۰۰۹ء

صفحات۔۲۳۲

۵۲- اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ (شریعت اسلامیہ کے تناظر میں)
مصنف۔رشید وارثی
تاریخ اشاعت۔جمادی الاوّل ۱۴۳۱ھ/اپریل ۲۰۱۰ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
صفحات۔۳۱۲

۵۳- نعت اور آدابِ نعت
مصنف۔علامہ کوکب نورانی
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۲۰۰۴ء
ناشر۔مہر منیر اکیڈمی انٹرنیشنل، کراچی
صفحات۔۴۴۸

۵۴- فنِ اداریہ نویسی اور نعت رنگ
مصنف۔ڈاکٹر افضال احمد انور
تاریخ اشاعت۔مارچ ۲۰۱۰ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
صفحات۔۱۶۸

۵۵- فہرست کتب خانہ نعت ریسرچ سینٹر
مرتب۔محمد طاہر قریشی
تاریخ اشاعت۔ ۲۰۰۹ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
صفحات۔۳۸۷

۵۶- اردو نعت میں تجلیات سیرت
مرتب۔سید صبیح الدین صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ/اپریل ۲۰۱۵ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
صفحات۔۳۲۸

۵۷- نعتیہ شاعری کے فروغ میں ''نعت رنگ'' کی خدمات
مصنفہ۔حلیمہ سعدیہ منگلوری
تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۸ء
صفحات۔۳۶۸

۵۸- نعت میں کیسے کہوں (نعت اور آداب نعت گوئی)
پروفیسر محمد اقبال جاوید
تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۰۹ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
صفحات۔۱۶۸

۵۹- اشاریہ نعت رنگ شمارہ ۱ تا ۲۰
مرتب۔ڈاکٹر محمد سہیل شفیق
تاریخ اشاعت۔ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ/ مارچ ۲۰۰۹ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
صفحات۔۲۶۷

۶۰- نعت نامے (بنام صبیح رحمانی)
مرتب۔ڈاکٹر محمد سہیل شفیق
تاریخ اشاعت۔رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
صفحات۔۹۳۶

۶۱- جادۂ رحمت کا مُسافر (صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین کا مجموعہ)
مرتب۔ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی
تاریخ اشاعت۔ستمبر ۲۰۰۱ء
ناشر۔آفتاب اکیڈمی، کراچی
صفحات۔۱۳۶

۶۲- اردو نعت اور جدید اسالیب

مصنف۔ڈاکٹرعزیزاحسن
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۱۹۹۸ء
ناشر۔فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی
صفحات۔۱۸۲

۶۳- نعت نگر کا باسی (ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کی نعت گوئی و نعت شناسی کا ایک جائزہ)
مرتب۔سید صبیح الدین رحمانی
تاریخ اشاعت۔ ۲۰۰۸ء
صفحات۔۱۶۰

۶۴- اردو میں حمد و مناجات
مصنف۔ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط
تاریخ اشاعت۔مارچ ۲۰۰۰ء
ناشر۔فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی
صفحات۔۲۸۰

۶۵- غالب اور ثنائے خواجہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
مرتب۔سید صبیح الدین رحمانی
تاریخ اشاعت۔ ۲۰۰۹ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
صفحات۔۱۷۶

۶۶- نعت کی تخلیقی سچائیاں
مصنف۔ڈاکٹرعزیزاحسن
تاریخ اشاعت۔محرم الحرام ۱۴۲۴ھ/مارچ ۲۰۰۳ء
ناشر۔اقلیم نعت، کراچی
صفحات۔۲۴۸

۶۷- **شعراء الرّسول ﷺ فی ضوء الواقع والقریض** (عربی)
مولف۔ڈاکٹر سعید اعظمی ندوی

تاریخ اشاعت۔ ۱۴۳۰ھ ۲۰۰۹ء
ناشر۔مکتبۃ الصفاء، الامارات لعربیۃ المتحدۃ
صفحات۔۳۹۲

۶۸- نعت محمدی (فارسی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
مولف۔خواجہ ضیاءالدین برنی
تاریخ اشاعت۔ ۱۴۳۵ھ ۲۰۱۴ء
ناشر۔پروفسور سید محمد عزیز الدین حسین، ڈائریکٹر۔رضا لائبریری، رام پور، اتر پردیش
صفحات۔۵۳۷

۶۹- شرح مثنوی ردّ امثالیہ
شارح۔الحاج قاری غلام محی الدین قادری
تاریخ اشاعت۔۔۔
ناشر۔قاری حافظ سخاوت حسین خطیبی شیری
صفحات۔۱۱۲

۷۰- تذکرہ نعت گو شاعرات (فوٹو کاپی)
مولف۔ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہاں پوری
تاریخ اشاعت۔ ۱۹۸۴ء
ناشر۔ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان، کراچی
صفحات۔۱۱۲

۷۱- ارمغان نعت (تاریخ، تنقید، انتخاب)
مرتبین۔ساجد صدیقی، والی آسی
تاریخ اشاعت ۱۹۸۲ء
ناشر۔مکتبہ دین وادب، لکھنؤ
صفحات۔۳۳۶

۷۲- ٹمل ناڈو میں نعت گوئی
مولف۔علیم صبا نویدی

تاریخ اشاعت ۔جنوری ۲۰۰۴ء
ناشر۔ٹمل ناڈواردوپبلیکیشنز، چنائی
صفحات ۔۲۴۷

۷۳- علیم صبانویدی کی نعتیہ شاعری
مرتبین۔ڈاکٹرسلیمان اطہرجاوید،ڈاکٹرکرامت علی کرامتؔ،ڈاکٹرانوریمنائی،ڈاکٹرراحت سلطانہ
تاریخ اشاعت ۔فروری ۲۰۱۸ء
ناشر۔ڈاکٹرجاویدہ حبیب، چنائی
صفحات ۔۳۱۰

۷۴- نعت کی روایت اورفہیم بسملؔ
مرتب ۔سیدمحمدعقیل
تاریخ اشاعت ۔ ۲۰۱۶ء
ناشر۔سیدمحمدعقیل
صفحات ۔۱۶۰

۷۵- مقالات نعت(کل ہندسمینار’’جشن نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم‘‘میں پیش کردہ مقالات)
مرتب۔اسدثنائی
تاریخ اشاعت ۔ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ جنوری ۲۰۱۴ء
ناشر۔ادارہ الانصار، ریاست نگر،حیدرآباد
صفحات ۔۲۷۴

۷۶- شرح قصیدۂ بردہ شریف
اردوترجمہ وشرح ۔مولاناحافظ محمدافضل مُنیر
تاریخ اشاعت ۔ ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۱۱ھ
ناشر۔مکتبہ الحجاز ہرن پارک، چوک لکھنؤ
صفحات ۔۲۵۶

۷۷- المختارات من مولدشرف الآنام ومن قصیدۃ البردہ
مترجم ۔حضرت مولاناڈاکٹرمحمدعبدالعلیم صدیقی ارمانؔ

تاریخ اشاعت ۔ بارسوم۔صفر المظفر ۱۴۳۸ھ/نومبر ۲۰۱۶ء
ناشر۔تلامذہ ڈاکٹرمحمدعبدالعلیم صدیقی ارمانؔ نبیرۂ بحرالعلوم،حیدرآباد،انڈیا
صفحات۔۵۲

۷۸- اردو کے پچیس نعت گوشعراء
مصنف۔ڈاکٹر جوہر قدوسی
تاریخ اشاعت ۔ستمبر ۲۰۰۱ء
ناشر۔تکبیر پبلیکیشنز،مدینہ چوک،سری نگر
صفحات۔۳۲۰

۷۹- نعت گوئی اوراس کے آداب
مولف۔پروفیسرعبداللہ شاہین
تاریخ اشاعت۔۔۔۔۔
ناشردارالسّلام۔کراچی
صفحات۔۲۶۹

۸۰- اصول نعت گوئی
مصنف۔حلیم حاذق
تاریخ اشاعت ۔ ۲۰۰۹ء
ناشر۔حلیم حاذق،فیل خانہ،ہوڑہ
صفحات۔۱۸۴

۸۱- فنّ شاعری اورحسان الہند
مصنف۔علامہ عبدالستار ہمدانی
تاریخ اشاعت۔۔۔۔
ناشر۔مرکز اہل سنت برکات رضا،پور بندر،گجرات
صفحات۔۳۱۸

۸۲- عرفان رضؔا در مدح المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جلداوّل)
مصنف۔علامہ عبدالستار ہمدانی

تاریخ اشاعت ۱۴۲۰ھ مئی ۱۹۹۹ء
ناشر۔رضادارالمطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار
صفحات۔۶۳۰

۸۳- عرفان رضا در مدح المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جلد دوم)
مصنف۔علامہ عبدالستار ہمدانی
تاریخ اشاعت ۱۴۲۰ھ مئی ۱۹۹۹ء
ناشر۔رضادارالمطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار
صفحات۔۶۳۰

۸۴- شرح کلام رضا فی نعت المصطفیٰ المعروف شرح حدائق بخشش (مولانا احمد رضا خاں بریلوی)
شارح۔مولانا غلام حسن قادری
تاریخ اشاعت۔ ۲۰۱۰ء
ناشر۔ادبی دنیا، دہلی۔۶
صفحات۔۱۱۰۸

۸۵- شرح الحدائق فی مدح خیر الخلائق (شرح حدائق بخشش) جلد اوّل
شارح۔صوفی محمد عبدالستار طاہر مسعودی
تاریخ اشاعت۔
ناشر۔اعظم پبلیکیشنز، دہلی۔۶
صفحات۔۶۱۶

۸۶- شرح حدائق بخشش فی مدح خیر الخلائق (شرح حدائق بخشش) جلد دوم
شارح۔صوفی محمد عبدالستار طاہر مسعودی
تاریخ اشاعت۔
ناشر۔اعظم پبلیکیشنز، دہلی۔۶
صفحات۔۵۹۹

۸۷- غالب دیوان نعت ومنقبت
مصنف۔ڈاکٹر سید تقی عابدی

تاریخ اشاعت۔ ۲۰۰۶ء
ناشر۔شاہد پبلیکیشنز، دریا گنج، نئی دہلی
صفحات۔۸۲۰

۸۸- ہمارے رسول ﷺ (غیر مسلم شعرائے اردو کا بارگاہ رحمۃ للعالمین میں منظوم نذرانۂ عقیدت)
مولف۔ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ
تاریخ اشاعت۔ ۱۳۸۹ھ/جنوری ۲۰۱۱ء
ناشر۔مرکز تحقیقات فارسی رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی، ایران، دہلی نو
صفحات۔۶۲۶

۸۹- شاعر نعت راجا رشید محمود
مرتب۔ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ
تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۰۴ء
ناشر۔الجلیل پبلشرز، اردو بازار، لاہور
صفحات۔۵۳۶

۹۰- شاعر حمد و نعت طاؔہر سلطانی
مصنف۔شبیر احمد انصاری
تاریخ اشاعت۔ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۶ء
ناشر۔حرا فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) کراچی
صفحات۔۵۱۶

۹۱- سفیر حمد و نعت طاؔہر سلطانی سے ملیے!
مصنف۔یاور مہدی
تاریخ۔اشاعت۔ ۲۰۱۴ء
ناشر۔سید حسن مہدی، کراچی
صفحات۔۲۰۸

۹۲- بدیع الرضا فی مدح المصطفیٰ
مصنف۔میرزا امجد رازؔی

تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۱۱ء
ناشر۔صدیقی پبلشرز، پرانی سبزی منڈی، کراچی
صفحات۔۳۳۴

۹۳- اردو نعت کے سات رنگ
مصنف۔شاہ اجمل فاروق ندوی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۶ء
ناشر۔مکتبہ الفاروق، جامعہ نگر، دہلی
صفحات۔۱۶۰

۹۴- **قَصِیدتَان رَائعتَان**۔اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی
ترجمہ وتشریح۔عاصم اقبال مجیدی بدایونی
تاریخ اشاعت۔ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ/اکتوبر ۲۰۱۳ء
ناشر۔تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں
صفحات۔۲۵۶

۹۵- خُلقِ پیغمبری (تبصرہ اور نعتیہ انتخاب) شامل نصاب ہری سنگھ گوڑ یونیورسٹی، ساگر، ایم۔ پی
مولف۔ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی
تاریخ اشاعت۔ ۱۹۹۴ء
ناشر۔ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی، فرش اولیانہ، راٹھ (ہمیر پور) یوپی
صفحات۔۱۱۴

۹۶- پروفیسر کعبی کی ''سلام رضاؔ تضمین و تفہیم اور تجزیہ'' کا تنقیدی جائزہ
مصنف۔مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی
تاریخ اشاعت۔صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
ناشر۔مکتبہ معارف رضا، بائسی، پورنیہ، بہار
صفحات۔۱۰۴

۹۷- امام احمد رضا اور محسنؔ و امیرؔ
مصنف۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

تاریخ اشاعت۔اگست ۲۰۰۶ء
ناشر۔نوری مشن، مالیگاؤں
صفحات۔۲۴

۹۸- امام احمد رضا ''ملک سخن کے شاہ''
مولف۔عقیل احمد خان اکبر آبادی
تاریخ اشاعت۔جون ۱۹۹۸ء
ناشر۔مکتبہ نعیمیہ ۴۲۲۳ رٹیا محل دہلی
صفحات۔۳۲

۹۹- مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری
مولف۔ملک شیر محمد اعوان
تاریخ اشاعت۔بارسوم ۱۳۹۵ھ
ناشر۔مرکزی مجلس رضا،نوری مسجد، بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور
صفحات۔۴۸

۱۰۰- تاریخ نعت گوئی میں حضرت رضاؔ بریلوی کا منصب
مولف۔شاعرؔ لکھنوی
تاریخ اشاعت۔بارسوم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ/دسمبر ۱۹۷۹ء
ناشر۔مرکزی مجلس رضا،نوری مسجد، بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور
صفحات۔۴۰

۱۰۱- خوان رحمت تضمین بر سلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا
شاعر۔الحاج بشیر حسین ناظم
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۱۹۹۳ء
ناشر۔مرکزی مجلس رضا،نوری مسجد، بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور
صفحات۔۴۸

۲۰۲- نگار عقیدت۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؔ خاں بریلوی کے شہرۂ آفاق سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام کی مکمل تضمین۔

تضمین نگار۔حافظ عبدالغفار حافظؔ

تاریخ اشاعت ۔ ۲۰۱۸ء/۱۴۳۹ھ

ناشر۔بزمِ ارتقائے ادب نیو کراچی

صفحات ۔۳۱

۱۰۳- غزالانِ حرم (شاعرات کا حمدیہ انتخاب)

مرتب ۔مشتاقؔ دربھنگوی

تاریخ اشاعت ۔۲۰۱۳ء

ناشر۔اخبارِ مشرق پبلی کیشنز، درگاہ روڈ، کلکتہ ۱۷

صفحات ۔۱۳۶

۱۰۴- عندلیبانِ طیبہ (شاعرات کا نعتیہ انتخاب)

مرتب ۔مشتاقؔ دربھنگوی

تاریخ اشاعت ۔۲۰۱۳ء

ناشر۔اخبارِ مشرق پبلی کیشنز، درگاہ روڈ، کلکتہ ۱۷

صفحات ۔۱۵۰

۱۰۵- آزادی کے بعد مغربی بنگال میں نعتیہ شاعری

مرتب ۔مشتاق احمد حامیؔ

تاریخ اشاعت ۔جنوری ۲۰۱۲ء

ناشر۔اخبارِ مشرق پبلی کیشنز، درگاہ روڈ، کلکتہ ۱۷

صفحات ۔۱۴۴

۱۰۶- مولانا محمد یونس مالیگ کی نعتیہ شاعری

مرتب ۔غلام مصطفیٰ رضوی

تاریخ اشاعت ۔ ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

ناشر۔نوری مشن، مالیگاؤں

صفحات ۔۴۸

۱۰۷- کلامِ رضاؔ میں محاورات اور ضرب الامثال

مرتب۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
تاریخ اشاعت۔ ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء
ناشر۔نوری مشن، مالیگاؤں
صفحات۔۲۴

۱۰۸- اردو کلام اقبالؔ میں نعتیہ عناصر
مرتب۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
تاریخ اشاعت۔ ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء
ناشر۔ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کشمیر
صفحات۔۱۰۴

۱۰۹- حدائق بخشش کی بہار آفرینی
مرتب۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
تاریخ اشاعت۔صفر المظفر ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء
ناشر۔مولانا عبدالکریم نوری مدرسہ فیضان قادری، پیلی بھیت
صفحات۔۲۰

۱۱۰- امام احمد رضاؔ کی منقبت نگاری
مرتب۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
تاریخ اشاعت۔صفر المظفر ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء
ناشر۔رضا اسلامک اکیڈمی، جسولی، بریلی
صفحات۔۲۴

۱۱۱- کلام رضاؔ کے تنقیدی زاویے
مرتب۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (علیگ) بلرام پوری
تاریخ اشاعت۔صفر المظفر ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء
ناشر۔الرضا اسلامک اکیڈمی، جسولی، بریلی
صفحات۔۱۲۰

۱۱۲- کلام رضاؔ کے تنقیدی زاویے (سیریز۔۳)

مرتب۔ڈاکٹرعبدالنعیم عزیزی
تاریخ اشاعت۔صفرالمظفر ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء
ناشر۔رضااسلامک اکیڈمی،جسولی، بریلی
صفحات۔۴۸

۱۱۳- اشعاررضا کی توضیح اوراحسن العلماء مارہروی
مرتب۔غلام مصطفیٰ رضوی
تاریخ اشاعت۔۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء
ناشر۔نوری مشن، مالیگاؤں
صفحات۔۲۴

۱۱۴- نوبہارنوازش بحل حدائق بخشش (الجزالاوّل)
مولف۔مفتی عنایت احمد نعیمی
تاریخ اشاعت۔۱۹۸۴ء
ناشر۔عرفان احمد،عرفان منزل،چھپیا اُترولہ، گونڈہ
صفحات۔۱۳۰

۱۱۵- عرفان رضا
مصنف۔پروفیسرالٰہی بخش اختر اعوان
تاریخ اشاعت۔ ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء
ناشر۔المجمع الاسلامی،مبارک پور
صفحات۔۷۵

۱۱۶- امام شعروادب
مصنف۔مولاناوارث جمال بستوی
تاریخ اشاعت۔۱۹۷۸ء
ناشر۔حق اکیڈمی،مبارک پور،اعظم گڈھ
صفحات۔۱۳۶

۱۱۷- اعلیٰ حضرت امام احمدرضاخان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قصیدۂ معراجیہ پرایک تحقیقی مقالہ

مولف۔ پروفیسر مرزا نظام الدین بیگ جاؔم بنارسی

تاریخ اشاعت ۔۔۔۔

ناشر۔ بزم اہل سنت، کراچی

صفحات۔۴۰

۱۱۸- اقباؔل واحمد رضاؔ (مدحت گران پیغمبر)

مصنف۔ راجا رشید محمود

تاریخ اشاعت۔ سوم دسمبر ۱۹۸۲ء

ناشر۔ اعجاز بک ڈپو، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ

صفحات۔۱۱۲

۱۱۹- کلام رضاؔ (حضرت رضاؔ بریلوی کے مجموعۂ کلام ''حدائق بخشش'' کا علمی وفنی جائزہ)

جائزہ نگار۔ اصغر حسین خاں نظیؔر لدھیانوی

تاریخ اشاعت۔ دوم ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

ناشر۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ

صفحات۔۱۰۴

۱۲۰- شرح حدائق بخشش (جلد اوّل)

شارح۔ عمدۃ المفسرین، مفکر اسلام محمد فیض احمد اویسی

تاریخ اشاعت۔ ۱۹۹۶ء

ناشر۔ مکتبہ رفاہ عام، گلبرگہ

صفحات۔ ۳۶۸

۱۲۱- شرح حدائق بخشش (جلد دوم)

شارح۔ عمدۃ المفسرین، مفکر اسلام محمد فیض احمد اویسی

تاریخ اشاعت۔ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء

ناشر۔ المختار پبلی کیشنز، کراچی

صفحات۔ ۴۳۲

۱۲۲- شرح سلام رضاؔ

شارح۔مفتی محمد خان قادری
تاریخ اشاعت۔جولائی ۱۹۹۴ء
ناشر۔مکتبہ نظامی، بھیونڈی
صفحات۔۵٦٦

۱۲۳- تلمیحات رضا
مصنف۔مفتی غلام محی الدین صدیقی رضوی
تاریخ اشاعت۔ ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء
ناشر۔رضا اکیڈمی، ممبئی
صفحات۔۵٦۷

۱۲۴- قصیدۂ اکسیر اعظم مع فارسی شرح مجیر مُعظم (از امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ)
اردو ترجمہ اور تقدیم وتعارف۔علامہ محمد احمد مصباحی
تاریخ اشاعت۔صفر المظفر ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۲ء
ناشر۔المجمع الاسلامی، مبارکپور، اعظم گڑھ
صفحات۔۲۰۸

۱۲۵- حمد کا عالمی انتخاب
مرتب۔فراغ روہوی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۹ء
ناشر۔مغربی بنگال اُردو اکاڈمی ۵/۱۲۷ رفیع احمد قدوائی روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۱٦
صفحات۔۵٦۰

حمدیہ ونعتیہ دواوین وکلیات

۱- **بساتین الغفران (الدیوان العربی الامام الاکبر المجدد امام اھل سنت محمد احمد رضا خان رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ)**
جمع وترتیب۔الاستاذ حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ۔جامعہ ازہر، مصر
تاریخ اشاعت۔ ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء

ناشر۔اکادیمیة رضا، ستاك بورت، برطانیه، رضا دارالاشاعت، لاهور، مجمع بحوث الامام احمد رضا، کراتشی، باکستان

صفحات۔۳۵۲

۲- حدائق بخشش۔اوّل دوم(نعتیہ دیوان)

شاعر۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری

تصحیح وتقدیم۔ڈاکٹر فضل الرحمٰن شررؔ مصباحی

تاریخ اشاعت۔۲۵رصفر المظفر ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء

ناشر۔رضا اکیڈمی،ممبئی

صفحات۔۳۶۸

۳- حدائق بخشش(کامل)

شاعر۔حسّان الہند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تصحیح وتحقیق۔مولانا عبدالسلام رضوی

تاریخ اشاعت۔ ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۵ء

ناشر۔امام احمد رضا اکیڈمی،صالح نگر،بریلی

صفحات۔۳۲۸

۴- حدائق بخشش۔حصہ سوم(فوٹو کاپی)

کلام۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری

تاریخ اشاعت۔۔۔

ناشر۔۔۔۔۔

صفحات ۹۶

۵- انتخاب حدائق بخشش حضرت رضاؔ بریلوی

مرتب۔پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

تاریخ اشاعت۔ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء

ناشر۔سرہند پبلی کیشنز،کراچی

صفحات۔۳۲۰

۶- انتخاب حدائق بخشش (اردو)
شاعر۔حضرت رضاؔ بریلوی
مرتب۔محمد صلاح الدین سعیدی
تاریخ اشاعت ۔رجب ۱۴۲۶ھ/اگست ۲۰۰۵ء
ناشر۔چودھری عبدالمجید قادری،قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ،لاہور
صفحات ۱۲۸

۷- مولود منظوم (مع انتخاب نعت و مناقب)
شاعر۔مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
ترتیب۔مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری
تاریخ اشاعت ۔دسمبر ۲۰۰۹ء ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ
ناشر۔تاج الفحول اکیڈمی،بدایوں شریف
صفحات۔۱۸۰

۸- دیوان تاج الفحول
شاعر۔مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی
تاریخ اشاعت ۔جمادی الآخر ۱۴۱۹ھ/ اکتوبر ۱۹۹۸ء
صفحات۔۱۸۶

۹- کلیاتِ حسنؔ
شاعر۔استاذ زمن علامہ حسنؔ رضا خاں حسنؔ بریلوی
مرتبین۔محمد افروز قادری چریاکوٹی،محمد ثاقب رضا قادری،پاکستان
تاریخ اشاعت ۔۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء
ناشر۔رضا اکیڈمی،ممبئی
صفحات۔۴۴۴

۱۰- سامان بخشش
شاعر۔شہزادۂ اعلیٰ حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں نوریؔ بریلوی
تاریخ اشاعت ۔۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء

ناشر۔قادری دارالاشاعت، مصطفیٰ مسجد، ویلکم، دہلی

صفحات۔۱۹۲

۱۱- کلیات نعت محسنؔ

شاعر۔محسنؔ کاکوروی

تاریخ اشاعت۔۱۹۸۲ء

ناشر۔اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

صفحات۔۲۵۸

۱۲- دیوان نیاز (اردو، فارسی، ہندی)

شاعر۔حکیم نیاز احمد صابری

تاریخ اشاعت۔۲۰۰۶ء

ناشر۔سیرت فاونڈیشن، سمن آباد، لاہور

صفحات۔۲۶۴

۱۳- ریاض نعیم (نعتیہ دیوان)

شاعر۔صدرالافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی

تاریخ اشاعت باردوم۔جون ۱۹۹۵ء

ناشر۔مکتبہ نعیمیہ، دیپاسرائے، سنبھل

صفحات۔۱۰۰

۱۴- قبالۂ بخشش

شاعر۔مولانا جمیل الرحمٰن خانصاحب بریلوی

تاریخ اشاعت۔۔۔۔۔

ناشر۔رضا اسلامک مشن، نومحلّہ مسجد، بریلی

صفحات۔۱۶۰

۱۵- مجموعۂ کلام ریحان رضا خاں ریحانؔ بریلوی

شاعر۔علامہ ریحان رضا خاں ریحانؔ بریلوی

مرتب۔مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۲ء
ناشر۔مکتبہ رحمانی رضویہ محلّہ سوداگران، بریلی شریف
صفحات۔۹۴

۱۶- سفینۂ بخشش
شاعر۔تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری ازہری اختؔر بریلوی
تاریخ اشاعت۔۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ/۳رجون ۲۰۰۶ء
ناشر۔رضا اکیڈمی،ممبئی
صفحات۔۹۶

۱۷- فرش پر عرش
شاعر۔سراج العلماء سید شاہ ابوالحامد محدث اعظم ہند قدس سرہ
تاریخ اشاعت۔۔۔۔
ناشر۔رضوی کتاب گھر،بھیونڈی
صفحات۔۱۹۲

۱۸- محامد پیغمبری ملقب بہ دیوان سالکؔ
شاعر۔مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی
تاریخ اشاعت۔۔۔۔
ناشر۔عظیم پبلشرز، جامعہ نگر،نئی دہلی
صفحات۔۴۸

۱۹- تحائف اشرفی
شاعر۔حضرت سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ
تاریخ اشاعت۔باردوم۔۱۹۹۰ء/۱۴۱۰ھ
ناشر۔خانقاہ اشرفیہ حسینہ سرکارکلاں، کچھوچھہ شریف،فیض آباد
صفحات۔۲۲۴

۲۰- ریاض عقیدت
شاعر۔مفتی محمد رجب علی قادری رضوی

تاریخ اشاعت۔ ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء

ناشرین۔مولوی محمد محمود رضا قادری، حافظ عزیز رضا قادری

صفحات۔۶۴

۲۱- نسبت

شاعر۔سید محمد ابوالخیر کشفی

تاریخ اشاعت۔ ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء

ناشر۔اقلیم نعت، کراچی

صفحات۔۹۶

۲۲- والفجر (نعتیہ کلام)

شاعر۔بیکلؔ اتساہی

تاریخ اشاعت۔۱۹۹۷ء

ناشر۔المجمع المصباحی، مبارک پور، اعظم گڑھ

صفحات۔۱۹۲

۲۳- مدحت

شاعر۔ابرارؔ کرت پوری

تاریخ اشاعت۔۱۹۹۲ء

ناشر۔مرکز علم ودانش، حضرت نظام الدین اولیاء، نئی دہلی

صفحات۔۱۴۴

۲۴- **اِلّا ھُو** (انتخاب محامد)

مرتب۔ابرارؔ کرت پوری

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۵ء

ناشر۔ابرارؔ کرت پوری، دہلی

صفحات۔۸۰۰

۲۵- نعت کہوں تو خوشبو آئے

مرتب۔ابرارؔ کرت پوری

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۶ء
ناشر۔ابرار کرت پوری، دہلی
صفحات۔۱۲۸

۲۶- جادۂ رحمت
شاعر۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء
ناشر۔ممتاز پبلشرز، اردو بازار، کراچی
صفحات۔۱۲۸

۲۷- خوابوں میں سنہری جالی ہے(خوبصورت نعتیں)
شاعر۔سید صبیح الدین صبیح رحمانی
مرتب۔ڈاکٹر عزیز احسن
تاریخ اشاعت۔نومبر ۱۹۹۷ء
ناشر۔دارالاسلام، لاہور
صفحات۔۲۸۴

۲۸- کلیات صبیح رحمانی (حمد و نعت، سلام و مناقب)
شاعر۔سید صبیح الدین صبیح رحمانی
مرتب۔ڈاکٹر شہزاد احمد
تاریخ اشاعت۔شوال ۱۴۴۰ھ/ جون ۲۰۱۹ء
ناشر۔دارالاسلام، لاہور
صفحات۔۲۸۴

۲۹- کلیات عزیز احسن (حمد، نعت، مناقب، منظومات)
شاعر۔ڈاکٹر عزیز احسن
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔صفر ۱۴۳۹ھ/نومبر ۲۰۱۷ھ
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۲۱۲

۳۰- منہاج نعت (بیالیسواں مجموعۂ نعت)
شاعر۔راجارشید محمود
تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۰۷ء
ناشر۔ایوان نعت، لاہور
صفحات۔۱۱۰

۳۱- عنبر سارا (حمد و نعت ومنقبت)
شاعر۔پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ
ناشر۔علامہ قتیلؔ دانا پوری اورینٹل لائبریری ومرکز تحقیق شاہ ٹولی کینٹ، پٹنہ
صفحات۔۱۴۳

۳۲- گلشن عقیدت (حمد، نعت، سلام۔مرثیہ، نوحہ، منقبت)
شاعر۔متینؔ عمادی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۶ء
ناشر۔متینؔ عمادی، خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ سٹی، بہار
صفحات۔۱۵۲

۳۳- سیرۃ الرّسول (منظوم)
شاعر۔ڈاکٹر عبدالمنان طرزیؔ
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۶ء
ناشر۔المنصور ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ، سبھاش چوک، دربھنگہ
صفحات۔۲۴۰

۳۴- ازہارِ مدینہ (نعتیہ کلام کا مجموعہ)
شاعر۔پروفیسر فاروق احمد صدیقی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۹ء
ناشر۔پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مظفر پور، بہار
صفحات۔۱۶۰

۳۵- یاصاحب الجمال (مختصر منظوم سیرت)
شاعر۔ڈاکٹر راہی فدائی
تاریخ اشاعت۔۲۰۰۶ء
ناشر۔ادارہ الانصار، حیدرآباد
صفحات۔۴۸

۳۶- مہبطِ انوار (مجموعۂ نعت)
شاعر۔ڈاکٹر راہی فدائی
تاریخ اشاعت۔۲۰۰۹ء
ناشر۔ادارہ الانصار، حیدرآباد
صفحات۔۱۴۴

۳۷- ناعت ومنعوت (کلیات نعت)
شاعر۔ڈاکٹر راہی فدائی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۴ء
ناشر۔ڈاکٹر راہی فدائی، بنگلور
صفحات۔۲۴۰

۳۸- نوائے فروزاں (مجموعۂ نعت)
شاعر۔عارف حسن خاں
تاریخ اشاعت۔دوم ۲۰۱۵ء
ناشر۔عارف حسن خاں، نیوفرینڈس کالونی، سول لائنس، علی گڑھ
صفحات۔۱۳۶

۳۹- سلام علیک (اکیسویں صدی کی پہلی طویل نعتیہ نظم)
شاعر۔ریاض حسین چودھری
تاریخ اشاعت۔اکتوبر ۲۰۰۸ء
ناشر۔نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور
صفحات۔۱۱۴

۴۰- جہان شوق
شاعر۔ابوبکر ناظم
تاریخ اشاعت ۔۲۴ر مئی ۲۰۰۱ء
ناشر۔قلندر بابا پبلی کیشنز،کورٹ اسٹریٹ،لاہور
صفحات ۔۱۲۶

۴۱- بادۂ حجاز (حمد،نعت،مناقب اور سلام)
شاعر۔علامہ بدرالقدری
تاریخ۔اشاعت ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء
ناشر۔المجمع الاسلامی،مبارک پور
صفحات ۔۱۲۸

۴۲- بابِ جبریل (حمد،نعت اور مناقب کا مجموعہ)
شاعر۔علامہ بدرالقدری
تاریخ اشاعت ۔ ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
ناشر۔اسلامک اکیڈمی ہند،ٹمیامحل،دہلی
صفحات ۔۱۳۲

۴۳- نشیدِ روح (حمد،نعت اور مناقب کا مجموعہ)
شاعر۔علامہ بدرالقدری
تاریخ اشاعت ۔ ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
ناشر۔اسلامک اکیڈمی ہند،ٹمیامحل،دہلی
صفحات ۔۱۱۶

۴۴- **الرّحیل** (حمد،نعت اور مناقب کا مجموعہ)
شاعر۔علامہ بدرالقدری
تاریخ۔اشاعت ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
ناشر۔اسلامک اکیڈمی ہند،ٹمیامحل،دہلی
صفحات ۔۱۲۸

۴۵- **جمیل الشّیم** (حمد،نعت،اورسلام کا گلدستہ)
شاعر۔علامہ بدرالقدری
تاریخ اشاعت۔ ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
ناشر۔اسلامک اکیڈمی ہند،ٹیامحل،دہلی
صفحات۔۱۲۰

۴۶- حرفِ نیاز (حمد،نعت،سلام اورنظمیں)
شاعر۔علامہ بدرالقدری
تاریخ اشاعت۔ ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
ناشر۔اسلامک اکیڈمی ہند،ٹیامحل،دہلی
صفحات۔۱۵۲

۴۷- تحفۂ حرمین (حمد،نعت،منقبت،سلام)
شاعر۔علامہ بدرالقدری
تاریخ اشاعت۔۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
ناشر۔اسلامک اکیڈمی ہند،ٹیامحل،دہلی
صفحات۔۸۰

۴۸- غبارمدینہ(مجموعۂ حمدونعت)
شاعر۔اقبالؔ اعظمی
تاریخ اشاعت۔۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء
ناشر۔مولاناشہبازاحمد،مولانانوازاحمد،مولاناایازاحمد،گھوسی ضلع مؤ(یوپی)
صفحات۔۱۴۴

۴۹- چراغِ حرا(مجموعۂ نعت)
شاعر۔پروفیسرنازؔ قادری
تاریخ اشاعت۔۲۰۰۹ء/ ۱۴۳۰ھ
ناشر۔اثبات ونفی پبلی کیشنز،کولکاتا
صفحات۔۱۹۲

۵۰- سیلِ نور (مجموعۂ نعت)

شاعر۔نثار کریمی

تاریخ اشاعت۔۲۰۰۷ء

ناشر۔نثار کریمی،کریم الدین پور،گھوسی،موَ

صفحات۔۱۵۲

۵۱- **یآایّھاالمُزّمِّلُ**

شاعر۔قمر بستوی

تاریخ اشاعت۔۱۹۹۷ء

ناشر۔رضوی کتاب گھر،دہلی

صفحات۔۸۴

۵۲- **یآایّھاالمُدّثّر** (امریکہ میں لکھی گئی نعتوں کا دوسرا مجموعہ)

شاعر۔قمر بستوی

تاریخ اشاعت۔صفر المظفر ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

ناشر۔رضوی کتاب گھر،دہلی

صفحات۔۸۰

۵۳- **یآ ایھا النّبِیُ** (امریکہ میں لکھی گئی نعتوں کا تیسرا مجموعہ)

شاعر۔قمر بستوی

تاریخ اشاعت۔صفر المظفر ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء

ناشر۔رضوی کتاب گھر،دہلی

صفحات۔۱۰۴

۵۴- آبشارِ مدحت (مجموعۂ نعت)

شاعر۔محمد قاسم حبیبی

تاریخ اشاعت۔۱۹۹۵ء

ناشر۔مولانا قاری محمد قاسم حبیبی برکاتی،خطیب جامع مسجد شفیع آباد چمن گنج،کان پور

صفحات۔۱۶۰

۵۵- مدح وثنا (نعتیہ مجموعۂ کلام)
شاعر۔قاری محمد میکائیل ضیائی
تاریخ اشاعت۔۱۹۹۴ء/ ۱۴۱۵ھ
ناشر۔محمد میکائیل ضیائی، کان پور
صفحات۔۱۵۲

۵۶- **الصّلوٰۃُ وَالسّلامُ** (مجموعۂ نعت)
شاعر۔محمد علی صدیقی (علیگ) شیدؔا بستوی
تاریخ اشاعت۔۲۰۰۲ء
ناشر۔محمد علی صدیقی (علیگ) شیدؔا بستوی
صفحات۔۱۲۴

۵۷- **وهی اوّل وهی آخر** (مجموعۂ نعت)
شاعر۔محمد علی صدیقی (علیگ) شیدؔا بستوی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۲ء
ناشر۔محمد علی صدیقی (علیگ) شیدؔا بستوی
صفحات۔۲۱۴

۵۸- ظہور قدسی
شاعر۔حضرت مولانا عبدالجبار خاں صاحب رہبرؔ اعظمی
مرتب۔محمد اسود خان اعظمی
تاریخ اشاعت۔نومبر ۲۰۱۳ء
ناشر۔رہبر فاؤنڈیشن، خالص پور، اعظم گڑھ
صفحات۔۱۰۰

۵۹- جذبات وجیہؔ (نعتیہ کلام)
شاعر۔مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں قادری وجیہؔ رام پوری
مرتب۔مولانا مظاہر اللہ خاں وجیہی
تاریخ اشاعت، بارپنجم ۲۰۱۹ء/ ۱۴۴۰ھ

ناشر۔مکتبہ وزیریہ، انگوری باغ، رام پور

صفحات۔۸۴

۶۰۔ سامانِ تسکین (حمد ومناجات ومنقبت)

شاعر۔شاہ حسین نہری

تاریخ اشاعت۔اشاعت دوم۔۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۳ھ

ناشر۔نوائے دکن پبلیکیشنز، حیدرآباد

صفحات۔۹۶

۶۱۔ رادئے رحمت

شاعر۔ایس۔یم عقیل

تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۰۳ء

ناشر۔ایس۔یم عقیل، شیموگہ، کرناٹک

صفحات۔۱۰۰

۶۲۔ ہزار آئینہ (حمد، نعت، منقبت، سلام)

شاعر۔فیروز ناطق خسرو

تاریخ اشاعت۔رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء

ناشر۔جہان حمد پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی

صفحات ۲۳۲

۶۳۔ چراغ نوا

شاعر۔رئیس احمد نعمانی

تاریخ اشاعت۔۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء

ناشرین۔محمد ارشد، محمد مرشد، لوکو کالونی (نئی آبادی) علی گڑھ

صفحات۔۶۴

۶۴۔ صلوٰۃ وسلام بہ حضور خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شاعر۔ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

تاریخ اشاعت۔۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

ناشر۔ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی، علی گڑھ

صفحات۔۶۴

۶۵- فروغِ نوا (مجموعۂ نعت)

شاعر۔رئیس احمد نعمانی

تاریخ اشاعت۔ ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء

ناشر۔مجلس مطالعات فارسی، علی گڑھ

صفحات۔۱۶۰

۶۶- شعاعِ نوا (مجموعۂ نعت)

نعت گو۔رئیس احمد نعمانی

تاریخ اشاعت۔۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء

ناشر۔مجلس مطالعات فارسی، علی گڑھ

صفحات۔۱۹۱

۶۷- حدائق الریحان (منظوم اردو ترجمانی) منتخب قصائد حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

منظوم ترجمانی۔(ڈاکٹر) رئیس احمد نعمانی

تاریخ اشاعت۔۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء

ناشر۔گوشۂ مطالعات فارسی، علی گڑھ

صفحات۔۶۴

۶۸- آئینۂ جمال (حمد ونعت اور منقبت وسلام)

شاعرہ۔غوثیہ سلطانہ

تاریخ اشاعت۔۔۔۔

ناشر۔غوثیہ سلطانہ نوری، شکاگو۔یو، ایس، اے

صفحات۔۱۱۲

۶۹- آنکھ بنی کشکول (مجموعۂ حمد ونعت)

شاعر۔آفتاب کریمی

تاریخ اشاعت۔نومبر ۱۹۹۷ء

ناشر۔اقلیم نعت، کراچی

صفحات۔۱۴۸

۷۰- جمالِ کون ومکاں (مجموعۂ حمد ونعت)

شاعر۔طاہرؔ لاہوری

تاریخ اشاعت۔۔۔

ناشر۔علی طاہر پبلشر، اقبال ٹاؤن، لاہور

صفحات۔۱۲۸

۷۱- نورِ کونین (مجموعۂ نعت)

شاعر۔موسیٰ نظامی کلیم

تاریخ اشاعت۔۱۹۹۸ء

ناشر۔علی عمر پبلی کیشنز، ماڈل ٹاؤن، لاہور

صفحات۔۱۶۰

۷۲- دیوان امجد فی مدح احمد (علاقہ ودربھ کا اوّلین نعتیہ دیوان)

شاعر۔ابوالفتح ضیاءالدین محمد عرف سید امجد حسین خطیب غزنوی الانبازی

تاریخ اشاعت۔۱۴۴۱ھ/۲۰۱۹ء

ناشر۔پروفیسر ڈاکٹر خطیب سید ابرار حسین قادری نقشبندی، امام وخطیب جامع مسجد وعیدگاہ، اچل پور سٹی، مہاراشٹرا

صفحات۔۳۲۳

۷۳- نوائے طیبہ (مجموعۂ حمد ونعت)

شاعر۔ولی اللہ عظیم آبادی

تاریخ اشاعت۔۔۔

ناشر۔ولی اللہ ولیؔ عظیم آبادی، مدینہ منورہ (سعودی عرب)

صفحات۔۱۱۲

۷۴- خَير السِّير فِي سيرةِ خَيرالبشر مع شجرهٔ نبويه نسب نامه خير البريه

شاعر۔ولی اللہ ولیؔ عظیم آبادی

تاریخِ اشاعت ۔۔۔
ناشر۔ولی اللہ ولیؔ عظیم آبادی، مدینہ منورہ (سعودی عرب)
صفحات ۔۱۲۸

۷۵- مدحت (مجموعۂ نعت)
شاعر۔واحد نظیر
تاریخِ اشاعت ۔۲۰۱۹ء
ناشر۔کریٹیو اسٹار پبلی کیشنز، جامعہ نگر، نئی دہلی
صفحات ۔۲۰۰

۷۶- معراجِ تخیل
شاعر۔تاج دار اہل سنت عبدالحمید محمد سالم القادری
تاریخِ اشاعت ۔ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء
ناشر۔اعلیٰ حضرت تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں شریف
صفحات ۔۱۶۶

۷۷- حدیثِ محبت (مجموعۂ نعت ومناقب)
شاعر۔تاج دار اہل سنت عبدالحمید محمد سالم القادری
تاریخِ اشاعت ۔۱۴۳۶ھ/۲۰۱۴ء
ناشر۔اعلیٰ حضرت تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں شریف
صفحات ۔۱۷۶

۷۸- نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (نعتیہ مجموعہ)
شاعر۔محمد یوسف الدین یوسف
تاریخِ اشاعت ۔۲۰۰۵ء
ناشر۔اطیب پبلشنگ ہاؤس، قلعہ گولکنڈہ، حیدرآباد
صفحات ۔۱۷۶

۷۹- عقیدت کے پھول
شاعر۔شیو بہادر سنگھ دلبرؔ

تاریخ اشاعت ۔ جولائی ۲۰۰۶ء
ناشر۔شیو بہادر سنگھ دلبر، ۹/ چندر نگر، رائے بریلی
صفحات ۔ ۲۸۵

۸۰- قدم قدم سجدے (مجموعۂ نعت)
شاعر۔خالد محمود نقشبندی مجددی
تاریخ اشاعت ۔ ۲۰۰۶ء
ناشر۔سیرت فاونڈیشن ۔سمن آباد لاہور
صفحات ۔ ۳۰۴

۸۱- اظہار عقیدت (نعتیہ اور منقبتی مجموعہ)
شاعر۔علامہ ارشد القادری
ترتیب ۔ڈاکٹر غلام زرقانی
تاریخ اشاعت ۔ اکتوبر ۲۰۰۵ء
ناشر۔دار الکتاب، مٹیا محل، دہلی
صفحات ۔ ۸۸

۸۲- کوثر و زمزم یعنی منیر احمد خان صاحب منؔیر کے نعتیہ کلام
شاعر۔منیر احمد منؔیر اعظمی
مرتب ۔ابو عبیدہ خاں عبدہٗ، دیوگام
ناشر۔ابو عبیدہ خاں عبدہٗ، دیوگام
صفحات ۔ ۹۶

۸۳- جزائے خیر (نعتیہ کلام)
شاعر۔حضرت علامہ ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہؔر
تاریخ اشاعت ۔ مارچ ۲۰۰۵ء
ناشر۔سید حیات احمد ارمان، نیا حجرہ، چک، الہ آباد
صفحات ۔ ۱۱۶

۸۴- داعی اسلام (بے نقطہ کلام ۔شاہنامہ اسلام)

شاعر۔صادق علی صادق دریابادی بستوی
تاریخ اشاعت۔۔۔۔۔
ناشر۔خالد کمال اشاعت گھر لُہرولی بازار، ہٹوا،بستی۔یوپی
صفحات۔۲۰۰
۸۵- صہبائے عقیدت (نعتیہ کلام)
شاعر۔(علامہ) شبنم کمالی
تاریخ اشاعت۔۱۹۹۶ء
ناشر۔شبنم اکیڈمی، پوکھریرا ضلع سیتامڑھی، بہار
صفحات۔۲۱۲
۸۶- سبیل بخشش (تضمین)
تضمین نگار۔محمد ادریس رضوی
تاریخ اشاعت۔نومبر ۲۰۰۷ء
ناشر۔غوث الوریٰ اکیڈمی، کلیان
صفحات۔۱۴۸
۸۷- ہر سانس پکارے صلِّ علیٰ (مجموعۂ نعت)
شاعر۔طاہر سلطانی
تاریخ اشاعت۔رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ/نومبر ۲۰۰۴ء
ناشر۔حرا فاؤنڈیشن، پاکستان، صدر کراچی
صفحات۔۱۴۴
۸۸- گلشن حمد (غیر مسلم حمد گو شعراء کا تذکرہ و حمدیہ کلام)
شاعر۔طاہر سلطانی
تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۰۴ء
ناشر۔جہان حمد پبلی کیشنز، کراچی
صفحات۔۱۶۰
۸۹- متاعِ محمود

شاعر۔الحاج مولا نامحمودایولوی

تاریخ اشاعت۔۔۔۔

ناشر۔رضوی کتاب گھر،دہلی

صفحات۔۱۸۴

۹۰- گل ولالہ

شاعر۔سیداولادرسول قدسیؔ

تاریخ اشاعت۔۱۹۹۶ء

ناشر۔فاروق سوداگر درویش،ممبئی

صفحات۔۲۰۰

۹۱- لب ولہجہ

شاعر۔سیداولادِرسول قدسیؔ

تاریخ اشاعت۔۲۰۰۰ء

ناشر۔رضادارالمطالعہ،پوکھریرا،سیتامڑھی،بہار

صفحات۱۳۶

۹۲- لوح محفوظ

شاعر۔سیداولادِرسول قدسیؔ

تاریخ اشاعت۔۲۰۰۵ء

ناشر۔رضادارالمطالعہ،پوکھریرا،سیتامڑھی،بہار

صفحات۱۸۷

۹۳- فکرِمسلسل

شاعر۔سیداولادِرسول قدسیؔ

تاریخ اشاعت۔ربیع الآخر۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

ناشر۔رضادارالمطالعہ،پوکھریرا،سیتامڑھی،بہار

صفحات۱۸۴

۹۴- لوح افکار

شاعر۔حلیم حاذق

تاریخ اشاعت۔۲۰۰۱ء

ناشر۔حلیم حاذق،فیل خانہ،ہوڑہ

صفحات۔۱۴۴

۹۵- عرفان مصطفیٰ (نعتیہ دیوان)

شاعر۔سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی برکاتی مارہروی

تاریخ اشاعت۔۔۔

ناشر۔بزم برکات آل مصطفیٰ،بمبئی

صفحات۔۱۶۰

۹۶- اِس پار سے اُس پار تک

شاعر۔حامد امروہوی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۵ء/۱۴۳۶ء

ناشر۔حامد امروہوی

صفحات۔۱۷۶

۹۷- رازِ بخشش

شاعر۔ساجد حسین ساجد امروہوی

تاریخ اشاعت۔۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

ناشرین۔خسرو مراز،خضر مراز

صفحات۔۲۲۴

۹۸- آرزوئے بخشش

شاعر۔ساجد حسین ساجد امروہوی

تاریخ اشاعت۔۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

ناشر۔انجمن یادگار رؤف،امروہہ

صفحات۔۱۶۸

۹۹- گہر بخشش((مجموعۂ نعت ومناقب)

شاعر۔ساجدؔ حسین ساجدؔامروہوی

تاریخ اشاعت ۔۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

ناشر۔انجمن یادگار رؤف،امروہہ

صفحات ۔۳۰۶

۱۰۰- گہوارۂ بخشش (مجموعۂ نعت)

شاعر۔ساجدؔ حسین ساجدؔامروہوی

تاریخ اشاعت ۔۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء

ناشر۔انجمن یادگار رؤف،امروہہ

صفحات ۔۱۲۸

۱۰۱- نظام اہل بیت (مجموعۂ حمد ونعت ومناقب اہل بیت)

شاعر۔ساجدؔ حسین ساجدؔامروہوی

تاریخ اشاعت ۔۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء

ناشر۔انجمن یادگار رؤف،امروہہ

صفحات ۔۱۳۲

۱۰۲- دواوین رباعیات (رباعی کے چار کامل دیوان)

شاعر۔ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی

تاریخ اشاعت ۔۲۰۱۳ء

ناشر۔ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی

صفحات ۔۱۲۸

۱۰۳- محامد رب (حمدیہ دیوان)

شاعر۔ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی

تاریخ اشاعت ۔۲۰۱۴ء

ناشر۔ڈاکٹر صابرؔ سنبھلی

صفحات ۔۱۴۴

۱۰۴- رباعیات کے چار دیوان

شاعر۔ڈاکٹر صابر سنبھلی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۵ء

ناشر۔ڈاکٹر صابر سنبھلی

صفحات۔۱۱۲

۱۰۵- **وجه کل صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم** (حیات وسیرت النبی منظوم)

شاعر۔منیر احمد جامی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۵ء

ناشر۔ائی مانیٹری اڈوائزری (I.M.A) بنگلور

صفحات۔۳۳۳

۱۰۶- صَدَقتَ (واقعات ومعجزات فخر موجوداتﷺ بصورت قطعات)

شاعر۔منیر احمد جامی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۹ء

ناشر۔کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور

۱۵۶صفحات۔۳۳۳

۱۰۷- نفیر حرم (حمد، نعت، مناقب اور نظموں کا حسین گل دستہ)

شاعر۔فروغ احمد اعظمی مصباحی

تاریخ اشاعت۔۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۹ء

ناشر۔واسطی فاؤنڈیشن، دارالعلوم مدینۃ العربیہ، دوست پور، سلطان پور

صفحات۔۸۶

۱۰۸- خشتِ حرم

شاعر۔راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی

تاریخ اشاعت۔فروری ۲۰۰۳ء

ناشر۔راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ، فتح گڑھ

صفحات۔۹۶

۱۰۹- سُلوک حسّان (مجموعۂ نعت ومنقبت)

شاعر۔سید فاضل اشرفی میسوری

تاریخ اشاعت۔۔۔۔

ناشر۔اعظم عربک بک سینٹر،اشوک روڈ،میسور

صفحات۔۲۶۸

۱۱۰- عطر خیال

شاعر۔شبنم رومانی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۷ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی

صفحات۔۱۲۰

۱۱۱- قلزمِ نور (نعت ومناقب کا مجموعہ)

شاعر۔سید محمد نورالحسن نور نوابی عزیزی

مرتب۔یاور وارثی

تاریخ اشاعت۔اپریل ۲۰۱۸ء

ناشر۔یاور وارثی عزیزی نوابی

صفحات۔۲۳۲

۱۱۲- ثنا کی نکہتیں (مجموعۂ نعت برزمین غالب)

شاعر۔سید محمد نورالحسن نور نوابی عزیزی

تاریخ اشاعت۔اگست ۲۰۱۹ء

ناشر۔دبستان نوابیہ عزیزیہ۔قاضی پور شریف،فتح پور

صفحات۔۱۶۸

۱۱۳- مطلع نور (مجموعۂ نعت ومناقب)

شاعر۔سید محمد نورالحسن نور نوابی عزیزی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۸ء

ناشر۔تنظیم نوابیہ عزیزیہ

صفحات۔۲۸۰

۱۱۴- وَسَلِّمُوا تَسلِيمًا (سلاموں کا مجموعہ)
شاعر۔سید محمد نورالحسن نؔور نوابی عزیزی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۸ء
ناشر۔یاوروارثی عزیزی نوابی
صفحات۔۲۸۰

۱۱۵- دریچۂ نور (مجموعۂ نعت)
شاعر۔سید محمد نورالحسن نؔور نوابی عزیزی
تاریخ اشاعت۔اگست ۲۰۱۹ء
ناشر۔دبستان نوابیہ عزیزیہ۔قاضی پورشریف، فتح پور
صفحات۔۱۷۶

۱۱۶- مرکزِ نور (مجموعۂ نعت)
شاعر۔سید محمد نورالحسن نؔور نوابی عزیزی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۹ء
ناشر۔دبستان نوابیہ عزیزیہ۔قاضی پورشریف، فتح پور
صفحات۔۱۲۰

۱۱۷- نعتوں کے دیئے (نعوت برزمین میر تقی مؔیر)
شاعر۔سید محمد نورالحسن نؔور نوابی عزیزی
تاریخ اشاعت۔جولائی ۲۰۱۹ء
ناشر۔دبستان نوابیہ عزیزیہ۔قاضی پورشریف، فتح پور
صفحات۔۱۲۸

۱۱۸- بامِ ایجاب (مجموعۂ نعت ومناقب)
شاعر۔سید محمد مجیب الحسن نوابی عزیزی
تاریخ اشاعت۔اپریل ۲۰۱۹ء
ناشر۔دبستان نوابیہ عزیزیہ۔قاضی پورشریف، فتح پور
صفحات۔۱۴۸

۱۱۹- موجِ کرم (مجموعۂ نعت ومناقب)
شاعرہ۔شمائلہ صدف
تاریخ اشاعت۔جون ۲۰۱۸ء
ناشر۔دبستان نوابیہ عزیزیہ۔قاضی پورشریف،فتح پور
صفحات۔۱۱۲

۱۲۰- وجدان (نعتیہ مجموعہ)
شاعر۔یاؔور وارثی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۱ء
ناشر۔نجم السعید،رضوان عارف،کان پور
صفحات۔۲۰۸

۱۲۱- محراب (مجموعۂ نعت ومناقب)
شاعر۔یاؔور وارثی نوابی عزیزی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۶ء
ناشر۔نجم السعید،رضوان عارف،کان پور
صفحات۔۲۸۰

۱۲۲- حریمِ نعت (مجموعۂ نعت)
شاعر۔یاؔور وارثی نوابی عزیزی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۸ء
ناشر۔دبستان نوابیہ عزیزیہ۔قاضی پورشریف،فتح پور
صفحات۔۲۸۸

۱۲۳- رحمتِ تمام (نعتیہ دیوان)
شاعر۔حبیب سرور عزیزی نوابی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۹ء
ناشر۔دبستان نوابیہ عزیزیہ۔قاضی پورشریف،فتح پور
صفحات۔۱۷۶

۱۲۴- محبتوں کے چراغ (نعت ومنقبت کا مجموعہ)
شاعر۔قاری اخلاق فتح پوری
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۷ء
ناشر۔قاری اخلاق فتح پوری
صفحات۔۱۶۰

۱۲۵- محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے لیے (مجموعۂ نعت)
شاعر۔اُدھومہاجن بسملؔ
تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۱۸ء
ناشر۔اسباق پبلی کیشنز، پونے
صفحات۔۷۲

۱۲۶- عطا (خانقاہ قادریہ اور درگاہ قادریہ میں پڑھا جانے والا کلام)
شاعر۔محمد عبدالقیوم قادری راجیؔ
تاریخ اشاعت۔۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۶ء بموقع عرس قادری شریف
ناشر۔تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں شریف، یوپی
صفحات۔۳۶۷

۱۲۷- چراغ (مجموعۂ نعت)
شاعر۔سید شاکر القادری چشتی نظامی
تاریخ اشاعت۔نومبر ۲۰۱۶ء
ناشر۔اکادمی فروغ نعت، اٹک، پاکستان
صفحات۔۱۶۰

۱۲۸- گل دستہ
شاعر۔سید محمد مدنی میاں اخترؔ کچھوچھوی
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۱۹۹۴ء
مرتب۔طارق سعید
ناشر۔طارق سعید

صفحات۔۲۰۸

۱۲۹- تجلیات (پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس حیات شریف اور اردو کا بہترین نعتیہ کلام)
مرتب۔ذکی کاکوروی
تاریخ اشاعت۔۱۹۷۳ء
ناشر۔ذکی کاکوروی
صفحات۔۲۴۰

۱۳۰- چمن زارِ ایماں
شاعر۔شاؔد فیض آبادی
تاریخ اشاعت۔۔۔۔
ناشر۔مکتبہ اہل سنت جامع مسجد ٹاٹ شاہ،فیض آباد
صفحات۔۵۶

۱۳۱- وسیلۂ نجات (نعتیہ مجموعہ)
شاعر۔محمد مجاہد حسین رضوی حسؔن الہ آبادی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۹ء
ناشر۔محمد مجاہد حسین رضوی حسؔن الہ آبادی،الہ آباد
صفحات۔۱۹۲

۱۳۲- رحمتِ تمام
شاعر۔تابشؔ مہدی
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۸ء
ناشر۔ادبیات عالیہ اکادمی، جامعہ نگر، نئی دہلی
صفحات۔۱۷۶

۱۳۳-والفجر (مجموعۂ نعت)
شاعر۔ڈاکٹر آفاقؔ فاخری
تاریخ اشاعت۔۲۰۱۵ء
ناشر۔ڈاکٹر آفاق فاخری،جلال پور، امبیڈکر نگر

صفحات۔۱۱۲

۱۳۴- ہر سانس محمد پڑھتی ہے

شاعر۔پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۵ء

ناشر۔پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی

صفحات۔۸۰

۱۳۵- پیارے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شاعر۔زاہد محمود شمس

تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۱۵ء

ناشر۔زاہد محمود شمس / دھنک مطبوعات، لاہور

صفحات۔۱۴۴

۱۳۶- میں غریب اور تو غریب نواز (حمد و نعت کا مجموعہ)

شاعرہ۔بیگم رضیہ حلیم جنگ

تاریخ اشاعت۔فروری ۲۰۱۲ء

ناشر۔بیگم رضیہ حلیم جنگ، دریا گنج، دہلی

صفحات۔۱۴۸

۱۳۷- سرمایہ (پینتالیس سالوں میں کہی نعتوں کا انتخاب)

شاعر۔افسر امروہوی

تاریخ اشاعت۔۲۰۰۴ء/ ۱۴۲۵ھ

ناشر۔ڈاکٹر دانش افسر

صفحات۔۲۲۴

۱۳۸- تابش طیبہ (حضرت مسرور کیفی کے ۲۱ مجموعہائے نعت سے انتخاب)

تاریخ اشاعت۔شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ / جولائی ۲۰۱۶ء

شاعر۔مسرور کیفی

مرتب۔محمد رمضان میمن

ناشر۔محمد رمضان میمن/ جہانِ نعت، کراچی

صفحات۔۸۰

۱۳۹- **لِلّٰہِ الحَمد** (حمد و مناجات)

شاعر۔ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی

تاریخ اشاعت۔۲۰۰۶ء/ ۱۴۲۷ھ

ناشر۔ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی

صفحات۔۱۱۲

۱۴۰- رب کے حضور (دیوان حمد و مناجات)

شاعر۔ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی

تاریخ اشاعت۔اکتوبر ۲۰۱۲ء/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

ناشر۔ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی

صفحات۔۱۵۲

۱۴۱- کشفیہ (مجموعۂ حمد و نعت)

شاعر۔سلیم شہزاد

تاریخ اشاعت۔اگست ۲۰۱۸ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۱۶۰

۱۴۲- ثنائے رب (حمدیہ کلام)

شاعر۔ایم نصر اللہ

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۵ء

ناشر۔انیس امروہوی، تخلیق کار پبلشرز، لکچھمی نگر، دہلی

صفحات۔۱۲۶

۱۴۳- محمد نہ ہوتے

شاعر۔نذیر فتح پوری

تاریخ اشاعت۔جون ۲۰۱۶ء/ رمضان ۱۴۳۷ھ

ناشر۔اسباق پبلی کیشنز، پونے

صفحات۔۱۱۲

۱۴۴- رَبّنَا وَ سَیّدِنَا (مجموعۂ حمد ونعت)

شاعر۔مختارؔ ٹونکی

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۹ء

ناشر۔مختار ٹونکی، کالی پلٹن روڈ، پُل محمد خاں، ٹونک (راجستھان)

صفحات۔۱۶۰

۱۴۵- نذر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شاعر۔دانش عنایتی

تاریخ اشاعت ۲۰۰۵ء

ناشر۔روہیل کھنڈ لٹریری سُوسائٹی، انگوری باغ، رام پور

صفحات۔۹۳

۱۴۶-بابِ رحمت (نعتیہ مجموعہ)

شاعر۔اسحاق انوارؔ

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۶ء

ناشر۔اخبار اُڑیسہ پبلی کیشنز، کٹک

صفحات۔۱۲۸

۱۴۷- مجموعۂ حمد ونعت

شاعر۔عبدالقادر عارفؔ

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۷ء

ناشر۔عبدالقادر عارف منڈیا، کرناٹک

صفحات ۶۷

۱۴۸- محمد ﷺ محمد ﷺ (نعتیہ مجموعہ)

شاعر۔زاہد فخری

تاریخ اشاعت۔مئی ۲۰۱۱ء/ ربیع الاوّل ۱۴۳۲ھ

ناشر۔زاہد فخری، لاہور

صفحات۔۱۱۲

۱۴۹- مجموعہ نعت ومنقبت

شاعر۔مولوی محمد ناصر خاں ناصرؔ فرقانی

تاریخ اشاعت۔جون ۲۰۱۳ء/ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

ناشر۔شعبۂ نشرو اشاعت مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ، بازار مسٹن گنج، رام پور

صفحات۔۱۰۸

۱۵۰- اَسمَاء الحُسنیٰ (مع حمد ونعت)

مرتبین۔پروفیسر فہمیدہ بیگم، پروفیسر محمد صبغۃ اللہ

تاریخ اشاعت۔۲۰۰۳ء

ناشر۔حریر اکادمی، بنگلور

صفحات۔۳۲

۱۵۱- اذکار مبین

شاعر۔مبیںؔ منور

تاریخ اشاعت۔۲۰۱۲ء/۱۴۳۳ھ

ناشر۔مبین منور، بنگلور

صفحات۔۱۱۲

۱۵۲- عید منظر

شاعر۔اسدؔ ثنائی

تاریخ اشاعت ۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۵ء

ناشر۔اسدؔ ثنائی، حیدرآباد

صفحات۔۲۰۰

۱۵۳- قصائد جذبؔ (درمدح محمد وآلِ محمد سلام اللہ اجمعین)

شاعر۔سید عباس علی جذبؔ گوپالپوری

تاریخ اشاعت۔۱۹۹۳ء

ناشر۔مرکز تحقیقات اردووفارسی، گوپالپور، باقر گنج،ضلع سیوان، بہار

صفحات۔۱۱۲

۱۵۴- مجموعۂ نعت صلِّ علیٰ محمد (اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر شعراء کا بارگاہ رسالت میں نذرانہ عقیدت)

مرتب۔پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

تاریخ اشاعت۔۲۰۰۲ء

ناشر۔نوری کتب خانہ، لاہور

صفحات۔۲۱۶

۱۵۵- ثنائے سرکار ہے وظیفہ (دوسرا نعتیہ مجموعہ)

شاعر۔توفیق احسن برکاتی

تاریخ اشاعت۔اپریل ۲۰۱۷ء

ناشر۔دارالعلوم اہل سنت گلشن مدینہ۔رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نیرول، نئی ممبئی

صفحات۔۱۳۶

۱۵۶- لمعاتِ بخشش (دیوان نعت)

شاعر۔محمد حسین مشاہد رضوی

تاریخ اشاعت۔۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء

ناشر۔محمد حسین مشاہد رضوی، باہتمام آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء، شاخ، مالیگاؤں

صفحات۔۲۴۰

۱۵۷- انتخاب غزلیات رضاؔ (انتخاب از حدائق بخشش امام احمد رضاؔ بریلوی)

مرتب۔مولانا محمد امجد رضا خاں۔ایم اے

تاریخ اشاعت۔۱۹۹۷ء

ناشر۔ادارہ شرعیہ بہار، سلطان گنج، پٹنہ

صفحات۔۱۳۶

۱۵۸- گل دستۂ رضا

شاعر۔بدرالدجیٰ اطہرؔ القادری بستوی

تاریخ اشاعت ۔۔۔۔

ناشرین۔مولانا محمد احمد رضا خاں ومولانا محمد نسیم خاں رضوی صاحبان

صفحات۔۴۰

۱۵۹- ثنائے رب (حمدیہ کلام)

شاعر۔ایم نصراللہ نصر

ناشر۔تخلیق کار پبلشرز، لکشمی نگر، دہلی ۱۱۰۰۹۲

صفحات۔۱۲۸

رسائل وجرائد

۱- نعت رنگ۔شمارہ ۶

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔ستمبر ۱۹۹۸ء

ناشر۔فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی

صفحات۔۴۴۹

۲- نعت رنگ۔شمارہ ۸

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔ستمبر ۱۹۹۹ء

ناشر۔اقلیم نعت، کراچی

صفحات۔۲۷۲

۳- نعت رنگ۔شمارہ ۹

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔مارچ ۲۰۰۰ء

ناشر۔اقلیم نعت، کراچی

صفحات۔۲۵۶

۴- نعت رنگ۔شمارہ ۱۰

مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔اپریل ۲۰۰۰ء
ناشر۔اقلیم نعت، کراچی
صفحات۔۲۵۶

۵- نعت رنگ۔شمارہ ۱۱
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔مارچ ۲۰۰۱ء
ناشر۔اقلیم نعت، کراچی
صفحات۔۴۱۶

۶- نعت رنگ۔شمارہ ۱۲
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔اکتوبر ۲۰۰۱ء
ناشر۔اقلیم نعت، کراچی
صفحات۔۴۳۷

۷- نعت رنگ۔شمارہ ۱۳
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۲۰۰۲ء
ناشر۔اقلیم نعت، کراچی
صفحات۔۳۴۱

۸- نعت رنگ۔شمارہ ۱۴
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۲۰۰۲ء
ناشر۔اقلیم نعت، کراچی
صفحات۔۲۳۰

۹- نعت رنگ۔شمارہ ۱۵

مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔مئی ۲۰۰۳ء
ناشر۔اقلیم نعت،کراچی
صفحات۔۴۹۶

۱۰۔ نعت رنگ۔شمارہ ۱۶
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔فروری ۲۰۰۴ء
ناشر۔اقلیم نعت،کراچی
صفحات۔۴۲۸

۱۱۔ نعت رنگ۔شمارہ ۱۷
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔نومبر ۲۰۰۴ء
ناشر۔اقلیم نعت،کراچی
صفحات۔۵۰۸

۱۲۔ نعت رنگ۔شمارہ ۱۸(مولانا احمد رضا خاں بریلوی نمبر)
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۲۰۰۵ء
ناشر۔اقلیم نعت،کراچی
صفحات۔۸۰۰

۱۳۔ نعت رنگ۔شمارہ ۱۹
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۲۰۰۶ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی
صفحات۔۶۲۰

۱۴۔ نعت رنگ۔شمارہ ۲۰

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔اگست ۲۰۰۸ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۵۲۸

۱۵- نعت رنگ۔شمارہ ۲۱

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔اگست ۲۰۱۰ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۷۰۴

۱۶- نعت رنگ۔شمارہ ۲۲

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔ستمبر ۲۰۱۱ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۵۶۰

۱۷- نعت رنگ۔شمارہ ۲۳

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔اگست ۲۰۱۲ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۶۴۰

۱۸- نعت رنگ۔شمارہ ۲۴

مرتب۔سید صبیح رحمانی

تاریخ اشاعت۔جولائی ۲۰۱۴ء

ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

صفحات۔۵۲۰

۱۹- نعت رنگ۔شمارہ ۲۵ (سلور جبلی نمبر)

مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔اگست ۲۰۱۵ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی
صفحات۔۹۵۰

۲۰- نعت رنگ۔شمارہ ۲۶
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۲۰۱۶ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی
صفحات۔۶۸۰

۲۱- نعت رنگ۔شمارہ ۲۷
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۲۰۱۷ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی
صفحات۔۵۳۲

۲۲- نعت رنگ۔شمارہ ۲۸
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔نومبر ۲۰۱۸ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی
صفحات۔۵۸۴

۲۳- نعت رنگ۔شمارہ ۲۹
مرتب۔سید صبیح رحمانی
تاریخ اشاعت۔اکتوبر ۲۰۱۹ء
ناشر۔نعت ریسرچ سینٹر،کراچی
صفحات۔۵۵۲

۲۴- سفیر نعت شمارہ ۱ (صبیح رحمانی نمبر)

مرتب۔آفتاب کریمی
تاریخ اشاعت۔
ناشر۔آفتاب اکیڈمی، کراچی
صفحات۔۱۲۸

۲۵- سفیر نعت شمارہ ۲
مرتب۔آفتاب کریمی
تاریخ اشاعت۔نومبر ۲۰۰۱ء
ناشر۔آفتاب اکیڈمی، کراچی
صفحات۔۱۶۰

۲۶- سفیر نعت شمارہ ۳
مرتب۔آفتاب کریمی
تاریخ اشاعت۔جنوری ۲۰۰۳ء
ناشر۔آفتاب اکیڈمی، کراچی
صفحات۔۱۶۰

۲۷- سفیر نعت شمارہ ۴ (محسن کاکوروی نمبر)
مرتب۔آفتاب کریمی
تاریخ اشاعت۔ستمبر ۲۰۰۳ء
ناشر۔آفتاب اکیڈمی، کراچی
صفحات۔۲۲۴

۲۸- سفیر نعت شمارہ ۵
مرتب۔آفتاب کریمی
تاریخ اشاعت۔دسمبر ۲۰۰۵ء
ناشر۔آفتاب اکیڈمی، کراچی
صفحات۔۲۱۶

۲۹- نقوش رسول نمبر جلد دہم (فوٹو کاپی)

ایڈیٹر۔محمد طفیل

تاریخ اشاعت ۔جنوری ۱۹۸۴ء

ناشر۔ادارہ فروغ اردو، لاہور

صفحات ۱۹۰

۳۰- اوج (نعت نمبر جلد اوّل)

ترتیب وتدوین ۔ پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی

تاریخ اشاعت ۔۹۳-۱۹۹۲ء

ناشر۔گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور

صفحات ۔۷۲۰

۳۱- اوج (نعت نمبر جلد دوم)

ترتیب وتدوین (مدیر اعلیٰ) پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی

تاریخ اشاعت ۔۹۳-۱۹۹۲ء

ناشر۔گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور

صفحات ۔۷۳۶

۳۲- کاروانِ ادب (خصوصی شمارہ مشتمل بر مقالات مذاکرۂ علمی حمد و مناجات ودعاء)

مدیر مسئول۔مولانا محمد رابع حسنی ندوی

تاریخ اشاعت ۔ پہلا شمارہ اپریل مئی، جون ۱۹۹۴ء

ناشر۔مرکزی دفتر رابطۂ ادبِ اسلامی (عالمی) ندوۃ العلماء، لکھنؤ

صفحات ۔۲۰۸

۳۳- کاروانِ ادب (بشمول منتخب مقالات مذاکرۂ علمی نعتیہ شاعری تاریخی وعلمی جائزہ وخصوصیات)

مدیر مسئول۔مولانا محمد رابع حسنی ندوی

تاریخ اشاعت ۔تیسرا شمارہ اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۹۴ء

ناشر۔مرکزی دفتر رابطۂ ادبِ اسلامی (عالمی) ندوۃ العلماء، لکھنؤ

صفحات ۔۲۰۸

۳۴- ماہنامہ القول السدّید (نعت نمبر)

مدیر اعلیٰ ۔محمد طفیل

تاریخ اشاعت ۔رمضان المبارک تا ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ/ مارچ تا مئی ۱۹۹۴ء

ناشر۔محمد طفیل، کرم پارک مصری شاہ، لاہور

صفحات ۔۲۸۷

۳۵- کاروانِ نعت (نعت خوانی نمبر)

مدیر۔محمد ابرار حنیف مغل

تاریخ اشاعت ۔مارچ ۲۰۰۷ء

ناشر۔ادارہ کاروانِ نعت، اردو بازار، لاہور

صفحات ۔۴۹۶

۳۶- مدحت

مدیر۔سرور حسین نقش بندی

تاریخ اشاعت ۔مارچ تا مئی ۲۰۱۵ء

ناشر۔نعت فورم، لاہور

صفحات ۔۴۰۸

۳۷- جہانِ نعت، کراچی (پروفیسر سید اقبال عظیم نعت نمبر)

مدیر۔محمد رمضان میمن

تاریخ اشاعت ۔جنوری تا جون ۲۰۱۶ء

ناشر۔ جہانِ نعت، کراچی

صفحات ۔۲۵۴

۳۸- جہانِ حمد و نعت شمارہ ۱

مدیر۔ڈاکٹر جوہر قدوسی

تاریخ اشاعت ۔رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ/ جون ۲۰۱۹ء

ناشر۔نعت اکادمی (جموں و کشمیر) سرینگر

صفحات ۔۵۲۱

۳۹- ماہنامہ ارمغانِ حمد، کراچی (صبا اکبرآبادی حمد و نعت نمبر)

مدیر۔طاہرسلطانی

تاریخ اشاعت۔ذی قعدہ،ذی الحجہ۱۴۲۶ھ/جنوری۲۰۰۶ء

ناشر۔طاہرسلطانی،کراچی

صفحات۔۱۴۴

۴۰- سہ ماہی کاوش (خصوصی شمارہ نعت نمبر)

مدیر۔فہیم بسمل

تاریخ اشاعت۔اپریل تااگست۲۰۱۷ء

ناشر۔فہیم بسمل،ایمن زئی جلال نگر،شاہ جہاں پور۔یوپی۔

صفحات۔۲۰۰

☆☆☆

زاویۂ نگاہ

سب محبتوں کے گلابوں میں بسے ہیں آنگن
آپ کے شہر سے خوشبو ہی جدا آتی ہے

طاؔہر لاہوری

علامہ اقبال اعظمی (گھوسی، مئو)

دبستان نعت ۔۴ پر ایک عمیق نظر

مدیر محترم!

''دبستان نعت''، شمارہ ۔۴ نظر نواز ہوا۔ کرم فرمائی کا شکریہ۔

یہ ضخیم شمارہ ۶۸۰ صحافت پر مشتمل ہے۔ آپ اور سیفی صاحب کی اردو ادب اور صنف نعت کے حوالے سے یہ خدمات قابل ستائش ہیں۔ اللہ عزوجل آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

آپ کا ادار یہ عمدہ اور قابل تحسین ہے۔ آپ نے اس شمارے میں بھی ہمیں یہ مزدۂ جانفزا سنایا ہے۔ ہری سنگھ گوڑ یونیورسٹی ساگر، مدھیہ پردیش میں بھی ان (ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل راٹھوی) کی کوششوں سے نعت شامل نصاب ہے اور ان کی کتاب ''خلق پیغمبر'' وہاں ۱۹۹۴ء سے پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے۔

یہ خوشخبری سن کر ہمیں بے حد مسرت ہوئی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ''نعتیہ شاعری'' سے متعلق آپ نے تین مضامین شائع کئے ہیں جن میں پہلا مضمون آپ کا ہے۔ یہ دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی۔ تنویر پھول صاحب کا مضمون ''وفات النبی، حیات النبی اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اور قاری محمد رفیق صاحب فائز فتح پوری کا مضمون ''بارگاہ رسالت میں عقیدۂ صحابہ اور تجلیات نعت'' دونوں عمدہ ہیں۔ ان مضامین میں فرق باطلہ کا رد اور عقائد اہلسنّت کو بیان کیا گیا ہے۔

چار مضامین علاقائی شعراء کی نعتیہ شاعری پر مشتمل ہیں۔ جن میں فاضل اہل قلم نے متعدد گمنام نعت گو شعراء کا تعارف کرایا ہے۔ جو مستحسن قدم ہے۔ ان مضامین میں ''علاقۂ گوالیار میں اردو شعر و ادب اور نعت گوئی کی تاریخ ایک تحقیقی جائزہ'' (ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری)، برہان پوری میں سلسلۂ میر کے نعت گو شعراء ایک تحقیقی جائزہ'' (ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری)، کتب خانہ ''قادریہ بشیریہ، شاہ جہاں پور میں محفوظ نعتیہ دواوین کا اجمالی جائزہ'' (سید محمد مفیض الدین قادری)، ''راجستھان میں نعت گوئی

کی روایت'' (ڈاکٹر شاہد احمد جمالی) شامل ہیں۔

ادار یہ میں کچھ کمپوزنگ کی خامیاں در آئی ہیں۔

اگر یہ پوچھیں کہ یاد کرتا ہے، بھول کر وہ ہمیں بھی
جو یاد میں ان کی حال دل ہے، وہ سب تم انہیں سنا کر
(ص:۱۵)

کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے دونوں مصرعے ساقط الوزن ہیں۔

کوئی ہمدم نہ کوئی مونس، نہ کچھ وسیلہ نہ کچھ ذریعہ (ص:۱۵)

''کوئی ہمدم'' کے پہلے ''نہ'' چھوٹ گیا ہے۔

''مثنوی کے بحر''۔ ''کے'' کی جگہ ''کی'' ہونا چاہئے۔

''پہلا بیت''۔ پہلا کی جگہ ''پہلی'' ہونا چاہئے۔ (ص:۱۵)

''اس کی سن تخلیق'' (ص:۱۵) ''کی'' کی جگہ ''کا'' ہونا چاہئے، کیونکہ لفظ ''سن'' مذکر ہے۔

''درگزر کرتے ہو۔'' (ص:۲۱) ''ہو'' کی جگہ ''ہوئے'' ہونا چاہئے۔

پروفیسر عبدالحق صاحب کا مضمون ''ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور جمالیات قرآن وحی کے حوالے سے'' عمدہ ہے۔ بعض مصرعوں میں کمپوزنگ کی خامیاں ہیں۔ ؎

کھلے ہیں ہر طرف رخسار کے گل ہر اک گل کے نزدیک ہے وہاں ہے سنبل
ہے صورت حقیقت کی نشانی کہ ہیں معمور اہل معانی (ص:۴۰)

مندرجہ بالا دونوں اشعار مثنوی کے ہیں۔ یہ بحر ہزج مسدس محذوف پر کہے گئے ہیں جن کے اوزان، مفاعیلن مفاعیلن فعولن ہیں۔ تقطیع کرنے پر پہلے شعر کا دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے۔ یہ مصرع یوں ہوسکتا ہے۔ ؎

وہاں ہر گل کے ہے نزدیک سنبل

دوسرے شعر کے دونوں مصرعے ساقط الوزن ہیں۔ پہلا مصرع یوں ہوسکتا ہے۔ ؎

ہے صورت میں حقیقت کی نشانی

پہلے مصرع میں لفظ ''میں'' چھوٹ گیا ہے اور دوسرے مصرع میں ایک ''دوحرفی لفظ'' (سبب) کی کمی ہے۔

رہے گر سگ ہو دائم نبی کے آستانے کا (ص:۴۵)

لفظ ''ہو'' کے پہلے لفظ ''جو'' چھوٹ گیا ہے۔ یہ مصرع یوں ہونا چاہئے۔ ؎

رہے گر سگ جو ہو دائم نبی کے آستانے کا

اس آیت کریم سے استفادہ کیا ہے۔(ص:۳۵)

کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے ''کریم'' چھپ گیا ہے۔ ''کریمہ'' ہونا چاہئے۔

''موج کوثر کا قرآنی تجزیہ'' میں پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے اقبال سہیل کی طویل نعتیہ نظم ''موج کوثر'' کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ ''موج کوثر'' یقیناً ایک عمدہ نعتیہ نظم ہے جس میں صحیح عقائد کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں شایان شان الفاظ والقاب کا استعمال کیا گیا ہے۔ پروفیسر صاحب کے خیالات ونظریات سے میں مکمل طور پر متفق نہیں ہوں۔ مجھے ان کی بعض باتوں سے اختلاف ہے۔ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

''کیونکہ قرآن کریم اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لازم وملزم ہیں۔'' (ص:۱۲۰)

قرآن کریم اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس معنی میں لازم وملزوم کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حامل قرآن ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ عزوجل نے قرآن نازل فرمایا۔

لیکن میں ان کی اس بات سے متفق نہیں ہوں۔

''دونوں کے ارتباط میں کوئی چیز حائل نہیں۔ قرآن نے اس تواصل کو یوں بیان کیا ہے:

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا۔ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (پارہ-۲۸-الطلاق-آیت ۱۰-۱۱)

بے شک اللہ نے تم لوگوں کے لئے قرآن یعنی رسول اتارا جو تم لوگوں کے سامنے اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ اہل ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔ (ص:۱۲۰)

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی صاحب کے کہنے کا مطلب ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن اس معنی میں لازم وملزوم ہیں کہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ اس ارتباط واتصال (ملاپ) کو پروفیسر صاحب نے آیات قرآنیہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی اور ''ذکراً'' کا ترجمہ ''قرآن'' یعنی ''رسول'' کیا۔

قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استعارہ نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ قرآن کلام الٰہی ہے جو وحی کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اللہ عزوجل کا کلام اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ اگر قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استعارہ مانیں تو ''قرآن یعنی رسول اتارا جو تم لوگوں کے سامنے اللہ کی واضح آیات سناتا ہے۔'' کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ماننا شرعاً بھی غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں جب کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ لوح محفوظ پر موجود ہے اور اللہ عزوجل کی صفت ہے۔ اللہ عزوجل کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ اس میں کسی مکتبِ فکر کے علماء میں اختلاف نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

بے شک اللہ نے تمہارے لئے عزت (یعنی وہ عزت رسول کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) اتاری ہے۔ وہ رسول کہ تم پر اللہ کی روشن آیتیں پڑھتا ہے تاکہ انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اندھیریوں سے اجالے کی طرف لے جائے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ذکرٌ، ذکرہ۔ شہرت۔ تذکرہ۔ یادگار۔

القاموس الجدید، مولف وحید الزماں کیرانوی استاذ دارالعلوم دیوبند ص: ۳۰۹۔

ذکر (۱) چرچا۔ تذکرہ۔ (۲) زبان اور دل سے خدا کی یاد۔ (۳) قرآن پاک کی تلاوت۔ فیروز اللغات خرد۔ ص ۳۵۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ ذکراً کا ترجمہ ''عزت'' کیا جو وحید الزماں کیرانوی کے ترجمہ ''شہرت'' سے قریب تر ہے۔ ''ذکر'' کے معنی ''قرآن'' کسی بھی لغت میں نہیں ہے۔

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی صاحب کہتے ہیں:

پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے شرکیہ خرافات کے متعلق اپنی تفسیر ''میزان القرآن'' میں مدلل انداز میں بحث کی ہے۔ شفاعت کا قرآنی تصور پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی شفاعت کریں گے جس کی اللہ کی طرف سے اجازت ہوگی۔ (ص-۱۲۱)

شافعِ محشر، ماحیِ عصیاں، حامیِ مضطر، حارس گیہاں
ساقیِ کوثر، وارث زمزم، صلی اللہ علیہ وسلم
(اقبال سہیل، ص-۱۴۲)

اقبال سہیل کے اس شعر پر اصلاحی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بالعموم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفیع الامم

ہیں۔ اپنی شفاعت سے ملت اسلامیہ کے گناہوں کی معافی فرمائیں گے۔ جب کہ یہ تصور قرآن کریم سے متصادم ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت کا فرمان دربار خداوندی سے صادر ہوگا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا اختیار نہیں کہ جسے چاہیں جنت میں داخل کروادیں۔ (ص:۱۴۲)

شفاعت قرآن سے ثابت:

ارشاد ربانی ہے:

(۱) **عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔** پارہ-۱۵۔ بنی اسرائیل، آیت:۷۹)

ترجمہ: قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔ (کنزالایمان)

تفسیر: اور مقام محمود مقام شفاعت ہے کہ اس میں اوّلین و آخرین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمد کریں گے۔ اسی پر جمہور ہیں۔ (خزائن العرفان)

(۲) **وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔** (پارہ-۳۰، الضحیٰ، آیت:۵)

تفسیر وترجمہ:

ترجمہ: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے۔ (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت عامہ وخاصہ اور مقام محمود وغیرہ جلیل نعمتیں عطا فرمائیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں دست مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو کر دعا فرمائی اور عرض کیا۔ **اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ۔** اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر دریافت کرو رونے کا کیا سبب ہے؟ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ دانا ہے۔ جبرئیل نے حسب حکم حاضر ہوکر دریافت کیا۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تمام حال بتایا اور غم امت کا اظہار فرمایا۔ جبرئیل امین نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ تیرے حبیب یہ فرماتے ہیں باوجودیکہ وہ خوب جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ جاؤ اور میرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہو کہ ہم آپ کی امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے گا میں راضی نہ ہوں گا۔ آیت کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرے گا جس میں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہوں، اور احادیث شفاعت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اسی میں ہے کہ سب گنہگاران امت

بخش دیے جائیں تو آیت واحادیث سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت مقبول اور حسب مرضی مبارک گنہگاران امت بخشیں جائیں گے۔سبحان اللہ کیا رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے کے لئے تمام مقربین تکلیفیں برداشت کرتے اور محنتیں اٹھاتے ہیں وہ اس حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے عطائے عام کرتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو آپ کے ابتدائے حال سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرمائیں۔(خزائن العرفان)

شفاعت احادیث سے ثابت:

"اسماع الاربعین فی شفاعة سیدالمحبوبین"

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔ یہ ایک رسالہ ہے جس میں شفاعت سے متعلق ۴۰-احادیث بیان کی گئی ہیں۔ہم یہاں چند احادیث کا ذکر کریں گے۔

حدیث ۱۴- طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتی جهنم فاضرب با بها ففتح لی فادخلها فاحمد الله محامد ما حمده احد قبلی مثله و لا یحمده احد بعدی مثله ثم اخرج منها من قال لا الٰه الّا الله مخلصا۔

میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا وہاں خدا کی تعریفیں کروں گا ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیں نہ میرے بعد کوئی کرے۔پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے خالص دل سے لاالہ الااللہ کہا۔(فتاویٰ رضویہ جلد-۱۲،ص:۱۳۸/۱۳۷)

حدیث ۲۷ تا ۴۰: ابن منیع حضرت زید ابن ارقم وغیرہ۔چودہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"**شَفَاعَتِیۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ حَقٌّ فَمَنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنۡ بِهَا لَمۡ یَکُنۡ مِنۡ اَهۡلِهَا۔**" میری شفاعت روز قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا اس کے قابل نہ ہوگا۔(فتاویٰ رضویہ جلد-۱۲-ص-۱۴۰)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔امتیوں نے ان کی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا کہ کوئی افضلیت میں تشکیکیں نکالتا ہے،کوئی ان کی شفاعت میں شبہ ڈالتا ہے، کوئی ان کی تعریف اپنی سی جانتا ہے کوئی ان کی تعظیم پر بگڑ کر غرّاتا ہے، افعال محبت کا بدعت نام، اجلال وادب پر شرک کے احکام۔**اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ۔ وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ۔**(فتاویٰ رضویہ جلد-۱۲،ص-۱۳۹)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

وہابی گرچہ اخفا می کند بغض نبی لیکن
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(حدائق بخشش دوم، ص-۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بغض کو وہابی چھپاتا ہے مگر وہ راز کیسے چھپ سکتا ہے جس سے محفلیں گرم ہیں۔

دوسرا مصرعہ۔حافظ شیرازی کا ہے۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل رسالت اور بعد رسالت تمام معائب و مآثم سے منزہ تھے۔(ص:۱۲۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''قبل رسالت'' کہنا غلط ہے۔ ''قبل اعلان نبوت'' کہنا چاہیے۔اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوّل نبی اور آخری نبی دونوں ہیں۔مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ترمذی حدیث نمبر ۳۶۰۹:

عَـنَ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالُوْا یَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَتیٰ وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةَ؟ قَالَ وَ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نبوت کب ملی؟ تو فرمایا اس وقت جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(۲) صحیح ابن حبّان حدیث نمبر ۶۴۰۴:

عَـنِ الْـعِـرْبَـاضِ بْنِ سَارِیَةَ، اِنِّیْ عِنْدَاللّٰهِ مَكْتُوْبٌ بِخَـاتَمِ النَّبِیّیْنَ وَ اَنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَةِ۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی: سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی مٹی کی منزل طے کر رہے تھے۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

علامہ اقبال کے اندر حُبِّ رسالت اور حبّ یثرب کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔(ص:۱۴۶)

یثرب: مدینہ منورہ کا قدیم نام (لفظی معنی) خارزار۔ویرانہ۔(فیروز اللغات کلاں،ص:۱۴۶۶)

’’یثرب‘‘ کا تاریخی پس منظر: طیبہ مدینہ منورہ کا لقب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے پہلے اس کا نام ’’یثرب‘‘ تھا۔ یثرب ملامت کرنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہاں کی آب وہوا بہت خراب وناخوشگوار تھی، اوراس کی ناموافق فضا میں اکثر لوگ بیمار رہتے تھے۔اس لئے اگر کوئی شخص کسی خطہ سے ترک سکونت کر کے یہاں آجاتا تو لوگ اسے ملامت کرتے تھے۔(تاریخ مسجد نبوی مولفہ مولانا معراج الاسلام،ص:۶۲)

لفظ ’’یثرب‘‘ کی مندرجہ بالا تشریحات کی روشنی میں ’’مدینہ منورہ‘‘ کو ہرگز یثرب نہیں لکھنا چاہئے خواہ نثر ہو یا نظم۔

دوسرے یہی پیکر الٰہی اللہ کی رحمتوں اور اس کے اسمائے حسنٰی کا احساس دلاتا ہے۔(ص:۱۵۱)

’’پیکر الٰہی‘‘ کی جگہ ’’پیکر الطاف الٰہی‘‘ ہونا چاہئے۔اس لئے کہ اصلاحی صاحب مندرجہ ذیل شعر کی تشریح کر رہے ہیں جس میں اقبال سہیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ’’آئینۂ الطاف الٰہی‘‘ کا استعمال کیا ہے۔ ؎

آئینۂ الطاف الٰہی، رحمت جس کی لامتناہی جس کی ہدایت ارحم ترحم، صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری برہانپوری کا مضمون عمدہ ہے۔انہوں نے گوالیار کے نعت گوشعراء اور ان کے کلام کا اچھا تعارف پیش کیا ہے۔

ریاض انصاری کا مندرجہ ذیل مصرع کمپوزنگ کی غلطی سے ساقط الوزن ہو گیا ہے۔

اگر یہ پوچھیں کہ یاد کرتا ہے، بھول کر وہ ہمیں بھی (ص:۱۷۱)

یہ شعر یوں ہوسکتا ہے۔ ؎

اگر یہ پوچھیں کہ یاد کرتا ہے بھول کر وہ کبھی ہمیں بھی

ڈاکٹر محمد آصف صاحب کا مضمون بعنوان ’’اردو نعت کا نفسیاتی مطالعہ‘‘ عمدہ مضمون ہے۔اس میں ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ، شہیدی، محسن کاکوروی اور ہندوشعراء میں کشن پرشاد شاد اور دلورام کوثری کے نعتیہ اشعار پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

کشن پرشاد شاد کے مندرجہ ذیل شعر میں کمپوزنگ کی خامیاں ہیں۔ ؎

کرائے ہندو بیان اس طرز سے تو وصف احمد کا مسلمان مان جائیں لوہا سب تیغ مہند کا

(کشن پرشاد شاد،ص:۲۰۴)

یہ شعر یوں ہونا چاہئے۔ ؎

کرائے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمد کا مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغ مہند کا

ڈاکٹر محمد آصف صاحب کا مندرجہ ذیل قول مجھے بہت پسند آیا:

''لفظیات واسلوب کا تعلق بھی شاعر کی نفسیات سے ہے۔ اس کی طبیعت نفسیاتی طور پر جن باتوں کی طرف مائل ہوگی وہ انہیں کو پیش کرے گی۔ اسلوب اور لفظیات بھی وہی استعمال کرے گا جو اس کے من کو بھاتی ہو۔

(لیکن چونکہ نعت لکھ رہا ہے اسلئے اسے پہلے میزان کی کسوٹی پر پرکھنا ہوگا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے اس طرح کا لفظ اور اسلوب اختیار کرسکتا ہے یا نہیں۔ ذرا سی لغزش اس کے ایمان کو برباد کرسکتی ہے)۔(ص:۲۰۵-۲۰۶)

نہ صرف نعت کہنے میں لغزش کا اندیشہ ہے بلکہ نعت پر قلم فرسائی کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کا لحاظ ضروری ہے۔ خصوصاً وہابی جو توحید کی آڑ میں نثر ونظم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو عین اسلام اور ایمان سمجھتے ہیں۔ سنّی صحیح العقیدہ قارئین کو ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے ان کی حمایت ایک مسلمان کے ایمان کو سلب کرسکتی ہے۔ ایمان کی حفاظت تمام فرائض سے اہم فرض ہے۔ نجات کا دارومدار ایمان پر ہے۔ ؎

جن کی شان قل یٰعبادی ان کا ہے الیاس عبد ان کی نسبت بھی ہے عبداللہ سے ملتی ہوئی

(ص:۱۹۷)

پہلے مصرع میں کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے ''شان'' چھپ گیا ہے، ''شاں'' ہونا چاہئے۔

محمد مظہر الدین معلیٰ کا مندرجہ ذیل شعر غلط چھپ گیا ہے۔

جو آیا فقلنا کن لہ مضمون قرآن میں۔ بیان حال وصف صنعت چالاک دستی ہے۔(ص:۱۹۷)

پہلے مصرع میں آیا کے بعد ''ہے'' اور ''قرآن'' کی جگہ قرآں'' ہونا چاہئے۔

یہ مصرع یوں ہونا چاہئے۔ ؎

جو آیا ہے فقلنا کن لہ مضمون قرآں میں

عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جزو ایمان ہے۔(ص:۱۹۹)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ایمان کا جز نہیں بلکہ ایمان کی اصل ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان نہیں ہوسکتا۔ خطبۂ جمعہ میں خطیب پڑھتا ہے: **الا لا ایمان لمن لا محبة لہٗ**۔ آگاہ ہوجاؤ اس کے پاس ایمان نہیں ہے، جسے ان سے محبت نہیں ہے۔

مولانا ظفرعلی خاں عاشق رسول تھے اور مجاہد آزادی بھی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق میں اس قدر گرفتار تھے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آپ کی نگاہوں میں کوئی جچتا ہی نہیں تھا۔ (ص:۲۰۲)

مولانا ظفرعلی خاں بی-اے کا خطاب ظفر الملک ہے۔ وہ خلافت کمیٹی کے لیڈر، شاعر اور ''زمیندار'' اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ ان کے نعتیہ اشعار کے مدِّنظر انہیں عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں کہنا چاہئے۔ مولانا ظفرعلی خاں کے بارے میں مندرجہ ذیل باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ (ظفر الملک) (فقیہ اعظم حضور صدرالشریعہ۔ حیات و خدمات، صدرالشریعہ کے عہد کا سیاسی ماحول۔ از مولانا ارشاد احمد مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، ص:۱۲۵)

سیف الجبّار علی کفر زمیندار، ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء کا ایک فتویٰ ہے جسے مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا ہے۔ اختصار کے ساتھ یہ فتویٰ یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

مستفتی محمد الدین کلاتھ مرچنٹ نائب ناظم حزب الاحناف لاہور۔

اشعار یہ ہیں۔ ؎

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو — مگر ہم اس بُتِ کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں — وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی — خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

الجواب: بے شک ان اشعار کا قائل وقابل کافر اور جو اس کے کفر و مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی اسی کا ساتھی۔ شفاء و درمختار وغیرہ ہا معتمدات اسفار میں ہے:

من شك فی كفره و عذابه فقد كفر:

جو ایسے کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر۔

مجموعۂ رسائل جلد-۵۔ از مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ۔ ترتیب جدید محمد حنیف خاں رضوی بریلوی، ص:۱۷۶-۱۷۷)

اگر بطور عادت اس نے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا تو یہ اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگا، جب تک کہ توبہ نہ کرے کیونکہ بغیر توبہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے کفر ختم نہیں ہوجاتا۔

کتبہ: الفقیر مصطفیٰ رضا القادری البریلوی۔ (ص:۲۰۹)

ڈاکٹر راہی فدائی کا مضمون ''فنافی النعت حضرت مغموم مدراسی''
عمدہ ہے۔ کہیں کہیں کمپوزنگ کی خامیاں درآئی ہیں۔
وصف شہ ذیشان میں گہر افشاں ہے۔(ص:۲۱۴)
''ذیشان'' میں نون بالاعلان کی جگہ نون غنہ ہونا چاہیے۔

مداح جناب شاہ ذیشاں ہوں میں

''شاہ'' کی جگہ ''شہ'' ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر سید جمیل الدین راٹھوی صاحب کا مضمون عمدہ ہے۔مندرجہ ذیل جملہ قابل غور ہے۔

''مہاتما گوتم بدھ نے اپنے چیلے کو آخری زمانے میں نصیحت کی تھی۔(ص:۲۴۸)

''مشرک کو مہاتما کہنا کیسا ہے؟'' اس سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

مہاتما کے معنی ہیں ''روح اعظم'' جو خاص لقب سیدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے، مشرک کو اس سے تعبیر کرنا صریح مخالفت خدا و رسول ہے۔(عزّ وجل و صلی اللہ علیہ وسلم) حدیث میں ہے:-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لا تقولوا الفاجر یا سید فانه ان یکن سیدکم فقد اسخنتم ربکم عز و جل۔**

فاجر کو ''اے سردار'' نہ کہو کہ بے شک اگر وہ تمہارا سردار ہے تو تم نے اپنے اوپر رب عز و جل کا غضب لیا۔اب ادھر فاجر و مشرک کا فرق دیکھو اور ادھر ''سردار'' و ''روح اعظم'' کا موازنہ کرو۔انہیں نسبتوں سے اس پر اللہ عز و جل کا غضب اشد ہے۔والعیاذ باللہ رب العالمین۔(فتاویٰ رضویہ قدیم جلد ششم،ص:۹۳)

ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن (قاہرہ) کا مضمون بعنوان ''عربی اور اردو زبان میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت عمدہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں:

حفیظ جالندھری نے ''شاہنامۂ اسلام'' کے نام سے اپنی مشہور رزمیہ داستان لکھی۔اس کے بعد منظوم حسین جیسے دیگر شعراء نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ''جنگ نامۂ اسلام'' کے نام سے ایک نظم لکھی جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔ ؎

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی

سلام اے ظلِ رحمانی سلام اے نورِ یزدانی تِرا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی

(دبستان نعت شمارہ-۴،ص:۲۷۷)

شاہنامۂ اسلام جدید ایڈیشن مکمل جلد اوّل،ص:۱۷ پر''سلام'' کے عنوان سے ایک نعتیہ نظم ہے۔ اس میں کل بارہ اشعار ہیں۔مندرجہ بالا اشعار اس نظم میں شامل ہیں۔دسویں شعر میں شاعر نے اپنا تخلص''حفیظ'' استعمال کیا ہے۔اس سلام کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی

سلام اے ظلّ رحمانی سلام اے نور یزدانی ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی

سلام اے سر وحدت اے سراج بزم ایمانی زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی

ترے آنے سے رونق آ گئی گلزار ہستی میں شریک حال قسمت ہوگیا پھر فضل ربانی

حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت عقیدت کی جبیں تیری مروّت سے ہے نورانی

سلام اے آتش زنجیر باطل توڑنے والے سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

ماہرالقادری کا اصلی نام منظور حسین ہے۔ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ حفیظ جالندھری کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منظور حسین جیسے دیگر شعراء نے''جنگ نامۂ اسلام'' کے نام سے ایک نظم لکھی۔ یہ اشعار اسی نظم کے ہیں۔

میرے مضمون میں علامہ اختر رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ کے ایک مصرعے میں کمپوزنگ کی خامی ہے:

يوجو رِضاكَ و يحتمى لحماكَ (ص:۲۸۷)

''یوجوْ'' کی جگہ''یرجوْ'' ہونا چاہئے۔

مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم بستوی صاحب کا مضمون بعنوان''نعتیہ مجموعہ وسیلۂ نجات ایک مطالعہ'' بہت عمدہ ہے۔اس مضمون میں فاضل مضمون نگار نے حسؔن الہ آبادی صاحب کے نعتیہ مجموعۂ کلام''وسیلۂ نجات'' کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔انہوں نے حسؔن الہ آبادی کے مندرجہ ذیل شعر پر یہ تبصرہ کیا ہے:

شعر:

حسؔن کے واسطے کام آئے گی میدان محشر میں تمہاری کفش برداری کی دولت حافظ ملت

تبصرہ: اس شعر میں مصرعۂ ثانی اکھڑا معلوم ہوتا ہے کیونکہ لفظ کفش کے اوّل دونوں حروف متحرک ہیں اگر حرف اوّل متحرک اور آخر کے دونوں حروف ساکن ہوتے تو شعر کی موزونیت میں فرق

نہیں پڑتا۔اگر کفش کی جگہ لفظ نعل استعمال کرلیا جائے تو شعر میں موزونیت بھی پیدا ہو جائے گی اور معنی بھی اپنی جگہ برقرار رہے گا۔اس صورت میں شعر اس طرح ہو جائے گا۔ ؎

حسن کے واسطے کام آئے گی میدان محشر میں تمھاری نعل برداری کی دولت حافظ ملت

(ص:۳۰۵)

لفظ ''کفش'' میں پہلا حرف ''ک'' متحرک اور بعد کے دونوں حروف ساکن ہیں۔''نعل'' میں بھی پہلا حرف ''ن'' متحرک اور بعد کے دونوں حروف ''ع'' اور ''ل'' ساکن ہیں۔''کفش'' اور نعل دونوں ہم وزن ہیں۔ان کا وزن ''فاع'' ہے۔حسؔن الہ آبادی نے ''کفش'' کا استعمال بروزن ''فاع'' کیا ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی ''لفظ'' کفش کا استعمال بروزن ''فاع'' کیا ہے۔شعر ملاحظہ فرمائیں:

زسر مہند کلاہ غرور مدعیاں

بجلوۂ مددائے کفش پائے آل رسول (حدائق بخشش، حصہ دوم، ص:۱۹۹)

حامی کار کے مجموعۂ ترتیب سے شاعر نے مددگار کا معنیٰ پیدا کیا ہے جب کہ لفظ حامی ہی اس کے لیے کافی تھا،'' کار'' کا اضافہ بے جا ہے۔شعر یہ ہے۔ ؎

فیصلہ اللہ کا حق میں تیرے ہوگا حسؔن حشر میں سرکار جیسا اپنا حامی کار ہو (ص:۳۰۴)

حامی کار۔(ع۔ف۔ا۔مذ) کسی کام کی حمایت کرنا۔مددگار (فیروز اللغات کلاں،ص:۵۶۲)

لہٰذا حسؔن الہ آبادی کا شعر صحیح ہے۔

شاعر نے ایک جگہ لفظ ''ہر پھر'' استعمال کیا ہے۔یہ ''ہر پھر'' محاورہ ہے یا علاقائی بولی ہے، میری سمجھ سے بالاتر ہے۔(ص:۳۰۴)

شعر:

اگر آتے نہ ہر پھر کر تمہارے آستانے پر یہ مجرم اپنے روٹھے رب کو منوانے کہاں جاتے

☆

میرا مرکز میرا محور، میرے سرکار کی چوکھٹ یہیں آؤں گا ہر پھر کر میرے سرکار کی چوکھٹ

(ص:۳۰۴)

ہر پھر کر۔ ہر پھر کے (ا۔تابع فعل) (۱) پھر پھرا کے۔ مجبور ہو کے۔ آخر کار۔(۲) بار بار۔ ہر دفعہ۔(فیروز اللغات کلاں،ص:۱۴۳۸)

لہٰذا حسؔن الہ آبادی کے مندرجہ بالا دونوں اشعار صحیح ہیں۔

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی بھٹکل کے مضمون کے کچھ اشعار محل نظر ہیں۔ ؎

اے خوش نصیب لوگو! یثرب کے جانے والو! عیش ابد کما لو رنج سفر اٹھا لو
سرکار نیند کب تک للہ جلد اٹھئے امت کا دم رکا ہے گویا لبوں پہ آ کر
بگڑی ہے بات ایسی بنتی نہیں بنائے بیٹھے ہیں آپ ہی سے سب آسرا لگائے

(تمنّا عمّادی پھلواروی، ص:۳۱۰)

اسی طرح کے اشعار شبلی نعمانی کے ہیں جو طاہر قریشی کے مقالے ''ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر'' میں شامل ہیں۔

اس مقالے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عزیز احسن رقم طراز ہیں:

مولانا شبلی کی کئی منظومات کے اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ ''ہستی مسلم کی رہائی'' کے عنوان سے نظم میں شبلی کے قلم نے سخت ٹھوکر کھائی ہے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سخت گستاخانہ طرز تخاطب اختیار کیا ہے۔ ؎

پڑا سوتا ہے کوئی گنبد خضرائے یثرب میں کہ جس کا بندۂ فرماں زمیں سے آسماں تک ہے

مقالہ نگار (طاہر قریشی) نے لکھا: ''شبلی جیسا عظیم سیرت نگار...... پڑا سوتا ہے کوئی'' جیسی زبان پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کرے نا قابل فہم اور قابل افسوس بات ہے۔ (ص:۹۰)

(نعت رنگ، شمارہ نمبر۲۴، جولائی ۲۰۱۴، ص:۴۳۱-۴۳۲)

ڈاکٹر عزیز احسن فرماتے ہیں:- شبلی کے ایک ہی مصرعے میں ''پڑا سوتا ہے'' تو گستاخانہ تھا ہی اسی مصرعے میں ''یثرب'' لکھنا بھی مناسب نہ تھا۔

(نعت رنگ، شمارہ-۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:۴۳۲)

اسی طرح مذکورہ اشعار میں تمنّا عمادی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''سرکار نیند کب تک'' جیسی گستاخانہ زبان استعمال کی اور ''یثرب'' کا بھی استعمال کیا۔ ''آسرا لگائے'' کہنا غلط ہے ''آس لگائے'' ہونا چاہئے۔ ؎

کہنا بصدادب کہ اے مرکز امید بدلے گئے کیوں بارگہہ ناز کے دستور
یا آج ہے یہ شان تغافل کہ غضب ہے کیا کچھ نہ ہوا زیر فلک آہ! جبل پور
حیرت ہے کہ یہ حادثہ امت پہ جو گزرا کیوں رہ گیا آقا کی نگاہوں سے یہ مستور

(حفیظ الرحمان واصفؔ، ص:۳۱۱)

مندرجہ بالا اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں شدید گستاخی ہے۔

احسان مخلص کا یہ مصرعہ دیکھیں۔ ؎

جدا سبھوں سے صفات ان کی جدا سبھوں سے ہے ذات ان کی (ص:۳۳۳)

''سبھوں کا استعمال درست نہیں ہے۔ یہ مصرع یوں ہونا چاہئے۔ ؎

جدا ہے سب سے صفات ان کی جدا سبھی سے ہے ذات ان کی

الحاج سید محمد مفیض الدین قادری شاہ جہاں پوری صاحب کا مضمون ''کتب خانہ قادریہ بشریہ، شاہ جہانپور میں محفوظ نعتیہ دواوین کا اجمالی جائزہ'' عمدہ مضمون ہے۔ حاجی صاحب نے اپنی لائبریری میں موجود متعدد شعراء کے نعتیہ کلام کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔

مندرجہ ذیل مصرعوں میں کمپوزنگ کی غلطی ہے:

(۱) یہ درس مجھ کو میری آ گہی سے ملتا ہے (ص:۳۸۷)

(۲) ازل سے نور محمد سے یہاں جلوہ فگن (ص:۳۸۷)

(۳) کم خود ہوگیا حق فدائے محمد (ص:۳۸۴)

(۴) بہ فیض ساقیٔ کوثر کوثر و تسنیم (ص:۳۸۷)

(۱) پہلے مصرع میں ''میری'' کی جگہ مری ہونا چاہئے۔

(۲) ازل سے نور محمد یہاں ہے جلوہ فگن۔ ہونا چاہئے۔

(۳) اللہ عزّ وجل کو ''فدائے محمد'' نہیں کہنا چاہئے۔

(۴) بہ فیض ساقیٔ کوثر یہ کوثر و تسنیم۔ ہونا چاہئے۔

(۵) اللہ ہے خود قرآن میں ثنا خوان محمد (ص:۳۹۱)

پانچواں مصرع یوں ہونا چاہئے:

اللہ ہے قرآں میں ثنا خوان محمد

(۶) گلشن سارا مہک اٹھا (ص:۳۹۲)

گلشن سارا مہک اٹھا ہے۔ ہونا چاہئے۔

(۷) ساری خدائی ان پر فدا ہے (ص:۳۹۲)

ساری خدائی ان پہ فدا ہے۔ ہونا چاہئے۔

(۸) چھوڑ کر دسترخوان شاہی (ص:۳۹۳)

''کر'' کی جگہ ''کے'' ہونا چاہیے۔

(۹) کون ہے یہ دل نے پکارا آمنہ بی بی کا چاند (ص:۳۹۳)

''یہ'' زائد ہے۔

''ہالینڈ میں محفل نعت'' مولانا ڈاکٹر شکیل اعظمی صاحب کا مضمون عمدہ ہے۔اس مضمون میں ان شعراء کے نعتیہ کلام ہیں جو برسوں پہلے مولانا بدرالقادری صاحب کی صدارت میں منعقد ہونے والے ہالینڈ کے نعتیہ مشاعروں میں پڑھے گئے۔

مندرجہ ذیل اشعار میں کمپوزنگ کی خامیاں ہیں۔

عرصۂ حشر میں جب ہوگا گنہگار نڈھا کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی (ص:۴۰۰)

پہلے مصرع میں ''نڈھا'' کی جگہ ''نڈھال'' ہونا چاہیے۔

ہر برے وقت میں کام آیا وسیلہ کن کا کام کر جائے گی محشر میں شفاعت ان کی (ص:۴۰۱)

پہلے مصرع میں ''کن'' کی جگہ ''جن'' ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

فارسی میں امام بوصیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدہ بردہ شریف کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ اردو میں اکثر منظوم اور نثری تراجم کی طویل فہرست پیش کی جاسکتی ہے۔(ص:۲۱۸)

امام بوصیری رضی اللہ عنہ کا قصیدہ بردہ شریف فارسی میں نہیں عربی میں ہے۔

دیکھ لیتے ہیں ہر اک شئے میں جلوہ تیرا۔(ص:۲۲۹)

یہ مصرع ساقط الوزن ہے۔

ڈاکٹر شاہد احمد جمالی جے پوری کا مضمون بعنوان ''راجستھان میں نعت گوئی کی روایت'' عمدہ ہے۔کہیں کہیں کمپوزنگ کی خامیاں درآئی ہیں۔

کرے گا کیا بھلا دشمن میرا پہرا آسماں ہوکر۔(ص:۴۱۸)

کرے گا کیا بھلا دشمن مرا یہ آسماں ہوکر۔ہونا چاہیے۔

''فرش زمیں پہ دھوم درود وسلام کی۔ہونا چاہیے۔

کمپوزنگ کی خامی کی وجہ سے یہ مصرع یوں چھپ گیا ہے۔

فرش زمیں پہ یہ دھوم ہے درود وسلام کی۔(ص:۴۲۴)

یوسفؑ آبرو رکھیں گے وہ میری آس تو ہے

جنھوں نے تجھ جیسے ہزاروں کی آبرو رکھ لی ۔ (ص:۴۲۴)

یہ شعر یوں ہونا چاہئے ۔

وہ یوسفؑ آبرو رکھیں گے میری آس تو ہے ۔

جنہوں نے تجھ سے ہزاروں کی آبرو رکھ لی ۔

بعد خدا افضل و برتر تم ہی تو ہو ۔ (ص:۴۲۷)

یہ مصرع ساقط الوزن ہے ۔

یہ بھی مسکن آپ کا وہ بھی مسکن آپ کا ۔ (ص:۴۲۹)

یہ بھی مسکن آپ کا ہے وہ بھی مسکن آپ کا ۔ ہونا چاہئے ۔

میں اگر چاہوں تو قسمت میں جو ہے وہ بھی نہ ہو

تو اگر چاہو تو وہ ہو جو مقدر میں نہیں

جو قسمت میں ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، ہمارا یہی عقیدہ ہے ۔ تقدیر مبرم نہیں ٹلتی جو اس کے علاوہ ہے (تقدیر معلق) وہ دعاء سے بدل جاتی ہے ۔ جیسے دعاء سے مصیبتیں ٹلتی ہیں ۔ دوسرے مصرع میں ''تو'' کے ساتھ ''چاہو'' نہیں ہونا چاہئے ۔ ''چاہے'' ہونا چاہئے ۔

وہاں لن ترانی یہاں من رآنی

مہو اہل عرفان یہ کیا ماجرا ہے ۔ (ص:۴۲۹)

دوسرا مصرع یوں ہونا چاہئے :

کہو اہل عرفاں یہ کیا ماجرا ہے

عجیب ڈھب حضرت آدم کو یاد آیا خوشامد کا (ص:437)

عجب کی جگہ عجیب چھپ گیا ہے ۔ یہ مصرع قبیح ہے ۔ خوشامد کے معنی چاپلوسی اور جھوٹی تعریف کے ہیں ۔

غیرت سے شجاعت، محبت سے حیا سے (ص:441)

عزت سے شجاعت سے محبت سے حیا سے ۔ ہونا چاہئے ۔

ثابتؔ خیرآبادی کے مندرجہ ذیل مصرعے کمپوزنگ کی خامی کی وجہ سے غلط چھپ گئے ہیں ۔

اس جام کی تلچھٹ مل جائے محمد (ص:456)

''تلچھٹ'' کے بعد ''ہمیں'' ہونا چاہئے ۔

مل جائے اگر نقش پائے محمد (ص:456)

''نقش'' کے بعد ''کف'' ہونا چاہئے۔

خوف لٹنے کا نہیں ہے روشنی بھرپور ہے رہبری کے ساتھ عشق نبی کا نور ہے

دوسرا مصرع یوں ہونا چاہئے۔

رہبری کیساتھ عشق مصطفیٰ کا نور ہے

لطف النساء امتیاز کے مندرجہ ذیل شعر کے پہلے مصرع میں کمپوزنگ کی غلطی ہے۔

محبت اہل بیت مصطفیٰ ہوں غلام خاندان مصطفیٰ ہوں (ص:484)

پہلا مصرع یوں ہونا چاہئے۔

محبّ اہل بیت مصطفیٰ ہوں

محبط رحمت ہے جوش افزا ہوئی ہے ابر سخا کی آمد

''محبط'' کی جگہ ''محیط'' ہونا چاہئے۔

ہوئی ہے مکہ سرزمیں پر یہ آج کس ماہ لقا کی آمد (ص:486)

یہ مصرع یوں ہونا چاہئے۔

ہوئی ہے مکہ کی سرزمیں پر یہ آج کس مہ لقا کی آمد

حجاب پیہم یہ کہہ رہا ہے گنہگاروں سے جوش رحمت (ص:486)

حجاب پیہم یہ کہہ رہا ہے گناہ گاروں سے جوش رحمت۔ ہونا چاہئے۔

ہزار بار کیا قصد توبہ ہر بار (ص:494)

ہزار بار کیا قصد توبہ کا ہر بار۔ ہونا چاہئے۔

کیسی آواز ہے کیوں بھیگ رہی ہے جبیں (ص:497)

کیسی آواز ہے کیوں بھیگ رہی ہے یہ جبیں۔ ہونا چاہئے۔

وطن ہے پردیش سے بھی بدتر سوز فرقت سے حال ابتر (ص:496)

وطن ہے پردیس سے بھی بدتر ہے سوز فرقت سے حال ابتر۔ ہونا چاہئے۔

دست بستہ ہیں جھکائے ہوئے سر محفل۔ (ص:497)

''محفل'' کے بعد ''میں'' ہونا چاہئے۔

وہ مست ازل ساقیا بن کے آیا۔ (ص:499)

''ساقیا'' میں حرف ''الف'' حرف ''ندا'' ہے جس کے معنی ہوئے ''اے ساقی'' لہٰذا ''ساقی'' کا

استعمال ہونا چاہئے تھا۔

ذار دیکھ حسینہ وہ کیا بن کے آیا۔

''ذرا'' کی جگہ ''ذار'' چھپ گیا ہے۔

ہو مسیحا تم بیمار میں ہوں۔(ص:500)

''تم'' کے بعد ''اگر'' چھوٹ گیا ہے۔

نہیں حال مرا آپ سے تو پوشیدہ (ص:500)

''نہیں'' کے بعد ''ہے'' ہونا چاہئے۔

میری آنکھوں کے دیکھے تماشا تیرا (ص:501) ساقط الوزن ہے۔

ثنا خواں ہے خدائے شہ والا تیرا (ص:501)

خود ثنا خواں ہے خدا اے شہ والا تیرا۔ ہونا چاہئے۔

فیاض پہ اک بار تو واللہ کرم ہو۔(ص:510)

''واللہ'' کی بجائے ''لِلّٰہ'' ہونا چاہئے۔

لطیف النساء کا مندرجہ ذیل شعر دیکھیں۔

یقیں نہ واللیل پر کریں گے جو تیرے گیسو نہ دیکھ لیں گے۔

رہی کے مصحف سے بلکہ منکر جو ترے رو کو نہ دیکھ لیں گے (ص:412)

دوسرا مصرع یوں ہونا چاہئے۔

رہیں گے مصحف سے بلکہ منکر جو تیرے رو کو نہ دیکھ لیں گے

یہ شعر مناسب نہیں ہے۔ ''واللیل'' کے معنی ہیں رات کی قسم۔ قرآن میں اللہ عزوجل نے رات کی قسم کھائی ہے۔ اس پر مسلمانوں کا یقین ہے۔ اگرچہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوئے پاک کو نہ دیکھا۔ محترمہ آگے فرماتی ہیں کہ مصحف (قرآن) سے بلکہ منکر رہیں گے، یعنی قرآن کو بھی نہ مانیں گے جب تک تیرے چہرۂ زیبا کو نہ دیکھ لیں گے۔ مسلمانوں کا قرآن پر ایمان ہے۔ اگرچہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا۔

رشید اختر خاں صاحب نے 36 صفحات پر مشتمل مقالہ لکھا، لیکن مندرجہ ذیل شعر پر تبصرہ نہ کیا۔ آخر اس شعر کو پیش کرنے کا مقصد کیا تھا؟

''دبستان نعت شمارہ-3 پر ایک نظر'' عنوان کے تحت پروفیسر فاروق صدیقی صاحب کا تبصرہ

عمدہ ہے۔ مرزا ساجد حسین صاحب نے اپنے مضمون میں ''آیت قرآنی'' عنوان میں ہی لکھا تھا۔ جب کہ ساجد حسین صاحب نے ایک آیت نہیں بلکہ متعدد آیات قرآنیہ کا استعمال کیا تھا۔ لہٰذا ''آیت قرآنی'' کی جگہ ''آیات قرآنیہ'' ہونا چاہئے۔ پروفیسر فاروق صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

''مرزا ساجد حسین نے آیت قرآنی کے حوالے سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد عظمتوں کا اچھا احاطہ کیا ہے۔'' (ص:543)

پروفیسر فاروق صدیقی صاحب اور فاروق جائسی صاحب نے لفظ ''تعین'' کی طرف میری توجہ مبذول کرائی ہے، میں ان دونوں حضرات کا شکر گزار ہوں۔ لغت دیکھنے میں مجھے سہو ہو گیا۔ لفظ ''تعین'' مذکر ہے اور لفظ ''تعیین'' مؤنث ہے۔

فاروق جائسی صاحب نے ابوطالب کے نام کے پہلے حضرت لکھنے کے تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ پچھلے شمارے میں میں نے ابوطالب کے نام کے پہلے حضرت لکھنے سے منع کیا تھا اور لکھا تھا کہ ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے۔ فاروق جائسی صاحب میرے اس خیال سے متفق نہیں ہیں۔ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں ابوطالب کے احوال کا جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ابوطالب سے متعلق ایک رسالہ ہے جو فتاویٰ رضویہ جلد 29 جدید ایڈیشن میں شامل ہے۔ اس رسالے کا نام ''شرح المطالب فی مبحث ابی طالب'' (مطالب کی وضاحت ابوطالب کی بحث میں) ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

ابوطالب کا کفر پر مرنا اور دم واپسیں ایمان لانے سے انکار کرنا اور عاقبت کار جس سے کسی سُنّی کو مجال دم زدن نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد-29، ص:662)

آیات قرآنیہ: (1) **مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔**

(پارہ-11، التوبہ، آیت-113)

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں۔ اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔ (کنز الایمان)

تفسیر: اس آیت کی شان نزول میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا جب تک کہ مجھے ممانعت نہ

کی جائے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ممانعت فرمادی۔(خزائن العرفان)

(2)اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ، وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ.(پارہ-20،القصص،آیت-56)

ترجمہ: بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو۔ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے، جسے چاہےاور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔

تفسیر: جن کے لئے اس نے ہدایت مقرر فرمائی جو دلائل سے پند پذیر ہونے اور حق بات ماننے والے ہیں۔

شان نزول: مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ان کی موت کے وقت فرمایا اے چچا کہو لا الہ الا اللہ میں تمہارے لئے روز قیامت شاہد ہوں گا۔انہوں نے کہا کہ اگر مجھے قریش کے عار دینے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لاکر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کرتا۔اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنَا
لَوْلَا الْمَلَائِكَةُ اَوْ حِذَارُ مُسَبَّةٍ لَوَجَدْتَنِىْ سَبْحاً بِذَاكَ مُبِيْنًا

یعنی میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام جہانوں کے دینوں سے بہتر ہے۔اگر ملامت و بدگوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا۔اس کے بعد ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(خزائن العرفان)

احادیث: فتاویٰ رضویہ جلد-29،ص:662)

(1)امام ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہوا کہ ابوطالب نے باآنکہ ایمان لانے سے انکار کیا پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نے اتنا کام دیا کہ بہ نسبت باقی کافروں کے عذاب ہلکا ہو گیا۔(ص:674)

(2) صحیحین و مسند امام احمد میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے۔

ترجمہ: یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابوطالب کا ذکر آیا۔فرمایا میں امید کرتا

ہوں کہ روز قیامت میری شفاعت اسے یہ نفع دے گی کہ جہنم میں پاؤں تک کی آگ میں کر دیا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک ہوگی جس سے اس کا دماغ جوش مارے گا۔ (ص:675)

(3) حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضور کا چچا وہ بڈھا گمراہ مر گیا۔ فرمایا جا اسے دبا آ۔

(4) ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے: مولا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور کا چچا وہ بڈھا کافر مر گیا اس کے بارے میں حضور کی کیا رائے ہے؟ یعنی غسل وغیرہ دیا جائے یا نہیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہلا کر دبا دو۔ (ص:679)

اس حدیث جلیل کو دیکھئے ابوطالب کے مرنے پر خود امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ حضور کا وہ گمراہ چچا مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر انکار نہیں فرماتے، نہ خود جنازے میں تشریف لے جاتے ہیں۔ (ص:680)

مشرک کی عزت اور مرتبے کا حکم: مشرک کے لئے ہرگز کوئی عزت نہیں۔ بے شک اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے مخالف ہیں سب ہر ذلیل سے بدتر ذلیلوں میں ہیں۔ وہ تمام مخلوق الٰہی سے بدتر ہیں۔ مخلوق میں کتّا بھی ہے، سور بھی ہے۔ قرآن عظیم شہادت دیتا ہے کہ مشرکین ان سے بھی بدتر ہیں، پھر رتبہ وعزت کے کیا معنی؟ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم قدیم، ص:92)

مشرک کی تعظیم کا حکم: اس کی تعظیم سخت سے سخت کبیرہ اور قرآن عظیم کی مخالفت شدیدہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم، ص:93)

کفار ومشرکین کے اچھے اعمال مقبول نہیں:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: **وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا.** (پارہ-19، الفرقان۔ آیت:23)

ترجمہ: اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرّے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔ (کنز الایمان)

تفسیر: نہ ہاتھ سے چھوئے جائیں نہ ان کا سایہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ وہ اعمال باطل کر دیئے گئے۔ (حالت کفر میں کئے گئے اعمال مثلاً صلۂ رحمی ومہمانداری ویتیم نوازی وغیرہ) ان کا کچھ ثمرہ اور کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اعمال کی مقبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اور وہ انہیں میسر نہ تھا۔ (خزائن العرفان)

شہیر رضوی کھیروی صاحب کا تبصرہ بعنوان ''دبستان نعت جلد نمبر 3 اپنے آئینے میں'' عمدہ

ہے۔انہوں نے ''دبستان نعت شمارہ-3'' کا عمدہ طریقے سے تنقیدی جائزہ لیا ہے۔انہیں میرا مضمون پسند آیا،اس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

آ درصاحب کے مندرجہ ذیل شعر کا پہلا مصرع بحر سے خارج ہے:

اب تک ہے ہرا شجر جو مس ان سے ہوا تھا

دائم رہے ہر شئی جو بھی دامن سے لگی ہے (ص:585)

پہلے مصرع میں لفظ ''شجر'' ''فاع'' کے وزن پر یعنی ''شجر'' استعمال ہوا ہے جب کہ یہ ''فعل'' (شجر) کے وزن پر ہے۔

یہ شعر بحر ہزج اخرب مقصور محذوف پر ہے،جس کے اوازن مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن ہیں۔

تقطیع: اب تک ہے | ہرا شجر | جو مس ان سے | ہوا ہے
مفعول | مفاعیل | مفاعیل | فعولن
دائم ر | ہے ہر شے | جو بھی دامن سے | لگی ہے

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے مندرجہ ذیل شعر کا دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے۔ دوسرے مصرع میں لفظ ''حالت'' کی ''ت'' گر رہی ہے۔ یہ شعر بحر خفیف مسدس مخبون ابتر پر ہے جس کے اوزان: فاعلاتن مفاعلن فعلن ہیں۔

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں حالت کچھ اضطراب کی سی ہے۔(ص:604)

تقطیع: بار بار اس | کے در پہ جا | تا ہوں | حال کچھ اض | طراب کی | سی ہے
فاعلاتن | مفاعلن | فعلن | فاعلاتن | مفاعلن | فعلن

سرورِ کونین کی الفت کا یہ فیضان ہے

سبز گنبد سے ہے تصور میں پیہم رابطہ (ص:604)

دوسرے مصرع میں کمپوزنگ کی خامی ہے۔ یہ مصرع یوں ہونا چاہئے:

سبز گنبد سے تصور میں ہے پیہم رابطہ۔

یا نبی آ | پ کے اوصا | ف سے دوری | کے سبب
فاعلاتن | فعلاتن | فعلاتن | فَعِلن
ہم جہاں بھر | کی فقط خا | ک چھانتے | ہیں
فاعلاتن | فعلاتن | مفاعلن | فع

پہلا مصرع بحر رمل مخبون محذوف پر ہے، جب کہ دوسرا مصرع کسی بحر پر نہیں ہے۔ دوسرے مصرع میں کمپوزنگ کی خامی معلوم ہوتی ہے۔

اس ایک رنگ کی نسبت سے دل گلاب ہو　اس ایک نام کی خوشبو سے جسم وجاں مہکے

(ص:605)

کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے ''ہو'' چھپ گیا ہے، ''ہوا'' ہونا چاہئے۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب کے نعتیہ مجموعۂ کلام ''از ہار مدینہ'' پر ڈاکٹر رضوان انصاری صاحب کا تبصرہ عمدہ ہے۔ پروفیسر صاحب کے مندرجہ ذیل شعر کے دوسرے مصرعے میں کمپوزنگ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ یہ مصرع بحر سے خارج ہے۔

والشّمس	ضحیٰ عار	ض سرکار	کا عالم
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعولن
واللیل	ان کے گیسو	ئے خمدار	کا عالم (ص:611)
مفعول	فاعلاتن	مفاعیل	فعولن

پہلا مصرع بحر ہزج اخرب مقصور محذوف پر ہے۔ دوسرا مصرع اس بحر پر نہیں ہے۔

بروئے کار الٰہی یہ دعا آئے　زباں پہ نعت ہو، مری قضا آئے (ص:612)

مندرجہ بالا شعر کی تقطیع کسی بھی بحر پر نہیں ہورہی ہے۔ اس میں کمپوزنگ کی غلطی ہوسکتی ہے۔ پہلے مصرع میں ''یہ'' کی جگہ ''یہی'' اور دوسرے مصرع میں ''نعت'' کے بعد ''نبی'' ہونا چاہیے۔

حافظ جلیل حسن جلیل صاحب نے مدینہ منورہ کے لئے لفظ ''یثرب'' کا استعمال کیا جو مناسب نہیں ہے۔ جیسا کہ تفصیل پیچھے گزری۔

کاش آئے یہ مجھے حکم کہ آ یثرب میں　میں پکاروں مرے مولا مرے آقا آیا (ص:620)

''یثرب'' اور ''طیبہ'' کا وزن ایک ہے تو پھر ''یثرب'' کا استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟

صفحہ 623 پر پروفیسر مجید بیدار صاحب حیدرآباد کی نعت چھپی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار محل نظر ہیں۔

(1) مل گئی جس کو سعادت صل علیٰ کی دید کی　اس کو ہوگی کیا ضرورت جام کی جمشید کی

یہ نعت بحر رمل محذوف پر کہی گئی ہے، جس کے اوزان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ہیں۔ اس شعر کا پہلا مصرع بحر سے خارج ہے۔ اس میں لفظ ''صل'' کا استعمال ''صَلْ'' بروزن ''فع'' ہوا ہے، جب کہ ''صَلِّ'' بروزن فِعْلُن استعمال کرنا چاہئے تھا۔

(2) کفر لازم ہو گیا لے گی جہنم خود حساب اسوۂ حسنہ کی جس نے خواہ مخواہ تردید کی

لفظ ''جہنم'' مذکر ہے اور یہاں پہلے مصرع میں مؤنث کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ لفظ ''خواہ مخواہ'' کو ''خوامخا'' پڑھنے پر وزن صحیح ہوتا ہے۔ اس طرح پہلے ''خواہ'' کی ''ہ'' گر رہی ہے اور دوسرے ''مخواہ'' کی ''ہ'' بھی گر رہی ہے۔ ''واو'' کا شمار تقطیع میں نہیں ہوگا۔

(3) بندگی کا حق فرشتوں نے نبھایا بے محل آدم خاکی پہ شیطاں نے مگر تنقید کی

پہلے مصرع میں کمپوزنگ کی خامی معلوم ہوتی ہے ''بے'' کی جگہ ''بر'' ہونا چاہئے۔

موت کعبہ میں ہو فقط بیدار کی مولا میرے اس کی خواہش پر فرشتوں نے بڑی تہنید کی

پہلے مصرعے میں ''ہو'' کو حذف کرنے پر وزن ہے لیکن اس طرح جملہ پورا نہیں ہوتا۔ ''میرے'' کی جگہ ''مرے'' ہونا چاہئے۔ لفظ ''فقط'' ''حشو'' ہے۔ لفظ ''تہنید'' مجھے لغت میں نہیں ملا۔

ڈاکٹر آصف آؔدر صاحب کے یہ اشعار محلِ نظر ہیں۔

تخیل میں رچی مدح سرائی مصطفیٰ کی ہے دہن میں چاشنی جو آ سمائی مصطفیٰ کی ہے
(ص:628)

لفظ ''مَدَح سرائی'' یا مَدِح سرائی'' نہیں ہے، بلکہ ''مَدُ ح سرائی'' ہے۔
''کیسی ''چاشنی''؟

کواکب میں قمر میں ہوں کی ندرت نزاکت میں حسیں جو روشنی خوشبو سمائی مصطفیٰ کی ہے
(ص:628)

پہلے مصرع میں ''ندرت'' کی بجائے ''نکہت'' ہونا چاہئے۔

کنول میں لالۂ صحرا میں چمپا کی ملاحت میں سبھی شائستگی و نرملائی مصطفیٰ کی ہے
(ص:628)

''نرمل'' ہندی لفظ ہے جس کے معنی صاف کے ہیں۔ اسی سے ''نرملتا'' لفظ بنا ہے جس کے معنی صفائی کے ہیں۔ ''نرملائی'' شاید ''نرملتا'' کا اردو روپ ہو۔

مقصود علی شاہ مقصوؔد (برطانیہ) کا مندرجہ ذیل شعر کا دوسرا مصرع ساقط الوزن ہے۔

شاید اس طرح کوئی نغمۂ دلکش ابھرے آنکھ کے موتی کو جبریل کے پر باندھوں (ص:634)

بشیر الحق بشر (جموں) کے مندرجہ ذیل مصرع میں کمپوزنگ کی غلطی ہے:

ہو مرنے سے پہلے پھر مجھے دیدار مدینہ (ص:637) لفظ ''پھر'' زائد ہے۔

عرش صہبائی (جموں) کے مندرجہ ذیل اشعار قبیح ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی پر مبنی ہیں۔ ؎

وہ خار بھی گلشن کا گل تر بھی وہی ہے قطرہ بھی وہی اور سمندر بھی وہی ہے
ہر دل میں ہے موجود وہ احساس کی صورت احساس میں چبھتا ہوا نشتر بھی وہی ہے ص:636)

نسرؔین صاحبہ کے مندرجہ ذیل شعر کے پہلے مصرع میں کمپوزنگ کی خامی ہے:

اللہ کو پیار ہے نبی سے مرے بہت نسرؔین یہ کھل رہے ہیں یہ اسرار رات دن (ص:655)

پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہئے۔ ؎

اللہ کو ہے پیار نبی سے مرے بہت

محترم قادری صاحب! کمپوزنگ کی خامیوں کو کم کرنے کے مقصد سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''دبستان نعت''میں شریک ہونے والے تمام قلم کاروں کے 'واٹس ایپ'' پر ان کی نگارشات بھیج دیں تاکہ وہ پروف ریڈنگ کرا کے آپ کو لوٹا دیں۔ میں بے علم آدمی ہوں میرے نام کے پہلے ''علامہ'' لکھنا مناسب نہیں ہے۔

☆☆☆

قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری (فتح پور، راجستھان)

حاصل مطالعہ ’’دبستانِ نعت‘‘ شمارہ-۴

دبستانِ نعت شمارہ-4 حاصل ہوا۔ خوبصورت سرورق و پسِ ورق، دعوتِ مطالعہ دے رہے تھے لہٰذا فوراً دلجمعی اور سکون کے ساتھ مطالعہ شروع کیا اور بعد از مطالعہ یہ تاثرات سپرد قلم کئے ہیں۔ حمد ونعت کے حوالے سے گرچہ ہر تخلیق اپنی مثال آپ ہے مگر جناب محمد اسماعیل سورہوی قمرؔ بستوی یوپی کی غیر منقوط حمد، بے مثال و لاجواب ہے۔ اداریہ میں ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے مدیرانہ عالی ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے کئی تخلیق کاروں کی تخلیق پر روشنی ڈالتے ہوئے قارئین کرام پر انکا مقام و مرتبہ واضح کیا اور دو اقوال (نعت گوئی مشکل فن ہے۔ اور نعت گوئی میں شعراء نے غلو سے کام لیا ہے) کا دانشورانہ تجزیہ فرما کر ردّ بلیغ فرمایا ہے۔ اور یہ آپ نے درست کیا کیونکہ یہ دونوں قول نعت گوئی پر اتہام، اور شغل نعت سے بُعد پیدا کرنے والے مقولے ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید پاکستان کی دبستان نعت پر توصیفی نظم عمدہ تخلیق ہے۔ مضامین و مقالات اپنے اپنے تخلیق کاروں کے علم، ان کی محنت و عرق ریزی، اور ان کے مہارت فن کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔ پروفیسر عبدالحق (دہلی) کا ’’ذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمالیات قرآن۔ ولیؔ کے حوالے سے‘‘ ولیؔ دکنی کی نعت گوئی کے حوالے سے مبسوط و مستحسن اور قابل تعریف مضمون ہے۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کا مضمون ’’چندائن‘‘، تحقیقی مضمون ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تحقیق و قلم کی پاسداری کا حق ادا کیا ہے، 62 صفحات پر محیط یہ با حوالہ مضمون، صاحبِ مضمون کے علم و فضل، ان کی عرق ریزی اور جاں فشانی کا بین ثبوت ہے۔ ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری، ڈاکٹر محمد آصف امراوتی، ڈاکٹر راہی فدائی، ڈاکٹر شبانہ نکہت، ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل راٹھوی وغیرہم کے معلوماتی اور اچھے مضمون ہیں۔ محترم جناب تنویر پھول کا مضمون ’’وفات النبی حیات النبی میلاد النبی‘‘، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کئی وجوہ سے اچھا مضمون ہے۔ مدیر مجلّہ ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے ’’امامِ اہلسنّت احمد رضا خاں پر۔ پی ایچ ڈی کے مقالوں کے حوالے سے نشاندہی فرما کر

صفحات مجلّہ کو مزین فرما دیا ہے۔ ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن کا مضمون عمدہ اور جامع ہے۔ مگر آپ نے بھی نعت کے حوالے سے مبالغے کی بات کی ہے جو غیر درست ہے اور انشاء اللہ اسی مضمون میں نعت اور مبالغے کے حوالے سے بات کی جائے گی۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب کے دونوں مضامین معلومات اور پر مغز عمدہ ہیں۔ ڈاکٹر شاہد جمالی صاحب کا مضمون ''راجستھان میں نعت گوئی کی روایت'' اچھا مضمون اور جمالی صاحب کا تحسینی عمل ہے کہ انہوں نے راجستھانی نعت گو شعراء کی خدماتِ نعت منظرِ عام پر لانے کی سعی فرمائی۔ جمالی صاحب شاعر و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ محقق بھی ہیں، آپ بڑی دلجمعی اور جاں فشانی سے راجستھان کے گم نام شعراء کی تخلیقات و مخطوطات جمع کر رہے ہیں اور ان تخلیقات کو مراحل طباعت و اشاعت سے گزار کر ان تمام گمنام شعراء ادباء کو پس منظر سے پیش منظر میں لانے کی کوشش میں جٹے ہوئے ہیں جن کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہے، اور یہ کام جمالی صاحب تنہا اپنے بل بوتے پر کر رہے ہیں۔ ویسے ماشاء اللہ جمالی صاحب خود اپنا بڑا شاندار ادبی پس منظر رکھتے ہیں اور خود بھی بڑے وفا شعار اور وضعدار انسان ہیں۔

''علامہ'' اقبال اعظمی گھوسی کی دونوں کاوشیں قابلِ تعریف اور لائق صد ستائش ہیں۔ آپ کا تجزیہ و تبصرہ تو مجلّہ کی جان ہے ہی، علامہ اختر رضا خاں نوری کے عربی کلام کی بھی آپ نے بہت اچھی وضاحت فرمائی ہے۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب کا تبصرہ بھی مجلّہ کی جان ہوتا ہے، مگر اس بار شاید آپ کو وقت نہیں ملا۔ کیونکہ آپ نے بہت مختصر تبصرہ لکھا ہے۔ پروفیسر مجید بیدارؔ، علامہ عتیق اثر ندوی، شہیر رضویؔ، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، حلیم صابر وغیرہم کے تجزیے و تبصرے اپنی اپنی جگہ بہت اچھے ہیں۔ مگر پورے مجلّہ پر علامہ اقبال اعظمی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی اور ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب ہی تبصرہ فرماتے ہیں۔ اب کی بار انجم صاحب کو شاید وقت نہیں ملا اور صدیقی صاحب نے بہت مختصر، یا صرف خود پر کئے گئے تبصرے پر تبصرہ، یا اس کی وضاحت کرنے پر ہی اکتفاق کر لیا۔ جب کہ ان جیسے اہل فن و اہل فضل کے تبصرے کی، ثقاہت زبان اور صحتِ فن کے اعتبار سے مجلّہ کو اشد ضرورت ہے۔
جناب فاروق جائسی صاحب کانپور نے بھی تبصرہ کے حوالے سے اچھی محنت اور اچھی کوشش فرمائی ہے اور کئی مفید مشورے بھی ارشاد فرمائے ہیں ملاحظہ ہو۔ (اقبال اعظمی، پروفیسر فاروق صدیقی، ڈاکٹر اشفاق انجم، ڈاکٹر عزیز احسن، تنویر پھول، اور قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری صاحبان......کمپوزنگ کی وہ اغلاط بھی دائرہ تحریر میں لانے سے نہیں چوکے جن سے صرف نظر کیا جا سکتا تھا......) میں جائسی صاحب کے مشوروں سے متفق ہوں۔ کیونکہ مدیر محترم کی محنت شاقہ کے باوجود کمپوزنگ کی خامی سے

مجلّہ محفوظ نہیں رہ سکتا اور کمپوزنگ کے بعض تسامحات تو ایسے ہوتے ہیں کہ کلام منظوم میں سقم پیدا کرنے کے ساتھ کلام نثر میں بھی ایسی جگہ تسامح واقع ہوجاتا ہے کہ پورا پیراگراف مہمل ہوجاتا ہے۔ جب کہ مجلّہ کا ہر قلمکار کہنہ مشق ہونے کے ساتھ زبان و بیان، تذکیر و تانیث اور گرامر کا خیال رکھتا ہے۔ ایسے میں مبصرین کو حسنِ ظن اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوچنا چاہئے کہ یہ خامی قلمکار کی نہیں بلکہ کمپوزنگ کی ہے میں جائسی صاب سے عرض کرنا چاہوں گا کہ آپ نے مجھ ناچیز قاری محمد رفیق قاضی فائزؔ فتح پوری کو سہواً ان اہل فن مبصرین کی صف میں شامل فرمالیا۔ میرا تو صرف نام ہی ایک مصرعے جتنا طویل ہے۔ میرا فنی قامت اتنا نہیں کہ مجھے ان اہل فن میں شامل کیا جائے اور اگر آپ نے قصداً مجھے ان فضلاء کی صف میں شامل کیا ہے تو میں آپ کے حسن ظن کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے حدیث **"لولاک لما خلقت الافلاک"** کے متعلق سہواً اقبال اعظمی صاحب کا نام لیا ہے۔ جب کہ ''دبستان نعت'' شمارہ اوّل میں اس ناچیز نے اپنے مضمون ''ناعت پر فیضان منعوت'' میں اس حدیث قدسی کو بیان کیا تھا اور مضمون کے ساتھ ہی، اور بعد کے شماروں میں بھی اس حدیث کی ثقاہت وصحت کے لئے نقد و دلائل بیان کئے ہیں جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ (عبدالرؤف خیر اور حافظ کرناٹکی کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضرات ایک خاص عقیدہ رکھتے ہیں جو عام سنی العقیدہ شعراء، ادباء سے میل نہیں کھاتا، پریشانی کی بات یہ ہے کہ یہ اپنے موقف سے سرِ مو ہٹنے کے لئے تیار بھی نہیں ہوتے خواہ کتنی بھی دلیلیں دی جائیں......) جائسی صاحب ان حضرات سے جو شکایت آپ کو ہے وہ اوروں کو بھی ہے۔ ایسی صورت میں ان کی تحریریں پڑھ کر، اپنے اعمال وعقائد کا خون ہوتے دیکھ کر یا تو خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو رہو۔ یا ان کی غلط باتوں کی نقاب کشائی کرنے کے لئے ان حضرات کے اور قارئین کے سامنے صداقت وحقانیت کا آئینہ پیش کرو اور ستم یہ بھی ہے کہ یہ حضرات بلا تحقیق و دلیل صرف سنی سنائی باتوں کے شوشے چھوڑ کر دل آزاری کرتے ہیں۔

منظوم تخلیقات کے حوالے سے تمام نعتیں ایک سے بڑھ کر ایک اور قابلِ تعریف ہیں۔ مگر ان میں کچھ نعتیہ تخلیقات ایسی ہیں جو وافر علم، مہارتِ فن، محنت شاقہ، اور بہت عرق ریزی کے بعد وجود میں آئی ہیں۔ جیسے محترم ڈاکٹر مبشر احمد نشترؔ صاحب کی آیاتِ قرآنیہ سے ماخوذ 340-339-338 پر مرقوم نعتِ مقدس اور قرآن ہی سے ماخوذ، وآیاتِ قرآنیہ پر مشتمل۔ ''وسیلۂ نجات'' کے صفحہ 299 پر مرقومہ منتخب اشعار اور محترم جناب محمد اسمٰعیل سورہوی قمرؔ بستوی کی صفحہ 30 پر غیر منقوط حمد۔ یہ نعتیہ اشعار ایسے ہیں جو اپنے تخلیق کاروں کے علم وفن میں مہارت کا اعلان کررہے ہیں۔ صفحہ 660-659 پر بہ

زبان مارواڑی میں ایک سلام ''شاہ خلیل الرحمٰن بانسوی'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے یہ سلام ہم بچپن سے سنتے آرہے ہیں اور بزرگوں سے سنتے ہیں کہ یہ سلام کسی غیر مسلم خاتون کا کہا ہوا ہے۔ ''واللہ اعلم''

معروف مبصر و ناقد حضرت علامہ اقبال اعظمی صاحب نے ناچیز کے مضمون پر تبصرہ فرماتے ہوئے عم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوطالب ابن عبدالمطلب کے نام کے ساتھ ''سیدنا'' اور محترم چندر بھان خیال کے نام کے ساتھ ''حضرت'' لکھنے پر یہ اعتراض فرمایا ہے۔ (کفار کے ناموں کے پہلے ''سیدنا'' اور ''حضرت'' نہیں لکھنا چاہئے)

یہ اعتراض اور بھی کئی حضرات نے کیا ہے۔ احقر آپ سب کی خدمات میں عرض کرتا ہے کہ کیا آپ لوگوں کی نظروں میں ''ابولہب'' جس کی مذمت میں پوری ایک سورۃ نازل کی گئی ہے اور جس نے مع اپنی اہلیہ واولاد ہر موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی تکلیف اور روحانی اذیت پہنچائی ہے وہ، اور سیدنا ابوطالب، جنہوں نے اپنے آپ کو آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت، غمگساری، پشت پناہی اور حمایت کے لئے وقف کر رکھا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کے اتنے حریص تھے کہ ان کا یہ فرمان آج بھی تاریخ اسلام کا حصہ ہے۔ ؎

واللّٰہ لن یصلوا الیك بجمعهم حتیٰ او شد فی التراب دفینا

خدا کی قسم وہ مشرکین اپنی جمعیت کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک مجھے دفن کر کے مٹی میں ٹیک لگا کر لٹا دیا نہ جائے۔''

جن کے انتقال پر ملال نے اسلام اور مسلمانوں حتیٰ کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک پشت پناہ اور حمایتی سے محروم کر دیا نیز جن کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑے حزن وملال کے ساتھ فرمایا تھا ''اے چچا مجھے بہت جلد آپ کی عدم موجودگی کا احساس ہو گیا۔'' ایک ہی درجہ رکھتے ہیں؟ اور باعتبار اسلام وکفر سیدنا ابوطالب اور ابولہب ودیگر مشرکین کیا ایک ہی زمرے میں شمار کئے جائیں گے؟ جب کہ ابوطالب نعمت اسلام سے محروم رہے مگر اسلام اور مسلمانوں پر، اور آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کی شفقت وعنایت فراموش نہیں کی جاسکتیں، اور جب یہ باتیں فراموش نہیں کی جاسکتیں تو انہیں سیدنا کہنے میں کون سی ''نص'' مانع ہے جب کہ میرے نزدیک تو ہر کسی کے ساتھ تہذیب وادب کے ساتھ پیش آنا "**انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**" میں شامل ہے اور اگر ایسا کرنے سے کوئی آیت یا حدیث مانع ہے تو بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں میں اپنے اس موقف سے رجوع کرلوں گا۔

واضح ہو کہ میں نے سیدنا ابو طالب کے حق میں کوئی دعائیہ کلمہ نہیں کہا ہے اور نہ ہی اس کا مدعی ہوں۔ جناب چندر بھان خیالؔ کے ساتھ ''حضرت'' لکھنے پر اعتراض کے حوالے سے عرض کرنا چاہوں گا کہ اسلامی نظریات و مفادات کے پیشِ نظر تمام غیر مسلم ایک زمرے میں نہیں رکھے جا سکتے۔ کیا وہ غیر مسلم جو اسلام اور مسلمانوں کے درپے آزاد ہیں وہ، اور جو غیر مسلم اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کرتے ہیں وہ۔ حکمت و مصالحت کے تحت دونوں یکساں شمار کئے جائیں گے؟

اگر کوئی صاحبِ وقعت و قار غیر مسلم۔ کسی مسلم فرد، یا جماعت کے پاس آئے تو اس کے لئے اندازِ تخاطب کیا ہوگا؟ کیا اسے یہ کہا جائے گا۔ اے رمیش۔ اے مہیش ادھر آ۔ ادھر بیٹھ! اگر یہ انداز اختیار کیا جائے گا تو یہ اسلامی تہذیب کی غلط نمائندگی ہوگی۔ کیونکہ کوئی بھی مہذب شخص اس انداز پر کہہ دے گا کہ ''مسلمانوں کو تو ادب سے پیش آنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے۔'' لہٰذا اس شخص کے شایان ادب پیش آنا ہی اسلامی تہذیب و ادب کا تقاضا ہے۔ اسی تہذیب و ثقافت پر عمل کر کے صوفیاء کرام نے ہندوستان میں تبلیغ فرمائی اور اسی تہذیب کے زیر اثر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اس کے برخلاف رویہ اپنائیں تو ٹھکرائی اور اسلام میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا جو ہر لحاظ سے مذموم ہے۔ و نیز فاروق جائسی صاحب (کانپور) نے بھی دبستانِ نعت شمارہ-4، صفحہ-555 پر اس حوالے سے مسکت تفہیمی گفتگو فرمائی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیں!

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ) کا مضمون ''موجِ کوثر کا قرآنی تجزیہ

(1) یہ مضمون گرچہ محترم اصلاحی صاحب کی علمیت، محنت، قرآن میں مہارت، اور فنی کاوش کا نمونہ ہے۔ مگر آپ موضوعِ مضمون پر اپنے ذہن و قلم کو مضبوطی کے ساتھ مرتکز نہیں رکھ پائے۔ ذہن و قلم پر آپ کی گرفت ڈھیلی رہی لہٰذا اصل موضوع سے تجاوز کر گئے۔ مضمون تحریر کرتے وقت اصلاحی صاحب نہ معلوم کس زعم میں مبتلا ہوگئے کہ مسلمات امت کا بھی خیال نہیں کیا۔ کئی ایسے امور جو امت میں مسلّم ہیں ان سے انحراف کرنے میں بھی جھجک محسوس نہیں کی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مضمون تحریر کرتے وقت ذہن و قلم بے راہ روی کا شکار ہوگئے نتیجتاً یہ مضمون کئی وجوہ سے دل آزاری کا سبب بن گیا۔

(3) مدیرِ مجلّہ۔ مجلسِ مشاورتِ مجلّہ۔ اراکین و معاونین مجلّہ سے عرض ہے کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ موقر مجلّہ نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور ان کے متعلقات کے لئے ہی مختص ہے ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اس میں ذاتی و شخصیاتی مناقب و قصائد کے لئے بھی کوئی گوشہ ہے۔ کیونکہ یہ متذکرہ مضمون ''موجِ کوثر'' کے نعتیہ اشعار کی توضیح و تشریح کے بجائے کچھ شخصیات کے قصائد پڑھتا ہوا زیادہ محسوس ہو رہا ہے۔

(3) مضمون میں دل آزار باتیں (......نعتیہ شاعری ایک کشکول اور ڈھونگ بن چکی ہے...... نعتیہ مسابقوں میں ذاتی لحن اور ذاتی صلاحیت پر سارا ارتکاز و اعتناء ہے۔ نعت گوئی اور نعت خوانی خودستائی اور اظہار ذات کے سوا عصر حاضر میں کچھ نہیں۔ اس کا حب رسول اور فکر رسول سے کوئی تعلق نہیں ہے......) میں بڑی معذرت کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا کہ اگر کوئی شخص آپ کی یہ باتیں پڑھ کر کہے کہ ''اصلاحی صاحب نے پوری امت کو خود پر قیاس کر کے یہ باتیں کی ہیں۔ کیونکہ اس مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اصلاحی صاحب کے نزدیک نعت گوئی اور نعت خوانی کی وہ وقعت و احترام نہیں جس کی یہ مقتضی ہے۔ انہوں نے یہ مضمون خود کی علمیت اور اقبال سہیل اور ان کے اساتذہ و مربیان کے قصیدے پڑھنے کی غرض سے تحریر کیا ہے۔ اگر اصلاحی صاحب کو نفس نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذرا بھی عقیدت ہوتی اور نعت شریف کا ذرا بھی پاس و لحاظ ہوتا تو اسے ڈھونگ کبھی نہ کہتے۔ مگر چونکہ آپ کا مطمح نظر نعت گوئی یا نعت خوانی کی آڑ میں اقبال سہیل اور ان کے اساتذہ و مربیان کی قصیدہ خوانی ہے لہٰذا آپ کا یہ مضمون اور یہ کدوکاوش ہی لفظ ''ڈھونگ'' کے اطلاق کے زیادہ مستحق ہیں۔ تو اصلاحی صاحب کو کیسا لگے گا؟

(4) ہم لوگوں میں یہ بات عام ہے کہ جو کام ہم بھی نہیں کرنا چاہتے، اور ہمیں کام پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے کہہ دیتے ہیں۔ ''کیا یہ کام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہے؟ کیا آپ کے صحابہ کرام نے کیا ہے؟

چونکہ نعت گوئی و نعت خوانی وہ عمل ہے جو آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تا زمانہ ہٰذا تک تواتر سے ہوتا چلا آ رہا ہے تو اس پر وہ عام اعتراض تو وارد کیا نہیں جا سکتا چنانچہ بے تکے بہانے اور بھونڈے پن سے نعت شریف جیسے عبادتی عمل کو ''ڈھونگ'' اور ''کشکول'' کہہ دیا۔ حالانکہ جو مفسدات اصلاحی صاحب نے نعت کے تعلق سے بیان کئے ہیں ان سے عبادت و ریاضت کا کون سا شعبہ پاک و منزہ ہے اور وہ کون سا شعبہ ہے جس میں مفسدات نہ پائے جاتے ہوں پھر نعت شریف کو ہی کیوں تختۂ ستم بنایا جائے؟ کیا دیگر شعبہ جات جن میں مفسدات پائے جاتے ہیں ان پر بھی لفظ ''کشکول اور ڈھونگ'' بول کر قدغن لگائی جائے گی؟

نکاح خوانی جس میں دیگر اعمال عبادت کی نسبت زیادہ مفسدات کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ تو کیا نکاح خوانی پر اسی لہجہ و انداز میں نکیر کی جائے گی؟

(5) میرا خیال ہے کہ وہ تمام افعال جو عبادت کے زمرے میں آتے ہیں اور جن میں مفسدات

پائے جاتے ہیں ان کی اصلاح تو ضرور ہونی چاہئے مگر اس انداز اور اس لہجے میں نہیں۔ اصلاح کے لئے قرآن مقدس نے ہمیں یہ اسوہ مرحمت فرمایا ہے۔ "**اُدع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة......**"

''اے نبی لوگوں کو اللہ کے رستے کی طرف بلاؤ حکمت اور احسن طریقے سے وعظ و نصیحت کے ذریعے۔'' اور **یأیها الذین آمنوا اتقوا اللّٰه وقولوا قولًا سدیدا. یصلح لکم اعمالکم.** ''اے مومنو۔ اللہ سے ڈرو اور نرم بات کرو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے......''

(6) اصلاحی صاحب کا پورا مضمون اور صفحہ 120 پڑھ لیجئے آپ کو ان اندازِ تخاطب کسی لحاظ سے بھی ان آیاتِ مذکورہ سے مطابقت کرتا ہوا نہیں ملے گا۔ جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا کہ اصلاحی صاحب کا مقصود اصلاح ہے ہی نہیں۔ آپ نے مصلحانہ اور مفاہمانہ اندازِ تخاطب کے بجائے قصداً جارحانہ، اور معاندانہ اندازِ تخاطب اختیار کیا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے آپ کے ذہن و قلم کو بے راہ روی کا شکار لکھا ہے اگر آپ اصلاح کی غرض سے لکھتے تو شیریں زبان کے ساتھ مصلحانہ و مفاہمانہ انداز اختیار کرتے۔

(7) یہ امر بھی مسلم ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ دورِ حاضر میں تمام فرقوں اور جماعتوں میں دل آزاری کے جراثیم ایک دوسرے کی ضد میں ہی پنپ رہے ہیں اور یہ صحت مند علامت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہم خود ہی مفاہمت کی راہیں مسدود کر کے بُعد پیدا کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔

(8) ''نعتیہ مسابقوں میں ذاتی لحن اور ذاتی صلاحیت پر سارا ارتکاز و اعتناء'' کے حوالے سے میں عرض کرنا چاہوں گا کہ سیدنا داؤد علیہ وعلیٰ نبینا الصلاۃ والتسلیم بلند آواز اور خوش گلوئی سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے تھے تو ان کی خوش گلوئی اور بلند آوازی سے متاثر ہو کر پہاڑ و پرند بھی ان کی لے سے لے ملا کر تسبیح پڑھتے تھے اور اس خوش گلوئی و بلند آوازی کی قرآن کریم تحسین فرا رہا ہے نکیر نہیں۔ "**وسخرنا مع داؤد والجبال یسبحن والطیر.**"

اردو میں ''لحن داؤدی'' والا محاورہ عام ہے۔ جو خوش گلوئی سے حمد و نعت یا غزل پڑھنے پر بولا جاتا ہے و نیز خوش گلوئی پر تحسین ہی کی جاتی ہے نکیر نہیں۔ خود حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوش گلوئی کے ساتھ قرآن پڑھنے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شاباشی اور مبارکباد دی۔ "**یا أباموسیٰ لقد اؤتیت مزماراً من مزامیر آل داؤد**"

اور مسابقۂ قرأت قرآن میں ایک ہی آیت کئی انداز و کئی اقسام کی آواز کے ساتھ تلاوت کی

جاتی ہے اور حسن قرأت کے اعتبار سے قرّا کا یہ انداز تلاوت مہارت فن کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اصلاحی صاحب وہاں کیا حکم لگائیں گے؟

(9) اصلاحی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ (قرآن کریم نے اصول نعت بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔ **لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ**۔ (الحجرات: 2/24)۔ تم لوگ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔ یعنی جب ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برپا ہو تو اپنی آوازوں کو کس لو یعنی اپنے دہن مقفل کر لو، کیا آج کی نعتیہ شاعری اور نعت خوانی اسی قرآنی اصول کی پابند ہے۔......ص:150؟)

اصلاحی صاحب جو ضابطہ ارشاد فرما رہے ہیں اس پر سب سے پہلے تو شعراء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو عمل پیرا ہونا چاہئے تھا اور "**لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی**" کی زد سے بچنے کے لئے اپنی آوازوں کو ''کس'' لینا اور ''دہن'' (یعنی ہونٹوں) کو مقفل کر لینا چاہئے تھا۔ (اور ہونٹوں کو مقفل کر کے ''بکم'' کی تفسیر بن جانا چاہئے تھا) کیونکہ ان کے درمیان تو فی نفسہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود ہوا کرتے تھے۔ مگر احادیث و آثار شاہد ہیں کہ اصلاحی صاحب کے خودساختہ نعتیہ ضابطے ''دہن مقفل کرنے کے'' علی الرغم صحابہ کرام بلند آواز سے نعت شریف پڑھا کرتے تھے اور اس کی جزاء میں تعزیر کے بجائے انعام کے مستحق ہوتے تھے۔ نعت پڑھنے کے لئے کسی کو منبر پیش کیا جاتا تھا۔ کسی کو نعت پڑھنے پر بردہ شریف پیش کی جاتی تھی۔ اصلاحی صاحب کے خودساختہ ضابطے پر نہ صحابہ کرام عمل کرتے تھے اور نہ ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس ضابطے پر عمل کی ترغیب دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیتِ مذکورہ کا وہ مفہوم نہیں جو نعتیہ ضابطہ میں اصلاحی صاحب ارشاد فرما رہے ہیں، اور نہ ہی اس آیت کا یہ دقیق دانیق نرالا مفہوم اصلاحی صاحب سے پہلے کسی نے بیان کیا ہے اور اس آیت کا اطلاق جن دریدہ دہن گستاخانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہو سکتا ہے ان کا ذکر اصلاحی صاحب نے کیا نہیں۔

''برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر'' کے مصداق اصلاحی صاحب کی قلمی برق گری بھی تو نعت خوانوں پر، جن میں سے اکثریت پر ''بے چارے'' کا اطلاق بھی درست ہے۔

(10) اصلاحی صاحب فرماتے ہیں: (یہ بات پیش نظر رہے کہ ''موج کوثر'' شرکیہ خیال سے پاک ہے جب کہ نعتیہ شاعری کا ایک بڑا حصہ شرک اور موضوع روایات سے مملوء ہے)۔ (ص:121)

اصلاحی صاحب کو اتنی بڑی بات کہنے کے بعد اپنی بات کی صداقت و ثقاہت کے لئے ایسے اشعار بھی پیش کرنا چاہئے تھے جو شرکیہ ہیں اور ایسے اشعار بھی پیش کرنا چاہئے تھے جو موضوع روایت پر

مبنی ہیں مگر آپ نے ایک شعر بھی بطور دلیل پیش نہیں کیا اور اصلاحی صاحب کو شرک جلی شرک خفی اور شرک اکبر واصغر کی کوئی جامع تعریف بھی بیان کرنا چاہئے تھی کہ اُن کے پیش کردہ پیمانے سے توحید و شرک نعتیہ اشعار میں دیکھ لیتے۔ اب جب کہ اصلاحی صاحب نے اتنی بڑی بات کہی ہے اور اپنی بات کو تشنۂ دلیل بھی چھوڑ دی ہے تو انہیں کہنا چاہوں گا کہ ہو سکے تو ''دبستانِ نعت'' شمارہ اوّل میں ڈاکٹر سید خسرو حسینی گلبرگہ شریف کا مضمون ''فن نعت اور نعت گوئی'' کا ایک بار ضرور مطالعہ کریں شاید آپ اپنی بات کو محسوس کر سکیں۔

صفحہ-9 پر ڈاکٹر خسرو حسینی صاحب نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ شعر نقل فرمایا ہے۔

وشق له من اسمه ليجله فذوا العرش محمود و هذا محمد

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔)

مزید آگے فرماتے ہیں: (الحمدللہ۔ محمد کو اللہ تعالیٰ نے جتنا قریب تر ہو سکتا تھا وہ مقام کا اقرار کیا گیا۔ یہ سر بسر کہنے کے مترادف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ایک باریک لکیر رہ جاتی ہے)

چونکہ اصلاحی صاحب ماہر قرآن ہیں تو ان کو ان آیات پر بھی غور کرنا چاہئے۔ **وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمىٰ**۔ اور اے نبی۔ جب تم نے وہ کنکریاں پھینکی تھیں وہ تم نے نہیں۔ ہم نے پھینکی تھیں۔ **اِنَّ الَّـذِيْـنَ يُبَـايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ**...... بیعت رضوان کے وقت صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پر جب بیعت کی تو نیچے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا اور اوپر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہی ہاتھ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''بیشک جو لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کر رہے ہیں وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں اللہ تعالیٰ سے بیعت کرر ہے ہیں۔'' اور فرمایا "**يَـدُ اللّٰـهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ**" ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے'' جس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ اوپر والا ہاتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور "**مَنْ يُّطِعَ الـرَّسُـوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهُ**" جس نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

ان آیات کریمہ اور ایسی دیگر آیاتِ کریمہ کے تناظر میں اصلاحی صاحب ان اشعار پر دوبارہ غور فرمائیں گے جو بقول ان کے شرکیہ ہیں۔ کیا ان اشعار کے خالق شعراء اور ان اشعار کے ذریعے نبی کریم

رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت کر رہے ہیں۔ یا ان اشعار کے ذریعے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عبادت کی ترغیب دے رہے ہیں؟ اگر ایسا ہے تب تو اصلاحی صاحب کا ان اشعار کو شرکیہ کہنا درست ہے ورنہ اصلاحی صاحب جیسے لوگوں کا پیمانہ شرک شرعی اصولوں سے متصادم ہی ہوگا۔ کیونکہ آپ کے ہاں تو صیغۂ ''ندا'' بھی شاید شرک ٹھہرتا ہے اور اصلاحی صاحب نے نعتیہ شاعری کے ایک بڑے حصے کو موضوع روایات پر مبنی کہا ہے۔ ان کے پیمانۂ صحت وسقم روایت حدیث پر آگے گفتگو کریں گے۔

(9)' اصلاحی صاحب کی قرآن فہمی

اصلاحی صاحب نے کسی کا تفسیری قول فخریہ نقل کیا ہے۔(......کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کی شفاعت کریں گے جس کی اللہ کی طرف سے اجازت ہوگی...... (ص:121) صاحب۔ عقیدہ تو یہ ہونا چاہئے کہ تمام متنفس سانس بھی نہیں لے سکتا شفاعت تو بہت بڑی بات ہے۔ ویسے اگر ان مفسر صاحب یا اصلاحی صاحب کے سامنے سے کسی مستند عالم کا ایسا قول گزرا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشاء کے خلاف زبردستی کسی کی شفاعت کریں گے تب تو مفسر مذکور یہ بات کہنے، اور اصلاحی صاحب اسے نقل کرنے میں بجانب حق ہیں۔ ورنہ اس بے تکی بات کا حاصل کیا ہے اس پر اصلاحی صاحب اور قارئینِ کرام خود غور فرمالیں۔ نیز بے شک ہر مسلمان کا عقیدہ یہی ہے کہ "**یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ**......" جس دن روح الامین اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بھی بات کرنے کا مجاز نہ ہوگا سوائے اس کے جسے خدا اجازت دے۔'' اور بے شک "**من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ**......" وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرسکے......'' مگر "**ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ**......" بھی قرآن ہی میں ہے اور اس آیتِ قرآن کی تعبیر اس دن شفیع المذنبین کے شفاعتِ عاصیاں کی صورت میں ہی سامنے آئے گی۔ اس دن ایسا نہیں ہوگا جیسا اصلاحی صاحب نے تاثر دینا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک گنہگار کا نام پکارتا جائے گا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایک کی شفاعت کرتے جائیں گے۔ بلکہ ہوگا یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذن شفاعت کامل کلی طور پر عطا فرمادے گا۔ پھر آپ کس کس کی شفاعت فرمائیں گے یہ آپ کو اختیار ہوگا۔ ویسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اعلانِ عام تو یہی ہے۔ "**شفاعتی لاھل الکبائر من امتی**" ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، **وقال حدیث حسن صحیح غریب**، اور مکتبہ ''محمد'' کے جدید محققین نے اسے صحیح کہا ہے۔(حدیث:5598۔ مشکاۃ المصابیح)

رہی بات اللہ تعالیٰ کی اجازت کی۔تو مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے۔ ؎

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنستاتے جائیں گے

بارگاہِ خداوندی میں سجدہ کرکے، اور خود رو رو کر اللہ تعالیٰ کو راضی کریں گے اور عاصیوں کی شفاعت کرکے انہیں ہنسائیں گے اور خوش کریں گے۔

(10) اصلاحی صاحب نے موجِ کوثر کے شاعر اقبال سہیل، ان کے اساتذہ و مربیان کے حوالے سے پورے مضمون میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے گویا انہیں کے لئے قرآن مقدس نازل ہوا ہے اور صرف انہوں نے ہی قرآنِ مقدس کو سمجھا ہے۔ اگر کسی کو میری اس بات کی صداقت میں شک ہو تو حاضر دماغی اور تسلی سے اس مضمون کو پڑھ لے۔ خود ہی میری بات کی صداقت کا اقرار کرلے گا۔ اور اصلاحی صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ صرف اقبال سہیل نے ہی نعتیہ اشعار میں قرآن مقدس سے استفادہ کیا ہے۔ میں کہنا چاہوں گا کہ یا تو آپ نے قصداً تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے یا آپ کا مطالعۂ نعت ناقص ہے۔ آپ دبستانِ نعت شمار-4 کے صفحہ 640-639-638 پر مطبوعہ ڈاکٹر مبشر احمد نشتر حیدرآبادی کی نعت دیکھیں۔ اقبال سہیل صاحب نے تو قرآن مقدس سے اسموں اور جملوں کی صورت ہی استفادہ کیا ہے جب کہ ڈاکٹر مبشر احمد نشتر صاحب نے پورے پورے مصرعے آیات قرآن کو بنائے ہیں، اور ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب نئی دہلی کا مضمون ''وسیلۂ نجات ایک مطالعہ'' دیکھیں۔ انجم صاحب نے وسیلۂ نجات سے صفحہ 299 پر جو منتخب اشعار نقل فرمائے ہیں ان میں بھی پورے پورے آیاتِ قرآنیہ کے بامعنی جملوں سے مصرعوں کو مزین کیا گیا ہے اور یہ تو صرف ایک نعت شریف کے اشعار اور ایک مضمون کے منتخب اشعار کا حوالہ ہے اگر نعت گوئی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو؟

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت   دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

(11) میں اصلاحی صاحب کو متوجہ کرنا چاہوں گا کہ آپ نے سارا زور اقبال سہیل کے کلام کی برتری اور ان کے غیر کی نفی پر صرف کردیا تھوڑا زور ان کے اشعار پر غور کرنے پر بھی دیا ہوتا تو اشعار کا سقم بھی سامنے آجاتا۔

ملاحظہ فرمایئے۔ ؎

بچھڑے ہوئے گلے کو ملایا، نسل و وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا تفرقہ باہم صلی اللہ علیہ وسلم (ص:122)

اس شعر میں ''بچھڑے'' اور ''ہوئے'' دونوں جمع کے صیغے کے لئے ہے اور ''گلے'' واحد کے صیغے کے لئے بھی آتا ہے۔ مثلاً ''اس کے گلے میں ہڈی اٹک گئی۔ تیرے گلے میں ہڈی اٹک گئی'' لہٰذا ''گلے'' کی جگہ ''گلوں'' جمع کے صیغے کے لئے زیادہ موزوں و مناسب ہے۔ اور شعر کا مصرعۂ ثانیہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے۔

(12) اصلاحی صاحب نے کچھ اشعار کی تشریح، شعر کی مناسبت اور حاصل شعر کے بجائے اپنی مرضی سے کی ہے۔ مثلاً

وہ مصداق دنیٰ فتدلیٰ جس کی منزل عرش معلّٰی

نکتۂ ما اوحیٰ کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم (ص:123)

شعر میں ''جس کی منزل عرش معلّٰی۔ اور ''نکتۂ ما اوحیٰ کا محرم'' ہے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منزل عرشِ معلّٰی ''قربِ خداوندی'' ہے اور ما اوحیٰ ''فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ'' کا ٹکڑا ہے اور اس میں دو قول ہیں ایک قول کے مطابق وحی کرنے والے جبریل اور دوسرے قول کے مطابق خود اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ الی عبدہ کے پیش نظر دوسرا قول ہی زیادہ مناسب اور راجح قول ہے۔ اصلاحی صاحب نے اس شعر سے جبرئیل علیہ السلام کا معلم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونا باور کرایا ہے جو اس شعر کا ما حاصل نہیں، اور ملتِ بیضاء نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معلم اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہی مانتی ہے مگر اصلاحی صاحب نے اس شعر کی تشریح میں نفس شعر اور مسلمات امت کے علی الرغم جبرئیل کے معلم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا رجحان ظاہر کیا ہے۔

(13) امت کا ماننا ہے کہ ''طٰہٰ'' و ''یٰسین'' سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا ہے مگر اقبال سہیل کہہ رہے ہیں۔۔

طٰہٰ اور یٰسین کا مورد، قبلۂ ایماں کا مولد دولت سرمد جس کا مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم ص:125)

اور اس کی تشریح میں اصلاحی صاحب فرماتے ہیں: (اقبال سہیل کا تعلق چونکہ مولانا فراہی صاحب سے تھا اس لئے انہوں نے ان حروف مقطعات سے سرور کونین کو مراد نہیں لیا ہے بلکہ ان کے نزدیک ان دونوں سے دو سورتیں مراد ہیں...... (ص:125)

تفسیر ابن کثیر مطبع ''دار الفکر'' بیروت میں اس آیت کے تحت ہے کہ قاضی عیاض نے اپنی کتاب ''الشفاء'' میں سنداً انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو ایک آدمی کے سہارے کھڑے رہتے اور سجدوں کے بعد کھڑے ہونے کے لئے

ایک آدمی دوسرا ساتھ میں سہارا دے کر آپ کو کھڑے کرتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''طٰہٰ۔ **ما انزلنا علیك القرآن لتشقیٰ**۔ اے محمد ہم نے یہ قرآن اس لئے نہیں نازل کیا کہ آپ مشقت جھیلیں۔ اس آیت میں ''طٰہٰ'' سے آپ کو خطاب کیا گیا ہے اور امت کا یہی ماننا ہے۔ اور ''یٰسین'' کے متعلق ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عکرمہ، ضحاک، حسن اور سفیان بن عینیہ نے روایت کی ہے کہ ''یٰسین'' بمعنی اے انسان ہے اور سعید بن جبیر نے بھی یہی کہا ہے اور کہا کہ یہ حبشہ کی زبان ہے۔ میں نے تفسیر ابن کثیر کا حوالہ اس لئے دیا ہے کہ یہ دوسروں کے نزدیک معتبر ہے۔ "**تفاسیر اہل السنہ**" میں "**طٰه**" "**یا رجل هذه بلسان مكة ای یا محمد**" طٰہٰ کے معنی اے آدمی ہے جو مکی زبان میں ''یا محمدؐ'' کے معنی بھی ہیں اور تفسیر قرطبی میں ہے **وروی عن النّبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم انّه قال لی عند ربّی عشرة اسماء فذکر أن فیها "طٰه" و "یٰسین"** نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا میرے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس دس نام ہیں۔ طٰہٰ ویٰسین کا بھی انہیں ناموں میں ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا۔

(14) اصلاحی صاحب نے جگہ جگہ صوفیہ پر بھی چوٹ کی ہے ایک جگہ فرماتے ہیں۔ (توکل کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ گوشہ نشینی اختیار کی جائے صوفیہ کرام کا مخصوص توکل اور خود کو غاروں کے سپرد کر دینا قرآنی توکل کے برعکس ہے۔......ص:122) ایک جگہ ایک آیت اور اس کا ترجمہ نقل کر کے فرماتے ہیں۔ (اس آیت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ متصوفانہ فقر کا تعلق اسی عیسائی رہبانیت سے ہے اس کا اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے......ص:137) معلوم نہیں اصلاحی صاحب کون سے صوفیاء کی بات کر رہے ہیں جو غاروں میں پائے جاتے ہیں امت جنہیں مانتی ہے انہوں نے نہ تو غاروں میں پناہ لی اور نہ ہی گوشہ نشینی اختیار کی، بلکہ عوام الناس میں رہ کر عام الناس کی اصلاح بھی فرمائی اور تزکیہ نفس بھی کیا۔ اصلاحی صاحب نے ایک جگہ ''مخصوص توکل'' اور ''غاروں کے سپرد'' جیسے جملے وضع کر کے تزکیہ نفس کرنے والے صوفیاء پر چوٹ کی اور دوسری جگہ ''عیسائی رہبانیت'' سے صوفیاء کا تعلق جوڑ کر چوٹ پہنچائی ہے۔ میں عرض کرنا چاہوں گا کہ ہمارا اسلام وایمان عموماً زبان تک ہے گلے سے نیچے بھی نہیں اترتا۔ جس کا حدیثوں میں بیان ملتا ہے اور کچھ لوگ درجۂ احسان تک رسائی کے لئے کوشاں رہتے ہیں ان کی یہ کوشش ہمارے ذہنوں میں نہیں اترتی۔ ؎

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

کاش کہ صوفیاء کی طرح ہمارے قلوب واذہان بھی فراخ ہوتے؟

اصلاحی صاحب نے جو آیت نقل کی اس میں نفس رہبانیت کی مذمت نہیں بلکہ "**فَمَا رَعَوهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا**" کی مذمت ہے یعنی ایک چیز انہوں نے خود اپنے آپ پر لازم کر لی جو اللہ نے لازم نہیں کی تھی اور پھر اسے نباہ بھی نہ سکے۔ مذمت نباہ نہ سکنے کی کی گئی ہے اس پر خیال نہیں کیا۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ قرآن میں یہی ہے۔ **وَلَتَجِدَنَّ اَقرَبَهُم مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا اِنَّا نَصَارىٰ. ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنهُمُ قِسِّيسِينَ وَ رُهبَاناً وَّ اَنَّهُمْ لَا يَستَكبِرُونَ.** اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوستی کے لحاظ سے مومنوں کے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ اس آیت میں ''قسیسین'' علماء نصاریٰ اور رہبان، مشائخ نصاریٰ کی اس لئے تحسین فرمائی گئی کہ وہ تکبر نہیں کرتے اور اسی کوشش میں صوفیہ لگے رہتے ہیں کہ کبر وغرور سے نجات حاصل کریں۔ پھر بھی اگر اصلاحی صاحب کوئی رعایت کرنے کو تیار نہیں تو انہیں خیال ہونا چاہئے کہ ان کی چوٹ کی زد سے وہ اصحاب بھی نہیں بچ سکیں گے جنہیں اصطلاح محدثین واصحاب سیرت میں اصحاب صفہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ سلسلہ انہیں سے چلا آ رہا ہے۔ اور غار حرا اور ابوذر غفاری بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

(17) ایک جگہ اصلاحی صاحب نے لکھا ہے: (اقبال سہیل نے قرآنی اسلوب ''حجۃ فاطمۃ'' سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست وذہانت کو بیان کیا ہے۔ اس کی توضیح کے لئے "**انا مدینة العلم و علی بابها**" (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) کا سہارا لیا جاتا ہے جو ایک موضوع حدیث ہے......ص:161)

گرچہ اس حدیث کی تنکیر وتوثیق سے اصلاحی صاحب کے مضمون کا قطعی کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس حدیث کے حوالے سے اصلاحی صاحب نے اپنی علمیت اور مضمون دونوں کو اُلٹا مجروح کر دیا ہے کہ اس در بارے میں مجھ جیسے بے بضاعت کو زبان کھولنے کا موقع فراہم کر دیا، اور میرے علاوہ بھی نہ جانے کتنے اہل علم واہل قلم اصلاحی صاحب کی حدیث دانی پرکھیں گے۔ اس حدیث پر ناقدانِ حدیث کے نقد بھی ملاحظہ فرمائیں اور کن کن مورخین نے اسے روایت کیا وہ بھی دیکھیں۔

(18) یہ حدیث چار صحابہ (1) ابن عباس۔ (2) علی ابن ابی طالب۔ (3) جابر بن عبداللہ۔ (4) انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور (1) ابن حبان۔ (2) حاکم۔ (3) طبرانی۔ (4) ابن عدی۔ (5) العقیلی۔ (6) خطیب بغدادی۔ (7) ابونعیم۔ (8) ابن مردویہ۔ (9) ابوالفتح۔

(10) ترمذی۔ نے الفاظِ حدیث کی تقدیم وتاخیر اور کمی وزیادتی کے ساتھ ان دس محدثین کرام نے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس حدیث کو اکثر محدثین نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوع کہا۔ ذہبی نے ابن جوزی کی موافقت کی۔ ترمذی نے غریب منکر کہا۔ مگران نقادوں نے جن رواۃِ حدیث پر جونقد کیا اسے دیگر نقادانِ حدیث نے تسلیم نہیں کیا اور انہوں نے اپنی تحقیق سے ابن جوزی وغیرہ کا رد کیا۔ ابن جوزی وغیرہ نے اس حدیث کے ایک راوی ''محمد بن جعفر بغدادی قیدی'' پر کلام کیا۔ مگر دوسرے نقادوں نے اس راوی کے متعلق کہا کہ اس راوی کو ''یحییٰ بن معین، ابوصلت صروی، اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ یحییٰ بن معین سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ واضح ہو کہ یہ یحییٰ بن معین بخاری، مسلم، ابوداؤد، احمد بن حنبل، ابن سعد، ابوحاتم، ابوزرعہ وغیرہم محدثین کرام کے شیخ واستاد ہیں اور فن جرح وتعدیل میں امام الائمہ اور امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اس حدیث کو ابن عباس سے مرفوعاً روایت کر کے اس حدیث کو صحیح کہا، اور دو حافظان حدیث نقاد، حافظ علائی اور ابن حجر نے اس حدیث کو حسن کہا۔ حافظ علائی نے اس حدیث کے تمام طرق کے راویوں کے محاسن بیان کرنے کے بعد کہا **فمن حکم علی الحدیث مع ذٰلك بالکذب فقد أخطأ و لیس هو من الألفاظ المنکرة التی تأباها العقول بل هو کحدیث أرحم امتی بأمتی ابوبکر فلیس الحدیث بکذب**...... ابن محاسن کے باوجود جس کسی نے ان راویوں کو کذب سے متہم کیا اس نے خطا کی، اور اس کے متن میں ایسی باتیں بھی نہیں ہیں جنہیں قبول کرنے سے عقل انکار کرے۔ بلکہ یہ متن اس حدیث جیسا ہی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ میری امت میں سب سے رحم دل ابوبکر ہیں۔ تو کس طرح اس متن کی تکذیب کی جائے گی۔ اور شارح بخاری حافظ و امام ابن حجر نے کہا۔ **والصواب خلاف قولهما معا، یعنی ابن الجوزی، والحاکم، و أن الحدیث من قسم الحسن لایرتقی الی الصحة ولا ینحط الی الکذب**...... یعنی ابن جوزی جس نے اس حدیث کو موضوع کہا اور حاکم جس نے صحیح کہا۔ ان دونوں کے خلاف صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث قسم حسن میں ہے، نہ تو صحت کی طرف بلند کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کذب کی طرف اس کا تنزل کیا جاسکتا ہے ملاحظہ فرمائیے، **الفوائد المجموعة فی الحدیث الموضوعة**۔"

اس حدیث پر محدثین ونقادوں کے اقوالِ طویلہ سے میں نے دیانتداری کے ساتھ اختصاراً نتیجہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ابن جوزی نے موضوع کہا جو مستند ہیں۔ حاکم نے صحیح کہا جو نرم رویہ

رکھتے ہیں۔ یحیٰ بن معین جو جرح وتعدیل میں امام ہیں انہوں نے صحیح کہا اور ابن حجر نے حسن کہا جو میانہ روی ہے۔ چنانچہ حسن حدیث کو اگر کوئی بلا تحقیق سنی سنائی کے تحت موضوع کہہ کر خود ہی اپنی علمی ثقاہت مجروح کرے تو کیا کیا جاسکتا ہے؟ ابوسفیان اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون میں یہ باتیں کہی ہیں۔

(1) بلا استثناء نعتیہ شاعری کو کشکول اور ڈھونگ کہا۔

(2) نعتیہ شاعری کو بلا دلیل شرکیہ اور مبنی بر موضوع روایات کہا۔

(3) خلافِ منشاء آیت نعت شریف کے خلاف آوازوں کو کسنے اور ذہن مقفل کرنے کا ضابطہ بیان کیا۔

(4) ملتِ بیضاء آقا کریم کو طٰہٰ ویٰسین سے خطاب کرتی ہے آپ نے اس سے دو سورتیں مراد لیں۔

(5) صوفیہ پر جگہ جگہ چوٹ کی۔

(6) صوفیہ پر چوٹ کرنے کے لئے آیتِ قرآن کا غلط مفہوم بیان کیا۔

(7) حسن درجے کی حدیث کو بلا تحقیق موضوع کہہ دیا۔

ان باتوں کا تعلق نہ تو اصلاحی صاحب کے مضمون سے ہے نہ اقبال سہیل کے نعتیہ کلام موجِ کوثر سے اور نہ ہی یہ باتیں لکھنے سے مضمون میں ستارے ٹنک گئے اور نہ ہی یہ باتیں لکھنے سے ان کے مضمون کی ثقاہت وصداقت زیادہ محکم ہوتی ہے بلکہ مضمون میں یہ دل آزار اور مفسدانہ باتیں شامل کر کے اصلاحی صاحب کی علمیت، مضمون کی وقعت، اور اقبال سہیل کے کلام موجِ کوثر کی، باعتبار فن اور مہارتِ قرآن، عظمت وتوقیر مجروح ہی کی ہے۔ کیونکہ نہ آپ یہ باتیں مضمون میں لکھتے نہ مجھے، یا کسی اور کو زبان کھولنے کی ضرورت ہوتی۔ البتہ ان معترضہ باتوں سے صرف نظر کے بعد آپ کا مضمون، اور اقبال سہیل کا نعتیہ کلام قابلِ ستائش ہے۔

(19) ''نعت شریف میں مبالغہ''

نعتیہ شاعری کے حوالے سے کچھ لوگوں کا ماننا، یا کہنا ہے کہ شعراء نے نعت گوئی میں مبالغے سے کام لیا ہے۔ میں عرض کرنا چاہوں گا کہ ایسا خیال رکھنے والے'' دبستان نعت'' شمارہ اوّل میں ڈاکٹر سید خسرو حسینی صاحب گلبرگہ شریف کا مضمون ''فن نعت اور نعت گوئی'' ضرور پڑھیں۔ یہ وقیع و بسیط مضمون یا مقالہ نعتیہ شاعری کی ہر جہت سے وضاحت کر رہا ہے۔ نعت گوئی کے لئے یہ مضمون مشعلِ راہ اور ضابطہ کی صورت میں پیشِ نظر رکھنے کے قابل ہے۔ ایسے لوگ خالی الذہن ہو کر، رہنمائی حاصل کرنے کے لئے یہ مضمون ضرور پڑھیں۔ سید صاحب نے نعت کے حوالے سے ذہن میں

ابھرنے والے اشکالات کی وضاحت فرمائی ہے اور نعت گوئی کے زاویوں اور جہات کو نہایت ہی دانشورانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

مدیرِ مجلّہ دبستانِ نعت ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کے ''دبستانِ نعت'' شمارہ-4 کے اداریہ کا صفحہ-17 پڑھنے سے دماغ کی گرہیں کھل جائیں گی اور جناب فاروق جائسی صاحب (کانپور) نے بھی ''دبستانِ نعت'' شمارہ-4 میں صفحہ-553 پر اس حوالے سے نتیجہ خیز گفتگو کی ہے وہ بھی ضرور پڑھنا چاہئے، ان کی گفتگو بھی اس حوالے سے توہّم وتردّد دور کرنے میں کارآمد ہے۔ مزید وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ نعت شریف میں مبالغہ بتانا ایک طرح سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حدود متعین کرنا ہے کیونکہ مبالغہ کہتے ہی حد سے بڑھنے کو ہے اور مبالغہ کہنے کے لئے کسی شئی کا محدود ہونا لازمی ہے۔ جو شئی مقید ومحدود نہ ہو اس پر لفظ مبالغہ کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ تو جن کے مقامات ومراتبِ عالیہ کی حدیں سوائے اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کے کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ تو کوئی مبالغہ کا قول بھی کیسے کرسکتا ہے۔ جس جناب میں صاحبانِ علم وعرفان کا یہ حال ہے۔ ؎

ترا وصف بیاں ہو کس سے تری کون کرے گا بڑائی
تری گرد سفر میں گم ہے جبریل امین کی رسائی

جس جناب میں صاحب علم وعرفان، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے علم وعرفان کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف سے اپنا عجز ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جیسی تعریف کرنے کا حق ہے ویسی تعریف کرنا ممکن نہیں۔

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مطلوبہ تعریف ہی ماسوا اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے اجتماعاً بھی ممکن نہیں تو اس جناب میں تجاوز ومبالغہ کا تصور بھی کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس حوالے سے میں مولانا مختار احمد بہیڑوی صاحب کا ایک شعر نقل کرنا چاہوں گا جس میں مولانا صاحب نے حدود شرعیہ کی بہت اچھی ترجمانی کے ساتھ اہلسنّت وجماعت کی بھی ترجمانی کی ہے جس سے لفظ مبالغہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ؎

ہر طرح تعظیم ان کی صرف سجدہ چھوڑ کر　　مسلک اہل سنن میں جائز ومحمود ہے

واضح ہو کہ شعر میں لفظ ''سجدہ'' عبادتوں کے کنائے کے طور پر بیان ہوا ہے جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ عبادت کی قبیل کے تمام امور کے استثناء کے بعد ہر طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف، تعظیم وتوقیر اہلسنّت وجماعت کے نزدیک محمود ومستحسن ہے۔ اور صحابہ کرام سے تا حال ابن

اُبَیّ اور مہبیت زدہ ذہنوں کو چھوڑ کر تمام مسلمان اسی کے قائل ہیں اور اسی پر عامل ہیں۔ کیونکہ۔ ؎

اعلان جس کا کر رہا قرآن ہے کہ بس   کونین کے امام کی وہ شان ہے کہ بس   فائزؔ فتح پوری

(20) ایک ضروری گزارش۔ تمام قلمکاروں نے خوشنودیٔ مولاء کریم عزشانہ محبت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مجلّہ کی وقعت و وقار کے پیشِ نظر ان کے نزدیک جو صحیح تھا، وہ بیان کیا اور احقر نے بھی انہیں امور کے پیش نظر جو حق وصواب سمجھا، وہ بیان کیا۔ کسی کی ہتک، یا دل آزاری کا قطعی کوئی ارادہ حائشۂ خیال میں بھی نہیں ہے، پھر بھی اگر کسی کو ٹھیس پہنچے تو عفو و درگزر کی امید رکھتا ہوں کہ معاف کرنے والا بہر حال بڑا اور جزائے دارین کا مستحق ہے۔

☆☆☆

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور)

''دبستان نعت'' کے شمارہ نمبر ۴ پر بے لاگ تبصرہ

''دبستان نعت'' کا چوتھا شمارہ جنت نگاہ بنا۔ یہ اپنے اہم مواد و مشمولات کے اعتبار سے گنج گرانمایہ ہی کہا جا سکتا ہے، مبارک باد۔ رسالہ کھولتے ہی فارسی کے تین اشعار سے آنکھیں منور ہوتی ہیں کاش آپ نے شاعر کا نام بھی بتلا دیا ہوتا، کیا خوب کہا ہے۔ ؎

بریں نازم کہ ہستم امت تو   گنہگارم و لیکن خوش نصیبم

بار بار دہرانے کو جی چاہتا ہے۔ بہت ہی حلاوت بخش شعر ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید کی کاوشیں بھی لائق تحسین ہیں۔ اداریہ میں آپ نے ''نعت گوئی بہت ہی مشکل فن ہے'' جیسے نظریہ کو فرسودہ اور قیاس مع الفارق قرار دیا ہے، مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ نعت گوئی بلا شبہ ایک مشکل فن ہے۔ تمام معروف، مستند اہل علم و ادب کا اس کی صداقت پر اجماع ہے کسی ایک دو صاحب کے اختلاف کرنے سے یہ متفق علیہ نظریہ غلط نہیں ہو سکتا۔ عرؔفی شیرازی کا آفاقیت بداماں شعر ہمیشہ اپنی حقانیت کا اعتراف کراتا رہے گا۔ ؎

عرؔفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا   آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

ہاں کسی کا یہ کہنا کہ ''نعت گوئی میں شعرا نے غلو سے کام لیا ہے۔'' سراسر بے اصل و بے اساس ہے۔ ایسی بات وہی کہے گا جس کا مطالعہ ناقص اور محدود ہوگا اور عظمت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل سے قائل نہ ہوگا۔ غلو کے تعلق سے ڈاکٹر راہی فدائی نے ''دبستان نعت'' کے تیسرے شمارے میں بڑی عالمانہ بحث کی ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔

''تابشِ فکر و نظر'' کے عنوان کے تحت کئی مضامین ہیں۔ ان میں پروفیسر عبدالحق کا مقالہ ''ذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمالیات قرآن ولؔی کے حوالے سے'' بہت ہی پُر مغز اور گرانمایہ ہے۔ موصوف کا اردو کے ایک مستند ادیب و ناقد کی حیثیت سے علمی و ادبی حلقوں میں نیک نام ہے۔ انہوں نے بڑی محبت سے اپنے موضوع کا احاطہ کیا ہے۔ ولؔی کے کئی نعتیہ اشعار انہوں نے نقل کئے ہیں ان

میں یہ عقیدت افروز شعر بھی شامل ہے جو ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کے لئے بطور خاص توجہ طلب ہے (اس کی تفصیل آئندہ سطور میں آ رہی ہے) شعر ملاحظہ ہو۔

یٰسین و طٰہٰ والضحیٰ نازل ہوئے تھے تجھ شان میں
واللیل اور والشمس میں تجھ زلف و مکھ کی شان میں (ص ۳)

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے اپنے اہم مقالہ ''چنداین مولانا دوؤد ڈلمی اور نعت شریف ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' میں واقعی تنقید وتحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ مبارک باد، ایک گم شدہ جوہر قابل کو کس طرح منظر عام پر لایا جاتا ہے کوئی موصوف سے سیکھے۔ تحقیق بڑی دماغ سوزی، صبر آزما اور پتہ مار کام ہے۔ ڈاکٹر آزاد ان صفات کے حامل ہیں اس لئے مثنوی ''چنداین'' کو روشناس خلق کرانے میں انہوں نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے انہوں نے اردو کے معروف ناقد پروفیسر وہاب اشرفی کی صحیح گرفت کی ہے کہ موخرالذکر نے اپنی کتاب تاریخ ادب اردو میں مُلّا داؤد اور مثنوی چنداین کا نام تک نہیں لیا ہے۔ جبکہ اشرفی صاحب پٹنہ سے محض تیس میل کی دوری پر واقع مشہور قصبہ منیر شریف کے رہنے والے تھے۔ وہاب صاحب سے ان کی یہ شکایت بھی بجا ہے کہ ناقد موصوف نے نعت پاک کی صنفی حیثیت کو شعوری طور پر نظر انداز کیا ہے۔ ڈاکٹر آزاد نے مثنوی ''چنداین'' کے حوالے سے کئی خوبصورت اور روح پرور نعتیہ اشعار نقل کئے ہیں میں بخوفِ طوالت ایک شعر اور اس کا ترجمہ بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں۔

جِہِہ جیبھا یَہہ ناؤ نہ لیجا بَر سِیرَ کاٹ آگن مُکھ دیجا

جس کی زبان نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس نام نہیں لیا، اس کا سر کاٹ کر جہنم کے منھ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ (ص ۸۹)

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد کو اتنے جاندار اور شاندار مقالہ کے لئے ایک بار پھر مبارک باد۔

آج بطور خاص مجھے ''تابشِ فکر ونظر'' کے تحت ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کے مضمون ''موجِ کوثر کا قرآنی تجزیہ'' کے تعلق سے کچھ کہنا ہے۔ قرآنی تجزیہ کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو احادیثِ طیبہ سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اگر یہی معیار وگفتار ٹھہرا تو پھر تمام نعت گو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نعتیہ اشعار خلاف قرآن ہی قرار پائیں گے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر کی تائید میں بظاہر کوئی آیت نہیں پیش کی جا سکتی ہے۔ ان کا ماخذ شمائل نبی اور سیرت طیبہ ہے قرآن نہیں، جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار۔

و احسن منك لم تر قط عینی　　　و اجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرا من کلّ عیب　　　کانك قد خلقت کما تشاء

یارسول اللہ آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ جمیل بچہ کسی ماں نے نہیں جنا۔ آپ تمام عیوب سے پاک وصاف پیدا کئے گئے گویا آپ نے جس طرح چاہا قدرت نے اسی طرح آپ کی تخلیق فرمائی۔

کیا فرمائیں گے اصلاحی صاحب! حضرت حسّان کے ان شعروں کے بارے میں؟ یہ موافق قرآن ہیں یا مخالف قرآن؟ یاد رہے کہ یہ وہ خوش نصیب شاعر بارگاہ نبوت ہیں جن کے کلام کو سننے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف میں منبر کا التزام فرماتے تھے اور ان کا کلام سن کر **اللھمّ ایّدہ بروح القدس** کا مژدہ سُناتے۔ میرے نزدیک اصلاحی صاحب کا پورا مضمون ہی علمی کم مائیگی کج فکری اور کج فہمی کا شاہکار نمونہ ہے مثالیں ملاحظہ ہوں ''نعتیہ شاعری ایک کشکول اور ڈھونگ بن چکی ہے اس کے سہارے ڈھول پیٹے جاتے ہیں رقص وسرود کی محفلیں آباد کی جاتی ہیں'' (ص ۱۲۰)

ان جملوں سے صاف جھلک رہا ہے کہ نعتیہ نغمات مضمون نگار کے لئے ناقابلِ برداشت ہیں، ان کے سینے پر آرے چل رہے ہیں۔ ورنہ پورے نعتیہ سرمایہ پر خط نسخ کھینچ دینا جارحانہ فکر کی انتہا ہے۔ پھر وہ سوال کرتے ہیں کہ ''کیا آج کی نعتیہ شاعری اور نعت خوانی اسی قرآنی اصول کی پابند ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ نعت خوانی اور غزل سرائی میں قلیل تفاوت رہ گیا ہے۔'' میرا جواب ہے ہاں ہاں! صد فیصد قرآنی اصول کی پابند ہے اگر اس اصول سے کہیں انحراف ہے تو مستند نعت گو شاعروں کے کلام سے مثال دے کر ثابت کیجئے جو آپ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ مضمون نگار کی یہ ہرزہ سرائی بھی ملاحظہ ہو:

> ''نعت گوئی اور نعت خوانی خود ستائی اور اظہار ذات کے سوا عصر حاضر میں کچھ نہیں۔ اس کا حبّ رسول اور ذکر رسول سے کوئی تعلق نہیں۔'' (ص ۱۲۰)

بالکل غلط اور لغو خیال ہے آج کی نعت خالص نعت ہے اور حبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معمور ہے۔ لیکن۔

آنکھ والا تیرے جلووں کا تماشہ دیکھے　　　دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

مضمون نگار نے اسی طرح کا ظلم صفحہ ۱۲۱ پر بھی کیا ہے۔ ''موجِ کوثر شرکیہ خیال سے پاک ہے۔ جبکہ نعتیہ شاعری کا ایک بڑا حصہ شرک اور موضوع روایات سے مملو ہے۔''

نعتیہ شاعری کے ایک بڑے حصے کو شرک اور موضوع روایات سے مملو قرار دینا اپنے مطالعہ کی

سطحیت اور بدعقیدگی کا اشتہار دینے کے مترادف ہے۔ مزید یہ کہ مضمون نگار کی نظریں عظمتِ رسول علیہ السلام کے آفتاب عالم تاب کے سامنے چکا چوند ہوگئیں ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مضمون نگار ''تقویۃ الایمان'' عقائد کے قائل ومبلغ ہیں جن کے نزدیک نبی کی حیثیت بڑے بھائی سے زیادہ نہیں معاذ اللہ! مضمون نگار یقینی طور پر شرک کی تعریف ہی سے نابلد ہے اور اس کے نزدیک ہر وہ حدیث ضعیف اور موضوع ہے جس میں عظمتِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بوقلموں جلوے نظر افروز ہوں دراصل مضمون نگار کے فکری مورثِ اعلیٰ علمائے سوء یعنی علمائے سعودیہ ہیں جن کو قرآن ہی میں مشرکانہ تعلیم نظر آتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رؤف ورحیم قرار دیا ہے جو خاص اس کی اپنی صفت ہے لہٰذا ان کے خیال باطل میں شرک ہوگیا ملاحظہ ہو'' شرح بالِ جبرئیل'' از پروفیسر یوسف سلیم چشتی:

> ''میں ۱۹۴۶ء میں جب حج کے لئے گیا تو اس خیال سے کہ جس ملک کا بادشاہ شریعت کا اتنا پابند ہے کہ اس نے سیدالشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار زمین کے برابر کردیا اور مسجد نبوی میں حضور کے اسمائے مبارکہ میں سے رؤف اور رحیم کو مٹا دیا۔ محض اس لئے کہ ان سے شرک کی بو آتی ہے۔''

بحوالہ (شرح جبرئیل ص ۳۷۰ ناشر اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی)

معاذ اللہ صد ہزار بار معاذ اللہ! جب قرآن ہی ان کے نزدیک معلم الشرک کتاب ٹھہری تو ان کو کتاب التوحید کہاں ملے گی؟ اور ایمان کہاں سے نصیب ہوگا؟

آپ خود اپنی اداؤں پہ نظر فرمائیں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

مضمون نگار نے صفحہ ۱۲۵ پر اسی طرح کی بکواس کی ہے۔

''نعتیہ شاعری میں بہت سے خیالات بے بنیاد ہیں'' میرے نزدیک اس طرح کا خیال ہی بالکل باطل اور بے بنیاد ہے۔ قلت مطالعہ کے نتیجے میں اس طرح کی الزام تراشی کی جاتی ہے۔ مضمون نگار کو صنف نعت ہی سے بغض وعداوت ہے تو انہوں نے اقبال سہیل کے کمزور کندھوں پر بندوق رکھ کر ہوائی فائرنگ کی ہے وہ لکھتے ہیں ''نظم قرآن کی روشنی میں دونوں (طٰہٰ ویٰسین) کو سرورِ کائنات سے منضبط کرنا مناسب نہیں ہے۔ اقبال سہیل کا تعلق چونکہ مولانا فراہی سے تھا اس لئے انہوں نے ان حروف مقطعات سے سرورِ کونین کو مراد نہیں لیا ہے بلکہ ان کے نزدیک ان دونوں سے دو سورتیں مراد ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں۔'' ہرگز نہیں ان دونوں حروف مقطعات یعنی طٰہٰ و

یٰسین سے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات پاک اقبال سہیل نے مراد لیا ہے قرآن کی دو سورتیں نہیں جیسا کہ آپ کے تو ھّب زدہ ذہن نے سمجھا ہے شعر یہی تو ہے۔

طٰہٰ اور یٰسین کا مورد، قبلۂ ایماں کا مولد دولت سرمد جس کا مقدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

افسوس یہ ہے کہ آپ نے اپنے ممدوح مولانا اقبال سہیل کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا اور آپ کی اس تشریح سے ان کی روح قبر میں پیچ و تاب کھا رہی ہوگی۔ آپ نے مولانا کے حوالے سے بات کی ہے وہ آپ کے نزدیک مستند ہو سکتے ہیں ورنہ علمائے کرام کی خاصی تعداد نے ان کو بھی جادۂ اعتدال سے بھٹکا ہوا قرار دیا ہے۔ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔

آپ کے بقول نظم قرآن کی روشنی میں طٰہٰ و یٰسین کو سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منضبط کرنا مناسب نہیں کیوں؟ یہ فتویٰ یہ فرمان جاری کرنے کا اختیار آپ کو کہاں سے حاصل ہو گیا۔

اصلاحی صاحب کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ خود ان کے اور تمام غیر مقلدین وہابیوں کے معتمد علیہ مترجم قرآن مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی طٰہٰ و یٰسین سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات و صفات ہی مراد لیا ہے ملاحظہ ہو۔

''طٰہٰ اے بندۂ خدا''، یعنی رسول خدا۔ صفحہ ۳۷۰

''یٰسین اے انسان کامل''، یعنی سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفحہ ۵۲۷

(شائع کردہ مکتبہ مولانا ثناء اللہ امرتسری اکیڈمی، دہلی ۶)

پتہ چلا کہ اکثر علمائے سلف نے طٰہٰ و یٰسین کو خدائے پاک کی جانب سے حضور کے پیارے القاب ہی پر محمول کیا ہے اور یہ ہرگز ہرگز نظم قرآن کے منافی نہیں جیسا کہ آپ کی کوتاہ نظری نے سمجھا ہے۔ شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبالؔ متفقہ طور پر علمائے سلف اور اخیارِ امت کے طریقے پر سختی سے قائم تھے اس لئے انہوں نے پورے شرحِ صدر کے ساتھ عشقِ رسول میں ڈوب کر کہا ہے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر وہی طٰہٰ وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین

آپ اپنے ممدوح مولانا اقبال سہیل کی نعت گوئی پر نازاں ہیں اور ان کا قرآنی تجزیہ کرتے ہیں کیا ان کا درج ذیل شعر نظم قرآن کی روشنی میں درست ہے؟

خلق خدا کا راعی آخر، دین خدا کا داعی آخر جس کی دعوت اسلم تسلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نص قرآن سے جب خود خدائے ذوالجلال نے ''راعنا'' کہنے سے منع فرما دیا اور مومنوں کو حکم دیا کہ اس کی جگہ ''انظرنا'' کہا کرو تو اب اقبال سہیل صاحب شعر میں

حضورانور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو'' راعی آخر'' قرار دینے کا جواز کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ آپ کو اعتراف کرنا ہوگا کہ اُن کی فکر وفہم نے یہاں سخت ٹھوکریں کھائی ہیں اور آپ خود ان کی کمزور وکالت کر کے شریعت کی نظر میں مجرم قرار پا چکے ہیں۔آپ کا یہ کہنا کہ'' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے قراری کا مشاہدہ راعی سے کیا جا سکتا ہے۔'' انتہائی گمراہ کُن خیال ہے۔اسی موقع پر یہ کہا جاتا ہے۔ ؎

کہ چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

آپ نے ایک اور مقام پر سوادِ اعظم اہلِ سنت کے موقف سے صریحاً انحراف کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

'' بالعموم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفیع الامم ہیں اپنی شفاعت سے ملت اسلامیہ کے گناہوں کی معافی فرمائیں گے جبکہ یہ تصور قرآن کریم سے متصادم ہے۔''

ہرگز نہیں! قرآن پاک میں جا بجا آپ کی شفاعت کبریٰ کا بیان آیا ہے اور خود آپ کے ممدوح اقبال سہیل نے بھی قرآن پاک ہی کے حوالے سے حضور کو شافع محشر قرار دیا ہے اور آپ ان کے شعروں کا قرآنی تجزیہ بھی کر رہے ہیں ملاحظہ کریں۔ ؎

شافع محشر، ماحیِ عصیاں، حامیِ مضطر، حارسِ گیہاں ساقیِ کوثر، وارثِ زمزم، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اس شعر کی روشنی میں یا تو آپ خود اپنی اصلاح کرلیں یا سہیل صاحب کے شعر کی اصلاح کردیں۔ ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

آپ نے یہ لکھنے کی بھی ناروا جسارت کی ہے کہ'' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا اختیار نہیں کہ جسے چاہیں جنت میں داخل کروا دیں۔'' (ص ۱۴۲)

قطع نظر اس سے کہ آپ کا یہ طنزیہ اور ہجویہ انداز بارگاہِ رسالت میں اہانت کے مترادف ہے۔ تاریخ وسیر کی کتابوں میں سیکڑوں صحابۂ کرام کے نام ملتے ہیں جن کو آپ نے جنت کی بشارت دی ہے ان کو اگر نہیں مانتے عشرۂ مبشرہ کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ ان مقدس نفوس کو حضور نے اپنے اختیارِ خاص سے جنت کی بشارت دی ہے اس پر از سلف تا خلف تمام علماء ومحدثین کا اتفاق ہے اور اس پر ایک طرح کا اجماع ہے مگر افسوس آپ نے عظمتِ رسول کے انکار میں تفرد کی راہ ڈھونڈ ھ لی ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث پاک **اِتّبِعُوا السّوادِ الاَعظم فَاِنّہ مَن شَذّ شُذّفِی النّارِ** کے پیشِ نظر آپ کا کہاں ٹھکانہ ہوگا سوچ لیجئے علاوہ ازیں بخاری شریف کی حدیث شفاعت جس کے سامنے ہوگی وہ ہرگز ایسی گمراہ کُن بات نہیں کرے گا۔

آخر میں آپ نے یہ زبان دارزی بھی کی ہے کہ۔

''اب تک ایسا کوئی نعت گو نہیں ہے جسے اقبال سہیل کا متشابہ و متقارب قرار دیا جاسکے۔'' ایسے ہی موقع پر کہا جاسکتا ہے۔ ؎

چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

اردو کے معروف و مستند نعت گو شاعروں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، علامہ حسن بریلوی، محسن کاکوروی، حضرت امیر مینائی، حضرت بیدم وارثی اور علامہ اقبال وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ آج تک کسی ذمہ دار اہلِ قلم اور عالم نے اقبال سہیل کو اس صف میں شامل نہیں کیا ہے آپ اگر اپنے ممدوح کو بے مثال ثابت ہی کرنا چاہتے ہیں تو اہلِ نقد و نظر سے پوچھ لیں کہ ان کی جگہ کہاں ہونی چاہیے۔

''تابشِ فکر و نظر'' کے تحت تنویر پھول صاحب کا وقیع مضمون ''وفات النبی، حیات النبی اور میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی خوب ہے اور بعض کم نظر معترض کے لئے چشم کشا بھی۔ آپ نے یعنی ڈاکٹر سراج احمد قادری نے ہندوستان میں امام احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے موضوع پر تحریر کئے گئے چار اہم تحقیقی مقالوں کا بہت ہی عمدہ اور جامع تعارف کرایا ہے۔ واقعی یہ چاروں مقالے اپنی مثال آپ ہیں مجھے اس لئے بھی خوشی ہے کہ پہلا تحقیقی مقالہ جو بعنوان ''حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت'' ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی کا تحریر کردہ ہے۔ ہند و پاک میں حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری پر پہلا تحقیقی مقالہ ہے اور میری نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ نے بھی وضاحت کردی ہے۔

''افکار روشن کے تحت'' بھی بڑے اچھے اچھے مضامین آپ نے شائع کئے ہیں۔ ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن، جناب اقبال اعظمی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ڈاکٹر رشاد عثمانی، جناب فاروق جائسی اور قاری محمد رفیق فائز فتح پوری، یہ تمام معتبر بلکہ مستند قلم کاروں میں ہیں، ان کی تحریروں کی گراں مائیگی کا کیا پوچھنا، ان تمام حضرات کے تعلق سے کچھ لکھنا طوالت بحث کو دعوت دے گا۔ اس لئے میں صرف اوّل الذکر یعنی ڈاکٹر محمد احمد عبدالرحمٰن صاحب کے مضمون کے تعلق سے کچھ عرض کرنا چاہونگا۔ وہ عربی اور اردو زبان میں نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اجمالی جائزہ لیتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں:-

> ''حالی کے اشعار اس مبالغہ آرائی، تکلف اور تصنع سے پاک ہیں جو خود کو غلام مصطفیٰ کا لقب دینے والے شاعر شیخ احمد رضا خاں وغیرہ جیسے دیگر شعراء کے یہاں پائے جاتے ہیں۔'' (ص ۲۷۶)

یہاں مضمون نگار کی نگاہ نقد و نظر نے امام احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے سخت ٹھوکر

کھائی ہے۔ کیونکہ حضرت رضؔا کے یہاں مبالغہ آرائی، تکلف اور تصنع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کا کوئی شعر سمجھ میں نہیں آتا ہو تو اسے اپنے مطالعے کی محدودیت اور قلت فہم پر محمول کرنا چاہیے۔ حضرت رضؔا کی عالمانہ ذمہ داری اور شاعرانہ احتیاط پسندی پر ان کا درج ذیل شعر ناطق ہے۔

لیکن رضؔا نے ختم سخن اس پہ کر دیا   خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

ایسے محتاط و متدین نعت گو کے یہاں مبالغہ کی میم کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

''زاویۂ نگاہ'' کے تحت جناب اقبال اعظمی، پروفیسر مجید بیدار، جناب فاروق جائسی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، قاری محمد رفیق فائزؔ فتح پوری اور شہیر رضوی صاحب کی تحریریں فکر انگیز ہیں اور لائق استفادہ بھی۔ محترم اقبال اعظمی گھوسوی نے اس بار پھر مجھ پر کرم فرمایا ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں۔

''یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ عزّ وجلّ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن میں کہیں نہیں پکارا۔''

مجھے اب بھی اپنے خیال کی صحت پر اصرار ہے۔ قرآن پاک میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم ذات تین نہیں جیسا کہ آپ لکھتے ہیں، بلکہ چار مقامات پر آیا ہے۔ لیکن ایک مقام پر بھی آپ کو پکارا نہیں گیا ہے۔ پکارنے کا تصور یہ ہے کہ لفظ ''یا محمدؐ'' کہیں نہیں آیا ہے جیسے یا آدم، یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا یحییٰ، یا عیسیٰ وغیرہ۔

امید کرتا ہوں اب آپ مطمئن ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر رضوان انصاری نے میری کتاب ''ازہار مدینہ'' پر اچھا تبصرہ کیا ہے، ان کا شکریہ۔

☆☆☆

پروفیسر مجید بیدار (حیدر آباد)

کتابی سلسلہ ''دبستان نعت'' کا چوتھا ضخیم شمارہ

ہندوستان کی سرزمین سے نعت گوئی کے فروغ کے جذبے جاری رکھنے کے عزم مسلسل کے ساتھ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے باضابطہ ''دبستان نعت'' کے شمارہ کی اشاعت کا آغاز کیا ہے۔ سارے ملک میں حمد ونعت کے فروغ کے لئے شائع شدہ یہ شمارہ اس لئے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ ہر سال اس شمارہ کی خصوصی اشاعتوں میں نکھار پیدا ہورہا ہے۔اس طرح رسالے کا چوتھا ضخیم شمارہ جنوری تا دسمبر 2019ء کی نمائندگی کرتا ہے' جس کی سرپرستی سید صبیح رحمانی انجام دے رہے ہیں جو نعت ریسرچ سنٹر انٹرنیشنل کراچی کے سربراہ کا درجہ رکھتے ہیں جبکہ اس ضخیم رسالہ کی نگرانی کا کارنامہ نیویارک سے فیروز احمد سیفی انجام دے رہے ہیں۔اس رسالہ کے مدیر کی حیثیت سے ڈاکٹر سراج احمد قادری نہ صرف تدوین وترتیب کا حق ادا کررہے ہیں، بلکہ نادر ونایاب مقالہ جات کو کتابی سلسلہ میں شامل کر کے عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ پیپر بیاک ایڈیشن اور خوبصورت ہمہ رنگی سرورق پر مشتمل یہ شمارہ 680 صفحات پر محیط ہے' عمدہ کاغذ اور اغلاط سے بے نیاز حد درجہ تصحیح شدہ کتابت اور دیدہ زیب اشاعت سے، اندازہ ہوتا ہے کہ مدیر کی دلچسپی نہ صرف نعت سے عقیدت کا حق ادا کررہی ہے، بلکہ نعت لکھنے والے شاعروں، مقالہ نگار اور ادیبوں سے بھی ان کا روحانی رابطہ قائم ہے۔اس قدر ضخیم اور باوقار جریدہ شائع کرنے پر ڈاکٹر سراج احمد قادری کو مبارکباد دی جاتی ہے۔خوب سے خوب تر کی تلاش مجلس مشاورت کا نصب العین ہے۔جس کے ذریعہ یہ مجلّہ نہ صرف امن وشانتی کا گہوارہ بن گیا ہے اور ہندوستان کی سرزمین میں حد درجہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔اسی کے ساتھ بیرون ممالک میں بھی اس کی خوب پذیرائی ہورہی ہے۔سرورق کے بازو کے صفحہ پر فارسی نعت کے خوبصورت اشعار کتابت شدہ درج کئے گئے ہیں،جس کے بعد کتاب کا انتساب اردو نعت کے اوّلین تخلیق کار حضرت ملا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے جنہوں

نے اپنی مثنوی '' چندائن'' 781ھ م 1379ء میں نعت گوئی کا آغاز کر کے ہندوستان میں شرف اولیت حاصل کرلیا، جس کے بعد پاکستان کے مشہور شاعر ڈاکٹر ریاض مجید کی طویل نظم ''دبستان نعت'' کو دو صفحات میں پیش کیا گیا ہے اور اسی شاعر نے دبستان نعت کی اشاعت پر سال تالیف منظوم انداز سے پیش کیا ہے۔ اس رسالہ کی فہرست کے لئے ''نور و نکہت'' کا عنوان منتخب کیا ہے اور اداریہ کے ذریعہ مدیر نے اپنے نمائندہ خیالات کو اظہار کے سانچے میں ڈھالا ہے، جس کے بعد ''تحمید و تقدیس'' کے زیر عنوان پانچ حمدیہ کلام شامل اشاعت ہیں اس کتابی سلسلہ کا دوسرا عنوان ''تابش فکر و نظر'' ہے جو دس مقالوں کی پبلسٹی کا مظہر ہے اور پھر ''افکار روشن'' کے زیر عنوان نعت گو شعراء کے کلام اور ان کی نعتیہ خصوصیات کا تجزیہ شامل کیا گیا ہے' جس میں 19 مقالات کو جگہ دی گئی ہے۔ اس کتابی سلسلہ میں ''زاویہ نگاہ'' کے توسط سے ''دبستان نعت'' کے سابق شمارہ کے تجزیہ نگاروں کے تبصرے شامل کئے گئے ہیں جو 9 موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان موضوعاتی ترتیب کے بعد نعتیہ شعری مجموعوں پر شائع شدہ تبصروں کو'' کائنات نعت'' کی حیثیت سے اجاگر کیا گیا ہے جس میں پانچ تبصرے شامل ہیں اور آخر میں '' گلہائے عقیدت'' کے زیر عنوان 32 شاعروں کا نعتیہ کلام کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اس پیشکش یعنی ''دبستان نعت'' کے مطالعہ کے بعد جن ادب دوستوں نے ''ستائش نامے'' لکھے۔ ان کی نمائندگی 16 اہل قلم حضرات سے کی گئی ہے۔ ان کے خطوط سے ''دبستان نعت'' کی عظمت اور وقار کا اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح 80 سے زیادہ قلم کاروں کے فکر' دیگر خیالات اس شمارہ میں شامل کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ''دبستان نعت'' بلاشبہ انڈو پاک کا ایسا جامع اور قابل مطالعہ رسالہ ہے کہ جس میں اپنے عصر کی بھرپور نمائندگی شامل ہے۔ غرض ڈاکٹر سراج احمد قادری کی جستجو اور ان کے معاونین کی کارکردگی کو سراہا جانا چاہئے کہ اس قدر جامع اور اہم موضوعات پر نثر اور شاعری کے ذخائر پیش کر کے ڈاکٹر سراج احمد قادری نے بلاشبہ جنت میں اپنے لئے نور کے گھر کی تعمیر کا ارادہ کرلیا ہے۔ ''تحمید و تقدیس'' کے زیر عنوان لکھے گئے حمدیہ کلام میں حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی سالک، تنویر پھول، علامہ اقبال اعظمی، شارق عدیل مارہروی، محمد اسماعیل سروہوی قمر بستوی کی تخلیقات سے روح کی بالیدگی اور قلب و نظر کی پاکیزگی کا حق ادا ہوتا ہے۔ ''تابش فکر و نظر'' کے قلم کاروں میں پروفیسر عبدالحق، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری برہانپوری، ڈاکٹر محمد آصف امرواتی، ڈاکٹر راہی فدائی، ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری، ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل راٹھوری اور تنویر پھول کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر سراج احمد قادری مدیر مجلّہ کے مقالات سے نعت گوئی کی کہکشاں منور

نظر آتی ہے۔ ''افکار روشن'' کے زیر عنوان ڈاکٹر محمد احمد عبدالرحمٰن، علامہ اقبال اعظمی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی، فاروق جائسی، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعداللہ، ڈاکٹر محمد مختار عالم صابری، ڈاکٹر ایم نصراللہ نصر، ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی، قاری محمد رفیق فائز، الحاج سید محمد مفیض الدین قادری، ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی، محمد عامل بدایونی، ڈاکٹر شاہد احمد جمالی، توصیف بریلوی، ڈاکٹر رضوان انصاری امجدی، قاضی سید وحید احمد میر غلام حسین، رشید اختر خان کی تخلیقات کے بعد ''زاویہ نگاہ'' کے توسط سے ''دبستان نعت'' کے تیسرے شمارہ کا احاطہ کرنے والے مبصرین میں شامل اقبال احمد گھوسی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، پروفیسر مجید بیدار، فاروق جائسی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، علامہ عتیق اثر ندوی، محمد رفیق قاضی فائز، شہیر رضوی اور حلیم صابر کے تبصرے اس کتابی سلسلہ کی رونق میں اضافہ کرتے ہیں۔ ''کائنات نعت'' کے توسط سے پانچ اہم نعتیہ مجموعوں پر پروفیسر مجید بیدار، ڈاکٹر رضوان انصاری قادری، مرزا ساجد حسین ساجد امروہی، ڈاکٹر رضوان انصاری اور توفیق احسن برکاتی کے تبصروں کو نمائندگی دی گئی ہے جس کے بعد باضابطہ طور پر ''گلہائے عقیدت'' کے نام سے مختلف نعت گو شعراء کے کلام کو شامل اشاعت کیا گیا ہے، جن میں علامہ سید محمد نعیم الدین نعیم مرادآبادی، علامہ ریحان رضا خان ریحان بریلوی، حافظ جلیل حسن جلیل، حضرت شاہ وجیہ الدین احمد خان وجیہ رامپوری، علامہ عبدالجبار رہبر اعظمی، پروفیسر مجید بیدار، ڈاکٹر راہی فدائی، تنویر پھول، ڈاکٹر آصف آدر، حسین منزوی، فاروق جائسی، مقصود علی شاہ مقصود، شبنم رومانی، عرش صہبائی، بشیر الحق بشیر، ڈاکٹر مبشر احمد نشتر، رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر سعید روشن، سید محمد فاروق چشتی، سید عبدالمنان راہی چشتی، سیدہ مسرت جہاں بیگم شفیق نوری، ڈاکٹر سید چندہ حسینی اکبر، الحاج قاری حیدر علی حیدر برہانی، درشہوار نرگس، ڈاکٹر شائستہ یوسف، ڈاکٹر ظلی وبھا نازلی، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ضیاء مدنی، نسرین، مشتاق سیوانی، مولانا نظام الدین نظام بستوی، ڈاکٹر فاطمہ زہرہ اور ڈاکٹر شاہ خلیل الرحمٰن خلیل بانسوی کا سلام بھی شامل ہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ نعت کے گلہائے عقیدت لٹانے والے افراد میں خواتین بھی شامل ہیں اور اس کے ساتھ ہی ایک غیر مسلم خاتون کو بھی نمائندگی دی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نعت کے ذریعہ مدحت رسول کا حق ادا کرنا دنیا کی ہر مذہب کی شخصیت کا وطیرہ رہا ہے۔ ستائش ناموں میں ڈاکٹر محمد شعائراللہ خان وجیہی، سلمان کبیر نگری، قاری محمد رفیق قاضی فائز فتح پوری، عرش صہبائی، بشیر الحق بشیر، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعداللہ، شارق عدیل مارہروی، ڈاکٹر آفاق فاخری، سمیہ ناز اقبال، رشید اختر خان، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، الحاج سید محمد مفیض الدین قادری، ڈاکٹر سید چندا حسینی اکبر اور امجد جاوید کے خطوط

بھی کتاب کی زینت میں اضافہ کرتے ہیں۔ سرورق کے آخر میں پروفیسر عبدالمنان طرزی کی شعری حیثیت کو نمائندگی دینے کے لئے ''منظوم تاثرات'' پیش کئے گئے ہیں جو انہوں نے ''دبستان نعت'' کے شمارہ نمبر۲ کے مطالعہ کے بعد پیش کئے ہیں' ان منظوم تاثرات میں اس شمارہ کی عمدہ صلاحیتوں کا اقرار بھی موجود ہے، غرض ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں نعت ریسرچ سنٹر انڈیا کے توسط سے شائع شدہ یہ رسالہ 500 روپے ہدیہ ادا کر کے محلّہ بنجریہ ویسٹ خلیل آباد 272175 'ضلع سنت کبیر نگر' یوپی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یا پھر موبائل پر 7985754611 سے رابطہ قائم کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ drsiraj123@gmail.com سے رابطہ قائم کر کے بھی دبستان نعت کی اس یادگار اور ضخیم جلد کو اپنے کتب خانوں کی زینت بنایا جا سکتا ہے۔ توقع ہے کہ علم دوست حضرات ضرور اس اہم شمارہ کا دل کی گہرائیوں سے استقبال کریں گے۔

☆☆☆

شہیر رضوی (کھیری، یوپی)

''دبستان نعت'' جلد نمبر ۴۔ایک کامیاب کوشش

''دبستان نعت جلد نمبر ۴ /ایک کامیاب کوشش۔''ادبی دنیا سے آنے والے اخبارات، رسائل اور مجلّات میں مجھے جن کا بیتابی سے انتظار رہتا ہے ان میں ایک نام ''دبستانِ نعت'' کا بھی ہے اور کیوں نہ ہو؟ جو کام ابھی تک کوئی اخبار یا رسالہ نہ کر سکا ''دبستان نعت'' کامیابی کے ساتھ کر رہا ہے۔ نعت شامل نصاب اور اصناف سخن میں تسلیم کی جائے۔ فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کی کوشش رنگ لا رہی ہے۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی کے جدید نصاف (ایم.اے.اردو پرچۂ اول) میں اکابر شعراء کی نعوت اور قصائد کے کچھ اشعار شامل ہیں۔ گورکھپور یونیورسٹی، گورکھپور اور ہری سنگھ گوڑ یونیورسٹی (ساگر مدھیہ پردیش) میں بھی نعت شامل نصاب ہو چکی ہے۔ اللہ رب العزت کے فضل سے اور صاحب نعت حضور آقا علیہ السلام کے فیض سے ''دبستان نعت'' کو مکمل کامیابی مل کے رہے گی۔ سبھی حضرات سے میری مؤدبانہ گزارش ہے کہ ڈاکٹر سراج احمد قادری کا خوب جی بھر کے ساتھ دیتے رہیں۔

فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ ''دبستان نعت جلد-۴۔'' کا سرورق، حضور پرنور جناب مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے حسنہ سے مزین و منور ہے۔ نعت کا "Logo" بے مثال ہے۔ صفحہ-۲ پر شائع اشعار بہت اچھے لگے۔ صفحہ-۳۔ انتساب کا ہے۔ نعت کے اوّلین تخلیق نگار حضرت ملا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ علیہ کے نام منسوب ہے۔ ریاض مجید (فیصل آباد، پاکستان) کے ''دبستان نعت'' پر تاثراتی اشعار بہتر ہیں۔ تاریخی مادّے بھی قابل داد ہیں۔ صفحہ ۷، ۸، ۹، اور ۱۰ کو مشمولات کی فہرست ''نور و نکہت'' کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ آیئے اب صفحے ۱۲ سے ۲۱ تک ملاحظہ کرتے ہیں جو کسی اخبار، رسالہ یا کتابی سلسلہ کے لئے بہت ہی اہم ہوتا ہے وہ ہے ''اداریہ'' اور جب ادارت سنبھالنے والا ڈاکٹر سراج احمد قادری جیسا ہو تو لطف کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔ اب تک کی سبھی جلدوں کے اداریے نہایت علمی، ادبی اور معقول و مناسب ہوتے چلے آئے ہیں۔ موصوف نے اداریے میں ص-۱۲ پر پہلے

کے شماروں پر اہل علم و دانش کی گرانقدر رائے کو تہہ دل سے قبول کیا ہے۔ آنے والے کل کو بہت قریب سے دیکھتے ہوئے علامہ اقبال کا شعر کوڈ کیا۔ اقتباس (۲-۹ تک) میں نعت اور صاحب نعت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتوقیر بیان کی ہے جس میں تشبیہات واستعارات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔

ریاضؔ انصاری گوالیری کی واردات قلبی اور نعت گوئی کی جہتوں کی دلیل میں ان کے جو اشعار پیش کئے گئے عمدہ ہیں۔ چوتھے شعر کا اوّل مصرع خارج از بحر ہے آخر میں فعلن وزن ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری صفحہ-۱۵ پر لکھتے ہیں کہ ''نعتیہ ادب......فرماتے ہیں۔ ان دونوں نظریات کے فرسودہ ہونے کا میں بھی معترف ہوں۔ پہلے نظریے کی تردید میں پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی اور دوسرے نظریئے کی تردید میں ڈاکٹر راہیؔ فدائی کا حوالہ دے کر معترضین کو آئینہ دکھایا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی کتاب مدارج النبوۃ کی روشنی دے کر مزید اطمینان سے مشرف کیا۔

''دبستان نعت'' کے مزاج کو جب مجھ جیسے کم علم نے سمجھ لیا تو بڑے بڑے قلمکاروں کا کہنا ہی کیا؟ ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب بلاشبہ اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ گورکھپور یونیورسٹی، گورکھپور اور روہیل کھنڈ یونیورسٹی میں نعت شامل نصاب ہو ہی گئی تھی، ڈاکٹر سید جمیل راٹھوی کے بقول ''ہری سنگھ گوڑ یونیورسٹی (ساگر، مدھیہ پردیش) میں بھی نعت شامل نصاب ہوگئی ہے۔

باب ''تحمید و تقدیس'' کا آغاز حنیف کیفؔی کے حمدیہ شعر سے کیا گیا ہے جس میں دوسرے مصرعے میں ایک حرف کی کمی ہے۔ حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی سالکؔ بدایونی، تنویر پھولؔ (نیویارک)، علامہ اقبال اعظمی، اور شارق عدیل کی حمد وثنا کے پھول کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔ قمر بستوی کی لکھی حمد کے اشعار غیر منقوط تو ضرور ہیں جو ایک صفت ہے لیکن ''اے مالک دوعالم'' ردیف نباہی نہیں جاسکی ہے۔

''دبستان نعت'' کے دوسرے باب ''تابش فکر ونظر'' کی Opening کے لئے جگر مرادآبادی صاحب کا شعر مذکورہ باب سے کلی طور پر مطابقت رکھ رہا ہے۔ پروفیسر عبدالحق (دہلی) کا مقالہ ''ذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمالیات قرآن وؔلی کے حوالے سے۔'' اپنے میں تمام تر خوبیاں سموئے ہوئے ہے۔ مدیر مجلّہ نے اپنے اداریے میں حق بجانب لکھا ہے کہ ''یہ تحقیقی مقالہ انہوں نے نہایت ہی عرق ریزی اور جاں فشانی سے قلمبند کیا ہے۔''

میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزادؔ ایک مستند محقق اور معتبر مدبر کا نام ہے۔ آپ کی تحقیق وتدبیر قارئین کو عمدہ سمت اور اچھا ذہن دیتی ہے۔ ''دبستان نعت'' کے پہلے شماروں میں

بھی جو مقالات شائع ہوئے میرے اس دعوے کی دلیل ہیں۔ ''چندائن، مولانا داؤد ڈلمئی اور نعت شریف ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ'' کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔اس شمارے کا سب سے ضخیم مقالہ موصوف ہی کا ہے اور وہ بھی تمام خوبیوں کے ساتھ۔ واہ...... اتنی صفحات کا مقالہ ڈاکٹر آزاد صاحب نے تو لکھ کر کمال کیا ہی ہے ساتھ ساتھ ڈاکٹر سراج احمد قادری کی محبت کا جمال بھی ہے۔ صفحہ-۱۱۳ پر ڈاکٹر آزاد، پروفیسر انصاراللہ کے بارے میں اُردو ادب ان کا رہین منت ہے۔ہم بھی فہم و ذکا اعتراف کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کتنی کتب کو حوالے میں پیش کئے؟ مطالعہ کرنے میں کتنی عرق ریزی کرنی پڑی ہوگی اور کتنے دن لگے ہوں گے؟ کہتے ہیں کہ اللہ جب چاہتا ہے، جس سے چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے کام لے لیتا ہے۔

اقبال سہیل کی طویل نعتیہ نظم ''موجِ کوثر'' کو قرآنی تجزیے کے ساتھ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے اپنے مقالہ کا عنوان بنایا۔ یہ نعتیہ ادب میں ایک بہتر اضافہ ہے لیکن کسی ایک مکتبۂ فکر کی حدود میں محدود رہنا، مقالے کے معیار کو متاثر کرتا ہے۔صفحہ-۱۲۰ پر ''علامہ اقبال............ہو رہا ہے۔'' اقتباس کے شروع میں ''اقبال سہیل کی اصل وجہ نعتیہ شاعری ہے۔'' کس چیز کی وجہ نعتیہ شاعری ہے اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ پروفیسر اصلاحی صاحب سبھی نعت گو شعراء کو نعت کی بنیاد پر چرخ شہرت پر چڑھنا بتا رہے ہیں۔ جب کہ ایسا نہیں۔ ''چند'' لفظ استعمال ہونا چاہئے۔نعتیہ شاعری کو کشکول اور ڈھونگ نہ بتا کر کچھ شعراء ہی کو کہنا چاہئے۔ جو خواتین نعت خوانی شرعی حدود سے نکل کر کرتی ہیں وہ ناجائز ہے وہ بھی عریانیت کا مظاہرہ نہیں کرتی ہیں۔ فیروز اللغات صفحہ-۸۹۵ پر عریاں، عریانیت اور عریاں کے معنیٰ حسب ترتیب: ننگا، ننگا پن، ننگا ہونا درج ہے۔اقتباس ہٰذا کے لئے "**ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی**" کا حوالہ بے محل ہے، تفسیر لکھنے کے لئے صفحات چاہئے۔''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مجموعۂ حسنات تھی۔'' کی جگہ ''ہے'' ہونا چاہئے۔ ''دلوں کو جوڑنے کے لئے رفو گری۔'' اپنے محل کے لئے شدید معیوب ہے۔لفظ ''تصویر'' کشی کی جگہ ''منظر کشی'' ہونا چاہئے۔ صفحہ-۱۲۵-۱۲۶، خاتم کی تشریح ہونی چاہئے۔ لفظ Dead یہاں پر جائز نہیں ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ناپاک خیالوں کو ذکر کرنا بھی غیر مناسب ہے۔صفحہ-۱۲۷ ''اس تعلق............ہوگا۔'' سچ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین، اور حضرت علی علیہم السلام ہی اہلبیت ہیں۔ پھر امہات المومنین درجہ بدرجہ خلفائے راشدین، اصحاب کرام اور پھر پوری امت۔ ۱۴۵ پر طائر رسول کی جگہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہئے۔

سر ڈاکٹر اقبال کے دونوں مصرعوں میں غلطی سے ''لے'' چھپ گیا جب کہ اوّل مصرع میں ''مئے'' ہے۔صفحہ-۱۰۰،''اقبال سہیل .... بناتا ہے۔''اس کی آخری سطر میں ''جو انہیں دیگر نعت گو سے معظم و مفتخر بناتا ہے۔'' یہاں معظم اور مفتخر کی بجائے ممتاز کا محل ہے۔ بقول شبلی نعمانی اقبال سہیل اپنا کلام اصلاح کے لئے کسی دوسرے کو دکھاتے یا نہ دکھاتے لیکن پروفیسر ابوسفیان اصلاحی صاحب کو اپنا یہ مقالہ کسی قدآور مفتی صاحب کو دکھا کر ہی بغرض اشاعت ارسال کرنا چاہئے تھا۔

ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری نے گوالیار کے علاقے میں اردو شعر و ادب اور نعت گوئی کا تاریخی تجزیہ کیا جو کہ بہتر ہے۔ڈاکٹر محمد آصف کے مقالے میں کوشش و کاوش کی کمی لگتی ہے۔فنافی النّعت حضرت مغموم مدراسی پر ڈاکٹر راہی فدائی نے لکھا مگر بہت کم۔ممکن ہے کہ مواد میسر نہ ہوسکا ہو۔ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری نے ایک نئی جہت کا مقالہ لکھ کر مثال قائم کی۔شہنشاہ غزل حضرت میرؔ کے سلسلے کے برہانپوری نعت گو شعراء سے روشناس کرایا۔آغاز میں لفظ نعت پر اطمینان بخش گفتگو کی۔ پروفیسر سید محمد گیلانی، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری اور امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نعت کے تئیں احساسات و جذبات خیالات اور تفکرات کا ذکر کیا پھر نعت گوئی کی مختصر مگر جامع تاریخ لکھی۔ برہانپور میں ادبی، علمی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی تاریخ کے آغاز کو فاروقی خاندان کے ۱۴ سلاطین کے عہد کو مانتی ہیں۔مغلیہ دور میں بھی ترقی ہوئی۔ یہ تمام تاریخ بیان کرنے کے بعد حضرت میرؔ کے کچھ دور کا احاطہ کرتے ہوئے برہانپور میں سلسلہ میرؔ کی آمد خیرات علی مشتاق دہلوی ولکھنوی کے ذریعے درگاہی خان حاذقؔ برہانپوری کے وسیلے کا بیان ہے یہ سب اپنے آپ میں ایک عظیم تحقیق اور مفید علمی خزانہ ہے۔ برہانپور میں سلسلہ میر کے شعراء کے وقت کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے دور کے اوّلین نعت گو شاعر کی تھوڑی زندگی کی جھلک اور فارسی کی ایک نعت سے متعارف کرایا گیا ہے۔مندرجہ اشعار میں لفظوں کی بندش، بلند خیالی اور فنی لوازمات، سبھی خصوصیات میں۔ چوتھا (آخری شعر مجھے ازحد پسند آیا۔ ؎

خداوند بفضل خود طفیل احمد مرسل بریں عاجز بریں مسکیں تو لطف خویش فرمائی

پہلے دور کے آٹھ، دوسرے کے ۱۳، اور تیسرے کے ۳ شاعروں کی مختصر جانکاری دی۔ ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری کو ان کی محنت، لگن جستجو، فکر، اور جانفشانی کے لئے بہت بہت مبارکباد۔ ہمارے، تمہارے، ان کے، ان کے اور سب کے دلارے، پیارے انوکھے ''دبستان نعت'' کے لئے ایسے ہی مقالوں کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی نے اپنے مقالے ''نعت کا لفظ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی

مدح سرائی کے لئے زیادہ موزوں ہے۔'' کو کامیابی کے ساتھ نباہا ہے۔ اپنے دعوے میں از حد معقول و مناسب دلائل پیش کیے۔ نثر کی بہت بڑی خوبی تسلسل کا بھرپور خیال رکھا۔ ہر سطر اپنے موضوع کا بیحد لحاظ رکھ رہی ہے۔ ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں میں اپنا مقام بنا رہا ہے۔ بندش الفاظ اور جملوں کی ہم آہنگی، شعور کی بلندیوں سے آنکھ ملا رہی ہے۔ موصوف نے ابتدا سے انتہا تک ذمہ دارانہ روش کا دامن ہاتھوں سے جانے نہ دیا۔ مقالے کا آغاز پُر اثر ہے مثلاً ۱-''عربی محاورہ (**هو نعة**) وہ خوبی میں بہتر ہے۔'' ۲-(**لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**)۔ ۳-(**هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً**) ۴-(**نرفع درجات من نشا**)۔ ۵-(**تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض**) ۷-(**سبحان الذی اسریٰ............ سمیع البصیر**)۔

نعت اور صاحب نعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر وعظمت کے لئے یکے بعد دیگرے قرآن مقدس کی آیات کریمہ اور احادیث پاک کا حوالہ (وہ بھی مناسبت ومطابقت کے ساتھ) دینا، واقعات پیش کرنا، انبیاء علیہم السلام کی پیش گوئی کو ڈ کرنا اور دوسرے مذاہب باطلہ کی کتب کا ذکر کرنا، یہ سب مقالہ نگار کی اہلیت، قابلیت، صلاحیت، بالغ النظری اور وسیع مطالعہ کا بین ثبوت ہے۔

نیویارک (امریکہ) سے تنویر پھول اپنے مقالے کو اور ضخیم کر سکتے تھے انہوں نے ہر چند وضاحت کی کوشش کی، قرآن وحدیث اور بزرگان دین کے اقوال زریں کی روشنی کے ساتھ ساتھ بدعت پر بحث بھی کی پھر بھی تشنگی باقی ہے۔ رہا سوال نہ ماننے والوں کا تو ان کے لئے بھی قرآن شریف میں آیا ہے۔

ہندوستان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر تحریر کئے گئے تحقیقی مقالوں کا ایک تعارفی جائزہ۔ یہ مقالہ ''دبستان نعت'' کے مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری کا ہے۔ اس مجلّہ کا مقصد ہی نعت، نعت گو شعراء، تنقید وتحقیق اور نعت پاک کو پرائمری سے یونیورسٹی تک شامل نصاب کروانا ہے جناب عالی، یونیورسٹی سطح پر لکھے جانے والے غیر معیاری تحقیقی وتنقیدی مقالوں کی وجہ تلاشتے ہوئے ڈاکٹر معین الدین عقیل کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''اب تک دوسو سے زائد پی ایچ ڈی اور ایم فل دونوں سطحوں پر ادبی شخصیات کے احوال وآثار لکھے جا چکے ہیں۔۔۔کاموں کی ایسی داستانیں مزید بھی ہیں۔'' یہ نمونہ ہے غیر معیاری تحقیقی وتنقیدی مقالوں کا۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وادبی نقوش پر اب تک ملک وبیرونِ ملک کی یونیورسٹیز میں ایم۔فل اور پی ایچ ڈی کے تقریباً ۳۵ مقالے لکھے گئے۔ الحمدللہ سبھی اعلیٰ معیار رکھتے

ہیں اور آنے والوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

''باب افکار روشن'' میں الازہر یونیورسٹی، قاہرہ (مصر) کے ڈاکٹر محمد احمد عبدالرحمٰن صاحب کا مقالہ ''عربی اور اردو زبان میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے اس میں پہلے تو مقدمہ لکھا گیا ہے وہ بھی بہت مختصر۔ پھر مقالے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱-عربی شاعری میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔۲-اردو شاعری میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر دونوں حصوں سے لفظ شاعری ہٹا دیا جائے پھر بھی مفہوم کی وضاحت میں کمی نہیں آئے گی۔ موصوف صفحہ-۲۶۸ پر لکھتے ہیں کہ ''ہماری اس ناچیز کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین۔'' یہ جملہ یوں ہونا چاہئے کہ ''مجھ ناچیز کی کاوش قبول فرمائے، آمین

عربی شعراء میں حضرات امام بوصیری، بارودی، احمد شوقی کے اور وہ بھی چند اشعار لکھے گئے۔ جب کہ عربی شعراء میں بہت سے مشہور و معروف اسمائے گرامی اور بھی ہیں۔ اسی طرح اردو میں بھی۔ بہرحال جامعہ ازہر کا..................اس قدر مختصر مقالہ............وجہ موصوف ہی جانیں۔

علامہ اقبال اعظمی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، فاروق جائسی اور توصیف بریلوی وغیرہ کا مقالہ قارئین کرام کو پڑھنے میں بہت کم وقت لگا ہوگا۔ خان حسنین عاقب نے اپنا نعتیہ سفر بیان کیا۔ الحاج سید مفیض الدین قادری نے مقالے میں کوشش کی ہے۔

قاضی سید وحید احمد میر غلام حسین اپنے مقالے کے لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربات، کو عنوان بنایا۔ بریکٹ میں وضاحت بھی کی کہ ''غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ اور رباعی کی رو سے۔'' احسن طریقے سے نباہا۔ تھوڑی اور معلومات سے سرفراز کر دیتے تو لطف اور ہی ہو جاتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''انسان خود اپنا سب سے بڑا ناقد ہے۔'' تجربات میں ڈوبا ہوا ہے۔ اقتباس کی اور بھی سطریں تجربہ اور مشاہدہ لئے ہوئے ہیں۔۲۷۴ پر آپ لکھتے ہیں کہ ''لیکن نعت گو............بیان کیا۔'' یہ بھی لائنز سو فیصد سچائی میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ صفحہ-۴۷۴ پر'' آپ کی شاعری بلند و بالا ہے۔'' موصوف کے یہ الفاظ صرف عقیدت ہی نہیں، حقیقت پر بھی مبنی ہیں۔ اپنی بات کے ثبوت میں پروفیسر محمد مسعود کو کوڈ کیا۔ ''امام احمد رضا............آئینہ ہے۔''

''تذکرۂ نعت گو شاعرات'' مقالے کی ابتدا رشید اختر خاں (دھنباد، جھارکھنڈ) نے یوں کی ہے۔ ''نعت گوئی...... چیز ہے۔'' اس چھوٹے سے اقتباس میں تین بہت بڑی اہمیت والی باتیں کی گئی ہیں وہ بھی انفرادیت لئے ہوئے۔ موصوف کی یہ سبھی باتیں بالکل سچ ہیں لیکن '' دبستان نعت'' کے

مقصد سے پرے ہیں۔دوسرے پیراگراف میں۔حضرت عبدالمطلب اور حضرت آمنہ کے اشعار جس موقع پر کہے گئے اس کا ذکر کیا۔اس سے میرے بھی علم میں اضافہ ہوا۔صفحہ-۴۷۹ پر ’’کتب سیر...... پڑے ہیں۔‘‘اس میں بکھرے پڑے ہیں۔‘‘ کا جواب نہیں۔رشید اختر خاں نے نعت گو شاعرات کا تعارف کرا کے ان کا حوصلہ بلند کیا یہاں پر ’’دبستان نعت‘‘ کے اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھا ہے۔ بڑی بات ہے۔پی۔ایچ۔ڈی کرنے والوں کے لئے شمع روشن کردی۔بہت بہت مبارکباد۔

ٹھہریئے،دیکھئے،پڑھئے یہ ہے باب ’’زاویۂ نگاہ‘‘ جناب فیروز احمد سیفی کی نگرانی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں نکلنے والا ہندوستان کا مایۂ ناز مجلّہ جسے علمی،ادبی،فنی اور دینی دنیا ’’دبستان نعت‘‘ کے نام سے جانتی ہے اس کے جتنے بھی باب ہیں سبھی بامعنی اور بامقصد ہیں لیکن میری نظر میں مذکورہ باب الگ ہی انداز رکھتا ہے اور اس کی Opening کے لئے اس بار سراج احمد قادری صاحب کا سراجی انتخاب لاجواب ہے۔

اب حسن سے کچھ کام نہ جلووں سے سروکار اب عشق ہی خود عشق کا معیار ہوا ہے

اگر جگرؔ مرادآبادی صاحب بقید حیات ہوتے تو میری سمجھ سے اس انتخاب و مطابقت کے لئے ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کو شاباشی ضرور دیتے اور اپنی عنایات کے ساون بھادوں بھی برساتے۔

اس باب کا پہلا نام اسی ممتاز مبصر کا ہے جو اب تک بہترین تبصرے لکھتا رہا ہے یعنی جسے اقبال اعظمی کہتے ہیں۔جانے کیا بات ہے کہ ہر کسی جائز میدان میں،ایماندار،محنت کش،باوفا،بلند حوصلہ، خوددار اور منصف مزاج شخص کو بغیر داد دیئے میں رہ نہیں پاتا ہوں۔ان حضرات کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہوں۔گھریلو اور منصبی ذمہ داریاں،ایک نشست میں چار چھ صفحات سے زائد مطالعہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہیں پھر بھی ان حضرات کے قلم کی سیاہی مزید صفحے پڑھنے کے لئے آمادہ کرتی رہتی ہے۔

نعت کا فارم مقرر نہ ہونے کے سبب جو بھی صنف سخن نہیں ہیں ان کا محاسبہ کرتے ہوئے اقبال اعظمی لکھتے ہیں کہ ۱-جادو............ جا چکا ہے۔‘‘ ۲-اردو........... ہیں۔‘‘ اقبال اعظمی نے اپنے عالمانہ،فاضلانہ اور مدبرانہ جواب کی تابانیوں سے ایسے لوگوں کے دل و دماغ کو چکاچوندھ کر دیا ہے۔ ایسے لوگ مذکورہ پیراگرافز کا ضرور مطالعہ کریں۔

’’دبستان نعت‘‘ جلد-۳ میں ڈاکٹر محمد آصف حسین مرادآبادی کا مقالہ بعنوان ’’اردو نعت کا اوّلین ناقد تمنا مرادآبادی‘‘ شائع ہوا جس میں تمنا صاحب کے اشعار بھی ہیں۔ان میں کچھ اشعار کی اصلاح اقبال اعظمی نے کی اور بحر بھی بتائی۔

''ہاشم رفاعی کی نعتیہ شاعری'' مقالے میں کوڈ کئے گئے شعروں کی معنوی طور پر اصلاح فرمائی۔ حسنین عاقب کی انگریزی نعت کی اس لائن میں "And God was very considerate" اقبال اعظمی نے یوں اصلاح کی ہے۔And God is ہونا چاہئے۔دوسری جگہ he was the last leaf کی بجائے۔He is ہونا چاہئے۔اس طرح were کی جگہ are ہونا چاہئے۔ان کے علاوہ دوسرے اشعار میں بھی عمدہ اصلاح فرمائی ہے۔

ڈاکٹر محمد آصف، ڈاکٹر یحییٰ نشیط، رشید خاں اختر، محمد علی شیدا، مرزا ساجد حسین، ڈاکٹر عبداللہ امتیاز، ڈاکٹر اشفاق انجم اور مقصود بستوی کے مقالے پر غیر جانب دارانہ تبصرہ فرمایا اور جن نعت گو شعراء کے کلام میں کسی بھی قسم کی غلطی تھی اس کی بھی نشاندہی کرتے ہوئے اصلاح کی۔اقبال اعظمی (گھوسی) کی استعداد و صلاحیت پر میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ: بقول شاعر۔ ؎

قدرداں قیمت بازار سے آگے نہ بڑھے	فن کی دہلیز پہ فنکار نے دم توڑ دیا

استاذ الاساتذہ، ماہر علم و فن، مستند شاعر، معتبر ادیب اور بیباک مبصر پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے اپنے تبصرے ''دبستان نعت'' شمارہ نمبر۳ پر ایک نظر'' میں اپنی تمام تر خوبیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔اقبال اعظمی کے تبصرے پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''زاویۂ نگاہ...... ہے۔'' آگے : تجدید ایمان .... کہتے ہیں۔'' اقبال اعظمی صاحب کے تبصرے کے مذکورہ اقتباسات کی حدیث پاک کی روشنی میں اصلاح کی۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی کے ایک جملے پر ''میرے.........مقام سے ہے۔'' اعظمی صاحب ''اس کا مطلب؟'' پروفیسر صاحب نے اپنے جملے کی دلیل میں شہنشاہِ غزل میرؔ محمد تقی میرؔ کا یہ شعر پیش کیا۔ ؎

سہل ہے میرؔ کا سمجھنا کیا	ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

ایک اور جگہ پروفیسر صاحب کے ''قصائد کے ناپاک دفتر'' پر اقبال اعظمی کے تنقیصی تبصرے پر فاروق صاحب نے حالی کا شعر مثال میں پیش کیا۔ ؎

وہ شعر و قصائد کے ناپاک دفتر	عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر

پروفیسر فاروق صدیقی نے ''قصائد کے ناپاک دفتر ہی کہا لیکن حالی نے تو شعر و قصائد کا ناپاک دفتر کے ساتھ سنڈاس سے بھی بدتر کہا۔ فاروق صاحب نے تعین کو تذکیر میں تو اعظمی صاحب نے تانیس بتایا۔ فاروق صاحب نے ڈنکے کی چوب پر اسے مذکر ہی بتلایا اور یہی سچ ہے۔ فیروز اللغات صفحہ-۳۶۶ پر لفظ تعین مذکر ہی ہے۔

ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب نے شمارہ نمبر۳ میں جو لکھا کہ ''انہیں .... ہے۔'' پروفیسر فاروق صدیقی، خاکسار، اور دوسرے کئی مبصرین نے بھی انجم صاحب کو اس بابت غلط ٹھہرایا۔ خاکسار آج بھی کہتا ہے کہ انجم صاحب دنیا کے سرفہرست شعراء، ادباء، فقہاء، محدثین، مفکرین، مدبرین، محققین اور علم عروض و بلاغت کے ماہرین کا اجلاس منعقد کر کے رائے لے سکتے ہیں کہ حضرت مولانا امام احمد رضا اساطیری شخصیت اور اردو نعت کے سب سے بڑے شاعر ہیں کہ نہیں۔

پروفیسر راشد طراز کی مشکبار غزل پر پروفیسر فاروق احمد صدیقی کے تجزیاتی مضمون میں شاعر سے ان کی قرابت یا عقیدت پر انجم صاحب نے محمول کیا ہے۔ پروفیسر فاروق نے اس کا بھی عالمانہ اور فاضلانہ جواب دیا۔

پروفیسر مجید بیدار کا تبصرہ میری نظر میں بس ٹھیک ہی ہے یہ سچ ہے کہ مقالہ یا تبصرہ لکھنے کے لئے اس کے عنوان کے تئیں عمیق اور وسیع مطالعہ درکار ہوتا ہے۔ اور پھر فیروز احمد سیفی کی نگرانی و ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کی ادارت میں شائع ہونے والا ''دبستان نعت'' پر تبصرہ کرنا یا مقالہ لکھنا کسی مجموعہ یا کتاب سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ ''دبستان نعت'' میں ایک طرف نثر ہے تو دوسری طرف نظم، ایک طرف ہندوستانی شعراء، ادباء ہیں تو دوسری طرف باہری ممالک کے بھی شاعر و ادیب ہیں۔ جن میں عربی، اردو، فارسی، ہندی، سنسکرت اور دوسری زبانوں کا علم رکھنے والے ہیں اور کچھ تو ایسے ہیں جن کو بیک وقت کئی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔

پروفیسر مجید بیدار تبصرے میں لکھتے ہیں کہ ''قرآن مجید کی تکمیل عربی زبان میں ہوئی۔'' یہ جملہ یوں ہونا چاہئے: ''قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔'' یہ اس لئے کہ لفظ ''تکمیل'' کسی کتاب کے لئے یہ اشارہ کرتا ہے کہ: -''اس کا کچھ، نصف یا دوتہائی حصہ کسی دوسری زبان میں تھا لیکن تکمیل فلاں زبان میں ہوئی۔'' اسی پیراگراف میں ''خود .... نچھاور کئے ہیں۔''

اوّل تو یہ جملہ Ascending order میں نہیں ہے۔ یوں ہونا چاہئے۔: ''اللہ تعالیٰ نے خود اپنے چہیتے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کی خاطر اس روحانی کتاب میں کبھی **یا ایھا المزمل** اور کبھی **یا ایھا المدثر** جیسے بلیغ ...... ہیں۔'' دوم یہ کہ ''عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں۔'' جملے کا یہ حصہ شریعت کی رو سے جائز نہیں ہے۔ اسی بات کو امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ یوں عرض کرتے ہیں۔ ؎

میں تو مالک بھی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب　　یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

دیکھئے خدا محبّ ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے محبوب ہیں۔اس کی ساتویں اور آٹھویں لائن میں: ''اس..................کیا۔''مدحت کا حق'' بھی درست نہیں ہے۔

قاری محمد رفیق قاضی فائز فتح پوری کا تبصرہ نہایت عمدہ ہے۔فاروق جائسی اور حلیم صابر صاحب کا تبصرہ بس............یوں............ہی............ہے،ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب کی یہ عاجزی اور عدیم الفرصتی ہے۔وہ لکھتے ہیں: ''اس شمارے............میں راقم الحروف کو بہت اچھا لگا۔

''باب کائنات نعت'' کے آغاز کے لئے پروفیسر فاروق احمد صدیقی کا شعر برمحل ہے، پاکستانی قدآور نعت گو شاعر سید صبیح رحمانی کی ''کلیات صبیح رحمانی'' پر پروفیسر مجید بیدار، ڈاکٹر عزیز احسن کی ''کلیات'' پر ممتاز مبصر ڈاکٹر رضوان انصاری، حضرت وجیہہ رام پوری کے ''دیوان وجیہہ'' پر مرزا ساجد حسین امروہوی، مولانا فروغ احمد اعظمی کے ''نفیر حرم'' پر مفتی توفیق احسن برکاتی کا تبصرہ عمدہ ہے۔

''دبستان نعت'' جلد-۴ کے باب ''گلہائے عقیدت'' میں چھپے ہوئے کلام کو ناچیز نے تین حصوں میں رکھا ہے۔ پہلا حصہ: بہت عمدہ کلام۔دوسرا حصہ: بس ٹھیک ہے۔تیسرا حصہ: وہ کلام جن میں شرعی، علمی اور فنی غلطیاں در آئی ہیں۔۱- پہلا حصہ: اس میں علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، علامہ ریحان رضا خاں بریلوی، حافظ جلیل حسن جلیل، حضرت شاہ وجیہہ احمد خاں رام پوری، علامہ عبدالجبار رہبر اعظمی۔(دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں 'ہر' کی جگہ 'سب' ہونا چاہئے)،تنویر پھول (نیویارک)،عرش صہبائی، رئیس احمد نعمانی،سید عبدالمنان راہی چشتی،مولانا نظام الدین بستوی، ڈاکٹر فاطمہ زہرا، (بنگلور)،اور شاہ خلیل الرحمٰن خلیل بانسوی (مارواڑی زبان میں سلام) کا کلام لائق تحسین ہے۔ڈاکٹر مبشر احمد نشتر (حیدرآباد) کی ۳۳/اشعار پر مشتمل نعت ہر اعتبار سے اچھی ہے۔جتنی داد دی جائے کم ہے۔۱۹/اشعار کے دونوں مصرعوں میں عربی......۱۳/اشعار کے ایک ایک مصرعے میں۔ قرآن کی سورت اور آیت حوالے کے طور پر لکھی گئی ہے۔اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔آمین۔

دوسرا حصہ: اس میں فاروق جائسی، مقصود علی شاہ مقصود، شبنم رومانی (پاکستان)، ڈاکٹر سعید روشن (جے پور)، مسرت جہاں بیگم نوری اور مشتاق سیوانی کے کلام کے بارے میں یہ طالب علم بس اتنا ہی کہے گا کہ ''ہاں............اچھا ہے۔

تیسرا حصہ: اس حصے کی ترتیب میں سب سے پہلے پروفیسر مجید بیدار کا کلام ہے۔کل نو اشعار میں مطلع کے مصرعۂ اوّل میں صَلِّ علٰی کی جگہ صَلّی علیٰ ہونا چاہئے۔اور ایسے میں مصرعہ خارج از بحر ہو جائے گا۔دوسرے شعر کا مصرعۂ ثانی ملاحظہ ہو:

اسوۂ حسنہ کی جس نے خواہ مخواہ تردید کی۔

اسوۂ حسنہ کی تردید کسی طرح جائز نہیں ہے۔

چوتھا شعر: نفس نے جب سر ابھارا، پڑھ لیا لاحول بس کتنی پیاری ہے روش ایمان کی تجدید کی

نفس کے سر ابھارنے پر ضروری نہیں کہ کفر ہی ہو۔ کوئی جائز خواہش بھی ہو سکتی ہے، گناہ صغیرہ یا کبیرہ بھی ہو سکتا ہے۔ جائز خواہش پر نہ تو توبہ ہے اور نہ ہی تجدید ایمان۔ گناہ صغیرہ یا کبیرہ پر توبہ لازم ہے اور خدانخواستہ کفر ہو گیا ہے تو صرف لاحول پڑھنے سے تجدید ایمان نہیں ہوتی اس کے لئے سچے دل سے توبہ کرنا، کلمہ پڑھنا اور اگر شادی شدہ ہے تو تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔

پانچواں شعر: کہہ دیا اللہ اکبر مسئلے سب حل ہوئے اب ضرورت کیا رہے گی پھر کسی تمہید کی

بیشک اللہ اکبر کہنے سے مسئلے حل ہو گئے۔ اس میں بات رہے (رہی) تک ہی پوری ہو گئی لفظ 'گی' استعمال بیجا ہے۔ قافیہ تمہید بے معنی ہے، صرف بھرتی ہے۔

چھٹا شعر: بندگی کا حق فرشتوں نے نبھایا بے محل آدم خاکی پہ شیطاں نے مگر تنقید کی

فرشتے تو ہر دم بندگی کیا ہی کرتے ہیں۔ پھر بے محل کیوں؟ ساتویں شعر کا مصرعۂ ثانی: کافروں نے امّی لقب کی دل کھول کر تائید کی۔

اس میں تین حروف زائد ہیں۔ اُمّی کی بجائے اُم چل رہا ہے اور لقب کے بعد 'کی' کا اضافہ ہے۔ اس شعر میں مفہوم کی وضاحت بھی نہیں ہو پا رہی ہے۔ آٹھواں شعر بھی واضح مفہوم کا متقاضی ہے۔

نواں شعر: موت کعبہ میں ہو فقط بیدآر کی مولا میرے
اس کی خواہش پر فرشتوں نے بڑی تہنید کی

مصرعۂ اوّل میں فقط کا ''ف'' بڑھ گیا ہے فقط کی جگہ بس ہونا چاہئے۔

مصرعۂ ثانی میں موصوف کی خواہش پر فرشتوں نے تہنید کی۔

فیروز اللغات۔ ص: ۳۹۳ پر تہنید کے معنی ''کسی غیر زبان کے لفظ کو ہندی بنا لینا'' اب اس معنی کے ساتھ مطلب یہ ہوا کہ فرشتوں نے کسی غیر زبان کو ہندی بنا لیا۔ ناچیز کی سمجھ میں آتا ہے کہ موصوف تہنید کی جگہ تہنیت استعمال کرنا چاہتے تھے جس کے معنی مبارکباد کے ہوتے ہیں۔ لیکن قافیہ 'ی' اور 'د' کا ہے۔

۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶ پر اردو کے ممتاز شاعر راہی فدائی کی نعتیہ نظم بعنوان والعصر اچھی لگی۔ بہتر کوشش ہے کہیں کہیں ربط ٹوٹ گیا ہے اور والعصر کا ترجمہ ''قسم ہے وقت کی'' کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے والعصر کا ترجمہ یوں کیا ہے: -''اس زمانۂ محبوب کی قسم'' اللہ رب العزت اپنے

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی قسم کھا رہا ہے اور یہی ترجمہ معقول ومناسب ہے کیونکہ مشاہدے میں ہے کہ ہر کوئی اپنے نزدیک، پیارے ہی کی قسم کھاتا ہے۔ آیئے آگے کی نظم ملاحظہ کریں۔

''تمام انسان............حاکم'' ا-لفظوں کو غلط طریقے سے معطوف کیا گیا ہے۔ فاسق وعابد فاجر وزاہد کے بجائے فاجر و فاسق اور عابد وزاہد ہونا چاہئے۔ غافل کے ساتھ عاقل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ غافل کا تضاد ہشیار اور عاقل کا تضاد بے وقوف ہوتا ہے۔ ۲-موصوف نے ولی اور پیغمبر کو بھی وقت کا محکوم اور سبھی کو عاجز ومجبور لکھا۔ ۳-وقت کا ہی سکہ زمینوں اور آسمانوں میں۔

ڈاکٹر آصف آدر (گلاسکو) کا کلام ۴۶ را شعار پر مشتمل ہے۔ نئی ردیف اور کثیر تعداد میں شعر کہنا وہ بھی نعت کے، بہت بڑی بات ہے۔ بحر حزج سالم کے انتخاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ترنم سے بھی شعر پڑھتے ہوں گے۔ مگر یہ ضروری بھی نہیں۔ اس نعت میں بہت سے اشعار نہایت عمدہ ہیں۔ شعر نمبر-۱ سے چار تک اور ۵ سے ۱۰ کے اشعار کے مصرعہ ہائے اوّل اور کچھ کے دوم لاجواب ہیں۔ کیمیا، فنابقا، دہائی، فرمانروائی، حاجت روائی، میری جاں التجا، گم سم، امیر قدسیاں، بحر ادب، اور زمام برق مہر و ماہ کا استعمال نہایت احسن اسلوب سے کیا گیا ہے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے مصرعہ پر لگائی گئی طرح بہت اچھی ہے۔ بندش الفاظ، سلاست و روانی، بلند خیالی، کوشش کاوش اور اظہار عقیدت قابل داد ہے۔ ہاں: ان تمام خوبیوں کے ساتھ کچھ شعروں میں شرعی وفنی غلطیاں بھی ہیں جیسے:

شعر۲: مجھے محسوس ہو قدسی لبوں کو چومنے آئے ثنا جب سے لبوں نے گنگنائی مصطفیٰ کی ہے

''محسوس کی بجائے محسوس ہو رہا ہے کا محل ہے۔''

چھٹا شعر: تلاوت آپ کرتے جب ندا جبریل ہوں سن کر
غصب، رشک عنادل خوشنوائی مصطفیٰ کی ہے

کسی بھی شعر کو نثر میں بدلنے پر مفہوم واضح ہو جائے تو سمجھ لو کہ مفہوم کے لحاظ سے شعر مکمل ہے۔ آیئے اس شعر کی نثر کرتے ہیں۔ ''حضور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک اتنی اچھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے تو جبریل سن کر فدا ہوں۔'' یہاں پر فدا ہوں کی جگہ ''فدا ہوتے تھے'' کی بندش ہونی چاہئے۔ کیونکہ دونوں مصرعوں میں ماضی کا ذکر ہے اور لفظ ''ہوں'' مستقبل ہے۔

اٹھارہویں شعر کا دوسرا مصرعہ: کریں وہ جس ڈیوڑھی کی صفائی مصطفیٰ کی ہے

خارج از بحر ہو گیا ہے۔ تیئسویں شعر کے پہلے مصرعے میں لفظ نظریئے کا استعمال حرکت جلی سے

ہوا ہے جب کہ حرکت خفی ہے۔

شعر۲۴: پہلے مصرعہ کے آخر میں ’بھی‘ کی بجائے ’کے بھی‘ ہونا چاہئے اس میں بھی ریاض کی ضرورت ہے ورنہ لفظ ’’کے‘‘ فاضل ہوجائے گا۔شعر۲۸- کے لئے مصرعہ میں ’’گھسا کر‘‘ کی جگہ ’’گھس کر‘‘ کا محل ہے۔

جموں کے بشیر الحق بشیر کے پانچ اشعار شائع ہوئے۔جس میں مطلع کا مصرعۂ ثانی، دوسرے شعر کا مصرعہ ثانی اور مقطع کا مصرعہ ثانی بے بحر ہے۔بقیہ دو شعروں میں تک بندی ہی ہے ایسے شعرا حضرات سے میری پُر زور گزارش ہے کہ ’’دبستان نعت‘‘ کے معیار کا خیال رکھیں۔کہیں بھی ارسال کرنے سے پہلے کسی استادِفن سے اصلاح لے لیں۔جس میں مجلّہ کے ساتھ ان کی بھی امیج بنی رہے بشیر صاحب کے خط سے تو پتہ چل رہا ہے کہ وہ حضرت عرؔش صہبائی کے قریبی ہیں۔مجھے لگتا ہے کہ عرؔش صاحب کو بھی یہ کلام نہیں دکھایا۔

ڈاکٹر سید چندا حسینی اکبؔر صاحب کے چھٹے شعر کے پہلے مصرعہ میں ’میرے‘ کی جگہ ’اپنے‘ ہونا چاہئے۔الحاج قاری حیدر علی حیدؔر برہانی کا تیسرا شعر اپنے اچھوتے مفہوم کے سبب (جہاں تک اس ناچیز کا مطالعہ ہے) بہت اچھا ہے۔لیکن دوسرے مصرعہ میں ’’جائے‘‘ کی بجائے ’’جاؤں‘‘ کا محل ہے اور جاؤں کا قافیہ نہیں بہرحال مشق کی کمی ہے۔

ڈاکٹر شائستہ یوسف کے سبھی اشعار اچھے ہیں۔دوسرا اور تیسرا شعر ایک ہی زمین پر ہوگیا ہے۔تیسرا شعر ضعیف عقیدے کی ترجمانی کر رہا ہے۔ڈاکٹر نازلی سرسری طور پر اشعار کہتی گئیں اور اشاعت کے لئے ارسال کر دیا۔مینا کاری کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ضیاؔ مدنی حضور ردیف لے کر کامیاب کوشش کی مقطع میں ابہام ہے: ضیاؔ اسی لئے رہتے ہیں سوگوار حضور۔سوگوار کو ہٹا کر بے قرار سے ابہام دور ہوجائے گا۔یہ مصرعہ یوں ہونا چاہئے۔ضیاؔ اسی لئے رہتا ہے بے قرار حضور۔

صفحہ ۴۵۵ پر نسرین صاحبہ کا کلام ہے رات دن ردیف لے کر کہا گیا ہے۔حالانکہ ہمارے اکابر اہل فن نے اس طرح استعمال پر پہلے لفظ دن کے لئے زور دیا ہے۔شعر۶/ میں تقابل ردیفین ہے۔ماہرین نے اس سے بچنے کی کوشش کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

مصرعہ یوں ہونا چاہئے۔

کہنے لگی ہوں آپ کی مدحت شہِ امم

مقطع کا مصرعۂ اول بحر سے خارج ہو گیا ہے تھوڑی ترمیم کرنے پر بحر میں آ جائے گا۔ ؎

اللہ کو ہے پیار نبی ﷺ سے مرے بہت

قارئین کرام کے خطوط سے کسی ایڈیٹر کی کتنی حوصلہ افزائی ہوتی ہے یہ ایک ایڈیٹر ہی اچھا بتا سکتا ہے جس کا اظہار جناب فیروز احمد سیفی کے اپنے پیارے، انوکھے نرالے، ادبی اور دینی دوست ڈاکٹر سراج احمد قادری کچھ اس طرح کر رہے ہیں۔ ؎

کافی ہے میرے دل کی تسلی کو یہی بات آپ آ نہ سکے آپ کا پیغام تو آیا (شکیل بدایونی)

''دبستان نعت'' کے قارئین کرام کے خطوں سے ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کو کتنی محبت ہے، کتنا انتظار رہتا ہے، شکیل صاحب کے شعر سے پتہ چلتا ہے۔ میں سبھی سے گزارش کرتا ہوں کہ اپنے خطوط کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کو اچھے اچھے مشورے دیں۔ ''دبستان نعت'' کے اغراض و مقاصد کو مدنظر رکھیں۔ صرف اپنی نگارشات چھپوانے کا ہی مقصد نہ رہے۔ اپنے عزیز و اقارب، احباب و رشتہ دار سے دبستان نعت کا ذکر کیا جائے۔ ہو سکے تو ''دبستانِ نعت'' کے نسخے مہیا کرائے جائیں۔ پرائمری اور جونیئر سیکشن کے طلباء اگر صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو ہائی اسکول انٹرمیڈیٹ، گریجویشن، پوسٹ گریجویشن کے طلباء کو ضرور رغبت دلائی جاتی رہے۔ ریسرچ اسکالرز سے تو ''دبستان نعت'' کی ترقی اور اس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے اور خدمت لینے کو حسب مراتب کہا جائے۔ رب تبارک تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے محبوب حضور سیاح لامکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے دبستان نعت کی اشاعت و ترویج میں جناب فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کا ساتھ ہم سبھی لمبی عمر تک دیتے رہیں۔ آمین۔

☆☆☆

ڈاکٹر چاند نظامی (ہزاری باغ، جھارکھنڈ)

''دبستان نعت'' شمارہ نمبر ۴ نقد و نظر کے آئینے میں

''دبستان نعت'' کا شمارہ نمبر 4 موصول ہوا، ماشاء اللہ آپ کا سفر خوب سے خوب تر کی طرف گامزن ہے۔خدمت نعت کے حوالے سے آپ نے تاریخ رقم کردی ہے۔ اللہ کرے آپ کا عزم وحوصلہ ہمیشہ جوان رہے۔

تازہ شمارے کو بھی آپ نے اپنی محنت اور قلمکاروں کے تعاون سے دستاویزی بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اداریئے میں آپ نے کئی اہم باتوں کی طرف ناقدین نعت کی توجہ مبذول فرمائی ہے، خصوصاً ''نعت گوئی بہت ہی مشکل فن ہے'' اور ''نعت گوئی میں شعراء نے غلو سے کام لیا ہے''۔ان دونوں خیالات کی تردید میں آپ نے جن دو حضرات کی آراء سے استفادہ کیا ہے وہ قابل غور ہیں۔ بعض حضرات نے اسے تکیہ کلام بنالیا ہے اور اپنی تخلیقات میں وہ اس کی تکرار ضروری سمجھتے ہیں۔ بسا اوقات یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ نعتیہ تنقید پر مسلکی تعصب کی سیاہ پرچھائیاں لہرانے لگی ہیں۔بعض قلمکار اپنے مسلک کی کسی عملی شخصیت کو ہی حجت سمجھتے ہیں اور اسی حصار میں رہ کر سوچنے کے عادی ہیں۔یہی سبب ہے کہ اب معاصرین تو معاصرین متاخرین پر بھی دھڑا دھڑ کفر وشرک کے فتوے صادر کئے جارہے ہیں اور یہ کہنے کی بھی جرات کی جارہی ہے کہ ''نعتیہ شاعری کا ایک بڑا حصہ شرک وموضوع روایات سے مملو ہے''۔(دبستان نعت، ش/4،ص/121) آپ کے اس خیال سے اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ ''نعت میں خلاف شرع کلمے تو در آسکتے ہیں مگر کسی شاعر کو یہ قدرت ہی نہیں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مبالغہ کرسکے۔'' (ایضاً، صفحہ/16)

بہرحال اس شمارے کی دیگر مشمولات بھی لائق مطالعہ ہیں۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری صاحب کی محققانہ بصیرت مسلم ہے۔ مجھ جیسے مبتدی ہمیشہ ان کی تحریروں سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔زیر نظر شمارے میں بھی شامل ان کا تحقیقی مقالہ ''چندائن، مولانا داؤد ڈلمی اور نعت شریف تنقیدی وتحقیقی جائزہ'' اپنے دامن میں معلومات کا بیش بہا خزانہ سمیٹے ہوئے ہے۔ پروفیسر عبدالحق، ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری، الحاج سید محمد

مفیض الدین قادری اور رشید اختر خان وغیرہم کی کاوشیں بھی لائق تحسین ہیں۔ ''زاویۂ نگاہ'' کا کالم بھی خوب ہے اور اقبال اعظمی و پروفیسر فاروق احمد صدیقی جیسے اساتذۂ فن کی یہ کاوش نومشقوں کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوسکتی ہے، بشرطیکہ اس میں ذاتیات کا رنگ شامل نہ ہو۔ منظومات کا بھی حصہ آپ کے حسن انتخاب پر دال ہے مگر پروفیسر ابوسفیان اصلاحی صاحب کی تحریر نے طبیعت مکدر کردی۔ موصوف نے ''موج کوثر'' کے قرآنی تجزیہ کی آڑ میں اپنے غلط عقائد کی ترجمانی کی ناروا جسارت کی ہے اور انہوں نے بعض حضرات کی غلط کاریوں کو سامنے رکھ کر تمام نعت نگاروں پر انتہائی رکیک حملہ کیا ہے۔ آغاز مضمون میں ہی انہوں نے قابل احترام نعت گویوں پر ایک سانس میں کئی بے بنیاد الزامات عائد کردیے ہیں، مثلاً

آج کا نعت گو شاعر اس کی بنیاد پر چرخ شہرت پر چڑھنا چاہتا ہے،
دولت وثروت سے اپنے دامن کو لبریز کرنے کا خواستگار ہوتا ہے،
نعتیہ شاعری ایک کشکول اور ڈھونگ بن چکی ہے،
اس کے سہارے ڈھول پیٹے جاتے ہیں،
رقص وسرود کی محافل آباد کی جاتی ہیں،
لندن اور دنیا کے مشہور اسفار کیے جاتے ہیں،
خواتین نعت خوانی کے توسط سے اپنے حسن اور عریانیت کا مظاہرہ کرتی ہیں،
نعت گوئی اور نعت خوانی خودستائی اور اظہارِ ذات کے سوا عصر حاضر میں کچھ نہیں،
اس کا حب رسول اور ذکر رسول سے کوئی تعلق نہیں،(ص ر 120)

اصلاحی صاحب ایسے دل آزار جملے لکھ کر نعت کی کون سی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں اور ان کا یہ بیان حقیقت سے کتنا قریب ہے، یہ تو وہی جانیں، مگر اس طرح کا رکیک حملہ کرکے وہ نعت کی بنیادوں کو ضرور کھوکھلا کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔ بات اگر فرد واحد کی ہوتی تو قبول کی جاسکتی تھی، مگر پوری جماعت کو مورد الزام ٹھہرا دینا نہ دنیا کا اصول ہے اور نہ دین کا قاعدہ۔ اصلاحی صاحب نے ''آج کا نعت گو شاعر'' کہہ کر نعت گویوں کی پوری جماعت کو ذلیل کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ کتنے نعت گو ہیں جو لندن اور دنیا کا سفر کررہے ہیں اور نعت لکھ پڑھ کر دولت وشہرت حاصل کررہے ہیں اور وہ خواتین کون ہیں جو نعت گوئی کے دوران عریانیت وفحاشی کا مظاہرہ کررہی ہیں، محافل نعت کو رقص وسرود کی محفل سے تشبیہ دینے اور نعتیہ شاعری کو کشکول اور ڈھونگ کہنے کی جسارت کرنے والے اصلاحی صاحب کہیں نعتوں میں اپنے مزعومہ عقائد کی تکذیب سے تو نالاں نہیں ہیں؟ ممکن ہے

ایسا ہی ہو، کیونکہ انہوں نے مولانا حمید الدین فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی اور پروفیسر الطاف احمد اعظمی وغیرہ کا فخریہ انداز میں ذکر کرکے یہ واضح کردیا ہے کہ وہ کس مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مضمون میں انہوں نے اور بھی جو غیر متعلق باتیں کی ہیں اس کی وجہ سمجھنے میں دقت نہیں ہوئی۔ ہمارے خیال میں ان کا یہ مضمون ''دبستان نعت'' جیسے خالص علمی و ادبی، نیز مذہبی رسالے کے شایان شان نہیں ہے۔ پورا مضمون ان کی علمی کم مائیگی اور بدگمانی کا اشتہار بن گیا ہے۔

انہوں نے نہ صرف نعت نگاروں کی تضحیک کی ہے بلکہ آج کے قارئین کو بھی کم فہم و کم علم کہنے سے گریز نہیں کیا ہے، حالانکہ زیر مطالعہ مضمون خود پکار رہا ہے کہ موصوف کی اپنی معلومات کتنی سطحی اور محدود ہے۔ اس کی ایک مثال دیکھ لیجئے۔ موصوف کا خیال ہے کہ:

> ''بالعموم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفیع الامم ہیں۔ اپنی شفاعت سے ملت اسلامیہ کے گناہوں کی معافی فرمائیں گے، جبکہ یہ تصور قرآن کریم سے متصادم ہے۔'' (ص/ 142)

پہلے تو اصلاحی صاحب اسی بات کا فیصلہ کرلیں کہ جب اقبال سہیل صاحب کی موج کوثر ''کے الفاظ، تراکیب، تعبیرات اور تلمیحات قرآن کریم سے مستفاد ہیں'' (صفحہ/ 120) تو شافع محشر کا ''قرآن کریم سے متصادم'' تصور ان کے شعر میں کیسے در آیا؟ کیا واقعی اقبال سہیل صاحب کا وہی عقیدہ تھا جس کا اظہار اصلاحی صاحب نے کیا ہے یا اصلاحی صاحب انہیں جبراً اپنا ہم عقیدہ ثابت کرنے کے لیے بیجا تاویلات سے کام لے رہے ہیں؟

اب رہا سوال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شفیع محشر ہونے کے عقیدے کا، تو اصلاحی صاحب کو بد گمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ امت کا ہرگز ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اذن الٰہی کے گناہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے، البتہ انہیں اپنے اس مفروضے پر ضرور غور کرنا چاہئے کہ:

> ''آپ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت کا فرمان دربار خداوندی سے صادر ہوگا۔'' (ص/ 142)

اس لئے کہ اللہ مالک و مختار ہے، جسے چاہے بخش دے، اسے یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں فلاں کو بخشنا چاہتا ہوں، مگر آپ اس کی سفارش کردیں۔ بھلا یہ کیسی بات ہے، نعوذ باللہ! کیا پروردگار کو بھی کسی کا خوف ہے کہ وہ از خود کسی کے گناہوں کو ڈھانپ لے تو کوئی اس سے مواخذہ کرے گا، اس لیے وہ بیچ میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ڈال رہا ہے، نہیں ہرگز

نہیں۔ یہ صرف اصلاحی صاحب کی ذہنی اختراع ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''اسی کی'' شفاعت کریں گے ''جس کی'' شفاعت کا فرمان دربار خداوندی سے صادر ہوگا۔ دراصل اصلاحی صاحب نے نہ شفاعت کا حقیقی مفہوم سمجھا ہے اور نہ ہی انہیں امت کے عقیدے کا علم ہے۔ شفاعت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اذن ایزدی کے بعد حضور صلی اللہ وسلم امت کے جس فرد کی شفاعت فرمائیں گے اللہ رب العزت اس پر اپنا فضل فرمائے گا۔ یہ تصور ہرگز ہرگز قرآن کریم سے متصادم نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کی رو سے شفاعت کی ہر اس شخص کو اجازت ہے جس نے اللہ سے عہد باندھا ہے۔

لا یملکون الشفاعة الا من التخذ عند الرحمٰن عهدا۔ (مریم 16/87)

(لوگ شفاعت کے مالک نہیں، ان کے سوا جنہوں نے رحمٰن کے پاس عہد و قرار رکھا)

ولا یملك الذین یدعون من دونه الشفاعة الا من شهد بالحق وهم یعلمون۔ (زخرف 25/86)

(اللہ کے سوا جنہیں یہ پوجتے ہیں وہ مالک شفاعت نہیں، ہاں شفاعت وہ کرسکتے ہیں جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے طلب شفاعت جائز نہیں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا "**انا فاعل انشاء اللّٰه**" میں انشاء اللہ تمہاری شفاعت کروں گا۔

(رواہ الترمذی وحسنہ فی باب ماجاء فی صفۃ الصراط)

یونہی حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو اپنے نعتیہ اشعار پیش فرماتے ہوئے عرض کیا۔ ؎

فکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعة   سواك بمغن عن سواد بن قارب

(تو آپ اس دن میری شفاعت کریں جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کو کسی کی شفاعت کچھ فائدہ پہنچا کر بے نیاز نہ کرسکے)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طلب شفاعت پر حضرت سواد کی حوصلہ افزائی کی۔

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوہ)

حضرت مازن بن العضوب جب اسلام لاکر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں

حاضر ہوئے تو یہ شعر پڑھ کر طالب شفاعت ہوئے۔

لتشفع لی یاخیر من وطیء الحصا فیغفر لی ربی فارجع بالفلج

(اے زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر! آپ میری شفاعت فرمائیں تو میرا رب میری مغفرت فرمادے اور میری کامیاب واپسی ہو) (رواہ ابونعیم فی دلائل النبوۃ، ص ر 77)

عکاشہ بن محصن نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس وقت طلب شفاعت کیا جب آپ نے فرمایا کہ ستر ہزار مسلمان بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ عکاشہ نے عرض کیا "**ادع اللّٰہ ان یجعلنی منھم**" (آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی انہیں لوگوں میں شامل فرما دے)۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی وقت بلا توقف کے ارشاد فرمایا "**انت منھم**" (تم انھیں میں شامل رہو گے)۔

یہ احادیث حضور کے اس اختیار کی بھی شاہد ہیں جو انھیں ان کے پروردگار نے عطا کیا ہے کہ آپ ملت اسلامیہ کے جس فرد کو چاہیں جنت کا پروانہ عطا فرمادیں۔ بعض صحابہ نے واضح طور پر آپ سے طلب شفاعت کیا، یا طلب دخول جنت کیا، یا یہ کہ میں حوض کوثر سے سیرابی حاصل کروں، یا یہ کہ جنت میں مجھے آپ کی رفاقت نصیب ہو وغیرہ، مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی سے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے طلب شفاعت یا طلب جنت یا طلب رفاقت یا سیرابی حوض کوثر درست نہیں ہے۔ جب آخرت سے پہلے اس دنیا میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے طلب شفاعت درست ہے تو یقیناً بروز حشر طالبان شفاعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی جب اللہ انہیں اذن شفاعت سے سرفراز فرمائے گا۔ کوئی عام سمجھ والا مسلمان بھی اس کے خلاف عقیدہ نہیں رکھتا۔

''غنیۃ الطالبین'' میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے ''سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت'' کے باب کا آغاز ہی اس جملے سے کیا ہے:

> ''اس بات پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کو کبیرہ اور صغیرہ گناہ کرنے والوں کے حق میں حساب کے وقت قبول فرمائے گا۔'' (ص ر 152، ترجمہ شمس صدیقی بریلوی)
>
> انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث پاک بھی نقل کی ہے کہ ''میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر پڑوں گا، اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے محمد! سر اٹھاؤ اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے

گی، سوال کرو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا، میں سر اٹھا کر عرض کروں گا یارب امتی امتی! میں برابر اپنے اللہ کی طرف رجوع کرتا رہوں گا، اللہ تعالی فرمائے گا جاؤ دیکھو جس کے دل میں دانہ کے برابر بھی ایمان پاؤ اس کو دوزخ سے نکال لو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے اس قدر لوگوں کو دوزخ سے نکالوں گا کہ وہ پہاڑ کی بلندی کے برابر ہوں گے۔'' (ایضاً)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کردہ ایک اور حدیث پاک انہوں نے یوں نقل کی ہے:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے، چنانچہ ہر ایک نبی نے اپنی دعا کرنے میں عجلت سے کام لیا، لیکن میں نے اپنی دعا کو محفوظ رکھ چھوڑا تا کہ قیامت کے دن اپنی امت کی سفارش کروں، چنانچہ میری شفاعت انشاء اللہ امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا ہو، انشاء اللہ میری دعا اس کے حق میں ضرور قبول ہوگی۔'' (ص/153)

پھر یہ کہ شفاعت دعا ہی تو ہے اور دعا ماذون بھی ہے اور مقبول بھی، مگر کیا دعائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی نامقبول ہوسکتی ہے؟

بہر حال اصلاحی صاحب کی تاریخ دانی بھی کمزور معلوم ہوتی ہے۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت ماہ محرم میں نہیں بلکہ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی تھی اور وہ ذبح نہیں کئے گئے تھے بلکہ انہیں زہر دیکر شہید کیا گیا تھا۔ اقبال سہیل صاحب نے اپنے شعر۔

اور وہ ریحاں باغ نبی کے، گوہر غلطاں تاج علی کے شاہ شہیداں، ذبح محرم، صلی اللہ علیہ وسلم

میں ''ذبح محرم'' کہہ کر واضح طور پر حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی عظمت و بڑائی بیان کی ہے، مگر اصلاحی صاحب اسے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے اپنی علمی ثقاہت کو خود ہی مجروح کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے بزعم خویش متعدد ایسی باتیں کی ہیں جو بحث در بحث کا دروازہ کھول سکتی ہیں۔ مثلاً ''کوثر سے خانہ کعبہ مراد ہے''، ''صوفیہ کرام کا مخصوص توکل اور خود کو غاروں کے سپرد کر دینا قرآنی توکل کے برعکس ہے''، ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو طٰہٰ اور یٰسین کہہ کر اپنا مدعا بیان کیا جاتا ہے جبکہ یہ طرز تخاطب بغیر کسی حجت کے ہے، نظم قرآن کی روشنی میں ان دونوں کو سرور کائنات سے منضبط کرنا مناسب نہیں ہے''، ''امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں جس

فقر کو موضوع بحث بنایا ہے وہ اسلامی مزاج کے برعکس ہے''، ''رہبانیت اور فقر دونوں مترادف ہیں، متصوفانہ فقر کا تعلق اسی عیسائی رہبانیت سے ہے، اس کا اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے''، ''علامہ اقبال کی لے تو حجازی تھی لیکن فرہنگ قرآنی کا معاملہ کمزور تھا''، اور پھر یہ بلند وبانگ دعویٰ کہ ''اب تک کوئی ایسا نعت گو نہیں ہے جسے اقبال سہیل کا متشابہ ومتقارب قرار دیا جاسکے''۔

درحقیقت اصلاحی صاحب نے بجائے ''موج کوثر'' کے ایماندارانہ تجزیئے کے اپنے دل کے پھپھولے جلائے ہیں۔ ان کے فکر وفن کو غذا کہاں سے فراہم ہورہی ہے اس کا اظہار انہوں نے خود ان اعلانات کے ذریعے کیا ہے:

> مولانا فراہی نے اپنی تفسیر سورۂ اخلاص کے ذریعہ شرکیہ مفاسد پر تیشہ زنی کی ہے۔ (ص/121)
>
> مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے رسالہ ''حقیقت شرک'' کے ذریعہ شرکیہ مفاتن پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ یہ شئی مذموم اسماء حسنیٰ سے دور کر دیتی ہے۔ (ایضاً)
>
> پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے شرکیہ خرافات کے متعلق اپنی تفسیر ''میزان القرآن'' میں مدلل انداز میں بحث کی ہے۔ (ایضاً)

اب جنہیں ہر شئے سے شرک کی بو آتی ہو انہیں نعتیہ شاعری کا بڑا حصہ شرک اور موضوع روایات سے مملوء نظر آئے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ نعت کے نام پر کہا جانے والا ہر شعر دراصل نعت ہی ہے اور اس میں افراط وتفریط کی مثالیں نہیں ملتی ہیں، مگر یہ کہنے کا بھی روادار نہیں ہوں کہ نعتیہ شاعری کا بڑا حصہ شرک اور موضوع روایات سے مملوء ہے۔ جو نقائص ہیں ان کی نشاندہی بہر حال کی جانی چاہئے اور ہمارے ناقدین یہ فریضہ انجام بھی دے رہے ہیں، مگر نعتیہ ادب کے ایک بڑے ذخیرے کو ہی کٹہرے میں کھڑا کر دینا قطعاً انصاف ودیانت کا خون ہے اور اصلاحی صاحب نے بجائے تنقید کے تنقیص کا دامن تھام کر یہی کیا ہے جسے کسی بھی طرح صحتمند روایت نہیں کہی جاسکتی۔ اس لئے آپ سے مئودبانہ التماس ہے کہ تخلیقات کی اشاعت سے قبل ان کا بنظر غائر مطالعہ کر لینا ضروری ہے تاکہ وہ آزردگی کا باعث نہ بنیں۔

☆☆☆

مولانا عابد چشتی (پھپھوند شریف، یوپی)

دبستان نعت........چند معروضات

محسن وکرم نواز جناب ڈاکٹر جمیل الدین صاحب راٹھوی کے توسط ومعرفت سے علمی اورادبی سالنامہ ''دبستان نعت'' کا چوتھا شمارہ دیدہ زیب سرورق کے ساتھ باصرہ نواز ہوا، وقت نکال کر کچھ ورق گردانی کی اور چیدہ چیدہ مضامین پرنظر ڈالی تو یہ احساس ،قوی ہوتا چلا گیا کہ یہ محض روایتی جریدہ نہیں ہے بلکہ اپنے اندر مقصدیت اور متعین ہدف کا جوہر لیے ہوئے ہے، مقصد ہے نعتیہ ادب کا فروغ ،جس کے پس پشت کاروان شوق کی عرق ریزیوں کا ایک جہان نظر آیا۔سید صبیح رحمانی نے نعتیہ ادب کے حوالے سے سب سے پہلے پاکستان سے انتہائی مقبول اور معتبر کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کی ابتدا کی تھی جسے عالمی سطح پر خوب پزیرائی ملی اور دیکھتے دیکھتے ان کی یہ کوشش شہرت کے بام عروج پر پہنچ گئی ،جس کے سب سے مبارک اور صالح اثرات یہ مرتب ہوئے کہ پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک کے ادبا اور ارباب دانش نے بھی ''نعت رنگ'' کی نہج پر نعتیہ ادب کو اپنے اپنے حلقوں میں متعارف کرانے کا بیڑا اٹھا لیا، ہندوستان میں اس سعادت کا قرعۂ فال پیکر اخلاص جناب ڈاکٹر سراج احمد صاحب قادری کے نام نکلا، اور انہوں نے قدرت کے حسن انتخاب کا شکریہ ''دبستان نعت'' کی شکل میں پیش کردیا، جو نعتیہ ادب کے افق پر تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ طلوع ہوکر ذہن وفکر کو عشق رسالت کی پاکیزہ کرنوں سے بقعۂ نور بنائے ہوئے ہے ۔ بلاشبہ ''دبستان نعت'' کو عمدہ اور عصری پیشکش، سائنسی انداز، تحقیقی مواد، تنقیدی شعور، نظریاتی بالیدگی اور بلند فکری میں نعت رنگ کا ''عکس جمیل'' کہا جا سکتا ہے، جو نعتیہ ادب کے حوالے سے ہندو پاک کے ادبا و شعرا اور ارباب تحقیق کی مشترکہ افکار ونظریات سے واقفیت کا مستند ماخذ اور ترجمان بنتا جا رہا ہے۔

ا- مدیر محترم جناب ڈاکٹر سراج احمد صاحب کا اداریہ انتہائی وقیع اور ان کے مستقبل کے پاکیزہ عزائم کا عکاس ہے، نعتیہ ادب کے حوالے سے ان کے اندر ایک اضطرابی کیفیت محسوس ہوتی ہے اور

کہتے ہیں کہ یہی اضطراب اگر صحیح رخ پر اپنا کام شروع کر دے تو عہد ساز کارنامے سرانجام پاتے ہیں۔

مدیرِ محترم نے اپنے اداریہ میں بہت کچھ باتیں، قلبی واردات اور اب تک کی کامیابوں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، تاہم اس بار ان کی ادارتی فکر کا ''ارتکاز'' نعت گوئی کے متعلق دو نظریات پر دکھائی دیتا ہے، پہلا نظریہ تو یہ کہ: ''نعت گوئی بہت ہی مشکل فن اور تلوار پر چلنے والا کام ہے'' اور دوسرا نظریہ ''نعت گوئی میں غلو اور حدوں سے تجاوز'' سے متعلق ہے۔ مدیرِ محترم نے ان دونوں نظریوں کو پوری شدت کے ساتھ نہ صرف رد کیا ہے بلکہ انہیں فرسودہ ذہنیت کی اپج اور عجمی فکر کا زائیدہ قرار دیا ہے۔

جہاں تک نعت گوئی میں غلو کی بات ہے تو اس مسئلہ میں ڈاکٹر صاحب کی فکر سے اتفاق کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ یہ شوشہ اصل میں ان کج فکروں کا چھوڑا ہوا ہے جو رسول گرامی کی بے مثال اور بے نظیر نوری ذات کو، جس کا حقیقی عرفان صرف خدائے قدیر کو ہے، ''بڑے بھائی'' کے پیکر میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ موضوع روایات، غیر مستند واقعات اور غیر حقیقی واردات کی مدد سے کہی جانے والی نعت کا حوالہ دے کر اگر اس نظریہ کو قائم کیا جائے تو یہ علمی، فکری اور تحقیقی خیانت کے مترادف ہوگا، اس لیے کہ ناقدین ادب اس چیز کو ''کذب بیانی'' کے زمرے میں رکھتے ہیں جبکہ غلو ایک الگ چیز ہے۔

نعت گوئی میں ''الوہی حدود'' کا پاس و لحاظ رکھنے کے بعد پھر غلو کے سارے امکانات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں اور شاعر بے فکری کے ساتھ نعت گوئی کی فضا میں پرواز کرتا ہے اور اس کے ذہن کی سطح پر جو مضمون دستک دیتا ہے وہ بلا تردد اس کا استقبال کرتا ہے اور الفاظ کا جامہ پہنا کر عقیدت کیشوں کی بزم میں پیش کر دیتا ہے۔ غلو کے مسئلہ میں جہانِ نعت گوئی کی معروف شخصیت امام شرف الدین بوصیری (۸۰۶ھ.......۵۹۶ھ) نے فیصلہ کن اور قاعدے کی بات کہی ہے جسے سامنے رکھ کر نعت گوئی میں غلو کے مسئلہ کو بہت عمدگی کے ساتھ حل کیا جا سکتا ہے، آپ فرماتے ہیں۔؎

دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم   و احکم بما شئت مدحا فیہ و احتکم

و انسب الیٰ ذاتہ ما شئت من شرف   و انسب الیٰ قدرہٖ ما شئت من عظم

فان فضل رسول اللہ لیس لہٗ   حد فیعرب عنہ ناطق بفمہٖ

ترجمہ:

۱-عیسائیوں نے اپنے نبی کے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے اسے چھوڑ کر جو تیرا جی چاہے ان کی مدح و ستائش کر اور اس پر مضبوطی سے قائم رہ۔

۲-آپ کی ذات کریم کی طرف جس شرف و عزت کو چاہے منسوب کر اور آپ کے رتبۂ بلند کی

جانب جس عظمت کا چاہے انتساب کر۔

۳- کیوں کہ رسول اللہ کے فضل وکمال کی کوئی حد نہیں ہے کہ کوئی بولنے والا اپنی زبان سے بیان کر سکے۔

مندرجہ بالا اشعار ہر دور کے نعت گوشعرا کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں جس میں امام بوصیری نے آہوے قلم کے لیے پوری آزادی کے ساتھ مرغ زار نعت میں فکری جولانیوں کے اظہار کی وکالت کی ہے، جس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ امام بوصیری نہ صرف یہ کہ نعت گوئی میں نظریۂ غلو کے قائل نہیں ہیں بلکہ دعوے کی سطح تک وہ اس نظریہ کی تردید کرتے ہیں اور یہ محض دعوا نہیں بلکہ وہ اس نظریہ پر دلیل بھی قائم کرتے ہیں۔ بہر حال نعت گوئی میں نظریہ غلو کے متعلق مدیر محترم کی تشویش اپنی جگہ درست ہے۔

۲-محترم نے اسی کے ساتھ ایک اور نظریہ کو فرسودہ قرار دیا ہے یعنی یہ کہ ''نعت گوئی مشکل اور پر خطر فن ہے'' اس سلسلے میں ہمیں قدرے اختلاف ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ ڈاکٹر صاحب خود نعت گوئی کے فکری ارتقا کے لیے اسلاف کے نقوش فکر کو رہنما قرار دیتے ہیں جس کا برملا اعتراف کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''نعت کی تخلیق، تحقیق اور تنقید کی حساسیت کو ہم اوج ثریا سے آگے لے جاسکتے ہیں اس کے لیے ہمارے اسلاف کے ادوار واطوار اور ان کے نقوش فکر ہماری منزل کی رہنمائی کے لیے بے تاب ہیں۔'' (ص:۴)

مذکورہ نظریہ کو فرسودہ کہنے سے پہلے اگر اسلاف کے نقوش فکر کا سراغ لگا لیا جاتا تو شاید ڈاکٹر صاحب کو اس عقیدے کو فرسودہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، سردست ہم یہ بھی عرض کر دیں کہ ڈاکٹر صاحب کے اختیار کردہ موقف کی پشت پر اگر قابل قبول شواہد کا تائیدی ہاتھ ہوتا تو اسے من وعن قبول نہ سہی، نظر انداز ضرور کیا جا سکتا تھا، مگر ایسا نہیں ہے، نعتیہ ادب کی دنیا میں مشہور اس نظریے کو مفروضہ ثابت کرنے کے لیے جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ قاری کے اطمینان قلبی کے لیے کافی نہیں ہے، اس لیے کہ جس چیز کو دلیل بنایا جا رہا ہے وہ خود میں ایک دعویٰ ہے جو خود محتاج دلیل ہے۔

ڈاکٹر صاحب اس نظریہ کی حمایت میں اس لیے بھی نہیں ہیں کہ بقول ان کے:

> ''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعت گوئی میں ان دونوں فاسد نظریوں کا دخول فارسی نعتیہ شاعری کے ذریعے ہوا، ورنہ جب ہم عربی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرتے

ہیں تو ان دونوں نظریوں کا تصور دور دور تک کہیں نظر نہیں آتا۔‘‘ (ص:۱۸)
شاید عرفیؔ کے مشہور زمانہ شعر۔؎

عرفیؔ مشتاب! ایں رہ نعت است نہ صحرا است آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر صاحب نے اس نظریہ کو ’’فارسی‘‘ قرار دیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ایک محقق کو اس بات سے سروکار نہیں ہوتا ہے کہ نظریہ کا خمیر کہاں تیار ہوا؟ کس ماحول میں نشو ونما پائی اور کن اسباب کے دوش پر سوار ہو کر وہ شہرت کے بام عروج پر پہنچا؟ ایک سنجیدہ محقق ان تمام چیزوں کو کسی نظریہ کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کا معیار کبھی نہیں بناتا، بلکہ اس کے بجائے اس کے نزدیک اہم یہ ہوتا ہے کہ نظریہ کی تہہ میں مضبوط دلائل ہیں یا نہیں اور دوسرے درجے میں وہ نظریہ کی افادیت اور اس کے ممکنہ اثرات پر گفتگو کرتا ہے۔ نعت گوئی کہ مشکل ہونے کے نظریہ پر بھی مذکورہ گفتگو کو چسپاں کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب صاف ستھرا ذہنیت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اسلاف کی قدروں اور ان کے نقوش فکر کو سرمایہ سمجھ کر مشعل راہ بنانے کا مزاج رکھتے ہیں اور ’’نعت کی حساسیت‘‘ کو اوج ثریا پر لے جانے کے لیے وہ اسلاف کی اقتدا کو ایک لازمہ کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اسی مزاج کو دیکھتے ہوئے مجھے ان کی بارگاہ ادب میں یہ کہنے کی جرات ہو رہی ہے کہ؛

ماضی قریب کی جس شخصیت کے ’’ادوار، اطوار اور بے تاب نقوش فکر‘‘ کو منزل تک رسائی کا بہترین رہنما بنایا جا سکتا ہے وہ عاشق رسول، مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہے۔ اعلیٰ حضرت نے نعتیہ ادب کو جن نئی جہتوں اور نئے آفاق سے متعارف کرایا وہ ایک مسلمہ حقیقت کی شکل میں تاریخ کے حافظے میں محفوظ ہے۔ یوں تو انہوں نے فن نعت گوئی میں مختلف تجربات کے ذریعے اسے نئی وسعتوں سے ہمکنار کیا مگر ان کی نعت گوئی کا سب سے نمایاں پہلو ’’احتیاط اور ادب رسالت کی پاسداری‘‘ ہے، اس لیے کہ وہ شاعر محض نہیں تھے بلکہ حقیقت و معرفت اور شرعی تقاضوں کی باریکیوں سے بھی بخوبی واقف تھے۔ ڈاکٹر صاحب نعتیہ ادب کی حساسیت کو عروج کی جس منزل پر دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں، میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کے نقوش فکر کو رہنما بنائے بغیر ان کے لیے اس میدان کا سر کرنا بہت مشکل ہوگا۔ مسلک، عقیدہ، عقیدت، ادب نعت تمام جہتوں میں ان کی پیش کردہ فکر معتدل ہونے کے ساتھ ساتھ محتاط بھی ہے، وہ جو کہتے ہیں شرعی، عرفانی اور وجدانی پیمانوں پر ناپنے کے بعد کہتے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ عشق و وجدان اور روحانی سطح پر آج کا کوئی بھی نعت گو شاعر اعلیٰ حضرت سے زیادہ بارگاہ رسالت کا قرب رکھتا ہوگا، اس

کے باوجود اعلیٰ حضرت نعت گوئی کے تعلق سے اسی نظریہ کے حامل ہیں جسے ڈاکٹر صاحب ''فاسد'' اور'' فرسودہ'' کے خانے میں ڈال کر دیکھ رہے ہیں، چناں چہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''حقیقت میں نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھا ان میں تلوار کی دھار پر چلنا ہوتا ہے'' (ص:۲۷۴)

اس اقتباس میں امام اہل سنت نے نعت گوئی کے حوالے سے عوامی رجحان اور حقیقت واقعی دونوں کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی عوامی رجحان و مطمحِ نظر تو یہ ہے کہ نعت گوئی آسان ہے مشکل نہیں، جبکہ عرفانی سطح پر ادب رسالت کی نزاکتوں کو سمجھنے والے جانتے ہیں کہ نعت گوئی بہت مشکل اور تلوار پر قدم رکھنے کے مترادف ہے۔

اپنے وقت کے مجدد، امام عشق و محبت، شریعت، طریقت اور حقیقت کے رمز شناس اور فن نعت گوئی میں ''وزارتِ عظمیٰ'' کے منصب پر فائز، جن کی شخصیت فکری اعتدال اور نظریاتی احتیاط کا استعارہ بن کر ابھری، ڈاکٹر صاحب نے ان کی فکر سے شعوری یا غیر شعوری طور پر اختلاف کیوں کیا؟، ہماری فہم و خرد سے باہر ہے، جبکہ وہ خود اسلاف کے نقوشِ فکر کے سہارے ہی اوجِ ثریا کی بلندیوں پر کمندیں ڈالنے کی بات کرتے ہیں۔ امید ہے کہ مدیر محترم کی فکر رسا اس الجھن کا کوئی تشفی بخش حل ضرور نکالے گی۔

۳- پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کا مضمون زبان و ادب اور معلومات کے لحاظ سے چاہے جتنا عمدہ کیوں نہ ہو، مگر فکری اور اعتقادی نقطۂ نظر سے ان کا مضمون بہر حال قابل گرفت اور نا قابل برداشت ہے۔ سب سے پہلے تو ہم یہ عرض کر دیں کہ نعتیہ ادب دیگر اصناف سخن سے جہاں اور کئی جہتوں سے مختلف ہے وہیں اس کے امتیاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نعتیہ ادب کے جلو میں اسلامی افکار کی ترسیل اور مذہبی نظریات کے فروغ کا عنصر، خود بخود شامل ہو جاتا ہے اور یوں نعتیہ ادب اظہار محبت اور رسول گرامی وقار کی بارگاہ سے قلبی ارتباط کی لفظی تعبیر کے ساتھ عقائد، نظریات اور اسلامی نقطہائے نظر کی ترجمانی کا بھی بہترین وسیلہ بن جاتا ہے۔ نعت کے توسط سے قاری اور سامع کے ذہن میں عشق رسالت کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کا وافر حصہ بھی منتقل ہونے لگتا ہے۔ ایسے میں بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ نعت کے ساتھ نعت گو یا نعتیہ ادب پر لکھنے والوں کی ذہنیت پر بھی نظر رکھی جائے اس لیے کہ جس کے لاشعور میں جس طرح کے افکار ہوتے ہیں ان کا عکس ان کی تحریروں میں نظر آتا ہے۔

اصلاحی صاحب کا مضمون پڑھنے کے بعد پہلے تو یہ احساس ہوا کہ شاید مدیر محترم نے موصوف کے مضمون کا بنظر غائر تجزیہ کیے بغیر محض ان کی عوامی شہرت، اور ادبی حلقوں میں مقبولیت کے پیش نظر

شامل اشاعت کرلیا ہے تاہم ان کی غیرت ایمانی آئندہ اس طرح کے مضامین کی اجازت نہیں دے گی مگر جناب اقبال اعظمی صاحب گھوسی کا تنقیدی مضمون ''دبستان نعت۔۳ پر ایک عمیق نظر'' پڑھا تو پتہ چلا کہ اصلاحی صاحب اس سے پہلے بھی دبستان نعت کی بزم میں شرکت کر چکے ہیں اور اس سے پہلے بھی وہ گل افشانیاں کر چکے ہیں جس کا سنجیدہ تعاقب اعظمی صاحب نے اپنے مضمون میں کر دیا ہے۔

زیر نظر مضمون میں جہاں اصلاحی صاحب نے نعتیہ شاعری کے بڑے حصے کو ''شرک'' پر مشتمل قرار دے کر بیکار مانا ہے وہیں آگے چل کر اصلاح نفس اور فقر و فاقہ کے سلسلہ میں صوفیا کے منہج کو قرآن کے خلاف قرار دے کر امام غزالی جیسی مسلمہ شخصیت کو بیک جنبش قلم مورد الزام ٹھہرایا ہے، اور ان کا بدمست قلم اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''شفیع الامم'' ہونے اور ان کے ذریعے گنہگاروں کی شفاعت کے عقیدے کو بھی قرآن سے متصادم قرار دینے میں وہ کسی قسم کی رعایت کیے بغیر لکھتے ہیں کہ:

> ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفیع الامم ہیں، اپنی شفاعت سے ملت اسلامیہ کے گناہوں کی معافی فرمائیں گے جبکہ یہ تصور قرآن کریم سے متصادم ہے۔'' (ص:۱۴۲)

پورے مقالے میں جابجا اصلاحی صاحب نے اپنے عقیدے کو صاف لفظوں میں اس طرح بیان کر دیا ہے کہ ان تمام عقائد کو جوڑ دیا جائے تو ان کی فکر و نظریات کا ہیولا صاف دکھائی دینے لگتا ہے کہ وہ سلفی مزاج ہیں اور ان کے شعور و لاشعور پر وہابی نظریات کا تسلط ہے۔ یہاں پہنچ کر میں معذرت کے ساتھ عرض کر دوں کہ ڈاکٹر سراج احمد صاحب جن کے نام کے ساتھ ''قادری'' کا لاحقہ اس بات کا اشاریہ ہے کہ وہ تصوف و صوفیا کے پاکیزہ نظریات و تعلیمات کا سرمایہ اپنے سینے میں لیے ہوئے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے وابستہ تمام افکار جو کابراً عن کابرٍ ان تک پہنچے ہیں وہ کسی سطح پر ان سے سمجھوتا کرنے کے قائل نہیں ہیں، اس کے باوجود اصلاحی صاحب کے ساتھ اس قدر نرمی اور ان کی آشفتہ بیانی کو نظر انداز کرنا میرے لیے حیرت انگیز ہے۔ میرے خیال سے دبستان نعت کی بزم میں ایسی تحریروں کی پزیرائی ہرگز نہیں ہونی چاہیے جو تحقیق و تاریخ کی آڑ میں اہل سنت سے متصادم نظریات کو پروسنے کی کوشش کریں اور ان موضوعات وعناصر کو شرک کے دائرے میں کھینچیں جن سے نعتیہ ادب ترکیب پاتا ہے۔

۴- جناب اقبال صاحب اعظمی کا تنقیدی مضمون پسند آیا، انہوں نے تنقیدی و تجزیہ کے پورے

مرحلے میں شائستگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کئی مقامات پر ضبط سے کام لے کر قلم کی حرمت کو مجروح ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ ان کی تحریر کے بین السطور سے علمی گیرائی، لسانی مہارت اور نعتیہ ادب پر ان کے گہرے مطالعے کا پتہ چلتا ہے۔ اخیر میں ڈھیر ساری مبارک باد پیش کرتا ہوں ڈاکٹر سراج احمد صاحب قادری اور ان کی پوری ٹیم کو جنھوں نے ادب کی انتہائی منفرد، حساس اور مبارک صنف ''نعتیہ ادب'' پر تحقیقی کام کا بیڑا اٹھایا ہے جس کے چار پڑاؤ خوبصورتی کے ساتھ طے کیے جا چکے ہیں۔

☆☆☆

ایم۔نصر اللہ نصر (ہوڑہ)

''دبستان نعت''۔(۴)ایک تاثراتی جائزہ

''دبستان نعت'' ڈاکٹر سراج احمد قادری (خلیل آباد) کی ادارت، فیروز احمد سیفی (نیویارک) کی نگرانی اور سید صبیح رحمانی (پاکستان) کی سرپرستی میں خلیل آباد۔سنت کبیر نگر (یو۔پی) سے شائع ہونے والا بالکل منفرد رسالہ ہے جو صرف صنف نعت گوئی کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہے۔اس رسالے میں نعت گوئی کے تعلق سے مضامین، مقالے، تجزیے، تاثرات، تبصرے، محاسبات اور نعوت شائع کی جاتی ہیں۔ یہ ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک ہے جس کی کوشش یہی ہے کہ نعت گوئی کو ادب عالیہ میں شامل کیا جائے، اسے دوسرے درجے کا ادب نہیں سمجھا جائے۔ نیز کالج اور یونیورسٹیوں کے نصابوں میں بطور لازمی مضمون شامل کیا جائے۔جس کا ردعمل یہ ہوا ہے کہ ہندوستان کی کئی یونیورسٹیوں کے نصاب میں نعت گوئی کو غزل، نظم، افسانے وناول کی طرح تحقیقی مضامین کے طور پر شامل کرلیا گیا ہے۔طلبا اس پر تحقیق کا کام بھی کررہے ہیں۔خود ڈاکٹر سراج احمد قادری کی تحقیق کا موضوع بھی ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری'' رہا ہے اور انہیں ڈگری بھی تفویض ہوئی ہے۔ان کی تحقیق کے مطابق اب تک ملک اور بیرون ملک کی یونیورسٹیوں میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے متعلق ۳۵ مقالے لکھے جاچکے ہیں۔خود ہندوستان کی چار یونیورسٹیاں (۱) بہار یونیورسٹی، مظفر پور (۲) ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر مدھیہ پردیش (۳) روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی (۴) کانپور یونیورسٹی سے چار پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے لکھے جاچکے ہیں یہ مقالے حسب ذیل ہیں ا۔

۱- حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت محقق ومقالہ نگار: ڈاکٹر جوہر شفیع آبادی۔ بہار یونیورسٹی۔(بہار)

۲- اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور ان کی نعت گوئی: ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل۔ ہری سنگھ گور یونیورسٹی۔(مدھیہ پردیش)

۳۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔ رہیل کھنڈ یونیورسٹی۔ بریلی، (یو۔پی)

۴۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری: ڈاکٹر سراج احمد قادری۔ کان پور یونیورسٹی (کان پور)

قادری صاحب فرماتے ہیں کہ عالمی سطح پر جامعات میں نعت گوئی نصاب میں داخل کرنے اور اسے معیاری بنانے کے لئے ایک منظّم تحریک چلانے کی ضرورت ہے جہاں سے ہر سال طلبا و طالبات ایم۔فل، پی۔ایچ۔ڈی اور ڈی لٹ کی اسناد حاصل کرسکیں۔ میں اس کی تائید کرتا ہوں اور عرض گزار ہوں کہ اس تحریک سے جڑنا ہمارا فرض بنتا ہے اور ان کا ساتھ دینا بھی لازمی ہے۔ اس کے لئے ایک ادارے اور تنظیم کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے لئے یہ رسالہ ''دبستانِ نعت'' کافی معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ جس کے ذریعہ طلبا کو مکمل اطلاع و آگاہی ملتی رہے گی۔

پاکستان سے نکلنے والا مقبول و معروف رسالہ ''نعت رنگ'' کے بعد اس نوعیت کا یہ دوسرا اہم جریدہ ہے۔ یہ ماہانہ، سہ ماہی یا ششماہی رسالہ تو نہیں ہے بلکہ بک سیریز ہے ایک کتابی سلسلہ ہے جو سال میں ایک بار شائع ہوتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ نہ اس کا کوئی زرِ سالانہ مقرر ہے اور نہ ہی پرچے کا ہدیہ۔ فیروز احمد سیفی اور ان کے ہم خیال احباب اس کا بار اٹھائے ہوئے ہیں۔ اسے اعزازیے کے طور پر قارئین تک مع ڈاک خرچ برداشت کرتے ہوئے پہنچایا جاتا ہے۔ اس کے اخراجات کا انتظام اپنے حبیب کے صدقے میں اللہ تعالیٰ ہی کرواتا ہے۔ ان شاء اللہ آگے بھی کرواتا رہے گا۔

ہندو پاک کیا ساری دنیا میں غزل کے بعد نعت سب سے زیادہ لکھی جاتی ہے نعت کے مجموعے بھی بکثرت شائع ہوتے ہیں مگر اس معاملے میں لوگ سنجیدہ نہیں ہیں۔ نعت کو میلاد کے جلسوں اور دیگر محفلوں کے آغاز تک ہی محدود رکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ''دبستانِ نعت'' کے توسط سے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ لوگ سنجیدگی کے ساتھ اسکی اہمیت و افادیت کو سمجھیں۔ محفلوں میں نعت خوانی اور چھٹے کمانے کے خیال سے بالاتر ہوں اور صنف نعت گوئی کا جائز حق دلانے میں دستِ تعاون بڑھائیں۔ اس تحریک کا اثر دیر سے ہی سہی مگر ہو رہا ہے۔ یونیورسیٹیاں اب نعت گوئی کو بھی اپنے نصاب میں شامل کررہی ہیں۔ اب نعت پر تحقیق کا کام بھی چل رہا ہے۔ ہاں اسے مستحکم کرنے کے لئے آواز بلند کرنا اور آپ کا اس تحریک سے جڑنا لازمی ہے۔

دبستانِ نعت کا تعلق ایسا ہے کہ فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحبان کی طرف سے

یہ گزارش کی گئی تھی کہ نعت گوئی کے تعلق سے خاکسار کوئی مضمون لکھے۔ میں نے غیر سنجیدہ ہوکر ایک مضموں لکھ کر بھیج دیا تھا۔ پھر میرے پاس ''دبستان نعت'' شمارہ۔۳ کی کاپی بذریعہ ڈاک آئی۔ میں اسے دیکھ کر چونکا۔نعت گوئی پر اتنا بڑا کام، اتنا ضخیم رسالہ نعت کے تعلق سے، وہ بھی کتابی سلسلہ کے طور پر تو پھر میں نے اپنا دوسرا مضمون ترمیم و اضافے کے ساتھ بھیجا جو ''دبستان نعت'' شمارہ نمبر۴ میں بعنوان ''نعتیہ شاعری کا تجزیاتی مطالعہ'' شامل ہے۔ اب یہ حکم ہوا ہے کہ اس پر ایک تبصرہ ارسال کروں، سو حاضر ہے۔

''دبستانِ نعت'' شمارہ ۴۔جنوری تا دسمبر ۲۰۱۹ نہایت ہی پُر مغز مضامین اور دلکش نعتوں کے ساتھ ۶۸۰ صفحات پر مشتمل رسالہ پیش نظر ہے۔ جس میں نعت گوئی کے تعلق سے ۳۵ بصیرت افروز مضامین شامل ہیں۔ ابواب کی تقسیم کچھ اس طرح ہے ا۔تحمید و تقدیس جس میں پانچ مضامین شامل ہیں ۲۔تابش فکر و نظر۔ جس میں دس نہایت ہی فکر انگیز مضامین یکجا کیے گئے ہیں۔ ۳۔افکار روشن، یہ باب ۱۹ مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ انیس تابدار موتیوں سے کم نہیں۔(۴) زاویۂ نگاہ جس میں ''دبستان نعت'' شمارہ نمبر۳ کے تعلق سے ۹ بصیرت افروز تبصرے زینت قرطاس ہیں۔(۵) کائنات نعت۔ اس باب میں پانچ کلیات نعت، دیوان نعت، اور مجموعہ ہائے نعت پر خوبصورت اور پُر مغز تجزیئے موجود ہیں۔(۶) گلہائے عقیدت۔ اس میں ۳۲ نعوت پاک کا گلدستہ پیش کیا گیا ہے جو قارئین کے لئے روحانی تسکین کا سامان ہے۔(۷) آخری باب ''ستائش نامے'' میں پندرہ مداحوں، ستائش گزاروں اور پسند فرمانے والوں کی آرا بھی شامل ہیں۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ کس کس مضمون کی وضاحت کی جائے۔ سب سے پہلے تو میں اداریہ نگار کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اس نے خوبصورت اداریہ لکھ کر یہ باور کرا دیا ہے کہ صحافت کے ہنر سے وہ واقف ہے۔ اس ادرایہ کے مطالعہ سے پوری کتاب کا اختصاص، اغراض و مقاصد اور مواد کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس اداریہ میں نعت کی تعریف، روایت وارتقا، نعت گوئی کے مقاصد اور نعتوں پر خوبصورت تحقیقی و تنقیدی مباحث موجود ہیں جو قاری کو ذہنی و روحانی مسرت سے آشنا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں مدیر موصوف لکھتے ہیں:

> ''نعتیہ ادب پر اب تک لکھی گئی تقریباً تمام تر کتب میرے مطالعے سے گزر چکی ہیں ان میں پیش کیے گئے افکار و نظریات میں دو نظریے مجھے فرسودہ اور قیاس مع الفارق نظر آتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ''نعت گوئی بہت ہی مشکل فن ہے''

> اور دوسرا ''نعت گوئی میں شعرا نے غلو سے کام لیا ہے'' پہلے نظریے کی تردید استاد محترم پروفیسر سید ابالحسنات حقی کی تحریر سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے ذات نبی اکرم سلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں غور وخوض کے بعد ایک نئ جہت اور ایک نئے نظریے کو پیش کیا ہے اور وہ نظریہ ہے نعت گوئی کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ تقرب حاصل ہو جاتا ہے جو ہمیں غلطی کے امکان سے محفوظ و مصون رکھتا ہے۔ میری اپنی فہم وفراست میں غلو ومبالغے کا حکم دیگر اصناف پر تو عائد کیا جا سکتا ہے مگر نعت پر نہیں اس لئے کہ یہ اس سے ماوریٰ ہے۔''

دراصل یہ بات عقیدت پر جا کر ٹھہرتی ہے۔ عقیدت اور نسبت میں اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی متصور ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہمسری یا برتری کا تصور نہیں ہے تو غلو کا محل نہیں اور نعت گوئی بھی آسان ہو سکتی ہے۔ خالق اور مخلوق، ساجد و مسجود، حامد و محمود رب اور رسول میں فرق تو لازمی ہے۔

دوسری تمام تخلیقات کافی معلوماتی اور پُر مغز ہیں۔ اکثر مضامین تو بالاستیعاب مطالعے کے بعد ہی لکھے گئے ہیں اور بالاستیعاب مطالعے کے بعد ہی احتساب میں آسکتے ہیں اس کے باوجود تمام قلمکار مبارکباد کے مستحق ہیں جن کے مضامین اس شمارے میں شامل ہیں۔ ایک اور بات جو دیکھنے کو ملتی ہے وہ یہ کہ اقبال اعظمی صاحب بیشتر نعتوں کی جراحی خوب کرتے ہیں۔ کچھ تو باتیں ان کی لائق ستائش ہیں مگر سبھی قابل قبول نہیں۔ استادی اپنی جگہ مگر شاعر کی حرمت کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ شاعری بہت پہلے کھونٹے سے آزاد ہو چکی ہے۔ وہی شتر گربہ' اجتماع ردیفین اور ساقط الوزن والی بات کب تک۔ اس سے آگے کی بات ہو تو بات بنے، محاسن شعر پر کبھی گفتگو نہیں کرتے، معائب شعر کے اور بھی نکتے ہیں اس کی بات نہیں کرتے، پھر بھی ان کی تنقیدی تحاریر سے سیکھنے کے مواقع ضرور ملتے ہیں۔ اس طرح دیکھتے ہیں کہ اس رسالے کے مطالعے سے شعر گوئی کا ہنر، زبان و بیان اور ادب نگاری کا سامان بھی بہم ہو رہا ہے۔ فاروق جائسی کا تجزیہ بھی خوب ہے۔ کافی گہرے مطالعے کے بعد انہوں نے اپنی رائے پیش کی ہے جس کے لئے وہ بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ باقی دوسرے تخلیق کارا اور مصنّفین کو بھی دلی مبارکباد۔ اللہ اس رسالے کی عمر دراز کرے اور نظر بد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

☆☆☆

حلیم صابر (کولکاتا)

فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ 'دبستان نعت'

حمدیہ و نعتیہ ادب کو فروغ دینے کے سلسلے میں کئی طرح سے شاعر و ادیب کی خدمات اور ان کی سعی مسلسل ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ ہر شہر میں علاقائی طور پر طرحی و غیر طرحی نعتیہ مشاعرے، جلسۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، نعت خوانی اور نعتیہ انعامی مقابلے وغیرہ کا انعقاد نعتیہ ادب کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مزید برآں کل ہند اور عالمی سطح پر حمدیہ و نعتیہ ادب کو فروغ دینے میں ماہنامہ، سہ ماہی اور شش ماہی مخصوص رسائل و جرائد بھی اہم کردار ادا کر رہے ہیں جن میں بعض جریدے اپنی ضخامت اور معیاری تحریروں کی بدولت بین الاقوامی سطح پر قارئین اور مصنفین سے رابطہ قائم کر کے مقبولیت کی بلندی پر نظر آتے ہیں۔ ایسے ایمان افروز جریدوں کا اگر شمار کیا جائے تو سرزمین یوپی کے خلیل آباد سے شائع ہونے والا فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ ''دبستانِ نعت'' سرفہرست نظر آئے گا جو سید صبیح رحمانی بانی و مؤسس نعت ریسرچ سنٹر انٹرنیشنل کراچی کی سرپرستی اور فیروز احمد سیفی نیویارک کے زیر نگرانی برصغیر کے علاوہ یورپ و امریکہ اور عالمی اردو بستیوں میں رسائی حاصل کر چکا ہے جس کے مدیر سراج احمد قادری ہیں۔ سراج احمد قادری کی ادارت اور مشاہیر ادب پروفیسر عبدالحق دہلی، ڈاکٹر آصف آدر، گلاسگو، ڈاکٹر احمد القاضی، جامعہ از ہر مصر، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، رشید اختر خان، ڈاکٹر رضوان انصاری، ڈاکٹر شعائر اللہ خان، ڈاکٹر مقصود احمد اور ڈاکٹر اسد ثنائی صاحبان کی مجلس مشاورت میں شمولیت سے دبستانِ نعت کا چوتھا شمارہ پہلے سے خوب تر اور ضخیم صورت میں برصغیر کے علاوہ عالمی سطح پر قارئین کے زیبِ مطالعہ بننے کا شرف حاصل کر چکا ہے اور مزید بہتری کی جانب اس کی پیش رفت جاری ہے جو اس رسالے کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اس سے قبل دبستانِ نعت کے تین شمارے شائع ہو کر قارئین کے ذوقِ مطالعہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ پچھلے رسالوں کی کامیابی کا اندازہ اس شمارے کے اواخر میں شائع شدہ ستائش نامے سے کیا جا سکتا ہے کیونکہ مدیر کے نام خطوط جن میں

قارئین کے تاثرات پڑھنے کو ملتے ہیں ان سے رسالے کی اہمیت واضح ہوتی ہے، لہٰذا چند خطوط کے اقتباس مختصر طور پر ملاحظہ فرمائیں:

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ (جلگاؤں): مشمولات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہایت مقتدر ادیبوں نقادوں اور شعراء کے رشحات شامل کیے گئے ہیں جن کا مطالعہ نہایت اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔'' شارق عدیل (مارہرہ): ''دبستان نعت کا تیسرا شمارہ اس خیال کو مزید پختگی عطا کرتا ہے کہ یہ نعت کے تخلیقی حوالے سے ایک مشن ہے جو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرے گا۔'' ڈاکٹر آفاق فاخری: ''دبستانِ نعت کا شمارہ-3 ایک دستاویزی حقیقت ہے جسے عصر حاضر میں نعتیہ شعر و ادب کا خوب صورت منظر نامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔''

سمیعہ ناز اقبال (انگلینڈ): ''دبستان نعت'' بھی ''نعت رنگ'' کراچی (پاکستان) کی طرح ایک وقیع دستاویز کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا ہے، بہت ہی عمدہ اور جامع کوشش ہے۔'' الحاج سید مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور): ''ہندستان میں جب نعت گوئی کی تاریخ رقم کی جائے گی تو ''دبستانِ نعت'' کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔'' ڈاکٹر سید چندا حسینی اکبر (گلبرگہ): ''دبستانِ نعت، عمدہ اور معیاری ہے، سبھی دانش ورانِ اہل قلم کے مضامین، تجزیے وغیرہ گراں قدر اور معنی خیز ہیں۔'' امجد جاوید (یوکے): ''دبستانِ نعت، اپنے اندر معلومات کو سموئے ہوئے ہے۔ تنقید و تائید، ایک نیا اسلوب، اصنافِ نعت اور تذکرہ و تعارف نعت گو حضرات، کیا نہیں ہے، اس ''دبستانِ نعت'' میں۔''

مشاہیر ادب کے مذکورہ بالا تاثرات ''دبستانِ نعت'' کے سابقہ شمارے کی کامیاب پیش کش اور اس کی مقبولیت پر مہر تصدیق کی صورت ہیں۔ پچھلا شمارہ-640 صفحات پر مبسوط تھا جب کہ زیر نظر چوتھا شمارہ 680 صفحات پر مشتمل ہے۔ ''دبستانِ نعت'' کے صفحات میں اضافہ اس کی مقبولیت میں اضافہ کے مترادف ہے۔ اب اس قدر ضخیم مجلّے پر تفصیلی گفتگو کسی ایک مختصر مضمون میں ممکن نہیں، البتہ اس میں شامل مشمولات اور قلم کاروں کا مختصر تعارف پیش کیا جا سکتا ہے ورنہ اس کا مطالعہ ہی دبستانِ نعت کا مکمل تعارف ثابت ہوگا۔ بہر حال ہم حمد و نعت کے تعلق سے مقالات اور مضامین پر مختصر طور پر اظہارِ خیال کرنا چاہیں گے۔ ''دبستانِ نعت'' کے ہر شمارے میں حمد و نعت کے تعلق سے تحقیقی اور تنقیدی مضامین سے ان حقیقتوں کا انکشاف ہوتا ہے جو پردۂ خفا میں پڑی ہوتی ہیں مثلاً تیسرے شمارے میں ڈاکٹر محمد آصف مراد آبادی نے اردو نعت کے اولین ناقد تمنا مراد آبادی سے متعارف کرایا جو ان کی گراں قدر تحقیقی کاوش ہے۔

اسی طرح موجودہ شمارے میں ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کا تحقیقی مضمون بعنوان ''چنداین مولانا داؤد ڈلمئی اور نعت شریف، ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ'' معلومات کا ایک ایسا باب قارئین کے لیے وا کرتا ہے کہ جس میں ''لوٹ ماضی کی طرف اے گردش ایام.....'' کے مصداق واقعی ماضی کے ایسے ادبی اور تاریخی حقیقت سے واقفیت حاصل ہوتی ہے جس میں اسماعیل صاحب نے مولانا داؤد ڈلمئی کو اردو کا اولین نعت گو ثابت کیا ہے اور ان کی عشقیہ مثنوی کو اردو کی پہلی مثنوی قرار دیا جو اردو کی ابتدائی صورت یعنی اس وقت ہندوی یا ہندکی پھر ریختہ کی شکل میں شعراء کی مشقِ سخن کا ذریعہ تھی۔ مثنوی ''چنداین'' 781ھ میں لکھی گئی، مثنوی نگار ملا داؤد کی حیاتِ مبارکہ کی سوانح کے تعلق سے موصوف رقم طراز ہیں:

''آپ (ملا داؤد) جس طرح باطنی و روحانی علوم اور تصوف میں ایک بلند مقام پر فائز تھے، اسی طرح آپ ظاہری و مقامی علوم پر بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ فارسی آپ کی مادری زبان، عربی مذہبی زبان اور ہندکی (آج کی اردو زبان) ہندی، ہندوی و اودھی معاشی و معاشرتی زبانیں تھیں۔'' ڈاکٹر اسماعیل آزاد کا یہ مضمون معلومات کا گراں قدر خزانے سے کم نہیں ہے۔ ''عربی اور اردو زبان میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد احمد عبدالرحمٰن کا معرکہ آرا مضمون ''دبستان نعت'' کی زینت میں اضافہ کرتا ہے جس کے بارے میں مدیر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اداریہ میں لکھا ہے کہ ''شعبہ اردو الازہر یونیورسٹی قاہرہ، مصر محترم پروفیسر ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن صاحب کا یہ مقالہ کئی جہتوں سے اختصاصی خوبیوں کا حامل ہے۔ اولاً انہوں نے اس مقالے کو انٹرنیشنل میگزینس کے پٹرن پر ترتیب دیا ہے جس میں حواشی اور حوالوں کا خصوصی التزام کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں عربی اور اردو نعتیہ شاعری کے ان تمام افکار و ابعاد کا احاطہ کیا ہے جو قارئین کرام کی لذتِ روح و نشاط ثابت ہوں گے۔'' مزید برآں پروفیسر عبدالحق دہلی کا طویل مقالہ ''ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور جمالیاتِ قرآن و ولی کے حوالے سے'' بڑی اہمیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے ولی کی قصیدہ گوئی اور نعتیہ شاعری کے تعلق سے ان کی وسعتِ فکر و فن اور ندرتِ بیاں پر بڑی تفصیل کے ساتھ خامہ فرسائی کی ہے جس سے معلومات کے سوتے پھوٹتے ہیں اور ولی کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ''دبستانِ نعت'' میں جتنے مضامین تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی وغیرہ جو شامل کیے گئے وہ سب معیاری ہیں۔ اسی طرح نعت گو شاعر، ان کی نعتوں اور مجموعۂ کلام پر تنقیدیں بھی معلومات افزا ہیں مثلاً تابشِ فکر کے تحت ''موج کوثر کا قرآنی تجزیہ'' پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، علاقہ گوالیار میں اردو شعر و ادب اور نعت گوئی کی تاریخ ایک تحقیقی جائزہ'' ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری برہان پوری ''اردو نعت کا نفسیاتی

مطالعہ' ڈاکٹرمحمد آصف امراوتی ''فنافی النعت حضرت مغموم مدراسی، ڈاکٹرراہی فدائی ''برہان پور میں سلسلۂ میر کے نعت گوشعرا کا تحقیقی جائزہ' ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری، ''نعت کا لفظ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کیلئے زیادہ موزوں' ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل راٹھوی ''وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم،، حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم' تنویر پھول اور ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ) کا ہندستان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر تحریر کئے گئے تحقیقی مقالوں کا ایک تعارفی جائزہ وغیرہ ایسے عمدہ مضامین ہیں جو قارئین کی معلومات کا در کھول دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں ''افکارِ روشن'' کے حوالے سے ''علامہ اختر رضا بریلوی کا عربی کلام عروض اور فنی محاسن کے تناظر میں' علامہ اقبال اعظمی، ''نعتیہ مجموعہ وسیلۂ نجات' ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، جدید اردو نعت میں روح عصر' ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی، ثنا کی نکہتیں، ذہنی وفکری مطالعہ' فاروق جائسی مراٹھی نعت'' پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ ''مولانا سید غیاث الدین حسن چشتی کی فارسی نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ'' ڈاکٹر محمد مختار عالم صابری، ''نعتیہ شاعری کا تجزیہ مطالعہ' ڈاکٹر ایم نصر اللہ نصر، ''احوال ایک محفل نعت خوانی کا'' ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی، بارگاہِ رسالت میں عقیدۂ صحابہ اور تجلیات'' قاری محمد رفیق فائز، ''میرا سفر نعت گوئی'' خان حسین عاقب، ''کتب خانہ'' قادریہ بشیریہ شاہ جہاں پور میں محفوظ نعتیہ دواوین کا جائزہ'' الحاج سید محمد مفیض الدین قادری، ''ہالینڈ میں محفل نعت'' ڈاکٹر شکیل اعظمی، ''منیر خان کی شعری خصوصیات'' (کوثر وزمزم کے حوالے سے) محمد عامل بدایونی، ''راجستھان میں نعت گوئی کی روایت' ڈاکٹر شاہد احمد جمالی، ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری'' توصیف بریلوی، ''خیر آباد کے چند نعت گوشعرا'' ڈاکٹر رضوان انصاری امجدی'' امام احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربات'' (غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ اور رباعی کے حوالے سے) قاضی سید وحید احمد میر غلام حسین اور تذکرہ نعت گوشاعرات'' رشید اختر خان۔

''دبستانِ نعت'' میں اتنے سارے معلومات افزا مضامین کے علاوہ پچھلے مجلّے پر ''زاویہ نگاہ'' کے تحت، اقبال اعظمی، پروفیسر فاروق احمد، پروفیسر مجید بیدار، فاروق جائسی، ڈاکٹر غلام یحییٰ، علامہ عتیق اثر ندوی، قاری محمد رفیق قاضی فائز، شبیر رضوی اور راقم الحروف حلیم صابر کے تبصرہ نما مضامین ''دبستانِ نعت'' میں شامل ہیں جن سے اس مجلّے کی اہمیت اور اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان سب کے علاوہ جدید فارسی نعتیہ غزلیں اور ان کا نثری ترجمہ ڈاکٹر علی بیات، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف تہران، ایران نے عمدہ انداز میں پیش کر کے قارئین کی معلومات میں اضافہ کیا ہے جب

کہ نعتیہ مجموعوں پر تبصرے بھی زینتِ نگاہ بنے اور شعرا کی بہت ساری پابند اور آزاد نعتیں بھی دبستانِ نعت کو زینت بخشتی ہیں۔ اس طرح 680 صفحات کے دبستانِ نعت میں ایمان افروز تخلیقات کا ایک جہاں آباد ہے جن کا مطالعہ کرنے والے اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اس مجلّے کے مدیر، نگراں اور سرپرست کے علاوہ مجلس مشاورت میں شامل تمام حضرات کو مبارکباد، خدا ان کے اس نیک جذبے کو سلامت رکھے۔

☆☆☆

گل ہائے عقیدت

اسرارِ بے خودی کے کھلیں جس میں ڈوب کر
میرا جنوں ہے ایسے بھنور کی تلاش میں

طاؔہر لاہوری

صلی اللہ علیہ وسلم

عجب رنگ پر ہے بہارِ مدینہ — کہ سب جنتیں ہیں نثار مدینہ
مبارک رہے عندلیبو تمھیں گل — ہمیں گل سے بہتر ہیں خار مدینہ
بناشہ نشیں خسروِ دوجہاں کا — بیاں کیا ہو عز و وقارِ مدینہ
مری خاک یا رب نہ برباد جائے — پسِ مرگ کر دے غبار مدینہ
کبھی تو معاصی کے خرمن میں یا رب — لگے آتشِ لالہ زارِ مدینہ
رگِ گل کی جب نازکی دیکھتا ہوں — مجھے یاد آتے ہیں خار مدینہ
ملائک لگاتے ہیں آنکھوں میں اپنی — شب و روز خاکِ مزارِ مدینہ
جدھر دیکھیے باغ جنت کھلا ہے — نظر میں ہیں نقش ونگارِ مدینہ
رہیں ان کے جلوے بسیں ان کے جلوے — مرا دل بنے یادگار مدینہ
حرم ہے اسے ساحتِ ہر دو عالم — جو دل ہو چکا ہے شکارِ مدینہ
دوعالم میں بٹتا ہے صدقہ یہاں کا — ہمیں اک نہیں ریزہ خوارِ مدینہ
بنا آسماں منزلِ ابن مریم — گئے لا مکاں تاجدار مدینہ
مرادِ دل بلبلِ بے نوا دے — خدایا دکھا دے بہارِ مدینہ

شرف جن سے حاصل ہوا انبیاء کو
وہی ہیں حسنؔ افتخارِ مدینہ

علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی

صلی اللہ علیہ وسلم

ہے مرنے پہ بھی آرزوئے مدینہ
مری خاک ہو خاکِ کوئے مدینہ

نہیں بھاتیں واعظ مجھے اور باتیں
کئے جا فقط گفتگوئے مدینہ

گریباں میں مُنھ ڈال کر اپنا دیکھے
ہے فردوس کیا رو بروئے مدینہ

ہے دل تیرے صدقے نظر تیرے قرباں
حبیبِ خدا ماہروئے مدینہ

مبارک ہو لے کر مجھے کس ادا سے
مدینے چلی آرزوئے مدینہ

دکھا بلبل روحِ اکبر کو یارب
بہارِ گلستانِ کوئے مدینہ

اکبر وارثی میرٹھی

صلی اللہ علیہ وسلم

رضواں اگر دیکھے تجلّائے مدینہ
سو جان سے رکھے دل میں تمنائے مدینہ

حوروں کو نظر خواب میں گر آئے مدینہ
دل تھامے ہوئے کہتی پھریں ہائے مدینہ

ہو جائے وہیں نار جہنم کا جگر سرد
جا نکلے اُدھر گر کوئی شیدائے مدینہ

سکّانِ سماوات یہ کہتے ہیں شب و روز
اے کاش فلک پر کہیں آ جائے مدینہ

خالق کے پیارے ہیں سبھی جتنے نبی ہیں
پر سب سے زیادہ ہے مسیحائے مدینہ

جنت سے نکل جاؤنگی کر چاک گریباں
جب سر میں اُٹھے گا مرے سودائے مدینہ

اُس روز خوشی ہوگی بتوؔلا کو بکثرت
جس روز نظر اس کو کہ آ جائے مدینہ

بتوؔل فاطمہ شاہ جہاں پوری

صلی اللہ علیہ وسلم

لے لیگی مری جان تمنّائے مدینہ مدّت سے ہے اب وردِ زباں ہائے مدینہ
کیونکر نہ دل و جاں سے مجھے بھائے مدینہ آنکھوں میں بسا ہے میرے مولائے مدینہ
ہر داغِ جگر میں ہے گُل خلد کی خوشبو جیسے ہے میرے دل میں تمنّائے مدینہ
عقل و خرد ہوش ہوں وارفتۂ وحشت دکھائے جنوں مجھ کو جو صحرائے مدینہ
کونین کی چیزوں میں مجھے کچھ نہیں بھاتا جس دن سے مرے سر میں ہے سودائے
جنّت کی ہوس خُلد کی خواہش نہ رہے پھر اک بار جو قسمت مجھے دکھلائے مدینہ
ہے تنگ بہت تیرگی جہل سے مولا کس طرح رہے ہند میں شیدائے مدینہ
حوران بہشتی سے وہ کیا آنکھ لڑائے بھا جائے جسے شاہدِ زیبائے مدینہ
چھپ جائیں مَہ و مہر ابھی ابر کے اندر برق اپنی تجلی جو چمکائے مدینہ
ہو جائیں زلیخا کی طرح حضرت یوسف دیکھیں جو کہیں دلبر رعنائے مدینہ

سرمہ کی طرح آنکھوں میں سالکؔ میں لگا لوں
ہاتھ آئے جو خاکِ در مولائے مدینہ

سالک رام سالکؔ

ﷺ

مدت سے ہے دل میں مرے ارمانِ مدینہ
تقدیر بنا دے مجھے مہمانِ مدینہ

کب ہوگا مرا غنچۂ امید شگفتہ
کب یاد کرینگے مجھے سلطان مدینہ

ہیں اور نبی چرخ رسالت کے ستارے
ہے عرش کی زینت مہ تابانِ مدینہ

یثرب کے خس وخار ہیں رشک گل فردوس
جنت سے فزوں تر ہے بیابانِ مدینہ

جس پھول کی نکہت میں فیضِ دمِ عیسیٰ
وہ پھول بنا زیب گلستانِ مدینہ

تاریکیٔ باطل کو زمانے سے مٹایا
چمکا جو افق پہ مہ تابانِ مدینہ

ہے مصر کی رونق مہِ کنعاں کی تجلی
قوسین کی زینت شہِ ذیشانِ مدینہ

رضواں نے منادی بہ سرِ حشر کرادی
مہماں ہوں مرے آج غلامانِ مدینہ

رحمت نے صدادی میں طرف دار ہوں اس کی
جو دل سے ہو بندۂ سلطان مدینہ

نور جہاں بدایونی

ﷺ

کیونکر کہوں جنّت ہے گلستان مدینہ
جنّت کے فرشتے ہیں ثنا خوانِ مدینہ

اے صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ شانِ مدینہ
خود والیِ جنّت ہوا مہمان مدینہ

سو جنتیں اور ایک بیابان مدینہ
سو پھول اور اک خار مغیلانِ مدینہ

اب اس سے سوا اور ہو کیا شان مدینہ
احسان مجسم پہ ہے احسان مدینہ

ہے فیض ترے قدموں کا اے جانِ مدینہ
آدم بھی فرشتے بھی ہیں قربانِ مدینہ

میں بھی ہوں ترے در کا بھکاری مرے آقا
اک نگہ کرم مجھ پہ بھی سلطان مدینہ

پنڈت بہاری لال صابرؔ

صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی دکھا دے بہار مدینہ
مری جان و دل ہیں نثار مدینہ

بہار مدینہ بہارِ دو عالم
بہارِ دو عالم بہارِ مدینہ

زباں پر رہے ورد صلِّ علیٰ کا
کروں اس طرح انتظار مدینہ

مری آنکھ ہو اور جلوہ نبی کا
مری خاک ہو اور غبارِ مدینہ

نگاہوں کے سجدے تیری جالیوں پر
ہزاروں شہ نامدار مدینہ

عقیدت کے موتی ندامت کے آنسو
نچھاور کرے بیقرارِ مدینہ

وہ ہیں فخرِ کونین نازِ دوعالم
وہ نورِ حرم تاجدار مدینہ

درود آپ پر ہو سلام آپ پر ہو
حبیبِ خدا تاجدار مدینہ

نسیمِ سحر خاک میری اُڑا کر
بچھا دے سرِ رہ گذارِ مدینہ

وحیدہ نسیم

صلی اللہ علیہ وسلم

للّٰہ بُلا لیجیے سرکار مدینہ
مر جائے نہ یہ ہند میں بیمار مدینہ

حسرت ہے کہ دم نکلے درِ شاہ عرب پر
مدفن ہو تہِ سایۂ دیوار مدینہ

اے دوست تجھی کو رہے فردوس مبارک
کافی ہے مجھے گوشۂ گلزار مدینہ

مر جائے نعیمؔ اُلفت سرور میں الٰہی !
تعویذِ لحد ہو درِ دربار مدینہ

بابو روشن لال نعیمؔ

صلی اللہ علیہ وسلم

ثنا عرش کی ہے ثنائے مدینہ بنائے خدا ہے بنائے مدینہ
ہے مضطر اسیر ہوائے مدینہ خدارا خبر لو خدائے مدینہ
جناں گر میں دیکھوں بجائے مدینہ مرے پر اُٹھوں کہہ کے ہائے مدینہ
ہے تختِ سلیماں فضائے مدینہ ہے اسکندر و جم گدائے مدینہ
ہے روح ملائک ہوائے مدینہ ہے عرش خدا ہر سرائے مدینہ
مرا جسم ہو زائروں کے تہ پا مری روح ہووے ہوائے مدینہ
ہوائے محمد ﷺ مری جاں نہ لینا الٰہی نہ جب تک دکھائے مدینہ
مری مشکلوں کو یقیں حل کرے گا علی شاہ مشکل کشائے مدینہ
جو دیکھے محمد ﷺ کو دیکھے خدا کو نہ جائے وہ جنت جو جائے مدینہ
تہ گل مرے دل کو اے کاش کرتا یہ کی جس نے اوّل بنائے مدینہ
زمیں شعر کی آسماں جناں ہے ہے کعبے سے ثابت ثنائے مدینہ

نسیم آہ وہ بھی کوئی روز ہوگا
ہو بلبل دل فدائے مدینہ

محمد حسین علی ملکاں قریشی نسیم میسوری

صلی اللہ علیہ وسلم

وہ صبحِ مدینہ وہ شامِ مدینہ معطر معطر ہوائے مدینہ
سنہرہ سنہری حجابوں میں رحمت مقدس مقدس فضائے مدینہ
وہ روضہ کی جالی وہ احساس عظمت وہ بیتابیٔ دل طبیعت پہ رقّت
لرزتے ہوئے لب وہ اشکِ ندامت سکوں بخش آہ و بکائے مدینہ
درو بام اقدس پہ نظروں کے سجدے زباں پر وہ صلّ علیٰ کے ترانے
درودِ مدینہ سلام مدینہ لب و قلب مدحت سرائے مدینہ
شب قدر کی برکتیں رات لائی سعادت حضوری کی سجدوں نے پائی
عجب بے خودی ہے عجب کیف و لذت یہ وارفتگی ہے عطائے مدینہ
وہ دالان جو ہے اہل صفہ کا مسکن جو مزدور محنت کشوں کا تھا مامن
تھے دل جن کے عشقِ پیمبر سے روشن نثار شہِ خوش لقائے مدینہ
وہ تسبیح و تہلیل و تمجید داور ملائک کو بھی رشک آتا ہے جن پر
محبت کی تنویر سے دل منوّر فروزاں فروزاں ضیائے مدینہ
شب و روز یادوں کے دیتے ہیں دستک دل و گوش جن سے ہیں مسحور اب تک
اذانِ مدینہ صلوٰۃِ مدینہ سجودِ مدینہ دعائے مدینہ
خوشا دل کو حاصل ہوئی ہے وہ دولت کہ کونین کی عظمتیں اس کی قیمت
مری زندگی کی جو ہے حرارت ولائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولائے مدینہ
یہی دل کی دھڑکن یہی آرزوئیں نمازوں میں شام و سحر یہ دعائیں
کہ پھر آپ کے در پہ سر کو جھکائیں ہو خورشید کی جاں فدائے مدینہ

خورشید آرا بیگم صدیق علی خاں

ﷺ

قربان مدینہ ہوں میں قربان مدینہ
آنکھوں میں ہے خاک در سلطان مدینہ
بسمل کی طرح سینے میں دل رقص کناں ہے
ہے نغمہ سرا بلبل بستا ن مدینہ
کیا در عدن لعل یمن کی مجھے حاجت
کافی ہے مرے واسطے ریحا ن مدینہ
پوچھو نہ مرے بارے میں میں کون ہوں، کیا ہوں
مداح نبی ہوں میں ثنا خوان مدینہ
کافور ہوئی ظلمت شب شکر خدا ہے
روشن ہے بہر سو مہ تابان مدینہ
مرنے کی تمنا ہے اسی شہر میں مجھ کو
اقبآل مرے دل کو ہے عرفان مدینہ

اقبآل اعظمی (گھوسی، مئو)

ﷺ

ہوں میں جان و دل سے نثار مدینہ
مرا قلب ہے بے قرارِ مدینہ

غریبوں کے آقا، یتیموں کے مولا
حبیب خدا، تاجدار مدینہ

ملیں قربتیں خاکِ پائے نبی کی
مجھے کر دے یا رب غبار مدینہ

مرے دل میں ہے نقش روضہ نبی کا
مرا قلب ہے یادگار مدینہ

میسر مجھے ہوں مدینے کی گلیاں
الٰہی دکھا دے دیار مدینہ

محمد ﷺ کے گلشن کا کیا پوچھتے ہو
مجھے گل سے بڑھ کر ہے خارِ مدینہ

ملے پھوؔل کو تازگی پھر دوبارہ
میسر اگر ہو بہار مدینہ

تنویر پھوؔل (نیویارک)

صلی اللہ علیہ وسلم

جو ہوں مہرباں تاجدارِ مدینہ — تو پائے سکوں بیقرارِ مدینہ
اُسے ہوگی حاصل بصیرت، بصارت — جو آنکھوں میں ڈالے غبارِ مدینہ
یہ ظاہر ہے کردارِ انصار ہی سے — بنے پھول آقا سے خارِ مدینہ
کھجوروں کے پتے، کھجوروں کے گچھے — ہیں پُر کیف کیا شاخسارِ مدینہ
مہاجر کے حق میں تھے انصار مخلص — مہاجر بھی تھے جاں نثار مدینہ
ہے بیشک نبیِؐ مکرم کا صدقہ — جو عالم میں ہے اعتبارِ مدینہ
اِسی آستاں پر جھکا سارا عالم — نبی سے ہے قائم وقارِ مدینہ
ہے فَتحًا مُبِینا سے ظاہر بھی ایسا — کہ باطل ہوئے شرمسارِ مدینہ
نبی کے قدم کی اسے کہئے برکت — ہے رحمت بھری جوئبارِ مدینہ
درِ مصطفٰی کی گدائی سے خوش ہیں — جو تھے بھی کبھی شہر یارِ مدینہ
جو شب بھر لکھوں نعت پیارے نبی کی — تو دن بھر رہوں نغمہ بارِ مدینہ
وہ ذاتِ گرامی تھی بے شبہ ایسی — فدا تھے سبھی ہوشیارِ مدینہ
نبیِؐ مکرم سے تھی وہ محبت — بچھے پڑتے تھے تاجدارِ مدینہ
یہ فیضِ نگاہِ نبی کا اثر ہے — کہ صحرا بھی ہیں لالہ زارِ مدینہ

بلا لیجے طرزیؔ کو آقا وہاں اب
وہ کب تک کرے انتظارِ مدینہ

پروفیسر عبدالمنان طرزیؔ (دربھنگہ، بہار)

ﷺ

رسول ﷺ خدا، افتخارِ مدینہ
بہار مدینہ، وقارِ مدینہ
اسی آرزو میں کٹے عمر میری
میں بن جاؤں اک جاں نثارِ مدینہ
صحابہ سے فرمایا حضرت ﷺ نے اک دن
شفا ہے شفا ہے غبارِ مدینہ
مقدس ہے دنیا کے اک اک نگر سے
دیار مدینہ، دیارِ مدینہ
غلط جب خبر دی کسی نے احد سے
پریشاں تھے سب خاکسارِ مدینہ
چلے آرہے تھے فقط حکم حق پر
نظر میں تھا سب کے دیارِ مدینہ
کئی دن سے تھے منتظر اہل یثرب
سفر میں تھے جب تاجدارِ مدینہ
عقیلؔ اس کا ثانی نہیں دوجہاں میں
مقدس، مطہر، بہارِ مدینہ

ڈاکٹر ایس ایم عقیلؔ (شیموگہ)

ﷺ

حسّان کے شعروں کا دبستاں ہے مدینہ
نعتِ شہہء ابرار کا ایواں ہے مدینہ

دن بھی ہے چمکتا ہوا راتیں بھی ہیں روشن
سرکارﷺ کا مسکن ہے درخشاں ہے مدینہ

ہر ایک کی قسمت میں نہیں لکھّی یہ سوغات
ایمان سے سرشاروں کا ارماں ہے مدینہ

دربارِ رسالتﷺ میں شفا ملتی ہے سب کو
امراضِ دل و روح کا درماں ہے مدینہ

توحید کے پھولوں سے مہکتا ہے اک اک پل
محبوبِ الٰہی کا گلستاں ہے مدینہ

خوش ہو کے یہ کہتا ہے خمؔارِ سخن آرا
دنیا ہے خزاں اور بہاراں ہے مدینہ

سلیمان خمؔار (بیجاپور)

صلی اللہ علیہ وسلم

کھول رہا ہے مجھ پر بھی اک باب مدینہ
میرے لئے بھی کیا اب ہے بیتاب مدینہ

جن آنکھوں نے خامہ زر بخشا سورج کو
زرتابی سے ان کی ہے زرتاب مدینہ

باغ حرم میں تیری سانسوں کی گلکاری
تیرے قدم کے لمس سے ہے شاداب مدینہ

نور ازل سے بطن ترا معمور و مزین
تجھ سے ملے ہیں شہروں کے انساب مدینہ

جس کے دل کو اپنی راہوں پر پاتا ہے
اس کو مہیا کرتا ہے اسباب مدینہ

کیوں نہ تجھے شہکار دو عالم مانے دنیا
تیرا مصور نقش گر پنجاب مدینہ

میری جاگتی آنکھیں تجھ کو مانگ رہی ہیں
بند آنکھوں سے کب تک دیکھوں خواب مدینہ

تیری عظمت تیری بزرگی دیکھ کے دنیا
ڈھونڈ رہی ہے تیرے لئے القاب مدینہ

تیری جانب روئے محبت بھی رکھتا ہے
وصف بیانی کرتے ہوئے میزاب، مدینہ

لعل و جواہر تیری گلی کے کنکر پتھر
تجھ پہ فدا سب ابدال و اقطاب مدینہ

تیرے ذکر سے پہلے گم تھے میرے اوسان
چھوڑ چکے تھے ساتھ مرا اعصاب، مدینہ!

رحمت عالم کی یادوں کے زیر سایہ
دے دیتا ہے آنکھوں کو کم خواب مدینہ

اس لئے وحشت جیب وگریباں چاک کئے ہے
خوشبو تو ہے، خاک تری کم خواب مدینہ

ہجر کا دریا غم کی موجیں طوفانی رات
جوبن پر حالات کا ہے گرداب مدینہ

غیر کی بخشش کوئی دوا بن جاتی ہے
تیرے مریض غم کے لئے تیزاب مدینہ

آنکھیں اس کے نور کے پرتو سے روشن ہیں
دل کے آئینے میں ہے زرتاب مدینہ

میرے نبی کے روز وشب ہیں تیرے معلم
تو نے سیکھے زیست کے سب آداب مدینہ

جس کی نگاہ عشق بہت کمزور ہو یاؔور
اس کے لئے ہو سکتا ہے نایاب مدینہ

میری دعا دعا کے لب پر بس اک ذکر رہا
یاؔور دیکھیں کاش سبھی احباب مدینہ

یاؔور وارثی (کان پور)

ﷺ

حرم ہے جسم تو روحِ سخن مدینہ ہے
جہانِ صوت وصدا کا وطن مدینہ ہے

ہمارا جسم کہیں بھی رہے زمانے میں
ہماری روح کا پیارا وطن مدینہ ہے

یقیناً آنے کی قوت تھی تیرگی تجھ میں
ہمارے دل میں مگر ضوفگن مدینہ ہے

سکوں ملے گا وہیں مضطرب خیالوں کو
جہاں میں خاتمِ رنج ومحن مدینہ ہے

یہاں تو ہوش وخرد بھی سنبھل کے چلتے ہیں
ادب ادب مرے دیوانہ پن! مدینہ ہے

شگفتگی کا اثاثہ ہے گنبدِ خضرا
تو خوشبوؤں کی حسیں انجمن مدینہ ہے

بتا رہی ہے یہ پیچگی ہواؤں کی
نبی کی زلف شکن در شکن مدینہ ہے

کوئی صدا نہیں جوئے رواں بھی ہے خاموش
بنائے سکتۂ کوہ و دمن مدینہ ہے

سیاہ قلب کا ہوتا نہیں گزر اس میں
وہ شہرِ نور وہ اے برہمن! مدینہ ہے

تلاش کرتا تھا میں روشنی کہ آئی صدا
حقیقۃً مہہِ دیں کی کرن مدینہ ہے

مرے رسول! ترے لمسِ پائے نازک سے
وقار بخشِ زمین و زمن مدینہ ہے

نہ آسکے گا ادھر سیلِ حادثات کبھی
جبینِ عشق پہ نقشِ کہن مدینہ ہے

متاعِ فکر مدینہ ہے اس لئے قاسمؔ
کہ انتخاب شہہ ذوالمنن مدینہ ہے

محمد قاسم حبیبی (کان پور)

ﷺ

بٹتی ہے محمد کی خیرات مدینے میں
رحمت کی نکلتی ہے بارات مدینے میں

ادنیٰ ہو کہ اعلیٰ ہو ارزل ہو کہ بالا ہو
ہر ایک کی بنتی ہے ہر بات مدینے میں

یہ شمس و قمر کیا ہیں یہ کاہکشاں کیا ہے
سورج سے بھی روشن ہیں ذرات مدینے میں

دل میں تو یہ آتا تھا کہ ہر چیز کو بوسہ دوں
قابو میں رہے لیکن جذبات مدینے میں

بس عالمِ مستی میں کھو جاؤں وہاں جاکر
اے کاش گذر جائیں دن رات مدینے میں

یہ سچ ہے ندامت سے نظریں تو نہ اٹھیں گی
اٹھیں گے دعاؤں کو بس ہاتھ مدینے میں

فاروقؔ کو بھی اس کی اک بوند ملے یارب
رحمت کی جو ہوتی ہے برسات مدینے میں

فاروقؔ احمد جائسی (کان پور)

ﷺ

اک تختۂ فردوس ہے گلزار مدینہ
فیضان منیراﷺ سے ہے ضو بار مدینہ

عالم میں یہی شہر ہے ہجرت گہ خاتمﷺ
ہر دید کو ہے حسرت دیدار مدینہ

بوبکر ہوں، فاروق ہوں، عثماں ہوں، علی ہوں
ہیں سب کے سب آئینۂ سرکار مدینہ

اسلامی اخوت کی بہاریں ہیں یہیں سے
آفاق میں ہے پرتوِ انوار مدینہ

اسلام کے جانباز ہیں مکہ کے مہاجر
آئینۂ ایثار ہیں انصار مدینہ

خوشباش و معزز ہے، وہی دونوں جہاں میں
مل جائے جسے نسبت سرکار مدینہ

دستور مدینہ سے ہے عالم کا تمدن
ہر علم و فضیلت ہے بہ دستار مدینہ

حنانہ شجر چیخ اُٹھا ہجر نبی سے
اعجاز اثر منبر دلدار مدینہ

ہے کوہ اُحد آپﷺ کا محبوب و مُحب بھی
ہے زینت فردوس یہ کہسار مدینہ

جادو سے زہر سے رہے محفوظ جو کھا لے
تریاق اثر عجوۂ اثمار مدینہ

برکت سے ہیں لبریز اک مُد اور اک صاع
اللہ رے پیمانۂ بازار مدینہ

طیبہ کے نظاروں کو میں آنکھوں میں بسا لوں
ایماں کو جلا دیتے ہیں آثار مدینہ

طیبہ میں ولؔی شافع محشرﷺ کا ہے روضہ
ہوں شاہ و گدا کیوں نہ طلبگار مدینہ

ولی اللہ ولؔی عظیم آبادی

ﷺ

بسا ہے میری سانسوں میں مدینہ
نظر آتا ہے خوابوں میں مدینہ

مدینہ بن گیا گلزار جنت
کوئی دیکھے بہاروں میں مدینہ

مدینہ جاکے پھر واپس نہ آؤں
رہے دن رات راہوں میں مدینہ

کوئی نظارہ بھاتا ہی نہیں ہے
سمایا ہے نگاہوں میں مدینہ

وہاں کی خاک کا سرمہ لگا لوں
ہے اس کی رہگزاروں میں مدینہ

فضائیں بھی منور ہو گئی ہیں
ہے جلوؤں کے حصار میں مدینہ

سیدہ منور جہاں منورؔ (کینیڈا)

ﷺ

ہے دنیا سفر اور سرائے مدینہ
یہاں اور وہاں کام آئے مدینہ

ہر اک امتی کی کہاں ایسی قسمت
جسے ہو اجازت وہ آئے مدینہ

درودوں کی رم جھم وہ اشکوں کی بارش
برائے محمدؐ، برائے مدینہ

نئی نعت کہنے کی ہے اب اجازت
یہ پیغام لائی ہوائے مدینہ

میں تکتا ہوں حسرت سے ہر قافلے کو
نگاہوں میں اپنی سجائے مدینہ

حضور آپ کی رحمتوں کے میں صدقے
ہو پوری اگر التجائے مدینہ

ہیں آنکھوں میں احرام کے خواب کاشف
سروں پر ہے اپنے ردائے مدینہ

کاشف عرفان (اسلام آباد)

ﷺ

یہ کہہ کر چلا نور سینہ بہ سینہ مدینہ مدینہ مدینہ
وہیں کا ہے مرنا وہیں کا ہے جینا مدینہ مدینہ مدینہ
وہیں میرا ساقی وہیں جام و مینا مدینہ مدینہ مدینہ
مری شاعری کا یہی اک قرینہ مدینہ مدینہ مدینہ
اگر مجھ سے سُننا ہے حق الیقینا مدینہ مدینہ مدینہ
جہاں ہے سلامت ہمارا سفینہ مدینہ مدینہ مدینہ
وہی تو ہے اک شہر صد آفرینا مدینہ مدینہ مدینہ
صبا بھی چلی صبح دم گنگناتے مدینہ مدینہ مدینہ
ابو بکر فاروق عثماں کہاں ہیں مدینہ مدینہ مدینہ
نجف سے علی بھی یہ کہہ رہے ہیں مدینہ مدینہ مدینہ
شب و روز رحمت کی بارش جہاں ہے وہیں تو ہیں سرکار مکہ مدینہ
درود اُن پہ پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں مدینہ مدینہ مدینہ
ربابؔ اپنا محور رباب اپنی جنت مدینہ مدینہ مدینہ

ربابؔ رشیدی

ﷺ

مضطر ہے بہت قلب میں ارمانِ مدینہ
کب دیکھئے بُلواتے ہیں سلطان مدینہ

کس دل میں نہیں ہے بھلا ارمان مدینہ
کس کو نہیں ہے خواہش عرفانِ مدینہ

دل ہے کہ دھڑکتا ہے حرم کے لئے ہر دم
جاں ہے کہ ہوئی جاتی ہے قربانِ مدینہ

وہ رحمت عالم ہیں یقیں ہے مرے دل کو
میں بھی تو بنوں گا کبھی مہمان مدینہ

بیت اللہ کی ہے شمع منور سرِ طیبہ
ہے شمع حرم ہی سے تو عرفان مدینہ

ماں باپ بھی اولاد بھی قربان ہو تم پر
یہ جاں بھی فدا تم پہ ہو سلطان مدینہ

اس بار اگر جاؤں تو واپس نہ کبھی آؤں
دل میں ہے یہی آرزو اے جان مدینہ

اصحاب نبی سارے ستاروں کی طرح ہیں
اصحاب مبشر تو ہیں خاصانِ مدینہ

ہو خاتمہ ایماں پہ مرا شہر نبی میں
دائم ہی رہوں میں تہِ دامانِ مدینہ

کچھ اور نہیں طاؔہر سلطانی تمنّا
بن کے میں ہمیشہ رہوں دربان مدینہ

طاؔہر سلطانی (کراچی)

ﷺ

محمد کے دل کا ہے درپن مدینہ
ہے نورِ الٰہی کا مسکن مدینہ

برستے ہیں جلوے محمد کے ہر دم
بنام محبت ہے دُلہن مدینہ

لگاتا ہوں آنکھوں سے خاکِ شفا کو
نجاتِ بشر کا ہے معدن مدینہ

نظر کیوں اُٹھاؤں کسی میکدے پر
طریقت شریعت کا مسکن مدینہ

کرم دشمنوں پر مخالف پہ شفقت
گیا دے کے یہ درس احسن مدینہ

ملے بعد مرنے کے طیبہ کی مٹی
بنے کاش میرا بھی مدفن مدینہ

ملا ہے شہ دیں سے یعقوبؔ تم کو
جو انعامِ آقا ہے وہ دھن ہے مدینہ

الحاج سید محمد استخار الدین یعقوبؔ بدایونی

صلی اللہ علیہ وسلم

ہو گنبدِ خضریٰ کہ ہو مینار مدینہ اک نور کا مخزن ہے یہ دیوار مدینہ
اے فخر امم سید ابرار مدینہ بڑھنے لگی ہے حسرت دیدار مدینہ
سرکار کی رفعت کا یہ انداز تو دیکھو اک پل میں گئے عرش پہ سرکار مدینہ
اس عالم امکاں میں حسیں سب سے حسیں ہیں پُر نُور فضا اور یہ آثار مدینہ
بتلا نہیں سکتا کوئی بھی دیدۂ بینا کس درجہ بلندی پہ ہے معیار
حاصل ہے تجھے چشم بصیرت تو ذرا دیکھ ہر سمت نظر آئیں گے انوار مدینہ
ہوتی ہے عنایت مرے سرکار کی جس پر بنتا ہے وہی آدمی حقدار مدینہ
لوٹا ہوں مدینے سے کرم دیکھئے ہر دم جاری ہے لبوں پر مرے گفتار مدینہ
بد حال ہیں بد کار ہیں لیکن یہ یقیں ہے ہم ہوں گے کبھی حاضر دربار مدینہ
مسلک ہیں کہیں اور زبانیں بھی کہیں ہیں لیکن سبھی ہیں آج پرستار مدینہ

اک راز حقیقت ہے یہ غازیؔ تو سمجھ لے
ہو جائے اگر خواب میں دیدار مدینہ

ڈاکٹر صوفی غازی امان غازیؔ (اورنگ آباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کی خدائی کا محور مدینہ
کہ ہے جلوہ گاہ پیمبر مدینہ

معطر مدینہ معنبر مدینہ
مقدم معلیٰ منور مدینہ

شب و روز پلتا ہے عالم جہاں سے
سخاوت کا ایسا سمندر مدینہ

سلیقہ ملا بندگی کا جہاں کو
وہ احکام دیں کا ہے مصدر مدینہ

مکاں لا مکاں کو بھی ہے فخر جس پر
وہ ہے اللہ اللہ اکبر مدینہ

بنا فرق دیتا ہے شاہ و گدا کو
سخاوت عطا کا سمندر مدینہ

ہر اک شیئے یہاں کی ہے ہر جا سے اچھی
جہاں بھر میں ہے ایک نمبر مدینہ

وہ محسن ہیں ملجا و سر تا پا رحمت
جو مکہ سے آئے پیمبر مدینہ

عطا ہو مجھے وہ حیات مقدس
کہ ہو جائے میرا مقدر مدینہ

دکھا مجھ سے عاصی کو کعبے کا کعبہ
رکھے آبرو روزِ محشر مدینہ

یہ مانا کہ جنت حسیں تو بہت ہے
مگر دو جہاں سے ہے بہتر مدینہ

ہے رشک جہاں جس کا ہر ذرّہ ذرّہ
معطر مقدس منور مدینہ

چلو اب چلیں کھوٹی تقدیر لے کے
بناتا ہے بگڑے مقدر مدینہ

یہ من زارا قبری کا مژدہ تو دیکھو
بنا ہے شفاعت کا دفتر مدینہ

نگاہ عقیدت محبت سے دیکھو
بہت خوبصورت ہے مظہرؔ مدینہ

مجھے شوق دیدار بس اس لئے ہے
حبیب خدا کا ہے مظہرؔ مدینہ

محمد مظہر حسن مظہرؔ اویسی (بلگرام)

ﷺ

اے خواہش دل محو سفر آئے مدینہ
جس سمت نظر اٹھے نظر آئے مدینہ

یوں بھی کبھی دوران سفر آئے مدینہ
دو گام چلوں اور نظر آئے مدینہ

یوں بھی میری آنکھوں میں اتر آئے مدینہ
دیکھوں میں جدھر مجھ کو نظر آئے مدینہ

ہے دل میں تمنا کہ سفر آئے مدینہ
کچھ عمر کا حصہ ہی گذر آئے مدینہ

سمجھو کہ گناہ گار بخشش ہے یقینی
اک بار جو دیدۂ تر آئے مدینہ

اس بندۂ مومن کی کیا بات کرو ہو
جس بندۂ مومن کو سفر آئے مدینہ

آتش ہو شب غم کی بھلا فکر مجھے کیوں
خوب ہیں کہ شب غم کی سحر آئے مدینہ

ظہیر آتش (بانس واڑہ۔راجستھان)

صلی اللہ علیہ وسلم

خیالوں میں ہے اک سوار مدینہ — مری خاک میں یوں غبار مدینہ
سلگنے لگی ہے مری جاں میں خوشبو — مہکنے لگا پھر دیار مدینہ
ہَوا با وضو پھر چہکنے لگی ہے — چمکنے لگی کیا بہار مدینہ
ہوئی سرد خانے میں داخل تو کیا ہو — دھڑکتی ہوئی رہگزار
وہ ابر سیہ ہو گیا پارہ پارہ — ہُوا جب فزوں افتخار مدینہ
معطر، منور، منزہ، مطہر — ہے شفاف تر آبشار مدینہ
کسی ناخدا سے غرض آ پڑی کیوں — کہاں کھو چکے اعتبار مدینہ
ہیں بے کار سارے دلائل و منطق — کہ دل ہے قتیل مدار مدینہ
یقیناً مری روح تاباں کی کشتی — کسی دن لگے گی کنار مدینہ
قیامت سے پہلے یہ کیسی قیامت — کرم یا خدا تاجدار مدینہ
جو چھتنار برگد ملا راستے میں — وہ کافر تھا ساجدؔ نثار مدینہ

ساجد حمید (شیموگہ)

ﷺ

مرا دل ہے اور میرا سینہ مدینہ
مرا مرنا اور میرا جینا مدینہ
مری دھڑکنوں کا یہی ہے وظیفہ
یہ کہتی رہیں گی مدینہ مدینہ
ترستی ہیں آنکھیں تڑپتا ہے یہ دل
خدا یا دکھا اس مہینہ مدینہ
میں کرتا رہوں روز دیدار اس کا
نظر سے ہو اوجھل کبھی نہ مدینہ
جھلکتا ہے اس سے ہی نور رسالت
محمد ﷺ کا ہے آبگینہ مدینہ
مرا دل مری جاں ہے اس سے منور
مری زندگی کا خزینہ مدینہ
یہیں میرا دم نکلے یہ آرزو ہے
ہے منزل مری میرا زینہ مدینہ
برستی ہے انوار کی روز بارش
جو شہر نبی ﷺ ہے یہی نا مدینہ
سراجؔ اسکو میں چومتا ہی رہوں گا
مری انگلیوں کا نگینہ مدینہ

سراج زیبائی

ﷺ

ہر پل ہوئی جاتی ہے فزوں شانِ مدینہ
افضل ہے بہت مسکنِ سلطانِ مدینہ
جھکتا ہے فلک آپﷺ کی تعظیم کی خاطر
کیا شان ہے کیا شان ہے سلطانِ مدینہ
ڈھونڈے سے نہیں ملتی نظیر اس کی کہیں بھی
بے مثل ہے ایوانوں میں ایوانِ مدینہ
ہر وصف ہے ایسا کہ بیاں ہو نہیں سکتا
ممکن ہے کہاں مدحتِ سلطانِ مدینہ
رکھتے ہی قدم ہوتا ہے اللہ کا مہماں
کیا عزّ و شرف پاتا ہے مہمانِ مدینہ
ہر سمت نظر آتی ہیں رحمت کی گھٹائیں
ہو جائے نہ کیوں دل مرا قربانِ مدینہ
دیدار کا طالب ہوں میں بے چین ہوں ہر دم
ہو جائے کرم آپﷺ کا سلطانِ مدینہ

یاسین مسعود سراج مسعود ادیبی (میسور)

صلی اللہ علیہ وسلم

بیادِ رسالت مآبِ مدینہ
کھلا ہے مرے دل میں بابِ مدینہ
مری تشنگی کا مداوا کرے گا
خدا کے کرم سے سرابِ مدینہ
جمال بہشت اس کا دیکھا ہوا ہے
وہ دیکھا ہے جس نے شبابِ مدینہ
مرے ریگزار تمنّا پہ یا رب
نہ برسیں گے کب تک سحابِ مدینہ
بقیع مبارک کی آغوش پاکر
میں کہلاؤں گا کامیابِ مدینہ
تجھے لمسِ پائے نبی کی قسم ہے
شفا مجھ کو دے اے ترابِ مدینہ
ہے سر چشمۂ انقلاب دو عالم
ہر اک حرف و لفظِ کتابِ مدینہ
شب زیست کو میری رکھا منوّر
خوشا طلعتِ ماہتابِ مدینہ
کوئی اک کرن اپنے فاضلؔ کو دے دے
برائے کرم آفتابِ مدینہ

فاضلؔ میسوری

صلی اللہ علیہ وسلم

خوابوں میں سہی مجھ کو نظر آئے مدینہ
پھر روح میں آنکھوں سے اتر جائے مدینہ

ہے تشنہ لبی میرے بھی ہونٹوں پہ مسلط
مجھ کو بھی عطا ہو کبھی صہبائے مدینہ

دولخت قمر بھی ہو، پلٹ آئے بھی سورج
گر ایک اشارہ کریں آقائے مدینہ

کنکر بھی کفِ دست میں پڑھنے لگے کلمہ
یہ دیکھ کے سب ہو گئے سودائے مدینہ

آقا کے قدم سے ہوا یہ شہر معظم
کیسے نہ کرے رقص یہ اترائے مدینہ

کیوں جائے بھلا چھوڑ کے اب شہر تمنا
اک بار جو تقدیر سے آجائے مدینہ

کیا بات ہے اس شہر کی، ہے کون سی خوبی
دیدارِ درِ پاک کو للچائے مدینہ

ہے کس میں یہ خوبی جو کرے گلیاں معطر
آقا کا پسینہ ہے جو مہکائے مدینہ

اک میں ہی نہیں اور بھی دیوانے ہوئے ہیں
اے نصرؔ خدا سب کو ہی دکھلائے مدینہ

ایم۔نصراللہ نصر(ہوڑہ)

ﷺ

رحمت کا سرمایہ مدینہ
کائنات پہ چھایا مدینہ
اس کی آنکھیں دیکھے جاؤں
جو ان میں بھر لایا مدینہ
مکہ سے وہ پیدل نکلے
اک عرصے میں آیا مدینہ
اہلِ زمیں کا ہے یہ مقدر
جنت جیسا پایا مدینہ
آنکھوں میں ہے نورِ محمد
میرے دل پہ چھایا مدینہ
جا نہیں پایا تو آقا نے
خواب میں ہی دکھلایا مدینہ
میں نے پوچھا کہاں سے آئی
نکہت نے فرمایا مدینہ
پارس کی قسمت ہے آکر
صدقۂ آقا کھایا مدینہ

تلک راج پارس (جبل پور)

صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے بڑی سرکار ہے سرکارِ مدینہ
اللہ کا دربار ہے دربار مدینہ

اللہ نے محبوب تمھیں اپنا بنایا
کوئی بھی نہیں تم سا تو سردارِ مدینہ

تعظیم مدینہ تو ہوا پر بھی ہے لازم
چومے ہے ادب سے درو دیوارِ مدینہ

ہر صاحب ایماں کی ہے جنّت کی تمنّا
جنّت کی نظر آتی ہے طلبگار مدینہ

محتاج کرم جن کے ہیں شاہان و گدا بھی
مختار مدینہ ہیں وہ مختار مدینہ

انوار مدینہ سے زمانہ ہے منوّر
ہر سمت نظر آتے ہیں انوار مدینہ

کیا پوچھے ہو گلزارِ مدینی کی بہاریں
فردوس کا گلزار ہے گلزار مدینہ

اُڑ کر پہنچ جاؤں درِ پاک پہ یا رب
آنے لگے اب تو نظر آثار مدینہ

دُنیا کا کوئی رنج جمیلؔ اس کو نہیں ہے
ہر غم سے ہے آزاد گرفتار مدینہ

یہ میرا عقیدہ ہے جہاں ذکر ہو ان کا
تشریف وہاں لاتے ہیں سرکارِ مدینہ

جمیل افغانی (الہ آباد)

ﷺ

ہند میں میرا مشکل ہے جینا — مجھ کو بلوالو شاہ مدینہ
نور حق خسروئے نازنینہ — قیصر خُلق رشک مدینہ
رونق بزم فتح مبینہ — مجھ کو بلوالو شاہ مدینہ
اے خدا تر سرتاج کشور — ساکن عرش قرآن پیکر
شافع حشر جد حُسینا — مجھ کو بلوالو شاہ مدینہ
زائرو جاکے شاہِ اُمم سے — رحم گستر جمیل الشیم سے
التجا یہ میری عرض کرنا — مجھ کو بلوالو شاہِ مدینہ
گو بُرا ہوں بروں سے بھی بدتر — ہے سہارا تمہارا ہی سرور
مری عزت مری لاج رکھنا — مجھ کو بلوالو شاہِ مدینہ
مری آنکھوں میں دل میں سماکر — اپنا دیوانہ مجھ کو بناکر
دیکھو اچھا نہیں دور کرنا — مجھ کو بلوالو شاہِ مدینہ
پاس میرے نہیں مال و دولت — آؤں کیسے کہو در پہ حضرت
غیب سے تم ہی امداد کرنا — مجھ کو بلوالو شاہِ مدینہ
تنگ ہوں مضطرب رہتے رہتے — ہجر کا بارِ غم سہتے سہتے
یا محمد ﷺ خبر اب تو لینا — مجھ کو بلوالو شاہِ مدینہ
زندگی کا بھروسہ ہی کیا ہے — جو ہوا کا فقط بلبلہ ہے
اب ذرا بھی نہیں دیر کرنا — مجھ کو بلوالو شاہِ مدینہ

روضۂ پاک پیشِ نظر ہو روح نکلے تو قدموں پہ سر ہو
ہو مبارک مجھے ایسا مرنا مجھ کو بلوالو شاہِ مدینہ
بے قراری ہے اب حد سے بیحد یاد فرمایئے یا محمد ﷺ
آیئے نور مہرِ منور محسن قدس اے بندہ پرور
ہے یہ قادؔر کے دل کی تمنّا مجھ کو بلوالو شاہِ مدینہ
ہے یہ ہم سب کے دل کی تمنّا ہم کو بلوالو شاہِ مدینہ
ہند میں میرا مشکل ہے جینا
مجھ کو بلوالو شاہِ مدینہ

عبدالقادر قادؔر (حیدر آباد)

ﷺ

تضمین بر نعت شریف حضرت جگر مراد آبادی

کیسے ہو بیاں عظمتِ سلطان مدینہ
اور شوکت و صد حشمتِ سلطان مدینہ
حیرت ہے ملی اُلفتِ سلطان مدینہ
''اک رند اور مدحت سلطان مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطانِ مدینہ''

اے سیدِ کل عکسِ جمالِ عزّ وجل بھی
مِن نور سے ارض و سما دشت و جبل بھی
یکتا و یگانہ ہے نہیں تیرا بدل بھی
''تو صبح ازل آئینۂ حسنِ ازل بھی
اے صلِ علیٰ صورتِ سلطان مدینہ''

ہے ذات شہہ ہر دوسرا اکرم و اعظم
اخلاق کریمانہ، تو کردار، مفخّم
ہمدرد یتیموں کے ضعیفوں کے بھی ہمدم
''ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ''

ہے روح کو میری بخدا تجھ سے تعلق
قدرت نے بھی بخشا ہے عجب اس سے تعلق
کیا اس سے بڑا ہوگا کہاں کوئی تفوق
''اے خاکِ مدینہ تیری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے تو جنتِ ماوائے مدینہ''

حاصل مجھے تقدیر سے ہو ان کی شفاعت
توقیر ملے لُطف و کرم اور، عنایت
عاصی ہوں سراپا کہ ہو پوری یہ زیارت
''اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت
دیکھوں میں در دولتِ سلطانِ مدینہ''

دن رات دُعا ہے کہ زباں پر یہی آیا
مجرم ہیں تیرے حکم نہ کوئی بجا لایا
ایمان ہے کمزور عمل کا نہیں پایہ
''اس امت عاصی سے نہ منھ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرت سلطان مدینہ''

بے فکر عقیلؔ دور ہوں میں اچھی بری سے
یادوں سے ہوں وابستہ کہ غم اور خوشی سے
بخشش کا یقیں ہے شہ امّی لقبی سے
'' کچھ اور نہیں کام جگر مجھ کو کسی سے
کافی ہے بس اک نسبت سلطان مدینہ''

ڈاکٹر عقیلؔ ہاشمی (حیدرآباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

تضمین بر نعت جگر مرادآبادی

کیا جانے کوئی عظمتِ سلطانِ مدینہ نظروں میں بسی صورتِ سلطانِ مدینہ
ہے نشّے میں بھی خدمتِ سلطانِ مدینہ ''اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ''
''ہاں کوئی نظر رحمتِ سلطانِ مدینہ''

دل موم بھی ہے کوہ کے جیسا ہے اٹل بھی رحمت بھی ہے سنگین مسائل کا ہے حل بھی
قرآن کی تفسیر بھی قرآں کا بدل بھی ''تو صبحِ ازل آئینہ حسنِ ازل بھی''
''اے صلِّ علیٰ صورتِ سلطانِ مدینہ''

نرمی سے وہ پیش آتے ہیں، ہوتے نہیں برہم خالق نے عطا ان کو کیا خُلقِ معظّم
وہ غایتِ تخلیقِ جہاں، نازشِ آدم ''ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم''
''شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ''

دیکھی ہے جہاں والوں نے اک ایک کرامت وہ کون ہے جس پر ہے نہیں ان کی عنایت
اللہ کا ہے فضل، شہِ دیں کی زیارت ''اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت''
''دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ''

جینے کا قرینہ تری گلیوں کے تصدق افلاک کا زینہ تری گلیوں کے تصدق
رحمت کا خزینہ تری گلیوں کے تصدق ''اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق''
تو خلد ہے تو جنتِ سلطانِ مدینہ''

صحنِ چمنِ دین کی کلیوں کے تصدق ان شیریں لبوں، مصری کی ڈلیوں کے تصدق
ابدال کے اقطاب کے ولیوں کے تصدق ''اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق''
''تو خلد ہے تو جنتِ سلطانِ مدینہ''

ہو سرد ہر اک آدمی کا جوشِ عداوت قرآن کے پاروں کی شب و روز تلاوت
گردش کے ستائے ہوئے لوگوں کی حمایت ''کونین کا غم، یادِ خدا، وردِ شفاعت''
''دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ''

تو کفر کے ان حامیوں کو گھیر خدایا ہر سمت برائی کا ہے اندھیر خدایا
کفّار زبردست کو کر زیر خدایا ''اس امتِ عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا''
''نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ''

خاموش ہے کیوں کر غمِ حالات کا اظہار بگڑی ہوئی تقدیر کے بننے کے ہیں آثار
ہوجائے گا کچھ لمحوں میں سرکار کا دیدار ''اے جان بلب آمدہ، ہشیار، خبردار''
''وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ''

دل، امجدؔی روشن ہو مرا جلوہ گری سے مائل وہ مری سمت ہوں پلکوں کی نمی سے
مشکل تو ہو آسان مری داد رسی سے ''کچھ اور نہیں کام جگر مجھ کو کسی سے''
''کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ''

ڈاکٹر التفات امجدی (سیوان، بہار)

سلام بحضور رحمۃ للعالمین

اے خوش نصیب زائر سب کا سلام کہنا
بابِ حرم کے ناظر سب کا سلام کہنا
ارض نبی ﷺ کے حاضر سب کا سلام کہنا
ائے آرازوئے خاطر سب کا سلام کہنا
ہر اک غلام کا یہ جاکر پیام کہنا
ائے زائر مدینہ سب کا سلام کہنا

ہیں مضطرب جبیں میں سجدے ہر اک جبیں کے
پہنچا دے تو خدا را ارماں دلِ حزیں کے
دامن کا ذکر ہی کیا ٹکڑے ہیں آستیں کے
ارض مدینہ پہنچیں صدقے ہوں اس زمیں کے
ہے آرزو یہ دل کی ہر دم یہ مدام کہنا
اے زائر مدینہ سب کا سلام کہنا

دیدار کی تمنا ہے بحساب دل میں
بے چین حسرتوں کو ہے اضطراب دل میں
ہے اشتیاق پیہم عالی جناب دل میں
کب یاد سے ہے خالی یہ پیچ وتاب دل میں
رودادِ غم بہ پیشِ خیر الانام کہنا
اے زائر مدینہ سب کا سلام کہنا

اے زائر مدینہ اونچے نصیب والے
ہم غمزدوں کی زائر لے تو بھی کچھ دعا لے
کہنا یہ گڑ گڑا کر اے کالی کملی والے
ہم سب کی زندگی ہے بے شک تیرے حوالے
سردار انبیاء سے عالی مقام کہنا
اے زائر مدینہ سب کا سلام کہنا

لے جا سجا سجا کے اشکوں کی ڈالیوں کو
سوزِ دروں کو دل کے زخموں کی بالیوں کو
پھر تھام کر ادب سے روضے کی جالیوں کو
محو درود کردے سارے سوالیوں کو
یہ مدعائے دل تو ہاں صبح و شام کہنا
اے زائر مدینہ سب کا سلام کہنا

ہے اختیار دل پر قابو نہ ہے جگر پر
پہنچیں گے کب یہ بندے شاہ، ہدیٰ کے در پر
حاضر عقیلؔ بھی ہو اس رشک عرش گھر پر
گٹھری گنہ کی گر کر باقی رہے نہ سر پر
سلطانِ بحرِ و بر سے صد احترام کہنا
اے زائر مدینہ سب کا سلام کہنا

ڈاکٹر عقیلؔ ہاشمی (حیدر آباد)

ستائش نامے

دل میں ہوتی نہیں تاثیر سخن سازی سے
بات سچی ہو تو ہوتا ہے اثر آپ سے آپ

محبوب راج محبوبؔ حیدرآبادی

محمد غوث الدین محمود فاروقی (حیدر آباد)

یکم ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ/ ۲۹ر نومبر ۲۰۱۹ء

محترم المقام عالی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حال ہی میں محترم محمد علی صدیقی شیدؔا بستوی صاحب کے ذریعہ آپ کی ادارت میں شائع ''دبستان نعت'' کا تیسرا شمارہ وصول ہوا۔

اوّل خادم، محترم محمد علی صدیقی صاحب کا شکر گذار ہے کہ انہوں نے ایسی نایاب ضخیم اور معیاری کتاب بھیج کر احسان عظیم فرمایا۔

پھر مدیر محترم عالی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کی خدمت میں دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ ایسا معیاری شمارہ جو ادب کا شاہکار ہی نہیں تحفظ ایمان کا مکمل ذریعہ اور اردو ادب کی خدمت کا حق بھی ادا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نیز مجلس مشاورت کے تمام عہدہ داروں، قلم کار علمائے کرام اور تبصرہ نگاروں کو صحت کی دولت کے ساتھ استقامت عطا فرمائے اور قوم وملت کو استفادہ و استفاضہ کی توفیقِ رفیق بخشے اور ''دبستان نعت'' اور اس سے وابستہ ہر فرد کو حاسدین اور مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ومعمون فرمائے، آمین۔

اتنے ضخیم شمارہ کے مطالعہ کے لئے وقت درکار ہے۔ فی الحال کچھ نگارشات پر معروضات پیشِ خدمت ہیں۔ صفحہ ۴۶۶ پر دلّو رام کوثری سے متعلق کچھ سطور اور پھر دلّو رام جہنم میں جائیں گے؟ دیکھنے پر یاد آیا غالباً چار سال قبل ایک مضمون کسی اخبار میں رسالہ ''مولوی'' کے حوالے سے جو عبدالحمید خاں اور بابو عطاء الرحمٰن صاحبان کی زیر صدارت ۱۹۲۸ء میں شائع کیا گیا تھا۔ جس میں دلّو رام کوثری کو اسلام قبول کرتے ہوئے اور نبی پاک کی طرف سے اس کا نام ''کوثر علی کوثری'' رکھنے کا ذکر تھا اس کی تصدیق ہو تو مناسب ہے۔

صفحہ ۴۷۰ تا ۴۷۷ پر ڈاکٹر رؤف خیر کا نام دیکھ کر چونک گیا۔ غالباً ۱۹۹۴ء میں موصوف کا ایک کتابچہ ''حیدر آباد کی خانقاہیں'' کے نام سے موصوف کے استاد کے پیشِ لفظ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ جس کے چند اوراق کی زیراکس کاپی منسلک ہے۔ جس سے استاد اور شاگرد کے عقائد بزرگان دین اور درگاہوں کے متعلق واضح ہیں۔

محترم محمد علی صدیقی شیدؔا بستوی صاحب نے ''نقدِ نعت کا اجمالی جائزہ'' میں نعت کا معنی اور مفہوم بہت واضح انداز میں پیش فرمایا ہے۔ آخر میں عرض ہے کہ خادم کو مطالعے کا شوق ہے اور آپ مدیر محترم عالی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کی ایک عظیم تحقیقی تصنیف ''نعتیہ روایت کا عروج و ارتقاء'' ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ خادم کی لائبریری کی زینت ہے، جسے خادم نے ۲۰۰۶ء میں خریدا اور اس سے کافی استفادہ حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

آپ کی خدمت عالی میں کچھ کتب بطور تحفہ پیش ہیں:

(۱) مشاجرات صحابہ۔ از شمس المفسرین خادم القرآن بحر العلوم حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمہ (۲) المختارات من مولد شرف الانام و من قصیدۃ البردہ و من زفرات الاسواق۔ مترجم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد العلیم صدیقی ارمانؔ علیہ الرحمہ نبیرۂ بحر العلوم حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمہ (۳) اسد اللہ و اسد الرسول سید الشہداء حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ از اشرف العلماء شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب (۴) توحید خالص۔ خادم کی۔

اجازت اور دعاؤں کا طالب۔

ڈاکٹر وحید انجم (گلبرگہ)

۳۰؍نومبر ۲۰۱۹ء

مدیر محترم ''دبستان نعت'' ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

آداب و نیاز!

امید کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

''دبستان نعت'' کا شمارہ نمبر ۳ زیر مطالعہ رہا، تمام مضامین گراں قدر، پُر مغز و بصیرت افروز ہیں۔ آپ کی خدمت عالیہ میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ آپ کا تحریر کردہ اداریہ فکر کے گوشے کھول دیتا ہے۔ آپ نے مختلف عنوانات کے تحت جو مضمون لکھوائے ہیں وہ قابلِ ستائش ہیں اور مکمل و بھرپور بھی۔

اس بار گلبرگہ، کرناٹک سے چار مضامین شائع کئے گئے ہیں جو یقیناً ''دبستان نعت'' کی زینت ہیں، دیگر مضامین بھی اپنی وسعتوں کے غماز ہیں یقیناً یہ سلسلہ قابلِ ستائش ہے اور آپ اس کو جس سلیقے سے سجاتے اور سنوارتے ہیں اس سے ایک حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ خدا آپ کی کوششوں اور کاوشوں کو جلا بخشے۔ اس مجلّے میں اتنا مواد ہے کہ آدمی کا ذہن و دل روشن و منور ہو جاتا ہے۔ آپ نے ساری دنیا کو

اس مجلّے میں سمیٹا ہے جو قابلِ تعریف ہے۔اس دستاویزی مجلّے کی اشاعت کے لئے سارے عہدے داران وذمہداران کی کوشش کارفرما ہے۔

امید کہ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔ایک غیر مطبوعہ غزل شمارہ نمبر۴ کے لئے پیش ہے شائع فرمائیں تو نوازش۔

شاہ رشاد عثمانی (بھٹکل)

۱۶/دسمبر ۲۰۱۹ء

مکرمی ومحترمی ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید کہ بخیر وعافیت ہونگے۔

بہت پہلے میں نے ''جدید اردو نعت میں روح عصر'' کے عنوان سے ایک مقالہ جو قطر کے ایک سیمینار میں پڑھا گیا تھا، ارسال خدمت کیا تھا،''دبستان نعت'' کے نئے شمارے میں غالباً آپ نے اسے شامل کیا ہے، اگر یہ شمارہ ابھی شائع نہ ہوا ہو تو ایک مضمون علیم صبا نویدی کی نثری نعتوں پر ارسال خدمت کرر ہا ہوں آپ اسے بھی شامل کرلیں تو مجھے خوشی ہوگی یہ مضمون ابھی تک غیر مطبوعہ ہے میں اسے بھول گیا تھا کل اتفاقیہ کاغذات میں نکل آیا۔

اور ہر طرح خیریت ہے۔محبی فیروز احمد سیفی صاحب سے اکثر دعا سلام بذریعہ موبائل ہوتی رہتی ہے، آپ کا ذکر وہ بڑی محبتوں سے کرتے ہیں۔''دبستان نعت'' کے شمارہ نمبر۴ کا انتظار ہے۔

سراج وجیہہ تیرانداز (گلبرگہ)

۲۰/فروری ۲۰۲۰ء

محترم مدیر اعلیٰ

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

نعت گوئی کی سعادت ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔توفیق، روحانی پاکیزگی کشف وشعور کی آگہی کا معاملہ ہے نہ صرف مسلم نعت گو شعراء نے اس صنف پر طبع آزمائی کی ہے بلکہ ہندوستان میں کئی غیر مسلم شعراء نے بھی نہایت عمدہ نعتیں کہی ہیں۔میں آپ لوگوں کی اس کاوش پر مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ سودا

یقیناً آخرت کا ہے۔نعت کا مجلّہ ڈاکٹر سید چندا حسینی اکبر گلبرگہ کے پاس سے گھر لے جا کر پڑھا۔جی چاہا دو نعتیں اس یادگار دستاویزی مجلّہ کے لئے ارسال کروں۔اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے،آمین۔

انعام الرحمٰن خاں (فیض آباد)

عزیزم سراج احمد سلمہ

دعائیں

فروغ حمد و نعت کے کتابی سلسلے کا تحقیقی و تنقیدی و معیاری مجلّہ ''دبستان نعت'' کا چوتھا شمارہ موصول ہوا، بہت بہت شکریہ۔ماشااللہ

آپ نے بڑی محنت کی ہے۔بے شک آپ کی یہ کاوش قابلِ مبارک باد ہے۔یہ آپ کا ایسا کارنامہ ہے جو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔

آپ کی اس محنت سے اردو زبان کو بھی فروغ مل رہا ہے۔آپ نے نعت کے ہر گوشے پر روشنی ڈالی ہے۔میں آپ کی اس گراں قدر کوشش و بے بہا خدمات کو لائق تحسین سمجھتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ کو تندرستی، آپ کے اہل و عیال کو ترقی اور خوش حالی عطا فرمائے۔آپ کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس رسالے کی ترقی میں آپ کو کامیابی اور و مزید حوصلہ عطا فرمائے، آمین۔

ڈاکٹر شعائر اللہ خاں وجیہی (رام پور)

۲۰/جولائی ۲۰۲۰ء

مکرمی۔۔۔۔سلام مسنون

آپ کے مجلّہ ''دبستان نعت'' کے لئے ایک اہم غیر مطبوعہ مضمون ''خطیب اعظم حضرت وجیہ کی نعتیہ شاعری'' بھیج رہا ہوں۔مطالعہ فرمائیں یقیناً لطف حاصل ہوگا۔صاحب مضمون پر میں نے آخر میں ایک سوانحی نوٹ بھی تحریر کر دیا ہے۔

۲۔''دبستان نعت'' کا چوتھا شمارہ گراں بہا مضامین اپنے جلو میں سمیٹے ہمیشہ کی طرح نظر نواز ہوا۔پاکستان میں ''جہان نعت'' جیسے رسالہ کے بعد آپ ہی کا یہ ایک مجلّہ ہے جو حقیقی معنی میں متدین نعتیہ شاعری کے گلستان کی حیثیت رکھتا ہے، میں اگر یہ کہوں کہ بعض حیثیات میں ''دبستان نعت'' کے

شمارے ''جہان نعت'' سے کہیں افضل و برتر ہیں تو حقیقت سے قریب تر ہوگا۔ بہرحال یہ اپنی اپنی فکر ونظر کی بات ہے۔

۳۔ ''دبستان نعت'' کے اندرونی سرِ ورق پر نہ معلوم میرا نام شائر کس وجہ سے شائع ہوتا رہا ہے۔ براہِ کرم اس تسامح کی طرف توجہ فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

آپ کی ادارتی کاوشوں کو اور محترم فیروز احمد سیفی کی اشاعتی لگن کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ رب کریم آپ حضرات کو بصحت و عافیت طویل عمر عطا فرمائے۔

الحاج سید محمد مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور)

۲۵ رصفر المظفر ۱۴۴۲ھ ۱۲راکتوبر ۲۰۲۰ء

محترم المقام ڈاکٹر سراج احمد قادری ادام اللہ تعالیٰ اقبالہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

دبستان نعت کا چوتھا شمارہ ملا۔ نعت گوئی کے حوالے سے یہ شمارہ تحقیقی مضامین کا خزانہ ہے۔ حضرت مُلّا داؤد ڈلمئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام ''دبستان نعت'' کے اس شمارے کا انتساب کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت پسندی کا اعتراف ہے اور اُن کو اردو نعت کے اوّلین تخلیق نگار کی حیثیت سے خراج تحسین بھی ہے جو خوش آئند قدم ہے۔ ''تحمید و تقدیس'' کے پیشِ نظر حمد و نعت پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا وہیں ''تابشِ فکر و نظر'' میں شامل مضامین کے مطالعے سے معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ ہندوستان میں نعتیہ شاعری اور نعتیہ مضامین صدیوں سے لکھے جا رہے ہیں لیکن اب باقاعدہ سلیقے سے نئی نسل کو ایسے تحقیقی مضامین سے روبرو ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے، یہ آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

''افکار روشن'' میں شامل مضمون اپنی اہمیت کے اعتبار سے منفرد ہیں اور منفرد موضوعات پر اہل علم نے ایسے بیش قیمتی زاویے پیش کئے ہیں جس کے لئے میری جانب سے دلی مبارک باد قبول ہو۔ ''زاویۂ نگاہ'' میں ناقدین نے ایسی آراء پیش کی ہیں جن سے ہم سب کو اتفاق ہونا چاہیے۔ ''کائنات نعت'' میں شائع ہونے والے نعتیہ دیوان سے تعارف بھی ہوا۔ ''گلہائے عقیدت'' میں شامل نعت پاک پڑھ کر ایمان میں نور پیدا ہوا۔ المختصر اداریہ بھی بغور پڑھا۔ نعتیہ ادب پر تحقیقی گفتگو کی گئی ہے، یہ عالمانہ نکات آپ ہی کے قلم کا حصہ ہیں۔

باری تعالیٰ آپ کو مزید حوصلہ عطا فرمائے اور یہ سفر یوں ہی جاری رہے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا

''نظم کی شکل میں نعت ہو یا نثر کے قالب میں مضمون جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توصیف ہو یہ کام اسی کے قلم سے ہوتا ہے جس سے سرکار راضی ہوتے ہیں۔''

اس سلسلے میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کو یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ''دبستان نعت'' کی شکل میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت کا جو کام ہندوستان سے ہو رہا ہے اس میں آقا علیہ السلام کی خوشنودی شامل ہے۔

امید ہے مع الخیر ہونگے۔ تمام پرسان احوال کی خدمت میں سلام مسنون۔ برادرم سید ہادی میاں سلمہٗ بھی بیش از بیش سلام گذار ہیں۔

پروفیسر خالد حسین خاں (شاہ جہاں پور)

محترم، مخلصم ڈاکٹر سراج احمد قادری

نذرانۂ سلام ورحمت!

برادرم، فرستادہ سوغاتِ دین ودنیا ''دبستان نعت'' شمارہ جنوری تا دسمبر ۲۰۱۷ء ہمدست ہوا۔ غیر متوقع، اس ارمغان خلوص کی آمد و یافت پر، کاتب تحریر کو از حد تحیّر ہوا کہ اپنے ملک عزیز، ہندوستان سے بھی اس نوع و نوعیت کا بے حد اہم وقیع و رفیع خالص مذہبی جریدہ، گذشتہ دنوں، منصۂ شہود پر نمودار ہو چکا ہے۔ آپ سے اس سے قبل نہ کوئی مراسلت، نہ مخاطبت، نہ مشارکت، نہ مصافحت، نہ ربط وضبط اور نہ ہی باہمی اور دائی تعلق تھا! آپ کی فکری، مذہبی، دینی، علمی، ادبی اور فنی بیش بہا معلومات کا میں قائل ہی نہیں، مائل و گھائل بھی ہوا۔

حضرت والا! آپ کو راقم مکتوب کے وطن مالوف، شاہ جہاں پور کا مکمل اور صحیح پتہ کس نے اور کہاں سے دیا؟ یہ بھی میرے لئے رمز وراز کی طرح ایک معمہ ہے۔ جبکہ خاکسار ۱۹۷۵ء سے میرٹھ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو سے منسلک تھا۔ ۲۰۱۶ء میں بحیثیت صدر شعبۂ اردو، سبکدوشی کے بعد میرٹھ سے وطن عزیز شاہ جہاں پور میں قیام پذیر ہے۔

بہرکیف: آپ کے خلوص و یگانگت، عقیدت و اعترافیت، یادآوری کرم نوازی کے لئے ممنون ہی نہیں، مسرور بھی ہوا۔ راقم، اس سے قبل، جناب سید صبیح رحمانی کی ادارت میں شائع ہونے والا خالص نعتیہ شمارہ بعنوان ''نعت رنگ'' (کراچی) کی زیارت سے مستفیض ہو چکا ہے۔

آپ کے نعتیہ شمارہ دوم کے مطالعے سے دل سیراب، دماغ سرشار و نکہت بار ہوئے۔ اس وقیع

ورفیع جریدہ کی اجرائی کی بصمیم قلب مبارک باد قبول کریں، آپ اور سات سمندر پار کے باسی فیروز احمد سیفی صاحب جس خلوص وخشوع سے، جس انہاک واضطراب سے، جس سنجیدگی وشائستگی سے اور جس خاموشی نیز سکون وسکوت سے، ھندوستان میں صنف نعت کی علمی، ادبی، مذہبی، روحانی اور اسلامی فروغ و فیضان کے لئے راغب ہوئے یہ بڑی خوش بختی کی علامت ہے۔ گرچہ، ہندو پاک کا انسانی، ادبی، تہذیبی، مذہبی اور لسانی مزاج و مذاق تقریباً یکساں ہے اس کے باوصف، دونوں ملکوں میں فاصلوں اور رابطوں کے ہمالیائی سدّ راہ کے سبب، رسائل و جرائد اور کتب کی لین دین اور آمد نہ کے برابر ہے۔ ھندوستان کے قلمکاروں کے رشحات قلم پاکستان کے لئے اجنبی سے ہیں بجنسہٖ، پاکستانی ادیبوں کے مقالات ومضامین یہاں والوں کے لئے عنقا وہُما جیسے ہیں۔ آپ نے اس روایت قبیح کو توڑا ہے اور دونوں ملکوں کے ہوشمند قارئین کے دلوں کو جوڑا ہے۔ یہ انفراد آپ کا ہے یہ اختصاص آپ اور آپ کے باہمت، پُر جوش اراکین کا ہے کہ ہندوستان کے دبستان دلی ولکھنؤ سے دور، غیر ادبی سرزمین سے نعت جیسی بابرکت صنف کا سورج طلوع کیا ہے، جو کائنات عالم کے تمام گوشوں کو منور ومعنبر کرے گا۔

آپ کی مدیرانہ کاوش، مخلصانہ عنایتیں، مودبانہ عادتیں اور قلمی نگارشیں، آپ کی کامرانی و سرفرازی کی دلیل ہیں۔ آپ کی ہمت مردانہ، جوشِ فرزانہ، کوشش یگانہ اور صلاحیت مدیرانہ سے مجھے پورا یقین ہے کہ آپ ہندوستان میں صنف نعت کو عوام میں روشناس کریں گے بلکہ خواص کو بھی اس جانب متوجہ کریں گے۔

۷۶۸ (کاش آپ عدد کو بابرکت بنانے کے لئے ۷۸۶ صفحات کردیتے) صفحات کے اس غیر معمولی ضخیم جریدے (نمبر۲) پر مشتمل نقشِ ثانی آپ کے اعلیٰ معیار ومیزان اور پہچان وپرکھ کی شہادت دے رہا ہے۔ تقدیسی شاعری کے فروغ کے لئے آپ نے جس طرح عملی وعلمی اور قلمی وقدمی کاوش کی ہے، وہ ناقابلِ یقین کام ہے اور آپ نے یہ کارنامہ کر دکھایا ہے۔ آپ کا یہ جریدہ جو شمارہ عام ہے، خاص نہیں، اتنی ضخامت اور جس دیدہ زیبی سے آراستہ وپیراستہ ہے،، اس معیاری مذہبی اور اسلامی شمارہ کی توصیف وتحسین کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں، بغایت مبارک باد!

فن نعت گوئی پر ''دبستان نعت'' میں شامل بیشتر مقالات ومضامین مفید مطلب ہیں ساتھ ہی نعت نگار شاعروں کے علم وفن کا جائزہ بھی بڑی عرق ریزی اور علمی حیثیت سے، عالموں، حافظوں، قاریوں، ناقدوں، محققوں معلموں ومتعلموں نے اپنی بساط واوقات بھر بخوبی کیا ہے۔

اس حقیقت سے بھی ہمیں مفر نہیں کہ خالص دینی، مذہبی اسلامی، روحانی، وجدانی مذاق ومزاج

سے متصف قلم کار وفن کاران دنوں برائے نام ہیں آپ کی اس جانب توجہ وترجیح سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے قلب مصفیٰ میں، انسانیت، اخلاقیت، روحانیت اور حب رسول سے بے نہایت احترام و عقیدت کے جذبات بے پایاں ہیں، یہ سعادت وشرافت ہر کسی کا مقدر نہیں بنتی!

''دبستان نعت'' کی فہرست کے ذیل میں جو ذیلی عنوانات ہیں، وہ بھی لائق تحسین ہیں، بطور مثال، ''نورونکہت'' کے بعد ''اداریہ'' اس کے بعد ''تحمید وتقدیس'' کے عنوان کے تحت تین منظومات۔ ''تابشِ فکر ونظر'' کے تحت ۱۲/مقالات یا مضامین ''افکار روشن'' کے عنوان سے ۲۳/مضامین ''گوشۂ حسّان الہند'' میں ۹/مضامین ''تعارف وتبصرہ کے عنوان سے'' کائنات نعت'' ایک مضمون ''زاویۂ نگاہ'' کے تحت ۱۵/مضامین ''گلہائے عقیدت'' عنوان کے بعد ۳۲/نعتیں اور آخر میں نصف صفحہ پر ''ستائش نامے'' کے ذیل میں ۴۰/مکتوبات شامل رسالہ ہیں۔ گویا، آپ نے ''دبستان نعت'' شمارہ دوم میں اپنی جانب سے کوئی گوشہ نہیں رکھا ہے اور کوئی شوشہ بھی شکایت کے لئے نہیں چھوڑا ہے، سب سے اہم یہ کہ کائنات اردو کے بیشتر ثوابت وسیار، کواکب وانجم اور شمس وقمر کو آپ نے ایک جگہ یکجا کرنے میں کامرانی حاصل کی ہے۔ سرِ ورق نہایت جاذب نظر اور پسِ ورق میں راقم سطور کے دیرینہ شناسا پروفیسر ابوالکلام قاسمی کے دستی خط کا عکس!

آپ نے محاورۃً نہیں حقیقتاً، صنف نعت کے بحر ذخار ۷۶۸ صفحات پر مشتمل ''دبستان نعت'' میں سمو دیا ہے۔ یہ کمال، بجز حکم ربی، انسان کے لئے آسان مرحلہ ومعاملہ نہیں۔ آپ سچے اور اچھے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نہیں بلکہ دین ومذہب کے اصول ونظریات اور اس کے متعلقات ومبادیات کے بھی پارکھ ہیں، آپ کی ایک اور خوبی جو میری محبوبی کی ضامن ہے یہ ہے کہ آپ نے اس جریدے میں عقیدت ومسلک کے ضمن میں شدت وحدت اور افراط وتفریط پر خصوصی توجہ مبذول کی ہے یعنی کسی بھی مضمون میں تضحیک، تذلیل، تحقیر یا اغراق، کفر وشرک، عاشق ومعشوق جیسے الفاظ، احساسات، اظہارات، اعترافات، اعتقادات سے مملو مضامین کو سرے سے خارج کر دیا ہے۔ یہ خاصیت وخوبی، آپ کی بحیثیت مدیر، شعر وادب بالخصوص حمد ونعت ومنقبت اور سلام سے گہری واقفیت، آگہی وعرفان، بصیرت وبصارت نیز فراست وذہانت کی شاہد عادل ہے۔

بطور تمت! جریدے کا نام ''دبستان نعت'' بذاتِ خود، اپنے بطون میں، اپنے فسوں میں، اور اپنے فنون میں، ایک جہان معنی رکھتا ہے۔ اس میں کائنات ارضی وسماوی کا ہر پہلو، ہر زاویہ، ہر زائچہ اور ہر لمحہ محیط ہے۔ کراچی (پاکستان) کا ضخیم نعتیہ رسالہ ''نعت رنگ'' کے عنوان میں وہ کیف وکیفیت

اور وہ رنگ کہاں ؟ دراصل یہاں بھی آپ نے اپنے جریدے کے طلسم ہوشر باعنوان میں سبقت حاصل کرلی ہے۔اردوشعروادب اورنعت کے عمومی قاری کے دل ودماغ اورشعروشعار میں اس عنوان کو دیکھتے ہی ''صنف نعت'' کا ایک وسیع وعریض مفہوم ومعنی فی الفور جاگزیں ہو جائے گا۔ یہ میرا، ایقان وایمان ہے۔

نوٹ: آگہی کے لئے تحریر ہے کہ میں لگ بھگ چارعشروں تک سربراہ شعبۂ اردو کے بارِعظیم کی ذمہ داری اپنے ناتواں شانوں پر اُٹھائے رہااور جامعہ کے ارباب حل وعقد سے اس خصوص میں مسلسل کوشاں رہا کہ ایم۔اے کے ۵ر پرچوں میں سے کسی ایک میں نعت کا پرچہ بھی شامل نصاب کیا جائے لیکن دیگر جامعات کے میٹنگ میں شامل شرکاءاس جانب راغب نہ ہوئے اور میری سعی ناکام رہی۔ البتہ ۲۰۰۶ء میں ایک طالب علم ،لکھنؤ سے میرٹھ میرے مکان پر وارد ہوا اور اس نے ''نعت'' کے موضوع پر میری نگرانی میں ریسرچ کرنے کی استدعا کی۔ راقم نے کہا کہ لکھنؤ تو اردو ادب کا دوسرا دبستان رہا ہےاور وہاں ایک سے بڑھ کرایک جید و جغادری اردو کے استادموجود ہیں لیکن وہ میری سر پرستی میں ہی ریسرچ کرنے پر بضد رہا، مجبوراً، میں نے نعت پر سناپسس (Synopsis) لکھ کر دے دیئے اور وہ کاغذات لے کر واپس لکھنؤ چلا گیا۔تاہم، وہ دن اور آج کا دن، وہ ایسے غائب ہوا جیسے ''گدھے کے سر سے سینگ''۔آپ کے ''دبستان نعت'' کی دستیابی کے بعد، یہ واقعہ یاد آ گیا۔ آپ کا اداریہ بھی صنف نعت پر تحقیق کرانے نیز سیمنار برپا کرانے کا غماز ہے۔آپ نے شریف حسین قاسمی اور فاروق احمد صدیقی صاحبان کے نقطۂ نظر کا حوالہ بھی دیا ہے۔میرے نوجوان محبوں میں شامل رضی الرحمٰن خانصاحب (گورکھپور) نے اس جانب اوّلیت کا سہرا اپنے سر باندھ کر ہم جیسے پیرتسمہ پا پروفیسروں کوآئینہ دکھایا ہے،ان کوبھی بےنہایت مبارک باد۔

کاتب تحریر کے ہم عصر و ہم عمر محبّ خاص جناب استخار الدین یعقوبؔ بدایونی کے برادرزادہ، عزیزی مفیض الدین قادری گاہے گاہے میری خیریت لیتے ،غریب خانہ پرآتے رہتے ہیں،انہوں نے دبستان نعت کا شمارۂ چہارم برائے مطالعہ،راقم سطور کودیا۔اس کا سرسری مطالعہ کرتے ہی دل ودماغ ،شعورو شعاراورجسم میں ایک روحانی ونورانی برقی رودوڑ گئی۔اس کی ضخامت بھی ۶۸۰ رصفحات پرمحیط ہے،سرِ ورق حسب سابقہ، سادہ وسلیس اورنفیس ہے،پسِ ورق میرے بہاری سدابہاری دوست پروفیسرعبدالمنان طرزؔی دربھنگوی کے منظوم تاثرات سے مزین ہے،موصوف کے فکر وفن پر، چار یا پانچ مضامین، راقم مضمون گذشتہ دوعشروں کے دوران سپرد قلم کر چکا ہےاور جس کی پذیرائی کائنات اردو میں خوب خوب ہو

چکی ہے۔ حضرتِ والا نے بھی حق دوستی ادا کرتے ہوئے اردو اور فارسی زبانوں میں خاکسار کی شخصیت، سیرت، فن اور دیگر گوشوں پر دل کھول توصیف و تحسین کے ڈونگرے نچھاور کئے ہیں۔

عزیزم، مخلصم ڈاکٹر سراج احمد قادری، ''دبستان نعت'' جلد چہارم کا مطالعہ ہنوز جاری ہے، اس پر تفصیلی اظہار خیال، بعدۂ آپ کو روانہ کرونگا۔ عزیزی مفیض الدین قادری نے فون پر مطلع کیا ہے کہ وہ آج یا کل آپ کو اپنے رشحات قلم مرسل کر رہے ہیں۔ یاد آیا، آپ کے بموجب ارشاد، ۳ر مضامین بھی روانہ کر رہا ہوں، ایک مضمون میرٹھ کے متوطن، نور احمد میرٹھی مرحوم، جو ۱۹۵۲ء میں ہجرت کر کے پاکستان کے شہر کراچی میں جا بسے تھے، انہوں نے وہاں کئی کتب مرتب و تخلیق کیں۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ، صنف نعت میں غیر مسلم شعراء کی کارگذ ریوں پر مشتمل بعنوان ''بہر زماں بہر زماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' (غیر مسلم نعت گو شعراء کا عالمی تذکرہ و نعتیہ کلام) ہے۔ ان کے اس کارنامہ پر، انہیں پاکستان کے معتبر اداروں اور حکومت پاکستان کی طرف سے متعدد اعزاز و انعامات سے سرفراز کیا گیا تھا۔ ہندوستان سے، اس پر بسیط تبصرہ و تجزیہ راقم الحروف نے کیا تھا جسے پاکستان کے ادبی حلقوں میں سراہا گیا۔ دوسرا مضمون، میرے عہد نوخیزی کے یار، ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کی نعتیہ شاعری اور شخصیت پر ہے۔ تیسرا مضمون، بکاروسٹی جھارکھنڈ میں رہائش پذیر نوجوان، شاعر و ادیب، مبلغ و مدرس اور ناظم حسن رضا اطہر پر ہے۔ اس طرح آپ کے قلمی تعاون کا وعدہ، دیر سے ہی سہی، اب ایفا کر رہا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ڈاکٹر غوثیہ سلطانہ نوری (شکاگو)

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ایک تاثر بحر بے کراں کے لئے۔

''دبستان نعت'' صاحبان علم و بصیرت، فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ فکر و فن، حسن نعت کی تعریف، تاریخ، محرکات، لوازمات، مصفّیات، اور رجحانات معنی آفرینی کی چشم کشا کاوش ہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری قابل مبارک باد ہیں۔ آپ کا ضخیم گنجینۂ ادب نعت کی تعریف کے تقاضے اور تاریخ کے عصری رجحانات تک کے مباحث کا مکمل احاطہ ہے۔ علمی مباحث و ادب میں فکر و دانش کی دنیا کے تمام بنیادی سوالات، استفسارات کا بیان زبان و ادب کے حوالے سے مفصّل بیان ہے، سیرت رسول

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مدح سرائی، ذہنی وجذباتی وابستگی کا مرکز ومحور ہے جس میں مسرت کے ساتھ حیرت ہوتی ہے کہ اس سفر میں نعتیہ ادب کے لئے فن پارے بلکہ مرکزی دھارے آپ نے جس خوبصورتی سے مربوط کئے ہیں صنف نعت کے لئے مایۂ افتخار ہے۔نعت پاک دولت بے بہا ہے۔ آخرت کی بھلائی کا سامان ہے۔اس بابرکت کام کے لئے ڈھیروں مبارکباد قبول فرمائیے۔

یہ ہے مشعل علم ایقاں و ایماں
کہ ''ولسوف یرضیٰ'' تو ہے قول قرآں

☆☆☆

Dabistan-e-Naat Yearly
Registered with the registrar of News Paper for India Issue No.: 5
RNI - Title Code : UP URDU 05427 Jan. to Dec. 2020

بسمه تعالی
جمهوری اسلامی ایران
دانشگاه تهران
دانشکده زبان ها و ادبیات خارجی

تاریخ:
شماره:
پیوست:

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم

دبستان نعت کے تین پہلے شمارے موصول ہوئے ہیں اور آپ سے سنا ہے کہ اب پانچواں شمارہ زیر طباعت ہے۔ ۳۲۰۰ صفحوں کے قریب نعت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جیسے وقیع و باوقار موضوع پر مضامین کی چار دانگ عالم سے فراہمی اور محبان رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اس موضوع پر لکھوانا بے شک ایک عظیم کارنامہ ہے۔ جس کے لئے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

آپ اور فیروز احمد سیفی صاحب سے کئی بار فون پر بات کرنے کی سعادت ملی ہے۔ جب بھی آپ کی آواز سنتا ہوں اور اس موضوع کا ذکر ہوتا ہے تو پیامبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی محبت کی خوشبو، باران رحمت الہی کی طرح برستی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کئی مضامین کو پڑھنے کے مواقع ملے ہیں اور ان سے بے شمار علمی فائدے مجھ ہیچمدان کو حاصل ہوئے ہیں۔ اردو زبان کے نعت گو شعرا کے کلام کا تعارف اور ان کے تحقیقی و تنقیدی مطالعے سے نہ صرف اس صنف کی اہمیت دنیا والوں کے سامنے مزید اضافہ ہوگا، بلکہ ان شعرا کے لئے علمی و ادبی اور بہتر صورت میں نعتیہ کلام لکھنے اور پیش کرنے کے مواقع فراہم ہو جائیں گے۔

فارس زبان ہونے اور فارسی ادب سے واقفیت کے سبب، آپ کی خدمت میں ایک بات عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ بعض مضامین میں مضمون نگار دوست، فارسی اشعار درج کرتے ہیں یا کسی فارسی شاعر کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس عمل کی افادیت میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے۔ لیکن ان سے اشعار کے املا اور کتابت میں اکثر اوقات غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ جس سے فارسی الفاظ کی غلط صورت کے رواج کا خدشہ رہتا ہے۔ میں کسی خاص مضمون کا نام نہیں لوں گا۔ لیکن ان اشعار کی صحیح صورت میں لکھنے میں آپ کی مدد کے لئے حاضر خدمت ہوں۔ طباعت سے پہلے ایسے مضامین میں موجود فارسی اشعار و فقروں کو ارسال فرمائیں تاکہ اشاعت میں غلطی کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

خدائے ذوالجلال والاکرم سے دعا ہے کہ آپ اور جناب فیروز احمد سیفی کو اس خطیر و عظیم فرض کو اسی طرح آگے بڑھانے کی مزید توفیقات عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر علی بیات

ایسوسی ایٹ پروفیسر اور سابق صدر شعبہ اردو، دانشگاہ تہران، ایران

۱۱۲ کتبر ۲۰۲۰

آدرس: خیابان کارگر شمالی- بین خیابان پانزدهم و شانزدهم- دانشکده زبان ها و ادبیات خارجی
تلفن: ۸۸۶۳۲۰۸۸ - ۸۸۶۳۳۹۰۰ (۰۲۱) نمابر: ۸۸۶۳۴۵۰۰ (۰۲۱)
صندوق پستی: ۶۵۵۳-۱۴۱۵۵ آدرس الکترونیکی: http://flll.ut.ac.ir

Dr. Siraj Ahmed Quadri *Editor*
Naat Research Center-India, Mohalla Banjaria West, Khalilabad
Distt. Sant Kabir Nagar-272175, U.P.
Printed at : Habibi Offset Press, Khalilabad, Distt. Sant Kabir Nagar, U.P.